شرح سیرت ابن ہشام

الروض الانف

مؤلفہ

امام ابو القاسم عبدالرحمن بن عبداللہ السہیلی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور ـ کراچی ـ پاکستان

شرح سیرت ابن ہشام مترجم

الروض الأنف

مؤلفہ

امام ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور۔ کراچی ۔ پاکستان

شرح سیرت ابن ہشام
جلد دوم

ترجمہ

الروض الاُنُف

مؤلفہ

امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ

زیر اہتمام

اِدارہ ضیاء المصنفین ○ بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور - کراچی ○ پاکستان

نام کتاب	شرح سیرت ابن ھشام ترجمہ روض انف (جلد دوم)
مؤلفہ	امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	علامہ ملک محمد بوستان، علامہ ذوالفقار علی، علامہ افتخار تبسم من علماء دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
زیراہتمام	ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف
زیرنگرانی	قاری اشفاق احمد خان، انور سعید
تاریخ اشاعت	اگست 2005ء
تعداد	ایک ہزار
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
کمپیوٹر کوڈ	1Z461
قیمت	-/1350 روپے کامل سیٹ

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔فون:7221953 فیکس:۔042-7238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون:7225085-7247350

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:021-2212011-2630411۔ فیکس:۔021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

zquran@brain.net.pk

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

فہرست مضامین

سیرت ابن ہشام

الروض الانف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نبی محترم ﷺ کا اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دینا

ابن اسحاق کہتے ہیں مردوں اور خواتین میں سے لوگ جوق در جوق دامن اسلام سے وابستہ ہونے لگے۔ اسلام کا مبارک ذکر مکہ معظمہ میں پھیلتا گیا۔ لوگ اس کے متعلق گفتگو کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو حکم فرمایا کہ وہ اللہ کا پیغام لوگوں کو واضح الفاظ میں پہنچائیں۔ اس حق کا اعلان بانگ دہل کریں جو اللہ رب العزت کی طرف سے آپ ﷺ کے قلب منیر پر نازل ہوا ہے۔ آپ ﷺ لوگوں کو بارگاہِ ربوبیت کی طرف بلائیں۔ داعی حق ﷺ نے تین سال تک دین اسلام کی تبلیغ کو پوشیدہ رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا۔

فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۹۴﴾ (الحجر)

سو آپ اعلان کر دیجئے اس کا جس کا آپ کو حکم دیا گیا اور منہ پھیر لیجئے مشرکوں سے۔(1)

وَ اَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ ﴿۲۱۴﴾ وَ اخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۱۵﴾ (الشعراء) وَقُلۡ اِنِّيۡۤ اَنَا النَّذِيۡرُ الۡمُبِيۡنُ (الحجر:۸۹)

"اور آپ ڈرایا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو اور نیچے کیجئے اپنے پروں کو مومنوں کے لئے اور فرمائیے کہ میں تو بلا شبہ (ایسے عذاب سے) کھلا ڈرانے والا ہوں"۔

ابن ہشام کہتے ہیں "اِصۡدَعۡ" کا معنی ہے کہ آپ ﷺ حق و باطل کے مابین فرق کر کے

صلوٰۃ کے لغوی معنی

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے اَنَّ اَبَا طَالِب حَدِبَ عَلٰی رَسُوۡلِ اللّٰہِ۔ کہ حضرت ابو طالب نے حضور ﷺ کے ساتھ شفقت فرمائی اور آپ ﷺ کی مکمل معاونت کی "اَلۡحَدَبُ" پیٹھ کے بل جھکنے کو کہتے ہیں پھر یہ لفظ کسی دوسرے پر مہربان ہونے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ اس کا معنی کسی دوسرے پر انتہائی شفقت کرنا ہے جس طرح کہ نابغہ کہتا ہے۔

حَدِبَتۡ عَلَیَّ بُطُوۡنُ ضَبَّةٍ كُلِّهَا اِنۡ ظَالِمًا فِيۡهِمۡ وَ اِنۡ مَظۡلُوۡمًا

ضبہ کے تمام قبائل مجھ پر جھک گئے (مجھ پر شفقت کرنے لگے)۔ خواہ ان میں سے کوئی ظالم تھا یا مظلوم (ہر ایک نے مجھ پر مہربانی کی)۔

لوگوں کو آگاہ فرمائیں۔ ابوذویب الھذلی، جس کا نام خویلد بن خالد تھا، وحشی گدھوں اور گدھیوں کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے۔

وَكَاَنَّهُنَّ رِبَابَةٌ وَكَاَنَّهُ بَسَرٌ يَفِيضُ عَلَى القِدَاحِ وَيَصْدَعُ

گویا کہ وہ گدھیاں ایک جماعت ہیں اور گدھا ایسا جاباز ہے جو جوئے کے تیروں پر غالب آکر انہیں توڑ دیتا ہے یعنی وہ قرعہ اندازی کر کے ان کے حصوں میں تفریق کرتا ہے۔ (یہ شعر اس کے ایک قصیدہ سے ماخوذ ہے)۔

روبہ بن عجاج کا شعر ہے۔

اَنْتَ الْحَلِيْمُ وَالْاَمِيْرُ الْمُنْتَقِمُ تَصْدَعُ بِالْحَقِّ وَتَنْفِى مَنْ ظَلَمْ

تم بردبار بھی ہو اور منتقم مزاج امیر بھی ہو اور تم حق کا واضح اعلان بھی کرتے ہو اور جو ظلم کرتا ہے اس کا انکار بھی کرتے ہو۔

حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کا گھاٹیوں میں سجدہ ریزیاں کرنا

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو صحابہ کرام علیہم الرضوان مکہ مشرفہ کی گھاٹیوں کی طرف تشریف لے جاتے اور اپنی قوم سے چھپ کر نماز ادا فرما لیتے۔ حضرت سعد بن ابی

اسی طرح الصلوٰۃ بھی "الصلوین" سے مشتق ہے اس کا معنی بھی انعطاف اور مڑنا ہے صلوین ان دو رگوں کو کہتے ہیں جو پشت سے شروع ہو کر رانوں تک جاتی ہیں۔ اہل عرب کہتے ہیں صَلَّى عَلَيْهِ۔ یعنی وہ اس کی سمت مڑا۔ پھر رحمت و شفقت کو "صلوٰۃ" سے تعبیر کرنے لگے۔ رحمت کو صلوٰۃ اس وقت کہا جاتا ہے جب اس میں انتہائی مبالغہ مقصود ہو۔ جس طرح درود شریف ہے۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَى مُحَمَّدٍ۔ یہ رَحِمَ اللّٰهُ مُحَمَّدًا فِي الْحُنُوِّ والعَطْفِ (اللہ تعالیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ پر شفقت و مہربانی کرتے ہوئے رحم فرمائے) سے زیادہ بلیغ اور رقیق ہے دراصل الصلوٰۃ کا تعلق محسوسات کے ساتھ ہے لیکن مبالغہ اور تاکید کا اظہار کرتے ہوئے اس سے یہ معنی مراد لیا جاتا ہے جس طرح کہ شاعر کہتا ہے۔

فَمَا زِلْتُ فِي لِيْنِي لَهُ وَ تَعَطُّفِي عَلَيْهِ كَمَا تَحْنُوْ عَلَى الْوَلَدِ الْاُمُّ

میں ہمیشہ اس پر نرمی اور ملائمت کا اظہار کرتا رہا جس طرح ایک ماں اپنے لختِ جگر پر رحمت و شفقت کرتی رہتی ہے۔

وقاص رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کے ہمراہ مکہ معظمہ کی کسی گھاٹی میں مصروف نماز تھے۔ اچانک مشرکین کی ایک جماعت نے انہیں دیکھ لیا۔ انہوں نے صحابہ کرام کی اس ادائے بندگی پر عیب لگانے شروع کئے اور اسے عجیب سمجھنے لگے۔ حتی کہ نوبت لڑائی تک پہنچ گئی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک مشرک کے سر پر اونٹ کا جبڑا مارا جس سے وہ شدید زخمی ہو گیا۔ یہ پہلا خون تھا جو مسلمانوں نے اللہ کی رضا کے لئے بہایا۔

آپ ﷺ کے محترم چچا کا تعاون

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ "جب تاجدار عرب و عجم ﷺ نے اپنی قوم کو دین اسلام کی دعوت

اسی سے اہل عرب کا قول ہے صَلَّيْتُ عَلَى الْمَيِّتِ میں اس کے لئے اس شخص کی سی دعا مانگی جو اس پر مہربانی اور شفقت کرتا ہو۔ اسی لئے الصلوۃ کا معنی ہمیشہ دعا کے لئے ہی مستعمل ہے یہ کہنا صَلَّيْتُ عَلَى الْعَدُوِّ (میں نے دشمن کے لئے بددعا کی) درست نہیں کیونکہ اس میں شفقت، محبت اور رحمت کا معنی پایا جاتا ہے۔ اس کا حقیقی معنی انعطاف ہے اسی لئے اسے علیٰ سے متعدی کیا گیا ہے صَلَّيْتُ عَلَيْهِ کا معنی حَنَوْتُ عَلَيْهِ ہے دعا کے لئے صرف دَعَوْتُ لَهُ ہی استعمال ہو گا لیکن جب یہ لفظ دشمن کے لئے بددعا اور شر کے لئے استعمال ہو تو پھر "علی" کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ الصلوۃ اور دعا میں یہی فرق ہے لیکن اہل لغت ان میں کوئی تفریق نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ الصلوۃ مطلق دعا کے معنی میں ہے۔ وہ نہ تو اسے لام سے اور نہ ہی علی سے متعدی کرتے ہیں لیکن ان کو مقید کرنا ضروری ہے جس طرح کہ ہم نے ذکر کیا ہے کبھی کبھی "اَلْحَدَبُ" مخالفت کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے خصوصاً اس وقت جب یہ قَعَسٌ (سینہ نکال کر اور پیٹھ دھنسا کر بیٹھنا) کے ساتھ متصل ہو۔ مثلاً شاعر کہتا ہے۔

إِذَا حَدِبُوْا فَاقْعَسْ وَإِنْ هُمْ تَقَاعَسُوْا لِيَنْتَزِعُوْا مَا خَلْفَ ظَهْرِكَ فَاحْدَبْ

اگر وہ پیٹھ کے بل جھک جائیں تو تو سینہ نکال کر بیٹھ اور اگر وہ اس لئے سینہ نکالیں کہ اس چیز کو چھین لیں جو تیری پیٹھ کے پیچھے ہے تو پھر تو پشت کے بل جھک جا۔

وَلَنْ يُنْهِنَهُ قَوْمًا أَنْتَ خَائِفُهُمْ كَمِثْلِ وَقْمِكَ جُهَّالًا بِجُهَّالِ

فَاقْعَسْ إِذَا حَدِبُوْا وَاحْدَبْ إِذَا قَعِسُوْا وَوَازِنِ الشَّرَّ مِثْقَالًا بِمِثْقَالِ

اس قوم کو کوئی خوفزدہ نہیں کر سکتا جسے تو ڈرانے والا ہو یہ اسی طرح ہے جس طرح تو جاہل کے ساتھ جاہل کو ذلیل کرتا ہے جب وہ پیٹھ کے بل جھک جائیں تو تو سینہ تان لے اور جب وہ سینہ تان لیں تو تو پیٹھ کے بل جھک جا۔ اور شر کا وزن مثقال کے بدلے مثقال کے ساتھ کر۔

دی اور اللہ رب العزت کے حکم کے مطابق اعلانیہ تبلیغ فرمائی تو آپ ﷺ کی قوم نے نہ تو اسے عجیب سمجھا اور نہ ہی اس پیامِ حق کی عیب جوئی کی لیکن جب آپ ﷺ نے ان کے معبودانِ باطلہ کی تردید فرمائی اور ان کے عیوب بیان فرمائے تو انہیں یہ بات انتہائی ناگوار لگی۔ ان لوگوں کو چھوڑ کر جنہوں نے نورِ اسلام سے اجالا پالیا تھا باقی تمام لوگ آپ ﷺ سے عداوت و بغض پر متفق ہو گئے۔ اس وقت مسلمان تعداد میں قلیل تھے اور خفیہ طور پر اپنی کوششوں کو جاری رکھے ہوئے تھے۔ ان گھمبیر حالات میں آپ ﷺ کے محترم چچا خواجہ ابو طالب نے آپ ﷺ سے انتہائی شفقت کا اظہار کیا۔ اس طرح نبی محترم ﷺ دین اسلام کو وسعتیں عطا فرماتے رہے۔ کوئی امر بھی آپ ﷺ کو پیغامِ حق سنانے سے باز نہ رکھ سکا۔ جب قریش مکہ نے دیکھا کہ حضور ﷺ کو کوئی چیز بھی تبلیغ دین سے منحرف نہیں کر سکتی۔ آئے روز حضور ﷺ ان کے معبودانِ باطلہ کے عیوب بیان کر رہے ہیں ان کے باہمی افتراق و انتشار کا سبب بن رہے ہیں آپ ﷺ کے محترم چچا نے بھی آپ ﷺ کی حمایت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور وہ آپ ﷺ کی بھرپور تائید کر رہے ہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت ابو طالب کبھی بھی نبی اکرم ﷺ کو ان کے سپرد نہیں کریں گے تو قریش کے اشراف میں سے چند چیدہ لوگ جناب ابو طالب کی خدمت میں گئے ان میں سے ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب کے دو بیٹے عتبہ اور شیبہ، ابو سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر، (ابن ہشام کہتے ہیں ابو سفیان کا نام صخر تھا ابو البختری، عاص بن ہشام بن حارث بن اسد بن عبد العزی بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی ابن ہشام کہتے ہیں کہ ابو البختری کا نام عاص بن ہاشم تھا)، اسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزی بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی، ابو جہل (اس کا نام

ابوالبختری

ابن اسحاق نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو حضرت ابو طالب کے پاس آئے تھے۔ ان میں ابو البختری بن ہشام بھی تھا۔ ابن اسحاق کے نزدیک اس کا نام عاصی بن ہشام تھا جب کہ ابن ہشام کے نزدیک اس کا نام عاص بن ہاشم تھا۔ ابن اسحاق کا قول ابن کلبی کے قول سے موافقت کرتا ہے جبکہ ابن ہشام کا قول زبیر، ابن ابی بکر اور مصعب کے قول سے مطابقت رکھتا ہے۔ میں نے شیخ ابو بحر کی کتاب کے حاشیہ میں پڑھا ہے کہ اس کا نام سفیان بن عاصی تھا۔

عمرو اور کنیت ابوالحکم تھی)، ابن ھشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوی، حجاج بن عامر بن حذیفہ بن سعد بن سہم بن عمرو بن ھصیص بن کعب بن لوی کے دو بیٹے نبیہ اور منبہ اور عاص بن وائل شامل تھے۔ ابن ھشام کہتے ہیں عاص بن وائل بن ہاشم بن سعید بن سہم بن عمرو بن ھصیص بن کعب بن لوی تھا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں ان کے ہمراہ کچھ اور بھی لوگ تھے وہ حضرت ابوطالب کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔

''اے ابوطالب! تمہارا بھتیجا ہمارے بتوں کو گالیاں دیتا ہے، ہمارے دین کے عیب نکالتا ہے، وہ ہمیں نادان اور کم عقل کہتا ہے حتیٰ کہ وہ ہمارے آباء واجداد کو گمراہ کہتا ہے یا تو اسے منع کریں کہ وہ ایسے کاموں سے رک جائے یا پھر ہمارے درمیان سے ہٹ جائیں۔ تمہارا بھی وہی دین ہے جو ہمارا ہے ہم اسے تمہاری طرف سے بھی کافی ہو جائیں گے۔''

حضرت ابوطالب نے ان کے ساتھ انتہائی نرمی سے گفتگو کی اور خوبصورت انداز سے ٹال کر انہیں واپس بھیج دیا۔ حضور اکرم ﷺ انتہائی جانفشانی سے اپنی مصروفیات میں مشغول رہے آپ ﷺ دین الٰہی کا اظہار فرماتے رہے۔ لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیتے رہے حتیٰ کہ آپ ﷺ اور مشرکین کے مابین حالات دوبارہ کشیدگی اختیار کر گئے۔ اسی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے دور ہوتے گئے ان کے سینے بغض وعناد سے بھر گئے۔ قریش مکہ اکثر نبی اکرم ﷺ کا تذکرہ کرتے رہتے۔ وہ لوگوں کو آپ ﷺ کے خلاف برانگیختہ کرتے۔ انہیں حضور ﷺ کی مخالفت پر اکساتے۔ مذکورہ بالا وفد دوبارہ حضرت ابوطالب کے پاس گیا اور ان سے کہنے لگا۔

''اے ابوطالب! آپ ہم میں سے عمر، قدر وشرف اور رتبہ میں بڑے ہیں۔ ہم نے آپ سے پہلے بھی عرض کی تھی کہ آپ اپنے بھتیجے کو اس نئے دین کی تبلیغ سے روکیں۔ قسم بخدا! ہم صبر نہیں کر سکتے کہ ہمارے آباء کو دشنام طرازی کی جائے، ہمیں نادان و بے وقوف کہا جائے، ہمارے معبودوں کے عیب نکالے جائیں، یا تو آپ اسے روکیں یا پھر ہم اس سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ دوسری صورت میں آپ کسی قسم کی دخل اندازی نہیں کریں گے۔ حتیٰ کہ دونوں گروہوں میں سے ایک نیست ونابود ہو جائے'' ایسی نازیبا باتیں کر کے وہ لوٹ گئے۔ حضرت ابوطالب پر اپنی قوم کی یہ عداوت اور فراق بڑا دشوار گزرا۔ آپ نہ ہی حضور ﷺ کو قریش مکہ کے حوالے کر سکتے تھے اور نہ ہی آپ ﷺ کو یوں چھوڑنا انہیں پسند تھا۔

نبی محترم ﷺ کے لئے حضرت ابو طالب کی اعانت

ابن اسحاق فرماتے ہیں۔ مجھے یعقوب بن عتبہ بن المغیرہ بن الاخنس نے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ان سے بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت ابو طالب نے وفد قریش کی یہ پریشان کن گفتگو سنی تو انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو بلا بھیجا۔ جب آپ ﷺ تشریف لے آئے تو حضرت ابو حالب یوں عرض گذار ہوئے۔

''اے میرے بھتیجے! ابھی ابھی آپ کی قوم میرے پاس آئی تھی انہوں نے اس طرح تکلیف دہ گفتگو کی ہے۔ آپ مجھ پر بھی رحم کریں اپنی ذات پر بھی ترس کریں۔ مجھ پر وہ بار گراں نہ ڈالیں جس کو اٹھانے کی مجھ میں سکت نہیں'' حضرت ابو طالب کی یہ گفتگو سن کر حضور ﷺ کو اپنے عم محترم کے متعلق یہ گمان ہوا کہ شاید وہ انہیں چھوڑ دیں گے، انہیں دشمن کے حوالے کر دیں گے اور وہ آپ ﷺ کی نصرت و اعانت سے معذرت کا اظہار کریں گے۔ پھر پیکر جرأت و استقامت ﷺ نے فرمایا۔

یَا عَمِّ واللّٰهِ لَوْ وَضَعُوْا الشَّمْسَ فِي يَمِيْنِيْ وَالْقَمَرَ فِي يَسَارِيْ عَلٰى اَنْ اَتْرُكَ هٰذَا الاَمْرَ حَتّٰى يُظْهِرَهُ اللّٰهُ اَوْ اَهْلِكَ فِيْهِ مَا تَرَكْتُهُ۔

اے عم محترم! اگر وہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر رکھ دیں، چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھ دیں تا کہ میں تبلیغ دین سے دست کش ہو جاؤں تو میں پھر بھی اسے نہیں چھوڑوں گا حتیٰ کہ یا تو

لَوْ وَضَعُوْا الشَّمْسَ فِي يَمِيْنِيْ

ابن اسحاق نے تاجدارِ نبوت ﷺ کا یہ فرمانِ مبارک ذکر کیا ہے اس میں آپ ﷺ نے سورج کو اپنے دائیں دستِ اقدس کے ساتھ مختص فرمایا ہے کیونکہ یہ ایک روشن نشانی ہے جبکہ چاند کو بائیں ہاتھ سے مختص کیا ہے کیونکہ وہ ایک ایسی علامت ہے جس میں داغ ہیں۔

ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا۔ ''میں نے خواب میں دیکھا کہ سورج اور چاند باہم [illegible] ہیں ان میں سے ہر ایک کے ہمراہ کچھ ستارے بھی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے پوچھا اس جنگ میں تو کس کے ہمراہ تھا اس نے کہا میں چاند کے ساتھ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تو داغدار نشانی کے ساتھ تھا۔ تو یہاں سے چلا جا اور آئندہ میرے لئے کوئی کام سر انجام نہ دینا۔ یہ شخص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا [illegible] تھا آپ نے اسے معزول کر دیا۔ جنگ صفین

اللہ تعالیٰ اس دین کو غلبہ دے دے یا میں اس کی راہ میں شہادت سے سرخرو ہو جاؤں''۔ پھر نبی اکرم ﷺ گریہ بار ہو گئے چشمانِ مقدس سے آنسو کی جھڑی لگ گئی اور اٹھ کر جانے لگے۔ ابھی جانے کا قصد فرمایا ہی تھا کہ حضرت ابو طالب نے کہا'' اے میرے بھتیجے! میرے پاس تشریف لائیں''۔ حضور ﷺ اپنے محترم چچا کے قریب تر ہو گئے انہوں نے عرض کی'' اے میرے بھتیجے! آپ ﷺ جیسے پسند کریں تبلیغ کریں۔ اللہ کی قسم! میں کبھی بھی آپ کو کسی کے حوالے نہیں کروں گا''۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب کفارِ قریش کو یقین ہو گیا کہ ابو طالب نہ تو حضور ﷺ کو چھوڑیں گے اور نہ ہی آپ ﷺ کو ان کے سپرد کریں گے تو وہ عمار بن ولید بن مغیرہ کو حضرت ابو طالب کے پاس لے گئے۔ انہوں نے ان سے یہ درخواست کی'' اے ابو طالب! یہ عمار بن ولید ہے یہ قریش کے تمام جوانوں سے زیادہ قوی اور صاحبِ جمال ہے اسے اپنا بیٹا بنا لیں یہ تمہارا مددگار اور معاون ہو گا۔ اور اپنے اس بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دیں۔ اسی نے ہی تمہارے اور تمہارے آباء کے دین کی مخالفت کی ہے۔ اسی نے ہی تمہاری قوم میں تفرقہ ڈالا ہے اور اسے عقل و دانش سے عاری کہا ہے ہم اسے قتل کر دیں گے (نعوذ باللہ منہ) اس طرح آدمی کے بدلے آدمی تمہیں مل جائے گا''۔ قریش مکہ کی یہ ہرزہ سرائی سن کر حضرت ابو طالب نے فرمایا'' تم میرے ساتھ کتنا برا سودا کر رہے ہو تم مجھے اپنا بیٹا دے رہے ہو کہ میں اسے تمہارے لئے پروان چڑھاؤں اور اپنا نورِ نظر تمہیں اس لئے دے دوں تا کہ تم اسے قتل کر دو۔ قسم بخدا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا''۔

معطم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف بن قصی نے کہا'' اے ابو طالب! اللہ کی قسم! تمہاری

یہی شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے لڑا اور قتل ہوا اس کا نام حابس بن سعد تھا۔ حضور ﷺ نے ضرب المثل بیان فرماتے وقت سورج اور چاند کو مخصوص فرمایا ہے کیونکہ ان کا نور محسوس ہوتا ہے اور وہ نور جو بارگاہِ ربوبیت سے آپ ﷺ کے پاس آیا تھا قریش مکہ کی خواہش تھی کہ آپ ﷺ اسے ترک فرما دیں یقیناً وہ نور مخلوق سے افضل و اشرف تھا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ۔ جب قریش مکہ نے چاہا کہ آپ ﷺ نورِ اعلیٰ کو چھوڑ دیں تو بلاغت نبویہ کا تقاضا تھا کہ آپ ﷺ نورِ ادنیٰ اس کے بالمقابل ذکر کریں اور نورین میں سے اعلیٰ کے ساتھ اختصاص فرمائیں اور وہ مبارک نشانی ہے جسے آپ نے دایاں کے ساتھ مخصوص فرمایا اس کی بلاغت اور حکمت اہل دانش پر مخفی نہیں۔

قوم نے تمہارے ساتھ انصاف کیا ہے اور تمہیں اس امر سے نجات دلانے کی بھرپور کوشش کی ہے جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ قریش کی کسی بات کو تم قبول نہیں کرو گے"۔ جناب ابوطالب نے مطعم سے کہا "اللہ کی قسم! انہوں نے مجھ سے انصاف نہیں کیا۔ لیکن تو نے فیصلہ کر

البداء

ابن اسحاق نے لکھا ہے اَنْ قَدْ بَدَا لِعَتِه..... بداٗ کا معنی ظاہر ہونا ہے رائے کو بھی بداٗ کہتے ہیں کیونکہ پہلے یہ بھی مخفی ہوتی ہے۔ بعد میں اس کا ظہور ہوتا ہے۔ البدء اور البدو مصدر ہیں جبکہ بداٗ اسم ہے مصدر کے متعلق یوں نہیں کہا جاسکتا بَدَا لَهٗ بُدُوٌّ جس طرح کہ یہ کہنا مناسب نہیں ظَهَرَ لَهٗ ظُهُوْرٌ۔ کیونکہ جو یہاں ظاہر اور عیاں ہو رہا ہے وہ اسم بداٗ وغیرہ ہے۔ ابوعلی کا شعر ہے۔

لَعَلَّكَ وَالْمَوْعُوْدُ حَقٌّ وَفَائُهٗ بَدَالَكَ فِي تِلْكَ الْقَلُوْصِ بَدَاْ

شاید تم اور وہ وعدہ جس کا پورا ہونا یقینی ہو چکا ہے۔ تمہارے لئے ان جوان اونٹوں میں (حصہ) واضح ہو چکا ہے۔

کیونکہ البدو کا معنی "الظہور" ہے اس لئے البدء کے ساتھ ذاتِ باری تعالیٰ کا وصف بیان کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس ذات کریمانہ کے لئے کوئی چیز پردہ اخفاء میں نہیں جس کا ظہور ہو حکم کے نسخ کا تعلق بداٗ کے ساتھ نہیں جس طرح کہ بعض جہلاء نے وہم کیا ہے بلکہ اس سے مراد اس حکم کو تبدیل کرنا ہے جس کو ذاتِ باری تعالیٰ نے اپنے اندازے کے مطابق اور اپنے علم کے اعتبار سے مقرر فرمایا ہو۔ اگر بداء کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کیا بھی جائے تو اس کا معنی ارادہ ہوگا۔ یہ وہ مجاز ہے جس کے اطلاق کی کوئی راہ نہیں مگر جبکہ صاحب شرع ﷺ کا اذن ہو۔ ہمارے اس نقطۂ نظر کی دلیل وہ حدیث مبارک بھی ہے جسے امام بخاری نے روایت کیا ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے اندھے، گنجے اور برص والے کے متعلق فرمایا بَدَاَ اللّٰهُ اَنْ يَّبْتَلِيَهُمْ۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ وہ انہیں آزمائے" اس حدیث شریف میں بداٗ، اَرَادَ کے معنی میں ہے۔ بعض رافضی اور یہودی بداٗ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں۔ مثلاً رافضیوں میں سے ابن اعین اور اس کے پیروکار بداٗ کو اللہ رب العزت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اسے اور نسخ کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں۔ بعض یہودی بھی نسخ کو بداٗ نہیں سمجھتے اور بعض اسے رافضیوں کی طرح بداٗ کا ہم معنی سمجھتے ہیں۔ روایت کیا جاتا ہے کہ شیر خدا مشکل کشا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دن نماز ادا فرمائی پھر تبسم فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہ سے تبسم کناں ہونے

لیا ہے کہ تو مجھے ضرور ذلیل ورسوا کرے گا اور میرے خلاف میری قوم کی مدد کرے گا جو تیری منشاءَ ہو وہ کر"۔

پھر معاملہ سنگین ہو گیا۔ قوم کے اختلافات فزوں تر ہو گئے۔ جاہلیت کی حمیت کام دکھانے لگی۔ لوگ ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ اس وقت خواجہ ابو طالب نے مطعم بن عدی، بنو عبد مناف اور دیگر قبائل قریش کو مخاطب کر کے یہ اشعار کہے۔ ان اشعار میں انہوں نے قریش کے اس مطالبہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا مجھے ابو طالب یاد آ رہے ہیں۔ جب نماز فرض ہوئی انہوں نے مجھے دیکھا کہ میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ ایک کھجور کے نیچے نماز ادا کر رہا ہوں انہوں نے کہا" یہ کیسا فعل ہے جو میں دیکھ رہا ہوں"۔ جب ہم نے انہیں بتایا تو انہوں نے کہا یہ کام تو عمدہ ہے لیکن میں اسے ہرگز انجام نہ دوں گا۔ میں پسند نہیں کرتا کہ میری پشت مجھ سے بلندتر ہو جائے۔ اَنْھَدُ۔ قریش مکہ نے جناب ابو طالب کو عمارہ بن ولید کی پیشکش کرتے ہوئے کہا تھا ھٰذَا اَنْھَدُ فَتًی فِی قُرَیْشٍ۔ انھد کا معنی سب سے قوی اور طاقتور ہے وہ گھوڑا جو سب سے آگے رہے اسے فَرَسٌ نَھْدٌ کہا جاتا ہے۔ اس کا معنی اَلتَّقَدُّمُ ہے اسی سے ہے نَھَدَ ثَدْیُ الْجَارِیَۃِ۔ عمارہ بن ولید وہی شخص تھا جسے قریش نے عمرو بن عاص کے ساتھ حبشہ بھیجا تھا وہاں اس پر جادو ہو گیا اور یہ مجنوں ہو گیا ان شاء اللہ اس کا تفصیلی تذکرہ عنقریب آ رہا ہے۔

بعض سیرت نگار لکھتے ہیں جب قریش مکہ نے حضرت ابو طالب سے کہا کہ محمد عربی ﷺ کے بدلے عمارہ کو لے لیں تو انہوں نے فرمایا۔" کیا تم نے کسی اونٹنی کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے بچے کے علاوہ کسی اور پر شفقت اور مہربانی کرتی ہو۔ میں اپنا لختِ جگر اس لئے تمہیں دوں کہ تم اسے قتل کر دو اور تم سے تمہارے بیٹے کو اس لئے لے لوں تا کہ اس کی کفالت ونگہداشت کروں اور اسے روٹیاں کھلاتا رہوں"۔ ابن اسحاق کی روایت کا بھی تقریباً یہی معنی ہے۔

فَحَقِبَ الْاَمْرُ۔ معاملہ شدید ہو گیا یہ حَقِبَ الْبَعِیْرُ سے مشتق ہے یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب اونٹ کی بھرپور کوشش اور جدوجہد سے اس کا تنگ گر جائے اور جب اس پہ تنگ (رسی) اتنا شدت سے باندھا گیا ہو کہ اس کا پیشاب کرنا بھی مشکل ہو تو کہا جاتا ہے حَقِبَ الْبَعِیْرُ پھر یہ لفظ اس معاملہ کے لئے استعمال ہونے لگا جو انتہائی مشکل اور گراں ہو۔ شَرِیَ الْاَمْرُ کا معنی ہے شر کا پھیل جانا۔ الشریٰ بھی اسی سے مشتق ہے۔ وہ پھوڑے جو جسم پر پھیل جاتے ہیں اسی سے ہے شَرِیَ جِلْدُ الرَّجُلِ۔

حضرت ابوطالب کے اشعار

أَلَا قُلْ لِعَمْرٍو وَالْوَلِيْدِ وَ مُطْعَمٍ   اَلَالَيْتَ حَظِّي مِنْ حِيَاطَتِكُمْ بَكْرُ

ارے! تم عمرو، ولید اور مطعم سے کہہ دو کہ کاش مجھے تمہارے اعتماد پر ایک جوان اونٹ مل جاتا۔

مِنَ الْخُوْرِ حَبْحَابٌ كَثِيْرٌ رُغَاؤُهٗ   يُرِشُّ عَلَى السَّاقَيْنِ مِنْ بَوْلِهٖ قَطْرُ

ناتوانی نے اسے کوتاہ قد بنا دیا ہو، وہ بہت زیادہ بلبلاتا ہو اور پیشاب کے قطرات اس کی پنڈلی پر ٹپک رہے ہوں۔

تَخَلَّفَ خَلْفَ الْوِرْدِ لَيْسَ بِلَا حِقٍ   إِذَا مَا عَلَا الْفَيْفَاءَ قِيْلَ لَهٗ وَبْرُ

ایک اس کی صفت یہ بھی ہو کہ وہ پانی پینے والے اونٹوں سے ہمیشہ پیچھے ہی رہے ان سے کبھی بھی مل نہ پائے اور اسے وبر (بلی) کہا جائے۔

أَرَى أَخَوَيْنَا مِنْ أَبِيْنَا وَأُمِّنَا   إِذَا سُئِلَا قَالَا إِلَى غَيْرِنَا الْاَمْرُ

میں اپنے ان دو بھائیوں کو دیکھتا ہوں جو ہمارے باپ اور ماں کی طرف سے ہیں جب ان سے اس معاملہ کے متعلق پوچھا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں یہ کام ہمارے دائرہ اختیار میں نہیں۔ کسی اور کے اختیار میں ہے۔

حضرت ابوطالب کے اشعار کی وضاحت

اَلَا لَيْتَ حَظِّيْ۔ الخ۔ جوان اونٹ میرے لئے تم سے زیادہ نفع بخش ہوتا۔ جس طرح کہ طرفہ نے عمرو بن ہند کے متعلق کہا ہے۔

فَلَيْتَ لَنَا مَكَانَ الْمَلْكِ عَمْرٍو   رَغُوْثًا حَوْلَ قُبَّتِنَا تَخُوْرُ

کاش بادشاہ عمرو کا مکان ہمارے لئے دودھ دینے والا ہوتا جو ہمارے خیمے کے اردگرد آوازیں نکالتا رہتا۔ اَلْخُوْرُ کا معنی انتہائی کمزور اَلْحَبْحَابُ کا معنی چھوٹا ہے شیخ ابو بحر کی کتاب کے حاشیہ میں جبجاب ہے انہوں نے اس کا معنی بہت زیادہ گرنا کیا ہے اِذَا مَا عَلَا الْفَيْفَاءَ قِيْلَ لَهٗ۔ وَبْرٌ۔ اس کے چھوٹے پن کی وجہ سے اسے بلی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ مکان کی بلندی اور بعد کی وجہ سے آنکھ کو چھوٹا دکھائی دیتا ہو۔ اگر اہل عرب کا قول "اَلْفَيْفُ" نہ ہوتا تو پھر الفيفاء کو اَلْقَضْقَاضُ اور اَلْجَرْجَاذُ کے باب سے کرنا بہتر ہوتا۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دونوں الف زائدہ

بَلٰی لَهُمَا اَمْرٌ وَلٰكِنْ تَجَرْجُمَا كَمَا جَرْجَمَتْ مِنْ رَاسِ ذِیْ عَلَقٍ صَخْرٌ

بلکہ یہ کام تو ان کے دائرہ اختیار میں ہے لیکن وہ اس طرح گرے ہیں جس طرح کوہ ذی علق سے پتھر لڑھکتا ہے۔

اَخُصُّ خُصُوْصًا عَبْدَ شَمْسٍ وَ نَوْفَلًا هُمَا نَبَذَانَا مِثْلَ مَا يُنْبَذُ الْجَمْرُ

میں عبد شمس اور نوفل سے خصوصاً شکوہ کناں ہوں انہوں نے ہمیں اس طرح علیحدہ کر دیا ہے جس طرح انگارہ علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔

هُمَا اَغْمَرَا لِلْقَوْمِ فِی اَخَوَيْهِمَا فَقَدْ اَصْبَحَا مِنْهُمْ اَكُفُّهُمَا صِفْرٌ

انہوں نے اپنے بھائیوں کو سرعام رسوا کیا لیکن اب ان کی کیفیت یہ ہو چکی ہے کہ ان کی ہتھیلیاں خالی ہو چکی ہیں یعنی وہ اپنے قبیلے میں تنہا اور یکتا ہو گئے ہیں۔

وَتَيْمٌ وَ مَخْزُوْمٌ وَ زُهْرَةُ مِنْهُمْ وَ كَانُوْا لَنَا مَوْلٰی اِذَا بُغِیَ النَّصْرُ

بنو تیم، بنو مخزوم اور بنو زہرۃ نے بھی اپنا تعلق انہی کے ساتھ قائم کر لیا ہے حالانکہ جب مدد کی پکار دی گئی تو اس وقت وہ ہمارے حلیف تھے۔

فَوَ اللّٰهِ لَا تَنْفَكُّ مِنَّا عَدَاوَةٌ لَا مِنْهُمْ مَا كَانَ مِنْ نَسْلِنَا شَفْرٌ

جب تک ہماری نسل میں سے کوئی ایک باشندہ بھی رہے گا قسم بخدا! ہماری عداوت برقرار رہے گی۔

فَقَدْ سَفُهَتْ اَحْلَامُهُمْ وَ عُقُوْلُهُمْ وَكَانُوْا كَجَفْرٍ بِئْسَ مَا صَنَعَتْ جَفْرُ

ان کی عقل و دانش بوسیدہ ہو گئی ہے۔ وہ جفر کی مانند ہو گئے ہیں اور جفر کے کرتوت کتنے

ہیں۔ اور یہ قلق اور سلس کے باب سے ہیں جس کے ف کلمہ کو دوبارہ لکھا گیا ہے نہ کہ عین کلمہ کو۔ ایسے الفاظ بہت کم ہیں مثلاً قلق۔ سلس۔ ثلث اور سدس۔ ہم نے ایسے کلمات کو جمع کیا ہے ہم انہیں کسی اور جگہ ذکر کریں گے۔ فیفاء کا الف الحاق کے لئے نہیں ہے کہ یہ غیر منصرف ہو کیونکہ فَعْلَالٌ کے وزن پر کوئی کلمہ نہیں اگر کہا جائے کہ ممکن ہے کہ یہ قفقاض اور اس کے باب سے ملحق ہو تو ہم کہیں گے کہ قفقاض ثنائی مضاعف ہے اس کے ساتھ ثلاثی کو ملحق نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح کہ ثلاثی کے ساتھ رباعی کو ملحق نہیں کیا جا سکتا۔ اکبر کو اقل سے ملحق نہیں کیا جا سکتا۔ اسے فیفاہ بھی روایت کیا گیا ہے۔ اس کا الف تانیث کے لئے نہیں کیونکہ اسے تانیث کی دو علامتوں کے مابین جمع نہیں کیا جا سکتا۔ اس وقت یہ ارطاۃ وغیرہ کے باب سے ہوگا گویا اسے ایک جسیم خاتون سے ملحق کیا گیا ہے۔

برے ہیں۔

ابن ہشام کہتے ہیں اس قصیدے میں سے ہم نے وہ دو اشعار حذف کر دیئے ہیں جن میں قدرے بے حیائی تھی۔

مسلمانوں کو ایذاء رسانی

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر قریش نے ان قبائل کو ابھارا۔ جن میں نبی محترم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ جنہوں نے آپ ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت کا شرف حاصل کیا تھا۔ ہر قبیلہ ان مسلمانوں پر جھپٹ پڑا جو اس میں موجود تھے۔ وہ انہیں طرح طرح کی تکلیفیں دیتے اور انہیں دین برحق چھوڑنے پر مجبور کرتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی حفاظت فرمائی۔ حضرت ابو طالب نے بھی حضور ﷺ کے تحفظ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جب ابو طالب نے قریش کے کرتوت دیکھے تو انہوں نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو جمع کیا انہیں نبی اکرم ﷺ کے تحفظ کی ترغیب دی۔ اور آپ ﷺ کی نصرت و اعانت پر ابھارا۔ ان دونوں قبائل نے ان کی صدا پر لبیک کہا وہ ان کے اردگرد جمع ہو گئے۔ حضور ﷺ کی بھرپور تائید کرنے لگے، لیکن اللہ کا دشمن ابولہب ملعون پھر بھی علیحدہ ہی رہا اس نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کا ساتھ نہ دیا۔

حضرت ابو طالب کے اشعار

جب حضرت ابو طالب نے اپنی قوم کی اس جدوجہد کا مشاہدہ کیا جو انہوں نے نبی محترم

ذِیْ عَلَقٍ۔ علق کو غیر منصرف نہیں بنایا گیا یا تو اسے جگہ کا نام بنا دیا گیا ہے یا اس لئے کہ یہ علم ہے اور اسم علم کو منصرف پڑھنا اشعار میں عام ہے خواہ وہ نہ ہی مونث ہو اور نہ عجمی ہو۔ حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ کا شعر ہے۔

وَمَا كَانَ حِصْنٌ وَلَا حَابِسٌ يَفُوْقَانِ مِرْدَاسَ فِي الْمَجْمَعِ

کوئی قلعہ یا کوئی گھوڑا مجمع میں مرداس سے فائق نہیں ہو سکتے تھے۔

دوسرے شاعر کا قول ہے۔

يَا مَنْ جَفَانِي وَ مَلَّا نَسِيْتَ اَهْلًا وَ سَهْلًا وَمَاتَ مَرْحَبٌ لَمَّا رَاَيْتَ مَالِيَ قَلَّا

اے وہ شخص جس نے مجھ پر جفا کی ہے اور جو اکتا گیا ہے اور جو اپنے اہل اور نرم زمین کو

ﷺ کے لئے کی تھی۔ ان کی اس محبت وعقیدت کا نظارہ کیا جو وہ نبی اکرم ﷺ سے کررہے تھے تو انہوں نے اپنی قوم کی تعریف کی۔ انہیں ان کی ماضی کی شاندار روایات یاد کرائیں۔ محبوب مکرم ﷺ کی عظمت وشرافت کو عیاں کیا۔ آپ ﷺ کے مقام کی رفعتوں کو آشکارا کیا تا کہ یہ قبائل آپ ﷺ کے تحفظ کی سرتوڑ کوشش کریں اور حضور ﷺ پر اپنی محبتیں اور عقیدتیں نچھاور کریں۔ اس وقت انہوں نے یہ اشعار کہے۔

إِذَا اجْتَمَعَتْ يَوْمًا قُرَيْشٌ لِمَفْخَرٍ فَعَبْدُ مَنَافٍ سِرُّهَا وَ صَمِيمُهَا

جب بھی قریش کسی قابل فخر کارنامے کے لئے جمع ہوئے تو عبد مناف ان کے لئے دل اور روحِ رواں ثابت ہوئے۔

فَإِنْ حُصِّلَتْ أَشْرَافُ عَبْدِ مَنَافِهَا فَفِي هَاشِمٍ أَشْرَافُهَا وَقَدِيمُهَا

جب بنو عبد مناف میں سے بہترین لوگوں کو شمار کیا جائے تو ہاشم کے لوگ ہی بہترین اور عمدہ ہوں گے۔

وَإِنْ فَخَرَتْ يَوْمًا وَإِنَّ مُحَمَّدًا هُوَ الْمُصْطَفٰى مِنْ سِرِّهَا وَكَرِيمِهَا

جب کبھی انہوں نے کسی پر فخر کیا تو بلاشبہ محمد عربی ہی وہ ہستی ہوں گے جو ان کے عمدہ اور کریم لوگوں میں سے برگزیدہ ہوں گے۔

تَدَاعَتْ قُرَيْشٌ غَثُّهَا وَ سَمِينُهَا عَلَيْنَا فَلَمْ تَظْفَرْ وَ طَاشَتْ حُلُومُهَا

قریش نے ہمارے خلاف اپنے ہر اچھے، برے آدمی کو صدا دی لیکن کامیابی ان کے مقدر میں نہ ہوئی جس کی وجہ سے ان کی عقلیں زائل ہو گئیں۔

بھول چکا ہے جب تو نے دیکھا کہ میرا مال قلیل ہے تو مرحب مر چکا تھا۔

اس شعر میں مرحب کو غیر منصرف نہیں بنایا گیا اس کتاب میں ایسی کئی مثالیں آئیں گی اور وہاں اس کی شرح کر دی جائے گی۔ اگر ذِیْ عَلَقِ الصَّخْرِ تنوین کو حذف کر کے پڑھا جائے تا کہ دو ساکن جمع نہ ہوں تو یہ بہت عمدہ ہے جس طرح یہ آیت پڑھی گئی ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ ''(اے حبیب) فرما دیجئے وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ صمد ہے''،

اَحَدٌ میں تنوین کو حذف کر دیا گیا ہے۔ یہ ابن ابی عمرو بن العلاء کی روایت ہے شاعر کہتا ہے۔

حَمِيْدُ الَّذِيْ اَمَجَ دَارَهٗ وَلَا ذَاكِرُ اللّٰهِ اِلَّا قَلِيْلًا۔

وہ حمید جس کی وجہ سے اس کے گھر کو استحکام نصیب ہوا وہ اللہ کا قلیل ہی ذکر کرنے والا ہے۔

وَ كُنَّا قَدِيْمًا لَا نُقِرُّ ظُلَامَةً إِذَا مَا ثَنَوْا صُعْرَ الْخُدُوْدِ نُقِيْمُهَا

ہماری پرانی عادت یہ ہے کہ ہم ظلم کو باقی نہیں رہنے دیتے۔ جب لوگ تکبر کی وجہ سے رخسار ٹیڑھے کرتے ہیں تو ہم انہیں سیدھا کر لیتے ہیں۔

وَ نَحْمِي حِمَاهَا كُلَّ يَوْمِ كَرِيْهَةٍ وَنَضْرِبُ عَنْ اَحْجَارِهَا مَنْ يَرُوْمُهَا

ہر مشکل وقت میں ہم اپنی قوم کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کے قلعوں اور پناہ گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

بِنَا انْتَعَشَ الْعُوْدُ الذَّوَاءُ وَاِنَّمَا بِاَكْنَافِنَا تَنْدَى وَ تَنْمِي اُرُوْمُهَا

ہماری وجہ سے سوکھی لکڑیاں سبز و شاداب ہو گئیں ہمارے پہلوؤں میں ان کی جڑیں عمیق ہوتی ہیں اور تراوت حاصل کرتی ہیں۔

ولید بن مغیرہ کا قرآن کے بارے موقف

قریش مکہ ولید بن مغیرہ کے پاس گئے۔ وہ ان سب سے عمر رسیدہ تھا اس نے قریش مکہ سے کہا اے گروہِ قریش! حج کی ادائیگی کا زمانہ قریب آ چکا ہے عنقریب عرب کے وفود تمہارے پاس آنے لگیں گے۔ وہ تمہارے اس صاحب ﷺ کے متعلق پہلے ہی سن چکے ہیں۔ تم سب ان کے

حضرت ابو طالب کا شعر اِذَا جْتَمَعَتْ يَوْمًا الخ میں سِرُّهَا کا معنی وَسْطُهَا (اس کا وسط ہے) سِرُّ الْوَادِي سے مراد وادی کا درمیان ہے۔ "وَسْطٌ" کے متعلق پہلے کافی تفصیل گزر چکی ہے۔ یہ صرف شہادت اور نسب میں ہی استعمال ہوتا ہے۔ نَضْرِبُ عَنْ اَحْجَارِهَا۔ ہم ان کے قلعوں اور پناہ گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ایک روایت میں "اَحْجَارِهَا" بھی ہے یہ حجر کی جمع ہے اور استعارۃً گھروں اور مسکنوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔

قرآن کے متعلق ولید کی رائے

ابن اسحاق نے ولید بن مغیرہ کا تفصیلاً تذکرہ کیا ہے۔ قریش مکہ نے اس سے کہا کہ ہم حضور ﷺ کو شاعر کہیں گے تو اس نے کہا "ان کے کلام میں شعروں جیسا ہزج اور رجز نہیں ہے۔ ہزج شاعروں کے نزدیک شعر کی معروف قسم ہے۔ اس کے مادۂ اشتقاق کے متعلق میں آگاہ نہیں ہوں۔ ممکن ہے یہ مکھی کے اوصاف میں سے ہو اور اس کا معنی مترنم ہو۔ "الرجز": ممکن ہے کہ یہ رَجَزْتُ الْحَمْلَ سے مشتق ہو اس کا معنی پالان کو درست کرنا ہے۔ اس سے مراد اشعار کے حصوں کو درست کرنا ہے۔ یہ

متعلق ایک رائے پر اتفاق کرلو۔ آپس میں اختلافات نہ کرنا اس طرح تم ایک دوسرے کی تکذیب کرنے لگو۔ باہمی اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کی خود ہی تردید کرنے لگو گے''۔

قریش مکہ نے ولید سے کہا'' اے ولید! تم ہی کسی رائے کا اظہار کرو جس پر ہم سب متفق ہو جائیں''۔ ولید نے کہا'' نہیں! تم اپنی اپنی رائے کا اظہار کرو میں سنتا ہوں''۔ قریش نے کہا'' ہم کہیں گے کہ یہ کاہن ہیں'' ولید نے کہا'' نہیں قسم بخدا! یہ کاہن نہیں ہیں۔ ہم نے کاہنوں کو خوب دیکھا ہے۔ ان میں کاہنوں جیسا نہ تو زمزمہ ہے اور نہ ہی سجعہ ہے''۔ قریش مکہ نے کہا'' ہم کہیں گے کہ یہ مجنوں ہیں''۔ ولید نے اس رائے سے بھی اختلاف کرتے ہوئے کہا'' نہیں وہ مجنوں بھی نہیں ہیں۔'' ہم سودا سے بھی خوب آشنا ہیں۔ نہ ان کی آواز سودائیوں جیسی ہے اور نہ ہی وہاں شیطانی وسوسہ کا عمل دخل ہے''۔ ولید کا یہ جواب سن کر قریش مکہ نے ایک اور رائے کا اظہار کیا کہ ہم کہیں گے کہ یہ شاعر ہیں۔ ولید نے کہا'' وہ شاعر بھی نہیں ہیں ہم شعروں کی تمام اقسام رجز، ہزج، قریض، مقبوض اور مبسوط سے آگاہ ہے یہ شاعر بھی نہیں ہیں۔ قریش مکہ نے ولید کی یہ تردید سن کر کہا'' ہم کہیں گے کہ یہ جادوگر ہیں۔ ولید نے کہا یہ جادوگر بھی نہیں ہیں۔ ہم جادوگروں اور ان کی ساحری سے آشنا ہیں ان میں ان جیسی جھاڑ پھونک اور گرہیں باندھنا نہیں ہے''۔ عاجز آکر قریش مکہ نے کہا'' اے ابوعبدشمس! اب تم ہی بتاؤ''۔ ولید نے کہا'' اللہ کی قسم! ان کے کلام

بھی ممکن ہے کہ یہ زَجَرَتِ النَّاقَۃُ سے مشتق ہو۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب اونٹنی کھڑے ہوتے وقت کانپنے لگے۔ جس طرح کہ شاعر کا قول ہے: حَتّٰی تَقُوْمَ تَکَلُّفَ الرَّجْرَاءِ۔ تو پڑھنے والیوں کے تکلف کو برقرار رکھتا ہے۔ گویا کہ ایسے اشعار کو پڑھنے والا لرزنے لگتا ہے۔ زمزمہ: کمزور سی آواز کو زمزمہ کہتے ہیں مثلاً وہ آواز جو گھوڑے پانی پیتے وقت نکالتے ہیں اسی طرح کہا جاتا ہے زَمْزَمَ الرَّعْدُ۔ بجلی کا آواز نکالنا۔ کاہنوں کی آواز بھی اسی طرح ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کی کیفیت جانتا ہے گھوڑوں کی یہ آواز تو ان کی ناک سے آتی ہے۔ اَصْلُہٗ لَعَذْقٌ وَاِنَّ فَرْعَہٗ لَجَنَاۃٌ۔ یہ اس کھجور سے استعارہ ہے جس کی جڑیں مستحکم ہوں اور جس کی شاخیں سرسبز و شاداب ہوں عذق کھجور کو کہتے ہیں ابن ہشام کی روایت میں غرق ہے لیکن ابن اسحاق کی روایت زیادہ فصیح ہے کیونکہ یہ ایک مکمل استعارہ ہے جو کلام کے آخر کو اس کے اول سے تشبیہ دے رہا ہے۔ غدق کا معنی کثیر پانی ہے کہا غَیْدَقَ الرَّجُلُ۔ اس کا تھوک زیادہ ہو گیا۔ حضور ﷺ کے چچاؤں میں سے ایک کا نام غیداق تھا۔ یہ نام ان کی سخاوت کی وجہ سے رکھا گیا تھا۔ گوہ کے بچے کو بھی غیداق کہتے ہیں۔ غیداق، حسل سے بڑا ہوتا ہے۔

میں مٹھاس ہے۔ اس کی جڑیں مستحکم اور اس کی شاخیں ثمر آور ہیں۔ قسم بخدا! ان نازیبا امور میں سے جس امر کو بھی ان کی طرف منسوب کرو گے اس کا جھوٹ عیاں ہو جائے گا۔ تم زیادہ سے زیادہ لوگوں کو یہ بتا سکتے ہو کہ یہ جادوگر ہیں۔ یہ ایسا جادو لے کر آئے ہیں جس سے یہ آدمی کو اس کے باپ سے، آدمی کو اس کے بھائی سے، آدمی کو اس کی بیوی اور اس کے قبیلے سے جدا کر دیتے ہیں۔'' قریش مکہ یہ رائے سن کر وہاں سے چلے گئے۔ جب حج کا زمانہ آیا تو وہ مختلف راستوں پر بیٹھ گئے۔ جو شخص بھی وہاں سے گزرتا وہ اسے نبی اکرم ﷺ سے ڈراتے اور اس سے آپ ﷺ کا تذکرہ کرتے۔

ولید کے متعلق آیاتِ قرآنیہ

اللہ تعالیٰ نے ولید کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں۔

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ﴿۱۱﴾ وَّ جَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ وَّ بَنِیْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّ مَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ﴿۱۴﴾ (المدثر) '' آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور جس کو میں نے پیدا کیا ہے اور دے دیا ہے اس کو مال کثیر اور بیٹے دیئے ہیں جو پاس رہنے والے ہیں اور مہیا کر دیا ہے اسے ہر قسم کا سامان''۔

ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ﴿۱۶﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَ اسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا

ان آیات کا نزول ولید کے بارے ہوا ہے ان میں عظیم دھمکی اور شدید وعید ہے کیونکہ اس کا معنی ہے مجھے اور اسے چھوڑ دیں۔ عنقریب آپ دیکھ لیں گے کہ میں اس کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہوں۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَذَرْنِیْ وَمَنْ یُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ (القلم: ۴۴) '' مجھے اور اس شخص کو چھوڑ دیں جو اس کلام کی تکذیب کرتا ہے'' یہ ایسا کلمہ ہے جو ناراض اس وقت کہتا ہے جب اس کا غصہ اور غضب شدت اختیار کر جاتا ہے اور وہ ناپسند کرتا ہے کہ اس کی سفارش کی جائے وہ ناراض ہو رہا ہوتا ہے اس آیت کا معنی یہ ہے اے محمد مصطفیٰ ﷺ نہ تو آپ ﷺ کا استغفار کرنا اور نہ کسی دوسرے کا استغفار کرنا کافر کو فائدہ دے سکتا ہے۔ بَنِیْنَ شُهُوْدًا ایسے جوان بیٹے جو اس کے ساتھ ہمیشہ رہتے ہیں انہیں سفر کرنے اور پردیس میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اس کے پاس مال وافر تھا مال ممدود سے مراد بارہ ہزار یا اس سے زائد دینار ہو سکتے ہیں۔ مَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا۔ میں نے اس کے لئے

فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُۙ ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِؕ ﴿۲۵﴾ (المدثر) ''پھر طمع کرتا ہے کہ میں اسے مزید عطا کروں ہرگز نہیں وہ ہماری آیتوں کا سخت دشمن ہے۔ میں اسے مجبور کروں گا کہ وہ کٹھن چڑھائی چڑھے، اس نے غور کیا اور پھر ایک بات طے کرلی اس پر پھٹکار اس نے کتنی بری بات طے کی۔ اس پر پھر پھٹکار کیسی بری بات اس نے طے کی، پھر دیکھا پھر منہ بسورا اور ترش رو ہوا۔ پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا پھر بولا یہ نہیں ہے مگر جادو جو پہلوں سے چلا آتا ہے یہ نہیں مگر انسان کا کلام''۔

عَنِیْدًا کا معنی دشمن ہے۔ ابن ہشام کہتے ہیں عنید کا معنی معاند اور مخالف ہے رؤبہ بن عجاج کا قول ہے۔ وَنَحْنُ ضَرَّابُوْنَ رَاسَ الْعِنَدِ۔ '' ہم مخالفین کے سروں پر شمشیر زنی کرنے والے ہیں۔ ابن ہشام کہتے ہیں''بَسَر'' چہرے کی بدصورتی کو کہتے ہیں عجاج کا قول ہے۔

مُضَبَّرُ　اللَّحیَیْنِ　بَسْرًا　مِنْهَا　　وہ انتہائی بدصورت چہرے کا مالک ہے

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر اللہ رب العزت نے اپنے رسول مکرم ﷺ پر ان لوگوں کے لئے کلام اتارا جو آپ ﷺ پر عیب جوئی کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِیْنَۙ ﴿۹۰﴾ الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْــٴَـلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَۙ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ (الحجر) '' جیسے اتارا ہم نے ان بانٹنے والوں پر جنہوں نے کردیا تھا قرآن کو پارہ پارہ پس آپ کے رب کی قسم ہم پوچھیں گے ان سب سے ان اعمال کے متعلق جو وہ کیا کرتے تھے''۔

ابن ہشام کہتے ہیں عِضِیْنَ کا واحد عِضَةٌ ہے عَضَوْهُ کا معنی ہے اسے جدا جدا کردو رؤبہ کہتا ہے۔ وَلَیْسَ دِیْنُ اللّٰهِ بِالْمُعَضّٰی۔ دین الٰہی کو پارہ پارہ نہیں کیا جاسکتا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں'' پھر حج کرنے والے ہر اس شخص سے نبی محترم ﷺ کا تذکرہ کرتے

عذاب تیار کر رکھا ہے میں اسے آہستہ آہستہ عذاب کی طرف لے جاؤں گا۔ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا۔ صعود جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس کی مسافت ستر سال ہے۔ کافر کو اس کے اوپر چڑھنے کا حکم ملے گا۔ جب وہ بڑی مشکل سے چوٹی تک پہنچے گا تو اسے وہاں سے نیچے گرادیا جائے گا۔ وہ سانس بھی نہ لے سکے گا۔

فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ۔ اس پر لعنت ہو کہ اس نے کیسا اندازہ لگایا ہے۔ کیف یہاں حروف شرط میں سے ہے کہا گیا ہے کہ یہ قتل کے معنی میں ہے یعنی وہ اس قابل ہے کہ اس پر قتل کا دعویٰ کیا جائے۔

جس سے وہ ملتے ہر جا حضور ﷺ کا چرچا ہونے لگا۔ تمام عرب میں حضور ﷺ کا ذکر پھیل گیا''۔

حضرت ابوطالب اپنے اور اپنے محترم بھتیجے ﷺ کے نسب پر فخر کناں ہیں

جب حضرت ابوطالب کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں عرب کی عوام آپ کے اور آپ کی قوم کے پیچھے نہ پڑ جائے تو انہوں نے اس وقت وہ مشہور و معروف قصیدہ کہا جس میں انہوں نے حرم مکہ سے پناہ لی۔ اس میں اس رتبہ کا ذکر کیا جو آپ کو وہاں حاصل تھا۔ آپ نے اپنی قوم کے عظیم لوگوں سے اظہارِ محبت کیا۔ انہیں اور دیگر لوگوں کو بتا دیا کہ وہ کبھی بھی نہ تو رسول مکرم ﷺ کو کسی کے سپرد کریں گے اور نہ ہی کسی لالچ میں آ کر انہیں چھوڑیں گے۔ حتیٰ کہ وہ آپ ﷺ کا تحفظ کرتے کرتے مر جائیں گے۔

انہوں نے اپنے اشعار میں کہا۔

وَلَمَّا رَأَيْتُ الْقَوْمَ لَا وُدَّ فِيهِمْ   وَ قَدْ تَقَطَّعُوا كُلَّ الْعُرَىٰ وَالْوَسَائِلِ

جب میں نے دیکھا کہ قوم کی باہمی محبت والفت ختم ہوگئی ہے اور انہوں نے ہر رشتہ، ناطہ توڑ لیا ہے۔

ابن ہشام نے بسر کا معنی لکھا ہے اس کا معنی قہر بھی ہے اور اس کا معنی اونٹنی پر اونٹ کا وقت سے قبل ہی جفتی کے لئے چڑھنا بھی ہے۔ عِضِيْنَ، عِضَةٌ سے مشتق ہے اس کا معنی تفریق ڈالنا ہے۔ حدیث میں ہے۔ لَا تَعْضِيَةَ فِي مِيْرَاثٍ اِلَّا مَا احْتَمَلَهُ الْقَسَمُ۔

میراث میں صرف اسی چیز کی تقسیم ہوگی جو تقسیم ہونے کا احتمال رکھتی ہو۔ اس حدیث کا معنی ابن قاسم کے مذہب کے موافق ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو تقسیم کے بعد نفع رساں نہ رہے یا تقسیم کرنے سے شریکین کو نقصان برداشت کرنا پڑے اسے تقسیم نہیں کیا جائے گا لیکن حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی رائے اس کے برعکس ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے دلیل پکڑتے ہیں۔

مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا (النساء: ۷) اس ترکے سے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ یہ حصہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عِضِيْنَ، عِضَةٌ کی جمع ہے اور اسکا معنی جادو ہے بطور دلیل یہ شعر پڑھا جاتا ہے۔

اَعُوْذُ بِرَبِّيْ مِنَ النَّافِثَاتِ فِي الْعُقَدِ الْعَاضِهَ الْمُعْضِهَ

میں اپنے رب سے ان عورتوں سے پناہ مانگتا ہوں جو جادو کی ہوئی گرہوں پر پھونکیں مارنے والی ہیں۔

وَ قَدْ صَارَحُوْنَا بِالْعَدَاوَةِ وَالْاَذٰی وَ قَدْ طَاوَعُوْا اَمْرَا الْعُدُوِّ الْمُزَایِلِ

انہوں نے ہم سے عداوت اور دشمنی کی اور علیحدہ ہو جانے والے دشمن کا حکم بجالائے۔

وَ قَدْ حَالَفُوْا قَوْمًا عَلَیْنَا اَظِنَّةً یَعُضُّوْنَ غَیْظًا خَلْفَنَا بِالْاَنَامِلِ

انہوں نے ان لوگوں سے معاہدے کئے جو ہم پر غلط الزامات لگاتے تھے جو ہماری عدم موجودگی میں شدت غضب کی وجہ سے انگلیاں کاٹتے تھے۔

صَبَرْتُ لَهُمْ نَفْسِیْ بِسَمْرَاءَ سَمْحَةٍ وَاَبْیَضَ عَضْبٍ مِنْ تُرَاثِ الْمَقَاوِلِ

میں لچکدار نیزے اور اس تلوار کو ہاتھ میں لے کر مقابلے کے لئے نکل آیا جو ہمیں بادشاہوں سے وراثت میں ملی تھی۔

وَاَحْضَرْتُ عِنْدَ الْبَیْتِ رَهْطِیْ وَ اِخْوَتِیْ وَ اَمْسَكْتُ مِنْ اَثْوَابِهٖ بِالْوَصَائِلِ

میں نے اپنے قبیلے اور بھائیوں کو بیت الحرام کے پاس جمع کیا اور بیت اللہ کی سرخ دھاری دار چادریں پکڑ لیں۔

قِیَامًا مَعًا مُسْتَقْبِلِیْنَ رِتَاجَهٗ لَدٰی حَیْثُ یُقْضِیْ حَلْفَهٗ كُلُّ نَافِلِ

میں سب کی معیت میں اس عظیم دروازے کی سمت منہ کر کے کھڑا تھا جہاں ہر قسم اٹھانے والا

حضرت ابوطالب کے قصیدہ لامیہ کی شرح

اَبْیَضَ عَضْبٍ مِنْ تُرَاثِ الْمَقَاوِلِ۔ ہم اقیال اور مقاول کی شرح پہلے کر چکے ہیں۔ تراث کا اصل وراث ہے۔ لیکن چند مقامات پر ہی واؤ کو تاء میں تبدیل کرتے ہیں اس کی وجہ کلمہ کی تعلیل میں تاء کا کثرت سے ہونا ہے تراث اس مال کو کہتے ہیں جو وراثۃً چلتا ہے ایک قوم سے دوسری قوم کو ملتا ہے۔ توریث اور توراث میں یہ تاء مستعمل ہے اسی طرح تجاہ البیت میں بھی یہ تاء مستعمل ہے توجہ اور توجیہ وغیرہ میں بھی یہ تاء ہے جب بھی کلمہ کو منصرف بنانے میں تاء پائی جاتی ہے تو واؤ کو اس سے تبدیل کر دیتے ہیں جس طرح ریحان میں کیا جاتا ہے۔ یہ روح سے مشتق ہے تصریف کلمہ میں یاء کی کثرت کی وجہ سے ایسا کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ تراث اور اس کے باب میں بعید ہے کیونکہ وہ یاء جو کلمہ کے مادہ کے ساتھ ہے زائدہ ہے جبکہ ریحان کی یاء اس طرح نہیں ہے۔ اَلتُّكَاةُ اور تَتْرٰی بھی اسی طرح ہیں تولج کی بھی یہی کیفیت ہے کیونکہ اہل عرب اسے اَتَّلَجَ پڑھتے ہیں واؤ کو تاء میں تبدیل کر کے ادغام کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ مُتَّلَجْ بھی پڑھتے ہیں۔ یہ ریحان اور اس کے باب کے زیادہ مشابہ ہے کیونکہ مُتَّلَجْ کی پہلی تاء اصلی ہے جب اسے مضاعف کہا جائے پھر بھی اس کی تاء اصلی ہی ہے یہ اس باب کا راز ہے

قسم اٹھاتا ہے۔

وَحَيْثُ يُنِيخُ الْاَشْعَرُوْنَ رِكَابَهُم بِمُفْضِى السُّيُوْلِ مِنْ اِسَافَ وَ نَائِل

یعنی اس جگہ پر جلوہ افروز ہوئے جہاں اشعری اپنی سواریاں بٹھاتے ہیں۔ اساف اور نائلہ کے پاس جہاں سیلاب کی گذرگاہ ہے۔

مُوَسَّمَةُ الْاَعْضَادِ اَوْ قَصِرَاتِهَا مُخَيَّسَةٌ بَيْنَ السَّدِيْسِ وَ بَازِلِ

وہ اونٹ جن کے بازوؤں یا جوڑوں پر علامتیں لگائی گئی ہوں۔ ان کی عمر آٹھ اور نو سال کے

مقاول سے مراد جناب ابو طالب کے آباء واجداد ہیں۔ وہ بادشاہ نہ تھے صرف انہیں بادشاہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ان میں کوئی ایک بھی بادشاہ نہ تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا۔ کیا حضور ﷺ کے آباء میں سے کوئی بادشاہ بھی گذرا ہے تو انہوں نے کہا نہیں۔ ممکن ہے اس تلوار سے مراد وہ تلوار ہو جو بادشاہوں نے ان کے والد گرامی مرتبت کو دی تھی جب حضرت عبد المطلب ابن ذی یزن کے پاس گئے تو اس نے انہیں عظیم الشان عطیات دیئے۔ حضرت عبدالمطلب اور قریش اسے حبشہ پر فتح کی مبارک باد دینے گئے تھے۔ یہ واقعہ حضور ﷺ کی ولادت سے دو سال بعد کا ہے۔

مُوَسَّمَةُ الْاَعْضَادِ اَوْ قَصَرَاتِهَا۔ اس سے مراد وہ نشانات ہیں جو ان کے بازوؤں پر لگائے گئے تھے۔ ایسے نشان کو سطاع کہا جاتا ہے ران پر نشان کو خباط اور کلائی پر نشان کو رقمہ کہا جاتا ہے پہلو کے نشان کو کشاح، گردن کے نشان کو علاط، علطتان اور شعب کہا جاتا ہے یہ نشان ٹیڑھے ڈنڈے کی طرح ہوتا ہے۔ گردن پر ایک اور نشان بھی ہوتا ہے جسے قید الفرس کہا جاتا ہے۔ زاجر کہتا ہے۔

كُوْمٌ عَلٰى اَعْنَاقِهَا قَيْدُ الْفَرَسِ تَنْجُوْ اِذَا اللَّيْلُ تَدَانِى وَالْتَبَسَ

وہ ایسے اونٹ ہیں جن کی گردنوں پر قید الفرس (نشان) ہے جب رات ظلمت بھری اور تاریک ہوتی ہے تو وہ نجات پا جاتے ہیں۔

اونٹوں کے نشانات کے کئی نام ہیں۔ ابو عبید نے ''کتاب الابل'' میں اکثر ذکر کیا ہے ان نشانات میں سے اَلْمُشَيْطَنَةُ، اَلْمُفَعَّاةُ اور اَلْقَرْمَةُ ناک کے نشان کو کہتے ہیں۔ الجرف اور الخطاف گردن کے نشان کو کہا جاتا ہے۔ الدّلو، المُشط، اَلْفِرْتَاج، اَلثُّؤْثُوْر، اور الِدمَاع آنسو بہنے کی جگہ کے نشان کو کہا جاتا ہے۔ کنپٹی کے داغ کو الصِداع، رخسار سے لے کر آنکھ تک کے داغ کو اللِجام کہتے ہیں۔ بَعِيْرٌ مَلْجُوْمٌ اسی سے مشتق ہے۔ الھِلَال، اَلْخِرَاش کنپٹی سے لے کر ٹھوڑی تک کے نشان کو کہا جاتا

مابین ہو اور وہ بندھے ہوئے ہوں۔

تَرَى الْوَدْعَ فِيهَا وَ الرُّخَامَ وَ زِينَةً بِاَعْنَاقِهَا مَعْقُودَةً كَلْعَثَاكِلِ

اونٹوں کے نشانات کے کئی نام ہیں۔ ابوعبید نے ''کتاب الابل'' میں اکثر کا ذکر کیا ہے ان نشانات میں سے اَلْمُشَيْطَنَةُ، اَلْمُفَغَاةُ اور اَلْقُرْمَةُ ناک کے نشان کو کہتے ہیں۔ الجرف اور الخطاف گردن کے نشان کو کہا جاتا ہے۔ الدَّلو، المُشط، الفِرْتَاج، الثُؤثُور، اور اللِمَاع آنسو بہنے کی جگہ کے نشان کو کہا جاتا ہے۔ کنپٹی کے داغ کو الصِداع، رخسار سے لے کر آنکھ تک کے داغ کو اللجام کہتے ہیں۔ بَعِيرٌ مَلْجُومٌ اسی سے مشتق ہے۔ الھلال، الخِرَاش کنپٹی سے لے کر ٹھوڑی تک کے نشان کو کہا جاتا ہے۔ قَصَرَاتِهَا۔ یہ قصرۃ کی جمع ہے یہ گردن کی بنیاد ہے اعضاء پر معطوف ہونے کی وجہ سے مکسور ہے اس کا منصوب ہونا درست نہیں جس طرح کہا جاتا ہے هُوَ ضَارِبُ الرَّجُلِ وَزَيْدًا۔ کیونکہ ان کا قول مُوَسَّمَةُ الْاَعْضَاءِ صفت مشبہ سے ہے یہ صرف مضمر ہونے کی صورت میں ہی عمل کرتی ہے۔ اسم فاعل کا جب مکسور پر عطف ہوتا ہے تو اس میں اضمار ہوتا ہے کیونکہ صفت بالمعنی عمل نہیں کرتی یہ لفظی مشابہت کی وجہ سے عمل کرتی ہے جو اس کے اور اسم فاعل کے مابین ہوتی ہے جب لفظ زائل ہو جاتا ہے تو یہ عمل نہیں کرتی یہ اسم فاعل کے ساتھ مخالفت اس لئے بھی کرتی ہے کیونکہ اس کا معمول اس سے مقدم نہیں ہوسکتا جس طرح مفعول اسم فاعل سے مقدم ہوسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا منصوب فی المعنی فاعل ہوتا ہے اور فاعل مقدم نہیں ہوسکتا صفت حال کے معنی میں ہی عامل ہوتی ہے جبکہ اسم فاعل حال اور استقبال کے معنی میں عامل ہوسکتا ہے جب اس پر الف لام آجائے تو یہ ماضی کا معنی بھی دے سکتا ہے۔ اگر مُوَسَّمَةُ الْاَعْضَادِ کو، مُوَسَّمَةُ الْاَعْضَادَ پڑھا جائے تو جائز ہے حدج کے شعر میں ہے كَبِكْرِ مُقَانَاةُ الْبَيَاضَ۔ اَلْبَيَاضَ کو منصوب اور مرفوع پڑھنا جائز ہے اس صورت میں مقاناۃ پر تنوین ہوگی۔ مکسور پڑھنے میں تو کوئی اخفاء نہیں ہے۔ جب القَصَراتُ کو مکسور پڑھا جائے تو اس کا عطف ''الاعضاد'' پر ہوگا۔ اس میں اس شخص کے لئے دلیل ہے جو کہتا ہے هُوَ حَسَنُ وَجْهِهِ۔ جس طرح کہ سیبویہ سے روایت ہے جب اس نے یہ پڑھا۔

كُمَيْتَا اَعَالِيْ جَوْنَتَا مُصْطَلَاهُمَا۔ حضرت ام زرع کی حدیث صَفْرُ رِدَائِهَا مِلْءُ كَسَائِهَا مَثَلُ حُسْنَهُ وَجْهِهَا۔ میں بھی یہی دلیل پائی جاتی ہے۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا وصف بیان کرتے ہوئے وصّاف فرماتے ہیں۔ شَشْنُ الْكَفَّيْنِ طَوِيْلُ اَصَابِعِهِ۔ اس میں بھی یہی دلیل ہے۔

تَرَى الْوَدْعَ فِيهَا۔ ان سے مراد وہ موتی ہیں جنہیں پرویا جاتا ہے اور عورتیں اور بچے زیبائش کے لئے

توان کی گردنوں میں حسین موتی، سنگ مرمر اور دیگر زیبائش کی اشیاء بندھی ہوئی پائے گا جو کھجور کے خوشوں کی مانند لٹک رہی ہوں گی۔

أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مِنْ كُلِّ طَاعِنٍ عَلَيْنَا بِسُوْءٍ اَوْ مُلِحٍّ بِبَاطِلِ

میں اللہ تعالیٰ کی ہر اس شخص سے پناہ لیتا ہوں جو ہم پر برے الزامات لگاتا ہو اور باطل پر مصر ہو۔

وَ مِنْ كَاشِحٍ يَسْعَى لَنَا بِمَعِيْبَةٍ وَ مِنْ مُلْحِقٍ فِي الدِّيْنِ مَا لَمْ نُحَاوِلْ

میں ایسے کینہ پرور شخص سے پناہ مانگتا ہوں جو ہم پر عیب لگانے کی سعی کرتا ہے اور ہم کو ایسے دین سے ملانے کی کوشش کرتا ہے جس کا ہم ارادہ بھی نہیں کرتے۔

وَثَوْرٍ وَ مَنْ اَرْسٰى ثَبِيْرًا مَكَانَهٗ وَرَاقٍ لِيَرْقٰى فِي حِرَاءَ وَ نَازِلِ

انہیں استعمال کرتے ہیں۔ جس طرح کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

اَلسِّنُّ مِنْ جَلَنْزِيْزٍ عَوْزَمٍ خَلَقٍ وَالْحِلْمُ حِلْمُ صَبِيٍّ يَمْرُسُ الْوَدَعَه

وہ انتہائی موٹی، فربہ اور بوسیدہ اونٹنی سے عمر رسیدہ ہے اور حلم اس بچے کے حلم کی طرح ہے جو موتی کو چوستا ہے۔

دوسرا شاعر کہتا ہے۔

اِنَّ الرُّوَاةَ بِلَافَهْمٍ لَمَا حَفِظُوْا مَثَلُ الْجِمَالِ عَلَيْهَا يُحْمَلُ الْوَدْعُ

لَا الْوَدْعُ يَنْفَعُهٗ حَمْلُ الْجِمَالِ لَهٗ وَلَا الْجِمَالُ بِحَمْلِ الْوَدْعِ تَنْتَفِعُ

بے شک جب راوی بغیر سمجھے یاد کر لیتے ہیں تو وہ ان اونٹوں کی مانند ہوتے ہیں جن پر موتی لادے جاتے ہیں۔ نہ تو موتی کے لئے اونٹ کا اٹھانا نفع بخش ہوسکتا ہے اور نہ ہی اونٹ موتی کو اٹھا کر فائدہ مند ہوسکتا ہے۔

روایت کیا جاتا ہے کہ ان جواہرات کو سمندر باہر پھینکتا ہے۔ ایک روایت ہے کہ یہ ایک جانور ہے جس کا مسکن سمندر ہے جب سمندر اسے باہر پھینکتا ہے تو وہ مر جاتا ہے۔ اس کا رنگ حسین اور چمکدار ہوتا ہے اس میں پتھر کی مانند سختی ہوتی ہے اس کو چیر کر اس سے ہار بنائے جاتے ہیں اس کا نام بھی وَدَعَتُہٗ (چھوڑ دیا) سے مشتق ہے کیونکہ سمندر اسے پھینک دیتا ہے۔ یہ وَدْعٌ بھی قَبْضٌ کی مانند ہے الودع پڑھا جائے تو یہ ان اشیاء میں سے ہوگا جس کا نام مصدر سے رکھا جاتا ہے۔

الرُّخَام۔ وہ پتھر جسے تراش کر موتی بنائے جاتے ہیں یہ پتھر بڑا حسین اور سفید ہوتا ہے۔

العَثَاكِل۔ اس سے مراد العثاکیل ہے یاء کو ضرورت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے جیسا کہ ابن مضاض

کوہ ثور اور اس ذات بے ہمتا کی پناہ جس نے ثبیر کو اس کی جگہ پر نصب کیا اور کوہ حراء پر چڑھنے اور اترنے والے کی پناہ۔

وَبِالْبَيْتِ، حَقِّ الْبَيْتِ، مِنْ بَطْنِ مَكَّةَ وَبِاللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِغَافِلِ

بیت اللہ اور بیت اللہ کے حقوق کی پناہ۔ جو مکہ کی وادی میں ہے اور اللہ رب العزت کی پناہ۔ وہ ذات جو لمحہ بھر بھی کسی سے غافل نہیں رہتی۔

وَبِالْحَجَرِ الْمُسْوَدِّ اِذْ يَمْسَحُوْنَهٗ اِذَا اكْتَنَفُوْهُ بِالضُّحٰى وَالْاَصَائِلِ

اور حجر اسود کی پناہ جسے لوگ چومتے ہیں اور صبح وشام اس کا احاطہ کیے رکھتے ہیں۔

وَمَوْطِئُ اِبْرَاهِيْمَ فِي الصَّخْرِ رَطْبَةً عَلٰى قَدَمَيْهِ حَافِيًا غَيْرَ نَاعِلِ

اور اس پتھر کی پناہ جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم چومنے کا شرف ملا۔ اس وقت آپ علیہ السلام عریاں پاؤں تھے۔ آپ کے مبارک قدم کے نشانات وہیں پڑ گئے۔

وَاَشْوَاطِ بَيْنَ الْمَرْوَتَيْنِ اِلَى الصَّفَا وَمَا فِيْهِمَا مِنْ صُوْرَةٍ وَ تَمَاثِلِ

نے کہا ہے فِيْهَا الْعَصَافِرِ۔ اس سے بھی عصافیر مراد ہے۔

عَلَيْنَا اَظِنَّة۔ اَظِنَّة۔ ظَنِيْن کی جمع ہے اس کا معنی قرابت ہے اگر یہ ضاد کے ساتھ ہو تو پھر یہ ان کی تعریف کے لئے ہوگا۔ یہ اَشِحَّةٌ عَلَيْنَا (ہم پر بڑے حریص) کے معنی میں ہوگا جس طرح کہ حافظ (عمر بن بحر) کا شعر ہے۔

لَوْ كُنْتَ فِي قَوْمٍ عَلَيْكَ اَشِحَّةٌ عَلَيْكَ اَلَا اِنَّ مَنْ طَاحَ طَائِحُ

اگر تو اس قوم میں ہوتا جو تیرے متعلق حد درجہ حریص ہوتی خبردار! حیران ہونے والا حیران ہی ہوتا ہے۔

يَوَدُّوْنَ لَوْ خَاطُوْا عَلَيْكَ جُلُوْدَهُمْ وَهَلْ يَدْفَعُ الْمَوْتَ النُّفُوْسُ الشَّحَائِحُ

وہ خواہش کرتے کہ تجھ پر اپنی جلدیں چڑھا دیتے۔ کیا ایسے حریص لوگ موت کو روک سکتے ہیں۔ ثَوْرٌ۔ مکہ معظمہ کا ایک پہاڑ۔ ثَبِيْرٌ بھی ایک پہاڑ کا نام ہے۔ روایت کیا جاتا ہے کہ ہذیل کا ایک شخص اس پہاڑ میں مر گیا پھر یہ پہاڑ اسی کے نام سے معروف ہو گیا جس طرح کوہ ابوقبیس، قبیس بن شالخ کی وجہ سے معروف ہے۔ قبیس جرہم کا ایک شخص تھا۔ یہ عمرو بن مضاض اور اس کی چچا زاد میہ کے مابین چغل خوری کیا کرتا تھا۔ میہ نے نذر مانی کہ وہ عمرو سے گفتگو نہیں کرے گی۔ عمرو اس سے شدید محبت کرتا تھا۔ اس نے قسم اٹھائی کہ وہ قبیس کو قتل کر دے گا۔ اسی خوف سے قبس کوہ "ابوقبیس" کی طرف

اس سعی کی قسم جو حجاج صفا اور مروہ کے مابین کرتے ہیں اور ان دو عظیم پہاڑوں کے مابین جو تصاویر اور تماثیل ہیں ان کی پناہ۔

وَمَنْ حَجَّ بَيْتَ اللّٰهِ مِنْ كُلِّ رَاكِبٍ　وَ مِنْ كُلِّ ذِيْ نَذْرٍ وَ مِنْ كُلِّ رَاجِلِ

ہر اس شخص کی پناہ جو بیت اللہ کا حج کرنے کی سعادت حاصل کرے خواہ وہ سوار ہو یا نذر ماننے والا ہو یا پیادہ ہو۔

وَ بِالْمَشْعَرِ الْاَقْصٰى اِذَا عَمَدُوْا لَهٗ　اِلَالٍ اِلٰى مُفْضَى الشِّرَاجِ الْقَوَابِلِ

جب حاجی میدان عرفات کا قصد کرتے ہیں میں اس وقت اس کی پناہ مانگتا ہوں اور کوہِ الال سے اس مقام تک کی پناہ جہاں نالے بالمقابل ہو کر وسعت اختیار کرتے ہیں۔

وَتَوْقَافِهِمْ فَوْقَ الْجِبَالِ عَشِيَّةً　يُقِيْمُوْنَ بِالْاَيْدِيْ صُدُوْرَ الرَّوَاحِلِ

وقت شام پہاڑوں پر کھڑے ہونے والوں کی پناہ کا خواہاں ہوں جو اپنے ہاتھوں سے سواریوں کے سینوں کو درست کرتے ہیں۔

بھاگ گیا پھر اس کے متعلق کسی کو کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ خود مر گیا تھا یا کہ عمرو نے اسے ہلاک کر دیا تھا۔ اسی لئے اس پہاڑ کا نام کوہ ابوقبیس پڑ گیا۔ یہ ایک طویل داستان ہے جسے ابن ہشام نے ایک اور کتاب میں ذکر کیا ہے۔ وَرَاقٍ لِيَرْقَى۔ اس کے متعلق بھی پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔ دونوں روایتوں میں صحیح یہ ہے وَرَاقٍ لِبِرٍّ فِي حَرَاءَ وَنَازِلِ۔ علامہ برقی کہتے ہیں ابن اسحاق نے اسے اسی طرح روایت کیا ہے درست بھی یہی ہے۔ حضرت امام سہیلی فرماتے ہیں یہ وہم یا تو ابن ہشام کو ہوا ہے یا علامہ البکائی کو۔ وَبِالْحَجَرِ الْاَسْوَدِ۔ اس میں زحاف ہے اس کو الکف کہتے ہیں۔ اس سے مراد مفاعلین کے نون کو حذف کر دینا ہے اور وہ الاسود کے بعد واؤ ہے۔ جس طرح کہ حدج کا یہ قول ہے۔

اَلَا رُبَّ يَوْمٍ لَكَ مِنْهُنَّ صَالِحٌ۔ اس میں لام کے بعد زحاف ہے۔

الاصائل۔ اصلیۃ کی جمع ہے الاَصَل، اصل کی جمع ہے کیونکہ فعلیۃ کی جمع فعائل کے وزن پر آتی ہے۔ الاصیلۃ، الاصیل کی معروف لغت ہے بعض علمائے لغت گمان کرتے ہیں کہ اصائل، آصال کی جمع ہے اور آصال، اصل کی جمع ہے جس طرح کہ اطناب اور طنب۔ اُصُل، اصل کی جمع ہے جس طرح کہ زعف، زعیف کی جمع ہے ایک قول کے مطابق اصائل جمع الجمع کی جمع ہے لیکن قول درست نہیں کیونکہ جمع الجمع کی جمع کلام میں نہیں پائی جاتی۔ دوسری بات یہ ہے جب اہل لغت اس جمع کی جمع نہیں بناتے جو ادنی عدد کے لئے نہ ہو تو مناسب تر یہی ہے کہ وہ جمع الجمع کی جمع نہ بنائیں۔ دراصل انہیں غلط فہمی اس

وَلَيْلَةِ جَمْعٍ وَالْمَنَازِلِ مِنْ مِنًى　　وَهَلْ فَوْقَهَا مِنْ حُرْمَةٍ وَ مَنَازِلِ

اس رات کی پناہ جب حاجی منیٰ میں جمع ہو کر خیمہ زن ہوتے ہیں کیا کوئی مقام حرمت و مرتبہ میں اس مقام سے اوپر بھی آشیاں بند ہو سکتا ہے۔

وَجَمْعٍ إِذَا مَا الْمُقْرَبَاتُ أَجَزْنَه　　سِرَاعًا كَمَا يَخْرُجْنَ مِنْ وَقْعِ وَابِلِ

میدانِ عرفات کی پناہ جس کی طرف گھوڑے اس قدر برق رفتاری سے جاتے ہیں جس طرح وہ بارش کے نازل ہوتے وقت دوڑ کر جاتے ہیں۔

وَبِالْجَمْرَةِ الْكُبْرٰى إِذَا صَمَدُوْا لَهَا　　يَؤُمُّوْنَ قَذْفًا رَأْسَهَا بِالْجَنَادِلِ

مجھے جمرۂ کبریٰ کی پناہ جب حاجی اس کی جانب بڑھتے ہیں وہ سنگریزوں سے اس کا سر پھوڑ دینا چاہتے ہیں۔

وَكِنْدَةَ إِذْ هُمْ بِالْحِصَابِ عَشِيَّةً　　تُجِيْزُ بِهِمْ حُجَّاجُ بَكْرِبْنِ وَائِلِ

کندہ کی پناہ جب وہ وقت شام کنکریاں مارنے والی جگہ کو مسکن بناتے ہیں اور ان کے پاس سے بنو بکر بن وائل کے حاجی گذرتے ہیں۔

حَلِيْفَانِ شَدَّا عَقْدَ مَا احْتَلَفَا لَهُ　　وَرَدَّا عَلَيْهِ عَاطِفَاتِ الْوَسَائِلِ

وہ دونوں قبائل اتنے عمدہ حلیف ہیں کہ انہوں نے اپنے ہر عہد کو انتہائی مستحکم بنایا اور تعلقات کی نوازشوں کو اسی کی طرف موڑ دیا۔

ہمزہ کی وجہ سے ہوئی ہے جو اصل اور اصیل کے فاء کلمہ میں ہے اسی طرح اصائل میں بھی ہے کیونکہ یہ فعائل کے وزن پر ہے انہوں نے اس ہمزہ کو زائدہ سمجھ لیا ہے جس طرح کہ اقاویل میں ہے اگر ایسا ہوتا تو پھر صاد فاء کلمہ ہوتا۔ جبکہ یہ اس کا عین کلمہ ہے جس طرح کہ یہ اصیل اور اصل میں ہے۔ اگر اصائل، آصال کی جمع ہوتی تو پھر جمع کا ہمزہ، اصلی ہمزہ کے ساتھ اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل سے اسے اواصیل کہا جاتا۔ ان علماء لغت کے اس قول کے غلط ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ افعال کی جمع افاعیل ہو تو آخری کلمہ سے پہلے یاء کا ہونا ضروری ہوتا ہے جس طرح اقاویل میں ہے اس طرح یہ اصادیل میں ہوتا۔ اصائل میں آخری کلمہ سے قبل حرف مد یا لین نہیں ہے یہ تو فعائل کا ہمزہ ہے ان کے قول کے غلط ہونے کی تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے اُصُل کو جمع کثیر بنایا ہے مثلاً زعف۔ پھر انہوں نے گمان کیا ہے کہ آصال اس کی جمع ہے گویا کہ انہوں نے اس طرح کہا ہے جس طرح کوئی یہ کہے کہ زعف، ازعاف کی جمع ہے۔ اگر کوئی پوچھنے لگے کہ آصال کس کی جمع ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ اصل کی جمع ہے

وَحَطِّبِهِمْ سُمْرَ الرِّمَاحِ وَتَرْحَهُ وَ شِبْرِقَهُ وَخَلَ النَّعَامِ الحَوَامِلِ

وہ دامن کوہ میں موجود درختوں، اس کی نباتات اور شبرق کو روندنے کی پناہ۔ اس وقت اس کی کوشش تیز رفتار شتر مرغ کی کوشش کی طرح ہوتی ہے۔

فَهَلْ بَعْدَ هٰذَا مِنْ مَعَاذٍ لِعَائِذٍ وَ هَلْ مِنْ مُعِيْذٍ يَتَّقِي اللّٰهُ عَاذِلِ

کیا اس کے بعد کسی پناہ طلب کرنے والے کے لئے بھی کوئی پناہ گاہ ہے اور کیا کسی ملامت کرنے والے کی پناہ کے بعد بھی کسی پناہ کی جستجو ہو سکتی ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کا خوف بھی رکھتا ہو۔

يُطَاعُ بِنَا اَمْرُ لِعَدَا وَدَّ اَنَّنَا تُسَدُّ بِنَا اَبْوَابُ تُرْكٍ وَكَابِلِ

ہمیں چھوڑ کر ہمارے دشمنوں کی باتیں سنی جاتی ہیں ان کی تو خواہش ہے کہ ہمارے لئے ترکی اور کابل کے راستے مسدود ہو جائیں۔

كَذَبْتُمْ وَبَيْتِ اللّٰهِ نَتْرُكُ مَكَّةَ وَنَظْعَنُ اِلاَّ اَمْرُكُمْ فِي بَلَابِلِ

بیت اللہ کی قسم! تم نے یہ بات کر کے جھوٹ بولا ہے کہ ہم مکہ معظمہ کو چھوڑیں گے اور کہیں عازم سفر ہو جائیں گے۔ یہ صرف تمہارے تصورات کی رنگینی ہے۔

كَذَبْتُمْ- وَبَيْتِ اللّٰهِ- نُبْزٰى مُحَمَّدًا وَ لَمَّا نُطَاعِنُ دُوْنَهُ وَ نُنَاضِلُ

اللہ کے محترم گھر کی قسم! تمہاری یہ بات بھی جھوٹی ہے کہ ہم محمد ﷺ کی وجہ سے مغلوب ہو جائیں گے۔ حالانکہ ہم نے ابھی تک ان کے تحفظ کے لئے نہ تو نیزہ بازی کی ہے نہ ہی تیر اندازی کی ہے۔

جو اسم مفرد اصائل کے معنی میں ہے یہ اس اصل کی جمع نہیں جو خود جمع ہے اگر کوئی اعتراض کرے کہ کیا کہا جا سکتا ہے کہ اصل واحد ہے جس طرح کہا جاتا ہے اصیل واحد ہے ہم کہیں گے بعض ارباب لغت نے ایسے کہا ہے انہوں نے الاعشی کے اس قول سے دلیل پکڑی ہے۔

يَوْمًا بِاَطْيَبَ مِنْهَا لَنَشْرَ رَائِحَةٍ وَلَا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اِذْ دَنَا الاَصُلُ

جس روز شریف آدمی قریب ہو اس روز سے زیادہ معطر اور معتبر اور خوبصورت روز اور کوئی نہ ہو سکا اس شعر میں ”دَنَا الاَصُلُ“ دَنَا الاَصِيْلُ کے معنی میں ہے یہ اس صورت میں ہوگا جب اصل کا اصیل کے معنی میں استعمال درست مانا جائے۔ ورنہ اصیل کی جمع آصال ہوگی اور اس میں یاء زائدہ محذوف ہو گی۔ جس طرح کہ طَوِی (کنواں) اور اَطْواء میں ہے لیکن میں کسی ایک شخص کو بھی نہیں جانتا جس کا نقطۂ نظر ہو کہ جمع الجمع کی جمع بھی بن سکتی ہے۔ البتہ زجاجی اور ابن عزیز کا یہ قول ہے وَمَوْطِئُ

وَنُسْلِمُهٗ حَتّٰی نُصَرَّعَ حَوْلَهٗ وَ نَذْهَلُ عَنْ اَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

تمہاری یہ بات بھی صداقت پر مبنی نہیں کہ ہم انہیں تمہارے حوالے کر دیں گے یہاں تک کہ ہم ان کے اردگرد اپنی جانوں کے نذرانے پیش کریں گے اور اپنی اولاد اور بیویوں کو بھول جائیں گے۔

وَيَنْهَضُ قَوْمٌ فِي الْحَدِيْدِ اِلَيْكُمْ نُهُوْضَ الرَّوَايَا تَحْتَ ذَاتِ الصَّلَاصِلِ

تمہاری طرف ایک آہن پوش قوم اس طرح آئے گی جس طرح پانی لانے والی اونٹنیاں برتن لے کر اوپر اٹھتی ہیں۔

حَتّٰی تَرٰی ذَاالضِّغْنِ يَرْكَبُ رَدْعَهٗ مِنَ الطَّعْنِ فِعْلَ الْاَنْكَبِ الْمُتَحَامِلِ

حتیٰ کہ تو دیکھے گا کہ ایک کینہ پرور شخص نیزہ کھا کر رو کنے سے بھی نہ رکے گا اور حاملہ اونٹنیوں کی طرح مشکل سے چل رہا ہو۔

وَاِنَّا لَعَمْرُ اللّٰهِ اِنْ جَدَّ مَا اَرٰی لَتَلْتَبِسَنْ اَسْيَافُنَا بِالْاَمَاثِلِ

اللہ تعالیٰ کی ابدیت کی قسم! اگر وہ واقعہ رونما ہو گیا جو ابھی میرے خیال میں پوشیدہ ہے تو پھر ہماری تلواریں کئی برگزیدہ لوگوں میں پیوست ہو جائیں گی۔

بِكَفَّيْ فَتًی مِثْلِ الشِّهَابِ سَمَيْدَعٍ اَخِيْ ثِقَةٍ حَامِي الْحَقِيْقَةِ بَاسِلِ

یہ تلواریں اس جوان کے جوان ہاتھوں میں ہوں گی جو شہاب کی مانند درخشاں، قابل اعتماد،

اِبْرَاهِيْمَ۔ اس سے مراد وہ مقدس جگہ ہے جہاں آپ علیہ السلام نے اس وقت قدم مبارک رکھے تھے جب آپ علیہ السلام کی فرخندہ فال بہو نے آپ علیہ السلام کا سر دھونے کی سعادت حاصل کی تھی۔ آپ اپنی سواری پر ہی رہے اور اپنا سر نیچے جھکا دیا تا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کو اس سعادت کے حصول میں آسانی رہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے اجازت مانگی کہ وہ مکہ معظمہ میں موجود اپنے اہل خانہ سے ملاقات کے خواہاں ہیں تو انہوں نے آپ سے یہ عہد لیا تھا کہ آپ علیہ السلام وہاں اپنی سواری سے نیچے تشریف نہیں لائیں گے اور سلام کرنے سے زیادہ گفتگو بھی نہیں کریں گے۔ یہ عہد اس غیرت کی وجہ سے لیا گیا تھا جو حضرت سارہ کو حضرت ہاجرہ سے تھی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مبارک قدم پتھر پر رکھے تو وہیں ان کے نشانات پڑ گئے۔ ارشاد ربانی ہے۔ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ (آل عمران: ۹۷) اس میں روشن نشانیاں ہیں (ان میں سے ایک) مقام ابراہیم ہے۔ یعنی ان نشانیوں میں سے ایک مقام ابراہیم

حقیقت کا حامی اور بہادر ہوگا۔

شُهُوْرًا وَ اَيَّامًا وَحَوْلًا مُجَرَّمًا عَلَيْنَا وَتَاتِي حِجَّةٌ بَعْدَ قَابِلِ

ہماری اسی کیفیت میں کئی ماہ، کئی دن اور کئی سال گزر جائیں گے اور موسم حج کے گذرنے کے بعد دوسرے حج کا زمانہ آجائے گا۔

وَ مَا تَرْكُ قَوْمٍ لَا اَبَالَكَ سَيِّدًا يَحُوْطُ الذِّمَارَ غَيْرَ ذَرْبٍ مُوَاكِلِ

تیرا باپ فناء ہو جائے قوم کا ایسے عظیم سردار کو چھوڑ دینا کتنا قبیح فعل ہے جو امور کی نگہداشت بھی کرتا ہو، فحش کلامی بھی نہ کرتا ہو اور اپنے کام کسی دوسرے کے سپرد کرنے والا بھی نہ ہو۔

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ ثِمَالَ الْيَتَامٰى، عِصْمَةً لِلْاَرَامِلِ

وہ نورفشاں ذات جس کے رخِ زیبا کے وسیلہ سے بارش طلب کی جاتی ہے جو تیموں کا سرپرست اور بیواؤں کی پناہ گاہ ہے۔

يَلُوْذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ آلِ هَاشِمٍ فَهُمْ عِنْدَهُ فِي رَحْمَةٍ وَ فَوَاضِلِ

بنو ہاشم کے کنگال لوگ ان کے ہاں پناہ لیتے ہیں اور وہ ان کی رحمت اور فضل کے سایہ میں ہیں۔

بھی ہے۔ جو شخص ''مقام'' کو آیات سے بدل بناتا ہے وہ کہتا ہے کہ مقام، مقامۃ کی جمع ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ پتھر پر آپ کے قدموں کے نشانات اس وقت پڑے تھے جب آپ نے بیت اللہ کی دیواروں کو بلند فرمایا تھا۔ بَيْنَ الْمَرْوَتَيْنِ۔ یہ تثنیہ ہے جو جمع کی جگہ استعمال ہوا ہے۔ اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔ مثلاً مَكَّتَيْنِ، حَنْتَيْنِ اور غُنَيْزَتَيْنِ وغیرہ۔ اگرچہ یہ تثنیہ ہیں مگر جمع کی جگہ استعمال ہوئے ہیں۔ حقیقت میں یہ واحد ہیں۔ ان کا اشعار میں جمع کی جگہ تثنیہ ذکر کرنے کی علت بھی پہلے گذر چکی ہے۔ الْمَشْعَرُ الْاَقْصٰى۔ اس سے مراد میدان عرفات ہے۔ الالٰ سے مراد عرفہ کا پہاڑ ہے۔ نابغہ کہتا ہے يَزُرْنَ اَلَالَا سَيْرُهُنَّ التَّدَافُعُ۔ وہ عورتیں کوہ الال کو دیکھنے جاتی ہیں۔ ان کی چال میں ایک دوسرے کو ہٹانا ہوتا ہے اس پہاڑ کو یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ جب حجاج اسے دیکھتے ہیں تو وہ دوڑ کر اس کی سمت جاتے ہیں تاکہ میدانِ عرفات میں آسانی سے خیمہ زن ہو سکیں زاجر کہتا ہے۔

مُهْرَ اَبِي الْحَبْحَابِ لَا تَشَلِّي بَارَكَ فِيْكَ اللّٰهُ مِنْ ذِي اَلِّ

اے ابی حبحاب کے بچھیرے غصے میں نہ ہو کوہ الال کے لوگوں کی یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے بابرکت کرے۔

لَعَمْرِی لَقَدْ اَجْرِیَ اَسِیْدٌ وَبَکْرُہٗ اِلٰی بُغْضِنَا وَ جَزَّانَا لِاٰکِلِ

تیری زندگانی کی قسم! اسید اور اس کے جوان بیٹے نے ہم سے دشمنی کرنا چاہی اور انہوں نے کھانے والے کے لئے ہمیں پارہ پارہ کر دیا۔

وَ عُثْمَانُ لَمْ یَرْبَعْ عَلَیْنَا وَقُنْفُذٌ وَلٰکِنْ اَطَاعَا اَمْرَ تِلْكَ الْقَبَائِلِ

نہ تو عثمان نے ہماری طرف توجہ کی اور نہ ہی قنفذ نے بلکہ وہ انہی قبائل کے احکام بجالائے۔

اَطَاعَا اُبَیًّا وَابْنَ عَبْدِ یَغُوْثِهِمْ وَلَمْ یَرْقُبَا فِیْنَا مَقَالَةَ قَائِلِ

انہوں نے ابی اور ابن عبد یغوث کی اطاعت کی اور ہمارے حق میں بات کرنے والے کی بات نہ سنی۔

کَمَا قَدْ لَقِیْنَا مِنْ سُبَیْعٍ وَنَوْفَلٍ وَکُلٌّ تَوَلّٰی مُعْرِضًا لَمْ یُجَامِلِ

سبیع اور نوفل کی جانب سے بھی ہمیں اسی سلوک کا سامنا کرنا پڑا ہر ایک نے روگرداں ہو کر پیٹھ پھیر لی اور عمدہ رویے کا مظاہرہ کسی نے نہ کیا۔

فَاِنْ یُلْفَیَا اَوْ یُمْکِنِ اللّٰهُ مِنْهُمَا نَکِلْ لَهُمَا صَاعًا بِصَاعِ الْمُکَایِلِ

اگر وہ کہیں پائے گئے یا اللہ تعالیٰ نے ان پر تسلط کی قوت بخشی تو ہم بھی انہیں بازار کی قیمت کے برابر صاع کے بدلے صاع میں ہی ناپیں گے۔

وَذَاكَ اَبُوْ عَمْرٍو اَبٰی غَیْرَ بُغْضِنَا لِیُظْعِنَا فِیْ اَهْلِ شَاءٍ وَجَامِلِ

الشِّرَاجُ۔ شرج کی جمع ہے۔ پانی کی گذرگاہ کو شرج کہتے ہیں۔ قوابل۔ آمنے سامنے۔

وَحَطَّبِهِمْ سُمُرَ الصِّفَاحِ۔ صفاح، صفح کی جمع ہے۔ پہاڑ کی سطح کو صفاح کہتے ہیں۔ السمر سے مراد، ممکن ہے سمر (ببول کا درخت) ہو۔ اسے سَمُرٌ اور سَمْرٌ دونوں طرح پڑھنا جائز ہے اور میم کے ضمہ کو ماقبل سین کی طرف منتقل کرنا بھی جائز ہے جس طرح کہ حَسُنَ اور حُسْنَ میں ہے یہ بھی ممکن ہے کہ اصل میں بھی سین پر ضمہ ہی ہو اور یہ ضمہ غالباً ان افعال میں منتقل کیا جاتا ہے جن سے کسی کی مدح یا مذمت کی جاتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے حُسْنَ ذَا اَدَبًا یہ دراصل حَسُنَ ذَا اَدَبًا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سُمُرٌ اَسْمَرُ اور سَمْرَاءُ کی جمع ہو جس طرح کہ یہ نباتات کی جمع بن سکتی ہے۔ اسی طرح جب کسی درخت میں انتہائی شادابی پائی جائے تو اس کی صفت "دُهْمَه" لگاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مُدْهَامَّتَانِ۔ وہ دونوں باغ انتہائی سبز و شاداب ہوں گے۔ حتیٰ کہ وہ مائل بہ سیاہی ہوں گے۔ ثِبْرِقَه یہ ایک بوٹی ہے جسے خشک حالت میں حُلِی اور تر حالت میں شبرق کہا جاتا ہے۔ نُبْذِیْ مُحَمَّدًا۔ ہم محمد

ابوعمرو نے تو ہماری عداوت کے علاوہ ہر چیز کا انکار کر دیا ہے وہ چاہتا ہے کہ وہ ہمیں بکریوں اور اونٹوں والوں میں بسنے پر مجبور کرے۔

يُنَاجِي بِنَافِي كُلِّ مُمْسىً و مُصْبَحٍ   فَنَاجِ اَبَا عَمْرٍو و بِنَا ثُمَّ خَاتِلِ

ابوعمرو صبح وشام ہمارے خلاف سرگوشیاں کرتا ہے اے ابوعمرو! تو ہمارے خلاف سرگوشی کرے پھر ہم سے مکروفریب بھی کر لے۔

وَيُؤْلِي لَنَا بِاللهِ مَا اِنْ يَغُشُّنَا   بَلى قَدْ تَرَاهُ جَهْرَةً غَيْرَ حَائِلِ

وہ قسمیں کھا کر کہتا ہے کہ وہ ہم سے فریب نہیں کرے گا لیکن تو اس کے فریب ومکر کو عیاں دیکھ سکتا ہے جس میں کوئی خفاء نہیں ہے۔

اَضَاقَ عَلَيْهِ بُغْضُنَا كُلَّ تَلْعَةٍ   مِنَ الْاَرْضِ بَيْنَ اَخْشُبٍ فَمَجَادِلِ

کوہ اخشب سے لے کر شام وعراق کے محلات تک تمام زمین کے نشیب وفراز ہمارے بغض کی وجہ سے اس پر تنگ ہو گئے ہیں۔

وَسَائِلْ اَبَا الْوَلِيْدِ مَا ذَا حَبَوْتَنَا   بِسَعْيِكَ فِيْنَا مُعْرِضًا كَالْمُخَاتِلِ

ذرا ابوالولید سے تو پوچھو کہ تو جب فریبی شخص کی طرح روگرداں تھا تو تو نے اپنی اس جدوجہد سے ہمارا کیا بگاڑ لیا ہے۔

وَكُنْتَ امْرَاءً مِمَّنْ يُعَاشُ بِرَايِهِ   وَرَحْمَتِهِ فِيْنَا وَلَسْتَ بِجَاهِلِ

تو اس سے نا آشنا تو نہیں ہے کہ تو وہ شخص تھا جو ہم میں اپنی رائے اور اپنی شفقت کی وجہ سے زندگی بسر کر رہا تھا۔

فَعُتْبَةُ لَا تَسْمَعْ بِنَا قَوْلَ كَاشِحٍ   حَسُوْدٍ كَذُوْبٍ مُبْغِضٍ ذِي دَغَاوِلِ

اے عتبہ! ہمارے خلاف کسی دشمن، حاسد، جھوٹے، کینہ پرور اور فسادی کی گفتگو نہ سن۔

عربی ﷺ کی وجہ سے مغلوب ہو جائیں گے؟ نُهُوْضَ الرَّوَايَا اس سے مراد وہ اونٹیاں ہیں جو پانی لاتی ہیں۔ رَوَايَا کا واحد راویہ ہے اسے الاَسْقِيه بھی کہتے ہیں۔ اس جمع کی اصل رَوَاوِىُ ہے پھر قیاس سے "روالی" بن گئی جس طرح حول کی جمع حوائل ہے لیکن اہل لغت پہلے یاء کو مقدم کرتے ہیں پھر کسرہ کو فتح میں تبدیل کرتے ہیں اس طرح یہ "فوالع" کے وزن پر ہو جاتا ہے۔ رَوَاوِی میں دو واؤ جمع ہیں۔ ا۔ فواعل کی واؤ ۲۔ وہ واؤ جو فعل کا عین کلمہ ہے۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ دوسری واؤ کو جمع میں ہمزہ سے تبدیل کر دیا جائے کیونکہ ان دونوں کے درمیان الف ہے پھر اسے یاء میں تبدیل کر

وَ مَرَّ اَبُوْ سَفْیَانَ عَنِّی مُعْرِضًا کَمَا مَرَّ قَیْلٌ مِنْ عِظَامِ الْمَقَاوِلِ

ابوسفیان میرے پاس سے اس طرح پیٹھ پھیر کر گذرا جس طرح عظیم سرداروں میں سے کوئی سردار گذر رہا ہو۔

یَفِرُّ اِلٰی نَجْدٍ وَبَرْدِ مِیَاهِهٖ وَیَزْعُمُ اَنِّی لَسْتُ عَنْکُمْ بِغَافِلِ

وہ بلند ٹیلوں اور ٹھنڈے پانیوں کی زمین کی طرف بھاگ رہا ہے اور وہ گمان کرتا ہے کہ میں تم سے غافل نہیں ہوں۔

وَیُخْبِرُنَا فِعْلَ الْمُنَاصِحِ اَنَّهٗ شَفِیْقٌ وَ یُخْفِی عَارِمَاتِ الدَّوَاخِلِ

وہ بڑے خیر خواہ شخص کی طرح ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ وہ بڑا مشفق ہے اور مخفی اذیت ناک چیزوں کو چھپاتا ہے۔

اَمُطْعِمُ لَمْ اَخْذُلْكَ فِی یَوْمِ نَجْدَةٍ وَ لَا مُعْظِمٍ عِنْدَ الْاُمُوْرِ الْجَلَائِلِ

اے مطعم! میں نے نہ تو تجھے مشکل گھڑی میں تنہا چھوڑا ہے اور نہ ہی قیامت خیز مصائب میں تجھ سے کنارہ کشی کی ہے۔

وَ لَا یَوْمَ خَصْمٍ اِذْ اَتَوْكَ اَلِدَّةً اُوْلِی جَدَلٍ مِنَ الْخُصُوْمِ الْمَسَاجِلِ

نہ ہی میں نے جنگ کے وقت تیرا ساتھ چھوڑا ہے جب تیرے پاس طاقتور قوی اور جری دشمن آ گئے۔

اَمُطْعِمُ اِنَّ الْقَوْمَ سَامُوْكَ خُطَّةً وَ اِنِّیْ مَتٰی اُوْکَلُ فَلَسْتُ بِوَائِلِ

اے مطعم! قوم نے تیرے ساتھ انتہائی سخت رویہ اختیار کیا ہے لیکن جب مجھے موقعہ مل گیا تو

دیا جائے جس طرح خطایا اور اس کے باب میں کیا جا ا ہے۔ ان کی جمع میں ہمزہ ثقل پیدا کرتا ہے۔ اَلصَّلَاصِلُ۔ پانی والے برتن "غُمْرٌ ذَرْبٍ هَوَاكِلِ"۔ ذَرْب۔ ذَرَبَ سے مخفف ہے اس کا معنی فحش گو زبان ہے۔ "مواکل" وہ شخص ہوتا ہے جو خود کوئی کام سرانجام نہ دے سکے اور اپنے امور دوسروں کے سپرد کرے۔ ثِمَالُ الْیَتَامٰی۔ یتیموں کی نگرانی کرتے ہیں۔ "فِی اَهْلِ الشَّاءِ وَالْجَامِلِ" اَلشَّاءُ والشَّوِی۔ الباقر والبقیر کی مانند اسم جمع ہیں۔ شاہ کا واحد نہیں ہے۔ شوی بھی اسی کے لفظ سے ہے واحد میں شاۃ کہا جاتا ہے لیکن یہ شاء سے نہیں کیونکہ شاۃ کے لام کلمہ میں یاء ہے کیونکہ اس کی تصغیر شویہ اور جمع شیاہ آتی ہے۔ جامل بھی اسم جمع ہے۔ یہ الباقر کے قائم مقام ہے۔ بَیْنَ اَخْشَبَ فَجَادِلِ۔ اَخْشَبُ سے مراد، اخاشب ہیں مکہ کے پہاڑوں کو اخاشب کہا جاتا ہے اسے اخشب کے وزن پر اس

میں تجھے چھوڑوں گا نہیں۔

جَزَى اللّٰهُ عَنَّا عَبْدَ شَمْسٍ وَ نَوْفَلًا عُقُوْبَةَ شَرٍّ عَاجِلًا غَيْرَ آجِلِ

اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے عبدشمس اور نوفل کو شرارت کی ایسی سزا دے جس میں جلدی ہو تاخیر نہ ہو۔

بِمِيْزَانِ قِسْطٍ لَا يُخِسُّ شَعِيْرَةً لَهٗ شَاهِدٌ مِنْ نَفْسِهٖ غَيْرُ عَائِلِ

وہ سزا جو ایسے ترازو میں تولی گئی ہو جو بھر بھی کمی نہ کرے اور مجرم کا ضمیر بھی اس کی گواہی دے یہ سزا ظالمانہ نہیں ہے۔

لَقَدْ سَفُهَتْ اَحْلَامُ قَوْمٍ تَبَدَّلُوْا بَنِي خَلَفٍ قَيْضًا بِنَا وَالْغَيَاطِلِ

اس قوم کی عقل و دانش جواب دے گئی جنہوں نے ہمیں چھوڑ کر بنو حلف اور غیاطل کو اختیار کیا ہے۔

وَنَحْنُ الصَّمِيْمُ مِنْ ذُؤَابَةِ هَاشِمٍ وَآلِ قُصَيٍّ فِي الْخُطُوْبِ الْاَوَائِلِ

ہم وہ خالص النسل ہیں جو بنو ہاشم اور بنو قصی سے تعلق رکھتے ہیں اور گذشتہ اہم معاملات کی روح رواں ہم ہی رہے ہیں۔

وَسَهْمٌ وَ مَخْزُوْمٌ تَمَالَوْا وَاَلَّبُوْا عَلَيْنَا الْعِدَا مِنْ كُلِّ طِمْلٍ وَخَامِلِ

بنو سہم اور بنو مخزوم نے دشمنوں میں سے ہر کمینے اور گھٹیا شخص کو ہمارے خلاف ابھارا اور ترغیب دی۔

فَعَبْدَ مُنَافٍ اَنْتُمْ خَيْرُ قَوْمِكُمْ فَلَا تُشْرِكُوْا فِي اَمْرِكُمْ كُلَّ وَاغِلِ

لیے لایا گیا ہے کیونکہ یہ اجبل کے معنی میں ہے۔ اس کے علاوہ کبھی کبھی زائد حروف کو حذف کر کے بھی جمع بنالی جاتی ہے۔ تصغیر بھی اسی طرح بناتے ہیں۔ الجادل۔ مجدل کی جمع ہے۔ اس کا معنی محل ہے گویا اس سے مکہ کے پہاڑوں اور شام یا عراق کے محلات کے درمیان مکہ مراد ہے۔ فَمَجَادِلِ کی فاء اتصال کا معنی دیتی ہے لیکن واؤ اس معنی پر دلالت نہیں کرتی جس طرح شاعر کا قول ہے بَيْنَ الدَّخُوْلِ فَحَوْمَلِ۔ اور تمہارا یہ قول مُطِرْنَا بَيْنَ مَكَّةَ فَالْمَدِيْنَةَ۔ اس کا مطلب ہے مکہ معظمہ سے لے کر مدینہ طیبہ تک ابر کرم برستا ہے۔ لیکن واؤ اس معنی کو ادا کرنے سے قاصر ہے اُوْلِي جَدَلٍ مِنَ الْخُصُوْمِ الْمَسَاجِلِ۔ مساجل کو جیم اور حاء دونوں سے روایت کیا گیا ہے۔ اگر یہ جیم سے ہو تو اس کا معنی گفتگو میں کسی سے مقابلہ کرنا ہے۔ اس کی اصل سَجْل (ڈول) سے پانی نکالنا ہے۔ گویا کہ یہ مساجل کی جمع ہے

اے عبد مناف! تم اپنی قوم میں سے بہترین ہو تم اپنے معاملہ میں ہر گراں فروش کو شامل نہ کیا کرو۔

لَعَمْرِی لَقَدْ وَهَنْتُمْ وَ عَجَزْتُمْ وَ جِئْتُمْ بِاَمْرٍ مُخْطِیءٍ لِلْمَفَاصِلِ

میری حیاتی کی قسم! تم کمزور اور عاجز ہو چکے ہو اور تم ایسا معاملہ لے کر آئے ہو جو ایسے نشانے سے خطا کرنے والا ہے جو جوڑوں پر پڑے۔

وَ كُنْتُمْ حَدِیْثًا حَطَبَ قِدْرٍ وَاَنْتُمْ اَلآنَ حِطَابُ اَقْدُرٍ وَمَرَاجِلِ

پہلے تم صرف ایک ہنڈیا کا ایندھن تھے جب کہ اب تم بہت سی ہنڈیوں اور دیگوں کا ایندھن بن چکے ہو۔

لِیَهْنِیءِ بَنِی عَبْدِ مَنَافٍ عُقُوْقُنَا وَ خِذْلَانُنَا وَتَرْكُنَا فِی الْمَعَاقِلِ

بنو عبد مناف کو ہماری نافرمانی، رسوائی اور مشکل اوقات میں ہمیں چھوڑنا مبارک ہو۔

فَاِنْ نَكُ قَوْمًا نَتَّئِرْ مَا صَنَعْتُمْ وَ تَحْتَلِبُوْهَا لِقْحَةً غَیْرَ بَاهِلِ

ہماری شان تو یہ ہے کہ ہم تمہارے برے اعمال کی پردہ پوشی کرتے ہیں لیکن تمہاری کیفیت یہ ہے کہ تم اس اونٹنی کی طرح دودھ نکالتے جاتے ہو جسے دوہا نہ گیا ہو۔

وَ سَائِطُ كَانَتْ فِی لُؤَیِ بْنِ غَالِبٍ نَفَاهُمْ اِلَیْنَا كُلُّ صَقْرٍ حُلَاحِلِ

وہ تعلقات جو لوی بن غالب سے تھے حلاحل کے شکرے (ہر بہادر آدمی) نے ہم سے وہ تعلقات ختم کر لیے ہیں۔

وَرَهْطُ نُفَیْلٍ شَرُّ مَنْ وَطِیَ الْحَصٰی وَاَلْاَمُ حَافٍ مِنْ مَعَدٍّ وَ فَاعِلِ

اور مفاعل کا زائدہ الف حذف کر دیا گیا ہے یا یہ مسحل کی جمع ہے یہ خصوم کی صفت ہے جبکہ مساحل، سحل کی جمع ہے اس سے مراد زبان ہے۔ یہ خصوم کی صفت نہیں ہے۔ یہ اضافت کی وجہ سے مکسور ہے یعنی خَصْمَاءُ الاَلْسِنَةِ۔ ابن احمر کا قول ہے۔ مَنْ خَطِیْبٌ اِذَا مَا انْحَلَ مِسْحَلُهُ جب اس کی زبان کھل جائے تو پھر خطیب کون ہو سکتا ہے؟''۔ یہاں مسحل سے مراد زبان ہے یہ بھی سحل سے مشتق ہے۔ اس کا ایک معنی بہنا ہے حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق مشہور ہے کہ جب ان کے امتحان کا وقت ختم ہوا فَجَاءَ تْ سَحَابَةٌ فَسَحَلَتْ فِی الْبَیْدَرِ الآخِرِ فِضَّةً۔ پس ایک بادل آیا جس نے آپ کی ایک کھلیان میں سونا برسا دیا دوسرا بادل آیا جس نے دوسرے کھلیان میں چاندی کی بارش کر دی۔

بنونفیل کا قبیلہ زمین روندنے والوں میں سے سب سے زیادہ شریر ہے اور اولادِ معد کے عریاں پاؤں اور جوتے پہننے والوں میں سے سب سے زیادہ کمینہ ہے۔

فَاَبْلِغْ قُصَیًّا اَنْ سَیُنْشَرُ اَمْرُنَا　وَ بَشِّرْ قُصَیًّا بَعْدَنَا بِالتَّخَاذُلِ

بنوقصی کو یہ پیغام پہنچا دو کہ عنقریب ہمارا معاملہ وسیع ہو جائے گا اور انہیں بشارت دے دو کہ تمہارے لئے ہمارے بعد رسوائی ہی ہے۔

وَلَوْ طَرَقَتْ لَیْلًا عَظِیْمَۃٌ　اِذَا مَا لَجَانَا دُوْنَھُمْ فِی الْمَدَاخِلِ

اگر کسی رات بنوقصی پر کوئی عظیم آفت آ گئی تو پھر انہیں بچانے کے لئے ہم کوئی دخل اندازی نہیں کریں گے۔

وَ لَوْ صَدَقُوْا ضَرْبًا خِلَالَ بُیُوْتِھِمْ　لَکُنَّا اُسٰی عِنْدَ النِّسَاءِ الْمَطَافِلِ

اگر دشمن نے ان کے گھر میں گھس کر شمشیر زنی کی تو ہم پھر بچوں والی خواتین کے پاس نمونہ ہوں گے۔

وَ کُلُّ صَدِیْقٍ وَابْنِ اُخْتٍ نَعُدُّہٗ　لَعَمْرِی وَجَدْنَا غِبَّہٗ غَیْرَ طَائِلٍ

میری زندگی کی قسم! ہر دوست اور ہر وہ شخص جسے ہم اپنا بھانجا تصور کرتے ہیں ہم نے اسے پایا ہے کہ اس کا ہمیں ایک دن چھوڑ کر بھی ملنا سودمند نہیں ہے۔

سِوَی اَنَّ رَھْطًا مِنْ کِلَابِ بْنِ مُرَّۃَ　بَرَاءٌ اِلَیْنَا مِنْ مَعَقَّۃِ خَاذِلِ

قَیْضًا کا معنی معاوضہ ہے حضور نبی کریم ﷺ نے ذوالجوشن سے کہا اِنْ شِئْتَ قَایَضْتُکَ بِهِ الْمُخْتَارَ مِنْ دُرُوْعِ بَدْرٍ فَقَالَ۔ مَا کُنْتُ لِاَ قِیْضَہُ الْیَوْمَ الْیَوْمَ بِشَیْءٍ۔ ''اگر تو چاہتا ہے تو میں تجھے اس گھوڑے کے عوض بدر کی زرہیں دے دیتا ہوں اس نے عرض کی میں آج اس گھوڑے کے عوض کوئی چیز نہیں لوں گا۔'' ذوالجوشن کو ابن القرحاء بھی کہا جاتا ہے۔ ابوالشیص کا شعر ہے۔

لَا تَنْکِرِیْ صَدِّیْ وَ لَا اِعْرَاضِیْ　لَیْسَ الْمُقِلُّ عَنِ الزَّمَانِ بِرَاضِ

بُدِّلْتُ مِنْ بُرْدِ الشَّبَابِ مُلَاءَۃً　خَلَقًا وَ بِئْسَ مَثُوْبَۃُ الْمُقْتَاضِ

تو میرے اعراض اور روکنے کا انکار نہ کر زمانہ سے ناراض شخص اس سے راضی نہیں ہو سکتا۔ شباب کی حسین چادر کے عوض مجھے پرانا کپڑا دیا گیا ہے۔ یہ معاوضہ کتنا برا ہے۔

غیاطیل سے مراد بنوسہم ہیں کیونکہ ان کی ماں کا نام غیطلہ تھا۔ اس کا نسب پہلے گذر چکا ہے۔ بعض اہل سیر کہتے ہیں کہ بنوسہم کو غیاطیل اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے ایک شخص نے اس جن کو قتل کر دیا

لیکن کلاب بن مرہ کا ایک قبیلہ اس سے مستثنیٰ ہے انہوں نے ہم سے کسی قسم کی قطع تعلقی نہیں کی۔

وَهَنَّالَهُمْ حَتّٰى تَبَدَّدَ جَمْعُهُمْ وَ يَحْسُرَ عَنَّا كُلُّ بَاغٍ وَ جَاهِلٍ

ہم نے انہیں اتنا کمزور کر دیا ہے کہ ان کی جمعیت منتشر ہو گئی ہے۔ ہر باغی اور جاہل ہم سے دور ہو جاتا ہے۔

وَ كَانَ لَنَا حَوْضُ السِّقَايَةِ فِيهِمْ وَ نَحْنُ الْكُدٰى مِنْ غَالِبٍ وَالْكَوَاهِلِ

ہمارا پانی پلانے کا حوض انہی میں تھا۔ بنو غالب میں ہم ایک سخت چٹان کی مانند تھے۔

شَبَابٌ مِنَ الْمُطَيَّبِيْنَ وَهَاشِمٍ كَبِيْضِ السُّيُوْفِ بَيْنَ اَيْدِى الصَّيَاقِلِ

خوشبو والوں کے اور بنو ہاشم کے جوان ایسے ہیں کہ گویا کہ وہ صیقل کرنے والوں کے ہاتھوں میں چمکتی تلواریں ہیں۔

فَمَا اَدْرَكُوْا ذَحْلًا وَ لَا سَفَكُوْا دَمًا وَ لَا حَالَفُوْا اِلَّا شِرَّ الْقَبَائِلِ

نہ تو انہوں نے بدلہ لیا اور نہ ہی خونریزی کی اور نہ ہی قبائل میں سے شریر لوگوں کے علاوہ مخالفت کی۔

بِضَرْبٍ تَرَى الْفِتْيَانَ فِيْهِ كَاَنَّهُمْ ضَوَارِىْ اُسُوْدٍ فَوْقَ لَحْمٍ خَرَادِلِ

ایسی شمشیر زنی ہوگی جس میں تو جوانوں کو دیکھے گا کہ گویا وہ چیرنے والے شیر ہیں جو گوشت

جو بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا جس کی وجہ سے مکہ معظمہ پر اندھیرا چھا گیا حتیٰ کہ لوگ شدت ظلمت سے گھبرا گئے۔ غیطلہ، شدید تاریکی کو بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح اکھیڑے ہوئے درخت، آواز کے اختلاط، وحشی گائے اور اونگھ کی زیادتی کو بھی غیطلہ کہتے ہیں۔ یُحِسُّ اس کا معنی کمی کرنا ہے۔ ہر چیز میں کمی کرنے والے کو حسیس کہتے ہیں۔ حُطُب رکب کی طرح اسم جمع ہے یہ جمع نہیں ہے۔ ان کی تصغیر حُطَيْب اور رُكَيْب آتی ہیں۔ "حطابُ اَقْدَادٍ" یہ حاطب کی جمع ہے۔ اس کی تصغیر نہیں آتی۔ تصغیر کے لئے اسے واحد کی طرف لوٹانا پڑے گا۔ پھر حُوَيْطِبُوْنَ کہا جائے گا۔

مِنْ كُلِّ طِمْلٍ وَّ خَامِلٍ۔ طِمْلٌ چور کو کہتے ہیں (ابی بحر) العین میں ہے کہ طمل فحش گو انسان کو کہتے ہیں۔ فقیر اور بھیڑیے کو بھی الطمل کہا جاتا ہے۔ لِقْحَةٌ غُبْرٌ بَاهِلٍ۔ باھل اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے تھنوں کے سروں پر دھاگا نہ باندھا گیا ہو اور اسے دوہا جا سکتا ہو۔ اسے نَاقَةٌ مَصْرُوْرَةٌ بھی کہتے ہیں۔ یہ دھاگا اس لئے باندھا جاتا ہے تاکہ اس کا بچہ دودھ نہ پی سکے لیکن مصراۃ اس معنی میں مستعمل

کے ٹکڑوں پر پڑے ہیں۔

بَنِی اَمَةٍ مَحْبُوبَةٍ هِنْدَكِيَّةٍ بَنِي جَمْحٍ عُبَيْدِ قَيْسِ بْنِ عَاقِلٍ

اے ہندی محبوبہ لونڈی کے بچو! اے بنو جمح عبید بن قیس بن عاقل کی اولاد۔

وَلٰكِنَّنَا نَسْلٌ كِرَامٌ لِسَادَةٍ بِهِمْ نُعِيَ الْاَقْوَامُ عِنْدَ الْبَوَاطِلِ

لیکن ہم تو عمدہ نسل کے وہ سردار لوگ ہیں جن کے ذریعے جنگ کے وقت اقوام کو موت کا پیام سنایا جاتا ہے۔

وَنِعْمَ ابْنُ اُخْتِ الْقَوْمِ غَيْرَ مُكَذَّبٍ زُهَيْرٌ حُسَامًا مُفْرَدًا مِنْ حَمَائِلِ

زہیر قوم کا کتنا عمدہ بھانجا ہے جسے جھٹلایا نہیں جاتا وہ ایک ایسی تلوار کی مانند ہے جسے نیام سے علیحدہ کر دیا گیا ہو۔

اَشَمُّ مِنَ الشُّمِّ الْبَهَالِيلِ يَنْتَمِي اِلٰى حَسَبٍ فِي حَوْمَةِ الْمَجْدِ فَاضِلِ

وہ عظیم سرداروں سے بھی عظیم تر ہے وہ اس عظیم نسب کی طرف منسوب ہے جو فضیلت و بزرگی میں بہت آگے ہے۔

لَعَمْرِي لَقَدْ كَلِفْتُ وَجْدًا بِاَحْمَدَ وَاِخْوَتِهٖ دَاْبَ الْمُحِبِّ الْمُوَاصِلِ

مجھے اپنی عمر کی قسم! میں اسی طرح احمد مجتبیٰ ﷺ اور ان کے بھائیوں کی محبت میں گرفتار ہوں جس طرح دائمی محب کسی کی محبت کا اسیر ہوتا ہے۔

نہیں ہے یہ لفظ اس اونٹنی کے لئے استعمال ہوتا ہے جو اپنا دودھ اپنی کھیری میں جمع کر لیتی ہے۔ یہ ماء صری (ٹھہرا ہوا پانی) سے مشتق ہے۔ ابو علی نے ''بارع'' میں خطا کی ہے انہوں نے مصراۃ کو مصرورۃ کے معنی میں کیا ہے۔ اس کی ایک بعید وجہ ہے وہ یہ ہے کہ ان کے لئے دوراء میں سے ایک کو یاء میں بدلنے کی دلیل پکڑی جاتی ہے مثلاً قَصَّيْتُ اَظْفَارِي لیکن معنی کے اعتبار سے یہ بعید ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک عورت اپنے خاوند کے تعاقب میں تھی وہ کہتی تھی کہ وہ اس کے پاس اس اونٹنی کی طرح آئی ہے جس کے تھنوں پر کوئی دھاگا نہیں باندھا جاتا۔ اس نے اپنے خاوند سے کہا اَطْعَمْتُكَ مَاْدُوْمِي وَاَبْثَثْتُكَ مَكْتُوْمِي وَ جِئْتُكَ بَاهِلًا غَيْرَ ذَاتِ صِرَارٍ۔ میں نے تجھے اپنا سالن کھلایا، اپنے سر نہاں سے تجھے آگاہ کیا اور تیرے پاس اس اونٹنی کی طرح آئی جس کے تھنوں پر دھاگا نہ باندھا گیا ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا لَا تُوْرِدِ الْاِبِلَ بُهْلًا فَاِنَّ الشَّيَاطِيْنَ تَرْضَعُهَا۔ اپنی اونٹنی کو دھاگا باندھے بغیر گھاٹ پر نہ لے جاؤ کیونکہ شیطان انہیں دودھ لیتے ہیں۔

فَلَا زَالَ فِي الدُّنيَا جَمَالاً لِاَهْلِهَا　　وَزَيْنًا لِمَنْ وَالَاهُ رَبُّ الْمَشَاكِلِ

امر دشوار کا رب ان لوگوں کو دنیاوی جمال سے آراستہ کرے اور انہیں مزین فرمائے جنہوں نے محمد ﷺ اور ان کے بھائیوں سے محبت کی۔

فَمَنْ مِثْلُهُ فِي النَّاسِ اَیُّ مُؤَمَّلٍ　　اِذَا قَاسَهُ الْحُكَّامُ عِنْدَ التَّفَاضُلِ

لوگوں میں سے آپ ﷺ کی مثل کون ہے کس سے امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں؟ جب فضائل میں زیادتی کا فیصلہ کرنے والوں نے فیصلہ کیا انہیں آپ ﷺ سے برتر نظر نہ آیا۔

حَلِيْمٌ رَشِيْدٌ عَادِلٌ غَيْرُ طَائِشٍ　　يُوَالِيْ اِلٰهًا لَيْسَ عَنْهُ بِغَافِلِ

وہ بردبار، ہدایت یافتہ، عادل ہیں اور جلد باز نہیں ہیں وہ ایسے معبود سے محبت کرتے ہیں جو ان سے غافل نہیں ہے۔

فَوَ اللّٰهِ لَوْ لَا اَنْ اَجِیْٔ بِسُبَّةٍ　　تُجَرُّ عَلٰی اَشْيَاخِنَا فِی الْمَحَافِلِ

اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میری وجہ سے ہمارے بزرگوں کو محافل میں برا بھلا کہا جائے گا۔

لَكِنَّا اتَّبَعْنَاهُ عَلٰی كُلِّ حَالَةٍ　　مِنَ الدَّهْرِ جِدًّا غَيْرَ قَوْلِ التَّهَازُلِ

تو پھر ہم آپ ﷺ کی ہر حالت میں اتباع کرتے اور یہ بات از روئے مذاق نہیں ہے۔

لَقَدْ عَلِمُوْا اَنَّ ابْنَنَا لَا مُكَذَّبٌ　　لَدَيْنَا وَ لَا يُعْنٰی بِقَوْلِ الْاَبَاطِلِ

یہ بات سب جانتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی اپنے نور نظر کی تکذیب کرنے والا نہیں اور جھوٹوں کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی جاسکتی۔

فَاَصْبَحَ فِيْنَا اَحْمَدُ فِي اَرُوْمَةٍ　　تُقَصِّرُ عَنْهُ سَوْرَةُ الْمُتَطَاوِلِ

احمد مجتبیٰ ﷺ ہم میں ایسے والدین کے ہاں جلوہ نما ہوئے ہیں کہ ظلم کرنے والوں کے

بُرَاءٌ عَلَيْنَا۔ کہا جاتا ہے قوم بُرَاءٌ وَبَرَاءٌ وبِرَاءٌ، بِرَاءٌ، بَرِیٌّ کی جمع ہے مثلاً کریم کی جمع کرام آتی ہے۔ براء مصدر ہے جیسا کہ سلام مصدر ہے بِرَاء اور بُرَاء میں ہمزہ فعل کا لام کلمہ ہے کہا جاتا ہے رَجُلٌ بُرَاءٌ وَرَجُلَان بِرَاءٌ۔ اس کو کسرہ دینا یا ضمہ دینا صرف جمع میں جائز ہے جبکہ براء کی اصل برآء ہے جیسا کہ کرماء ہے اہل لغت دو ہمزوں کے اجتماع کو ثقیل سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ ہمزہ کو حذف کر دیتے ہیں اس کا وزن فعلاء تھا۔ جب وہ ہمزہ حذف کر دیا گیا جو فعل کا لام کلمہ ہے تو اس کا وزن فَعَاءٌ ہو گیا فعال کے مشابہ ہونے کی وجہ سے یہ غیر منصرف ہے اس سے نسب براوی ہوگا جیسا کہ دونوں (براء، براء)

ہاتھ ان کی شان کم کرنے سے قاصر ہیں۔

حَدِبْتُ نَفْسِی دُوْنَہٗ و حَمَیْتُہٗ وَدَافَعْتُ عَنْہُ بالدُّرَا والکَلَاکِلِ

میں نے آپ کے لئے اپنے نفس کو انتہائی دکھ میں ڈالا ہے میں نے آپ ﷺ کی بھرپور حمایت کی ہے اپنی پشت اور سینے سے آپ ﷺ کا دفاع کیا ہے۔

فَاَیَّدَہٗ رَبُّ الْعِبَادِ بِنَصْرِہٖ وَاَظْھَرَ دِیْنًا حَقُّہٗ غَیْرُ بَاطِلِ

لوگوں کے پروردگار نے اپنی اعانت سے آپ ﷺ کی تائید کی اور آپ ﷺ کا دین حق غالب کر دیا وہ دین جو باطل نہیں ہے۔

رِجَالٌ کِرَامٌ غَیْرُ مِیْلٍ نَمَاھُم اِلَی الْخَیْرِ آبَاءٌ کِرَامُ الْمَحَاصِلِ

وہ کریم لوگ ہیں کسی کی طرف جھکاؤ نہیں رکھتے ان کے عظیم مقاصد والے آباء نے انہیں بھلائی کی طرف بلایا ہے۔

فَاِنْ تَکُ کَعْبٌ مِنْ لُؤَیٍّ صُعَیْبَۃً فَلَا بُدَّ یَوْمًا مَرَّۃً مِنْ تَزَایُلِ

اگر بنوکعب کا بنولوی سے قریبی تعلق ہے تو پھر اس اتفاق کا کسی دن منتشر ہو جانا بھی ضروری ہے۔

حضور ﷺ کی دعا اور ابر کرم کا نزول

ابن ہشام کہتے ہیں مجھے ایک قابل اعتماد شخص نے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ اہل مدینہ قحط سالی کا شکار ہو گئے۔ وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور قحط کی شکایت کی۔ نبی اکرم ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور بارانِ رحمت کے لئے دعا مانگی۔ ابھی چند ساعتیں ہی گذریں تھیں کہ

کی نسبت بِرَانِی اور بَرَانِی آتی ہے۔ بعض اہل لغت نے براء کو فعال کے وزن پر جمع مانا ہے اور ایسے الفاظ آٹھ ہیں۔ فَرِیر، فُرَاء، عَرَن، عُرَان...... نحاس نے اسے براء کہا ہے۔

دعائے مصطفیٰ ﷺ اور رحمت کی بارش

اوپر بیان کردہ حدیث مبارک کئی اسناد سے مروی ہے ان کے الفاظ میں بھی اختلاف ہے۔

حَتّٰی اَتَاہٗ اَھْلُ الضَّوَاحِی...... ضَوَاحِی، ضاحِیۃٌ کی جمع ہے۔ اس زمین کو کہتے ہیں جو درختوں سے خالی ہو اور وہاں سیلاب کے آنے کا بھی خطرہ ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہر شہر کے خارج کو ضاحیہ کہا جاتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَ لَا عَلَیْنَا۔ دوسری حدیث میں ہے اَللّٰھُمَّ ارْفَعْہُ عَنَّا۔ مولا! اسے ہم سے اٹھا لے۔ یہ دعا مانگنے کا عمدہ ادب ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور وہ نعمت ہے جو اس سے

بارش نازل ہونا شروع ہوگئی پھر چند دن بعد وہی لوگ دوبارہ حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے بارش کی زیادتی کی شکایت کی آپ ﷺ نے دعا مانگی۔

اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَ لَا عَلَیْنَا۔ مولا ہمارے اردگرد برسا ہم پر نہ برسا

مدینہ طیبہ پر سے بادل ہٹ گئے اور ایک دائرہ کی شکل میں اس کے اردگرد برسنے لگے۔ اس وقت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا لَوْ اَدْرَکَ اَبُوْ طَالِبٍ ھٰذَا الْیَوْمَ لَسَرَّہٗ۔ اگر ابوطالب آج کا دن پالیتے تو وہ مسرور ہوجاتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ ان کے اس شعر کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں وَاَبْیَضَ یُسْتَسْقَی...... آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں" ابن ہشام کہتے ہیں۔ ابوطالب کا قول ثَبْرَقَۃٌ۔ ابن اسحاق کے علاوہ کسی اور سے روایت ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں۔ اَلْغَیَاطِیْل سے مراد بنوسہم بن عمرو بن ھصیص کے بعض افراد ہیں ابوسفیان بن حرب بن امیہ، مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف، زہیر بن ابی

طلب کی جاتی ہے پھر اس سے یہ مطالبہ کیسے کیا جاسکتا ہے کہ وہ اس نعمت کو اٹھالے، اور اس نعمت کو ختم کر دے۔ اللہ تعالیٰ سے تو دعا کی جاتی ہے کہ وہ مصائب کو مٹادے اور نعمتوں کو فزوں کرے۔ اس واقعہ میں بارش طلب کرنے کی کیفیت کی بھی تعلیم ہے۔ آپ ﷺ نے عرض کی اَللّٰھُمَّ مَنَابِتَ الشَّجَرِ لیکن آپ ﷺ نے یہ نہیں عرض کی اِصْرِفْھَا اِلٰی مَنَابِتِ الشَّجَرِ مولا! اسے درختوں کے اگنے کی جگہ کی طرف پھیر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ لطف کی وجہ سے خوب آشنا ہے اور وہ اس مصلحت سے بھی خوب آگاہ ہے جو اس بارش، شبنم اور نمی سے مطلوب ہے اور ان کی کیفیت اور مقدار سے بھی آگاہ ہے۔

اعتراض: اگر یہ کہا جائے کہ ابوطالب نے یہ کیسے کہا وَاَبْیَضَ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْھِہٖ۔ حالانکہ انہوں نے کبھی مشاہدہ نہیں کیا تھا کہ حضور ﷺ نے بارش کی دعا مانگی ہو کیونکہ آپ ﷺ نے ایسی تمام دعائیں مدینہ طیبہ میں سفر اور حضر کی حالت میں کیں۔ وہاں مشاہدہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ان دعاؤں کو کتنی جلدی شرف قبولیت سے نوازا۔

جواب: ابوطالب نے عبدالمطلب کی زندگی میں بھی ایسے واقعہ کا مشاہدہ کیا تھا۔ اسی واقعہ کو پیش نظر رکھ کر ہی انہوں نے یہ شعر کہا ہے۔ ابوسلمان حمد بن محمد بن ابراہیم البستی النیساپوری روایت کرتے ہیں کہ رقیقہ بنت ابی صیفی بن ہاشم کہتی ہیں قریش کو کئی سال لگاتار قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا۔ جس سے زمین خشک ہوگئی، ہڈیاں نرم ہوگئیں۔ اسی اثناء میں کہ میں سو رہی تھی میرے ساتھ میرا بھائی بھی تھا، میں نے بلند آواز سنی۔ کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا۔ "اے گروہ قریش! تم میں نبی کریم ﷺ تشریف لاچکے

امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم اور اس کی والدہ عاتکہ بنت عبدالمطلب ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں اسید کے جوان بیٹے کا نام عتاب بن اسید بن ابی العیص بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی تھا۔عثمان بن عبیداللہ سے مراد طلحہ بن عبیداللہ التیمی کا بھائی تھا قنفذ سے مراد عمیر بن جدعان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ کا بیٹا تھا ابوالولید سے مراد عتبہ بن ربیعہ ہے اور ابی سے مراد بن شریق، بنوزہرہ بن کلاب کا حریف ہے۔

ابن ہشام کہتے ہیں چونکہ غزوۂ بدر کے دن یہ لوگوں کو لے کر پیچھے ہٹ گیا تھا اس لئے اس کا نام اخنس پڑ گیا ورنہ اس کا نام ابی تھا اس کا تعلق بنوعلاج سے تھا علاج سے مراد ابن ابی سلمہ بن عوف بن عقبہ ہے۔اسود بن عبدیغوث بن وھب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب ہے سبیع بن خالد ہے ابوبلحارث بن فہر اور نوفل بن خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قصی ہے اسے ابن عدویہ بھی کہتے تھے۔ یہ قریش کے شیطان لوگوں میں سے تھا۔ اسی نے ہی اس وقت حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہما کو اکٹھا باندھا تھا جب انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔اسی وجہ سے وہ قرینین کے لقب سے ملقب ہوئے۔شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اسے غزوۂ بدر کے دن واصل جہنم کیا تھا۔ابوعمرو سے مراد قرظہ بن عبدعمرو بن نوفل بن عبد مناف ہے "قَوْمٌ عَلَيْنَا اَظِنَّة" سے مراد بنوبکر بن عبدمناۃ بنت کنانہ ہے۔مذکورہ بالا تمام افراد کا تذکرہ ابوطالب نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔

ہیں۔ان کا ستارہ طلوع ہو چکا ہے وہ موسلا دھار بارش اور شادابی کے ساتھ جلوہ افروز ہوئے ہیں ارے! تم اپنے قبیلے میں سے ایک لمبا،موٹا،سفید، بلند آواز اور ستواں ناک والا شخص تلاش کرو۔اس کیلئے ایک ایسا فخر ہوگا جس کا وہ اظہار نہ کر رہا ہوگا۔وہ عظیم شخص اور اس کا مبارک بچہ خلوص کا اظہار کریں۔ہر وادی کا ایک ایک شخص ان کے پاس جائے،تمام صاف پانی سے غسل کریں۔عمدہ خوشبو لگائیں، بیت اللہ کا سات مرتبہ طواف کریں۔ارے! ان میں ایک طیب و طاہر ذات ہے۔وہ شخص ابر رحمت کیلئے دعا مانگے۔پوری قوم آمین کہے ارے! پھر تم پر ایسا ابر کرم برسے گا کہ تم ہمیشہ شاداں رہو گے۔" بنت ابی صیفی کہتی ہیں۔"یہ سن کر میں گھبرا گئی۔میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔میری عقل جواب دے گئی۔میں نے تمام لوگوں کو اپنا خواب سنایا حرم اور حرمۃ کی قسم! مکہ کے باسیوں میں سے ہر شخص نے کہا مذکورہ بالا صفات تو شیبۃ الحمد (عبدالمطلب) کی ہیں تمام قریش ان کے پاس جمع ہو گئے ہر وادی میں سے ایک ایک شخص بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تمام نے غسل کیا،خوشبو لگائی، بیت اللہ

ذکر مصطفیٰ ﷺ کی شہرت

جب نبی محترم ﷺ کا ذکر مبارک عرب میں پھیلا، شہروں میں آپ ﷺ کے تذکرے ہونے لگے تو مدینہ طیبہ میں بھی آپ ﷺ کا چرچا ہوا نبی اکرم ﷺ کی اس شہرت سے پہلے یا بعد کوئی بھی قبیلہ آپ ﷺ کو اوس اور خزرج سے زیادہ نہ جانتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ یہودیوں کے حلیف تھے وہ ان کے شہروں میں مقیم تھے۔ یہودی علماء انہیں نبی اکرم ﷺ کے متعلق بتایا کرتے تھے۔ جب نبی اکرم ﷺ کا ذکر مبارک مدینہ طیبہ میں ہونے لگا تو لوگوں نے اس اختلاف کا بھی تذکرہ کیا جو آپ ﷺ اور قریش کے مابین ہوا تھا۔ اس وقت ابوقیس بن الاسلت نے یہ قصیدہ لکھا۔ اس کا تعلق بنو واقف سے تھا۔

کا طواف کیا اور حجر اسود کو چوما پھر کوہ ابی قبیس پر چڑھ گئے۔ تمام لوگ حضرت عبدالمطلب کے اردگرد جمع ہونے لگے۔ وہ انتہائی نرم چال چل رہے تھے بالآخر وہ پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ گئے لوگوں نے آپ کے دامن کو تھام لیا۔ حضرت عبدالمطلب کھڑے ہو گئے۔ ان کے ساتھ ان کا سعادت مند پوتا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بھی تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے انہیں اپنے کندھے پر اٹھا رکھا تھا۔ اس وقت آپ ﷺ کم عمر تھے پھر حضرت عبدالمطلب نے بارگاہِ ایزدی میں التجاء کی "اے مولا! اے محتاجی کو دور فرمانے والے، مصیبت کو ختم کرنے والے تو سب کچھ جانتا ہے تجھے سکھایا نہیں جا سکتا، تیری بارگاہ سے ہی مانگا جاتا ہے تو ذرہ بھر بھی بخیل نہیں ہے۔ مولا! یہ تیرے بندے اور لونڈیاں ہیں۔ یہ تیرے حرم کے صحن میں جمع ہیں۔ یہ اپنی قحط سالی کے لئے تیری بارگاہ میں عرض کناں ہیں۔ اے رب غفور! ہماری التجاء کو سن لے ہم پر موسلا دھار اور خوشگوار بارش نازل فرما"۔ بیت اللہ کی قسم! ابھی لوگ اپنی اپنی جگہ پر ہی تھے کہ آسمان بارش سے پھٹ پڑا اور اتنا سیلاب آیا کہ وادی تنگ ہو گئی۔

اس روایت کو ابوسلیمان نے ابن الاعرابی سے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن علی نے، یعقوب بن محمد سے، انہوں نے عبدالعزیز بن عمران سے، انہوں نے ابن خویصہ سے، وہ مخرمہ بن نفیل سے اور وہ اپنی والدہ رقیقہ بنت ابی صیفی سے روایت کرتے ہیں۔ یہ واقعہ رقیقہ سے ہی ایک اور سند سے بھی روایت کیا گیا ہے جس میں ہے ارے! تم اپنے قبیلے میں سے ایک بھاری جسیم اور عظیم شخص کو تلاش کرو۔ جن کی ابرو گھنی ہوں۔ حضرت عبدالمطلب کے ساتھ حضور ﷺ بھی تھے.........

ابوقیس بن الاسلت، اس کا نسب اور اس کے بارگاہِ رسالت میں عقیدت کے پھول

ابن ہشام کہتے ہیں ابن اسحاق نے یہاں ابوقیس کو بنو واقف کی طرف منسوب کیا ہے جبکہ حدیث فیل میں اسے خطمہ سے منسوب کیا ہے کیونکہ اہل عرب بعض اوقات کسی آدمی کا نسب اس کے دادا کے بھائی سے ملا دیتے تھے کیونکہ دادا سے دادا کا بھائی زیادہ شہرت کا حامل ہوتا تھا۔ ابن ہشام کہتے ہیں۔ ابوعبیدہ نے مجھے بتایا ہے کہ حکم بن عمرو الغفاری نعیلہ کی اولاد میں سے تھا۔ نعیلہ غفار کا بھائی تھا اس سے مراد غفار بن ملیل ہے۔ نعیلہ بھی ملیل بن ضمرہ بن بکر بن عبد مناۃ کا بیٹا تھا۔ عتبہ کو غزوان السلمی کا بیٹا بھی کہتے تھے۔ یہ مازن بن منصور اور سلیم بن منصور کی اولاد میں سے تھا۔

ابن ہشام کہتے ہیں ابوقیس بن الاسلت کا تعلق بنو وائل سے تھا۔ وائل، واقف اور خطمہ اوس کے بھائیوں میں سے تھے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں ابوقیس قریش سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا۔ وہ ان کا داماد بھی تھا۔ ارنب بنت اسد بن عبدالعزی بن قصی اس کی بیوی تھی وہ اپنی بیوی کے ساتھ قریش کے ہاں کئی سال ٹھہرا کرتا تھا۔ اس نے ایک ایسا قصیدہ لکھا جس میں بیت اللہ کی عظمت کا ذکر کیا، قریش کو وہاں قتل و غارت کرنے سے منع کیا۔ انہیں وہاں ایک دوسرے کو اذیت دینے سے روکا۔ ان کی فضیلت و شرف کا تذکرہ کیا۔ انہیں نبی اکرم ﷺ کو تکلیف نہ دینے کے لئے کہا۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی آفات یاد کرائیں۔ ابرہہ اور اس کے ہاتھیوں کا انجام یاد کرایا وہ اپنے

ابن الاسلت اور اس کا قصیدہ

ابن ہشام نے ان تمام لوگوں کو ہلکا سا تعارف کرا دیا ہے جن کا تذکرہ ابوطالب نے اپنے قصیدہ میں کیا ہے پھر انہوں نے ابن الاسلت کے قصیدے کا تذکرہ کیا ہے۔ اسلت کا نام عامر تھا۔ انتہائی چپٹی ناک والے کو اسلت کہا جاتا ہے۔ یہ بددعا بھی دی جاتی ہے سَلَتَ اللّٰہُ اَنْفَہٗ۔ اللہ تعالیٰ اس کی ناک کو چپٹا کرے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ وہ حضرت بشر بن عاصم کو کسی شہر کا گورنر مقرر کریں۔ انہوں نے حضرت بشر کو خط لکھا اور یہ عہدہ قبول کرنے کے لئے کہا لیکن حضرت بشر نے انکار کر دیا اور فرمایا "مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے رسول مکرم ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرما رہے تھے۔ "روزِ حشر عہدہ داران کو لایا جائے گا وہ جہنم کے پل پر کھڑے ہو جائیں گے ان میں سے جو اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار ہو گا وہ اسے دائیں ہاتھ سے پکڑے گا حتیٰ کہ اسے نجات عطا

اشعار میں کہتا ہے۔

يَا رَاكِبًا اِمَّا عَرَضْتَ فَبَلِّغَنْ مُغَلْغَلَةً عَنِّي لُؤَيَّ بْنَ غَالِب

اے شہسوار! اگر تو حرم کعبہ کی طرف جا رہا ہے تو میری طرف سے بنولوی بن غالب کو پیغام پہنچا دینا۔

رَسُوْلُ امْرِئٍ قَدْ رَاعَهُ ذَاتُ بَيْنِكُمْ عَلَى النَّأْيِ مَحْزُوْنٍ بِذٰلِكَ نَاصِب

ایسے شخص کا قاصد بن کر جاجسے تمہارے باہمی اختلاف نے مغموم کر دیا ہے اور تمہارے فراق میں مضطرب اور پریشان ہے۔

وَ قَدْ كَانَ عِنْدِىْ لِلْهُمُوْمِ مُعَرَّسٌ فَلَمْ اَقْضِ مِنْهَا حَاجَتِىْ وَ مَا رَبِىْ

غموں اور دکھوں کی ظلمت مجھ پر چھا گئی ہے نہ تو ان سے میری حاجت پوری ہوئی ہے اور نہ میرے مقصد میں کامیابی ہوئی۔

نُبِّيْتُكُمْ شَرْجَيْنِ كُلَّ قَبِيْلَةٍ لَهَا اَزْمَلٌ مِنْ بَيْنِ مُذْكٍ وَ حَاطِب

مجھے تمہارے متعلق اطلاع ملی ہے کہ تم دو گروہوں میں منقسم ہو گئے ہو۔ جن میں سے ایک گروہ ایندھن اکٹھا کر رہا ہے اور دوسرا اسے آگ لگانے کے لئے کوشاں ہے۔ ہر قبیلے نے غل مچا رکھا ہے۔

أُعِيْذُكُمْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ صُنْعِكُمْ وَ شَرِّ تَبَاغِيْكُمْ وَدَسِّ الْعَقَارِب

میں تمہارے کرتوتوں کے شر سے، تمہاری باہمی عداوت و بغاوت کے شر سے اور بچھوؤں کے کاٹنے سے تمہیں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

کرے گا۔ جو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہوگا تو پل اسے آگ کی وادی میں پھینک دے گا۔ وہ وادی جو آگ کی وجہ سے شعلہ فشاں اور شرربار ہوگی''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہما کی طرف پیغام بھیجا۔ ان کے آنے پر آپ نے حضرت ابوذر سے پوچھا کیا آپ نے یہ حدیث حضور اکرم ﷺ سے سنی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! قسم بخدا! اس وادی کے بعد آگ کی ایک اور وادی ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے یہی سوال کیا لیکن انہوں نے کوئی جواب دینا پسند نہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ آگ کس کے حصہ میں آئے گی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مَنْ سَلَتَ اللّٰهُ اَنْفَهٗ وَعَيْنَيْهِ وَاَضْرَعَ خَدَّهٗ اِلَى الْاَرْضِ۔ جس کے ناک اور آنکھوں کو اللہ تعالیٰ نے رسوا کیا ہوگا اور اسے ذلیل کیا ہوگا۔

وَاِظْهَارِ اَخْلَاقٍ وَ نَجْوٰى سَقِيْمَةٍ ۔ كَوَخْزِ الاَشَافِي وَقْعُهَا حَقٌّ صَائِبِ

میں اللہ تعالیٰ کی اخلاق کے اظہار اور ایسی جنگوں کے متعلق سرگوشی کرنے سے پناہ مانگتا ہوں جن کی نوکیں آریوں کی طرح سیدھی ہوتی ہیں۔

فَذَكِّرْهُمْ بِاللّٰهِ اَوَّلَ وَهْلَةٍ وَاِحْلَالَ اَحْرَامِ الظِّبَاءِ الشَّوَازِبِ

سب سے پہلے انہیں اللہ کا نام لے کر نصیحت کر اور حرم پاک کی کمزور ہرنیوں کو حلال سمجھنے سے روک۔

وَقُلْ لَهُمْ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ حُكْمَهُ ذَرُوْا الْحَرْبَ تَذْهَبْ عَنْكُمْ فِي الْمَرَاحِبِ

ان سے کہو کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ جاری کرتا ہے کہ تم جنگ سے پناہ لو وہ تمہیں چھوڑ کر وسیع میدانوں کی طرف چلی جائے گی۔

مَتٰى تَبْعَثُوْهَا تَبْعَثُوْهَا ذَمِيْمَةً هِيَ الْغُوْلُ لِلْاَقْصَيْنِ اَوْ لِلْاَقَارِبِ

جب بھی تم جنگ لڑو گے اس کے نتائج برے ہی ہوں گے۔ یہ بیگانوں اور عزیز و اقارب کے لئے ہلاکت ہے۔

تُقَطِّعُ اَرْحَامًا وَ تُهْلِكُ اُمَّةً وَ تَبْرِي السَّدِيْفَ مِنْ سَنَامٍ وَّ غَارِبِ

جنگ رشتوں کو منقطع اور اقوام کو ہلاک کر دیتی ہے۔ یہ پیٹھ سے اور کوہان سے گوشت کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔

وَ تَسْتَبْدِلُوْا بِالْاَتْحِيَةِ بَعْدَهَا شَلِيْلًا وَاَصْدَاءً ثِيَابَ الْمُحَارِبِ

اَلْمُغَلْغَلَةُ۔ کسی چیز کی انتہا تک داخل ہونے کو کہا جاتا ہے۔ اسی سے ہے تَغَلْغَلَ فِي الْبِلَادِ۔ شہروں میں داخل ہونے میں دور تک جانا۔ اس کی اصل تَغَلَّلَ اور مُغَلَّلَة ہے لیکن ایک لام کو غین میں تبدیل کر دیا گیا ہے جس طرح کہ مضاعف میں اکثر کیا جاتا ہے یہ الغَلَل اور غِلَالَةٌ سے مشتق ہے غَلَلٌ اس پانی کو کہا جاتا ہے جس کو نباتات اور درخت چھپا لیں الغِلَالَة ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو اپنے نیچے آنے والی شے کو چھپا لے۔ نُبِّئْتُكُمْ شَرْجَيْنِ۔ شَرْجَيْنِ سے مراد دو مختلف فریق ہیں نُبِّتُّكُمْ مشکل لفظ ہے شیخ کے حاشیہ میں نُبِّيْتُكُمْ ہے۔ معنی میں یہ زیادہ واضح ہے اس میں کچھ زحاف ہیں لیکن اس سے معنی میں کوئی عیب پیدا نہیں ہوتا جبکہ لفظ "اَلتَّبَيُّتُ" کا اس شعر میں استعمال معنی کے اعتبار سے بعید ہے اَلْاَ زْمَلُ۔ آواز۔ اَلْمُذْكِيْ آگ جلانے والا۔ اَلْحَاطِبُ لکڑیاں اکٹھی کرنے والا۔ جنگ کی آگ کو اس سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ایک اور شاعر کہتا ہے۔

جنگ کے بعد تم یمنی چادروں کے بدلے چھوٹی زرہیں اور زنگ آلود زرہوں کے نیچے تمہیں کپڑے پہننے ہوں گے۔

وَ بِالْمِسْكِ وَالْكَافُوْرِ غُبْرًا سَوَابِغًا　　كَاَنَّ قَتِيْرَيْهَا عُيُوْنُ الْجَنَادِبِ

مشک اور کافور کے بدلے تمہیں گرد آلود لمبی زرہیں پہننا پڑیں گی۔ ان کے حلقے ٹڈیوں کی آنکھوں کی مانند ہوں گے۔

اِيَاكُمْ وَالْحَرْبَ لَا تَعْلَقَنَّكُمْ　　وَ حَوْضًا وَ خِتَمَ الْمَاءِ مُرَّ الْمَشَارِبِ

جنگ سے بچو کہیں یہ تمہیں چمٹ نہ جائے۔ یہ ایک ایسے حوض کی طرح ہے جس کا پانی نقصان دہ اور تلخ ہے۔

تَزَيَّنَ لِلْاَقْوَامِ ثُمَّ يَرَوْنَهَا　　بِعَاقِبَةٍ اِذْ بَيَّنَتْ، اُمَّ صَاحِبِ

جنگ اقوام کے لئے اپنے آپ کو آراستہ کرتی ہے جب بالآخر یہ واضح ہوتی ہے اور لوگ اس کا انجام دیکھتے ہیں تو یہ دوست کی والدہ کی طرح بڑھیا ہوتی ہے۔

تُحَرِّقُ، لَا تُشْوِیْ ضَعِيْفًا وَ تَنْتَحِی　　ذَوِی الْعِزِّ مِنْكُمْ بِالْحُتُوْفِ الصَّوَائِبِ

یہ جلا دیتی ہے، کسی کمزور سے اس کا نشانہ خطا نہیں ہوتا یہ تم میں سے معززین پر سیدھے نیزے لے کر حملہ آور ہوتی ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمُوْا مَا كَانَ فِی حَرْبِ دَاحِسٍ　　فَتَعْتَبِرُوْا اَوْ كَانَ فِی حَرْبِ حَاطِبِ

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جنگ داحس میں کیا ہوا تھا یا جنگ حاطب میں کیا ہوتا تھا پس تم اسی سے عبرت پکڑو۔

اَرٰی خَلَلَ الرَّمَادِ وَمِیْضَ جَمْرٍ　　وَ يُوْشِكُ اَنْ يَكُوْنَ لَهَا ضِرَامُ

فَاِنَّ النَّارَ بِالْعُوْدَيْنِ تُذْكٰی　　وَ اِنَّ الْحَرْبَ اَوَّلُهَا الْكَلَامُ

میں راکھ کے مابین آگ کی چنگاری کی چمک دیکھ رہا ہوں۔ ممکن ہے کہ یہ بھڑک اٹھے۔ آگ دو لکڑیوں سے جلائی جاتی ہے لیکن جنگ کا آغاز گفتگو سے ہوتا ہے۔

الْغَوْلُ۔ ہلاک، غضب کو غَوْلُ الْحِلْمِ (غضب، حلم کو تباہ کر دیتا ہے) کہا جاتا ہے الغَوْل، پیٹ کے درد کو کہتے ہیں۔ لَا فِيْهَا غَوْلٌ کی تفسیر میں امام بخاری نے یہی لکھا ہے۔ اِحْلَالُ اِحْرَامِ الظِّبَاءِ الشَّوَاذِبِ۔ تمہارا شہر حرمت والا ہے جس میں کمزور ہرن پناہ گزین ہوتے ہیں۔ وہ ہرن زیادہ مسافت طے کرنے کی وجہ سے حد درجہ ناتواں ہو چکے ہوتے ہیں۔ جب اس حرم پاک میں ہرن کا خون بہانا

وَ كَمْ قَدْ اَصَابَتْ مِنْ شَرِيْفٍ مُسَوَّدٍ   طَوِيْلِ الْعِمَادِ، ضَيْفُهٗ غَيْرُ خَائِبٖ
جنگ نے ان عظیم سرداروں کو کتنی مصیبت میں ڈال دیا جن کی عمارات بلند و بالا تھیں اور جن کے مہمان کبھی بھی خائب و خاسر ہو کر نہ لوٹے تھے۔

عَظِيْمِ رَمَادِ النَّارِ يُحْمَدُ اَمْرُهٗ   وَ ذِيْ شِيْمَةٍ مَحْضٍ كَرِيْمِ الْمَضَارِبِ
مہمان نوازی کی وجہ سے اس کی آگ کی راکھ بہت زیادہ ہوتی تھی۔ اس کے کام کی تعریف کی جاتی تھی۔ وہ بڑا با اخلاق، پر خلوص اور شمشیر زن تھا۔

وَمَاءٍ هُرِيْقَ فِي الضَّلَالِ كَاَنَّمَا   اَذَاعَتْ بِهٖ رِيْحُ الصَّبَا وَالْجَنَائِبِ
اور اس پانی کی طرح جسے چٹیل میدان میں پھینک دیا گیا ہو اور مشرقی اور جنوبی ہوا نے اسے اردگرد بکھیر دیا ہو۔

وَيُخْبِرُكُمْ عَنْهَا امْرُءٌ حَقُّ عَالِمٍ   بِاَيَّامِهَا وَالْعِلْمُ عِلْمُ التَّجَارِبِ
جنگ کی ان کیفیات کے متعلق وہ شخص بتا رہا تھا جو ان سے پوری طرح آشنا ہے اور علم، دراصل تجربات کا علم ہی ہوتا ہے۔

فَبِيْعُوْا الْحِرَابَ مِلْمُحَارِبِ وَاذْكُرُوْا   حِسَابَكُمْ وَاللّٰهُ خَيْرُ مُحَاسِبٖ
آلاتِ جنگ کو عبادت گاہوں کے عوض فروخت کر ڈالو۔ اپنا حساب یاد کرو۔ اللہ تعالیٰ بہترین محاسبہ کرنے والا ہے۔

وَلِيِّ امْرِءٍ، فَاخْتَارَ دِيْنًا فَلَا يَكُنْ   عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا غَيْرَ رَبِّ الثَّوَاقِبِ
جس نے دین اختیار کیا اللہ تعالیٰ اس کے معاملہ کا خود نگہبان ہوتا ہے۔ ستاروں کے رب کے علاوہ تم پر کوئی اور نگران نہیں ہونا چاہیے۔

جائز نہیں تو پھر تمہاری خونریزی کیسے روا ہو سکتی ہے؟ اِحْرَامُ الظِّبَاءِ سے مراد ہرن کا حرم میں داخل ہونا ہے۔ جو شخص بھی شہر حرام میں داخل ہو اسے محرم کہا جاتا ہے۔ اَلَا تَحِيَّةُ۔ نرم کپڑے جو یمن میں بنائے جاتے ہیں۔ الشَّلِيْلُ۔ چھوٹی زرہ۔ اَصْدَاءُ جمع ہے اور صَدَاءُ الْحَدِيْدِ سے مشتق ہے۔ اَلْقَتِيْرُ۔ زرہ کے سرے۔ ان کو ٹڈی کی آنکھوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ تنوخی نے اپنے شعر میں بھی یہ معنی استعمال کیا ہے۔

كَاَثْوَابِ الْاَرَاقِمِ مَزَّقَتْهَا   فَخَاطَتْهَا بِاَعْيُنِهَا الْجَرَادُ
سانپوں کے کپڑوں کی مانند۔ جن کو پہلے ٹڈی نے پھاڑا پھر انہیں اپنی آنکھوں سے سی دیا۔

اَقِیْمُوْا لَنَا دِیْنًا حَنِیْفًا فَاَنْتُمْ لَنَا غَایَةٌ قَدْ یُهْتَدٰی بِالذَّوَائِبِ

ہمارے لئے دین حنیف قائم کرو تم ہی ہماری انتہا ہو۔ کبھی کبھی بلندیوں سے بھی راہ نمائی حاصل کی جاتی ہے۔

وَ اَنْتُمْ لِهٰذَا النَّاسِ نُوْرٌ وَ عِصْمَةٌ تُؤَمُّوْنَ، وَالْاَحْلَامُ غَیْرُ عَوَازِبٍ

تم ان لوگوں کے لئے نور اور عصمت ہو۔ تمہاری پیروی کی جاتی ہے۔ دانا کم عمر لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔

وَاَنْتُمْ اِذَا مَاحُصِّلَ النَّاسُ جَوْهَرٌ لَكُمْ سُرَّةُ الْبَطْحَاءِ شُمُّ الْاَرَانِبِ

جب لوگوں کا خلاصہ نکالا جائے تو تم ہی ان کے جوہر ہو تم بطحا کے سردار اور اونچی ناک والے ہو۔

تَصُوْنُوْنَ اَجْسَادًا كِرَامًا عَتِیْقَةً مُهَذَّبَةَ الْاَنْسَابِ غَیْرَ اَشَائِبِ

تم کریم اور آزاد اجسام کی حفاظت کرتے ہو ان کے نسب اتنے پاکیزہ ہیں کہ ان میں مخلوط ہونے کا شائبہ بھی نہیں ہے۔

یَرٰی طَالِبُ الْحَاجَاتِ نَحْوَ بُیُوْتِكُمْ عَصَائِبَ هَلْكٰی تَهْتَدِیْ بِعَصَائِبِ

محتاج شخص تمہارے گھروں کی طرف دیکھتا ہے۔ تباہ شدہ لوگوں کا ایک گروہ دوسرے گروہ کی راہ نمائی کرتا ہے۔

لَقَدْ عَلِمَ الْاَقْوَامُ اَنَّ سَرَاتَكُمْ عَلٰی كُلِّ حَالٍ خَیْرُ اَهْلِ الْحَبَاجِبِ

تزئین۔ یہ شعر عمرو بن معدی کرب کے ان اشعار کی مانند ہے۔

اَلْحَرْبُ اَوَّلُ مَا تَكُوْنُ فَتِیَّةٌ تَسْعٰی بِبِزَّتِهَا لِكُلِّ جَهُوْلِ

ابتداء میں جنگ ایک دوشیزہ کی طرح نظر آتی ہے جو ہر جاہل کے لئے کپڑے پہن کر مچلتی ہے۔

حَتّٰی اِذَا اشْتَعَلَتْ وَ شَبَّ ضِرَامُهَا وَلَّتْ عُجُوْزًا غَیْرَ ذَاتِ خَلِیْلِ

حتیٰ کہ جب وہ شعلہ بار ہو جاتی ہے اور اس کا انگارہ جوان ہو جاتا ہے تو وہ اس بڑھیا کی مانند پیٹھ پھیر جاتی ہے جو کسی کی دوست نہیں بنتی۔

شَمْطَاءَ جَزَّتْ رَاْسَهَا فَتَنَكَّرَتْ مَكْرُوْهَةً لِلشَّمِّ وَالتَّقْبِیْلِ

وہ سفید و سیاہ بالوں والی بڑھیا کی مانند ہوتی ہے جس نے اپنے بال کترواد یئے ہوں۔ وہ اتنی بد صورت ہو جاتی ہے کہ اسے سونگھنے یا چومنے سے کراہت آتی ہے۔

اقوام جانتی ہیں کہ تمہارا خاندان ہر حال میں منیٰ کے مکینوں میں سے بہترین ہے۔

وَاَفْضَلُهٗ رَاْيًا وَ اَعْلَاهُ سُنَّةً وَ اَقْوَلُهٗ لِلْحَقِّ وَسْطَ الْمَوَاكِبِ

رائے کے اعتبار سے سب سے افضل، طریقہ کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ اور قبائل میں سے سب سے زیادہ سچی بات کرنے والے تم ہی ہو۔

فَقُوْمُوْا، فَصَلُّوْا رَبَّكُمْ وَ تَمَسَّحُوْا بِاَرْكَانِ هٰذَا الْبَيْتِ بَيْنَ الْاَخَاشِبِ

اٹھو، اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور اس کے مقدس گھر کے ارکان کو چومو جو پہاڑوں کے درمیان ہے۔

فَعِنْدَكُمْ مِنْهُ بَلَاءٌ وَ مَصْدَقٌ غَدَاةَ اَبِي يَكْسُوْمَ هَادِي الْكَتَائِبِ

اس مقدس گھر کے متعلق آزمائش اور سچے واقعات تمہارے ذہن میں محفوظ ہیں کل جب ابو یکسوم (ابرہہ) لشکروں کی راہ نمائی کر رہا تھا۔

كَتِيْبَتُهٗ بِالسَّهْلِ تُمْسِي وَرَجْلُهٗ عَلَى الْقَاذِفَاتِ فِي رُؤُوْسِ الْمَنَاقِبِ

جس کے سواروں کا دستہ میدان میں چل رہا تھا اور اس کی پیادہ فوج پہاڑوں کے دروں پر تھی۔

اُمُّ صَاحِبٍ۔ وہ تیرے دوست کی ماں کی مانند بڑھیا نظر آتی ہے کیونکہ انسان صرف اپنے ہم عمر کو ہی دوست بناتا ہے۔ جامع البخاری میں ہے کہ جب اہل عرب میں جنگ ہونے لگتی ہے تو وہ عمرو کے ان اشعار کو یاد کرنے کے لئے کہتے تھے۔ دَاحِسٍ کا معنی عنقریب بیان ہوگا۔

كَرِيْمِ الْمَضَارِبِ۔ کتاب الشیخ کے حاشیہ میں ہے۔ ''شاید یہ لفظ ضرائب ہو اور مراد ضریبہ کی جمع ہو۔ مضارب سے بھی یہ معنی لیا جا سکتا ہے۔ یعنی اس کی شمشیر زنی ہر عیب سے پاک اور قابل ستائش اور تعریف کی مستحق ہو۔ مَاءٌ هُرِيْقَ فِي الضَّلَالِ۔ الضِّلَالِ۔ ضَلَّةٌ کی جمع ہے اس سے مراد وہ زمین ہے جو پانی کو نہیں روکتی۔ یعنی بہت سا پانی سراب کی وجہ سے چٹیل میدان میں پھینک دیا جاتا ہے۔ سراب میں وہی شخص پانی پھینکتا ہے جو بے وقوف ہو اور جسے پانی کی جگہوں کی تمیز نہ ہو۔ اَذَاعَتْ بِهٖ۔ پانی کو بکھیر دینا اور اس سے نفع حاصل نہ کرنا۔ یہ ضرب المثل کام کے انجام میں غور کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ وَ مَا هُرِيْقَ فِي اٰمْرٍ بھی روایت کیا گیا ہے اس کا معنی ہے وہ پانی جو گمراہی کے معاملہ میں انڈیلا گیا ہو۔ ہمزہ قطعی تھا ضرورت کے لئے اسے وصلی بنایا گیا ہے اسے اریق الماء بھی کہا گیا ہے۔ اس کی تفصیل کسی اور جگہ بیان کی جائے گی۔

فَلَمْ اَتَاكُمْ نَصْرُ ذِی الْعَرْشِ رَدَّهُمْ   جُنُوْدُ الْمَلِيْكِ بَيْنَ سَافٍ وَ حَاصِبٍ

جب عرش کریم کے مالک کی مدد تمہارے پاس آ پہنچی اور سلطانِ اعظم کے لشکر نے انہیں لوٹا دیا وہ لشکر جو مٹی برسانے اور سنگریزے برسانے والوں کے مابین تھا۔

فَوَلَّوْا سِرَاعًا هَارِبِيْنَ، وَلَمْ يَؤُبْ   اِلٰى اَهْلِهٖ الْمِلْحِبْشِ غَيْرُ عَصَائِبٍ

وہ جلدی جلدی بھاگتے ہوئے دور گئے اور اہل حبشہ کا ہر گروہ اپنے گھر پہنچنے سے پہلے منتشر ہو چکا تھا۔

فَاِنْ تَهْلِكُوْا، نَهْلِكْ وَ تَهْلِكْ مَوَاسِمَ   يُعَاشُ بِهَا، قَوْلُ امْرِئٍ غَيْرِ كَاذِبٍ

اگر تم برباد ہو گئے تو ہم بھی ہلاک ہو جائیں گے اور حج کے وہ ایام جن پر معیشت کا دارومدار ہے وہ بھی ختم ہو جائیں گے۔ یہ اس شخص کا قول ہے جو جھوٹا نہیں ہے۔

ابن ہشام کہتے ہیں۔ وَمَاءِ هَرِيْقَ، فَبَيْعُوْ الْحُرَابِ، وَلِیُّ امْرِئٍ اور عَلَى الْقَاذِفَاتِ والے اشعار مجھے ابوزید انصاری وغیرہ نے سنائے ہیں۔

جنگ داحس

ابن ہشام کہتے ہیں کہ ابن الاسلت نے اپنے قصیدہ میں جنگ داحس کا ذکر کیا ہے۔ ابو عبیدہ النحوی نے مجھے بتایا ہے کہ داحس قیس بن زہیر بن جدیمہ بن رواحہ بن ربیعہ بن حارث بن

وَلِیِّ اَمْرِئٍ فَاخْتَارَ دِيْنًا فَاِنَّمَا۔ یہ عبارت دراصل هُوَ وَلِیُّ امْرِئٍ اخْتَارَ دِيْنًا تھی ابوحسن کے نزدیک فاء زائدہ ہے وہ زیدًا فَاضْرِبْ کے متعلق کہتے ہیں کہ اس میں بھی فاء معلقہ (زائدہ) ہے دیگر علمائے نحو اس فاء کو عاطفہ بناتے ہیں۔ وہ اس سے قبل فعل مضمر مانتے ہیں گویا کہ اصل عبارت یوں تھی وَلِیُّ اِمْرَئٍ تَدَيَّنَ فَاخْتَارَ دِيْنًا تھا۔ بَيْنَ سَافٍ وَ حَاصِبٍ۔ السافی اس شخص کو کہتے ہیں جو مٹی پھینک رہا ہو۔ کنکریاں مارنے والے کو حاصب کہتے ہیں۔ الجباجب۔ منیٰ کے گھر۔ (ابن اسحاق) علامہ برقی کہتے ہیں منی کے ایک گڑھے کا نام جباجب تھا جس میں قربانیوں کا خون جمع ہوتا تھا۔ اہل عرب اس پر فخر کرتے تھے اور اس کی تعظیم بجالاتے تھے۔ ایک قول کے مطابق اوجھ کو بھی جباجب کہتے ہیں۔

جنگ داحس

ابن ہشام نے جنگ داحس کے متعلق انتہائی مختصر لکھا ہے۔ داحس قیس بن ابی زہیر کے گھوڑے کا نام تھا۔ داحس کا معنی مدحوس (سوجھا ہوا) ہے جس طرح دافق کا معنی مدفوق ہے۔ دحس کا معنی کسی تنگ

مازن بن قطیعہ بن عبس بن بغیض بن ریث بن غطفان کے گھوڑے کا نام تھا۔ اس نے اسے حذیفہ بن بدر بن عمرو بن زید بن جویہ بن لوذان بن ثعلبہ بن عدی بن فزارۃ بن ذبیان بن بغیض بن ریث بن غطفان کی گھوڑی کے ساتھ دوڑایا اس کا نام ''غبراء'' تھا۔ حذیفہ نے اپنی قوم کے چند افراد کو چھپا دیا اور انہیں کہا کہ اگر وہ دیکھیں داحس دوڑ جیت رہا ہے تو وہ اس کے چہرے پر کوئی چیز مار دیں۔ داحس دوڑ میں غبراء سے آگے نکل گیا۔ ان پوشیدہ افراد نے داحس کے منہ پر ضرب لگائی جس سے وہ وہیں رک گیا اور غبراء جیت گئی۔ داحس کے سوار نے قیس کو حقیقت حال بتائی۔ قیس کے بھائی مالک بن زہیر نے غبراء کے چہرے پر طمانچہ مارا حمل بن بدر نے مالک کو مارا پھر ابو جنیدب العبسی نے عوف بن حذیفہ کو قتل کر دیا پھر بنو فزارہ کے ایک شخص نے مالک کو قتل کر دیا حمل بن بدر، حذیفہ بن بدر کا بھائی کہتا ہے۔

جگہ زور سے ہاتھ ڈالنا ہے۔ روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک لڑکے کے پاس سے گذرے۔ وہ بکری کی کھال اتار رہا تھا آپ ﷺ نے اسے ایک طرف ہونے کے لئے کہا تا کہ آپ ﷺ اسے دیکھ سکیں۔ ثُمَّ دَحَسَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ بِيَدِهِ بَيْنَ الْجِلْدِ وَاللَّحْمِ۔ پھر آپ ﷺ نے اس کی کھال اور جلد کے درمیان اپنا ہاتھ ڈالا حتیٰ کہ آپ ﷺ کا دستِ اقدس اس کی بغل تک پہنچ گیا۔ پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز ادا فرمائی اور وضوء نہ کیا۔

داحس بھی اسی نام سے مشہور تھا کیونکہ اس کی ماں بنو تمیم کے ایک شخص کی بیوی تھی۔ پھر وہ بنو یربوع کے ایک شخص کی زوجیت میں چلی گئی اس کا نام قرواش بن عوف تھا، اس کی گھوڑی کا نام ''جلوی'' تھا، ذوالعقال، حوط بن جابر کا خوبصورت گھوڑا تھا، دو لڑکیاں اسے پانی پلانے کے لئے لے گئیں، اس گھوڑے نے جلوی کو دیکھ لیا۔ وہ اس کے قریب ہوا وہاں موجود بچے یہ منظر دیکھ کر ہنسنے لگے۔ دونوں لڑکیوں کو حیاء آئی انہوں نے اپنے سر جھکا لئے ذوالعقال نے جلوی سے جفتی کر لی جب حوط کو یہ خبر ملی تو وہ غصے کی حالت میں آیا اس نے اپنا ہاتھ مٹی پر مارا پھر وہ ہاتھ جلوی کی رحم میں داخل کر دیا اور نر کے پانی کو رحم سے نکال دیا لیکن رحم میں کچھ پانی موجود رہا جس سے ایک بچھیرا پیدا ہوا اس کا نام داحس رکھا گیا۔ اس میں ظاہر روایت یہ ہے کہ یہ لابن اور تامر کی طرح ہے یہ فاعل بمعنی مفعول نہیں ہے۔ یہ داحس بن ذی العقال بن اعوج ہے بعض علماء کی روایت کے مطابق ''اعوجیہ'' گھوڑے اسی کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ ابن سبل کے متعلق گذر چکا ہے۔ یہ غنی بن یعصر کے پاس تھا۔ یہ شعر اسی کے متعلق کہا گیا ہے۔

قَتَلْنَا بِعَوفٍ مَالِكًا وَ هُوَ ثَارُنَا	فَإِنْ تَطْلُبُوا مِنَّا سِوَى الْحَقِّ تَنْدَمُوا

ہم نے عوف کے بدلے مالک کو قتل کر دیا اور وہ ہمارا بدلہ تھا اگر تم نے حق کے علاوہ ہم سے کسی اور چیز کا مطالبہ کیا تو تمہیں نادم ہونا پڑے گا۔

ربیع بن زیاد العبسی کا شعر ہے۔

اَفَبَعْدَ مَقْتَلِ مَالِكِ بْنِ زُهَيْرٍ	تَرْجُو النِّسَاءُ عَوَاقِبَ الْاَطْهَارِ

کیا مالک بن زہیر کے قتل کے بعد عورتیں طہروں کے نتائج (اولاد) کی امید کرتی ہیں۔

اس طرح بنو عبس اور فزارہ کے مابین جنگ چھڑ گئی۔ حذیفہ بن بدر اور حمل بن بدر قتل ہو گئے۔ قیس بن زہیر بن جذیمہ حذیفہ کا مرثیہ لکھتے ہوئے رقم طراز ہے۔

كَمْ فَارِسٍ يُدْعٰى وَ لَيْسَ بِفَارِسٍ	وَ عَلَى الْهَبَاءَةِ فَارِسٌ ذُوْ مَصْدَقٍ

فَابْكُوْا حُذَيْفَةَ لَنْ تُرِثُوْا مِثْلَهُ	حَتّٰى تَبِيْدَ قَبَائِلُ لَمْ تُخْلَقِ

کتنے سواروں کو شہسوار کہا جاتا ہے حالانکہ وہ شہسوار نہیں ہوتے مقام ہباءۃ پر ایک شاہ سوار

اِنَّ الْجَوَادَ ابْنَ الْجَوَادِ بْنِ سَبَلٍ	اِنْ دَايَمُوْا جَادَ وَاِنْ جَادَ وَبَلْ

بلاشبہ جواد بن جواد بن سبل کی کیفیت یہ ہے کہ جب دوسروں کا سر چکرانے لگتا ہے تو وہ تیز رفتار ہو جاتا ہے اور جب وہ تیز ہوتا ہے تو اور مضبوط ہوتا ہے۔

ذوالعقال کی تعریف میں جریر کہتا ہے۔

تُنْسِي جِيَادُ الْخَيْلِ حَوْلَ بُيُوْتِنَا	مِنْ آلِ اَعْوَجَ اَوْلِذِى الْعُقَّالِ

آل اعوج یا ذوالعقال کے عمدہ گھوڑوں نے ہمارے گھروں کے ارد گرد رات بسر کی۔

ربیع بن زیاد کے شعر اَفَبَعْدَ مَقْتَلِ.......... میں اقواء ہے اقواء سے مراد قسم اول میں سے نصف سبب کا حذف ہے اقوا پر تفصیلاً بحث پہلے گذر چکی ہے قوافی کے اختلاف کو اکتفاء کہتے ہیں۔ یہ اَلْكُفِ سے مشتق ہے۔ اسے اقواء بھی کہتے ہیں گویا کہ یہاں رفع کو کسرہ کے برابر تسلیم کیا گیا ہے۔ تَرْجُو النِّسَاءُ...... اخطل نے بھی اسی مفہوم کا ایک شعر کہا ہے۔

قَوْمٌ اِذَا حَارَبُوْا شَدُّوْا مَآزِرَهُمْ	دُوْنَ النِّسَاءِ وَ لَوْ بَاتَتْ بِاَطْهَارِ

وہ عظیم قوم وقت جنگ اپنے تہہ بندوں کو شدت سے باندھ لیتی ہے اور ان کی عورتیں اگرچہ طہر کا وقت بھی گزار رہی ہوں وہ پھر بھی ان کے قریب نہیں جاتے۔

تھا جو اس نام کا صحیح مصداق تھا تاہم سب حذیفہ پر رو لو مرثیہ خوانی کے لئے تمہیں اس جیسا شخص نہ مل سکے گا اگرچہ وہ قبائل بھی ہلاک ہو جائیں جو ابھی تک پیدا بھی نہیں ہوئے۔

قیس بن زہیر کہتا ہے۔

عَلَى اَنَّ الْفَتٰى حَمَلَ بْنَ بَدْرٍ   بَغٰى وَالظُّلْمُ مَرْتَعُهٗ وَخِيْمُ

اس کے باوجود کے حمل بن بدر نے زیادتی کی اور ظلم کی چراگاہ تو ناموافق آب و ہوا والی ہے۔

قیس کا بھائی حارث بن زہیر کہتا ہے۔

تَرَكْتُ عَلَى الْهَبَائَةِ غَيْرَ فَخْرٍ   حُذَيْفَةَ عِنْدَهٗ قِصَدُ الْعَوَالِي

مجھے کوئی فخر نہیں کہ میں نے حذیفہ کو ''ھباءۃ'' پر چھوڑ دیا ہے جبکہ اس کے اردگرد نیزوں کے ٹکڑے پڑے تھے۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ بعض مورخین کہتے ہیں کہ قیس نے داحس اور الغبراء نامی گھوڑے اور حذیفہ نے الخطار اور الحنفاء نامی گھوڑے بھیجے تھے لیکن پہلا قصہ درست ہے۔ یہ ایک طویل داستان ہے اگر مجھے سیرتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے تسلسل کے انقطاع کا خدشہ نہ ہوتا تو میں اسے تفصیل سے لکھتا۔

جنگ حاطب

ابن ہشام کہتے ہیں۔ حاطب سے مراد حاطب بن حارث بن قیس بن ھیشہ بن حارث بن امیہ بن معاویہ بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن الاوس ہے۔ اس نے ایک یہودی کو قتل کر دیا۔ وہ یہودی حزرج کا پڑوسی تھا۔ یزید بن حارث بن قیس بن مالک بن احمر بن حارثہ بن ثعلبہ بن کعب بن حزرج بن حارث بن حزرج نے رات کی سیاہی میں بنو حارث بن

کہا جاتا ہے کہ داحس کی خونریز جنگ چالیس سال تک لڑی گئی۔ اس کے دوران کوئی عورت حاملہ نہ ہوئی کیونکہ وہ حالت جنگ میں اپنی بیویوں کے قریب نہیں جاتے تھے۔ علامہ الاصبہانی نے ذکر کیا ہے کہ داحس کی جنگ جبلہ کے دن کے بعد چالیس سال ہوتی رہی یوم جبلہ کے متعلق گذر چکا ہے۔ انہی ایام میں حضور ﷺ جہانِ رنگ و بو میں تشریف لائے۔ لبید کہتا ہے۔

حزرج کے ساتھ اس پر شبخون مارا۔ اس یزید کو ابن فشہم بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی ماں کا نام فشہم تھا۔ اس کا تعلق قین بن جسر سے تھا۔ اس طرح اوس اور خزرج کے مابین جنگ چھڑ گئی بڑی خونریز لڑائی ہوئی۔ حزرج کو اوس پر فتح ہوئی۔ اسی دن سوید بن صامت بن خالد بن عطیہ بن حوط بن حبیب بن عمرو بن عوف بن مالک بن الاوس قتل ہوا۔ اسے مجذر بن زیاد نے قتل کیا۔ اس کا نام عبداللہ تھا۔ یہ بنو عوف بن حزرج کا حلیف تھا۔ غزوۂ احد کے دن مجذر حضور علیہ السلام کی معیت میں جہاد کے لئے نکلا۔ حارث بن سوید بھی آپ علیہ السلام کے ہمراہ تھا۔ حارث بن سوید نے مجذر کو دھوکے سے قتل کر کے اپنے باپ کا بدلا لے لیا۔ یہ واقعہ اپنے مقام پر آئے گا (ان شاء اللہ) اس جنگ کی تفصیلات کے تذکرے سے مجھے وہی چیز مانع ہے جس کی وجہ سے میں جنگ داحس کو تفصیل سے نہ لکھ سکا۔

حضرت حکیم بن امیہ رضی اللہ عنہ کی اپنی قوم کو نصیحت

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ حکیم بن امیہ بن حارثہ بن الاوقص السلمی بنو امیہ کے حلیف تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ اپنی قوم کے سردار تھے ان کی بات کو تسلیم کیا جاتا تھا یہ اپنی قوم کو حضور علیہ السلام کی عداوت سے منع کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

هَلْ قَائِلٌ قَوْلاً مِنَ الْحَقِّ قَاعِدٌ عَلَيْهِ وَ هَلْ غَضْبَانُ لِلرُّشْدِ سَامِعٌ

کیا حق بات میں سے کچھ کہنے والا بیٹھ سکتا ہے اور کیا غضب ناک شخص بھلائی کی کوئی بات

وَ غَنِيتُ حَرْسًا قَبْلَ مَجْرَى دَاحِسٍ لَوْ كَانَ لِلنَّفْسِ اللَّجُوجِ خُلُوْدُ

داحس کی دوڑ سے کچھ عرصہ قبل میں غنی ہو گیا تھا۔ کاش جھگڑالو نفس کو مداومت نصیب ہوتی۔ جنگ جبلہ کے وقت لبید کی عمر دس سال تھی۔ حرساً کا معنی زمانے کا کچھ حصہ ہے اس کی جگہ سَبْتًا بھی منقول ہے۔ دونوں کا معنی ایک ہے داحس اور الغبراء کی یہ دوڑ فزارہ کے علاقہ میں ہوئی تھی۔ جنگ داحس آخری ایام میں زمین قیس میں "قلهی" کے مقام پر لڑی گئی۔ وہیں عبس اور منولہ کے مابین صلح ہوئی، منولہ بنو فزارہ: شمخ، عدی اور مازن کی والدہ تھی۔ سرزمین حجاز میں بھی ایک قلھی نامی مقام ہے اسی مقام پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس وقت خلوت نشینی اختیار کی جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ اسی مقام پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ نہ تو کسی سے گفتگو کریں گے اور

سن سکتا ہے۔

وَ هَلْ سَيِّدٌ تَرْجُوْ الْعَشِيْرَةُ نَفْعَهٗ لِاَقْصَى الْمَوَالِيْ وَالْاَقَارِبُ جَامِعُ

کیا ایسا کوئی سردار ہے جس سے قبیلہ فائدہ رساں ہونے کی امید کر سکے جو دور کے رشتہ داروں اور قریبی عزیزوں کو جمع کرنے والا ہو۔

تَبَرَّأْتُ اِلَّا وَجْهَ مَنْ يَمْلِكُ الصِّبَا وَاَهْجُرُكُمْ مَادَامَ مُدْلٍ وَ نَازِعُ

میں تمام سے برأت کا اظہار کرتا ہوں مگر اس شخص سے نہیں جسے جذبات پر قابو ہے۔ جب تک تم باہمی عداوت اور جھگڑے میں رہو گے میں تم سے قطع تعلق رہوں گا۔

وَاُسْلِمُ وَجْهِيْ لِلْاِلٰهِ وَ مَنْطِقِيْ وَ لَوْ رَاعَنِيْ مِنَ الصَّدِيْقِ رَوَائِعُ

میں اپنے چہرے کو معبودِ برحق کے لئے جھکاتا ہوں اور اپنی گفتگو کو بھی اسی کے سپرد کرتا ہوں اگرچہ مجھے دوست کی طرف سے دھمکیاں دی جاتی رہیں۔

کفار مکہ کا ہولناک ظلم وتشدد

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ پھر قریش مکہ کی حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے

نہ ہی کسی سے کچھ سنیں گے حتیٰ کہ صلح ہو جائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حذیفہ کی گھوڑی کا نام حنفاء تھا یہی گھوڑی غبراء کے ساتھ دوڑائی گئی تھی۔ شاعر کہتا ہے۔

اِذَا كَانَ غَيْرُ اللّٰهِ لِلْمَرْءِ عُدَّةً اَتَتْهُ الرَّزَايَا مِنْ وُجُوْهِ الْفَوَائِدِ

فَقَدْ جَرَّتِ الْحَنْفَاءُ حَتْفَ حُذَيْفَةٍ وَ كَانَ يَرَاهَا عُدَّةً لِلشَّدَائِدِ

جب انسان اللہ سے تعلق توڑ کر اپنا ساز وسامان تیار کرے تو اسے وہاں سے تکالیف پہنچتی ہیں جہاں سے اسے فوائد ملنے کی توقع ہوتی ہے۔ حنفاء نے حذیفہ کو ذلیل ورسواء کر دیا۔ حالانکہ وہ اسے مصائب کا سامان سمجھتا تھا۔

حربِ حاطب سے مراد وہ جنگ ہے جس کا آغاز حاطب بن حارث بن قیس بن ہیشہ سے ہوا۔ اسے اسی کی طرف منسوب کیا گیا۔ یہ جنگ اوس اور خزرج کے مابین ہوئی تھی۔

قریش مکہ کا نبی رحمت پر ستم

ابن اسحاق، واقدی، التیمی اور ابن عقبہ وغیرہ نے اس ضمن میں کئی واقعات کا ذکر کیا ہے۔ ان کے الفاظ اور معانی ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور بعض نے قدرے تفصیل سے لکھا ہے۔ ان روح فرسا

عداوت شدت اختیار کر گئی۔ انہوں نے اپنے احمقوں کو نبیٔ رحمت ﷺ کے خلاف اکسایا، انہوں نے آپ ﷺ کو جھٹلایا، اذیت دی اور آپ ﷺ پر شاعر، جادوگر، کاہن اور مجنوں ہونے کے الزامات لگائے گئے۔ لیکن نبیٔ دو جہاں ﷺ دین متین کی تبلیغ فرماتے رہے۔ آپ ﷺ کفار کی ناپسندیدگی کے باوجود ان کے دین کے عیب نکالتے رہے۔ انہیں بتوں کی پوجا سے منع فرماتے رہے اور ان کے اس کفر پر اپنی نفرت کا اظہار کرتے رہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے یحییٰ بن عروہ بن زبیر نے اپنے والد محترم اور وہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے دیکھا ہے کہ قریش مکہ نبی محترم ﷺ سے دشمنی کا اظہار کرنے کے لئے آپ ﷺ کو کیسے ستاتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ''ایک دفعہ میں وہاں موجود تھا۔ قریش کے سردار حجر میں جمع تھے۔ انہوں نے رسول مکرم ﷺ کا تذکرہ کیا، انہوں نے کہا۔'' ہم نے جتنے صبر کا مظاہرہ اس شخص پر کیا ہے اتنا کسی اور شخص پر نہیں کیا اس نے ہماری عقلوں کو احمق کہا، ہمارے آباء کو گالیاں دیں، ہمارے دین کے عیب نکالے، ہماری جمعیت کو منتشر کیا، ہمارے معبدوں کو برا بھلا کہا۔ ہم

تکالیف میں سے قریش کے بے وقوفوں کا آپ ﷺ کے سر اقدس میں مٹی ڈالنا، آپ ﷺ کے در اقدس کے دروازے پر گوبر، لید اور خون پھینکنا، آپ ﷺ کی ہنڈیاں میں بکری کی رحم پھینکنا، امیہ بن خلف کا آپ ﷺ کے چہرۂ انور کی طرف تھوکنا، عقبہ بن ابی معیط کا آپ ﷺ کی مبارک گردن کو روندھنا، اس وقت آپ ﷺ کعبہ معظمہ کے پاس سجدہ کناں تھے، آپ ﷺ کی مبارک آنکھیں شدت تکلیف سے باہر آنے لگیں، حجر کے پاس بھی قریش نے آپ ﷺ کا گلا گھونٹا۔ قریش وہاں اسی مقصد کے لئے جمع ہوئے تھے۔ ابن اسحاق نے ان تکالیف کا ذکر کیا ہے۔ دیگر مؤرخین نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ کفارِ مکہ نے آپ ﷺ کا گلا سختی سے دبوچ لیا۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو چھڑانے کے لئے اٹھے۔ کفارِ مکہ نے ان کو داڑھی مبارک اور سر کے بالوں سے پکڑ کر کھینچا حتیٰ کہ ان کے سر مبارک اور داڑھی کے اکثر بال گر گئے۔ جہاں تک آپ ﷺ کو دشنام طرازی، ہجو، برے القاب سے پکارنا اور آپ ﷺ کے صحابۂ کرام اور احباء کو تکلیف دینے کا تعلق ہے، ابن اسحاق نے اس کا تذکرہ اپنی کتاب میں کیا ہے۔ ابوجہل نے حضرت عمار بن یاسر کی والدہ محترمہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا سے کہا، ''تو محمد ﷺ پر اس لئے ایمان لائی ہے کہ تو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے ان سے عشق کرتی ہے''، پھر اس نے آپ کی شرمگاہ پر نیزہ مار کر انہیں شہید کر دیا۔

نے اس شخص کے ایک عظیم معاملہ پر صبر کیا۔'' اسی اثناء میں حضور ﷺ بھی وہیں تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ حجر اسود کے پاس تشریف لائے۔ اسے بوسہ دیا پھر بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے سرداروں کے پاس سے گذر گئے۔ جب آپ ﷺ ان کے پاس سے گذرے تو انہوں نے آپ ﷺ کی شان میں نازیبا کلمات کہے۔ اس کے اثرات میں نے چہرۂ مصطفیٰ ﷺ پر محسوس کئے جب آپ ﷺ دوسری مرتبہ ان کے پاس سے گذرے تو انہوں نے پھر گستاخانہ جملے بولے۔ اب آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمایا'' اے قریش مکہ! سنو، اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے۔ میں تمہارے لیے موت بن کر آیا ہوں''۔ آپ ﷺ کے ایک کلمہ سے کفار مکہ کے اوسان خطا ہو گئے۔ ایسے محسوس ہوتا تھا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں اور ان میں سے تیز اور چست بھی نرم لہجے میں گفتگو کرنے لگے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے کہا۔ اے ابو القاسم! ﷺ آپ تشریف لے جائیں۔ قسم بخدا! آپ ﷺ جاہل نہیں ہیں''۔

حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ کاشانۂ اقدس میں تشریف لے آئے۔

آپ ﷺ کو مدثر اور نذیر جیسے دلنواز القاب سے پکارنے کا سبب

ابن اسحاق نے حضور ﷺ کا یہ فرمان دَثِّرُوْنِیْ، دَثِّرُوْنِیْ (مجھ پر چادر ڈال دو) ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا۔ يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمُدَّثِّرُ ۝١ قُمْ فَأَنذِرْ ۝٢ بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ نبی محترم ﷺ سے لطف و رحمت کا اظہار کرنے کے لئے یہاں آپ کو ایسے دلنشیں لقب سے پکارا گیا ہے۔ اہل عرب کی عادت یہ تھی کہ وہ جب کسی سے محبت و الفت کا اظہار کرتے تو اسے اس لقب سے بلاتے جو اس حالت سے مشتق ہوتا جس میں مخاطب ہوتا تھا۔ مثلاً آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا قُمْ یَا نُوْمَانُ۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملاحظہ فرمایا۔ ان کے پہلو پر مٹی لگی تھی۔ آپ ﷺ نے انہیں یوں پکارا۔ قُمْ یَا اَبَا تُرَابٍ۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو اس کرب و اذیت کی کیفیت میں آپ ﷺ کے اسم مبارک سے پکارتا یا ایسے حکم سے یاد فرماتا ہے جس میں یہ محبت و الفت کی کیفیات نہ ہوتیں تو یقیناً آپ ﷺ خوف زدہ ہو جاتے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یوں پکارا۔ يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمُدَّثِّرُ تو آپ ﷺ مانوس ہوئے۔ آپ ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ کا پروردگار آپ ﷺ سے راضی ہے کیا تجھے معلوم نہیں کہ جب

دوسرے روز پھر قریش کے سردار حجر میں جمع ہوئے۔ میں بھی وہاں موجود تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا۔" کیا تمہیں کچھ علم ہے تمہاری طرف سے انہیں کیا پیام ملا اور ان کی جانب سے تمہیں کیا ملا۔ انہوں نے وہ باتیں بھی کیں جو تم ناپسند کرتے تھے لیکن پھر بھی تم نے انہیں چھوڑ دیا۔ وہ اسی قسم کی گفتگو کر رہے تھے کہ نبی محترم ﷺ وہاں تشریف لے آئے۔ تمام قریش یکبار آپ ﷺ پر جھپٹ پڑے۔ آپ ﷺ کو گھیر لیا اور کہنے لگے۔ کیا آپ ﷺ ہی وہ ہیں جو اس طرح کہتے ہیں۔ آپ ﷺ ان کے دین اور معبودانِ باطلہ کے جو عیوب نکالتے تھے انہوں نے وہ بیان کئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں! میں ہی وہ شخص ہوں جو یہ کہتا ہے"۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے قریش کے ایک شخص کو دیکھا اس نے آپ ﷺ کی چادر مبارک کے دامن کو پکڑ لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اشکبار ہو کر آپ ﷺ کی مدد کے لئے اٹھے۔ انہوں نے فرمایا۔

أَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ۔ کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ قریش آپ ﷺ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ یہ وہ شدید ترین اور سب سے سنگدل اذیت تھی جو میں نے قریش مکہ کو آپ ﷺ کو دیتے ہوئے دیکھا"۔

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نورِ نظر حضرت ام کلثوم رضی

تاجدارِ عرب و عجم ﷺ کو اہل طائف کی جانب سے شدید اذیت کا سامنا کرنا پڑا اس وقت آپ ﷺ نے کیا فرمایا؟ آپ ﷺ نے بارگاہِ ربوبیت میں عرض کی مولا! اگر تو مجھ پہ ناراض نہیں ہے تو پھر مجھے کسی تکلیف کی کوئی پرواہ نہیں"۔ آپ ﷺ کا مطلوب رب تعالیٰ کی رضا کا حصول تھا اسی لئے آپ ﷺ کو مصائب و مشکلات کے یہ کوہ گراں آسان لگتے تھے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ اور قُمْ فَاَنْذِرْ کے درمیان کیا تعلق ہے اور ان کے معانی کے مابین کیا رابطہ ہے حتیٰ کہ یہ بلاغت کے قانون اور فصاحت کے حکم میں متشابہت ہو جائیں۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں۔ نذیر آپ ﷺ کا وصف ہے آپ ﷺ نے اس وصف کا اظہار یوں فرمایا۔ اَنَا النَّذِيْرُ الْعُرْيَانُ۔ میں واضح ڈرانے والا ہوں۔ یہ مثال اہل عرب کے ہاں مشہور تھی۔ نذیر عریان اسے کہا جاتا تھا جو دشمن کے قریب ہونے سے ڈرائے اور اپنے اس ڈرانے میں مبالغہ کرے۔ وہ نذیر جاد اس شخص کو کہتے تھے جو اپنے کپڑے اتار دیتا تھا اور اسی سے اپنے دشمن کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اللہ عنہا کی اولاد میں سے ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔
''اس روز میرے والد محترم کے سر مبارک میں شدید درد تھا کیونکہ قریش مکہ نے ان کے سر اور داڑھی کے بال کھینچے تھے''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بال بہت زیادہ تھے۔

ابن ہشام بیان کرتے ہیں۔ مجھے بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ وہ اذیتیں جو حضور اکرم ﷺ کو قریش مکہ نے دیں ان میں سے ایک شدید ترین اذیت یہ بھی تھی کہ ایک روز آپ ﷺ اپنے کاشانۂ اقدس سے باہر تشریف لائے آپ ﷺ کو رستہ میں جو شخص بھی ملتا خواہ وہ غلام ہوتا یا آزاد وہ آپ ﷺ کو تکلیف دیتا۔ آپ ﷺ اپنے گھر کو لوٹ آئے اور تکلیف کی وجہ سے ارد گرد چادر لپیٹ لی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا۔

يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ (مدثر) اے چادر لپیٹنے والے اٹھیے اور (لوگوں کو) ڈرائیے۔

تا کہ دشمن اس کی آواز سن کر اس پر حملہ نہ کر دے۔ کہا جاتا ہے کہ اس ضرب المثل کی اصل یہ ہے کہ بنو خثعم کے ایک شخص سے اس کے دشمن نے کپڑے چھین لئے۔ اس کے ہاتھ کاٹ دیئے، پھر وہ اپنی قوم کے پاس اس حالت میں ڈرانے کے لئے گیا۔ آپ ﷺ کے اس فرمان سے یہی مقصود ہے کہ میری مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنی قوم کو بروقت دشمن سے آگاہ کرے۔ التدثر، عریان کا متضاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ اور نذیر جاد جسے نذیر عریان کہا جاتا ہے میں معنی کے اعتبار سے بھی اتفاق اور مشابہت ہے۔ معنی میں محبت و خلوص کا بھی اظہار ہے اور لفظ میں بھی جزالت و عظمت ہے۔

مفعول کا فعل سے مقدم ہونا

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بعد ہے وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ۔ اپنے رب کی تکبیر بیان کرو کسی اور کی عظمت و بڑائی بیان نہ کرو اور مخلوق کا کوئی معاملہ آپ ﷺ کو بھاری نہ لگے۔ فعل امر پر مفعول کی تقدیم میں اخلاص ہے مثلاً إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔ تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں، اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ یعنی ہم تیرے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کرتے اور تیرے بغیر کسی سے مدد نہیں چاہتے یہ نہیں فرمایا ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے مدد چاہتے ہیں حدیث شریف میں ہے جب بندہ کہتا ہے إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میرے لئے عبادت کو خالص کیا اور اس پر مجھ سے مدد چاہی پس یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ بنو اسلم کے ایک شخص نے مجھے بیان کیا ہے (وہ شخص انتہائی ذہین تھا) کہ ایک دفعہ ابوجہل حضور ﷺ کے پاس سے گذرا۔ اس وقت آپ ﷺ کوہِ صفا کے پاس تشریف فرما تھے۔ اس نے آپ ﷺ سے دشنام طرازی کی، آپ ﷺ کو اذیت دی، دین اسلام پر عیب جوئی کی آپ ﷺ کے معاملہ کو سست کہا، لیکن نبیٔ محترم ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پہاڑ کے پاس ہی عبداللہ بن جدعان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ کا گھر تھا اس کی لونڈی اس لرزہ خیز منظر کو دیکھ رہی تھی۔ ابوجہل نبیٔ جہاں ﷺ کو تکلیف دینے کے بعد قریش کی مجلس میں آ بیٹھا۔ سردارانِ قریش کعبہ کے پاس جمع تھے۔ کچھ دیر بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کمان گلے میں

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی سعادت

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام ھالہ بنت اھیب بن عبد مناف بن زہرۃ تھا۔ اھیب حضرت آمنہ بنت وھب رضی اللہ عنہا کا چچا تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے ہالۃ سے شادی کی اور اسی وقت حضرت آمنہ بنت وھب رضی اللہ عنہا کی شادی اپنے نورِ نظر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کر دی پھر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے گھر نبیٔ الحرمین ﷺ جلوہ افروز ہوئے اور ہالۃ کے ہاں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ ثویبہ کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ اس نے حضور ﷺ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا۔ ابن اسحاق کے علاوہ دیگر مؤرخین نے یہ اضافہ کیا ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں" ۔ جب مجھے سخت غصہ آیا اور میں نے کہا کہ میں بھی محمد مصطفیٰ ﷺ کے دین پر ہوں تو مجھے ندامت محسوس ہوئی کہ میں نے اپنے آباء اور اپنی قوم کے دین کو چھوڑ دیا ہے۔ میں نے ساری رات قلق و اضطراب میں گذاری۔ لمحہ بھر کے لئے بھی نہ سو سکا۔ پھر میں کعبۃ اللہ کے پاس آیا اللہ تعالیٰ سے آہ وزاری کی کہ وہ حق کے لئے میرا سینہ کھول دے اور شک و شبہات کے بادل دور کر دے۔ میری دعا ابھی مکمل ہی ہوئی تھی کہ مجھ سے باطل کا اندھیرا چھٹ گیا۔ میرا دل نور یقین سے بھر گیا۔ صبح صبح میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گیا۔ اور نبی اکرم ﷺ کو اپنی قلبی کیفیت سے آگاہ کیا۔ حضور ﷺ نے بارگاہِ ربوبیت میں میری ثابت قدمی کے لئے التجاء کی" ۔ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سعادت اسلام سے بہرہ اندوز ہوئے تو یہ شعر کہے۔

ڈالے ہوئے شکار سے واپس آ گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ ایک ماہر تیر انداز تھے اور تیر سے شکار کھیلتے تھے۔ آپ جب بھی شکار سے واپس آتے پہلے بیت اللہ کا طواف کرتے۔ قریش کی ہر محفل میں جاتے۔ انہیں سلام کرتے ان کے ساتھ کچھ دیر محو گفتگو رہتے پھر گھر جاتے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جوانانِ قریش میں سے معزز ترین تھے۔ آپ طبیعت کے بھی انتہائی سخت تھے۔ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شکار سے واپس تشریف لائے تو حضور نبی اکرم ﷺ اپنے گھر تشریف لے جا چکے تھے۔ جب آپ عبداللہ بن جدعان کے گھر کے پاس سے گذرنے لگے تو اس کی لونڈی نے آپ سے کہا "اے ابوعمارہ! کاش آپ اس سنگدلانہ رویہ کو دیکھ لیتے جو ابھی ابوالحکم بن ہشام نے آپ کے بھتیجے (محمد فداہ روحی وامی وابی) سے کیا ہے۔ ابوالحکم نے دیکھا کہ حضور ﷺ یہاں تشریف فرما تھے۔ اس نے آپ ﷺ کو برا بھلا کہا۔ آپ ﷺ کو اذیت دی اور ان باتوں کی انتہا کر دی جو آپ ﷺ کو سخت ناپسندیدہ تھیں۔ پھر ابوجہل چلا گیا لیکن حضور ﷺ نے اس سے کلام تک نہ کی"۔

حَمِدْتُ اللّٰهَ حِيْنَ هَدٰى فُؤَادِيْ ۔۔۔ اِلَى الْاِسْلَامِ وَالدِّيْنِ الْحَنِيْفِ

میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جب اس نے میرے دل کو ہدایت دی۔ اسلام قبول کرنے کے لئے جو دین حنیف ہے۔

اَلدِّيْنِ جَاءَ مِنْ رَبٍّ عَزِيْزٍ ۔۔۔ خَبِيْرٍ بِالْعِبَادِ بِهِمْ لَطِيْفِ

وہ دین جو رب کریم کی طرف سے آیا ہے جو عزت والا ہے جو اپنے بندوں کے حالات سے باخبر اور ان کے ساتھ لطف واحسان فرمانے والا ہے۔

اِذَا تُلِيَتْ رَسَائِلُهٗ عَلَيْنَا ۔۔۔ تَحَدَّرَ دَمْعُ ذِى اللُّبِّ الْحَصِيْفِ

جب اس کے پیغاموں کی ہم پر تلاوت کی جاتی ہے تو ہر عقل منداور زیرک انسان کے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔

رَسَائِلُ جَاءَ اَحْمَدُ مِنْ هُدٰهَا ۔۔۔ بِاٰيَاتٍ مُّبَيَّنَةِ الْحُرُوْفِ

یہ ایسے پیغامات ہیں جو احمد مجتبیٰ ﷺ لے کر آئے ہیں۔ ایسی آیات کے ساتھ جن کے حروف روشن ہیں۔

اَحْمَدُ مُصْطَفٰى فِيْنَا مُطَاعٌ ۔۔۔ فَلَا تَغْشَوْهُ بِالْقَوْلِ الضَّعِيْفِ

احمد مصطفیٰ ﷺ وہ ہیں جن کی ہم میں اطاعت کی جاتی ہے کوئی کمزور قول اور عقل وفہم سے گری ہوئی بات ان کا گھیراؤ نہیں کرتی۔

اللہ نے ارادہ فرمالیا تھا کہ وہ عزت وکرامت کا تاج حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سر پر سجائے۔ لونڈی کی گفتگو سن کر آپ سخت غصہ میں ہو گئے۔ آپ بھاگ کر جانے لگے۔ کسی کے پاس ایک لمحہ کے لئے بھی نہ ٹھہرے۔ انہوں نے ذہن بنالیا تھا کہ ابوجہل جہاں بھی ملے وہ فوراً حملہ کر دیں گے۔ جب وہ مسجد حرام میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ ابوجہل اپنی قوم کے درمیان بیٹھا ہوا تھا، وہ سیدھے اس کی طرف گئے اس کے سر پر کھڑے ہو گئے اور کمان کو فضا میں لہرا کر اس کے سر پر دے مارا۔ اس کے سر سے خون کا فوارہ بہہ نکلا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''کیا تو محمد عربی (فداہ روحی وامی وابی) ﷺ کو برا بھلا کہتا ہے حالانکہ میں نے بھی انہی کا دین اختیار کرلیا ہے اور جو کچھ وہ کہتے ہیں میں بھی وہی کہتا ہوں۔ اب اگر تجھ میں طاقت ہے تو پھر مجھ سے بھی وہی سلوک کرو؟'' بنو مخزوم کے چند لوگ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف لپکے تا کہ ابوجہل کی مدد کریں۔ ابوجہل نے انہیں کہا ''ابوعمارہ کو چھوڑ دو قسم بخدا! میں نے ان کے بھتیجے کو سخت برا بھلا کہا ہے''۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنا اسلام مکمل کیا۔ نبی محترم ﷺ کے ان احکام کی پیروی کی جن کی پیروی آپ کی قوم کر رہی تھی۔ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ دولت اسلام سے مالا مال ہوئے تو قریش کو معلوم ہو گیا کہ اب حضور ﷺ طاقتور اور مضبوط ہو گئے ہیں اور اب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا دفاع کریں گے۔ اس طرح انہوں نے حضور ﷺ کو اذیتیں دینے میں کمی کی۔

فَلَا وَاللهِ نُسْلِمُهُ لِقَوْمٍ وَ لَمَّا نَقْضِ فِيهِمْ بِالسُّيُوفِ

اللہ رب العزت کی قسم! ہم انہیں دشمن کے حوالے ہرگز نہیں کریں گے اور ہم نے ابھی تک ان کے درمیان تلواروں سے فیصلہ نہیں کیا۔

وَ نَتْرُكُ مِنْهُمْ قَتْلَى بِقَاعٍ عَلَيْهَا الطَّيْرُ كَالْوِرْدِ الْعَكُوفِ

ہم ان کے مقتولوں کو ہموار زمین پر پھینک دیں گے۔ ان پر ایسے پرندے آئیں جو چکر لگانے والے لشکر کی مانند ہوں گے۔

وَ قَدْ خُبِّرْتُ مَا صَنَعَتْ ثَقِيفٌ بِهِ فَجَزَى الْقَبَائِلَ مِنْ ثَقِيفِ

جو سنگدلانہ سلوک بنو ثقیف نے آپ ﷺ کے ساتھ کیا ہے وہ بھی مجھے معلوم ہو گیا ہے۔

إِلَهُ النَّاسِ شَرَّ جَزَاءِ قَوْمٍ وَ لَا أَسْقَاهُمْ صَوْبَ الْخَرِيفِ

اللہ تعالیٰ بنو ثقیف کے ان قبائل کو بری سزا دے اور موسم خریف کی بارش سے انہیں محروم کر دے۔

عتبہ بن ربیعہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے یزید بن زیاد نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ قوم کا سردار تھا ایک دن رسول مکرم ﷺ مسجد حرام میں تشریف فرما تھے۔ عتبہ قریش کی محفل میں بیٹھا تھا۔ اس نے کہا ''اے گروہِ قریش! کیا میں محمد عربی (فداہ روحی) ﷺ کے پاس نہ جاؤں اور ان سے گفتگو کروں۔ ان پر چند امور پیش کروں۔ ممکن ہے وہ ان میں سے بعض قبول کرلیں اور ہم ان کے مقاصد کو پورا کرلیں۔ ہوسکتا ہے اس طرح وہ ہم سے رک جائیں؟

یہ اس دور کا واقعہ ہے جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ دامن اسلام سے وابستہ ہوئے تھے اور آئے روز صحابہ کرام علیہم الرضوان میں اضافہ ہورہا تھا۔ عتبہ کی بات سن کر قریش مکہ نے کہا ''اے ابوالولید! تم ان کے پاس ضرور جاؤ اور ان سے بات چیت کرو''۔ عتبہ ان کی مجلس سے اٹھ کر نبی اکرم ﷺ کے پاس آ بیٹھا۔ کہنے لگا ''اے میرے بھتیجے! تمہیں معلوم ہے کہ تم ہم میں سے قبیلہ کے اعتبار سے بلند ہو۔ نسب کے اعتبار سے اعلیٰ ہو۔ تم اپنی قوم کے پاس ایک امرِ عظیم لے کر آئے ہو۔ تم نے ان کی جمعیت کو منتشر کردیا ہے، اس سے تم نے ان کی عقلوں کو احمق قرار دیا ہے، ان کے دین اور معبودوں پر عیب جوئی کی ہے۔ ان کے گزشتہ آباء کو کافر قرار دیا ہے۔ میری بات غور سے سنو۔ میں تمہیں چند امور پیش کرتا ہوں۔ تم ان میں غور وفکر کرو ممکن ہے ان میں سے بعض تمہارے لئے قابل قبول ہوں''۔ حضور ﷺ نے کہا ''اے ابوالولید! کہو میں سن رہا ہوں''۔ ابوالولید نے کہا ''اے میرے بھتیجے! اگر اس امر (تبلیغ دین) سے تمہارا مقصد مال کا حصول ہو تو ہم تمہارے لئے مال جمع کردیں گے تم ہم سب سے زیادہ دولت مند ہو جاؤ گے۔ اگر تمہارا مطمع نظر شرف وفضل ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بناتے ہیں۔ تمہارے بنا کوئی قطعی فیصلہ نہ ہوا کرے گا۔ اگر اس امر سے تمہارا مدعا شاہی اور سلطنت ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں اور اگر یہ امر کسی رئی (جن) کی وجہ سے ہو۔ جو صرف تمہیں نظر آتا ہو۔ تم اس سے چھٹکارا حاصل نہ کرسکتے ہو تو ہم تمہارا اعلاج بھی کروائیں گے۔ ہم اپنا مال خرچ کریں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے شفایاب کرے گا۔ یہ عام سا مسئلہ ہے کتنی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ کسی شخص پر جن غالب آ گیا پھر اس کا علاج ہوا تو وہ صحیح ہوگیا''۔ جب عتبہ اپنی گفتگو سے فارغ ہوگیا تو حضور ﷺ نے فرمایا ''اے ابوالولید! اپنی گفتگو مکمل کرچکے ہو''۔ اس نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اب مجھ سے کچھ سنو''۔ ابوالولید نے کہا ''فرمائیں میں سن رہا ہوں''۔ آپ ﷺ یوں گویا ہوئے۔

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِيْرًا

وَ نَذِيرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ۝ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ (فصلت:ا تا۵) "حاء میم اتارا گیا (یہ قرآن) رحمٰن و رحیم (خدا) کی طرف سے یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں تفصیل سے بیان کر دی ہیں یہ قرآن عربی (زبان میں) ہے یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو علم (وفہم) رکھتے ہیں یہ مژدہ سنانے والا اور (بروقت) خبردار کرنے والا ہے۔ بایں ہمہ منہ پھیر لیا ان میں سے اکثر نے پس وہ اسے قبول نہیں کرتے اور (ہٹ دھرموں) نے کہا کہ ہمارے دل غلافوں میں (لپٹے ہوئے) ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں"۔

نبی محترم ﷺ نے آگے تلاوت جاری رکھی۔ رقت آمیز تلاوت سن کر عتبہ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اس نے اپنے ہاتھ پیچھے باندھ لیے ان پر سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔ انتہائی انہماک سے قرآن پاک سننے لگا۔ جب حضور اکرم ﷺ آیت سجدہ پر پہنچے تو آپ ﷺ نے سجدہ فرمایا پھر فرمایا "اے عتبہ! تو نے کلام الٰہی سن لیا ہے اب تو جان یا وہ جانے"۔

عتبہ اپنے ساتھیوں کے پاس جانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ سرداران قریش نے عتبہ کو دیکھ کر کہا "ہم اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہتے ہیں، ابوالولید وہ چہرہ لے کر نہیں آ رہا جو چہرہ وہ لے کر گیا تھا"۔ جب وہ ان کی محفل میں بیٹھ گیا تو انہوں نے کہا "اے ابوالولید! کیا خبر لائے ہو" ابوالولید نے کہا "میں نے وہاں ایک ایسا کلام سنا ہے قسم بخدا! میں نے اس سے پہلے اس جیسا کلام کبھی نہیں سنا۔ بخدا نہ وہ شعر ہے نہ جادو ہے اور نہ ہی کہانت ہے۔ اے قوم قریش! میری بات مانو اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ تم اس سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ خدا کی قسم جو کلام میں سن کر آیا ہوں اس کا بہت بڑا نتیجہ نکلنے والا ہے۔ اگر عرب کے دوسرے قبائل اس کے ساتھ جنگ کر کے اس کا خاتمہ کر دیں تو تمہارا مطلب بغیر کسی تکلیف کے پورا ہو جائے گا اور اگر سارے عرب پر اس نے غلبہ پا لیا اور ان پر حکومت قائم کر لی تو وہ حکومت تمہاری ہی ہوگی وہ عزت جو اس وقت اسے ملے گی وہ بھی تمہاری

عتبہ بن ربیعہ اور الرئی

عتبہ کا قول ہے: اِنْ كَانَ هٰذَا رَئِيًّا۔ بنی تمیم کی لغت میں راء کے کسرہ کے ساتھ (رِئِیّ) ہے۔ ہر وہ فعل جس کا عین کلمہ ہمزہ ہو اس سے وہ فعیل کا صیغہ اسی طرح بناتے ہیں۔ ہمزہ کے علاوہ دیگر حروف حلق بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ وہ اس کے فا کلمہ کو کسرہ دیتے ہیں، مثلاً رحیم، شہید وغیرہ۔ الرَّئِیُّ فعیل کے وزن پر مفعول کا صیغہ ہے اور یہ صرف جنات میں سے ہو سکتا ہے۔ جنات کے علاوہ فعیل، مفعول کے معنی میں ان امور میں آتا ہے جن میں فعل کا اثر مفعول پر عیاں ہو مثلاً جریح، قتیل، ذبیح اور طحین،

عزت ہوگی اس طرح تم خوش نصیب ترین قوم ہو جاؤ گے۔ اور خون ریزی کے بغیر ہی عرب کے تاج وتخت کے تم مالک بن جاؤ گے''۔

قریش مکہ یہ سن کر چیخ اٹھے اے ابوالولید! اس کی زبان کا جادو تم پر چل گیا ہے۔ تم بھی اپنے مذہب سے مرتد ہو گئے ہو۔ عتبہ بولا۔ میں نے اپنی رائے تمہیں بتادی، اب جو تمہاری مرضی تم وہ کرو۔

بارگاہِ رسالت میں قریش کا وفد

ابن اسحاق کہتے ہیں قبائل قریش کے فرخندہ فال مرد اور عورتیں اسلام قبول کرنے لگے۔ مکہ معظمہ میں اسلام کا نور روز بروز فزوں تر ہوتا گیا۔ قریش جسے قید کر سکتے تھے انہوں نے اسے پابند سلاسل کیا۔ وہ جسے آزمائش میں مبتلا کر سکتے تھے انہوں نے اسے آزمائش میں ڈالا۔ بعض اہل علم نے مجھے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب، نصر بن حارث، بنو عبدالدار کے چند افراد، ابوالبختری بن ہشام، اسود بن مطلب بن اسد، زمعہ بن اسود، ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام، عبداللہ بن ابی

لیکن شکر سے شکیر، ذکر سے ذکیر اور لطم سے لطیم نہیں آئے گا۔ اگر کسی کے چہرے پر لطمہ (تھپڑ) کے نشانات پڑ جائیں تو پھر اس کے لیے لطیم مستعمل ہو سکتا ہے۔ ''لَطِيْمُ الشَّيْطَانِ'' استعمال ہوتا رہتا ہے۔ جب عمرو بن سعید الاشدق قتل ہو گیا تو ابن زبیر نے کہا اَلَا اِنَّ اَبَا ذِبَّانَ قَتَلَ لَطِيْمَ الشَّيْطَانِ۔ ''ابوذبان نے لطیم الشیطان کو قتل کر دیا ہے۔ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝ (انعام)

''اور اسی طرح ہم مسلط کرتے ہیں بعض ظالموں کو بعض پر بوجہ ان (کرتوتوں) کے جو وہ کرتے رہتے تھے۔''

اہل عرب حمد سے حمید کا صیغہ اس طرح بناتے ہیں جس طرح کرم سے کریم کا صیغہ بناتے ہیں۔ اس طرح وہ جن کو رئی کہتے ہیں، اگرچہ وہ رویا (دیکھنا) مرئی (جسے دیکھا جائے) میں مؤثر نہیں ہوتا لیکن اہل عرب اس کے ساتھ قرین اور نجی کی طرح کا معاملہ کرتے ہیں۔

سرداران مکہ کے مطالبات

سرداران مکہ نے نبی اکرم ﷺ سے بہت سی نشانیوں مثلاً پہاڑوں کا ان سے دور چلا جانا اور نبی

امیہ، عاص بن وائل، حجاج کے بیٹے نبیہ اور منبہ اور امیہ بن خلف نے باہمی مشاورت کی کہ غروب آفتاب کے بعد کعبہ معظمہ کے پاس جمع ہو جائیں۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا "محمد عربی (فداہ روحی وامی وابی) ﷺ کی طرف پیغام بھیجو۔ جب وہ آئیں تو ان سے بات چیت کرلو، بلکہ خوب بحث کرو تا کہ تم ان کے بارے میں معذور سمجھے جاؤ"۔ انہوں نے نبی محترم ﷺ کی طرف یہ پیغام بھیجا۔ "آپ ﷺ کی قوم کے معززین جمع ہوئے ہیں تا کہ آپ ﷺ سے بات چیت کریں۔ آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لائیں" حضور اکرم ﷺ جلدی جلدی ان کے پاس تشریف لائے، آپ ﷺ سمجھے کہ جس چیز کے متعلق میں انہیں بتایا کرتا تھا شاید اس کی حقیقت کا وہ ادراک کر چکے ہیں۔ نبی محترم ﷺ ان کے ایمان کے لئے بڑے حریص تھے۔ آپ ﷺ ان کی ہدایت کے خواہاں تھے، ان پر کوئی مصیبت بھی آپ ﷺ پر بڑی گراں گزرتی تھی۔ نبی محترم ﷺ ان کے پاس تشریف فرما ہوئے، وہ سب نبی محترم ﷺ سے یوں عرض گزار ہوئے۔ "اے محمد (ﷺ)! ہم نے آپ ﷺ کی طرف پیغام اس لئے بھیجا ہے تا کہ ہم آپ ﷺ سے گفتگو کر سکیں۔ ہم عرب کے کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جس نے اپنی قوم کو اس طرح مصیبت سے دوچار کیا ہو جس طرح آپ ﷺ نے کیا ہے، آپ ﷺ نے ہمارے آباء کو برے الفاظ سے یاد کیا، دین پر عیب جوئی کی، معبودان (باطلہ) کو گالیاں دیں، عقل و دانش کو احمق کہا، جمعیت کو توڑا اور اسی طرح آپ ﷺ نے ہر قبیح معاملہ کو اپنے اور ہمارے مابین کھڑا کر

اکرم ﷺ پر ملائکہ کا نازل ہونا وغیرہ کا مطالبہ کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس حکمت سے ناآشنا تھے جو مخلوق کی آزمائش میں مقصود ہوتی ہے اور جو رسل عظام اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کرتے ہوئے اس کی عبادت کرنے میں پنہاں ہے اور ان کا ایمان دلائل میں غور و فکر کا نتیجہ ہو اور اسی پر انہیں ثواب ملے اور اگر پردہ اٹھا دیا جائے اور انہیں علم ضروری حاصل ہو جائے تو اس طرح اس پر ثواب و عقاب مرتب ہونے کی حکمت باطل ہو جائے گی کیونکہ انسان کو اس چیز پر اجر نہیں دیا جاتا جس میں اس کے کسب کا عمل دخل نہ ہو، جس طرح اسے جسم کی رنگت اور بالوں کی تخلیق پر کوئی اجر نہیں ملتا، انہیں اجر اس دلیل کی وجہ سے دیا جاتا ہے، جس میں غور و فکر علم کسبی کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ افعال قلب کے کسی فعل کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ وہ دلیل میں غور و خوض کرنا ہے معجزہ کی رسول کے صدق پر دلالت اسی اعتبار سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ قادر تھا کہ وہ لوگوں کو ایسی گفتگو سے حکم فرماتا جسے وہ سن لیتے اور انہیں رسولوں کے بھیجے جانے سے مستغنی کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو دنیا اور آخرت میں منقسم کر دیا ہے۔ ایک امر وہ ہے جسے دنیا میں غور و فکر، تفکر و اعتبار اور دلائل سے جانا جاتا

دیا۔ اگر اس امر (تبلیغ دین) سے آپ ﷺ کا مقصد حصولِ مال ہے تو ہم آپ ﷺ کے لیے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ آپ ﷺ سب سے زیادہ ثروت مند ہو جائیں گے، اور اگر آپ ﷺ اس سے شرف وسرداری کی تمنا کر رہے ہیں تو ہم آپ ﷺ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں، اگر آپ ﷺ اس سے سلطنت وامارت کے متمنی ہیں تو ہم آپ ﷺ کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں، اور اگر یہ کسی جن کی وجہ سے ہے تو ہم آپ ﷺ کو شفایاب کرنے کے لئے اپنے اموال خرچ کرتے ہیں، حتیٰ کہ آپ ﷺ کو شفا مل جائے یا ہم آپ ﷺ کو معذور سمجھیں گے"۔

سردارانِ قریش کی یہ تکلیف دہ گفتگو سن کر داعی اعظم ﷺ نے فرمایا۔" مجھے یہ ہرگز تکلیف نہیں جس کا تم تذکرہ کر رہے ہو۔ میں جو آفاقی پیغام لے کر آیا ہوں اس سے میرا مقصود تم سے مال و دولت کا مطالبہ نہیں۔ نہ میں تمہارا سردار بننا چاہتا ہوں۔ نہ تم پر بادشاہی کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اسی نے مجھ پر کتاب نازل کی ہے، اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے لئے بشیر اور نذیر بن جاؤں، اپنے رب کے پیغامات تم تک پہنچاؤں اور تمہارے لئے مجسمۂ خلوص بن جاؤں، اگر تم میرے پیغام کو قبول کر لو گے تو یہ دنیا و آخرت میں تمہارے لئے خوش قسمتی ہوگی۔ اگر تم نے میرا انکار کر دیا تو پھر میں اللہ کے حکم پر صبر کروں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے مابین فیصلہ فرما دے"۔

ہے کیونکہ یہ دنیا عبادت گاہ اور آزمائش کا گھر ہے دوسرا وہ امر ہے جو آخرت میں معاینہ اور اضطرار سے حاصل ہوگا۔ اس پر کوئی ثواب یا جزا نہ ملے گی۔ دار آخرت میں جزاء انہی اعمال پر مرتب ہوگی جو دنیا میں انعقاد پذیر ہوں گے۔ اس میں یہی حکمت ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ (الاسراء:۵۹)

اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں (کفار کی تجویز کردہ) نشانیاں مگر اس بات نے کہ جھٹلایا تھا ان نشانیوں کو پہلوں نے۔

مفسرین فرماتے ہیں مختلف آیات مثلاً پہاڑوں کا ان سے پرے ہٹ جانا اور ملائکہ کا نزول وغیرہ کی تکذیب اللہ تعالیٰ کے اس حکم کا تقاضا کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو مہلت نہ دیتا اور انہیں عذاب میں مبتلا کرنے میں جلدی فرماتا جس طرح اس نے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم اور آلِ فرعون کے ساتھ کیا تھا اگر قریش کی وہ شرائط پوری کر دی جاتیں جن کا انہوں نے مطالبہ کیا تھا اور نبی اکرم ﷺ ان کے اختیار کردہ معجزات کا ظہور فرما دیتے پھر وہ ان کی تکذیب کرتے تو انہیں بالکل مہلت نہ دی جاتی لیکن اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کو اس امت میں معزز فرمایا جس کی طرف آپ ﷺ مبعوث

یہ بصیرت افروز گفتگو سن کر سردارانِ قریش نے کہا۔ ''اے محمد عربی (ﷺ) اگر آپ ﷺ ہماری جانب سے کسی چیز کو قبول نہیں کرتے تو پھر آپ ﷺ بخوبی آگاہ ہیں کہ ہمارا شہر تمام لوگوں کے شہروں سے تنگ ہے، ہمیں سب سے کم پانی دستیاب ہے، ہماری زندگی سب سے زیادہ شدید ہے، آپ ﷺ ہمارے لئے اس رب سے التجاء کریں جس نے آپ ﷺ کو وہ پیغام دے کر بھیجا جو آپ ﷺ لے کر آئے ہیں کہ وہ ہم سے ان پہاڑوں کو ہٹا دے جنہوں نے ہماری وادی کو ہمارے لئے تنگ کر دیا ہے، وہ ہمارے لئے ہمارے شہروں کو وسعت بخش دے۔ وہ ہمارے لئے ان میں اسی طرح نہریں رواں فرما دے جس طرح شام و عراق میں نہریں رواں دواں ہیں۔ وہ ہمارے گزشتہ آباء کو زندہ کر دے۔ ان زندہ کئے جانے والوں میں قصی بن کلاب ضرور ہوں، وہ سچے انسان تھے ہم ان سے آپ ﷺ کے پیغام کے متعلق پوچھیں گے کہ کیا یہ سچ ہے یا جھوٹ۔ اگر انہوں نے آپ ﷺ کی تصدیق کر دی اور آپ ﷺ نے ہمارے مطالبات پورے کر دیئے تو ہم بھی آپ ﷺ کی تصدیق کر دیں گے۔ اس سے ہمیں آپ ﷺ کے اس مقام سے بھی آشنائی ہو جائے گی جو آپ ﷺ کو بارگاہِ ربوبیت میں حاصل ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ہی آپ ﷺ کو مبعوث کیا ہے۔ حضور نبی محترم ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا۔ ''میں تمہاری طرف اس لئے مبعوث نہیں ہوا۔ میں تو بارگاہِ خداوندی سے وہی پیغام لے کر آیا ہوں جس کے ساتھ اس نے

ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ ان تیرہ بختوں کو بھی جانتا تھا جنہوں نے آپ ﷺ کو جھٹلانا تھا اور اللہ رب العزت کو ان خوش قسمت لوگوں کا بھی علم تھا جنہوں نے آپ ﷺ کی تصدیق کرنا تھی اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا آپ ﷺ ہر نیک اور بد کے لیے پیکر رحمت ہیں، صالحین کے لئے تو آپ ﷺ دنیا و آخرت میں رحمت ہیں۔ بدکاروں کے لئے آپ ﷺ کی رحمت یہ ہے کہ وہ خسف، غرق، اور آسمان سے اولے والے بادلوں سے محفوظ ہو گئے۔ بعض مفسرین نے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کی تفسیر میں یہی لکھا ہے۔ قریش کے سرداروں نے یہ علامات ہدایت کے حصول کے لئے طلب نہ کی تھیں بلکہ انہوں نے عداوت و استہزاء کے طور پر ایسا کیا تھا انہوں نے نبوت کے ایسے دلائل دیکھے تھے جن میں ایک انصاف پسند شخص کے لئے یقیناً شفا تھی یہ ارشاد ربانی اسی حقیقت کی ترجمانی کر رہا ہے۔ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ (العنکبوت: ۵۱) ''کیا انہیں کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر اتاری ہے کتاب''۔

لَوْ لَمْ تَكُنْ فِيهِ آيَاتٌ مُبَيِّنَةٌ كَانَتْ بَدَاهَتُهُ تُنْبِيكَ بِالْخَبَرِ

مجھے مبعوث کیا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا وہ پیغام تم تک پہنچا دیا ہے، اگر تم اسے قبول کر لو تو یہ تمہارے لئے دنیا و آخرت کی خوش بختی ہے۔ اگر تم اس کا انکار کرو گے تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کروں گا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے۔''

سردارانِ مکہ نے تیسرا مطالبہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر آپ ﷺ یہ نہیں کرتے تو پھر اپنی ذات کے لئے کچھ مانگ لیں۔ بارگاہِ ربوبیت میں التجاء کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے ساتھ ایسا فرشتہ بھیجے جو آپ کی ان باتوں کی تصدیق کرے جو آپ ﷺ ہمیں بتاتے ہیں اور وہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے پیغام کو ہمارے سامنے دوبارہ بیان کرے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کیلئے باغات، محلات اور سونے چاندی کے خزانے پیدا فرما دے، جو آپ ﷺ کی ضروریات کو پورا کر دیں، آپ ﷺ بھی تو اسی طرح بازار تشریف لے جاتے ہیں جس طرح ہم بازار جاتے ہیں اور اسی طرح روزگار تلاش کرتے ہیں جس طرح ہم کرتے ہیں۔ اس طرح ہم آپ ﷺ کی فضیلت اور منزلت سے آگاہ ہو جائیں گے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جس طرح کہ آپ ﷺ کا گمان ہے'' حضور ﷺ نے ان سے فرمایا ''میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا، میں اپنے رب سے ایسا سوال نہیں کروں گا۔ میں تمہاری طرف اس مقصد کے لئے مبعوث نہیں ہوا۔ اس نے تو مجھے بشیر اور نذیر بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ اگر تم نے میرا پیغام قبول کر لیا تو یہ تمہارے لئے دنیا و آخرت کی خوش قسمتی ہے اور اگر تم نے انکار کر دیا تو میں حکم الٰہی کے سامنے صبر کروں گا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے مابین فیصلہ فرما دے۔ اب قریش کے سرداروں نے کہا'' آپ ﷺ کا گمان یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ کا رب چاہے تو آسمان کا ایک ٹکڑا ہم پر گرا سکتا ہے۔ اگر ایسا ممکن ہے تو کر دو ہم آپ ﷺ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ﷺ آسمان سے کوئی ٹکڑا گرا نہیں دیتے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ

اگر حضور ﷺ کے واضح دلائل نہ بھی ہوتے پھر بھی آپ ﷺ کا رخ زیبا ہی تجھے حقیقت حال سے آگاہ کر دیتا۔

ابن اسحاق نے ایک روایت میں ذکر کیا ہے۔ سردارانِ قریش نے حضور ﷺ سے یہ بھی مطالبہ کیا تھا کہ آپ ﷺ ان کے لئے کوہ صفا کو سونے کا بنا دیں، حضور ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور ان سے کہنے لگے۔ ''تم نے جو مطالبہ کیا ہے اگر تم چاہو تو میں اسے پورا کر دیتا ہوں، اگر تم نے پھر بھی جھٹلایا تو پھر تمہیں مہلت نہ دی جائے گی''۔ سردارانِ قریش نے کہا ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔

معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے وہ اگر چاہے تو تمہیں ایسے عذاب میں مبتلا کر سکتا ہے"۔قریش کے سرداروں نے کہا "اے محمد عربی (فداک روحی و امی و ابی) ﷺ کیا آپ ﷺ کا رب یہ نہیں جانتا تھا کہ ہم عنقریب آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھیں گے اور آپ ﷺ سے وہ سوالات پوچھیں گے جو ابھی ہم نے پوچھے اور ان چیزوں کا مطالبہ کریں گے جن کا ہم نے ابھی مطالبہ کیا ورنہ وہ ہمارے ان سوالات کے متعلق تمہیں پہلے ہی آگاہ کر دیتا اور وہ آپ ﷺ کو یہ بھی بتا دیتا کہ اب وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہے، ہمیں تو معلوم ہوا ہے کہ آپ ﷺ کو یمامہ کا ایک رحمٰن نامی شخص سب کچھ سکھاتا ہے۔قسم بخدا! ہم رحمٰن پر ایمان نہیں لائیں گے۔اے محمد عربی (فداہ روحی) ﷺ ہم نے آپ ﷺ کے سامنے اپنے عذر پیش کر دیئے ہیں، ہم آپ ﷺ کو ہر گز نہیں چھوڑیں گے۔ان میں سے ایک شخص نے کہا، ہم آپ ﷺ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ﷺ ملائکہ اور اللہ تعالیٰ کو ہمارے سامنے نہیں لے آئیں گے"۔
جب انہوں نے نبی محترم ﷺ سے ایسی نازیبا گفتگو کی تو آپ ﷺ وہاں سے جانے کے لئے کھڑے ہو گئے۔آپ ﷺ کے ساتھ عبداللہ بن ابی امیہ بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بھی کھڑا ہو گیا۔وہ آپ ﷺ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا تھا۔اس نے آپ ﷺ سے کہا "اے محمد (فداک روحی) ﷺ آپ کی قوم نے آپ ﷺ کے سامنے چند چیزیں رکھیں لیکن آپ ﷺ نے انہیں قبول نہ کیا، پھر انہوں نے آپ ﷺ سے اپنے لیے چیزیں طلب کیں تاکہ اس سے وہ بارگاہِ ربوبیت میں آپ ﷺ کا مقام جان سکیں، اس طرح وہ آپ ﷺ کی تصدیق اور اتباع کریں لیکن آپ ﷺ نے ایسا بھی نہ کیا پھر انہوں نے آپ ﷺ سے اس عذاب کا مطالبہ کیا جس سے آپ ﷺ انہیں ڈراتے ہیں، آپ ﷺ نے نزولِ عذاب کے لئے بھی بددعا نہ کی۔اللہ کی قسم! میں آپ ﷺ پر اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا، حتیٰ کہ آپ ﷺ آسمان کے ساتھ ایک سیڑھی لگا دیں، پھر آپ ﷺ اس پر چڑھیں۔میں تمام منظر دیکھتا رہوں، حتیٰ کہ آپ ﷺ آسمان تک پہنچ جائیں، پھر وہاں سے آپ ﷺ کے ساتھ چار ملائکہ آئیں تو آپ ﷺ کے لئے یہ گواہی دیں کہ آپ ﷺ

عبداللہ بن ابی امیہ

ابو امیہ کا نام حذیفہ تھا۔عبداللہ نے کہا میں آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاؤں گا، حتیٰ کہ آپ آسمان پر چڑھ جائیں............اسی عبداللہ نے فتح مکہ سے قبل اسلام قبول کر لیا تھا۔اس کے اسلام کا ذکر عنقریب آئے گا۔ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ قسم بخدا! اگر آپ ﷺ نے ایسا کر بھی دیا پھر بھی میرا گمان ہے کہ میں آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا۔" یہ ہرزہ سرائی کر کے وہ چلا گیا۔ حضور ﷺ بھی اپنے کاشانۂ اقدس میں تشریف لے گئے، آپ ﷺ بہت زیادہ حزین و غمگین تھے کیونکہ جب سردارانِ قریش نے آپ ﷺ کو بلایا تھا تو آپ ﷺ کی دلی آرزو تھی کہ وہ اسلام قبول کر لیتے لیکن جب ان کی یہ بے رخی دیکھی تو آپ ﷺ کو انتہائی دکھ ہوا۔

جب حضور وہاں سے تشریف لے گئے تو ابو جہل نے کہا "اے گروہِ قریش! محمد (ﷺ)

ابو جہل کی بدبختی

اوپر بیان کردہ روایت کو النسوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے کہ ابو جہل جونہی حضور ﷺ کے قریب ہوا فوراً الٹے پاؤں واپس پلٹا۔ لوگوں نے پوچھا تمہیں کیا ہوا۔ اس نے کہا جب میں ان کے قریب ہوا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرے اور ان کے مابین آگ کی خندق، خوف اور پر ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "اگر وہ میرے قریب ہوتا تو فرشتے اس کا انگ انگ جدا کر دیتے۔ امام سنوی نے ہی ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابو جہل نے حضور ﷺ سے کہا کہ میں نے تمہیں نماز سے منع نہیں کیا قسم بخدا! مکہ کی تمام محافل سے میری محفل معزز ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يَنْهٰى ۝ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۝ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰۤى ۝ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ۝ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۝ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۝ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۝ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝ (العلق) (اے حبیب) آپ نے دیکھا اسے جو منع کرتا ہے ایک بندے کو..... پس وہ بلا لے اپنے ہم نشینوں کو (اپنی مدد کے لئے) ہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلائیں گے۔

اَرَاَيْتَ کی تفسیر

محمد بن یزید کہتے ہیں اس آیت میں کچھ عبارت محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی۔ اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يَنْهٰى عَبْدًا اِذَا صَلّٰى۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بھی اسی طرح ہے۔ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰۤى۔ بھلا دیکھئے تو اگر وہ ہدایت پر ہوتا۔

اصل عبارت یوں ہوگی اَلَيْسَ مَنْ يَنْهَاهُ بِضَالٍّ۔ کیا وہ شخص جو حضور کو عبادت سے روکتا ہے وہ گمراہ نہیں ہے لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ (العلق: ۱۵) ہم اسے پکڑ کر آگ کی طرف لے جائیں گے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں سفع کا معنی اس کا ذلیل کرنا اور اس کا قہر ہے۔ النَّادِي، النَّدِيّ اور مُنْتَدِى

نے ہمارے تمام مطالبات رد کر دیئے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ ہمارے دین کے عیب نکالتے ہیں، ہمارے آباء کو برے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، ہماری عقل و دانش کو احمق گردانتے ہیں اور ہمارے معبودوں کو دشنام سناتے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتا ہوں کہ کل میں ان کے لئے اتنا بھاری پتھر لے کر بیٹھوں گا جتنا میں اٹھا سکا جب وہ اپنی نماز میں سجدہ ریز ہوں گے میں پتھر ان کے سر پر ماردوں گا۔ اس وقت تم خواہ مجھے ان کے سپرد کر دینا یا میرا تحفظ کرنا۔ اس کے بعد بنو عبد مناف جو چاہیں کر لیں''۔ سرداران قریش نے کہا اللہ کی قسم! ہم تجھے کسی کے سپرد نہیں کریں گے جو تیرے ذہن میں ہے وہ کر گزر۔ صبح کے وقت ابو جہل نے حسب وعدہ ایک بھاری پتھر لیا اور حضور ﷺ کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ حضور ﷺ حسب معمول تشریف لائے۔ مکہ معظمہ میں آپ ﷺ کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ جب آپ ﷺ نماز ادا فرماتے تو آپ ﷺ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان نماز ادا فرماتے۔ بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں کی جانب رخ زیبا کر لیتے۔ نبی محترم ﷺ نماز ادا فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے۔ قریش مکہ اپنی اپنی محافل میں بیٹھ چکے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ ابوجہل کیا کرتا ہے جب حضور ﷺ سجدہ ریز ہوئے تو ابو جہل نے پتھر اٹھایا اور آپ ﷺ کی جانب آیا۔ جب قریب پہنچا تو فوراً پیچھے کی طرف بھاگا۔ چہرے کا رنگ متغیر تھا۔ رعب و دبدبہ کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔ وہ ہاتھ جس میں پتھر اٹھایا ہوا تھا وہ سوکھ چکا تھا۔ حتیٰ کہ پتھر اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ یہ منظر دیکھ کر قریش اس کے پاس گئے اور کہنے لگے ''اے ابوالحکم! تجھے کیا ہوا ہے'' اس نے کہا'' میں اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اٹھا جس کا میں نے کل رات تم سے وعدہ کیا تھا جب میں محمد عربی (فداہ روحی) ﷺ کے پاس گیا تو مجھے ایک نر اونٹ کا سامنا کرنا پڑا۔ میں نے اس سے قبل اتنی جسامت، اتنی موٹی گردن والا اور اتنے

کا معنی ایک ہی ہے۔ اس سے مراد قوم کی وہ محفل ہوتی ہے جس کی طرف وہ لوگوں کو دعوت دیتی ہے۔ مفسرین حضرات نے اس کے متعلق ایسے اقوال بیان کئے ہیں جو ایک دوسرے کے قریب تر ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد ابو جہل کا قبیلہ ہے یا اس کا گروہ ہے یا اس کی مجلس ہے۔ اَرَاَیْتَ، اَخْبِرْنِیْ کے معنی میں ہے اس لئے سیبویہ کے نزدیک اس کا الغاء جائز نہیں ہے جس طرح تیرے اس قول میں عَلِمْتُ لغو ہے عَلِمْتُ اَزَیْدٌ عِنْدَكَ اَمْ عَمْرٌو لیکن اَرَاَیْتَ میں یہ جائز نہیں ہے اور تیرے اس قول میں نصب دینا ضروری ہے۔ اَرَاَیْتَ زَیْدًا اَبُوْ مَنْ هُوَ۔ سیبویہ کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مقام میں اَخْبِرْنِیْ کا لفظ اس کے تمام حالات کی خبر دینے کا تقاضا نہیں کرتا۔ حضرت امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''قرآن پاک'' کا ظاہر سیبویہ کے قول کے خلاف تقاضا کرتا ہے مگر بیان کے

بڑے بڑے جبڑوں والا اونٹ نہیں دیکھا تھا۔ وہ مجھے نگل جانا چاہتا تھا''۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے بتایا گیا ہے کہ رسول محترم ﷺ نے فرمایا۔'' وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے اگر ابوجہل قریب ہوتا تو وہ اسے پکڑ لیتے۔

نصر بن حارث

جب ابوجہل نے انہیں اپنی ہیبت ناک داستان سنائی تو نصر بن حارث بن کلدہ بن علقمہ بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی کھڑا ہو گیا۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ نصر کا نسب یوں بھی بیان کیا جاتا ہے۔ نصر بن حارث بن علقمہ بن کلدہ بن عبد مناف۔ ابن اسحاق کہتے ہیں نصر نے کہا اے گروہِ قریش! تمہیں ایک اہم معاملہ کا سامنا ہے جس کا حل ابھی تک تمہارے پاس نہیں ہے۔ محمد (عربی ﷺ) تمہارے درمیان ایک نوخیز جوان ہیں، وہ تم میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ سب سے زیادہ راست گو اور سب سے زیادہ امین تھے۔ یہاں تک کہ جب ان کی کنپٹی پر سفیدی ظاہر ہوئی اور وہ تمہاری طرف وہ پیغام لے کر آئے جو وہ لے کر آئے ہیں تو تم نے انہیں جادوگر کہا۔ اللہ کی قسم! وہ جادوگر نہیں ہیں۔ ہم نے جادوگروں کو بھی دیکھا ہے اور ان کی گرہ بندی اور جھاڑ پھونک بھی دیکھی ہے۔ تم نے انہیں کاہن کہا، اللہ کی قسم! وہ کاہن بھی نہیں ہیں۔ ہم نے کہانت بھی دیکھی ہے اور ان کی قافیہ بندی بھی دیکھی ہے۔ تم نے ان پر شاعری کا الزام لگایا ہے۔ اللہ کی قسم! وہ شاعر بھی نہیں ہیں ہم شاعری کو بھی جانتے ہیں۔ ہم اس کی تمام اقسام سے آگاہ ہیں۔ ہم اس کی ہزج اور رجز کو جانتے ہیں۔ تم نے کہا وہ مجنون ہیں۔ قسم بخدا وہ مجنون بھی نہیں ہیں۔ ہم نے جنوں کو بھی دیکھا ہے، ان میں نہ تو اس جیسا گلا گھٹنا ہے اور نہ ہی اس طرح وسوسہ ہے اور نہ ہی اس طرح خلط ملط ہونا ہے۔ اے گروہِ قریش! اپنے متعلق خوب غور و خوض کر

بعد۔ کیونکہ قرآن مجید میں مُلْغَاۃ ہے کیونکہ استفہام ہی اس کا مطلوب ہے اور اللہ کے اس فرمان میں اسی پر واقع ہے اَرَءَیْتَ اِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی اَلَمْ یَعْلَمْ (العلق: ۱۳) اَلَمْ یَعْلَمْ استفہام ہے اور رَاَیْتَ اسی پر واقع ہے اسی طرح اَرَاَیْتُمْ وَاَرَئَیْتُکُمْ (سورۃ الانعام) میں ہے کیونکہ استفہام اس کے بعد ہے مثلاً اس کے بعد ہے ھَلْ یُھْلَکُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ لیکن سیبویہ نے اس قول میں اسی سے منع کیا ہے۔ اَرَاَیْتَ وَاَرَئَیْتَكَ اَبُوْ مَنْ اَنْتَ۔ جس بیان کا تذکرہ سیبویہ نے کیا ہے وہ درست ہے مگر جب استفہام اَرَاَیْتَ کے بعد ہو مستفہم عنہا جملہ اَرَاَیْتَ کا مفعول بھی نہ ہو بلکہ اس کا مفعول محذوف ہو جس پر شرط دلالت کرے ان تمام صورتوں میں اس کے بعد شرط ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کا معنی ہے اَرَاَیْتُمْ

لو۔ وہ تمہارے پاس ایک عظیم امر لے کر آئے ہیں"۔ نصر بن حارث قریش کے شیطانوں میں سے تھا۔ وہ ان تیرہ بختوں میں سے تھا جو حضور ﷺ کو اذیتیں دیا کرتے تھے۔ وہ آپ ﷺ کی عداوت میں پیش پیش تھا۔ وہ بد بخت حیرہ گیا وہاں سے ایرانی بادشاہوں کی داستانیں سیکھیں اور رستم اور اسفند یار کے قصے یاد کیے۔ جب حضور ﷺ کسی مجلس میں تشریف فرما ہوتے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کو یاد فرماتے اور اپنی قوم کو اس عذاب سے ڈراتے جو سابقہ امتوں پر نازل ہو چکا تھا۔ جب آپ ﷺ وہاں سے تشریف لے جاتے تو نصر اس جگہ بیٹھ جاتا اور کہتا۔ "اے گروہِ قریش! اللہ کی قسم! میری باتیں محمد عربی ﷺ کی گفتگو سے عمدہ ہیں۔ میرے پاس آؤ۔ میں تمہیں ان کی باتوں سے عمدہ باتیں بتاؤں گا"۔ پھر وہ ایرانی بادشاہوں، رستم اور اسفند یار کے قصے بیان کرتا، پھر کہتا "محمد (مصطفیٰ ﷺ) کی گفتگو میری گفتگو سے عمدہ کیسے ہو سکتی ہے؟"

ابن ہشام فرماتے ہیں، مجھے معلوم ہوا کہ اسی شخص نے کہا تھا سَاُنۡزِلُ مِثۡلَ مَا اَنۡزَلَ اللّٰهُ۔ "میں بھی عنقریب اسی طرح کا کلام نازل کروں گا جس طرح کا کلام اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے"۔ ابن اسحاق کہتے ہیں۔ مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت پہنچی ہے کہ اس نصر کے متعلق قرآن پاک کی آٹھ آیات نازل ہوئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اسی کے متعلق ہے۔ اِذَا تُتۡلٰی عَلَيۡهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۱۵﴾ (القلم۔ ۱۵) "جب پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں"۔

جب نصر بن حارث نے قریش مکہ سے یہ کہا تو انہوں نے اسے اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ طیبہ کے یہودی علماء کی طرف بھیجا قریش نے انہیں کہا کہ وہ ان علماء سے حضور ﷺ کے متعلق پوچھیں۔ انہیں آپ ﷺ کے وصف بیان کریں اور آپ ﷺ کے کلام کے متعلق آگاہ کریں۔ وہ اہل کتاب ہیں جو علم وہ رکھتے ہیں ہم اس سے محروم ہیں۔ یہ دونوں مدینہ طیبہ آئے

صَنِيۡعَكُمۡ اِنۡ كَانَ كَذَا وَكَذَا۔ اس طرح کہنے والے کا یہ قول اَرَاَيۡتَ اَنۡ لَقِيۡتَ الۡعَدُوَّ اَتُقَاتِلُهٗ اَمۡ لَا اصل میں یوں ہوگا۔ اَرَاَيۡتَ رَاۡيَكَ اَوۡ صَنِيۡعَكَ اِنۡ لَقِيۡتَ الۡعَدُوَّ۔ حرف شرط اِنۡ اس محذوف پر دلالت کر رہا ہے اور اس کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔ مستفہم عنہا جملہ ایک علیحدہ منقطع کلام ہے مگر اس میں بیان کی زیادتی ہے اگر شرط کو زائل کر دیا جائے اور استفہام کو اس کی جگہ رکھا جائے تو یہ عمدہ نہیں ہوگا جس طرح سیبویہ نے کہا ہے مگر یہ عَلِمۡتَ، هَلۡ عَلِمۡتَ اور هَلۡ رَاَيۡتَ میں بہتر ہے۔ اَرَاَيۡتَ میں اس کی قباحت واضح ہے کیونکہ اس میں اَخۡبِرۡنِيۡ کے معنی پائے جاتے ہیں۔

اور علمائے یہود سے رسول محترم ﷺ کے متعلق سوال کیا اور انہیں آپ ﷺ کے اوصاف بتائے اور کچھ کلامِ الٰہی بھی سنایا۔ انہوں نے علماء سے کہا۔ ''تم اہل تورات ہو ہم تمہارے پاس اس لئے آئے ہیں تا کہ تم ہمیں ہمارے اس صاحب کے متعلق بتاؤ''۔ علمائے یہود نے کہا ''ہم تمہیں تین اشیاء بتاتے ہیں تم آپ ﷺ سے ان کے متعلق پوچھ لو۔ اگر انہوں نے ان کا جواب دے دیا تو وہ نبی مرسل ہیں اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو پھر وہ ایک سچے انسان نہیں ہیں، پھر ان کے متعلق اپنی رائے قائم کر لینا۔ ان سے ان جوانوں کے متعلق پوچھو جو پہلے زمانہ میں کہیں پناہ گزیں ہو گئے تھے، ان کی حکایت بڑی عجیب ہے۔ ۲۔ آپ ﷺ سے اس شخص کے متعلق پوچھو جو عازم سفر رہا، حتیٰ کہ وہ زمین کے مشارق و مغارب تک پہنچ گیا۔ ۳۔ آپ ﷺ سے روح کے متعلق سوال کرو، اگر وہ تمہیں ان سوالات کے جوابات ارشاد فرما دیں تو پھر وہ سچے نبی ہیں ورنہ ان کا دعویٰ نبوت سچا نہیں ہے''۔ نصر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط بن ابی عمرو بن امیہ بن عبد شمس بن مناف بن قصی مکہ معظمہ واپس آ گئے، وہ سردارانِ قریش کے پاس آئے اور ان سے کہنے لگے ''اے گروہ قریش! ہم ایسی چیز لے کر آئے ہیں جو تمہارے اور محمد (فداہ روحی) ﷺ کے مابین فیصلہ کر دے گی، علمائے یہود نے ہمیں ان سے چند امور کے متعلق سوالات پوچھنے کے لئے کہا ہے، اگر وہ ان کا جواب دے دیں تو وہ سچے نبی ہیں ورنہ اس کا دعویٰ جھوٹا ہے اور تم ان کے متعلق ایک رائے قائم کر سکتے ہو''۔

وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے ''اے محمد (فداک روحی) ﷺ ہمیں ان جوانوں کے متعلق بتائیں جو پہلے زمانہ میں کہیں پناہ گزیں ہوئے تھے ان کی داستان بڑی عجیب

اَسَاطِيرُ الْاَوَّلِيْنَ

اساطیر کا واحد اسطورۃ ہے جس طرح احادیث کا واحد احدوثۃ ہے۔ اس سے وہ داستانیں مراد ہیں جنہیں سابقہ لوگوں نے رقم کیا ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسطار کی جمع اساطیر ہے۔ یہ سَطَرَ سَطْرٌ کی جمع اُسْطُرٌ ہے اور اس کی جمع الجمع اساطر ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ نصر بن حارث قریش کو رستم اور اسفند یار کی حکایتیں سناتا تھا اور وہ داستانیں سناتا تھا جو وہ ایران کے شہروں سے سیکھ کر آیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ آیت مبارکہ اسی کے متعلق نازل ہوئی: وَمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (انعام: ۹۳)

اور (کون زیادہ ظالم ہے اس سے) جو کہے کہ میں (بھی) نازل کروں گا ایسا ہی (کلام) جیسا نازل کیا ہے اللہ نے۔

ہے۔ ہمیں اس شخص کے متعلق بتائیں جو زمین میں محو سفر رہا حتیٰ کہ وہ اس کے مشارق و مغارب تک پہنچ گیا اور ہمیں روح کے متعلق بتائیں'' حضور ﷺ نے فرمایا ''میں ان اشیاء کے متعلق تمہیں کل بتاؤں گا۔ آپ ﷺ نے ''ان شاء اللہ'' نہ کہا۔ سرداران قریش واپس چلے گئے سیرت نگار لکھتے ہیں آپ ﷺ نے پندرہ راتیں انتظار کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر وحی نازل نہ کی اور نہ ہی جبرائیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے۔ اہل مکہ مختلف افواہیں پھیلانے لگے۔ انہوں نے کہا'' محمد (عربی ﷺ) نے تو ہم سے کل کا وعدہ کیا تھا لیکن آج پندرہ راتیں گذر چکی ہیں لیکن ابھی تک انہوں نے ہمیں کسی چیز کے متعلق نہیں بتایا''۔ وحی کے توقف کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ انتہائی مغموم تھے۔ اہل مکہ کی باتیں بھی اذیت دے رہی تھیں پھر حضرت جبرائیل بارگاہِ صمدیت سے سورۃ الکہف لے کر آئے۔ اس میں آپ ﷺ کو ان کے ایمان نہ لانے پر غمزدہ ہونے پر بھی تنبیہ کی گئی تھی۔ اس مبارک سورہ میں اصحاب کہف، مشرق و مغرب کے سیاح اور روح کے متعلق بھی بتایا گیا تھا۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں مجھے بتایا گیا ہے جب حضرت جبرائیل بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے حضرت جبرائیل سے فرمایا۔ ''اے جبرائیل! تم اتنی دیر میرے پاس نہ آئے حتیٰ کہ مجھے سوئے ظن ہونے لگا''۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی۔

رستم کی داستانیں

تاریخ طبری میں ہے رستم کے باپ کا نام ریسان تھا لطراسب بن کی اجو نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد رستم کی یسناسب بن کی لہراست کے ساتھ ہمیشہ معرکہ آزما رہتا تھا۔ ان ناموں سے پہلے ''کی'' کا معنی بہاء (رونق) ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا معنی بدلہ لینا ہے۔ اسی لئے یہ بادشاہ، ''الکیدیہ'' کے نام سے معروف تھے۔ رستم بنی ریسان کا سردار تھا۔ یہ ترکی بادشاہوں میں سے تھا۔ کی یسناسب اپنے بیٹے پر ناراض ہو گیا اور اس کے جنگی کارناموں پر حسد کرتے ہوئے اسے قید کر دیا، حتیٰ کہ اس کا صرف تذکرہ باقی رہ گیا۔ اس وقت ترک ایرانی شہروں پر حملہ آور ہوئے۔ انہوں نے یساسب کی دولڑکیوں کو گرفتار کر لیا ان میں سے ایک کا نام خمانہ تھا۔ جب یساسب نے دیکھا کہ وہ ان کے حملوں کا جواب نہیں دے سکتا۔ اس نے اپنے بیٹے کو قید سے آزاد کر دیا۔ اسی لڑکے کا نام اسفندیار تھا۔ بادشاہ اس سے راضی ہو گیا اور اسے اپنے لشکر کا امیر بنا دیا پھر وہ رستم کی طرف گیا، ان کے مابین بہت سی جنگیں ہوئیں جن کا تذکرہ طوالت کا سبب ہوگا۔ بالآخر اس نے رستم کو قتل کر دیا۔ اس کی فوج کو ہلاک کر دیا۔ اس

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ (مریم: ۶۴)

اور (جبرائیل میرے نبی سے کہو) ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم سے اسی کا ہے جو ہمارے سامنے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اور نہیں ہے آپ کا رب بھولنے والا۔

لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ (الکہف: ۲)

"(اور معاش و معاد کو) درست کرنیوالی ہے تاکہ ڈرائے سخت گرفت سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے"۔ دنیا میں جلد ملنے والی سزا اور آخرت میں عذاب الیم سے ڈرائے۔ یہ عذاب آپ ﷺ کے اس پروردگار کی طرف سے ہوگا جس نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔

وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ﴿٢﴾ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ﴿٣﴾ (کہف)

اور یہ مژدہ سنائے ان اہل ایمان کو جو کرتے ہیں نیک اعمال کہ بے شک ان کے لئے بہت عمدہ جزا ہے وہ ٹھہریں گے اس (جنت) میں تا ابد۔

وہ دائمی مقام ہوگا۔ وہ اس میں مریں گے نہیں۔ وہ خوش نصیب لوگ جنہوں نے

کے شہروں پر غلبہ پالیا اور اپنی بہنوں کو آزاد کروالیا پھر اسفندیار اپنے والد سے بھی پہلے مرگیا، اس کا باپ تقریباً سو سال تک حکمران رہا، پھر بہمن بن اسفندیار کو ولی عہد بنایا۔ اپنی موت کے بعد اسے والی مملکت بنایا۔ بہمن کا معنی حسن نیت ہے۔ یہ تقریباً ایک سو سال تک اقتدار کا والی رہا، اس کے دو بیٹے تھے۔ ۱۔ ساسان۔ ۲۔ دارا۔ ان کا کچھ تذکرہ پہلے گذر چکا ہے۔ یہی وہ ساسانی خاندان ہے جن کے عہد میں آفتاب اسلام طلوع ہوا۔ کی قباذ کے ذکر میں رستم کا ذکر بھی گذر چکا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد سے قبل اس کا زمانہ تھا۔ کی قباذ کی وفات کے بعد رستم کی قاؤس کا وزیر بنا۔ اس کے لئے جنات مسخر تھے کہا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہی انہیں حکم فرمایا تھا۔ اس کی سلطنت وحکومت کے متعلق وہ حیرت انگیز داستانیں ہیں کہ ایک دانا شخص ان کی تصدیق نہیں کرسکتا۔ امام الطبری نے اپنی تاریخ میں کچھ داستانیں لکھی ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اس نے بھی نمرود کی طرح آسمان پر چڑھنے کا ارادہ کیا لیکن ہوا نے اسے نیچے پٹخ دیا۔ اس کی عمارت تباہ ہوگئی پھر اس کے پاس اس کا کچھ لشکر جمع ہوا۔

آپ ﷺ کے پیغام کی تصدیق کی اور جن اعمال کا آپ ﷺ نے حکم دیا وہ انہیں بجالاتے رہے لیکن یہ جزاء ان لوگوں کے لئے نہیں جنہوں نے آپ ﷺ کی تکذیب کی۔

وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا (کہف: ۴)

اور تاکہ ڈرائے ان (نادانوں) کو جو یہ کہتے ہیں کہ بنالیا ہے اللہ تعالیٰ نے (فلاں کو اپنا) بیٹا۔

قریش مکہ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے۔ ہم ملائکہ کی پوجا کرتے ہیں وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ

"اور نہ انہیں اللہ تعالیٰ (کی ذات وصفات) کا کچھ علم ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو"

جنہوں نے ان کے فراق کو عظیم سمجھا اور ان کے دین کے عیب نکالے۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ (کہف: ۵)

کتنی بڑی ہے وہ بات جو نکلتی ہے ان کے مونہوں سے۔

وہ دیگر بادشاہوں کی مانند کبھی غالب آجاتا اور کبھی مغلوب ہو جاتا۔ وہ اپنا لشکر لے کر یمن کی طرف گیا۔ عمرو ذوالاذعار نے اس کا مقابلہ کر کے اس کو شکست سے دوچار کیا اور اسے گرفتار کر کے جیل میں پھینک دیا حتیٰ کہ رستم آیا وہ عمرو کا مشیر تھا اس نے اسے کسی نہ کسی طرح عمرو سے بچالیا اور اسے ایران کے شہروں کی طرف بھیج دیا۔ اس کے بیٹے شاوخش کی قراسیات شاہ ترک کے متعلق بھی ایک عجیب داستان مشہور ہے۔ رستم شاوخش کا نگران بھی تھا، بچپن میں اسی نے ہی اس کی کفالت کی تھی، شاوخش کی بھی عجیب داستانیں مشہور تھیں۔ بالآخر قراسیات نے اس کو قتل کر دیا۔ اس کا بیٹا کی خسرو اس کا بدلہ لینے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس کے اور ترک کے مابین وہ جنگی معرکے ہوئے جن کی مثالیں سننے میں نہیں آئیں، بالآخر اس کو فتح نصیب ہوئی۔ فتح کے بعد اس نے اپنے دشمنوں سے وہ سلوک کیا جس سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں، اس کا دل مسرور ہو گیا اس نے دنیا کو چھوڑ دیا اور زمین میں سیاحت کرنے کا پروگرام بنا لیا۔ اہل فارس اس سے تنگ آگئے انہیں اس کے بعد اپنی جمعیت کے انتشار کا خطرہ لاحق ہوا اور وہ دشمن کے غلبہ سے خوفزدہ رہنے لگے۔ پھر کی لہراسب بن کی اجو بن کی کینہ بن کی قاؤس ان کا بادشاہ بنا۔ مجھے یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ رستم جسے اسفندیار نے قتل کیا تھا کیا وہی رستم تھا جو کی قاؤس کا ساتھی تھا یا اس کے علاوہ کوئی اور تھا۔ ظاہر یہی ہے کہ یہ وہ نہ تھا کیونکہ قاؤس اور کی یستاسب کے مابین بہت مدت تھی،

ان کا یہ قول مراد ہے کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ

وہ نہیں کہتے مگر (سرتاسر) جھوٹ تو کیا آپ (فرطِ غم سے) تلف کردیں گے اپنی جان کو۔ اے محمد مصطفیٰ ﷺ

عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا۝ (کہف)

ان کے پیچھے اگر وہ ایمان نہ لائے اس قرآن کریم پر افسوس کرتے ہوئے۔

جب آپ ﷺ کی یہ آرزو پوری نہ ہو تو ان پر غم کرتے ہوئے۔

ابن ہشام کہتے ہیں بَاخِعٌ نَّفْسَكَ کا مطلب ہے اپنے نفس کو ہلاک کرتے ہوئے۔ ابو عبیدہ نے مجھے بتایا ہے کہ ذوالرمۃ کا شعر ہے۔

اَلَا اَیُّهٰذَا الْبَاخِعُ الْوَجْدُ نَفْسَهٗ　لِشَیْءٍ نَحَتْهُ عَنْ یَدَیْهِ الْمَقَادِرُ

اے وہ شخص! جس کے نفس کو ایسی چیز کی محبت نے تباہ کردیا ہے جسے تقادیر نے ان کے ہاتھوں سے روک دیا ہے۔

اس کی جمع باخعون اور بخعۃ ہے۔ اہل عرب کا مقولہ ہے قَدْ بَخَعْتُ لَهٗ نُصْحِیْ وَ نَفْسِیْ میں نے اس کے لئے اپنے خلوص اور اپنے نفس کو برباد کردیا ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (کہف:۷)

میں گمان کرتا ہوں کہ یہ ترک تھا اور اس کے کارنامے کیفیہ کے عہد حکومت میں ظہور پذیر ہوئے۔ جب یہ جنگ میں مصروف ہو گئے تھے تو انہوں نے بخت نصر کو عراق کا عامل بنایا۔ اس نے بنی اسرائیل میں بہت خونریزی کی، بیت المقدس کو منہدم کردیا، تورات کو جلایا، انبیاء کی اولاد کو قتل کیا، ان کے بادشاہوں کی بیویوں کو قیدی بنایا اور ان کی اولاد کو پابند سلاسل کیا۔ جب وہ عرب کے شہروں میں داخل ہوا تو اس کی عیش وعشرت اپنی انتہاء کو پہنچ گئی۔ تفسیر وتاریخ کی کتب میں اس کے ظلم کی داستانیں رقم ہیں۔

یہ مختصری گفتگو تھی جو ابن اسحاق کی کتاب میں رستم اور اسفندیار کے تذکرے کی کچھ وضاحت کرتی ہے۔ کیفیہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل اقتدار کے والی بنے ان کا پہلا بادشاہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے دوسو سال قبل افریدون کے زمانہ میں سریر آرائے سلطنت ہوا اور آخری بادشاہ اسکندر بن قلیس کے زمانہ تک رہا سکندر نے ہی ان سے سلطنت چھینی تھی اسی نے ہی دارا بن دارا کو قتل کیا تھا، یہ ان کا آخری بادشاہ تھا پھر اشغانیہ کو حکومت کرنے کا موقع ملا لیکن اس کے ساتھ ساتھ

بے شک ہم نے بنایا ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں اس کے لئے باعثِ زینت و آرائش تا کہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں یعنی ان میں سے کون میرے حکم کی اتباع کرتا ہے اور میری اطاعت کرتا ہے۔

وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَیْهَا صَعِیْدًا جُرُزًا (کہف:۸)

اور ہم ہی بنانے والے ہیں ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں (ویران کر کے) چٹیل میدان غیر آباد۔

صعید سے مراد زمین ہے اس پر جو کچھ ہے وہ فانی اور زائل ہونے والا ہے۔ سب نے میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے، ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دوں گا، آپ ﷺ کو ان کے اعمال اور اقوال تکلیف نہ دیں۔ ابن ہشام کہتے ہیں صعید زمین کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع صعد ہے ذوالرمہ چھوٹے ہرن کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے۔

كَاَنَّهٗ بِالضُّحٰى تَرْمِي الصَّعِيْدَ بِهٖ دَبَّابَةٌ فِي عِظَامِ الرَّاْسِ خُرْطُوْمُ

گویا کہ وہ ایسا آدمی تھا جسے وقت چاشت ایسی شراب نے مٹی پر پھینک دیا ہو جس کا نشہ سر کی ہڈیوں تک سرایت کئے ہوئے ہوتا ہے۔

صعید کا معنی راستہ بھی ہے حدیث شریف میں ہے۔ وَاِيَّاكُمْ وَالْعُقُوْدَ عَلَى الصُّعُدَاتِ۔

طوائف الملوکی کا بھی دور دورہ رہا۔ یہ مدت چار سو اسی سال بنتی ہے۔ امام الطبری نے اس سے کم مدت لکھی ہے۔ مسعودی کے نزدیک یہ عرصہ پانچ سو دس سال بنتی ہے۔ انہی کے عہد حکومت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی، پھر ساسانی خاندان کے تیس بادشاہ گزرے، انہی کے عہد میں آفتاب اسلام طلوع ہوا۔

اللہ رب العزت نے سورۃ الکہف کا نزول فرمایا اس کا آغاز اپنی توصیف اور اپنے نبی محترم ﷺ کی نبوت و رسالت سے فرمایا اور اس پر کفار کے تعجب کا بھی تذکرہ کیا، ارشاد فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ (الکہف:۱)

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے نازل فرمائی اپنے (محبوب) بندے پر یہ کتاب۔

عبد سے مراد محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ میری طرف سے رسول ہیں۔ یہ اس سوال کا جواب ہے جو لوگ آپ ﷺ سے آپ ﷺ کی نبوت کے متعلق کرتے تھے۔

راستوں پر بیٹھنے سے بچو۔ الجزر اس زمین کو کہتے ہیں جہاں کوئی نباتات نہ ہوتی ہو۔ اس کی جمع اجزار ہے۔ کہا جاتا ہے سَنَةٌ جُرُزٌ۔ سَنُوْنٌ اَجْرَازٌ۔ یعنی وہ سال جس میں بارش نہ ہوتی ہو، جس میں خشکی، قحط اور شدت ہو۔ ذوالرمہ اونٹ کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے۔

طَوٰی النَحزُ وَالْاَجْرَازُ مَا فِیْ بُطُوْنِهَا فَمَا بَقِیَتْ اِلَّا الضُّلُوْعُ الْجَرَاشِعُ

مہمیز کی تکلیف یا پھیپھڑوں کی بیماری اور بنجر زمین نے اس کے پیٹ کی تمام چیزوں کو لپیٹ لیا ہے اور ابھرے ہوئے سینے کے علاوہ کچھ نہیں بچا۔

اصحاب کہف کا واقعہ

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان جوانوں کا تذکرہ کیا جن کے متعلق کفار مکہ نے سوال کیا تھا۔ ارشاد فرمایا۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝ (کہف:۹)

کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور رقیم والے ہماری ان نشانیوں میں سے ہیں جو تعجب خیز ہیں؟

میں نے اپنے بندوں کے لئے جو دلائل اور آیات اتاری ہیں یہ نشانی ان میں سے تعجب خیز علامت ہے۔ ابن ہشام کہتے ہیں رقیم سے مراد وہ کتاب ہے جس میں اس کی داستان لکھی ہوئی

وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ قَيِّمًا (کہف:۲) اور نہیں پیدا ہونے دی اس میں ذرہ کجی۔

یعنی معتدل ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

سورۃ الکہف کے نزول کا سبب

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ نضر اور عقبہ علمائے یہود کے پاس گئے اور وہ چیز لے کر آئے جو ان کے گمان کے مطابق نبی محترم ﷺ اور ان کے مابین فیصلہ کرنے والی تھی علمائے یہود نے انہیں تین اشیاء بتائیں اور کہا کہ اگر وہ ان کے متعلق تمہیں بتا دیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں ورنہ وہ یہ کلام خود گھڑنے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے انہیں بتایا میں تمہیں ان اشیاء کے متعلق کل بتاؤں گا لیکن آپ ﷺ نے اِنْ شَاءَ اللّٰہُ نہ کہا۔ ابن اسحاق کے قول کے مطابق وحی پندرہ دن تک نہ آئی لیکن سیر التیمی اور موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ وحی نہ آنے کی مدت تین دن ہے پھر حضرت جبرائیل سورۃ الکہف لے کر حاضر خدمت ہوئے۔

تھی۔اس کی جمع رقم آتی ہے۔عجاج کہتا ہے۔مُسْتَقَرُّ الْمُصْحَفِ الْمُرَقَّمِ ''تحریر شدہ مصحف کی قرار گاہ''۔

حمد کو کتاب پر مقدم کرنے کی وجہ

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا آغاز اپنی ذات کی مدح وستائش سے فرمایا اور اپنے نبی محترم ﷺ کی نبوت کا تذکرہ کیا تا کہ وہ اپنے بندے کو سکھائے کہ وہ اس کی تعریف کیسے کیا کرے،اگر یہ حکمت پوشیدہ نہ ہوتی تو حال تو صرف تسمیہ پر وقوف کا ہی تقاضا کر رہا تھا اور ایسی عبارات کا تقاضا کرتا تھا جو اس کے جلال پر دلالت کرتی ہو کیونکہ ہر قسم کی عبارت اس کا جلال اور صفاتِ کمال کو بیان کرنے سے عاجز ہے۔ جب حمد بندے پر واجب ہوئی تو اس آیت میں بھی اس کو مقدم کیا گیا تا کہ یہ حمد اس کے ساتھ متصل ہو جائے اور بندے کو یہ شعور حاصل ہو جائے کہ حمد اس پر واجب ہے۔سورۃ الفرقان میں ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ (الفرقان:١)

بڑی (خیرو) برکت والا ہے وہ جس نے اتارا ہے الفرقان اپنے (محبوب) بندے پر۔

اس آیت کا آغاز فرقان (کتاب مقدس) کے ذکر سے کیا پھر فرمایا ''عَلٰى عَبْدِهٖ'' اس سورت میں کتاب کا ذکر عبد سے مقدم کیا اور اس سورت میں عبد کا ذکر کتاب سے پہلے کیا،ان میں الفاظ کی مشابہت اور کلام کے التئام سے ہم کو قرآنِ پاک کا اعجاز،اس کی حکمت باہرہ اور برھانِ واضح کا ادراک ہوتا ہے۔

كَاَنَّهٗ بِالضُّحٰى۔شاعر اس شعر میں ہرن کے بچے کی تعریف کرتا ہے۔خرطوم شراب کا نام ہے یعنی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شراب اس کے سر میں سرایت کیے ہوئے ہے۔طَوَى النَّحْزُ وَالْاَجْرَازُ۔ النحز سے مراد مہمیز کی چبھن ہے۔نحاز اس مرض کو کہتے ہیں جو اونٹ کو لگتی ہے۔نحیزہ طبیعت،ذبح کی ہوئی اور بنی ہوئی چیز کو کہتے ہیں مثلاً جانور کا تنگ۔الْجَرَاشِعُ۔جَرْشَعُ کی جمع ہے صاحب العین کہتے ہیں عظیم سینے کو جرشع کہا جاتا ہے۔اس شعر کا معنی یہ ہے کہ لاغری کی وجہ سے اس کی پسلیاں پھول چکی تھیں اور وہ بلند سینے کی طرح نمایاں تھیں۔

الرقیم،اصحاب کہف

الرقیم کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رقیم سے مراد کتا ہے۔حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد وہ گاؤں ہے جس سے وہ جوان

اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۝ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا۝ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا۝ (کہف)

(یاد کرو) جب پناہ لی ان جوانوں نے غار میں پھر انہوں نے دعا مانگی اے ہمارے رب ہمیں مرحمت فرما اپنی جناب سے رحمت اور مہیا فرما ہمارے لئے اس کام میں ہدایت پس ہم نے

نکالے گئے تھے۔ یہ بھی کہا گیا کہ یہ وادی کا نام ہے۔ اس سے مراد چٹان ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ تختی ہے جس میں ان کا نام، دین اور ان کا قصہ مرقوم تھا۔ حضرت ابن عباس کا فرمان ہے۔

كُلُّ الْقُرْاٰنِ اَعْلَمُ اِلَّا الرَّقِيْمَ والغِسْلِيْنِ وَحَنَانًا وَالاَوَّاهَ۔

میں رقیم، غسلین، حنان اور الاواہ کے علاوہ تمام قرآن جانتا ہوں۔

اصحاب کہف کے نام بھی کتابوں میں قدرے اختلاف کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ ان کے اسماء یہ ہیں۔ ا۔ ملیخا ۲۔ کسلیما ۳۔ مرطوش بن انس ۴۔ اریطانس ۵۔ ایونس ۶۔ شاطیطوش ان کے شہر کا نام افوس تھا۔ کیا ابھی تک وہ باقی ہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ان میں سے کسی چیز کے باقی ہونے میں تعجب کا اظہار کیا ہے۔ ان کا قول ہے کہ وہ بعثت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے پہلے ہی مٹی ہو چکے تھے۔ بعض مؤرخین نے اس قول کے برعکس کہا ہے کہ زمین نے انہیں نہیں کھایا اور نہ ہی ان میں کسی قسم کا تغیر پیدا کیا ہے وہ قسطنطنیہ کے قریب ہیں۔ روایت ہے کہ وہ عنقریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت حج بھی کریں گے۔ (البدء لابن ابی خیثمہ)

احصی کا اعراب

ہم نے احصی کے اعراب کے بارے میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے اس میں ہم نے اس کے اعراب کے متعلق زجاج کا وہم بھی ذکر کیا ہے انہوں نے احصی کو اسم بنایا ہے اور مبتداء کی خبر ہونے کی وجہ سے اسے مرفوع کہا ہے۔ اَمَدًا کو تمیز بنایا ہے لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ تمیز معنی میں فاعل ہوتی ہے۔ جب تو یہ کہے اَیُّهُمْ اَعْلَمُ اَبًا تو اس میں الاب ہی عالم ہے۔ اگر تو یہ کہے کہ اَیُّهُمْ اَفْرَهُ عَبْدًا۔ عبد ہی الفارہ ہے۔ اس قول سے یہ لازم آتا ہے کہ اَمَدًا، احصاء کا فاعل ہو۔ یہ محال ہے بلکہ یہ مفعول ہے۔ احصی فعل ماضی ہے یہ امدا کا ناصب ہے ہم نے اس رسالہ میں تحریر کیا ہے کہ اَیُّهُمْ میں ماقبل کے اعتبار سے نصب دینا بھی جائز ہے یعنی جب اسے خبر بنایا جائے۔ جب یہ ان شروط پر پورا اترے جو ہم

بند کر دیئے ان کے کان (سننے سے) اس غار میں کئی سال تک جو گنے ہوئے تھے پھر ہم نے انہیں پیدا کر دیا تا کہ ہم دیکھیں کہ ان دو گروہوں میں سے کون صحیح شمار کر سکتا ہے اس مدت کا جو وہ (غار میں) ٹھہرے تھے؟

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ

(اے حبیب!) ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ان کی خبر ٹھیک ٹھیک۔

اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى ۝ وَّ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ۝ (کہف: ۱۳۔ ۱۴)

بے شک وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کے (نورِ) ہدایت میں اضافہ کر دیا اور ہم نے مضبوط کر دیا ان کے دلوں کو جب وہ راہِ حق میں کھڑے ہو گئے تو انہوں نے (برملا) کہہ دیا ہمارا پروردگار وہ ہے جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمینوں کا ہم ہرگز نہیں پکاریں گے اس کے سوا کسی معبود کو (اگر ہم ایسا کریں) تو گویا ہم نے ایسی بات کہی جو حق سے دور ہے۔

نے وہاں ذکر کی ہیں۔

الغرب، تزاور الشمس اور داستان کا فائدہ

فَضَرَبْنَا عَلٰى آذَانِهِمْ۔ ہم نے انہیں سلا دیا۔ سونے والے (نائم) کے متعلق کہا جاتا ہے۔ ضُرِبَ عَلٰى اُذُنِهٖ۔ کیونکہ سونے والا سمع (سننے) کے اعتبار سے متنبہ ہوتا ہے۔ یہاں الضرب، ضُرِبَتِ الْقُفْلُ عَلَى الْبَابِ۔ سے مستعار ہے۔

تَقْرِضُهُمْ۔ سورج ان کے بالمقابل تھا۔ اس کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ سورج ان پر سے آہستہ آہستہ گزرتا تھا۔ القرض کا معنی کائنات ہے یعنی سورج وہاں کی زمین سے گزرتا تھا۔ یہ لفظی شرح ہے۔ معنی کے اعتبار سے اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ زمین کے اس حصہ میں تھے جہاں دھوپ داخل نہ ہوتی تھی جو انہیں جلاتی اور ان کے کپڑے بوسیدہ کرتی وہ دائیں بائیں کروٹیں بدلتے رہے تا کہ زمین انہیں کھا نہ سکے۔ اس داستان کا ایک عظیم فائدہ نماز میں ان کی کیفیت بیان کرنا ہے اور ان کے کتے کی حالت بیان کرنا ہے کہ وہ کہاں تھا وہ دروازے کی چوکھٹ پر تھا۔ غار کا دروازہ شمال کی طرف تھا اس میں وہی حکمت پنہاں ہے جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ انہیں دیکھنے والا انہیں پہچان نہیں سکتا تھا کیونکہ انہیں

انہوں نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔ جس طرح کہ (مشرکین) تم نے میرے شریک ٹھہرائے ہیں جن کے متعلق تمہیں کوئی علم نہیں۔ ابن ہشام کہتے ہیں الشطط کا معنی غلو اور حق سے تجاوز کرنا ہے۔ بنو قیس کا اعشیٰ کہتا ہے۔

لَا يَنْتَهُوْنَ وَ لَا يَنْهَى ذَوِى شَطَطٍ كَالطَّعْنِ يَذْهَبُ فِيهِ الزَّيْتُ وَالْفُتُلُ

وہ رک نہیں سکتے اور نہ ہی انہیں برچھی کا ایسا زخم روک سکتا ہے جس میں تیل اور فتیلہ دونوں چلے جائیں۔

هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ (کہف: ۱۵)

یہ ہماری قوم ہے جنہوں نے بنا لیا ہے اس کے سوا غیروں کو (اپنے) خدا کیوں نہیں پیش کرتے ان (کی خدائی) پر کوئی ایسی دلیل جو روشن ہو۔

سلطان بین سے مراد کامل دلیل ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ (کہف: ۱۵ تا ۱۷)

دیکھنے سے مرعوب ہو جاتا تھا۔ ان کے احوال سے ان باریک دقائق میں غور کرنا ممکن نہ تھا، جبکہ نبی اکرم ﷺ نے تو انہیں کبھی دیکھا بھی نہ تھا، نہ ہی ان کے متعلق سنا تھا نہ ہی کسی کتاب میں ان کے اوصاف پڑھے تھے کیونکہ آپ ﷺ امی تھے جو امی امت میں جلوہ نما ہوئے تھے آپ ﷺ اس واقعہ کے متعلق وہ باتیں لے کر آئے ہیں جنہیں وہ شخص بھی نہیں لا سکتا جس نے اصحاب کہف کو دیکھا ہو۔ حتیٰ کہ ان کے کتے کا بھی ذکر کیا اس کی جگہ اور اس کے بیٹھنے کے انداز کا تذکرہ کیا کہ اس نے دروازہ پر اپنے بازو پھیلا رکھے تھے جبکہ اصحاب کہف کشادہ درے میں تھے۔ یہ سب کچھ نبوت مصطفیٰ ﷺ پر ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ آپ ﷺ کی صداقت کی بہت بڑی برہان ہے اور یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ آپ ﷺ یہ کلام خود گھڑنے والے نہیں جس طرح کہ قریش کا گمان تھا۔ ان اوصاف کے مضمون پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے آگاہی حاصل کر۔ ان شاء اللہ تو اس چیز سے بچ جائے گا جس کی وجہ سے ملحد اس آیت کو کتاب اللہ سے چھپاتے پھرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس تذکرے کا کیا فائدہ ہے کہ سورج ان سے انحراف کرتے ہوئے گزر جاتا ہے۔ ہر اس گھر میں اسی طرح ہوتا ہے جس کا دروازہ شمال کی طرف ہو۔ اہل معانی نے اس کے بہت سے فوائد بیان کئے ہیں۔ پہلا فائدہ تو یہ

ورنہ پھر اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتا ہے اور جب تم الگ ہو گئے ہو ان (کفار) سے اور ان معبودوں سے جن کی یہ پوجا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا تو اب پناہ لو غار میں پھیلا دے گا تمہارے لئے تمہارا رب اپنی رحمت (کا دامن) اور مہیا کر دے گا تمہارے لئے تمہارے اس کام میں آسانیاں اور تو دیکھے گا سورج کو جب وہ ابھرتا ہے تو ہٹ کر گزرتا ہے ان کے غار سے دائیں جانب اور جب وہ ڈوبتا ہے تو بائیں طرف کتراتا ہوا ڈوبتا ہے اور وہ (سورہے) ہیں ایک کشادہ جگہ غار میں۔

ابن ہشام کہتے ہیں تزاور کا معنی مائل ہونا ہے۔ یہ الزور سے مشتق ہے۔ امرؤالقیس بن حجر کہتا ہے۔

وَ اِنِّی زَعِیْمٌ اِنْ رَجَعْتُ مُمَلَّکًا بِسَیْرٍ تَرٰی مِنْهُ الْفَرَانِقُ اَزْوَرَا

میں سردار ہوں اگر میں شہنشاہ بن کر ایسی چال سے پلٹوں تو تو دیکھے گا کہ خطرساں بھی ایسے چال چلنے سے پہلو تہی کرتا ہے۔

ابوزحف الکلیبی شہر کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے۔

جَابُ الْمُنْدٰی عَنْ هَوَانَا اَزْوَرُ یُنْفِی الْمَطَایَا خِمْسُهُ الْعَشَنْزَرُ

اونٹوں کو پانی پلانے والی جگہ درست نہیں ہے۔ وہ ہمارے تقاضوں کو پورا نہیں کرتی۔ اونٹوں کو پانچویں روز پانی پلانا انہیں ناتواں کر دیتا ہے۔

تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ۔ سورج ان سے تجاوز کر جاتا تھا اور انہیں اپنے شمال کی جانب

ہے کہ اس سے اس لطف کا پتہ چلتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس جگہ رکھا جہاں سورج بھی ان سے ہٹ کر گزرتا تھا اور انہیں اذیت نہ دیتا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کتے کے تذکرے اور اس کے بیٹھنے کے انداز کو ذکر کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ اس سے کیسے لطف کا اظہار ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کو بیان کرتے وقت کسی چیز کو نہیں چھوڑا حتیٰ کہ ان کے کتے کی حالت کو بیان کیا، جبکہ انہیں دیکھنے والا رعب کی وجہ سے ان پر مطلع ہونے سے معذور تھا تو پھر وہ شخص ان کی حالت کو کیسے بیان کر سکتا ہے جس نے نہ تو انہیں دیکھا ہو اور نہ ہی ان کے متعلق سنا ہو؟۔ اگر وہ وحی نہ ہوتی جو بارگاہِ ربوبیت سے حضور ﷺ پر واضح اور شافی بیان لے کر آتی تھی اور وہ رعب بھی نہ ہوتا جو اصحاب کہف کی زیارت کرنے والے کو آلیتا تھا تو پھر مخالفین کی کامیابی کے امکانات کافی تھے۔

چھوڑ دیتا تھا۔ ذوالرمہ کہتا ہے۔

اِلٰی ظُعُنٍ یَقْرِضْنَ اَقْوَازَ مُشْرِفٍ شِمَالاً وَ عَنْ اَیْمَانِہِنَّ الْفَوَارِسُ

میرا رجحان ان اونٹوں کی طرف ہے جن پر ہودے کسے ہوئے ہیں جو ریت کے بلند و بالا ٹیلوں کو اپنے شمال کی سمت چھوڑ کر چلتے جا رہے ہیں اور ان کے دائیں جانب گھڑسوار ہیں۔

فجوۃ کا معنی وسعت ہے اس کی جمع فجاء ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

اَلْبَسْتَ قَوْمَكَ مَخْزَاۃً وَ مَنْقَصَۃً حَتّٰی اُبِیْحُوْا وَ خَلُّوْا فَجْوَۃَ الدَّارِ

تو نے اپنی قوم کو ذلت و رسوائی کی پوشاک پہنا دی، حتیٰ کہ لوگ انہیں مباح اور حلال سمجھنے لگے اور انہوں نے گھر کے وسیع صحن کو چھوڑ دیا۔

ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ۔

(سورج کا) یوں (طلوع و غروب) اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔

یہ ان لوگوں کے خلاف حجت ہے جنہوں نے اصحاب کہف کے کچھ حالات اصل کتاب سے جان لئے اور ان کے خلاف بھی دلیل ہے جنہوں نے قریش مکہ کو آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کے لئے آپ ﷺ سے پوچھنے کے لئے کہا۔

مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا ۝ وَتَحْسَبُهُمْ اَیْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْهِ بِالْوَصِیْدِ (کہف: ۱۷ تا ۱۸)

(حقیقت یہ ہے) کہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے تو تو نہیں پائے گا اس کے لئے کوئی مددگار (اور) رہنما اور (اگر تو دیکھے تو) تو انہیں بیدار خیال کرے گا حالانکہ وہ سو رہے ہیں اور ہم ان کی کروٹ بدلتے رہتے ہیں (کبھی) دائیں

فِیْ فَجْوَۃٍ مِّنْہُ۔ اس کا معنی فضاء ہے یعنی اگرچہ وہ کشادہ درے میں تھے پھر بھی انہیں دھوپ کا سامنا نہ کرنا پڑتا تھا۔ ابن سلام کہتے تھے یہ ایک نشانی ہے سال میں دو مرتبہ ان کے پہلو بدلے جاتے تھے جبکہ کتے کا پہلو نہ بدلا جاتا تھا اس کے باوجود زمین نے اسے نہیں کھایا کیونکہ ملائکہ ان کے پہلو بدلتے تھے۔ ملائکہ دنیا اور آخرت میں مومنین کے دوست ہیں جبکہ کتا اس آیت سے خارج ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق بالوصید کہا ہے یعنی وہ غار کے صحن میں تھا ان کے ساتھ غار میں داخل نہ تھا کیونکہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو۔ اس کلام میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں ابن سلام کہتے ہیں۔ اصحاب کہف کے پہلو پہلی نیند میں، زندہ ہونے سے قبل بدلتے جاتے

جانب اور (کبھی) بائیں جانب اور ان کا کتا پھیلائے بیٹھا ہے اپنے دونوں بازو ان کی دہلیز پر۔
ابن ہشام نے کہا ہے کہ وصید کا معنی دروازہ ہے عبید بن وہب کا شعر ہے۔

بِاَرْضٍ فَلَاةٍ لَا يُسَدُّ وَصِيْدُهَا عَلَيَّ وَ مَعْرُوْفِي بِهَا غَيْرُ مُنْكَرٍ

ایسے بے آب و گیاہ جنگل میں جس کا دروازہ مجھ پر بند نہیں کیا جا سکتا اور وہاں میری نیکی بھی معروف ہے۔

وَصِیْد کے معنی صحن کے بھی ہیں اس کی جمع وَصَائد، وصد، وصدان، اصد اور اصدان آتی ہے۔

لَوِاطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا

اگر تو جھانک کر انہیں دیکھے تو ان سے منہ پھیر کر بھاگ کھڑا ہو اور تو بھر جائے ان کی (منزل) کو دیکھ کر ہیبت سے۔

قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ

اور کہنے لگے وہ لوگ جو غالب تھے اپنے کام پر۔

تھے۔ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا .... اسی آیت سے بعض اہل علم نے یہ استدلال کیا ہے کہ وہ لوگ مسلمان تھے اسی لئے انہوں نے کہا تھا کہ ہم ان کے پاس مسجد بنا لیتے ہیں۔ امام الطبری نے بیان کیا ہے کہ اصحاب کہف کے اٹھنے سے پہلے وہ لوگ اجساد اور ارواح کے متعلق جھگڑا کرتے تھے کہ روزِ حشر ان کا اعادہ کیسے ہوگا۔ ایک قوم کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اجسام کو اسی طرح لوٹایا جائے گا جس طرح وہ اپنی ارواح کے ساتھ تھے جس طرح کہ اہل اسلام کا بھی یہی نقطہ نظر ہے لیکن دوسرا گروہ ان کی مخالفت کرتا تھا وہ کہتے صرف روحیں اٹھائی جائیں گی اجسام کو نہیں لوٹا جائے گا۔ جس طرح کہ عیسائیوں کا نظریہ ہے۔ اسی اختلاف کی وجہ سے اس کے مابین فساد پھیل گیا۔ ان کے بادشاہ کو یہ اختلاف بڑا ناگوار گزرا۔ اس نے کھردرے کپڑے پہن لئے۔ راکھ کو بکھیر دیا اور آہ و فغان کرنے لگا اس نے بارگاہِ صمدیت میں التجا کی کہ وہ اس کی قوم کے اختلاف میں فیصلہ فرما دے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو زندہ فرما دیا۔ یہ واقعہ ہر کسی کو معلوم ہو گیا۔ بادشاہ نے اپنی قوم سے کہا۔ اللہ رب العزت نے تمہارے لئے یہ نشانی اس لئے ظاہر فرمائی، تاکہ تم متفق ہو جاؤ اور جان لو کہ اللہ رب العزت نے جس طرح اصحاب کہف کو زندہ فرمایا ہے ان کی ارواح ان کے ہی اجسام کی طرف لوٹائی ہیں اسی طرح وہ روزِ حشر ان کا اعادہ فرمائے گا۔ تمام قوم نے بادشاہ کے قول کی طرف رجوع کیا اور جان لیا کہ حق یہی ہے۔

یعنی والیانِ شہر اور صاحبانِ اقتدار۔

لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا سَيَقُوْلُوْنَ

کہ بخدا ہم تو ضرور ان پر ایک مسجد بنائیں گے کچھ کہیں گے۔

یعنی وہ یہودی علماء جنہوں نے اصحابِ کہف کے متعلق سوال کرنے کے لئے کہا تھا۔

ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ

کہ اصحاب کہف تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا کچھ کہیں گے کہ وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا یہ سب تخمینے ہیں بن دیکھے۔ (یعنی انہیں کوئی علم نہیں)

وَ يَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّ ثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ڬ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَاۗءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ۝ (کہف)

اور کچھ کہیں گے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا آپ فرمایئے (اس بحث کو رہنے دو) میرا رب بہتر جانتا ہے ان کی تعداد کو (اور) نہیں جانتے ان (کی صحیح تعداد) کو مگر چند آدمی سو بحث نہ کرو ان کے بارے میں بجز اس کے کہ سرسری سی گفتگو ہو جائے اور نہ دریافت کرو ان کے متعلق (اہل کتاب) میں سے کسی اور سے۔

کیونکہ انہیں اس کا علم نہیں ہے۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّىْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓي اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۝ (کہف۔ ۲۳۔ ۲۴)

واؤ ثمانیہ: اللہ کے ارشاد مبارک وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ میں واؤ کو واؤ ثمانیہ کہا جاتا ہے۔ ہم نے اس کی تفصیل میں ایک پورا باب لکھا ہے۔ اس جگہ کے متعلقہ گفتگو یہ ہے کہ یہ واؤ کہنے والوں کی تصدیق پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ عاطفہ ہے اور اس سے پہلے محذوف کلام ''نعم'' ہے مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ اِنَّ زَيْدًا شَاعِرٌ۔ زید شاعر ہے۔ تو اسے کہے وفقیہٌ اور فقیہ بھی۔ اب گویا کہ تو اس کی تصدیق کر رہا ہے کہ وہ شاعر بھی ہے اور فقیہ بھی۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ سے عرض کی گئی کہ اَيُتَوَضَّأُ بِمَا اَفْضَلَتِ الْحُمُرُ فَقَالَ وَ بِمَا اَفْضَلَتِ السِّبَاعُ۔ کیا بقیہ شراب سے وضو کرنا جائز ہے آپ ﷺ نے فرمایا اور درندوں کے جھوٹے سے بھی وضو جائز ہے۔ آپ ﷺ کا اصل فرمان یوں تھا نَعَمْ وَ بِمَا اَفْضَلَتِ السِّبَاعُ۔ بقیہ شراب سے وضوء کرنا جائز ہے اور اسی طرح درندے کے جھوٹے بقیہ پانی سے بھی وضوء کیا جا سکتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

ہرگز نہ کہنا کسی چیز کے متعلق کہ میں اسے کرنے والا ہوں کل مگر (یہ کہ ساتھ یہ بھی کہو) اگر چاہا اللہ تعالیٰ نے اور یاد کرا اپنے رب کو جب تو بھول جائے (یہ بھی) کہو کہ مجھے امید ہے کہ دکھا دے گا مجھے میرا رب اس سے بھی قریب تر ہدایت کی راہ۔

اگر وہ آپ ﷺ سے کسی چیز کے متعلق سوال کریں تو آپ ﷺ انہیں اِنِّی مُخْبِرُ وُکُم غَدًا (میں تمہیں اس کے متعلق بتاؤں گا) نہ کہا کریں بلکہ ساتھ ان شاء اللہ بھی کہا کریں، جب

وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ

''اور روزی دے اس کے باشندوں کو طرح طرح کے پھلوں سے (یعنی) جو ان میں سے ایمان لائے اللہ پر اور روزِ قیامت پر اللہ نے فرمایا (ان میں سے) جس نے کفر بھی کیا''۔

یہ فرمان بھی اسی طرح ہے۔ اسی طرح علماء کے متعلق خبر دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَیَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ۔ جواب میں ذات باری تعالیٰ نے فرمایا (وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ) یہ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ، رَابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ کی طرح نہیں ہے کیونکہ یہ اپنے ماقبل کی صفت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول رَجْمًا بِالْغَيْبِ کے تحت ہے۔

آیۃ الاستثناء

اللہ تعالیٰ کا فرمان وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَيْءٍ کی تفسیر میں ابن اسحاق نے لکھا ہے اَیْ اسْتَثْنِ شِيْئَةَ اللّٰهِ۔ مشیت الٰہیہ سے مستثنیٰ کیا کریں۔ الشیئۃ شاء، یشاء کا مصدر ہے جس طرح خاف یخاف کا مصدر خیفہ ہے۔ اگر اس معنی سے اس آیت کی تفسیر کی جائے تو پھر آیت کا یہ لفظ انتہائی مشکل ہے کیونکہ اللہ کا قول ''لَا تَقُوْلَنَّ لِشَيْئٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا'' اس کلام کرنے سے روکنا ہے لیکن پھر ''اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ'' سے اسی کلام کو کرنے سے منع نہ کرنا ہے۔ اس طرح وہ شخص جسے اس قول سے روکا گیا اسے ''اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ'' متصل کر کے بھی ایسا کہنے سے روکا جائے۔ یہ محال ہے اس شخص کا قول ''اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ'' اللہ کی جانب سے استثناء ہوگا۔ یہ عزیمت نہی کے لئے نقض ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کا بطلان ہے۔ جب سردار اپنے غلام سے کہتا ہے لَا تَقُمْ اِلَّا اَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَقُوْمَ۔ کھڑا نہ ہو مگر یہ کہ جب اللہ چاہے کہ تو کھڑا ہو جائے۔ گویا کہ اس نے نہی کی گرہ کو خود ہی کھول دیا کیونکہ کسی فعل کے لئے اللہ کی منشاء صرف ''بالفعل'' معلوم ہو سکتی ہے۔ بندہ کھڑا ہو جائے اور یہ کہے قَدْ شَاءَ اللّٰهُ اَنْ نَقُوْمَ۔ اللہ کی منشاء ہے کہ ہم کھڑے ہو جائیں۔ لیکن یہ نہی اس معنی پر نہیں۔ حرف استثناء نہی کی طرف نہیں لوٹتا اور اس کا تعلق اس کلام سے ہے جس سے بندے کو روکا گیا ہے۔ اس طرح اس کا اشکال

واضح ہو گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کلام میں حذف اور اضمار ہے اور وہ ہے وَلَا تَقُولَنَّ اِنِّی فَاعِلٌ ذَالِكَ اِلَّا ذَاكِرًا اِلَّا اَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ اَوْ نَاطِقًا بِاَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تو اللہ کی مشیت کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہہ کہ میں اسے کل کروں گا کیونکہ الشیئہ مصدر ہے اور اَنْ اور فعل بھی مصدر کی تاویل میں ہوتا ہے۔ یہ مصدر اعراب میں قول مضمر کا مفعول ہے۔ اہل عرب ''قول'' کو حذف کر دیتے ہیں اور صرف مقولہ پر اکتفاء کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ (آل عمران:۱۰۶)

تو وہ جو سیاہ رو ہوں گے (انہیں کہا جائے گا) کہ کیا تم نے کفر اختیار کر لیا تھا۔

اَكَفَرْتُمْ سے پہلے يُقَالُ لَهُمْ (ان سے کہا جائے گا) محذوف ہے قول کو حذف کر دیا گیا اور مقولہ کو باقی رکھا گیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ (الرعد:۲۴)

(یہ کہتے ہوئے) داخل ہوں گے ان پر ہر دروازہ سے سلامتی ہو تم پر۔

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ سے پہلے يَقُوْلُوْنَ محذوف ہے اسی طرح اللہ کا فرمان ''اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ'' کلام نہی ہے، پھر قول کو محذوف کیا اور وہ ''ذاکرا'' ہے جس کا ذکر ہم نے پہلے کیا ہے اس کے بعد مقولہ کو برقرار رکھا۔ اس مقام پر اسی قدر تشریح کافی ہے۔

وَلَبِثُوْا فِىْ كَهْفِهِمْ

ابن اسحاق کہتے ہیں اس سے قبل ''سَيَقُوْلُوْنَ ذَالِكَ'' محذوف ہے۔ یہ اس کی ایک تاویل ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے پہلے ''قالوا'' کا اضافہ کیا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں۔ ''قُلْ رَبِّىْٓ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا'' میں مؤلف یا کسی اور کی طرف سے وہم ہے۔ صحیح قرأت ''قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا'' ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے ٹھہرنے کی خبر دینا ہے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ قریش اور دیگر کفار اس مقدار کے علم سے محروم ہیں اور اس مسئلہ میں لوگوں کا اختلاف ہے تو فرمایا ''قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا''

ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا

یہ تین سو سال عجمی حساب کے اعتبار سے ہیں اور اگر چاند کا حساب لگایا جائے تو پھر نو سال کا اضافہ ہو جائے گا کیونکہ وہ مدت جو سورج کے اعتبار سے تین سو سال ہو چاند کے اعتبار سے اس میں نو سال کا

اس خیر کی طرف کرے گا جس کے متعلق تم مجھ سے پوچھ رہے ہو۔ آپ ﷺ آگاہ نہیں کہ میں

اضافہ ہو جاتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ثَلَاثُ مِائَةٍ سِنِيْنَ فرمایا ہے۔ سنین کی جگہ سَنَةً نہیں فرمایا، جیسا کہ عربی میں اعداد کی تمیز ہے کیونکہ مائۃ کا لفظ، واحد کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں سنین ماقبل کا بدل ہے یہ صرف اضافت اور تمیز نہیں ہے۔ ایک عظیم حکمت کی وجہ سے لفظ کو اضافت سے بدل کی طرف پھیرا گیا ہے۔ وہ خاص حکمت یہ ہے کہ اگر اللہ رب العزت ثَلَاثُ مِائَةِ سَنَةٍ فرماتا تو یہ صرف لوگوں میں سے ایک گروہ کا جواب ہوتا۔ حالانکہ لوگ اس کے متعلق دو گروہوں میں منقسم تھے۔ ایک گروہ اصحاب کہف کے قیام کی طوالت کو جانتا تھا، لیکن وہ سالوں کی تعداد کو نہیں جانتے تھے جبکہ دوسرا گروہ ان کے قیام کی طوالت سے ہی آشنا نہ تھا۔ وہ اصحاب کہف کے متعلق کسی چیز سے بھی آگاہ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ثَلَاثُ مِائَةٍ فرما کر ان لوگوں کو اس مدت کے بارے بتا دیا جس میں انہیں شک تھا۔ اسی طرح دوسرے گروہ کے لئے بھی بیان کر دیا کہ یہ مدت تین سو سال تھی۔ دن اور مہینوں میں محدود نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے عدد کے تذکرے اور معدود کو جمع کر کے دونوں کو آگاہ کرنے کا انتظام فرمایا۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ یہ بدل ہے کیونکہ بدل کا مقصد ماقبل کلام کی وضاحت کرنا ہوتا ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ یہود جانتے تھے کہ اصحاب کہف کا واقعہ بڑا عجیب ہے ان کا یہ تعجب ان کے طویل قیام کی وجہ سے تھا لیکن انہیں یقینی طور پر یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کی غار میں ٹھہرنے کی مدت تین سو سال تھی یا اس سے کم۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا وہ مدت تین سو سال تھی۔ پھر اہل عرب جنہوں نے اصحاب کہف کے متعلق کچھ نہیں سنا تھا انہوں نے پوچھا ان تین سو سے کیا مراد ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا اس سے مراد تین سو سال ہیں یہ تفسیر علامہ ضحاک سے روایت ہے اور اسے نحاس نے ذکر کیا ہے۔

سَنَةٌ اور عَامٌ میں فرق

اللہ رب العزت نے اس جگہ ''سنین'' کا لفظ ذکر کیا ہے۔ ''اعوام'' ذکر نہیں کیا۔ اہل عرب ان دونوں کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کرتے ہیں لیکن ان میں بلاغت اور علم کے اعتبار سے فرق ہے۔ قرآن پاک نے اس فرق کو پیش نظر رکھا ہے۔ ان میں پہلا فرق تو یہ ہے کہ ان کا مادۂ اشتقاق جدا جدا ہے سنۃ، سَنَا يَسْنُو سے مشتق ہے۔ اس کا معنی جانور کا کنویں کے اردگرد چکر لگانا ہے اسی لئے جانور کو ''اَلسَّانِيَة'' بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح سال سورج کے چکروں میں سے ایک چکر ہے۔ اسی لئے سنۃ کو دار بھی کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے اِنَّ بَيْنَ آدَمَ وَ نُوْحٍ اَلْفَ دَارٍ حضرت آدم اور حضرت

کیا کرنے والا ہوں۔

وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا۝ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ

نوح علیہما السلام کے مابین ایک ہزار سال کی مدت تھی۔ داڑ کا معنی سنۃ (سال) ہے۔ اہل عرب قحط کی شدت کو بھی سَنَۃ کہتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ۔ (الاعراف: ۱۳۰)

اور بیشک ہم نے پکڑ لیا فرعونیوں کو قحط سالی سے۔

جب کوئی قوم قحط سالی کا شکار ہوتی ہے تو کہا جاتا ہے اَسْنَتَ الْقَوْمُ۔ اس کا وزن اَفْعَتُوْا ہے۔ ''اِفْعَلُوْا'' نہیں ہے سیبویہ نے تاء کو واؤ کا بدل قرار دیا ہے ان کے نزدیک یہ ''اِفْعَلُوْا'' کے وزن پر ہے کیونکہ خشک سالی اور خوش حالی کا تعلق موسم گرما اور موسم سرما کے ساتھ ہے عجمی سالوں کا حساب سورج کے لحاظ سے کرتے ہیں۔ اصحاب کہف بھی عجمی تھے نصاریٰ ان کی داستان سے آشنا تھے اور اس کا حساب رکھتے تھے۔ اسی لئے قرآن پاک میں ''سنین'' کا ذکر کیا تا کہ ان کے حساب سے موافقت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان ''وَازْدَادُوْا تِسْعًا'' سے فائدہ کو مکمل کیا تا کہ اہل عرب کے حساب سے موافقت ہو جائے کیونکہ وہ قمری مہینوں سے حساب لگاتے تھے مثلاً محرم، صفر وغیرہ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں غور کرو۔

تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا (یوسف: ۴۷)

آپ نے فرمایا کہ تم کاشت کرو گے سات سال حسب دستور۔

یہاں بھی ''اعوام'' کا ذکر نہیں کیا یہ بھی ہمارے سابقہ نقطہ نظر کی دلیل ہے پھر اللہ رب العزت نے فرمایا۔

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ (یوسف: ۴۹)

پھر آئے گا اس (خوشحالی کے بعد) ایک سال۔

اب سنۃ نہ کہا تا کہ لفظ مشترک سے عدول ہو جائے کیونکہ سنۃ سے کبھی کبھی شدت اور سختی بھی مراد لی جاتی ہے اگر سنۃ کا لفظ استعمال کیا جاتا تو ذہن اس کی طرف جاتا۔ عام، دنوں کے اعتبار سے بھی سنۃ سے کم ہے کیونکہ خواب سات شدید سالوں پر دلالت کرتی تھی۔ جب یہ تعداد پوری ہو گئی تو پھر خوشحالی آ گئی۔ خواب میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس خوشحالی کی مدت پر دلالت کرے اس کا ایک سال سے کم ہونا ناممکن ہے اور سال سے زیادہ ہونا بھی مشکوک ہے۔ خواب اس کا تقاضا نہیں کرتی۔ لہٰذا اَقَلُّ کا حکم لگایا

الْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ ؗ وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ (کہف)

اور (اہل کتاب کہتے ہیں کہ) وہ ٹھہرے رہے اپنے غار میں تین سو سال اور زیادہ کئے انہوں نے (اس پر) نو سال آپ فرمایئے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جتنی مدت وہ ٹھہرے اسی کے لئے (علم) غیب ہے آسمانوں اور زمین کا وہ بڑا دیکھنے والا ہے اور سب باتیں سننے والا ہے۔ نہیں ان کا اس کے سوا کوئی دوست اور وہ نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو۔

دیا گیا اور ایک سال سے زیادہ مدت میں جو شک تھا اسے ترک کر دیا گیا۔ اس جگہ لفظ ''عام'' کو استعمال کرنے کے یہ دو فوائد ہیں۔

وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً۔ (وہ چالیس سال کا ہو گیا) میں لفظ سنۃ کا تذکرہ کیا جو عام سے طویل ہوتا ہے کیونکہ اس آیت میں انسان کے بڑھاپے اور اس کی قوت وتوانائی کے پورا ہونے کی خبر دینا مقصود ہے۔ اس لئے یہاں لفظ سنۃ مناسب تھا کیونکہ یہ عام سے زیادہ کامل ہوتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں سن (عمر) کے متعلق خبر دینا مقصود ہے۔ اس لئے یہی لفظ بہتر تھا کیونکہ حیوان میں عمر کا اعتبار شمسی سال سے ہی کیا جاتا ہے کیونکہ حمل موسم بہار اور موسم گرما میں ہوتا ہے اسی لئے بکیر (پہلے بچے) کو ''ربعی'' دوسرے کو ''صیفی'' کہا جاتا ہے زاجر کہتا ہے۔

اِنَّ بَنِیَّ صِبْیَةٌ صَیْفِیُّوْنَ اَفْلَحَ مَنْ کَانَ لَهٗ رِبْعِیُّوْنَ

میرا بچہ ''صیفیون'' میں سے ہے اور کامیاب وہ ہوتا ہے جس کا بچہ ''ربعیون'' میں سے ہو۔ سنین اگر چہ اونٹ وغیرہ کے لئے استعمال ہوتا ہے مثلاً اِبْنُ سَنَةٍ، اِبْنُ سَنَتَیْنِ کیونکہ دراصل یہ لفظ جانوروں کے لئے ہی وضع کردہ ہے مگر اس کا استعمال انسانوں کے لئے بھی ہونے لگا۔ وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ فِیْ عَامَیْنِ۔ میں لفظ عام کو استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ارشاد ربانی ہے۔

یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ (البقرۃ:۱۸۹)

دریافت کرتے ہیں آپ سے نئے چاندوں کے متعلق (کہ یہ کیونکر گھٹتے بڑھتے ہیں) فرمایئے یہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں کے لئے اور حج کے لئے۔ رضاعت کا تعلق بھی احکام شرعیہ سے ہے اس لئے اس میں ہم نے قمری مہینوں پر انحصار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک: یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا (توبہ:۳۷) '' حلال کر دیتے ہیں ایک ماہ کو ایک سال اور حرام کر دیتے ہیں''۔ میں سنۃ کا لفظ اس لئے استعمال نہیں کیا گیا کیونکہ اس سے مراد محرم اور ربیع کا مہینہ ہے

سیاح شخص کے متعلق سوال کا جواب

سیاح شخص کے متعلق سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًاؕ﴿۸۳﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ وَ اٰتَیْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًاۙ﴿۸۴﴾ فَاَتْبَعَ سَبَبًا﴿۸۵﴾ (الکھف: ۸۳ تا ۸۵)

کیونکہ اہل عرب ستمبر اور اکتوبر وغیرہ سے حساب نہیں لگاتے تھے یہ شمسی مہینے ہیں۔ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ (بقرہ: ۲۵۹) ''سو مردہ رکھا اسے اللہ تعالیٰ نے سو سال تک''۔ اس میں حضور نبی اکرم ﷺ کی امت کو ایک شخص کے متعلق بتانا مقصود ہے اور ان کا حساب قمری مہینوں کے اعتبار سے ہوتا ہے اس لئے ''عام'' ذکر کیا۔ ارشاد ربانی ہے: فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا (العنکبوت: ۱۴) ''تو وہ ٹھہرے رہے اس میں پچاس کم ہزار سال''۔ میں لفظ سنۃ اس لئے استعمال کیا کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی ساری زندگی مصائب سے بھری ہوئی تھی صرف آخری سالوں میں خوشحالی کا دور دورہ ہوا آپ علیہ السلام کے پاس مدد آ گئی۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ کو علم تھا آپ علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال تھی مگر ان میں سے پچاس ''عام'' تھے، آپ علیہ السلام کی عمر مبارک ہزار سال تھی مگر اس میں پچاس سال میں وہ کمی تھی جو شمسی مہینوں اور قمری مہینوں کے اعتبار سے ہوتی ہے کیونکہ اگر پچاس سال کا حساب قمری مہینوں سے لگایا جائے تو اس میں شمسی مہینوں کے اعتبار سے ڈیڑھ سال کی کمی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی عمر کے اس فرق کو جانتا تھا اس لئے لفظ عام ذکر کیا۔ یہ لفظ اسی معنی کے موافق ہے۔ پہلا قول زیادہ درست ہے۔ نزول قرآن اور الفاظ کو برمحل استعمال کرنے کا علم، انسان کے لئے اعجازِ قرآن کے نئے دروازے کھول دیتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو بھی آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍۚ (المعارج: ۴)، وَ اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴿۴۷﴾ (الحج) ''اور بے شک ایک دن تیرے رب کے ہاں ایک ہزار سال کی طرح ہوتا ہے جس حساب سے تم گنتی کرتے ہو''۔ اس دن اور اس روز کی طوالت کی وجہ سے یہاں سنۃ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور یہی مناسب ہے۔

ذوالقرنین

حضور ﷺ سے ذوالقرنین کے متعلق روایت ہے۔ اِنَّهُ مَلِكًا مَسَحَ الْاَرْضَ بِالْاَسْبَابِ۔ ''وہ بادشاہ تھا جس نے اسباب کے ذریعے زمین کی پیمائش کی''۔

اسباب کا کیا معنی ہے؟ اس کے متعلق مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں جو آپس میں ملتے جلتے

اور وہ دریافت کرتے ہیں آپ سے ذی القرنین کے متعلق فرمایئے میں ابھی بیان کرتا ہوں تمہارے سامنے اس کا حال ہم نے اقتدار بخشا تھا اسے زمین میں اور ہم نے دیا تھا اسے ہر چیز (تک رسائی حاصل کرنے) کا ساز و سامان پس وہ روانہ ہوا ایک راہ پر۔

ذوالقرنین کا واقعہ یہ ہے اسے وہ کچھ ملا جو اس کے علاوہ کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوا۔ اسے اسباب عطا کئے گئے حتیٰ کہ وہ زمین کے مشارق و مغارب تک پہنچ گیا۔ وہ جس زمین پر بھی قدم

ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا فَاَتْبَعَ سَبَبًا (الکہف) ''اور ہم نے دیا تھا اسے ہر چیز (تک رسائی حاصل کرنے) کا ساز و سامان پس وہ روانہ ہوا ایک راہ پر''۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں سَبَبًا سے مراد وہ علم ہے جس کی وہ پیروی کرتا تھا۔ فَاَتْبَعَ سَبَبًا میں سبباً سے مراد منزل تک لے جانے والا راستہ ہے۔ ابن ہشام کہتے ہیں۔ اس سے مراد نور کا پہاڑ ہے۔ فرشتہ اسے اٹھا کر بادشاہ کے آگے آگے چلتا تھا اور بادشاہ اس کے پیچھے پیچھے ہوتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس بادشاہ کا نام زیاقیل تھا۔

یہ قول اس شخص کی تائید کرتا ہے جو کہتا ہے ''سَبَبًا'' سے مراد راستہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی حدیث مبارک مَلِكٌ مَسَحَ الْاَرْضَ بِالْاَسْبَابِ سے بھی اسی کی توثیق ہوتی ہے۔ ذوالقرنین کا یہ نام کیوں پڑا۔ اس میں اسی طرح اختلاف ہے جس طرح اس کے نام اور اس کے والد کے نام میں اختلاف ہے۔ ابو الطفیل عامر بن واثلہ سے روایت ہے کہ ابن الکواء نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ ذوالقرنین نبی تھا کہ بادشاہ تھا؟ انہوں نے کہا وہ نہ تو نبی تھا اور نہ ہی بادشاہ تھا وہ ایک نیک شخص تھا جو اپنی قوم کو اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا تھا اس کی قوم نے اس کی کنپٹیوں پر دو چوٹیں لگائیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے بالوں کی دو گوندھی ہوئی رسیاں تھیں اہل عرب بالوں کے گچھے کو قرن کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ اس نے سورج کی دو شعاعوں کو پکڑ لیا۔ اس کی تعبیر یہ کی گئی ہے کہ اس سے مراد مشرق اور مغرب ہے۔ اسے علی بن ابی طالب القیر وانی العابد نے اپنی کتاب ''البستان'' میں ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں اسی وجہ سے اسے ذوالقرنین کہا جاتا تھا۔

ابن ہشام نے اس کا نام مرزبی بن مرذبہ لکھا ہے اس کا نام ہرمس اور ہردیس بھی بتایا جاتا ہے۔ ابن ہشام کی دوسری روایت کے مطابق اس کا نام صعب بن ذی مراثد تھا۔ یہی پہلا تبع تھا۔ اسی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے کنویں کا فیصلہ کیا تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق اس کا نام افریدون بن اثفیان تھا اور اسی نے ضحاک کو قتل کیا تھا۔

رکھتا وہاں کے لوگوں پر غلبہ پالیتا۔ حتیٰ کہ وہ مشرق مغرب کی ان انتہاؤں تک پہنچ گیا جن کے بعد مخلوق نہیں۔ ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے اس شخص نے روایت کیا ہے جو عجمیوں سے احادیث روایت کرتا تھا کہ ذوالقرنین مصر کا باشندہ تھا اس کا نام مرزبان بن مرذبۃ الیونانی تھا۔ یہ یونان بن یافث بن نوح کی اولاد میں سے تھا۔ ابن ہشام کہتے ہیں اس کا نام الاسکندر یہ تھا۔

روایت ہے کہ قیس بن ساعدۃ نے بازارِ عکاظ میں جو خطبہ دیا تھا اس میں اس نے کہا۔ ''اے معشیر ایاد! الصعب ذوالقرنین کہاں ہے، وہ پورب وپچھم کا مالک بنا اس نے جن وانس کو ذلیل کیا وہ دو ہزار سال تک زندہ رہا۔ یہ سب کچھ پلک جھپکنے کی دیر میں ہوگیا۔ ابن ہشام نے الاعشیٰ کا یہ شعر پڑھا۔

وَالصَّعْبُ ذُوالْقَرْنَيْنِ اَصْبَحَ ثَاوِيًا　　بالحِنْوِ فِي جَدَثٍ أُمَيْمُ مُقِيْمُ

''الصعب ذوالقرنین مقام حنو میں زیر زمین چلا گیا اسی مقام پر امیم بھی مقیم ہے''۔ الحنو سے مراد حنو قرار ہے۔ اسی مقام پر ذوالقرنین مرا تھا۔ یہ جگہ عراق میں ہے۔ ابن ہشام کہتے ہیں۔ ذوالقرنین کا تعلق مصر سے تھا اس کا نام سکندر تھا اور اسی نے ہی اسکندریہ شہر آباد کیا تھا لیکن یہ قول درست معلوم نہیں ہوتا۔ ممکن ہے اسکندر کا نام بھی ذوالقرنین رکھ دیا گیا ہو تا کہ پہلے ذوالقرنین سے مشابہت پیدا ہو جائے کیونکہ وہ مشرق ومغرب کا مالک بنا اس نے ایرانی شہنشاہوں کو ذلیل کیا۔ دارا ابن دارا کو قتل کیا اور روم وغیرہ کے بادشاہوں کو رسوا کیا۔ امام الطبری کہتے ہیں اسکندر سے مراد اسکندرروس بن قلیقوس ہے اسی کو ابن قلیس بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی ماں زنجیہ تھی یہ یا تو دارا اکبر کو بطور ہدیہ پیش کی گئی تھی یا اس نے اسے گرفتار کیا تھا لیکن اس کی منہ کی گندی بو نے اسے اس کے قریب جانے سے روک دیا۔ اندروس سے اس کا علاج کیا گیا، اس کے پیٹ میں دارا اصغر تھا جب وہ پیدا ہوا تو اسے واپس کر دیا گیا اور اسکندر کے والد نے اس سے شادی کر لی اس سے اسکندروس پیدا ہوا۔ اس کا نام اس اجڑی بوٹی سے مشتق ہے جس سے اس کی ماں کے منہ کی بو ختم ہوئی۔ حضرت زبیر سے روایت ہے کہ ذوالقرنین سے مراد عبداللہ بن الضحاک بن معد ہے۔ ابن حبیب نے ''المحبر'' میں صعب بن قرین کو ذوالقرنین کہا ہے۔ ممکن ہے مختلف اوقات کے بادشاہ اس نام سے موسوم ہوں۔ ان میں سے ہر ایک ذوالقرنین کہلاتا ہو۔ ان میں سے پہلا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں تھا۔ یہی حضرت خضر علیہ السلام کا ساتھی تھا جس نے آب حیات کے چشمہ کی جستجو کی تھی۔ حضرت خضر نے اسے پالیا لیکن ذوالقرنین اسے نہ پاسکا۔ اس کے اور اس کی فوج کے مابین ظلمات حائل ہوگئیں۔

''اسکندریہ'' شہر اسی نے بنایا تھا اور اسی کی طرف منسوب ہوا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے نور بن یزید نے خالد بن معدان الکلاعی سے روایت کیا ہے، انہیں معلوم ہوا کہ نبی محترم ﷺ سے

انبیاء کرام علیہم السلام کے ناموں پر نام رکھنے کا حکم

ابن اسحاق نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کیا ہے۔ انہوں نے یہ بات حضور ﷺ سے سن کر ہی کہی ہوگی کہ ذوالقرنین فرشتہ تھا۔ حضور ﷺ کی زبانِ اقدس پر حق کے علاوہ کچھ جاری نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے تو پھر اس کی تاویل کی ضرورت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی مخالفت کی ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ قول کس کا درست ہے۔ جو کچھ مؤرخین نے لکھا ہے اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کو تقویت ملتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انبیائے کرام علیہم السلام کے ناموں پر نام رکھنے کو ناپسند فرمایا ہے۔ انہوں نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعیسیٰ اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو یحییٰ کو عجیب سمجھا۔ جب انہوں نے بتایا کہ یہ کنیت حضور ﷺ نے رکھی تھیں تو آپ رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ شاید انہوں نے یہ ناپسند فرمایا ہو کہ کثرت سے انبیائے کرام علیہم السلام کے نام رکھے جائیں۔ ورنہ آپ رضی اللہ عنہ کو یہ یقین تھا کہ انبیائے کرام کے ناموں پر نام رکھنا کتنا باعثِ شرف ہے اور یہ آخرت میں بھی نفع رساں ہوگا۔ شاید آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی عوام کو یہ شعور دلانا چاہا کہ صرف مذکورہ بالا مقصد کے لئے ہی یہ مبارک اسماء رکھو۔ آپ رضی اللہ عنہ کی اس کراہت کی وجہ صرف آپ ہی جانتے ہیں ورنہ صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے کئی افراد نے ''محمد'' نام رکھا مثلاً حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی حیدر کرار، حضرت طلحہ، حضرت ابو حذیفہ، ابوجہم، حضرت حاطب اور حضرت خطاب رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ محمد بن خطاب کے علاوہ تمام نے اپنی کنیتیں بھی ابوالقاسم رکھیں۔ صرف محمد بن خطاب کی کنیت ابوموسیٰ تھی۔ حضرت اسید بن حضیر نے اپنے بیٹے کا نام یحییٰ رکھا جب حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے منع نہ فرمایا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے دس فرزند تھے ان میں ہر ایک کا نام کسی نہ کسی نبی کے نام پر تھا۔ مثلاً موسیٰ، عیسیٰ، اسحٰق، یعقوب، ابراہیم، اور محمد وغیرہ۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بھی دس بیٹے تھے انہوں نے ہر ایک کا نام شہید کے نام پر رکھا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا میں نے اپنے بیٹوں کے نام انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر رکھے ہیں جبکہ آپ نے اپنے بیٹوں کے نام شہداء کے اسماء پر رکھے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں خواہش کرتا ہوں کہ میرے بیٹوں کے سروں پر شہادت کا تاج سجایا جائے لیکن آپ یہ خواہش نہیں کر سکتے کہ آپ کے بیٹے انبیاء بنیں۔ رسول محترم ﷺ نے اپنے

ذوالقرنین کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ ایسا بادشاہ تھا جس نے زمین کی پیمائش اسباب کے ذریعے کی۔ حضرت خالد کہتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا کوئی شخص کسی کو یوں پکار رہا تھا یا ذالقرنین، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ ربوبیت میں اس کے لئے مغفرت کی دعا کی پھر فرمایا، کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہوئے کہ تم نے انبیاء علیہم السلام کے نام رکھ لئے حتیٰ کہ تم ملائکہ کے نام رکھنے لگے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت ہی خوب جانتا

بیٹے کا نام ابراہیم (رضی اللہ عنہ) رکھا۔ اس کے متعلقہ بہت سے آثار روایت ہیں۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا سَمُّوْا بِاَسْمَاءِ الاَنْبِیَاءِ۔ انبیائے کرام کے ناموں پر نام رکھو۔ اس حکم کو اباحت پر محمول کیا جائے گا وجوب پر نہیں۔ جہاں تک ''محمد'' نام رکھنے کا تعلق ہے تو مسند الحارث میں حضور ﷺ سے روایت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا مَا کَانَ لَهٗ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ وَ لَمْ یُسَمِّ اَحَدَهُمْ بِمُحَمَّدٍ فَقَدْ جَهِلَ۔ ''جس کے ہاں تین بچے پیدا ہوئے اس نے ان میں سے کسی ایک کا نام بھی محمد نہ رکھا تو اس نے جاہلوں والا کام کیا''۔ ''المعیطی'' میں ہے کہ امام مالک سے ''محمد'' نام رکھنے اور ابوالقاسم کنیت رکھنے کے متعلق سوال کیا گیا انہوں نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے اپنے بیٹے کا نام محمد اور اس کی کنیت ابوالقاسم رکھی، انہوں نے فرمایا میں نے تو یہ نام اور کنیت نہیں رکھی لیکن اس کے اہل لوگ ایسا کرتے ہیں۔ میں نے اس کے متعلق کسی نہی کو نہیں سنا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام مالک کے پاس کوئی ایسی صحیح حدیث نہیں پہنچی جو اس مبارک نام کی نہی کو شامل ہو۔ شاید امام مالک تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کردہ حدیث پہنچی ہو، حضور ﷺ نے فرمایا مَا الَّذِیْ اَحَلَّ اِسْمِیْ وَحَرَّمَ کُنْیَتِیْ۔ اس ذات نے میرے نام مبارک پر نام رکھنے کو حلال اور میری کنیت پر کنیت رکھنے کو حرام قرار دیا ہے۔ یہ حدیث شریف، حدیث نہی کی ناسخ ہے۔ ابن سیرین ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص اپنی کنیت ابوالقاسم رکھے خواہ اس کا نام محمد ہو یا نہ ہو۔ ایک گروہ یہ ناپسند کرتا تھا کہ محمد نامی شخص اپنی کنیت ابوالقاسم رکھے المعیطی میں ہے کہ ابن سیرین سے ''مہدی'' نام رکھنے کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے ناپسند فرمایا، انہوں نے فرمایا اسے کیا علم کہ وہ ہدایت یافتہ ہے لیکن انہوں نے ہادی نام رکھنے کو مباح قرار دیا ہے اور کہا کہ ہادی وہ ہوتا ہے جو سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ امام مالک نے جبرائیل نام رکھنے کو پسند فرمایا ہے۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملائکہ کے نام رکھنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ امام مالک نے ''یٰسین'' نام رکھنا بھی مکروہ سمجھا ہے۔

ہے کہ ذوالقرنین کون تھا۔ کیا حضور ﷺ نے یہ فرمایا تھا یا نہیں۔ اگر آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے تو آپ ﷺ کا فرمان سچا ہے۔

روح کی حقیقت اور بعض دیگر آیات کا نزول

جب قریش مکہ نے نبی اکرم ﷺ سے روح کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۖ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾ (الاسراء)

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی گئی ہے کہ سرور کائنات ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ یہودی علماء نے کہا اے محمد! (ﷺ) کیا

روح اور نفس

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ قریش مکہ نے آپ ﷺ سے روح کے متعلق سوال کیا پھر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ ابن اسحاق سے البکائی کی سند کے علاوہ روایت کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا روح سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ ابن اسحاق کی یہ روایت اس روایت کے خلاف ہے جس میں ہے کہ یہودیوں نے قریش سے کہا۔ ''محمد عربی ﷺ سے روح کے متعلق سوال کرو اگر انہوں نے تمہیں اس کے متعلق بتا دیا تو وہ نبی نہیں ہیں اور اگر انہوں نے کچھ نہ بتایا تو وہ نبی ہیں۔ ابن اسحاق کی یہ روایت گزر چکی ہے کہ حضور ﷺ سے سیاح شخص، اصحابِ کہف اور روح کے متعلق سوال کرو۔ اگر انہوں نے جواب دے دیئے تو وہ سچے نبی ہیں ورنہ وہ سچے نہیں ہیں۔ اس میں انہوں نے روح وغیرہ سب کو اس میں شامل کیا ہے، وہ روح جس کے متعلق سوال کیا گیا تھا اس میں اہل تاویل کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں کیونکہ وہ ''الروح الامین'' اور ''روح القدس'' ہیں۔ اسی روایت کی بنا پر ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے قریش سے فرمایا۔ ''وہ جبرائیل ہیں'' ایک گروہ کہتا ہے کہ روح ملائکہ کی وہ قسم ہے جس کی شکل بنی آدم کی شکل پر بنائی گئی ہے۔ ایک طائفہ کہتا ہے کہ روح ایک ایسی مخلوق ہے جو ملائکہ کو دیکھ لیتی ہے لیکن ملائکہ اسے نہیں دیکھ سکتے۔ وہ ملائکہ کے لئے ایسے ہے جس طرح بنی آدم کے لئے ملائکہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ روح وہ فرشتہ ہے جس کے ایک ہزار سر، ہر سر پر ایک ہزار چہرے، ہر چہرے میں ایک ہزار مونہہ اور ہر مونہہ میں ایک ہزار زبانیں ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی مختلف زبانوں میں تعریف کرتا ہے۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ وہ روح جس کے متعلق یہود نے سوال کیا تھا وہ روح انسانی ہے پھر اس میں ان علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ رسول محترم ﷺ نے انہیں کوئی

آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان وَمَآ اُوْتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيلًا پڑھا اور عرض کی کہ اے

جواب نہ دیا تھا کیونکہ انہوں نے مذاقاً سوال کیا تھا۔ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ سے فرمایا اے محمد مصطفیٰ ﷺ! فرمائیں روح میرے رب کا امر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کی وضاحت کا حکم نہ دیا۔ اللہ کے امر سے مراد شرع ہے اور اس سے مراد وہ کتاب ہے جو حضور ﷺ پر نازل ہوئی۔ جو شریعت مطہرہ میں داخل ہو گیا اور کتاب وسنت کو جان لیا اس نے روح کو پہچان لیا۔ گویا کہ اس کلام کا معنیٰ یہ ہے۔ دین میں شامل ہو جاؤ تم اس چیز کو پہچان لو گے جس کا تم نے سوال کیا ہے۔ یہ میرے رب کا امر ہے۔ یہ وہ امر ہے جس کی میں اپنے رب کی طرف سے تبلیغ کرنے آیا ہوں کیونکہ روح کو نہ تو طبیعت کے اعتبار سے اور نہ فلسفہ کے اعتبار سے جانا جا سکتا ہے۔ نہ ہی رائے اور قیاس سے اس کی پہچان ہو سکتی ہے۔ صرف شریعت کے اعتبار سے اس کی پہچان ہو سکتی ہے جب تو قرآن و سنت میں اس کے تذکرے پر غور کرے گا۔ مثلاً ارشاد ربانی ہے۔ ثُمَّ سَوّٰهُ وَ نَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوْحِهٖ۔ ''پھر اس (کے قد و قامت) کو درست فرمایا اور پھونک دی اس میں اپنی روح'' اس سے مراد روحِ حیات ہے، حیات اللہ رب العزت کی صفات میں سے ہے۔ ''نفخ'' حقیقت میں فرشتے کی طرف منسوب ہے جس نے اپنے رب کے حکم سے اس میں روح پھونکی تھی اور جب تو احادیث مصطفیٰ ﷺ میں غور کرے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اَنَّ الْاَرْوَاحَ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَةٌ وَاَنَّهَا تَتَعَارَفُ وَتَتَشَامُّ فِي الْهَوَاءِ۔ ''ارواح ایک جمع شدہ لشکر ہیں جو ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں، ہوا میں سونگھ لیتی ہیں۔ موت کے بعد اجسام سے قبض کر لی جاتی ہیں۔ قبر میں ان سے سوالات ہوں گے۔ وہ سوال کو سمجھیں گی، سنیں گی اور دیکھیں گی۔ انہیں نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ انہیں عذاب میں مبتلا کیا جائے گا وہ لذت حاصل کریں گی اور درد محسوس کریں گی۔'' یہ تمام صفات اجسام کی ہیں تو تمہیں ان دلائل سے یہی معلوم ہو گا کہ یہ اجسام ہیں لیکن یہ کثافت، ثقل اور اظلام میں اجساد کی مانند نہیں ہیں کیونکہ اجسام پانی، مٹی اور بدبودار کیچڑ سے تخلیق کئے گئے ہیں۔ یہی ان کی اصل ہے جبکہ ارواح ''نفخ'' سے تخلیق شدہ ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی گذر چکا ہے۔ یہ نفخ فرشتے کی طرف منسوب ہے جبکہ فرشتوں کی تخلیق نور سے ہوئی ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں تذکرہ ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے نفخ کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اسی طرح اس نے ارواح کو قبض کرنے کو بھی اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (الزمر: ۴۲) ''اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت''۔

محمد مصطفیٰ! ﷺ کیا اس آیت میں مخاطب ہم ہیں یا آپ ﷺ کی قوم؟ آپ ﷺ نے فرمایا "تمام لوگ اس کے مخاطب ہیں"۔ انہوں نے کہا "آپ کے پیغام میں ہے کہ ہمیں تورات عطا

اللہ تعالیٰ نے اس کو فرشتے کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ فرمایا: قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ (سجدہ: ۱۱) "فرمایئے جان قبض کرے گا تمہاری موت کا فرشتہ"۔ قبض روح کی فرشتے کی طرف نسبت مجازی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف حقیقی۔ روح بھی ایک جسم ہے لیکن یہ ریح (ہوا) کی جنس سے ہے اسی وجہ سے اس کا نام روح رکھا گیا ہے۔ فرشتے کا نفخ بھی ریح کے معنی میں ہے لیکن وہ نورانی مخلوق ہے اور ریح متحرک ہوا کا نام ہے اس لئے پہلے فرشتے نے اسے پکڑا۔ جب ہم نے شریعت کے اعتبار سے روح کے معانی اور صفات کو اس قدر جان لیا ہے تو معلوم ہوا کہ اس کی پہچان اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے ہوئی۔ ارشاد ربانی بھی اسی طرح ہے۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے "امر ربی" فرمایا ہے۔ "اَمْرُ اللّٰهِ" نہیں فرمایا اور نہ ہی "مِنْ اَمْرِ رَبِّكُمْ" فرمایا ہے۔ یہ اس خصوصیت پر دلالت کر رہا ہے کہ اس کو صرف وہی جان سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول معظم ﷺ پر ایمان لائے وہ یقین صادق کی دولت سے بھی مالا مال ہو اور اسے دین سے بھی آگاہی ہو اسی وجہ سے یہودیوں کو اس کے متعلق نہ بتایا گیا۔

روح اور نفس کے درمیان فرق

کیا روح اور نفس ایک ہی چیز کا نام ہے؟ اس کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک گروہ نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن سے قطعی ثبوت حاصل نہیں ہوتا کیونکہ وہ تمام "آحاد" ہیں۔ ان کے الفاظ میں بھی تاویل کی گنجائش ہے۔ اس میں مجازات عرفیہ اور اس کی وسعتیں کثیر ہیں۔ وہ علماء جو کہتے ہیں کہ روح اور نفس ایک ہی چیز کا نام ہے انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اس قول سے دلیل لی ہے۔ "اَخَذَ بِنَفْسِي الَّذِيْ اَخَذَ بِنَفْسِكَ"۔ میرے نفس کو اسی چیز نے پکڑ لیا ہے جس نے آپ کے نفس کو پکڑا۔ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے اِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ اَرْوَاحَنَا۔ "اللہ رب العزت ہماری روحوں کو قبض فرماتا ہے۔ ارشاد ربانی بھی ہے: اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ۔ "اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو"۔

ارواح ہی قبض کی جاتی ہیں۔ جو علماء قبض اور توفی میں فرق نہیں کرتے وہ حضور ﷺ کے مبارک قول میں قبض اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قول میں "اخذ" میں تفریق کرتے ہیں۔ ایسے اقوال کی چھان بین طوالت کا باعث ہوگی۔ ابو عمر نے "تمہید" میں ایسی حدیث روایت کی ہے جو اس نقطہ نظر

کی گئی جس میں ہر چیز کا بیان ہے" حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا" تورات میں موجود علم، علم الٰہی

کے خلاف ہے کہ نفس ہی روح ہے لیکن انہوں نے اس میں سبب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق فرمایا ان میں نفس اور روح کو پیدا کیا۔ روح سے مراد ان کی عفت، فہم، حلم، سخاوت اور وفا ہے جبکہ نفس سے مراد ان کی شہوت، طیش اور غضب ہے۔ جب تدبر کیا جائے تو اس حدیث مبارک کا معنی درست لگتا ہے۔ اگر چہ یہ حدیث صحیح نہ بھی ہو۔ اس کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ تم پہلے کتاب الٰہی میں غور و فکر کرو نہ کہ ان احادیث میں جن کی روایت بعض اوقات بعینہٖ انہی الفاظ کے ساتھ ہوتی ہیں اور بعض اوقات ان کی روایت معنی کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ ان میں محدثین کے الفاظ مختلف ہوتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ارشاد ربانی ہے: فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ (الحجر: ۲۹) " تو جب میں اسے درست فرمادوں اور پھونک دوں اس میں خاص روح"۔

اللہ رب العزت نے یہاں مِنْ نَفْسِیْ نہیں فرمایا۔ پھر ارشاد ہے۔

ثُمَّ سَوّٰهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ۔ پھر اس (کے قد و قامت) کو درست فرمایا اور پھونک دی اس میں اپنی روح" اس آیت میں بھی نفسہ نہیں فرمایا۔ اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ روح اور نفس ایک ہی چیز کا نام ہے۔ ان کے مابین فرق بڑا عیاں ہے۔ اسی طرح ان کے معنی میں بھی فرق ہے۔ قرآنِ پاک کی اس آیت میں نفس کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ۔

اس آیہ مبارکہ میں نفسی کی جگہ روحی اور نفسک کی جگہ روحک استعمال نہیں فرمایا۔ اگر نفس اور روح کا معنی ایک ہوتا جس طرح لیث اور اسد (شیر) ہیں تو انہیں ایک دوسرے کی جگہ استعمال کرنا درست ہوتا۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: وَ یَقُوْلُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ۔ " وہ اپنے دلوں میں کہیں گے" اس کو یَقُوْلُوْنَ فِیْ اَرْوَاحِهِمْ کہنا درست نہیں۔ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ۔ " کہ کوئی نفس کہے" نفس کی جگہ روح استعمال کرنا درست نہیں۔ کسی اعرابی نے بھی ان کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال نہیں کیا۔ اگر کلامِ الٰہی میں غور و فکر کیا جائے تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ روح اور نفس کا معنی ایک نہیں ہے لیکن ایک دقیقہ ایسا بھی باقی ہے جس سے اس حقیقت اور راز سے آشنائی ہو جاتی ہے اور ان دونوں اقوال میں کوئی اختلاف اور تباین باقی نہیں رہتا ہم توفیق الٰہی طلب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ روح، ریح سے مشتق ہے۔ یہ ایک لطیف جسم ہے جس پر جسم کی زندگی کا انحصار ہے اس روح کو اللہ تعالیٰ نے جاری فرمایا ہے کیونکہ عقل کا فتویٰ تو یہ ہے کہ جسم کے لئے زندگی نہ ہو سکتی کہ اس میں وہ روح پھونکی جائے جو اس کے ہر حصہ میں سرایت کر جائے، ابن فورک، ابو المعالی، ابوبکر المرادی اور ابو الحسن الاشعری کے اقوال بھی اسی قول سے

کے مقابلہ میں قلیل ہے۔تمہارے پاس اس کی اتنی مقدار آئی جو تمہاری لئے کافی تھی، کاش تم اس

ملتے جلتے ہیں۔

روح سبب حیات ہے

جب یہ ثابت ہو گیا کہ روح زندگی کا سبب ہے اس کو اللہ رب العزت نے جاری فرمایا ہے۔ یہ درختوں کی رگوں میں رواں پانی کی مانند ہے۔ درخت کو زندگی اسی ماء کی وجہ سے نصیب ہوتی ہے۔ ہم اسے اولیت کے اعتبار سے پانی کہتے ہیں اور اسی اعتبار سے اسے روح کہتے ہیں۔ اور نفخہ کے اعتبار سے یہ ریح ہے۔ اسی طرح جب تک بچہ اپنی والدہ کے بطن میں زندہ ہوتا ہے وہ ذی روح ہوتا ہے جب وہ پروان چڑھنے لگتا ہے اور وہ روح اخلاق واوصاف سے متصف ہو جاتی ہے وہ جسم کے فوائد اور لذات کی طرف توجہ کرتی ہے اور نقصان دہ اشیاء اس سے دور کرتی ہے اسے نفس کہا جاتا ہے۔ اسی طرح درخت میں موجود پانی مختلف اوصاف سے متصف ہو جاتا ہے مثلاً انگور کے دانے میں موجود رس اصل اور ابتداء کے اعتبار سے پانی ہے۔ لیکن اب اس میں سیلان اور رطوبت بھی ہے اب اس میں مٹھاس بھی ہے۔ اسی طرح دیگر اوصاف بھی پائے جاتے ہیں۔ انہی اوصاف کی وجہ سے اسے مصطار یا خمر (شراب) وغیرہ کا نام دے سکتے ہو جس شخص نے مطلق یہ دعویٰ کیا ہے نفس بغیر کسی قید و بند اور شرط کے روح ہے اس کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے۔ روح میں وہ اوصاف ہوتے ہیں جن کا تقاضا فرشتے کا نفخ کرتا ہے۔ فرشتہ تو تمام کریمانہ اخلاق سے متصف ہوتا ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں ہے روح سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی عفت، حلم، وفا اور فہم ہے جبکہ نفس سے مراد شہوت، غضب اور طیش ہے۔ ہم نے ذکر کیا ہے کہ روح اس جسم سے ملنے والی ہے جس میں خون رواں ہے خون کو بھی نفس کہا جاتا ہے۔ یہی شیطان کی گذرگاہ ہے۔ خون کے ناپاک ہونے میں یہی حکمت پوشیدہ ہے۔ وہ شخص جو کلام کے جوہر سے آشنائی رکھتا ہے الفاظ کے برمحل استعمال سے آگاہ ہے وہ صرف اسی چیز کو روح کہتا ہے جس سے زندہ اور مردہ میں فرق ہوتا ہے جو زندگی کا سبب ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب عزیز میں نطفہ کو زندہ کرنے اور اس میں روح پھونکنے کا ذکر کیا ہے۔ نفخ روح کو نفخ نفس کہنا صرف اسی وقت درست ہو گا جب اس کلام میں وسعت کا اعتبار کیا جائے اور یہ نام کسی چیز کے اس نام کی طرح ہو گا جس میں تاویل کی گنجائش ہوتی ہے۔ اسی اعتبار سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھی روح کہا گیا ہے اور اسی لحاظ سے وحی کو بھی روح کہا گیا ہے کیونکہ اس سے دلوں کو حیات نو نصیب ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

پر ہی عمل پیرا ہو جاتے''۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔

اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (الانعام: ۱۲۲)

کیا وہ جو (پہلے) مردہ تھا پھر زندہ کیا ہم نے اسے اور بنا دیا اس کے لئے نور چلتا ہے جس کے اجالے میں لوگوں کے درمیان وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہو نہیں نکلنے والا ان سے۔

کفار کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ (النحل: ۲۱) وہ مردہ ہیں وہ زندہ نہیں ہیں۔ نفس کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ۔ بے شک نفس تو حکم دیتا ہے برائی کا۔

اس میں بھی نفس کی جگہ روح ذکر نہ کی کیونکہ روح زندگی کا سبب ہے وہ برائی کا حکم کیسے دے سکتی ہے؟ اسے اس وقت تک نفس نہیں کہا جا سکتا جب تک وہ جسم کے وہ اوصاف حاصل نہ کرے جو اوپر مذکور ہو چکے ہیں۔ آسمان سے ایک ہی قسم کا پانی نازل ہوتا ہے لیکن جب وہ مختلف درختوں مثلاً سیب اور اخروٹ وغیرہ سے ملتا ہے تو اس کی مختلف اقسام بن جاتی ہیں۔ اسی بارگاہ ربوبیت میں روح باطن کی ایک ہی جنس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب کر کے اس کے شرف وقدر میں اضافہ کیا ہے۔ فرمایا وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ۔ اور اس میں پھونک دی اپنی روح۔'' پھر یہ روح ان اجسام سے مل گئی جو مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔ وہ مٹی عمدہ بھی تھی اور خبیث بھی۔ ہر فرع اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے پھر ہر اصل اس تقدیر کی طرف رجوع کرتی ہے جو ام الکتاب میں مرقوم ہے اور اللہ رب العزت نے اس کے متعلق جو تدبیر کی ہے وہ اسی کی طرف لوٹتی ہے۔ اسی تخلیق میں مشابہت کے اعتبار سے نفوس ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے قریب ہونے کی خواہش کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں یا ایک دوسرے سے بغض رکھتے ہیں۔ حضور ﷺ کے اس قول فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَ مَا تَنَاكَرَ وَ مِنْهَا اخْتَلَفَ۔ ان ارواح میں سے جو ایک دوسرے سے پہچان رکھتی ہیں وہ ایک دوسرے سے محبت کرتی ہیں اور جو ایک دوسرے سے اجنبی ہیں وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتی ہیں۔ ایک دانا شخص نے اپنے دوست کی طرف لکھا۔'' اِنَّ نَفْسِيْ غَيْرُ مَشْكُوْرَةٍ عَلَى الْاِنْقِيَادِ اِلَيْكَ بِغَيْرِ زِمَامٍ، فَاِنَّهَا صَادَفَتْ عِنْدَكَ بَعْضَ جَوَاهِرِهَا وَالشَّيْءُ يَتْبَعُ بَعْضُهٗ بَعْضًا۔ میرا نفس لگام کے بغیر تمہاری طرف جھکنے میں راضی نہیں ہے۔ اس نے تمہارے پاس اپنے کچھ جواہر پائے ہیں کیونکہ چیز کا بعض دوسرے حصہ کی اتباع کرتا ہے''۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ (لقمان)

پہاڑوں کورواں کرنا، مردوں کوزندہ کرنا

جب نبی محترم ﷺ سے قوم قریش نے مطالبہ کیا کہ ان پہاڑوں کو ہٹا دیا جائے اور زمین میں نہریں رواں کی جائیں اور ان کے آباء کو زندہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰىؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا (رعد: ۳۱) اور اگر کوئی ایسا قرآن اترتا جس کے ذریعے سے پہاڑ چلنے لگتے یا اس کے اثر سے پھٹ

انسان، روح اور جسم

بعض اوقات نفس بول کر پورا انسان، اس کی روح اور اس کا جسم مراد لیا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے عِنْدِیْ ثَلَاثَةُ اَنْفُسٍ۔ میرے پاس تین نفس (انسان) ہیں لیکن عِنْدِیْ ثَلَاثَةُ اَرْوَاحٍ (میرے پاس تین ارواح ہیں) کہنا درست نہیں ہے۔ روح سے صرف وہی معنی مراد لیا جاسکتا ہے جو ہم نے پہلے ذکر کردیا ہے۔ یہ صرف لفظ نفس میں وسعت ہے کہ اس سے تمام انسان مراد لئے جاسکتے ہیں کیونکہ جسم کے اوصاف روح پر غالب ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ اسے نفس کے نام سے موسوم کیا جانے لگا۔ نفس کا لفظ، جسم کے اعتبار سے اسی طرح بولا جاتا ہے جس طرح درختوں میں موجود پانی کو ان کے مختلف ہونے کی وجہ سے میٹھا، تلخ اور کڑوا کہا جاتا ہے۔ ہماری اس بحث کا لب لباب یہ ہے کہ نفس کو مطلق روح نہ کہا جائے حتیٰ کہ اس میں وہ فوائد پائے جاتے جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ روح کو نفس کہنا اسی طرح ہے جس طرح مٹی کو انسان کہا جائے یا جس طرح انگور کی بیل میں موجود پانی کو خمر یا خل کہا جائے اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی طرف وہ اوصاف منسوب کئے گئے ہیں جن کے اعتبار سے اسے شراب یا خل (سرکہ) کہا جاتا ہے۔ کلام کا مفہوم دراصل الفاظ کی تقیید سے ہی ہوتا ہے۔ ہر لفظ کو اس کی جگہ پر برقرار رکھنے کا نام ہی بلاغت ہے۔

نفس

جب یہ ثابت ہوگیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یہ قول اَخَذَ بِنَفْسِیْ الَّذِیْ اَخَذَ بِنَفْسِكَ۔ بِنَفْسِكَ تشریح طلب رہ گیا انہوں نے اس فرمان میں نفس کا ذکر کیا کیونکہ آپ اس عمل کو ترک کرنے میں معذور تھے جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا۔ اعمال نفس کی طرف ہی مضاف ہوتے ہیں کیونکہ ان کا تعلق

جاتی زمین یا مردوں سے اس کے ذریعے بات کی جا سکتی (یہ قدرت سے بعید نہ تھا) بلکہ سب کام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔

یہ امور اسی وقت ظہور پذیر ہو سکتے ہیں جب میری منشاء ہو۔ جب قریش مکہ نے آپ ﷺ سے کہا اس دنیا سے تو اپنا حصہ لے لیجئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ وہ آپ ﷺ کے لئے باغات، محلات اور خزانے بنا دے۔ آپ ﷺ کے ساتھ وہ فرشتہ بھیجے جو آپ ﷺ کی تصدیق کرے اور آپ ﷺ سے اذیتوں کو دور کرے۔ قرآنِ پاک نے قریش کے ان مطالبات کو اس طرح بیان فرمایا:

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰۤى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ تَبٰرَكَ الَّذِيْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝ (الفرقان)

اور کفار بولے کیا ہوا ہے اس رسول کو کہ کھانا کھاتا ہے اور چلتا پھرتا ہے بازاروں میں۔ ایسا کیوں نہ ہوا کہ اتارا جاتا اس کی طرف کوئی فرشتہ اور وہ اس کے ساتھ مل کر لوگوں کو ڈراتا یا (ایسا کیوں نہ ہوا) کہ اتارا جاتا اس کی طرف خزانہ یا (کم از کم) اس کا ایک باغ ہی ہوتا کھایا کرتا اس (کی آمدنی) سے اور ان ظالموں نے (یہاں تک) کہہ دیا کہ تم پیروی نہیں کر رہے مگر ایسے شخص

جسم سے ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ اَرْوَاحَنَا۔ آپ ﷺ نے اس روح کا ذکر کیا جو اصل ہے کیونکہ وہ ان کے جزع فزع میں انیس ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو فرمایا کہ خالقِ ارواح جب چاہتا ہے انہیں قبض کر لیتا ہے۔ عالم بیداری کی طرح یہ وسعت پذیر نہیں ہوتیں۔ سونے والے کی روح، اگرچہ اسے قبض سے موصوف بھی کیا جائے، مگر لفظ قبض کلیۃً اس کے نکل جانے پر دلالت نہیں کرتا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے۔ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ۝ (الفرقان) یہ فرمان سایہ کے کلیۃ معدوم ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ اسی طرح ارشاد ربانی اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ ہے اس میں ''ارواح'' ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ ان لوگوں کو وعظ ہے جو اس سے غافل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا وہی نفوس کو قبض کرتا ہے پھر انہیں لوٹاتا ہے حتیٰ کہ ایک دفعہ اس طرح قبض کر لے گا کہ پھر انہیں نہیں لوٹائے گا تاکہ نفوس اس کی وجہ سے برے اعمال کرنے سے رک جائیں۔ یہ آیت مکی ہے اور خطاب کفار کو ہے۔

کی جس پر جادو کیا گیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے کیسے بیان کرتے ہیں آپ کے متعلق طرح طرح کی مثالیں سو وہ (اس بے ادبی کے باعث) گمراہ ہو گئے پس وہ راہ نہیں پا سکتے بڑی (خیر و) برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو اگر چاہے تو بنا دے آپ کے لئے بہتر اس سے (یعنی ایسے) باغات رواں ہوں جن کے نیچے نہریں ہیں۔ وہ بنا دے آپ کے لئے بڑے بڑے محلات۔

اللہ رب العزت نے مزید فرمایا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ (الفرقان)

اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے رسول مگر وہ سب کھانا کھایا کرتے اور چلا پھرا کرتے بازاروں میں ہم نے بنا دیا تمہیں ایک دوسرے کے لئے آزمائش کیا تم (اس آزمائش میں) صبر کرو گے آپ کا رب سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

میں نے تم میں سے بعض کو بعض کے لئے آزمائش بنایا ہے تا کہ تم صبر کرو۔ اگر میں چاہتا کہ میں اپنے رسل عظام کے ہمراہ دنیا کر دیتا تا کہ ان کی مخالفت نہ کی جائے تو میں ایسا کر سکتا تھا۔

عبداللہ بن امیہ نے جو کچھ کہا تھا۔ قرآن نے وہ اس طرح بیان کیا ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَاۗءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَاۗءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰۗىِٕكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَىِٕنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ (الاسراء)

اور کفار نے کہا ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر جب تک رواں نہ کر دیں ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ یا (الگ کر تیار) ہو جائے آپ کے لئے ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا پھر آپ جاری کریں ندیاں اس باغ میں (ہر طرف) بہہ رہی ہوں یا آپ گرا دیں آسمان کو جیسے آپ کا خیال ہے ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے یا آپ اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو (بے نقاب کر کے) ہمارے سامنے لے آئیں یا (تعمیر) ہو جائے آپ کے لئے ایک گھر سونے کا یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں بلکہ ہم تو اس پر بھی ایمان نہ لائیں گے کہ آپ آسمان پر چڑھیں یہاں تک کہ اتار

الا میں ہم پر ایک کتاب جسے ہم پڑھیں آپ (ان سب خرافات کے جواب میں اتنا) فرمادیں کہ میرا رب (ہر عیب سے) پاک ہے میں کون ہوں مگر آدمی (اللہ کا) بھیجا ہوا۔

ابن ہشام کہتے ہیں زمین وغیرہ سے نکلنے والے پانی کو ینبوع کہا جاتا ہے اس کی جمع ینابیع آتی ہے۔ ابن ہرمہ ابراہیم بن عبداللہ الفہری کہتا ہے۔

وَإِذَا هَرَقْتَ بِكُلِّ دَارٍ عَبْرَةً نُزِفَ الشُّؤُوْنَ وَدَمْعُكَ الْيَنْبُوْعُ

اور اگر تو ہر گھر میں ایک ایک آنسو بھی گرادے تیرے آنسوؤں کی گزرگاہیں خشک ہو جائیں گی لیکن تیرے آنسو ابھی اچھل کر نکل رہے ہوں گے۔

الکسف سے مراد عذاب کا حصہ ہے۔ اس کا واحد کِسْفَةٌ ہے مثلاً سِدْرَةٌ اور سِدْرٌ۔ ''قبیل'' سے مراد آمنے سامنے ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے۔ اَوْ يَاتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا۔ یا آئے ان کے پاس عذاب واضح ہو کر۔ قُبُلًا کا معنی عَیَانًا (واضح) ہے۔ ابو عبیدہ نے اعشی بن قیس بن ثعلبہ کا یہ شعر مجھے سنایا۔

أُصَالِحُكُمْ حَتَّى تَبُوْءُوْا بِمِثْلِهَا كَصَرْخَةِ حُبْلَى يَسَّرَتْهَا قَبِيْلُهَا

میں تم سے صلح کرتا ہوں تا کہ تم بھی اسی طرح کا رویہ اپناؤ جس طرح حاملہ کی چیخ کے وقت اس کی قابلہ اس کے لئے آسانی پیدا کرتی ہے۔

قبیل سے مراد ''قابلہ'' ہے کیونکہ وہ حاملہ کے سامنے ہوتی ہے اور اس کے بچے کو پکڑ لیتی

ابن ہشام نے ابن ہرمہ کے قول سے دلیل لی ہے اور اس کے نسب میں فہری کہا ہے یہ خلجی بھی ہے خلج کا نام قیس بن حارث بن فہر تھا۔ بنو قیس بن حارث کو خلج کیوں کہا جاتا تھا اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ انہیں قریش اور سکانِ مکہ سے باہر نکال دیا گیا تھا اس لئے وہ اس نام سے موسوم ہوئے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ ایسی جگہ فروکش ہوئے تھے جہاں پانی کی ندی (خلج) تھی پھر وہ اسی کی طرف منسوب ہونے لگے۔ ابن ہرمہ کا نام ابراہیم بن علی بن ہرمہ تھا۔ وہ بنو عباس کے عہد حکومت کا شاعر تھا۔

وَإِذَا هَرَقْتَ۔ شُؤُوْن سے مراد آنسوؤں کی گزرگاہ ہیں اس سے مراد سر کے پردے ہیں جو مرد میں چار اور عورت میں تین ہوتے ہیں۔ قاسم بن ثابت نے دلائل میں اسی طرح لکھا ہے اور شارحین نے بھی یہی تفصیل لکھی ہے۔

بَيْتٌ مِنْ زُخْرُفٍ

ابن اسحاق کی رقم کردہ تمام آیات کی تشریح ابن ہشام نے لکھ دی ہے۔ بَيْتٌ مِنْ زُخْرُفٍ میں

ہے۔ قبیل سے مراد گروہ بھی ہے اس کی جمع قُبُل آتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا (انعام:۱۱۱)

''قبیل کی جمع قبل اسی طرح ہے جس طرح سَبِیل کی سُبُل اور سَرِیْر کی جمع سُرُر آتی ہے اسی طرح قَمِیْص کی جمع قُمُص آتی ہے۔ قبیل کا لفظ ضرب الامثال میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں۔ مَا یَصْرِفُ قَبِیْلًا مِنْ دَبِیْرٍ۔ وہ شخص جانے والوں میں سے آنے والوں کی پہچان نہیں کرسکتا کمیت بن زید کہتا ہے۔

تَفَرَّقَتِ الْاُمُوْرُ بِوُجْهَتِهِمْ فَمَا عَرَفُوْا الدَّبِيْرَ مِنَ الْقَبِيْلِ

معاملات ان کے دو اطراف میں اسی طرح بکھر چکے تھے کہ وہ آنے والوں میں سے پیٹھ پھیر کر جانے والوں کو نہ پہچان سکے۔

بعض علمائے لغت فرماتے ہیں کہ اس دبیر اور قبیل سے مراد رسی کا بٹنا ہے جو رسی اوپر کی طرف سے بٹی جائے اسے قبیل اور جو انگلیوں کی سمت سے بٹی جائے اسے دبیر کہتے ہیں۔ یہ اسی ادبار اور اقبال سے ہے جس کا میں نے ذکر کر دیا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تکلے کا بٹنا ہے۔ جب زانو کی طرف سے رسی بٹی جائے تو وہ قبیل اور جب سرین کی طرف سے بٹی جائے تو اسے دبیر کہتے ہیں۔ آدمی کی قوم کو بھی دبیر کہا جاتا ہے۔

الزخرف سے مراد سونا ہے۔ وہ چیز جو سونے سے آراستہ ہو مُزَخْرَف کہا جاتا ہے عجاج کہتا ہے۔

مِنْ طَلَلٍ اَمْسٰى تَخَالُ الْمُصْحَفَا رُسُوْمَهٗ وَالْمُذْهَبَ الْمُزَخْرَفَا

اس کھنڈر کے مزین اور آراستہ نقش ونگار شام کے وقت مصحف کی مانند معلوم ہوتے ہیں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں جب قریش مکہ نے کہا ہمیں معلوم ہے کہ یمامہ کا ایک رحمٰن نامی آدمی آپ ﷺ کو تعلیم دیتا ہے ہم اس حیات آفریں پیغام پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اس وقت یہ آیہ مبارکہ اتری۔

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِیْۤ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَاۤ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاۡ عَلَيْهِمُ الَّذِیْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ وَ هُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ مَتَابِ ۝ (الرعد:۳۰)

دلیل ہے کہ اس بیت سے مراد محل یا منزل مراد ہے کیونکہ اس گھر کو بیت کہا جاتا ہے جو عظیم الشان ہو۔ اس کی شرح پہلے سے گزر چکی ہے۔

اسی طرح ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ایک قوم میں جس سے پہلے گزر چکی ہیں کئی قومیں تا کہ آپ پڑھ کر سنائیں انہیں وہ (کلام) جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا اور یہ کفار انکار کر رہے ہیں رحمان کا فرمایئے وہی میرا پروردگار ہے نہیں کوئی معبود (بجز) اس کے اسی پر ہی میں نے بھروسہ رکھا ہے اور اسی کی جناب میں رجوع کیے ہوں"۔ جب ابو جہل نے اپنے مذموم مقاصد کو پورا کرنا چاہا تو ان آیات کا نزول ہوا۔

أَرَءَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ﴿٩﴾ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ﴿١٠﴾ أَرَءَيْتَ إِن كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ ﴿١١﴾ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ ﴿١٢﴾ أَرَءَيْتَ إِن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٣﴾ أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ﴿١٤﴾ كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِب ﴿١٩﴾ (العلق)

(اے حبیب) آپ نے دیکھا اسے جو منع کرتا ہے ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے بھلا دیکھئے تو اگر وہ ہدایت پر ہوتا یا پرہیز گاری کا حکم دیتا (تو اس کے لئے کتنا بہتر ہوتا) آپ نے دیکھا کہ اس نے جھٹلایا اور روگردانی کی کیا نہیں اللہ تعالیٰ (اسے) دیکھ رہا ہے؟ خبردار! اگر وہ (اپنی روش سے) باز نہ آیا تو ہم ضرور (اسے) گھسیٹیں گے اس کے پیشانی کے بالوں سے وہ پیشانی جو جھوٹی (اور) خطا کار ہے پس وہ بلا لے اپنے ہم نشینوں کو (اپنی مدد کے لئے) ہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلائیں گے۔ ہاں۔ ہاں! کسی کی ایک نہ سنئے (اے حبیب) سجدہ کیجئے اور (ہم سے اور) قریب ہو جایئے۔

ابن ہشام کہتے ہیں "لَنَسْفَعًا" کا معنی ہے ہم اس کو ضرور کھینچیں گے۔ ہم اس کو ضرور پکڑیں گے۔ شاعر کہتا ہے۔

قَوْمٌ إِذَا سَمِعُوا الصُّرَاخَ رَأَيْتَهُمْ مِنْ بَيْنِ مُلْجِمِ مُهْرِهِ أَوْ سَافِعِ

وہ اتنی عظیم قوم ہے کہ جب وہ کسی کی صدا سنتے ہیں تو تو انہیں دیکھے گا کہ وہ یا تو گھوڑے کو لگام دے رہے ہوں گے یا اس کی ایال (گردن کے بال) پکڑ رہے ہوں گے۔

نادی۔ اس مجلس کو کہا جاتا ہے جس میں لوگ جمع ہوتے ہیں اور اپنے معاملات بیان کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے:

وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنكَرَ (العنکبوت: ۲۹)

"اور اپنی کھلی مجلسوں میں گناہ کرتے ہو"۔

عبید بن الابرص کہتا ہے۔

اِذْهَبْ اِلَيْكَ فَاِنِّي مِنْ بَنِي اَسَدٍ   اَهْلِ النَّدِيِّ وَاَهْلِ الْجُوْدِ والنَّادِي

چل! اپنی راہ لے میرا تعلق بنو اسد سے ہے جو سخاوت کے دھنی، جود و سخا کے عادی اور مجلس میں بیٹھ کر باہم مشاورت کرنے والے ہیں۔

قرآن پاک میں ہے وَاَحْسَنُ نَدِيًّا۔ ''اور کس کی نشست گاہ خوبصورت ہے''۔ اس کی جمع اندیۃ آتی ہے دراصل اھل نادیہ تھا جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان۔ وَاسْاَلُ الْقَرْيَةَ '' اور دریافت کیجئے بستی والوں سے''۔ دراصل اَهْلَ الْقَرْيَةِ تھا۔ سلامہ بن جندل جس کا تعلق بنو سعد بن زید مناۃ بن تمیم سے تھا، کہتا ہے۔

يَوْمَانِ يَوْمُ مَقَامَاتٍ وَاَنْدِيَةٍ   وَ يَوْمُ سَيْرٍ اِلَى الاَعْدَآءِ تَاوِيْبِ

ایام دو قسموں میں منقسم ہیں۔ ا۔ وہ دن جس میں قیام کیا جاتا ہے اور مجلس میں بیٹھا جاتا ہے۔ ۲۔ وہ جس میں دشمن پر حملہ کرنے کے لئے تیز رفتاری سے سفر کیا جاتا ہے۔

الکمیت بن زید کہتا ہے۔

لَا مَهَاذِيْرَ فِي النَّدِيِّ مَكَاثِيْرَ   وَ لَا مُصْمِتِيْنَ بِالْاِفْحَامِ

وہ نہ تو محفل میں فضول گفتگو کرنے والے ہیں اور نہ ہی زیادہ باتیں بنانے والے ہیں اور نہ ہی وہ رعب و دبدبہ کی وجہ سے خاموش رہنے والے ہیں۔

ہم نشینوں کو نادی کہا جاتا ہے۔ الزبانیۃ انتہائی سخت اور شدید۔ اس سے مراد آگ کے داروغے ہیں۔ دنیا میں وہ آدمی جو انسان کی خدمت اور مدد کرتے ہیں انہیں بھی زبانیہ کہا جاتا ہے اس کا واحد زَبْنَةٌ ہے۔ ابن الزبعری کہتا ہے۔

مَطَاعِيْمُ فِي الْمَقْرٰى، مَطَاعِيْنُ فِي الوَغٰى   زَبَانِيَةٌ غُلْبٌ عِظَامٌ حُلُوْمُهَا

وہ لوگ دعوتوں میں بہت زیادہ کھلانے والے، میدانِ جنگ میں بہت زیادہ نیزہ باز۔ وہ نگہبان، موٹی گردن والے اور بڑی عقل و دانش کے مالک ہیں۔

ضحر بن عبداللہ الھذلی (صغر الغی) کہتا ہے۔ وَمِنْ كَبِيْرٍ نَفَرٌ زَبَانِيَةٌ۔ بنو کبیر کے کچھ لوگ نگران ہیں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں جب قریش مکہ نے حضور اکرم ﷺ کو تبلیغ اسلام سے باز رکھنے کے لئے اپنے اموال پیش کئے۔ اس وقت یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی۔

قُلۡ مَا سَاَلۡتُكُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ فَهُوَ لَكُمۡ ؕ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ شَهِیۡدٌ ﴿۴۷﴾ (سبا)

''فرمائیے (لوگو) جو معاوضہ میں نے تم سے مانگا ہے وہ تم اپنے پاس رکھو میری (دلسوزیوں) کا اجر تو (میرے) اللہ کے ذمہ ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے''۔

جب رؤف رحیم نبی ﷺ وہ دلنشین پیغام لے کر آئے جسے قریش مکہ نے پہچان لیا اور آپ ﷺ کے کلام سے آپ ﷺ کی صداقت کا عرفان کر لیا اور جب حضور ﷺ نے انہیں علم غیب کے سرچشمہ سے ان تمام سوالات کے جوابات دے دیئے جو انہوں نے کئے تھے تو ان کے اور حضور ﷺ اور آپ ﷺ جانثاروں کے مابین حسد حائل ہو گیا۔ اسی وجہ سے وہ آپ ﷺ کی تصدیق کرنے سے محروم رہے۔ انہوں نے اللہ رب العزت سے سرکشی کی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا اور اپنے کفر پر ڈٹے رہے۔ ایک کہنے والے نے کہا۔

لَا تَسۡمَعُوۡا لِهٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَالۡغَوۡا فِیۡهِ لَعَلَّكُمۡ تَغۡلِبُوۡنَ ﴿۲۶﴾ (حٰم سجدہ:۲۶)

مت سنا کرو اس قرآن کو اور شور و غل مچا دیا کرو اس کی تلاوت کے درمیان شاید تم (اس طرح) غالب آ جاؤ۔

اس کتابِ مقدس کو لغو اور باطل بنا دو۔ اسے ہنسی و مذاق میں اڑاؤ۔ شاید تم اس طرح غالب آ سکو۔ اگر کسی دن تم نے آپ ﷺ سے مناظرہ کر لیا یا جھگڑا کیا تو آپ ﷺ تم سب پر غالب آ جائیں گے۔

ابوجہل کی گستاخی

ایک دن ابوجہل نے حضور ﷺ کے حیات آفرین پیغام سے مذاق کرتے ہوئے کہا ''اے گروہ قریش! محمد (عربی فداہ روحی ﷺ) گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس لشکر جو تمہیں آگ میں عذاب دے گا اور تمہیں وہاں قید کرے گا کی تعداد ۱۹ ہے جبکہ تمہاری تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے کیا تم میں سے سو آدمی بھی ان میں سے ایک شخص کو عاجز نہیں کر سکے گا۔ اس

جہنم کے داروغے اور ابوالاشدین

ابن اسحاق نے ابوجہل کی گستاخی کا ذکر کیا ہے۔ مفسرین کرام اس گستاخی کو ابوالاشدین الجمحی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس کا نام کلدہ بن اسید بن خلف تھا۔ ابودھبل اس کا بھتیجا تھا۔ اس کا نام دہب بن زمعہ بن اسید بن خلف بن وھب بن حذاقہ بن جمح تھا۔ ابودھبل کی بیوی کا نام التوأمة تھا۔

وقت اس آیۂ مبارکہ کا نزول ہوا۔

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا (المدثر:۳۱)

اور ہم نے نہیں مقرر کیے آگ کے داروغے مگر فرشتے اور نہیں بنایا ہم نے ان کی تعداد مگر آزمائش ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا۔

قریش مکہ کے اس تیرہ بخت شخص نے قرآن نہ سننے کی تجویز دی، جب حضور ﷺ اپنی نماز میں بلند آواز سے تلاوتِ قرآن فرماتے تو وہ آپ ﷺ سے دور بھاگ جاتے اور کلامِ الٰہی کو سننے سے انکار کر دیتے۔ جب کوئی شخص نبی محترم ﷺ کی حق گو زبان سے تلاوتِ قرآن سننا چاہتا تو وہ دیگر لوگوں سے ڈر کر چھپ کر قرآن سنتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اگر انہیں علم ہو گیا کہ اس نے قرآن سنا ہے تو وہ اسے اذیت دیں گے۔ اگر نبی اکرم ﷺ اپنی آواز کو پست رکھتے اور اسے گمان ہو جاتا کہ اب دیگر افراد آپ ﷺ کی قرأت کو نہ سن سکیں گے تو وہ اپنی تمام تر توجہ ادھر لگا دیتا تاکہ آپ ﷺ سے کچھ نہ کچھ سن لے جبکہ دوسرے اس سے محروم رہیں۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ مبارک آیت وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا (الاسراء:۱۱۰)

''اور نہ تو بلند آواز سے نماز پڑھو اور نہ بالکل آہستہ پڑھو اسے اور تلاش کرو ان کے درمیان (معتدل) راستہ'' اسی قسم کے لوگوں کے لئے نازل ہوئی۔ یعنی آپ ﷺ نہ تو اپنی آواز مبارک اتنی بلند کریں کہ وہ آپ ﷺ سے دور بھاگ جائیں اور نہ اتنی پست رکھیں کہ وہ شخص نہ سن سکے جو سننا چاہتا ہو ممکن ہے سننے والے کو اس کلام سے فائدہ ملے اور اسلام کے اجالے سے منور ہو جائے۔

''صالح مولی التوامہ'' اسی کی نسبت سے معروف تھا۔ یہ عبداللہ بن صفوان بن امیہ کی بہن تھی، اسی کے ہاں عبدالرحمٰن پیدا ہوا جو جنگ جمل میں مارا گیا، یہ کہا کرتا تھا'' تم ان ۱۹ میں سے دو کو روک لینا۔ باقی ۱۷ کو میں کافی ہو جاؤں گا''۔ اسے اپنے آپ پر بڑا گھمنڈ تھا، اس کی قوت وشدت کا عالم یہ تھا کہ وہ گائے کی جلد پر کھڑا ہو جاتا۔ دس آدمی اسے کھینچتے تاکہ اسے نیچے اتاریں گائے کی جلد پھٹ جاتی لیکن یہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرتا۔ حضور ﷺ نے اسے کشتی لڑنے کی دعوت دی اس نے کہا اگر آپ ﷺ نے مجھے پچھاڑ دیا تو میں آپ ﷺ پر ایمان لے آؤں گا حضور ﷺ نے اسے کئی مرتبہ زمین پر پٹخ دیا لیکن

سب سے پہلے بلند آواز سے قرآن پڑھنے والے صحابی رضی اللہ عنہ

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ سے یحیٰ بن عروہ بن زبیر نے اپنے والد محترم سے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام کے بعد مکہ معظمہ میں سب سے پہلے بلند آواز سے قرآن پاک پڑھنے کی سعادت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حاصل کی۔ وہ فرماتے ہیں۔ ''ایک دن صحابہ کرام علیہم الرضوان ایک جگہ جمع تھے۔ انہوں نے کہا قریش مکہ نے کبھی قرآن پاک بلند آواز سے نہیں سنا۔ کون ہے جو انہیں بلند آواز سے قرآن پڑھ کر سنائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے''۔ یہ سعادت میں حاصل کروں گا''۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا'' ہم آپ کے متعلق خوفزدہ ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ سعادت وہ شخص حاصل کرے کہ اگر قریش مکہ اسے کوئی اذیت دینے لگیں تو اس کا قبیلہ اس کا دفاع کر سکے''۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو اللہ میرا تحفظ فرمائے گا''۔ دوسرے روز حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ مقام ابراہیم پر تشریف لے گئے۔ قریش اپنی محافل میں بیٹھے تھے۔ مقامِ ابراہیم پر کھڑے ہو کر انہوں نے پرسوز صدا میں یوں تلاوت شروع کی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ..... حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ لگا تار

اسے ایمان لانے کی سعادت نصیب نہ ہو سکی۔ ابن اسحاق نے یہ کشتی والا واقعہ رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب کی طرف منسوب کیا ہے۔ عنقریب اس کا تذکرہ آئے گا۔ جہنم کے داروغوں کے متعلق حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایسا ستون ہوگا جس کی دو شاخیں ہوں گی۔ وہ ایک شاخ سے نوے ہزار لوگوں کو آگ کی طرف دھکیل کر لے جائے گا۔ عنقریب ہم جنت اور جہنم کے دروازے، ان کے نام اور تعداد، زبانیہ اور ان کی قلیل تعداد ہونے کا سبب لکھیں گے۔ انتظار فرمائیں۔

قریش کا موہومہ رحمٰن

قریش نے کہا نبی اکرم علیہ السلام کو قرآن یمامہ کا رحمٰن نامی شخص سکھاتا ہے اور ہم رحمٰن پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اس رحمٰن سے ان کی مراد مسیلمہ بن حبیب حنفی تھا۔ جاہلیت میں بنو دول میں بھی ایک رحمٰن نامی شخص تھا۔ وہ عمر رسیدہ لوگوں میں سے تھا۔ وثیمہ بن موسیٰ نے ذکر کیا ہے کہ مسیلمہ کو حضرت عبد اللہ یا حضور علیہ السلام کی ولادت سے قبل ''رحمٰن'' کہا جاتا تھا۔

پڑھتے رہے۔ قریش نے غور کیا۔ وہ کہنے لگے ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد کہنے لگے یہ تو اس کلام کی تلاوت کر رہا ہے جسے محمد (فداہ روحی وامی وابی ﷺ) لے کر آئے ہیں۔ وہ جلدی جلدی ان کی طرف آئے اور ان کے مبارک چہرے پر مارنے لگے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تلاوت جاری رکھی حتیٰ کہ انہوں نے اتنا قرآن پڑھا جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف لوٹ آئے۔ ان کے چہرے پر قریش مکہ کی ضربوں کے نشانات تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ہمیں آپ کے متعلق یہی خدشہ تھا''۔ انہوں نے فرمایا'' اللہ کے دشمن میری نگاہوں میں اتنے رسوا پہلے کبھی نہ تھے جتنے آج ہیں اگر تم پسند کرو تو میں کل دوبارہ یہ سعادت حاصل کروں گا''۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا'' نہیں! یہ کافی ہے۔ آپ نے انہیں وہ کلام سنا دیا جسے وہ ناپسند کرتے تھے''۔

قریش مکہ چھپ چھپ کر قرآن سنتے تھے

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے محمد بن مسلم بن شہاب الزہری نے بیان کیا ہے کہ ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہشام، اخنس بن شریق بن عمرو بن وھب الثقفی نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن سننے کے لئے نکلے۔ آپ ﷺ رات کے وقت اپنے کاشانۂ اقدس میں مصروفِ نماز تھے۔ ان میں سے ہر شخص ایک مخصوص جگہ پر بیٹھ کر قرآن پاک سننے لگا۔ ہر ایک دوسرے سے ناآشنا تھا۔ وہ اسی کیفیت میں پوری رات قرآن سنتے رہے۔ طلوعِ فجر کے وقت وہاں سے نکلے، راستہ میں وہ سب ایک جگہ جمع ہو گئے انہوں نے ایک دوسرے کو ملامت کی اور کہا پھر یہ حرکت کبھی نہ کرنا اگر کسی احمق نے تمہارا یہ فعل دیکھ لیا تو ان کے دلوں میں تمہارے متعلق شبہ

کَبِیْر

میں نے شیخ کی کتاب کے حاشیہ میں دیکھا ہے کہ کبیر بنو ہذیل کا ایک قبیلہ تھا۔ حضرت علامہ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ بنو اسد میں بھی ایک ہذیل نامی قبیلہ تھا۔ وہ کبیر بن غنم بن دودان بن اسد کے نام سے مشہور تھا۔ بنو جحش بن ریان بن یعمر بن صبوۃ بن مرۃ بن کبیر اسی کی اولاد میں سے تھے۔ شاید زاجر نے انہی کو مراد لیا ہے کیونکہ مشہور یہی تھے۔ بنو غامد میں سے بھی بنو کبیر تھے ان کا تعلق بنو ازد سے تھا۔ بنو ہذیل میں سے جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے وہ کبیر بن طابخہ بن لحیان بن سعد بن ہذیل تھا۔

پیدا ہو جائے گا۔ وہ جدا ہو گئے۔ جب دوسری رات آئی تو ان میں سے ہر شخص اپنی سابقہ جگہ پر بیٹھ گیا اور ساری شب قرآن پاک سنتے ہوئے گزار دی۔ طلوع فجر کے وقت وہ وہاں سے نکلے اتفاقاً راستہ میں پھر جمع ہو گئے انہوں نے وہی مشاورت کی جو وہ پہلی رات کر چکے تھے۔ پھر وہ وہاں سے چلے گئے۔ تیسری رات وہ سہ بار اپنی اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے اور قرآن پاک کی سماعت کرتے ہوئے رات گزار دی۔ صبح کے وقت چلتے بنے۔ راستہ میں پھر جمع ہو گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا۔ ''اب ہم جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ ہم عہد نہ کر لیں کہ ہم پھر کبھی یہ حرکت نہیں کریں گے''۔ انہوں نے اس پر پختہ عہد کیا اور چلے گئے۔

صبح کے وقت اخنس بن شریق نے اپنے ڈنڈا پکڑا اور ابوسفیان کے گھر گیا اور کہنے لگا ''اے ابوحنظلہ! مجھے اس کلام کے بارے میں اپنی رائے دو جو تو نے محمد (ﷺ) سے سنا ہے''۔ اس نے کہا ''اے ابوثعلبہ! قسم بخدا! میں نے بعض وہ کلام سنا جس کو میں نے پہچان لیا اور اس کی مراد سمجھ لیا اور کچھ کلام ایسا بھی سنا ہے جس کے نہ تو معنی کو میں سمجھ سکا اور نہ ہی مراد سے آگاہ ہو سکا''۔ اخنس نے کہا۔ ''اللہ کی قسم! میری کیفیت بھی یہی ہے''۔ پھر اخنس وہاں سے نکل کر ابوجہل کے پاس گیا اور کہنے لگا۔ ''اے ابوالحکم! تو نے جو کلام محمد (ﷺ) سے سنا اس کے متعلق تیری کیا رائے ہے''؟ اس نے کہا ''میں نے کیا سنا ہے۔ ہم نے اور بنو عبد مناف نے شرف و قدر میں جھگڑا کیا۔ ہم نے کھانا کھلایا انہوں نے بھی کھانا کھلایا۔ ہم نے لوگوں کو سواریاں دیں انہوں نے بھی لوگوں کو سواریاں دیں۔ ہم نے سخاوت کے دریا بہائے، انہوں نے بھی سخاوت میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔ ہماری کیفیت ان دو گھوڑوں کی مانند تھی جو کسی شرط میں شرکت کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہم مقابلہ میں گھٹنے کے بل بیٹھ گئے۔ انہوں نے یہ دعویٰ کر دیا۔ ہم میں ایک نبی ہے جس پر آسمان سے وحی آتی ہے تو پھر یہ مرتبہ کیسے حاصل کیا جا سکتا تھا اللہ کی قسم! ہم اس پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے نہ ہی اس کی تصدیق کریں گے''۔ یہ سن کر اخنس وہاں سے چلا گیا اور ابوجہل کو چھوڑ دیا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں جب تاجدار عرب و عجم ﷺ کفار پر قرآن پڑھتے اور انہیں اللہ کی طرف دعوت دیتے تو وہ مذاق کرتے ہوئے کہتے۔ قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ۔ ''ہمارے دل غلافوں میں (لپٹے ہوئے) ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں۔'' جو کچھ آپ کہتے ہیں ہم اسے سمجھ نہیں پاتے۔ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ ''ہمارے کانوں میں گرانی ہے''۔ ہم وہ نہیں سن سکتے جو آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ۔ ''اور

ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے۔" ایسا پردہ ہے جو حائل ہو چکا ہے۔ فَاعْمَلْ۔ "تم اپنا کام کرو"۔ اس مذہب کے مطابق جو آپ علیہ السلام نے اختیار کر رکھا ہے۔ اِنَّنَا عَامِلُوْنَ۔ "ہم اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔" اس دین کے مطابق جس پر ہم عمل پیرا ہیں۔ ہم آپ علیہ السلام کے پیغام میں سے کسی چیز کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔ اللہ رب العزت نے یہ آیت اتاری۔

وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ (الاسراء)

اور (اے محبوب) جب آپ پڑھتے ہیں قرآن کو ہم (حائل) کر دیتے ہیں آپ کے درمیان اور ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک پوشیدہ پردہ...... جو جب آپ ذکر کرتے ہیں صرف اپنے رب کا قرآن میں تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں۔ نفرت کرتے ہوئے۔

اگر میں نے ان کے دلوں پر پردہ اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے تو وہ پھر آپ علیہ السلام کے رب کے کلام کو کیسے سمجھ سکتے ہیں پھر ان کے گمان کے مطابق آپ علیہ السلام اور ان کے مابین حجاب بھی ہے۔ یہ ان کا گمان ہے میں نے ایسا نہیں کیا۔ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ بِهٖۤ اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ وَ اِذْ هُمْ نَجْوٰۤى۔ ہم خوب جانتے ہیں، جس غرض کے لئے یہ سنتے ہیں اسے جب یہ کان لگاتے ہیں۔

اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ (الاسراء)

اس وقت یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم نہیں پیروی کر رہے مگر ایسے آدمی کی جس پر جادو کر دیا گیا ہو۔ وہ اسی طرح ایک دوسرے کو وصیت کرتے ہیں تاکہ وہ اس پیغام کو چھوڑ دیں جس کے ساتھ آپ علیہ السلام مبعوث ہوئے ہیں۔

اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۴۸﴾ (الاسراء)

"دیکھئے (یہ گستاخ) کس طرح آپ کے لئے مثالیں بیان کرتے ہیں۔ پس (اس گستاخی کے باعث وہ گمراہ ہو گئے اب وہ سیدھا راستہ پر چل نہیں سکتے۔" وہ آپ علیہ السلام کے لئے ضرب

مستور کے متعلق بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ ساتر کے معنی میں ہے جس طرح "كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِیًّا" آتیا کے معنی میں ہے۔ صحیح بات یہ ہے یہ کسی کے دروازے پر پردہ لٹکانے کی مانند ہے کیونکہ وہ دل پر حجاب ہے، اس لئے وہ نظر نہیں آتا۔

الامثال بیان کر کے غلطی کرتے ہیں وہ نہ تو اس طرح ہدایت پا سکتے ہیں اور نہ ہی اس سے راہ اعتدال پر گامزن ہو سکتے ہیں۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿٤٩﴾ (الاسراء)

''اورانہوں نے (ازراہِ انکار) کہا جب ہم (مرکر) ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہمیں اٹھایا جائے گا از سرنو پیدا کیا جائے گا۔'' آپ ہمیں اس سے آگاہ کرنے کے لئے آئے ہیں کہ عنقریب ہمیں موت کے بعد اٹھایا جائے گا جبکہ ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے۔ یہ ناممکن ہے۔ آپ ﷺ فرمائیں۔

قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿٥٠﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (الاسراء)

''فرمایئے (یقیناً ایسا ہی ہوگا) خواہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا بن جاؤ یا ایسی مخلوق بن جاؤ جس کا از سرِ نو پیدا کرنا تمہارے خیال میں بہت مشکل ہے وہ کہیں گے ہمیں دوبارہ کون (زندہ کر کے) لوٹائے گا۔ فرمایئے وہی جس نے پیدا فرمایا تمہیں پہلی مرتبہ'' جس نے تمہیں اس چیز سے تخلیق کیا جسے تم جانتے ہو پھر مٹی سے تمہیں پیدا کرنا اس پر ہرگز مشکل نہیں۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں۔ ''میں نے ان سے پوچھا۔ ''اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ'' سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے۔ انہوں نے فرمایا'' اس

ابن اسحاق نے فرمایا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ''اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ'' سے مراد موت ہے۔ یہ تفسیر مزید تشریح کی محتاج ہے میں نے بعض متاخرین علماء کا یہ قول سنا ہے کہ شاید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مراد اس قول سے یہ ہے کہ عنقریب موت بھی اسی طرح فنا ہو جائے گی جس طرح ہر چیز ختم ہو جائے گی۔ جس طرح روایت ہے کہ موت کو پل صراط پر ذبح کر دیا جائے گا۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اگر تم پتھر یا لوہا بن جاؤ تمہیں موت اور فناء پھر بھی آ کر رہے گی اگر تم موت بھی بن جاؤ جسے تم اپنے دلوں میں بڑا سمجھتے ہو پھر بھی تمہیں فناء کے گھاٹ اترنا پڑے گا۔ اس آیت کی تاویل میرے دل کو مسلسل بے چین کر رہی ہے۔ ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ مجھے اس کو سمجھنے کی توفیق دے گا۔ نُفُوْرًا ممکن ہے نَافِرٌ کی جمع ہو اور حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ لوَلوا کا مصدر مؤکد ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ (یونس: ۴۲)

سے مراد موت ہے"۔

جاںنثارانِ مصطفیٰ ﷺ پر ظلم وستم کی انتہاء

ابن اسحاق فرماتے ہیں کفار مکہ نے ہر مسلمان پر ظلم کی انتہاء کردی۔ جس نے آپ ﷺ کی اتباع کی اسے ظلم وتعدی کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک مرد مومن کا جس قبیلے سے تعلق ہوتا وہ قبیلہ اس پر جھپٹ پڑتا۔ کفار نے مسلمانوں کو قید کیا وہ انہیں مار کر، بھوک سے اور پیاسا رکھ کر تکلیف دیتے۔ جب گرمی شدید ہو جاتی تو انہیں تپتی ریت پر لٹایا جاتا۔ بعض اس فتنے کی شدت کو برداشت نہ کر سکے اور وہ اس فتنے کا شکار ہو گئے اور بعض نے انتہائی استقامت کا مظاہرہ کیا۔ اللہ رب العزت

"اور ان میں سے کچھ (بظاہر) کان لگاتے ہیں آپ کی طرف تو کیا آپ سناتے ہیں بہروں کو۔"

اس آیت میں اللہ رب العزت نے يَسْتَمِعُوْنَ کو جمع ذکر فرمایا ہے۔ جب لفظ "من" فعل کے قریب ہو تو لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے قرب کی وجہ سے فعل واحد استعمال کرنا بہتر ہے، مثلاً اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ۔ لفظ من کی وجہ سے واحد کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اسی آیت کے آخر میں فرمایا وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ، مَنْ سے دور ہونے کی وجہ سے معنی پر محمول کرتے ہوئے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ میں بھی قیاس کا تقاضا یہی تھا لیکن کیونکہ وہ ایک جماعت تھے اس لئے من ان کے اعیان کے اعتبار سے مستعمل ہے یہ عبارت یوں ہوگی۔ وَمِنْهُمْ نَفَرٌ يَّسْتَمِعُوْنَ یعنی وہ گروہ جو ابوجہل، ابوسفیان اور اخنس پر مشتمل تھا پھر بعد میں فرمایا وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ۔ اب صیغہ واحد استعمال کیا کیونکہ پہلا سبب ختم ہو گیا تھا۔

کفر ومعصیت پر اکراہ

ابن اسحاق نے ان جاںنثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کیا ہے جنہیں تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ انہیں تپتے ریگستان میں پھینک دیا جاتا تھا اور انہیں لوہے کی زرہیں پہنائی جاتی تھیں۔ حتیٰ کہ ان کی زبانوں پر وہ کلمۂ کفر آ جاتا جس کا مطالبہ کفار ان سے کرتے تھے لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے زبان مبارک میں ذرہ بھر بھی لغزش نہ آتی۔ اللہ رب العزت نے انہی کے متعلق یہ آیہ مبارکہ نازل فرمائی۔ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (النحل:۱۰۶)

حضرت عمار اور ان کے والد محترم رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً۔ مگر اس حالت میں کہ تم کرنا چاہو ان سے اپنا بچاؤ۔

نے انہیں بچالیا۔

مجسمۂ استقامت، عاشق رسول حضرت بلال رضی اللہ عنہ

پیکر استقامت، سراپا عشق حضرت بلال رضی اللہ عنہ، بنو جمح کے کسی آدمی کے غلام تھے۔ انہی کے پاس آپ رضی اللہ عنہ پروان چڑھے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی بلال بن رماح تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ کا نام ''حمامہ'' تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ اسلام کے شیدائی اور پاکیزہ دل تھے۔ جب دوپہر خوب گرم ہو جاتی تو امیہ بن خلف بن وھب بن حذافہ بن جمح آپ رضی اللہ عنہ کو باہر لے آتا۔ وادیٔ بطحا کی چٹانوں پر آپ رضی اللہ عنہ کو لٹا لیتا پھر بہت بھاری پتھر منگوا کر آپ رضی اللہ عنہ کے سینۂ اقدس پر رکھ دیتا پھر کہتا۔ ''تمہارے ساتھ یہی سنگدلانہ سلوک ہوتا رہے گا یا پھر محمد عربی ﷺ سے انکار کر کے لات وعزیٰ کی عبدیت کا اقرار کر لو گے''۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آزمائش کی اس کٹھن ساعت میں بھی اَحَدٌ اَحَدٌ کے ترانے الاپتے رہتے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اسی طرح اذیت دی جا رہی تھی ان کی مبارک زبان پر احد احد تھا۔ ان کے پاس سے ورقہ بن نوفل گزرتے وہ بھی احد احد کہتے پھر امیہ بن خلف اور بنو جمح کے دیگر افراد کو مخاطب کر کے کہتے۔ ''اے بنو جمح! قسم بخدا! اگر تم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تو میں ان کی مرقد انور کو رحمت الٰہیہ کی آماجگاہ بناؤں گا''۔ ایک دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہی غیر انسانی سلوک جاری تھا۔ وہاں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا ان کا گھر بنو جمح کے گھروں کے قریب ہی تھا، انہوں نے امیہ بن خلف سے کہا کیا تو اس مسکین کے بارے اللہ

کیونکہ ایمان کی جگہ دل ہے۔ اس لئے مؤمن کو یہ رخصت دی گئی ہے کہ جب اسے اپنی جان کا خطرہ ہو تو وہ اپنی زبان پر کلمۂ کفر لے آئے حتی کہ وہ امن میں ہو جائے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے''۔ ہر وہ کلمہ جو مجھے دو ڈنڈوں سے بچا لے میں اسے اسی قول کے زمرہ میں شمار کرتا ہوں جہاں تک افعال کا تعلق ہے تو ان میں حالات کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ ایک حالت وہ بھی ہے جس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں مثلاً شراب پینا۔ جب انسان کو اپنی جان کے تلف ہونے کا خوف ہو لیکن اگر جان کا خطرہ نہ ہو تو پھر صبر کرنا افضل ہے لیکن اگر اسے ایک دن کی قید یا کچھ بے عزتی کا خطرہ ہو تو اس کے لئے معصیت حلال نہیں ہوتی۔ جہاں تک کسی کو قتل کرنے پر اکراہ کا تعلق ہے تو اس کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ اسے قتل سے کم رخصت اس لئے دی گئی تھی تا کہ وہ ایک مؤمن نفس کا

تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔ تو انہیں کب تک یہ تکالیف دیتا رہے گا؟ امیہ نے کہا "اے ابوبکر! اسے تم نے ہی بگاڑا ہے اس عذاب سے اسے تم ہی نجات دلا سکتے ہو"۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میرے پاس ایک سیاہ فام غلام ہے جو بلال سے زیادہ توانا و طاقتور ہے۔ وہ تیرے دین پر بھی ہے۔ میں تمہیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بدلے وہ دیتا ہوں" امیہ نے یہ سودا قبول کر لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وہ سیاہ فام غلام امیہ کو دے کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید لیا پھر انہیں آزاد کر دیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ ہجرت کرنے سے قبل چھ غلام آزاد کئے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ساتویں تھے۔ ۱۔ عامر بن فُہیرہ۔ انہوں نے غزوۂ بدر اور احد میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ بئر معونہ کے دن شہادت سے سرخرو ہوئے۔ ۲۔ ام عُمیس۔ ۳۔ زنیرہ۔ جب انہیں آزادی نصیب ہوئی تو ان کی نظر ختم ہو چکی تھی۔ قریش مکہ کہنے لگے "لات و عزیٰ نے ہی اسے بصارت سے محروم کیا ہے"۔ اس وقت اس خاتونِ محترمہ سے کہا۔ "بیت اللہ کی قسم! لات و عزیٰ نہ تو کوئی نقصان دے سکتے ہیں اور نہ ہی فائدہ"۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بصارت کی نعمت دوبارہ عطا کر دی۔ ۴، ۵۔ حضرت النہدیہ اور ان کی نور نظر۔ یہ دونوں بنو

اس سے دفاع کرے۔ یہ نفس اس کی اپنی ہی جان ہے اس طرح دوسری جان دے کر اپنی جان بچا لینے کی کوئی رخصت نہیں۔ بدکاری پر اکراہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن ماجشون سے روایت ہے کہ اس میں کوئی رخصت نہیں ہے کیونکہ اس میں دلی ارادے اور شہوت کا دخل ہے اور دل کے افعال اکراہ کے ساتھ مباح نہیں ہوتے۔ دیگر علماء فرماتے ہیں اس میں اس شخص کو اجازت ہے جسے قتل کا خطرہ ہو کیونکہ اس طرح مس کرنے سے شہوت کا پیدا ہونا اسی طرح ہے جس طرح کھانا چباتے وقت تھوک پیدا ہوتا ہے۔ بعض اوقات مجبوری کے عالم میں حرام کھانا بھی جائز ہے۔

اصولیین کا اکراہ کے مسئلہ میں اختلاف ہے۔ کیا وہ شخص جسے کسی کام پر مجبور کیا جا رہا ہو وہ مخاطب بالفعل ہوگا یا نہیں۔ معتزلہ کے نزدیک اس پر اس فعل کا امر جائز نہیں ہے۔ اشعریہ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ عزم کا تعلق دل سے ہے اس لئے اس وقت اس سے عزم اور نیت کا تصور کر لیا جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کا قصد ہے اگرچہ اس کا ظاہر یہ ہے کہ وہ لوگوں کے خوف سے وہ فعل سرانجام دے رہا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کسی کو کسی فرض پر مجبور کیا جائے مثلاً اس سے کہا جائے، نماز ادا

عبدالدار کی ایک عورت کی غلام تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ان کے پاس سے اس وقت گذر ہوا جب وہ عورت انہیں آٹا پسوانے کے لئے بھیج رہی تھی وہ کہہ رہی تھی۔ ''قسم بخدا! میں تمہیں ہرگز آزاد نہیں کروں گی''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے کہا ''اے فلاں کی ماں! اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے''۔ اس عورت نے کہا ''تم نے ہی انہیں بگاڑا ہے''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ان کی قیمت کیا لو گی؟ اس عورت نے کہا ''اتنی''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا ہے''۔ آپ رضی اللہ عنہ حضرت نھایۃ اور ان کی لختِ جگر رضی اللہ عنہما سے فرمایا ''اس عورت کا آٹا واپس کردو''۔ انہوں نے کہا ''ابھی واپس کر دیں یا پسوا کر''۔ انہوں نے فرمایا ''جیسے تمہاری مرضی''۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بنو مؤمل کی ایک لونڈی کے پاس سے گزرے۔ وہ لونڈی دولت اسلام سے مالا مال تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے اذیت دے رہے تھے تاکہ وہ اسلام چھوڑ دے۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ شرک پر تھے۔ آپ اسے لگاتار مارتے رہتے جب آپ تھک جاتے تو کہتے ''میں نے تجھے صرف اس لئے چھوڑ دیا ہے کہ میں تھک گیا ہوں''۔ وہ لونڈی کہتی۔ ''اللہ تم سے بھی اسی طرح سلوک کرے گا''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے

کرو ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے''۔ اگر کسی شخص سے کہا جائے ''اگر تم نے نماز ادا کی تو تمہیں قتل کر دیا جائے گا''۔ قاضی صاحب نے کہا ہے اس مسئلہ میں ہمارا اور معتزلہ کا اختلاف ہے ان کے بعض ساتھیوں نے غلطی کی اور کہا کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ مخاطب بالصلوٰۃ، نماز کا مامور ہے اگرچہ اسے اس کو ترک کرنے کی رخصت بھی دی گئی ہو۔ یہ رخصت اسے خطاب کے حکم سے خارج نہیں کرتی۔ اکراہ اس کے اس گناہ کو اٹھا دیتا ہے نہ ہی رخصت اسے اس سے مخاطب ہونے سے خارج کرتی ہے۔ یہ غلط بات قاضی کی طرف منسوب ہے لیکن یہ ان کا قول نہیں ہے۔ ''کتاب التقریب والارشاد'' میں فقہاء کے ایک گروہ نے یہ نقطۂ نظر لکھا ہے وہ کہتے ہیں اکراہ کے ساتھ فعل پر ارادہ اور قصد کا تصور نہیں کیا جا سکتا لیکن قاضی صاحب اسے باطل قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ اکراہ کے باوجود ارادہ اور قصد کا تصور کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ اس کام کی بجا آوری کے قصد کا تصور بھی مانتے ہیں اور اسی کے ساتھ تکلیف کا تعلق بھی ہے۔ جن اصولیین نے ان کی طرف وہ قول منسوب کیا ہے جو ابھی باطل قرار دیا جا چکا ہے۔ انہوں نے غلطی کی ہے۔ میں نے مذکورہ بالا قول ان کے اس مسئلہ پر کلام دیکھنے سے اور ان کے مذہب کی حقیقت سے واقف ہونے سے قبل ذکر کیا ہے۔ وہ خود اس خطاء سے بری ہیں۔

اسے بھی خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت ابوبکر صدیق اور رضائے الٰہی

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن عبد اللہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو قحافہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا "اے میرے فرزند دلبند! میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور غلاموں کو آزاد کر رہے ہو۔ اگر تم یہ احسان طاقت ور غلاموں پر کرو تو وہ مصیبت کے وقت تمہارا دفاع کریں گے اور تمہارے کام بھی آئیں گے"۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ "اے والد محترم! میں یہ سب کچھ رضائے الٰہی کے حصول کے لئے کر رہا ہوں"۔ اس وقت قرآنِ پاک کی ان آیات کا نزول ہوا۔

فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَاتَّقٰی ۙ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰی ۙ﴿۶﴾ .... اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡہِ رَبِّہِ الۡاَعۡلٰی ﴿ۚ۲۰﴾ وَلَسَوۡفَ یَرۡضٰی ﴿۲۱﴾ (الیل)

پھر جس نے (راہِ خدا میں اپنا) مال دیا اور (اس سے) ڈرتا رہا اور (جس نے) اچھی بات کی تصدیق کی...... اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو، بجز اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی خوشنودی کا طلب گار ہے اور وہ ضرور (اس سے) خوش ہوگا۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی تکالیف

ابن اسحاق کہتے ہیں بنومخزوم حضرت عمار اور ان کے والدین رضی اللہ عنہم کو لے کر باہر آجاتے وہ اسلام کے گھرانے کے باشندے تھے۔ جب دوپہر خوب تپ جاتی تو وہ انہیں مکہ معظمہ کے پہاڑوں پر لے جاتے۔ حضور ﷺ کا ان کے پاس گزر ہوتا تو فرماتے، "اے آلِ یاسر صبر کا دامن تھامے رکھنا تمہارا ٹھکانہ جنت ہے"۔ ان کی والدہ ماجدہ کو شہید کر دیا گیا لیکن

آلِ یاسر

ابن اسحاق نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کیا ہے۔ ہم نے ذکر کر دیا ہے کہ انہیں ابوجہل نے شہید کیا تھا۔ یہ پہلی خاتون تھیں جن کے سر پر سب سے پہلے شہادت کا تاج سجایا گیا۔ روایت ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض کی "یارسول اللہ ﷺ! ہماری تکالیف تو اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہیں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "ابو یقظان! صبر کرو"۔ پھر آپ ﷺ نے دعا مانگی مولا! آلِ عمار میں سے کسی کو بھی آگ کے عذاب میں مبتلا نہ کرنا۔

انہوں نے اسلام کو ترک نہ کیا۔ ابو جہل وہ بد بخت اور بد کردار شخص تھا جو قریش کے مردوں کو ابھارتا تھا۔ اگر وہ ایسے شخص کے متعلق سنتا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا ہے جو صاحب شرف اور ذی قدر ہوتا تو وہ اسے ذلیل ورسوا کرتا وہ اس سے کہتا "تو نے اپنے آباء کا دین ترک کر دیا ہے حالانکہ وہ مذہب تیرے اس دین سے بہتر تھا۔ ہم تجھے احمق کہیں گے، تیری رائے کمزور کر دیں گے، تیرا شرف ختم کر دیں گے"۔ اگر اسلام لانے والا شخص تاجر ہوتا تو وہ کہتا "قسم بخدا! ہم تیری تجارت ختم کر دیں گے، ہم تیرا مال برباد کر دیں گے"۔ اگر دولت اسلام سے مالا مال ہونے والا شخص غریب ہوتا تو وہ اسے مارتا اور دوسروں کو بھی اسے مارنے کی ترغیب دیتا۔ ابن اسحاق نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں "میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کیا مشرکین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اتنی اذیت دیتے تھے جس سے وہ اپنے دین کو ترک کرنے میں معذور سمجھے جاتے تھے؟" انہوں نے فرمایا "ہاں قسم بخدا! وہ انہیں اتنا شدید مارتے، انہیں بھوکا رکھتے اور انہیں پیاسا رکھتے حتیٰ کہ وہ اذیتوں کی وجہ سے صحیح طور پر بیٹھ بھی نہ سکتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ اپنی زبانوں سے مجبوراً کلمۂ کفر کہہ دیتے تھے۔ اگر مشرکین کسی سے کہتے کیا لات وعزیٰ تیرے معبود ہیں وہ کہتا ہاں۔ اگر گندا کیڑا ادھر سے گزرتا مشرکین کسی جانثار سے پوچھتے کیا خدا کو چھوڑ کر اسے معبود مانتے ہو وہ کہتا ہاں۔ یہ سب کچھ ان تکالیف اور مصائب کی وجہ سے تھا جو حد سے تجاوز کر گئے تھے"۔

ہشام بن ولید کا واقعہ

ابن اسحاق کہتے ہیں زبیر بن عکاشہ نے مجھے بیان کیا ہے کہ جب ولید بن ولید نے اسلام

ان کی والدہ ماجدہ بنت خیاط تھیں۔ وہ ابو حذیفہ بن مغیرہ کی خادمہ تھیں۔ ابو حذیفہ کا نام مہشم تھا۔ یہ ابو جہل کا چچا تھا۔ ابن ابی قتیبہ نے اس میں خطاء کی ہے۔ انہوں نے گمان کیا ہے کہ حارث بن کلدۃ کے غلام ازرق نے حضرت یاسر کے بعد حضرت سمیہ سے شادی کر لی اور ان سے سلمہ بن ازرق پیدا ہوئے۔ اہل علم فرماتے ہیں سلمہ کی والدہ دوسری سمیہ تھیں۔ وہ ام زیاد بن ابی سفیان تھیں۔ ام عمار نہ تھیں عمار، حویرث اور عبود، یاسر بن عامر بن مالک بن کنانہ بن قیس بن حصین بن لوذین کی اولاد میں سے تھے یہ بھی کہا جاتا ہے۔ الوذیم بن ثعلبہ بن عوف عامر بن حارثہ بن زیام بن عنس بن مالک بن ادو بن زید العنسی المذحجی۔ یہ بنو مخزوم کے حلیف تھے۔ عبد اللہ بن سعد بن حسن بن عثمان بن حسن بن عبد اللہ بن سعد بن عمار بن یاسر تھے۔ یہ اندلس میں قتل ہوئے۔ عبد الرحمٰن بن معاویہ نے انہیں قتل کیا۔

قبول کیا تو بنومخزوم کے کچھ لوگ ہشام بن ولید کے پاس گئے۔ انہوں نے یہ طے کیا کہ وہ اپنے ان جوانوں کو گرفتار کرلیں جنہوں نے اسلام لانے کی سعادت حاصل کی تھی۔ ان سعادتمند افراد میں سے سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ بھی تھے۔ وہ لوگ ہشام سے کہنے لگے ہماری خواہش ہے کہ ہم ان جوانوں کو سرزنش کریں جنہوں نے ایک نیا دین ایجاد کرلیا ہے۔ ہشام نے کہا تم ولید کو سرزنش کرلو لیکن اس کی جان لینے سے بچنا پھر اس نے یہ شعر پڑھے۔

أَلَا لَا يَقْتُلَنَّ أَخِي عُيَيْشٍ فَيَبْقَى بَيْنَنَا أَبَدًا تَلَاحِي

خبردار! میرے بھائی عییش کو قتل نہ کرنا ورنہ ہمارے مابین دائمی عداوت رہے گی۔

اس کی جان کے پیچھے نہ پڑنا قسم بخدا! اگر تم نے اسے قتل کر دیا تو میں تم میں سے سب سے معزز شخص کو قتل کردوں گا۔ یہ سن کر بنومخزوم کے لوگ کہنے لگے ''اللہ تعالیٰ اس خبیث پر لعنت کرے، اس کا مقابلہ کون کرسکتا ہے اللہ کی قسم اگر اس کے بھائی کو ہمارے ہاتھوں اذیت پہنچی تو وہ ضرور ہم میں سے معزز ترین شخص کو قتل کردے گا''۔ اس طرح انہوں نے اپنا ارادہ ترک کردیا۔

زنیرہ اور دیگر آزاد کردہ غلام

ابن اسحاق نے حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کیا ہے۔ انہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آزادی کی نعمت عطا کی تھی۔ صحیح روایت کے مطابق یہ فعیلۃ کے وزن پر ہے۔ اس کی جمع زنانیر ہے۔ اس کا معنی چھوٹے چھوٹے سنگریزے ہیں (ابوعبیدہ) بعض علمائے لغت سے زنبرۃ پڑھتے ہیں لیکن عورتوں میں اس نام کی کوئی عورت نہیں۔ مردوں میں زنبرۃ بن زبیر بن مخزوم بن ماہلہ بن کاہل بن حارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر ہے اس کے بیٹے کا نام خالد بن زبنرہ تھا۔ یہ دریا میں غرق ہوا تھا۔

ام عمیس

یہ تیم بن مرہ کی لونڈی تھیں۔ انہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آزاد کروایا۔ ابن اسحاق کے علاوہ دیگر مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ ہر قبیلہ چمڑے کا وہ بستر لے کر آتا جس میں پانی ہوتا تھا وہ ان جانثاروں کو ان میں بند کرلیتے پھر انہیں اٹھاتے۔ حضرت بلال کے علاوہ تمام کو یہ اذیت دی گئی۔ ورقہ بن نوفل نے کہا لَئِنْ قَتَلْتُمُوْهُ لَاَتَّخِذَنَّ حِنَانًا۔ ہ کی ضمیر لَاَتَّخِذَنَّ سے حال ہے''۔ میں ان کی مرقد انور کو رحمت کی آماجگاہ اور سکون کا ٹھکانہ بنالوں گا''۔ حنان کا معنی رحمت ہے، حضرت بلال کی کنیت

یہ سبب ان اسباب میں سے ایک تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بچایا۔

ابوعبدالکریم تھی۔ بعض علماء ابوعبداللہ کنیت بتاتے ہیں۔ ان کی بہن کا نام غفرہ تھا۔ غفرہ کے غلام کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ پہاڑی بکری کو غفرہ کہا جاتا ہے۔ پہاڑی بکرے کو غفر کہا جاتا ہے۔

سرزمین حبشہ کی طرف پہلی ہجرت

ابن اسحاق کہتے ہیں جب حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مصائب اور دکھ ملاحظہ کئے۔ آپ ﷺ خود تو عصمت الٰہیہ اور چچا محترم کی تائید کی وجہ سے قدرے امن میں تھے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مصائب برداشت کرنا مشکل تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا۔'' کاش کہ تم سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ وہاں اس عظیم بادشاہ کی حکومت ہے جس کے پاس ظلم نہیں ہوتا وہ صداقت کی سرزمین ہے پھر وہاں مقیم رہو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تم سے یہ مصائب کو دور کرنے کا چارہ فرمادے۔'' آپ ﷺ کا یہ فرمان سن کر صحابہ کرام نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تاکہ وہ فتنہ و آزمائش سے محفوظ رہیں اور وہاں اللہ تعالیٰ کے دین پر عمل پیرا ہوسکیں۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی ہجرت تھی۔

حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے صحابہ کرام

بنوامیہ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر میں سے حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ نے اپنی زوجہ محترمہ لخت جگر

حبشہ کی طرف ہجرت

ہم نے کتاب کی پہلی جلد میں حبشہ کا تذکرہ کیا تھا۔ ہر وہ بادشاہ جو حبشہ کا اقتدار سنبھالتا اسے نجاشی کے نام سے موسوم کیا جاتا، جس طرح ہر وہ بادشاہ جو ایران کا حاکم بنتا اسے کسریٰ، جو ترک کی زمام اقتدار سنبھالتا اسے خاقان اور جو یونان کا شہنشاہ بنتا اسے بطلیموس کہا جاتا۔ اس وقت حبشہ کے والی کا نام اصحمہ بن الجبر تھا۔ اصحمہ کا معنی عطیہ ہے۔

ابن اسحاق نے ان بلند قسمت صحابہ کرام کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان میں حضرت عثمان بن عفان اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہما کا ذکر جمیل کیا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہما عقد نکاح میں منسلک ہوئے تو اس وقت عورتوں نے یہ شعر گنگنایا۔

أَحْسَنُ شَخْصَيْنِ رَأَى إِنْسَانٌ　رُقَيَّةُ　وَ　بَعْلُهَا عُثْمَانُ

وہ سب سے حسین جوڑی جو کسی انسان نے دیکھی ہے وہ حضرت رقیہ اور ان کے خاوند محترم حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی ہے۔

مصطفٰی ﷺ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی بنو عبد شمس میں سے ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس نے ہجرت کی سعادت حاصل کی۔ ان کے ہمراہ ان کی زوجہ محترمہ حضرت سہلہ بنت سہیل بن عمرو بھی تھیں۔ ان کا تعلق بنو عامر بن لوی سے تھا۔ انہوں نے سرزمین حبشہ میں محمد بن ابی حذیفہ کو جنم دیا۔ بنو اسد بن عبد العزی بن قصی میں سے حضرت زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد نے ہجرت کی۔ بنو عبد الدار بن قصی میں سے حضرت مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار نے یہ سعادتِ عظمیٰ حاصل کی۔ بنو زہرہ بن کلاب میں سے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف بن عبد عوف بن حارث بن زہرہ ہجرت فرما ہوئے۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی کنیت ابو عبد اللہ رکھی۔ چھ سال کی عمر میں یہ عبد اللہ عالم بالا کو سدھار گئے۔ ایک مرغ نے ان کی آنکھوں میں چونچیں ماریں جس سے ان کا چہرہ سوجھ گیا اور انتقال فرما گئے۔ ان کا وصال جمادی الاول ۴ھ کو ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی کنیت ابو عمرو رکھ لی۔ آپ کے اس نور نظر کو عبد اللہ الاصغر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا ایک لختِ جگر فاختہ بنت غزوان سے بھی تھا اس کا نام عبد اللہ الاکبر تھا۔ ان کے بعد عمرو کی ولادت ہوئی آپ رضی اللہ عنہ کے دیگر فرزندوں کے نام یہ ہیں۔ ۱۔ عمر۔ ۲۔ خالد۔ ۳۔ سعید۔ ۴۔ ولید۔ ۵۔ مغیرہ۔ ۶۔ عبد الملک۔ ۷۔ ابان (رضی اللہ عنہم) کتب سیرت میں ہے بنت رسول ﷺ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا تمام انسانوں سے حسین ترین تھیں۔ جب آپ ﷺ سرزمین حبشہ میں تشریف لے گئیں تو وہاں کے لوگ آپ رضی اللہ عنہا کے حسن کو دیکھ کر رقص کرنے لگتے۔ ان کی یہ حرکت دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہا کو اذیت ہوتی لیکن مسلمان پردیس میں ہونے کی وجہ سے انہیں کچھ نہ کہتے۔ یہ فتنہ پسند گروہ نجاشی کے ہمراہ دشمن کے ساتھ لڑنے کے لئے گئے وہاں تمام قتل ہو گئے۔ اس طرح حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے ان سے نجات حاصل کی۔ نجاشی نے اس معرکہ میں اپنے دشمن کو شکست دی۔ علامہ زبیر نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو کچھ تحائف دے کر حضرت عثمان اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا۔ وہ قاصد کافی عرصہ وہیں ٹھہرا رہا۔ جب وہ واپس آیا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا "اگر تم چاہو تو میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ کس چیز نے تمہیں وہیں روکے رکھا؟" اس نے عرض کی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا "حضرت عثمان اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہما کے حسن و جمال نے تجھے وہاں

بنومخزوم بن یقظہ بن مرہ میں سے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم نے ہجرت فرمائی۔ ان کے ہمراہ ان کی زوجہ محترمہ ام سلمہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بھی تھیں۔ بنوجمح بن عمرو بن ھصیص بن کعب میں سے حضرت عثمان بن مظعون بن حبیب بن وھب بن حذافہ بن جمح رضی اللہ عنہ اس سعادت میں شامل تھے۔ بنوعدی بن کعب میں سے عامر بن ربیعہ، آل خطاب کے حلیف نے ہجرت کی۔ ان کے ہمراہ ان کی شریکِ حیات حضرت لیلیٰ بنت ابی حشمہ بن حذیفہ بن غانم بن عامر بن عبداللہ بن عوف بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب بھی تھیں۔ بنوعامر بن لوئی میں سے ابوسبرہ بن ابی رہم بن عبدالعزی بن ابی قیس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر نے یہ سعادت حاصل کی۔ ایک قول کے مطابق ابوحاطب بن عمرو بن عبدشمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر نے یہ سعادت حاصل کی۔ ایک قول کے مطابق سب سے پہلے حبشہ پہنچنے والی شخصیت یہی تھے۔ بنوحارث بن فہر سے سہیل بن بیضاء یعنی سہیل بن وھب بن ربیعہ بن ہلال بن اھیب بن ضبہ بن حارث تھے۔ یہ وہ دس فرخندہ فال افراد تھے جو مسلمانوں میں سب سے پہلے سرزمین حبشہ پہنچے۔

ابن ہشام کہتے ہیں قیادت کی باگ ڈور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں پھر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی۔ پھر مسلمان ہجرت کر کے حبشہ جاتے رہے حتیٰ کہ وہ وہاں کافی تعداد میں جمع ہو گئے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کے اہل خانہ بھی تھے جبکہ بعض نے تنہا ہجرت کی۔

رو کے رکھا''۔ اس نے عرض کی۔'' آپ ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔ میں ان کے حسن و جمال کی دلکشی میں کھویا رہا''۔ ابن اسحاق نے ان افراد کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے حبشہ کی زمین کی طرف ہجرت کی۔ ان میں سے بعض کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے، ہم نے وہاں حضرت عمرو بن سعید بن العاص کے ایمان لانے کا سبب بھی لکھا تھا۔ انہوں نے چاہِ زمزم سے ایک نور دیکھا جس سے مدینہ طیبہ کے نخلستان جگمگا اٹھے انہوں نے وہاں کھجوریں دیکھیں، جب انہوں نے اپنا خواب بیان کیا تو انہیں بتایا گیا کہ یہ بنوعبدالمطلب کا کنواں ہے۔ یہ نور انہی میں سے ہوگا۔ یہی خواب ان کے جلد اسلام قبول کرنے کا سبب بنا۔

بنو ہاشم اور بنوامیہ کے مہاجرین

بنو ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر میں سے حضرت جعفر بن ابی طالب بن عبد المطلب نے یہ سعادت حاصل کی۔ ان کے ساتھ ان کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس بن نعمان بن کعب بن مالک بن قحافہ بن خشعم تھیں۔ حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی ولادت حبشہ میں ہی ہوئی۔ بنوامیہ بن عبد شمس بن عبد مناف میں سے حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس نے اپنی شریک حیات کے ہمراہ، حضرت عمرو بن سعید بن العاص بن امیہ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت فاطمۃ بنت صفوان بن امیہ بن محرث بن حمل بن شق بن رقبہ بن مخدج کنانی کے ساتھ، ان کے بھائی خالد بن سعید بن عاص بن امیہ نے اپنی بیوی امینہ بنت خلف بن سعد بن عامر بن بیاضہ بن سبیع بن جعثمہ بن سعد ملیح بن عمرو خزاعی نے ہجرت کی۔ ابن ہشام کہتے ہیں امینہ کو ھمینہ بنت خلف بھی کہا جاتا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں حبشہ میں ان کے ہاں سعید بن خالد اور امۃ بنت خالد پیدا ہوئے۔ بعد میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے حضرت امۃ کے ساتھ شادی کر لی اور ان سے عمرو بن زبیر اور خالد بن زبیر پیدا ہوئے۔

سعد اور خالد فرزندانِ عاص کا خواب

پہلے گزر چکا ہے کہ یہ خواب عمرو کے بھائی نے دیکھا تھا تو عمرو نے اس کی تعبیر بیان کی تھی، صحیح یہی ہے۔ ان کے بھائی خالد بن سعید نے قبولِ اسلام سے قبل دیکھا کہ وہ شعلہ زن آگ کے اوپر کھڑا ہے۔ حضور ﷺ اس کے دامن سے پکڑ کر اسے گرنے سے روک رہے ہیں۔ جب وہ بیدار ہوا تو اسے یقین ہو گیا کہ آگ سے اس کی نجات دست مصطفیٰ ﷺ میں ہے، جب انہوں نے اپنے ایمان کا اظہار کیا تو ان کے باپ نے ان کو ڈنڈے سے اتنا مارا کہ ڈنڈا ان کے سر پر لگ کر ٹوٹ گیا۔ اس نے قسم اٹھائی کہ وہ ان کے علاج پر کوئی خرچہ نہیں کرے گا۔ ان کے بھائیوں کو بھی اکسایا گیا، انہوں نے بھی انہیں ظلم وتعدی کا نشانہ بنایا۔ یہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان کے باپ سعید بن عاصی کی کنیت ابواحیحہ تھی۔ اس کے متعلق شاعر کہتا ہے۔

أَبُوْ أُحَيْحَةَ مَنْ يَعْتَمْ عِمَّتَهُ يُضْرَبْ وَ إِنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَ ذَا عَدَدِ

ابواحیحہ کی شان یہ ہے کہ جو شخص اس کا عمامہ پہنتا ہے اسے مارا جاتا ہے اگر چہ وہ شخص صاحب

بنو اسد اور بنو عبد شمس کے مہاجرین

بنو اسد بن خزیمہ میں سے عبداللہ بن جحش بن رباب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد، ان کے بھائی عبید اللہ بن جحش ان کے ہمراہ ان کی زوجۂ محترمہ حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان بن حرب بن امیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، قیس بن عبداللہ، بنو اسد بن خزاعہ کا ایک اور شخص اپنی بیوی برکہ بنت یسار، ابو سفیان بن حرب بن امیہ کی لونڈی اور معیقیب بن ابی فاطمہ نے ہجرت کی۔ ان تمام کا تعلق سعید بن العاص کی اولاد سے تھا۔ ابن ہشام نے معیقیب بن دوس لکھا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں بنو عبد شمس بن عبد مناف میں سے ابو حذیفہ بن ربیعہ بن عبد شمس اور ابو موسیٰ الاشعری نے حبشہ کی طرف ہجرت کی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ بن قیس تھا وہ عتبہ بن ربیعہ کی اولاد کے حلیف تھے۔

بنو نوفل اور بنو اسد کے مہاجرین

بنو نوفل بن عبد مناف میں سے حضرت غزوان بن جابر بن وھب بن نسیب بن مالک بن حارث بن مازن بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ بن قیس بن عیلان نے ہجرت حبشہ کی سعادت

دولت اور کثیر قبیلے والا بھی ہو۔

جب ابو احیحہ عمامہ پہنتا تو پھر اس کے احترام کے لئے کوئی قرشی عمامہ نہیں پہنتا تھا، عمرو بن بحر الجاحظ اس کے متعلق کہتا ہے۔

وَ كَانَ اَبُوْ اُحَيْحَةَ قَدْ عَلِمْتُمْ بِمَكَّةَ غَيْرَ مُهْتَضِمٍ ذَمِيْمٍ

تم ابو احیحہ کو خوب جانتے ہو وہ مکہ مکرمہ میں مقیم تھا جس پر نہ ظلم کیا جا سکتا تھا اور نہ ہی وہ قابل مذمت تھا۔

اِذَا شَدَّ الْعَصَابَةَ ذَاتَ يَوْمٍ وَ قَامَ اِلَى الْمَجَالِسِ وَالْخُصُوْمِ

جب کسی دن وہ عمامہ پہنتا اور محفلوں اور جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لئے جاتا۔

لَقَدْ حَرُمَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ يَمْشِيْ بِمَكَّةَ غَيْرَ مُخْتَقِرٍ لَئِيْمٍ

تو مکہ معظمہ میں چلنے والے ہر شخص کے لئے عمامہ پہننا حرام ہو جاتا۔ عمامہ نہ پہننے کی وجہ سے نہ اسے حقیر سمجھا جاتا اور نہ ہی اس کی ملامت کی جاتی۔

حاصل کی۔ بنو اسد بن عبدالعزی بن قصی میں سے حضرت زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد، حضرت اسود بن نوفل بن خویلد بن اسد، حضرت یزید بن زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد اور حضرت عمرو بن امیہ بن حارث بن اسد نے ہجرت کی۔

بنوعبد بن قصی اور عبدالدار بن قصی کے مہاجر

بنوعبد بن قصی میں سے حضرت طلیب بن عمیر بن وھب بن ابی کثیر بن عبد نے یہ سعادت پائی۔ بنوعبدالدار بن قصی میں سے حضرت مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار، سویط بن سعد بن حرملہ بن مالک بن عمیلہ بن سباق بن عبدالدار، جہم بن قیس بن عبدشرجیل بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالداران کے ہمراہ ان کی زوجہ محترمہ ام حرملہ بنت عبدالاسود بن جذیمہ بن اقیش بن عامر بن بیاضہ بن سبیع بن جعثمہ بن سعد ملیح بن عمرو بھی تھیں، جہم کے دوفرزند عمرو اور خزیمہ، ابوالروم بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار اور فراس بن نضر بن حارث بن کلدہ بن علقمہ بن عبد مناف بن عبدالدار نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

بنوزہرہ، بنوہذیل اور بہراء کے مہاجرین

بنوزہرہ بن کلاب میں سے عبدالرحمٰن بن عوف بن عبدعوف بن عبد بن حارث بن زہرہ، عامر بن ابی وقاص، ابو وقاص سے مراد مالک بن اہیب بن عبد مناف بن زہرہ ہے اور مطلب

احیحہ حرب الفجار میں ہلاک ہوگیا۔ ابواحیحہ کے چار بیٹوں کو اسلام قبول کرنے کی سعادت ملی۔ ۱۔ حضرت ابان۔ ۲۔ حضرت خالد۔ ۳۔ حضرت عمرو۔ ۴۔ حضرت حکم۔ ان کا نام حضور ﷺ نے عبداللہ رکھا تھا۔ احیحہ بن سعید اور عاصی بن سعید وغیرہ حالت کفر میں مرے۔ عاصی غزوۂ بدر کے دن قتل ہوا۔

امۃ بنت خالد اور ان کے والد ماجد

ابن اسحاق نے امۃ بن خالد بن سعید کا ذکر کیا ہے۔ یہ حبشہ کی سرزمین میں پیدا ہوئیں۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کر لی۔ حضرت امۃ رضی اللہ عنہا وہ خوش قسمت خاتون ہیں جنہیں بچپن میں نبی معظم ﷺ نے چادر زیب تن کرائی تھی۔ یہ کہنے لگیں سَنَاہْ، سَنَاہْ یَا اُمَّ خَالِدٍ! لغتِ حبشہ میں اس کا معنی ہے واہ! بہت خوب! انہیں اہل حبشہ کی زبان آتی تھی کیونکہ ان کی ولادت وہیں ہوئی تھی۔ ان کے ہاں عمرو اور خالد کی ولادت ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ خالد بن

بن ازہر بن عبد عوف بن عبد بن حارث بن زھرہ نے اپنی زوجہ محترمہ رملہ بن ابی عوف بن ضبیرہ بن سعید بن سعد بن سہم نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، ان کے بطن مبارک سے سرزمین حبشہ میں عبداللہ بن مطلب پیدا ہوئے۔

بنو ہذیل میں سے ان کے حلیف حضرت عبداللہ بن مسعود بن حارث بن شمخ بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن حارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل اور ان کے بھائی عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، بہراء میں سے مقداد بن عمرو بن ثعلبہ بن مالک بن ربیعہ بن ثمامہ بن مطرود بن عمرو بن سعد بن زہیر بن لوی بن ثعلبہ بن مالک بن الشرید بن ابی اھوز بن ابی فائش بن دریم بن القین بن اھود بن بہراء بن عمرو بن الحاف بن قضاعہ نے ہجرتِ حبشہ میں شرکت کی۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہا جاتا ہے ہزل بن فاس بن ذر اور دھیر بن ثور بھی تھے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں۔ انہیں مقداد بن اسود بن عبد یغوث بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ بھی کہا جاتا تھا کیونکہ اسود نے انہیں جاہلیت میں اپنا بیٹا بنا لیا تھا اور ان سے معاہدہ بھی کیا تھا۔

بنو تمیم اور بنو مخزوم میں سے مہاجرین

بنو تمیم بن مرہ میں سے حارث بن خالد بن صخر بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم نے یہ سعادت حاصل کی۔ ان کے ساتھ ان کی شریک حیات ریطہ بنت حارث بن جبلہ بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بھی تھیں۔ انہوں نے سرزمین حبشہ میں موسیٰ بن حارث، عائشہ بنت حارث، زینب بنت حارث، فاطمہ بنت حارث کو جنم دیا۔ حضرت عمرو بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا۔ بنو مخزوم میں سے ابو سلمہ بن عبد الاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم نے اپنی زوجہ محترمہ ام سلمہ بنت ابی امیہ بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن

سعید نے ہی سب سے پہلے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ لکھی۔ یہ مقام اجنادین پر شہادت سے سرخرو ہوئے۔ حضور ﷺ نے انہیں صفاء اور یمن کا والی مقرر کیا جبکہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں گورنر مقرر کرنا چاہا لیکن انہوں نے کہا میں نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد کسی کے لئے کام نہیں کرنا چاہتا۔ روایت ہے کہ سعید بن عاصی بیمار ہو گیا اس نے کہا اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مرض سے شفاء دے دی تو میں ابن ابی کبشہ (ﷺ) کے معبود کی عبادت نہیں کروں گا۔ اس کے بیٹے حضرت خالد نے دعا کی مولا! اسے شفاء نہ دینا۔ وہ اس مرض سے جانبر نہ ہو سکا اور مر گیا۔ یہ بنو سعید بن عاصی بن امیہ ہیں۔

مخزوم کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان کے ہاں وہاں زینب بنت ابی سلمہ کی ولادت ہوئی۔ ابوسلمہ کا نام عبداللہ اورام سلمہ کا نام ''ہند'' تھا۔ اسی قبیلے سے حضرت شماس بن عثمان بن الشرید بن سوید بن ہرمی بن عامر بن مخزوم نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کرنے میں شرکت کی۔

شماس کی وجہ تسمیہ

ابن ہشام کہتے ہیں حضرت شماس کا نام عثمان تھا کیونکہ شماسہ میں سے ایک شماس زمانہ جاہلیت میں مکہ مکرمہ آیا وہ حسن و جمال کا پیکر تھا لوگوں نے اس کے جمال پر تعجب کیا۔ عتبہ بن ربیعہ جوشماس کا ماموں تھا کہنے لگا۔ ''میں تمہارے پاس وہ شماس لے کر آتا ہوں جوحسن و جمال میں اس شماس سے کہیں بڑھ کر ہے پھر وہ اپنے بھتیجے عثمان بن عثمان کو لے آیا اس طرح عثمان کا نام بھی شماس پڑ گیا۔ (ابن شہاب)

ابن اسحاق کہتے ہیں اسی قبیلہ سے حضرت ہبار بن سفیان بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بھی ہجرتِ حبشہ میں شامل تھے۔ ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن سفیان، ہشام بن ابی حذیفہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم، سلمہ بن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم اور عیاش بن ابی ربیعہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بھی اس سعادت میں شامل تھے۔

بنومخزوم کے حلیفوں میں سے اور بنوجمح کے مہاجرین

بنومخزوم کے حلیفوں میں سے معتب بن عوف بن عامر بن فضل بن عفیف بن کلیب بن حبشہ ابن سلول بن کعب بن عمروخزاعی نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان کو عیہامہ بھی کہا جاتا ہے۔ ابن ہشام کہتے ہیں حبشہ بن سلول بھی کہا جاتا ہے، انہیں معتب بن حمراء بھی کہا جاتا ہے۔

عبدشمس

عبدشمس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ دال سے ہے۔ جہاں تک عب شمس بن سعید بن زید مناۃ بن تمیم کا تعلق ہے تو اس کے متعلق ابوعبید اور قتبی کہتے ہیں کہ یہ بھی عبدشمس ہے لیکن اکثر علمائے لغت اسے عب شمس کہتے ہیں۔ اس کے معنی میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے اس کا معنی عبدشمس ہے لیکن دال کو مدغم کر دیا گیا ہے۔ ایک طائفہ کہتا ہے یہ عب شمس ہی ہے۔ عب شمس کا معنی سورج کی روشنی ہے۔ ضرب المثل ہے هُوَ اَبْرَدُ مِنْ عَبْقُرْ۔ وہ عبقر سے زیادہ ٹھنڈا ہے۔ مبرد کہتے ہیں یہ عب قرائی سے مشتق ہے اس سے مراد دھار کی چمک ہے۔ اس کے متعلق تیسرا قول حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے

بنو جمح بن عمرو بن ھصیص بن کعب میں سے حضرت عثمان بن مظعون بن حبیب بن وھب بن خذافۃ بن جمح، ان کے لخت جگر حضرت سائب بن عثمان، ان کے بھائی قدامہ بن مظعون اور عبداللہ بن مظعون، حضرت حاطب بن حارث بن معمر بن حبیب بن وھب بن حذافہ بن جمح اور ان کی زوجہ محترمہ فاطمہ بنت مجلل بن عبداللہ بن ابی قیس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر، ان کے فرزندانِ ارجمند محمد بن حاطب اور حارث بن حاطب، ان کے بھائی حطاب بن حارث، ان کی زوجہ محترمہ حضرت فکیھہ بنت یسار، حضرت سفیان بن معمر بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح، ان کے فرزندان جابر بن سفیان اور جنادہ بن سفیان، ان کی والدہ ماجدہ حضرت حسنہ اوران کی والدہ کی طرف سے بھائی حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہم نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔ ابن ہشام کہتے ہیں شرحبیل کے والد کا نام عبداللہ تھا یہ بنوغوث بن مر میں سے تھے غوث، تمیم بن مر کے بھائی تھے۔ عثمان بن ربیعہ بن اھبان بن وھب بن حذافہ بن جمح بھی اس سعادت میں شریک تھے۔

بنوسہم، بنوعدی اور بنو عامر کے مہاجرین

ابن اسحاق کہتے ہیں، بنوسہم بن عمرو بن ھصیص بن کعب میں سے حضرت خنیس بن حذافہ بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم، عبداللہ بن حارث بن قیس بن عدی بن سعد بن سہل اور ہشام بن عاص بن وائل بن سعد بن سہم رضی اللہ عنہم نے بھی یہ سعادت کی۔ ابن ہشام کہتے ہیں عاص بن وائل بن ہاشم بن سعد بن سہم

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ قیس بن خذافہ بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم، ابوقیس بن حارث بن قیس بن خذافہ بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم، عبداللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی بن سعد

مروی ہے وہ کہتے ہیں اس کا معنی عب ءالشمس ہے پھر سہولت کے لئے ہمزہ کو حذف کر دیا گیا۔ اس کا معنی سورج کی مانند ہوتا ہے۔

حضرت عمار مہاجرین حبشہ میں شامل نہ تھے

ابن اسحاق کو حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی ہجرت حبشہ میں شک ہوا ہے۔ کیا انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی یا نہیں؟ لیکن دیگر سیرت نگار مثلاً واقدی اور ابن عقبہ کے نزدیک درست یہ ہے کہ انہوں نے یہ ہجرت نہیں کی تھی۔

بن سہم، حارث بن حارث بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم، معمر بن حارث بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم، بشر بن حارث بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم، والدہ کی طرف سے بھائی سعید بن عمر، سعید بن حارث بن قیس بن عدی بن سہم، سائب بن حارث بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم، عمیر بن رئاب بن خذیفہ بن مہشم بن سعد بن سہم اور محمیہ بن جزاء نے ہجرتِ حبشہ کی سعادت حاصل کی۔ حضرت محمیہ کا تعلق بنوزبید سے تھا یہ بنوسہم کے حلیف تھے۔

بنوعدی بن کعب میں سے معمر بن عبداللہ بن نضلہ بن عبدالعزیٰ بن حرثان بن عوف بن عبید بن عویج بن عدی، عروہ بن عبدالعزیٰ بن حرثان بن عوف بن عبید بن عویج بن عدی، عدی بن نضلہ بن عبدالعزیٰ بن حرثان بن عوف بن عبید بن عویج بن عدی، ان کے بیٹے نعمان بن عدی اور آل حطاب کے حلیف عامر بن ربیعہ نے اپنی زوجہ محترمہ کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ بنوعامر بن لوئ میں سے ابوسبرہ بن ابی رہم بن عبدالعزیٰ بن ابی قیس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر نے اپنی شریک حیات ام کلثوم بنت سہیل بن عمرو بن عبدشمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر کے ساتھ، عبداللہ بن مخرمہ بن عبدالعزیٰ بن ابی قیس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر، عبداللہ بن سہیل بن عمرو بن عبدشمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر، سلیط بن عمرو بن عبدشمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر، ان کے بھائی سکران بن عمرو، ان کی زوجہ محترمہ سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبدشمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر، مالک بن زمعہ بن قیس بن عبدشمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر، ان کی زوجہ محترمہ عمرہ بن سعدی بن وقدان بن عبدشمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر، حاطب بن عمرو بن عبدشمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر اور سعد بن خولہ جو بنوعامر کے حلیف تھے، نے بھی یہ سعادت کبریٰ حاصل کی۔ ابن ہشام کہتے ہیں۔ سعد بن خولہ کا تعلق یمن سے تھا۔

بنوحارث بن قیس

ابن اسحاق نے بنوحارث کے مہاجرین کا ذکر کیا ہے لیکن انہوں نے تمیم بن حارث کا ذکر نہیں کیا۔ علامہ واقدی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ان کا باپ ان بدبختوں میں سے تھا جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ (الحجر)

ہم کافی ہیں آپ کو مذاق اڑانے والوں کے شر سے بچانے کے لئے۔

بنو حارث کے مہاجرین

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ بنو حارث بن فہر سے ابو عبید بن جراح یعنی عامر بن عبداللہ بن جراح بن ھلال بن اھیب بن ضبہ بن حارث بن فہر، سہیل بن بیضا یعنی سہیل بن وھب بن ربیعہ بن ھلال بن اھیب بن ضبہ بن حارث، لیکن یہ اپنی والدہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں، ان کی والدہ کا نام دعد بنت جحدم بن امیہ بن ظرب بن حارث بن فہر تھا۔ اسے بیضاء کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، عمرو بن ابی سرح بن ربیعہ بن ھلال بن اھیب بن ضبہ بن حارث، عیاض بن زھیر بن ابی شداد بن ربیعہ بن ھلال بن اھیب، ان کا دوسرا نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔ ربیعہ بن ھلال بن مالک بن ضبہ بن حارث، عمرو بن حارث بن زھیر بن ابی شداد بن ربیعہ بن ھلال بن مالک بن ضبہ بن حارث، عثمان بن عبد غنم بن زھیر بن ابی شداد بن ربیعہ بن ھلال بن مالک بن ضبہ بن حارث، سعد بن قیس بن لقیط بن عامر بن امیہ بن ظرب بن حارث بن فہر اور حارث بن عبد قیس بن لقیط بن عامر بن امیہ بن ظرب بن حارث بن فہر بھی اس سعادت کبریٰ میں شامل ہوئے۔

مہاجرین حبشہ کی تعداد

ان بچوں کو چھوڑ کر جو اس وقت کم عمر تھے اور ان بچوں کو چھوڑ کر جو حبشہ میں جا کر پیدا ہوئے۔ مہاجرین حبشہ کی تعداد تراسی تھی۔ یہ تعداد اس وقت ہوگی جب حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو ان میں شامل کیا جائے لیکن ان کی ہجرت حبشہ کے متعلق سیرت نگار متردد ہیں۔

بنو زہرہ اور طلیب بن عبد

ابن اسحاق نے بنو زھرہ کے چھ مہاجرین کا ذکر کیا ہے لیکن ساتویں کا ذکر نہیں کیا۔ وہ حضرت عبداللہ بن شہاب، محمد بن مسلم بن عبداللہ بن شہاب زھری کے جد امجد ہیں۔ ان کا نام عبدالجان تھا۔ حضور ﷺ نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔ انہوں نے فتح مکہ کے بعد مکہ میں انتقال فرمایا۔ ان کے بھائی عبداللہ الاصغر غزوۂ احد میں مشرکین کی طرف سے شرکت کی پھر دامن اسلام سے وابستہ ہوگئے۔

ابن اسحاق نے مطلب بن عبد عوف کا تذکرہ کیا ہے لیکن ان کے بھائی طلیب کا ذکر نہیں کیا۔ ان دونوں بھائیوں نے سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کی اور وہیں وصال کیا یہ دونوں ازھر بن عبد عوف کے بھائی تھے۔

ہجرت حبشہ کے متعلق اشعار

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کا قصیدہ

جب حضرت عبداللہ کا قلب سرزمین حبشہ میں نورِ اسلام سے منور ہوا، نجاشی کے پاس سکون و چین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تعریف کی۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ انہیں کسی قسم کا خوف نہ تھا۔ نجاشی نے بھی ان پر احسانات و نوازشات کیں تو انہوں نے درج ذیل اشعار کہے۔

يَا رَاكِبًا بَلِّغَنْ عَنِّيْ مُغَلْغَلَةً مَنْ كَانَ يَرْجُوْ بَلَاغَ اللّٰهِ وَالدِّيْنِ

اے سوار! میرا پیغام ہر اس شخص کو پہنچا دے جو اللہ تعالیٰ کے پیغام اور دین میں وسعت کی امید رکھتا ہے۔

كُلُّ امْرِئٍ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ مُضْطَهَدٌ بِبَطْنِ مَكَّةَ مَقْهُوْرٍ وَ مَفْتُوْنِ

میرا پیغام وادیٔ مکہ کے ہر اس شخص کو پہنچا دے جو مقہور، مجبور اور مظلوم ہے۔

أَنَّا وَجَدْنَا بِلَادَ اللّٰهِ وَاسِعَةً تُنْجِي مِنَ الذُّلِّ وَالْمَخْزَاةِ وَالْهُوْنِ

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شہر انتہائی وسیع ہیں جو ذلت، رسوائی اور اہانت سے نجات دلاتے ہیں۔

فَلَا تَقِيْمُوْا عَلَى ذُلِّ الْحَيَاةِ وَخِزْ يِ فِي الْمَمَاتِ وَ عَيْبٍ غَيْرِ مَامُوْنِ

تم زندگی کی ذلت، اموات کا دکھ اور عدم تحفظ کے عیب میں مسکن نہ بناؤ۔

إِنَّا تَبِعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاطَّرَحُوْا قَوْلَ النَّبِيِّ وَ عَالُوْا فِي الْمَوَازِيْنِ

ہم نے نبی محترم ﷺ کی پیروی کی جبکہ کفار مکہ نے آپ ﷺ کے فرمان کو پس پشت ڈال دیا۔ انہوں نے وزنوں میں گرانی سے کام لیا۔

فَاجْعَلْ عَذَابَكَ بِالْقَوْمِ الَّذِيْنَ بَغَوْا وَ عَائِذًا بِكَ اَنْ يَعْلُوْا فَيُطْغُوْنِي

مولا! جنہوں نے بغاوت کی روش اختیار کی ان پر اپنا عذاب نازل فرما۔ اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ مجھ پر غالب آ کر مجھے باغی بنا دیں۔

فَاجْعَلْ عَذَابَكَ

سیبویہ نے اسے اس فعل کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے جس کے اظہار کو ترک کر دیا ہو۔ اس میں ایک حکمت پنہاں ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر فعل کا اظہار کیا جاتا تو فعل لازماً ماضی یا مستقبل ہوتا۔ ماضی سے

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کا ایک اور قصیدہ بھی ہے جس میں وہ قریش کی جلا وطنی کا ذکر کرتے ہیں اور اپنی قوم پر عتاب کرتے ہیں۔

اَبَتْ کَبِدِی لَا اَکْذِبَنْكَ قِتَالَهُمْ عَلَیَّ وَ تَابَاهُ عَلَیَّ اَنَا مِلِی

میں تجھ سے جھوٹ ہرگز نہ کہوں گا میرا جگر بھی ان کے ساتھ جنگ کرنے سے انکار کرتا ہے اور میرے ہاتھوں کے پورے بھی ان کے ساتھ معرکہ آزما ہونے سے انکار کرتے ہیں۔

انقطاع کا وہم پیدا ہوتا ہے جبکہ متکلم کا ارادہ ہے کہ ابھی عائذ کے مقام پر ہے۔ ابھی اس کی حالت عوذ "پناہ لینے" کی سی ہے۔ مستقبل فعل میں بھی انتظار کا اشارہ پایا جاتا ہے۔ فعل حال ایک لفظ میں ہی مستقبل کے ساتھ مشترک ہے۔ اس سے غیر عائذ کا وہم ہوتا ہے اس لئے وہ منصوب اسم ذکر کیا گیا جو مدعا پر سب سے زیادہ دلالت کرنے والا ہے۔ عائذ اقائم اور قاعد کی طرح ہے۔ کوفیین اسے دائم کا نام دیتے ہیں۔ عَائِذًا بِكَ یَا رَبِّ کہنے والے کا مطلب یہ ہے کہ اے مولا! میں زمانہ حال میں تیری پناہ کا خواہاں ہوں۔ اس حالت میں اس کا تکلم اور نداء ہی اس کا عامل ہے یعنی اَقُوْلُ قَوْلِی هٰذَا عَائِذًا۔ میں یہ بات پناہ حاصل کرتے ہوئے کہتا ہوں۔ عُذْتُ یَا اَعُوْذُ محذوف نہیں ہے۔ اس کا ارادہ یہ ہے کہ اس کا رب اس کو سن رہا ہے یا اسے پناہ طلب کرتے ہوئے دیکھ رہا ہے۔

اَنْ یَعْلُوْا

ممکن ہے اس کا مابعد حالت نصب میں ہو یا حالت کسرہ میں ہو۔ اگر فعل کو مضمر مانا جائے تو یہ حالت نصب میں ہوگا کیونکہ شاعر نے "عَائِذًا" کہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خائف ہے۔ اصل عبارت یوں ہے۔ اَخَافُ اَنْ یَعْلُوَ فَیَطْغُوْنِی۔ اگر حرف جر کو محذوف مانا جائے تو یہ حالت کسرہ میں ہوگا۔ اصل عبارت یوں ہوگی۔ مِنْ اَنْ یَعْلُوَ۔ یہ خلیل اور سیبویہ کا نقطۂ نظر ہے۔ ان مخففہ اور ان مشددہ کے متعلق ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (الانبیاء: ۹۲) میں اَن سے پہلے لام محذوف ہے ان دونوں مقامات میں حرف جر کا اضمار جائز ہے اگرچہ حروف جارہ کو محذوف نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ اپنے مابعد کا موصولہ ہوتے ہیں۔ صلہ کے ساتھ اسم طویل ہو گیا۔ تخفیف کرتے ہوئے حرف جر کو حذف کر دیا گیا۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ اَنَّ، اَنْ اور اس کے بعد اسم مکسور ہوتا ہے لیکن اس میں کسرہ کا اظہار نہیں ہوتا پھر تو تم نے بغیر کسی اصل کے تعلیل کی بنیاد رکھ دی کیونکہ اس کے بعد کسرہ ثابت نہیں ہوتا۔

وَ كَيْفَ قِتَالِي مَعْشَرًا اَدَّبُوْكُمْ عَلَى الْحَقِّ اَنْ لَا تَأْشِبُوْهُ بِبَاطِلِ
اس قبیلے کے ساتھ جنگ کیسے ہوسکتی ہے جس نے تمہاری پرورش حق پر کی اور تمہیں نصیحت کی

ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ حالت کسرہ میں ہے کیونکہ یہ اس جگہ واقع ہو رہا ہے جہاں صرف وہی اسم واقع ہوتا ہے جو حرف جر کی وجہ سے مجرور ہو مثلاً ارشاد ربانی ہے۔ وَاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (توبہ: ۹۷) اور اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ (توبہ: ۱۰۸)۔ اسی طرح ارشاد ربانی ہے: اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا (بقرہ: ۲۸۳) اَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا (توبہ: ۹۷) دراصل بِاَنْ لَا يَعْلَمُوْا۔ اگر ان سے قبل کوئی فعل ہو تو ہم کہیں گے کہ حرف جر کو حذف کر دیا گیا ہے اور فعل کو متعدی کر کے اسے نصب دی گئی ہے لیکن اَجْدَرُ اور اَحَقُّ دو ایسے اسم ہیں جو عمل نہیں کرتے اسی سے علمائے نحو کو پہچان ہوئی کہ یہ محل کسرہ میں ہے کیونکہ اسے نصب دینے والا عامل موجود نہیں۔ صلہ کی وجہ سے اسم کی طوالت کی وجہ سے جو اس میں تعلیل کرتے ہیں۔ حرف جر کے اضمار نے اسے جائز کیا ہے لیکن دیگر اسمائے موصولہ مثلاً اَلَّذِیْ، مَنْ اور مَا۔ اگر چہ یہ صلہ کے ساتھ طویل بھی ہو جائیں پھر بھی ان میں حرف جر کو حذف کرنا جائز نہیں یہ کہنا درست نہیں۔ خَرَجْتُ مَا عِنْدَكَ، وَلَا هَرَبْتُ الَّذِیْ عِنْدَكَ۔ یَعْنِیْ مِنَ الَّذِیْ عِنْدَكَ۔ اسی طرح خَرَجْتُ اَنْ يَرَانِیْ زَيْدٌ۔ وَفَرَرْتُ اَنْ يَرَانِیْ عَمْرٌو یعنی مِنْ اَنْ يَرَانِیْ۔ لِاَنْ يَرَانِیْ بدل ہے لیکن اس میں علت وہ نہیں جو علماء کہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ان مع الفعل اسم محض نہیں ہوتا بلکہ یہ اسم کی تاویل میں ہوتا ہے اسم محض وہ ہوتا ہے جس پر حرف جر دلالت کرتا ہے اسی لئے جب اس پر حرف جر آ رہا ہو تو اس کا اظہار کرنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ اسم اس قابل ہوتا ہے کہ اس پر حروف جارہ داخل ہو سکیں جبکہ ان حرف محض ہے حرف جر کا دخول اس پر جائز نہیں ہے نہ ہی اس فعل پر جائز ہے جو اس کے ساتھ متصل ہو۔ اسے اسم مکسور کہنا بھی درست نہیں کیونکہ یہ اسم مخفوض (مکسور) کی تاویل میں ہوتا ہے۔ اس سے اہل عرب اس کے اور دیگر اسماء کے مابین فرق کرتے ہیں جب اس پر حرف جر اظہار کرتے ہوئے داخل کیا جائے تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ اسم کی تاویل میں ہے اس میں حرف جر کو مضمر کرنا بھی جائز ہے کیونکہ حرف جر حرف پر داخل نہیں ہوتا اور نہ ہی فعل پر داخل ہوتا ہے لفظ ان کی رعایت کرتے ہوئے اس کو ساقط کرنا بہتر ہے۔ ہم کہتے ہیں یہ محل کسرہ میں ہے کیونکہ کلام کی تاویل اسم مخفوض سے کی گئی ہے۔ اس لئے نہیں کہ اس میں کسرہ کا اظہار کیا جا رہا ہے یا اسے مبنی تسلیم کیا گیا ہے جس پر کسرہ کا ظہور نہیں ہوتا حتیٰ کہ یہ ان کے مشابہ ہو جائے اور ہم کہیں گے کہ یہ اسم مبنی بر سکون ہے۔ یہ حرف ہے اور حرف پر حرف جر داخل نہیں ہوتا۔ نہ مضمراً نہ مظہراً۔ یہ تقدیر فی المعنی ہے تقدیر فی اللفظ نہیں ہے۔

کہ تم حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ؟۔

نَفَتْهُمْ عِبَادُ الْجِنِّ مِنْ حُرِّ اَرْضِهِمْ فَاَضْحَوْا عَلٰی اَمْرٍ شَدِیْدِ الْبَلَابِلِ
جنات کے پجاریوں نے اپنی عمدہ زمین سے انہیں جلاوطن کردیا جس کی وجہ سے وہ سخت

اسم ان مصدر یہ کی طرف مضاف نہیں ہوتا

جان لینا چاہئے کہ ان جو مصدر کی تاویل میں ہوتا ہے۔اس کی طرف اسم مضاف نہیں ہوتا یہ کہنا درست نہیں۔هٰذَا مَوْضِعُ اَنْ تَقْعُدَ۔ کیونکہ یہ اسم نہیں ہے اسمائے مخصہ کی طرف مضاف کیا جاسکتا ہے لیکن اسمائے تاویل کی طرف نہیں۔اس کی طرف اسم فاعل، نہ بمعنی ماضی، نہ بمعنی مستقبل اور نہ ہی مصدر اس کی طرف مضاف ہوتا ہے مگر مصدر کی ایک صورت ہے مثلاً مَخَافَةَ اَنْ تَقُوْمَ۔ یہ اس وقت درست ہوگا جب اَنْ اور فعل سے مفعول کا معنی مراد ہو لیکن اگر مصدر کی اضافت فاعل کی مانند ہو تو پھر بھی اضافت جائز نہیں۔یہ فعل کے ساتھ فاعل اس وقت ہوگا جس وقت اسے اس سے قبل ذکر کیا جائے لیکن مصدر کے ساتھ یہ فاعل نہیں ہوسکتا مگر یہ مصدر اور فعل دونوں کے ساتھ مفعول ہوسکتا ہے اس میں کئی اسرار پنہاں ہیں لیکن یہ مقام ان کی تفصیل کا نہیں ہے میں ایک ایسی بات کہتا ہوں جو اس مقام کے بالکل مناسب ہے۔میں اَن اور کسرہ کا ذکر حرف جر کے اضمار کے ساتھ صرف پیش رو کی تائید کے لئے کرتا ہوں اور اسی پر تعلیل اور تاصیل کی بنیاد ہے لیکن اگر تقلید کا انکار کردیا جائے تو پھر اس میں حروف جر کا اضمار درست نہیں بلکہ اس میں فعل مضمر یا فعل مظہر کی وجہ سے نصب درست ہے۔جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا تعلق ہے اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ۔ تو میں اس احق کا لفظ اس امر کا غماز ہے۔آپ ﷺ کا اس مسجد میں قیام واجب ہے اسی طرح اَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا ہے۔اَجْدَرُ اَخْلَقُ اور اَقْرَبُ کے معنی میں ہے جب ان کے لئے یہ صفت ثابت ہوگئی تو اس کا تقاضا ہے۔اَلَّا یَعْلَمُوْا۔ اس طرح یہ معنی کے اعتبار سے منصوب ہوگیا لیکن اگر مصدر ہو جو اسم محض ہے مثلاً قیام اور علم وغیرہ تو پھر اس فعل کا اضمار درست نہیں ہے کیونکہ اَجْدَرُ اور اَحَقُّ دو اسم ہیں جو اپنے مابعد کی طرف مضاف ہیں لیکن اگر قیام کا ذکر اَحَقُّ کے بعد کیا جائے کہا جائے اَحَقُّ قِیَامُكَ تو معنی تبدیل ہوجائے گا۔

اگر اسم کو کسی مضمر فعل کی وجہ سے نصب دی جائے تو اس فعل کے اضمار کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ اسم اضافت کا تقاضا کرتا ہے۔اس لئے یہ اضمار اور نصب سے منع کرتا ہے لیکن اگر یہ اس کے بعد واقع ہو تو پھر یہ اضافت کا تقاضا نہیں کرتا۔ہم نے یہ نقطۂ نظر اس لئے اختیار کیا ہے اور اسے ترجیح اس لئے دی ہے کیونکہ ہم اسے مجرورہ مقامات پر پاتے ہیں لیکن صرف حرف جر کا اضمار درست نہیں ہے مثلاً سِرْ اِلَیَّ

مصائب کا شکار ہو گئے۔

فَاِنْ تَكُ كَانَتْ فِي عَدِيٍّ اَمَانَةٌ عَدِيِّ بْنِ سَعْدٍ عَنْ تُقًى اَوْ تَوَاصُلِ

اگر عدی یعنی عدی بن سعد میں تقویٰ یا صلہ رحمی کی وجہ سے کوئی امانت ہوتی۔

فَقَدْ كُنْتُ اَرْجُوْ اَنَّ ذَالِكَ فِيكُمْ بِحَمْدِ الَّذِيْ لَا يُطَّبٰى بِالْجَعَائِلِ

تو میں امید کرتا کہ وہ صفت تم میں بھی ہو گی۔ میں اس ذات کا شکر ادا کرتا جس سے کسی مزدوری کی درخواست نہیں کی جا سکتی۔

وَبُدِّلْتُ شِبْلًا شِبْلَ كُلِّ خَبِيثَةٍ بِذِي فَجَرٍ مَاْوٰى الضِّعَافِ الْاَرَامِلِ

مجھے خبیث عورتوں کے بچوں کے بدلے ایسے جوان عطا کیے گئے جو سخاوت کے دھنی اور کمزور بیواؤں کی پناہ گاہ ہیں۔

اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ یہاں اِلیٰ کو حذف کرنا درست نہیں۔ اسی طرح هٰذَا خَيْرٌ مِنْ اَنْ تَفْعَلَ كَذَا میں مِنْ کو حذف کرنا جائز نہیں۔ اگر ان کے ساتھ حرف جر سابقہ دونوں اسباب کی وجہ سے ہوتا تو پھر اس میں یہ جواز مطلق ختم ہو جاتا۔ جب اس کے ساتھ حرف جر ظاہراً نہ ہوتا تو یہ مضمر فعل کا مفعول ہوتا اور کبھی کبھی فاعل بھی ہوتا لیکن اس وقت اس کا فعل ظاہر ہوتا مثلاً يُعْجِبُنِيْ اَنْ تَقُوْمَ اَمَا خَرَجْتَ اَنْ اَرَى زَيْدًا۔ یہاں ارادہ اور قصد مضمر ہوگا گویا کہ تیرا ارادہ ہے کہ میں اس کو دیکھوں یا نہ دیکھوں کیونکہ جو آدمی بھی کوئی کام کرتا ہے تو اس سے اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے لیکن اگر اس کی جگہ مصدر ہو تو پھر اس کا اضمار درست نہیں کیونکہ مصدر جب متعدی ہوتا ہے تو اس میں افعال ظاہر عمل کرتے ہیں اگر یہ متعدی نہ ہو تو پھر اس کے ساتھ حرف جر استعمال کیا جاتا ہے۔ اَنْ اور فعل میں نہ تو حواس عمل کرتے ہیں اور نہ ہی ظاہری اعضاء کے افعال۔ رَاَيْتُ قِيَامَ زَيْدٍ تو کہنا جائز ہے لیکن قیام کی جگہ اَنْ يَقُوْمَ کہنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح سَمِعْتُ كَلَامَكَ میں سَمِعْتُ اَنْ تَتَكَلَّمَ کہنا درست نہیں لیکن اس میں اعمال باطنہ عمل کرتے ہیں مثلاً خِفْتُ اِشْتَهَيْتُ اور كَرِهْتُ وغیرہ یا وہ افعال جو اس معنی میں ہوں یا اس کے قریب المعنی ہوں۔ جب مخاطب اَنْ اور فعل سنتا ہے تو اس کا ذہن فطرتاً انہیں معانی کی طرف جاتا ہے۔ اگر فعل ظاہر ہو تو الگ بات ہے ورنہ ہم سمجھیں گے کہ یہ مضمر ہے اور ظاہر فعل اس پر دلالت کر رہا ہے مگر ان کے علاوہ دیگر اسماء میں یہ درست نہیں۔ جب ان سے پہلے ظاہری اعضاء کے افعال میں سے کوئی فعل واقع ہو تو یہ استعمال درست ہوگا۔ خواہ وہ متعدی ہو یا حرف جر کے ساتھ متصل ہو اگر فعل متعدی نہ ہو تو پھر اضمار لفظی ممنوع ہے بلکہ اضمار معنوی ہوگا مگر مفعول لاجلہ میں یہ اضمار لفظی ہوگا۔

حضرت عبداللہ کا دوسرا قصیدہ

وَ تِلْكَ قُرَيْشٌ تَجْحَدُ اللّٰهَ حَقَّهُ كَمَا جَحَدَتْ عَادٌ وَ مَدْيَنُ وَالْحِجْرُ
فَاِنْ اَنَا لَمْ اُبْرِقْ فَلَا يَسَعَنَّنِي مِنَ الْاَرْضِ بَرٌّ ذُوْ فَضَاءٍ وَ لَا بَحْرٌ

كَمَا جَحَدَتْ عَادٌ وَ مَدْيَنُ وَالْحِجْرُ

عاد کا نسب پہلے گذر چکا ہے حجر کوئی امت نہ تھی بلکہ ثمود کے شہر تھے۔ حجر سے مراد اہل حجر ہیں حضرت شعیب علیہ السلام کی امت مدین کہلاتی تھی۔ وہ مدیان بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ ان کی والدہ کا نام قطورا بنت یقطان الکنعانیہ تھا اس کے آٹھ لڑکے ہوئے۔ ہر ایک سے ایک ایک امت کا نسب چلا۔

فَاِنْ اَنَا لَمْ اُبْرِقْ فَلَا يَسَعَنَّنِي

ابرق سے ہی مبرق بھی ہے۔ علامہ اصمعی کے خلاف اس میں دلیل ہے انہوں نے منع کیا ہے کہ اس طرح کہا جائے۔ اَرْعَدَ و اُبْرِقَ۔ ان کے لئے کمیت کا یہ شعر بطور دلیل پڑھا جاتا ہے۔ اَرْعِدْ و اَبْرِقْ يَا يَزِيْدُ۔ لیکن وہ اسے اس کی دلیل نہیں مانتے۔ انہوں نے اسے متاخرین محدثین کے ساتھ ملایا ہے۔ جس طرح انہوں نے ذوالرمہ کے قول کے ساتھ اس وقت کیا جب اسے ان کے لئے بطور دلیل پیش کیا گیا۔ ذُوْ زَوْجَةٍ بِالْبِصْرِ اَمْ ذُوْ خُصُوْصَةٍ۔ انہوں نے انکار کیا ہے کہ زوجہ کو ھاء تانیث کے ساتھ استعمال کیا جائے۔ انہوں نے کہا طاکَمَا اَكَلَ ذُوْ الرُّمَّةِ الزَّيْتَ فِي حَوَانِيْتِ الْبَقَّالِيْنَ۔ ''بعض اوقات ذورمۃ نے سبزی فروشوں کی دکانوں سے تیل کھایا ہے''۔ مبرق ''گوہ'' کا بل اس کا بین ثبوت ہے، اَرْعَدَ اور اَبْرَقَ کے الفاظ اس کے علاوہ ایسے مقامات پر مستعمل ہیں جن سے اس پر دلیل قائم کی جاسکتی ہے۔ گوہ کا سوراخ اس معنی کا احتمال ایک اور اعتبار سے بھی رکھتا ہے وہ یہ کہ یہ اَبْرَقَ الْاَرْضَ سے مشتق ہو جس کا معنی زمین میں سفر کرنا ہے یہ اَرْعَدَ اور اَبْرَقَ سے مشتق نہ ہو میں نے شیخ کی کتاب کے حاشیہ میں اسی طرح دیکھا ہے انہوں نے اسے مصعب کی طرف منسوب کیا ہے۔ وہ کہتا الابراق کا معنی ''ذھاب'' جانا ہے۔ ''عین'' میں ہے اَبْرَقَتِ النَّاقَةُ بِذَنَبِهَا۔ اونٹنی نے اپنی دم دائیں بائیں گھمائی۔ زمین میں سفر اسی طرح ہوتا ہے اور اسی کو بروق کہا جاتا ہے۔ نہشل بن دارم اپنے بھائی سلیط کو ملامت کرتے ہوئے کہتا ہے۔ ''لَا اُحْسِنُ تَا نَامَكَ وَ لَا تَكَذُّبَاكَ تَشُوْلُ بِلِسَانِكَ شَوْلَانَ الْبَرُوْقِ۔''

بِاَرْضٍ بِهَا عَبْدُ الاِلٰهِ مُحَمَّدٌ   اُبَيِّنُ مَا فِي النَّفْسِ اِذْ بَلَغَ النَّقْرُ

''یہ قریش ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ یعنی اس کے حق کا انکار کر دیا۔ جس طرح عاد، مدین اور اہل حجر نے انکار کیا تھا۔ اگر میں طویل مسافت طے نہ کرتا تو زمین میں کوئی پر فضا مقام پا سکتا اور نہ ہی سمندر میں جگہ ملتی۔ قریش نے اس زمین میں اللہ تعالیٰ کا انکار کیا جس میں اس کا پیارا بندہ محمد ﷺ ہے۔ جب بحث مباحثہ کا وقت آتا ہے تو جو کچھ میرے دل میں ہوتا ہے میں اسے صاف صاف کہہ دیتا ہوں''۔ حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو ان اشعار کی وجہ سے مبرق کہا جانے لگا۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اپنے چچازاد بھائی امیہ بن خلف بن وھب بن حذافہ بن جمح کو عتاب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ امیہ اپنی قوم کا سردار تھا۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اذیتیں دیا کرتا تھا۔

أَتَيْمَ بْنَ عَمْرٍو لِلَّذِيْ جَاءَ بِغِضَّةٍ   وَ مِنْ دُوْنِهٖ الشَّرْمَانِ وَالْبَرْكُ اَكْتَعُ

اے تیم بن عمرو! اس شخص پر تعجب ہے جو غصہ کے ساتھ آتا ہے، حالانکہ اس کے اور میرے درمیان دو سمندر اور انتہائی وسیع میدان ہے۔

أ أَخْرَجْتَنِيْ مِنْ بَطْنِ مَكَّةَ آمِنًا   وَ أَسْكَنْتَنِيْ فِيْ صَرْحٍ بَيْضَاءَ تُقْذَعُ

کیا تو نے مجھے امن کے حصول کے لئے وادیٔ مکہ سے نکال دیا ہے اور مجھے اس قصر بیضاء

يَلِيْنَ مَا فِي النَّفْسِ اِذْ بَلَغَ النَّقْرُ

ما فی النفس کی جگہ ما فی الصدر بھی روایت ہے۔ نقر کا معنی بحث کرنا ہے لیکن اس کے لئے اکثر تنقیر کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ المبرق رضی اللہ عنہ غزوۂ طائف میں شہید ہوئے۔ ان کا باپ حارث مستھزئین (مذاق اڑانے والوں) میں سے تھا۔ ان کا دادا قیس قریش کا معزز سردار تھا۔ روایت کیا جاتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بچپن میں اس طرح کہتے تھے۔

كَاَنَّهٗ فِي الْعِزِّ قَيْسُ بْنُ عَدِيٍّ   فِيْ دَارِ قَيْسٍ النَّدِيُّ يَنْتَدِيْ

گویا کہ وہ عزت و آبرو میں قیس بن عدی ہیں وہ قیس جس کے گھر میں محفل سجا کرتی تھی۔

لام تعجب۔ أَتَيْمَ ابْنَ عَمْرٍو لِلَّذِيْ جَاءَ بِغِضَّةٍ

اہل عرب اس لام کو تعجب کیلئے استعمال کرتے تھے۔ حضور نبی محترم ﷺ نے فرمایا لِهٰذَا الْعَبْدِ الْحَبَشِيِّ جَاءَ مِنْ اَرْضِهٖ وَسَمَائِهٖ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ خُلِقَ مِنْهَا۔ اس حبشی غلام پر تعجب ہے

کے پاس رہنے پر مجبور کیا ہے جسے ناپسند کیا جاتا ہے۔

تَرِیْشُ نِبَالاً لَا یُوَاتِیْكَ رِیْشُهَا وَتَبْرِی نِبَالاً رِیْشُهَا لَكَ اَجْمَعُ

جو اپنی زمین و آسمان سے اس زمین کی طرف آیا جہاں سے اس کی تخلیق ہوئی۔'' آپ ﷺ نے یہ فرمان اس حبشی غلام کے متعلق فرمایا تھا جسے مدینہ طیبہ میں دفن کیا گیا۔ حضور ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے جنازہ میں شرکت فرمائی۔ ان کی قبر پر کھڑے ہوئے پھر پیچھے ہٹتے ہوئے فرمایا۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ لِهٰذَا الْعَبْدِ الصَّالِحِ ضُمَّ عَلَيْهِ الْقَبْرُ ثُمَّ فُرِجَ عَنْهُ۔ سبحان اللہ! اس پاکباز بندے پر تعجب ہے جس پر قبر تنگ ہوگئی پھر اسے وسیع کر دیا گیا۔ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ۔ کے لام کے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ قریش کی محبت پر تعجب کرو۔ بِغْضَةً تمیز کی وجہ سے منصوب ہے یعنی یَا عَجَبًا لِمَا جَاءَ بِهٖ مِنْ بِغْضَةٍ۔ یہ بھی ممکن ہے مفعول لاجلہ ہو۔ علامہ زبیر نے اس مصرعہ کو یوں روایت کیا ہے۔ اَتَیْمَ بْنَ عَمْرٍو لِلَّذِی فَارَ ضِغْنُهٗ۔

فِی صَرْحِ بَیْضَاءَ تُقْذَعُ

بیضاء کی جگہ بیطاء بھی روایت کیا گیا ہے کہا جاتا ہے بیطاء کشتی کا نام ہے اسی طرح تقذع بھی روایت کیا گیا ہے اس کا معنی دور کرنا ہے۔ تیم بن عمرو کو جمح اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ زید (سہم) بن عمرو نے اس کے ساتھ دوڑ لگانا چاہی لیکن تیم نے سرکشی کی اس لئے اس کا نام جمح پڑ گیا جبکہ زید اپنی بات پر برقرار رہا اس لئے اس کا نام سہم پڑ گیا۔

مِنْ دُوْنِنَا شَرْمَانِ

شرم کا معنی سمندر ہے۔ شرمان سے مراد نمکین اور میٹھا سمندر ہے۔ قرآن پاک میں ہے مرج الْبَحْرَیْنِ۔'' اس نے رواں کیا ہے دونوں دریاؤں کو۔'' شَرَمَ'' کا معنی پھاڑنا ہے اسی طرح ''بَحَرَ'' کا معنی بھی پھاڑنا ہے۔ اسی طرح اس اونٹنی کو ''بحیرہ'' کہتے ہیں جس کے کان چیر دیئے گئے ہوں۔ ''اَلْبَرْكُ'' اس زمین کو کہتے ہیں جو انتہائی وسیع ہو وہاں پہاڑ وغیرہ نہ ہوں۔

صَرْحِ بَیْضَاءَ سے مراد حبشہ کا شہر ہے۔ ''صرح'' محل کو کہتے ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عثمان کی رہائش نجاشی کے محل کے قریب تھی۔ تُقْذَعُ کا معنی ہے اسے ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ جب انسان فحش گوئی کرتا ہے تو کہا جاتا ہے۔ قَذَعَ الرَّجُلُ۔ یعنی سرزمین حبشہ کو ناپسند کیا جاتا تھا لیکن میرے نزدیک یہ روایت درست نہیں ہے۔ ہم نے علامہ زبیر کا جو قول پہلے ذکر کیا ہے وہ درست ہے۔

تو ان تیروں کو پر لگا رہا ہے جن کے پر تیرے موافق نہیں ہیں اور تو ان تیروں کو باریک کر رہا ہے جو تیرے لئے میں جمع کرتا ہوں۔

وَ حَارَبْتَ اَقْوَامًا كِرَامًا اَعِزَّةً وَ اَهْلَكْتَ اَقْوَامًا بِهِمْ كُنْتَ تَضْرَعُ

تو نے معزز و مکرم اقوام کے ساتھ جنگ چھیڑ رکھی ہے اور تو ان اقوام کو ہلاک کر رہا ہے جن کی تو پناہ لیتا تھا۔

انساب

ابن اسحاق نے بنو عدی میں سے معمر بن عبداللہ بن نضلہ کا ذکر کیا ہے ان کے متعلق علی بن مدینی کہتے ہیں کہ وہ معمر بن عبداللہ بن نافع بن نضلہ ہیں۔ ابن اسحاق نے کہا ہے نضلہ بن عبد العزی بن حرثان بن عوف بن عبید لیکن شیخ کی کتاب کے حاشیہ میں ہے کہ وہ نضلہ بن عوف بن عبید بن عویج تھے وہ کہتے ہیں اسے مصعب نے کتاب النسب میں لکھا ہے اسحاق نے بنو عدی میں عروۃ بن عبد العزی بن حرثان کا ذکر کیا ہے۔ مصعب کی کتاب میں بھی اسی طرح ہے لیکن انہوں نے عمرو بن ابی اثاثہ یا عروہ بن ابی اثاثہ میں شک کیا ہے اسے ابو عمرو نے کتاب الاستیعاب میں ذکر کیا ہے۔ انہوں نے عروہ بن ابی اثاثہ کا ذکر کیا ہے۔ انہیں ابن اثاثہ بن عبد العزی بن حرثان بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی والدہ ام عمرو بن العاصی تھیں۔

حضرت امام سہیلی فرماتے ہیں ان کی والدہ کا نام لیلیٰ تھا جو نابغہ کے لقب سے مشہور تھیں اس کا تعلق بنو ربیعہ سے تھا جو بنو جلان میں سے تھے۔ ابو عمر فرماتے ہیں انہیں ابن ابی اثاثہ کہا جاتا ہے۔ امام سہیلی فرماتے ہیں۔ "ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے کہ علامہ مصعب نے اس میں شک کیا ہے۔ وہ عروہ یا عمرو کہتے ہیں۔ علامہ زبیر نے شک نہیں کیا انہوں نے عمرو بن ابی اثاثہ کہا ہے"۔ ابو عمر فرماتے ہیں۔ ابن اسحاق نے ابو معشر اور موسیٰ بن عقبہ کا ذکر نہیں کیا لیکن امام واقدی نے ان کا ذکر کیا ہے۔ امام سہیلی فرماتے ہیں یہ ابو عمر کا وہم ہے۔ ابن اسحاق نے ان کا ذکر کیا ہے لیکن انہوں نے انہیں ان کے دادا عبد العزی کی طرف منسوب کر دیا ہے اور ان کے باپ ابو اثاثہ کو حذف کر دیا ہے۔ انہوں نے بنو عدی کے مہاجرین میں پانچ کا ذکر کر کے فرمایا۔ اَرْبَعَةُ نَفَرٍ۔ یہ چار اشخاص ہیں۔ ابن اسحاق کو وہم ہوا ہے انہوں نے پانچویں جگہ لیلیٰ بنت ابی حثمہ عامر بن ربیعہ کی بیوی کا ذکر کیا ہے۔ اس طرح یہ چھ افراد بنتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ابن اسحاق نے بنو عدی کے حلیف حضرت عامر کو چھوڑ کر چار شمار کئے ہوں لیکن میرا گمان ہے کہ ان کا یہ قصد نہ تھا کیونکہ ابن اسحاق طریقہ یہ ہے کہ حلیف کو صمیم کے ساتھ شمار کرتے ہیں۔

سَتَعْلَمُ اِنْ نَابَتْكَ مُلِمَّةٌ وَ اَسْلَمَكَ الْاَوْبَاشُ مَا كُنْتَ تَصْنَعُ

اگر کبھی تجھ پر ناگہانی آفت آن پڑی اور کمزور لوگوں نے تجھے دشمن کے سپرد کر دیا تو پھر تجھے معلوم ہو جائے گا کہ تو کیا کیا کرتا تھا''۔ اس جج کا نام تیم تھا۔

اَسْلَمَكَ الْاَوْبَاشُ

اوباش سے مراد کمینے لوگ ہیں۔ کہا جاتا ہے اَوْشَابٌ وَ اَوْبَاشٌ۔ متفرق درختوں کو بھی اوباش کہا جاتا ہے۔ ناخن کے سفید داغوں کو بھی ''اوباش'' کہا جاتا ہے۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

ابن اسحاق نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے خاوند حضرت ابو سلمہ کا ذکر کیا ہے۔ ان کے خاوند مدینہ طیبہ میں وفات پا گئے۔ پھر حضور ﷺ نے انہیں اپنی زوجیت میں لے لیا۔ ان کا نام ''رملہ'' تھا۔ ان کے والد کا نام ابو امیہ حذیفہ تھا جو زاد الراکب کے نام سے مشہور تھا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں سرزمین حبشہ میں زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نام برہ تھا۔ حضور ﷺ نے ان کا نام زینب رکھا۔ انہیں حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ بننے کا شرف ملا۔ یہ بچپن میں ایک مرتبہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں اس وقت نبی محترم ﷺ غسل فرما رہے تھے۔ حضور ﷺ نے ان کے چہرے پر پانی پھینکا۔ اس پانی کی برکت سے ان کے چہرے پر ہمیشہ شادابی رہی حالانکہ ان کی عمر مبارک ایک سو سال کے قریب تھی۔ یہ اپنے عہد کی سب سے زیادہ فقیہہ خاتون تھیں۔ انہوں نے مدینہ طیبہ میں ''وَاقِعَةُ الْحَرَّةِ'' کو پایا۔ اس دن ان کے دو بیٹے شہید ہوئے۔ ایک کا نام یزید اور دوسرے کا نام کبیر تھا۔ وہ اپنے ایک بیٹے پر روتی تھیں جبکہ دوسرے پر گریہ بار نہ تھیں۔ جب ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا میں جس فرزند پر آہ و فغاں کر رہی ہوں اس نے شمشیر کو بے نیام کیا اور مقاتلہ کیا جس بیٹے پر میں روئی نہیں وہ گھر میں ہی ٹھہرا رہا اور جنگ میں حصہ نہ لیا حتیٰ کہ وہ بھی مارا گیا۔

روایت ہے کہ جب پہلی شب حضور ﷺ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو رات کی تاریکی تھی حضرت زینب چھوٹی تھیں وہ حضور ﷺ کے پاؤں کے نیچے آ گئیں۔ دوسری شب بھی آپ ﷺ تاریکی میں تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی زینب کا خیال کرنا میں کہیں آج بھی اسے روندھ نہ دوں۔''

نجاشی کی قبر پر نور

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں ''ہم گفتگو کیا کرتے تھے کہ نجاشی کی قبر پر ہمیشہ ایک نور نظر آتا ہے'' ابوداؤد نے اس حدیث کو سلمہ بن فضل کی سند سے روایت کیا ہے انہوں نے اسے ''اَلنُّوْرُ یُرٰی عِنْدَ الشَّهِيْدِ'' کے باب میں ذکر کیا ہے لیکن اس حدیث وغیرہ میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ نجاشی کو شہادت نصیب ہوئی تھی۔ میرا گمان ہے کہ وہ اس حدیث سے اس واقعہ کو تقویت دینا چاہتے ہیں جو کتب تاریخ میں ہے سلمان بن ربیعہ کے بھائی عبدالرحمٰن بن ربیعہ حضرت
اسے ''اَلنُّوْرُ یُرٰی عِنْدَ الشَّهِيْدِ'' کے باب میں ذکر کیا ہے لیکن اس حدیث وغیرہ میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ نجاشی کو شہادت نصیب ہوئی تھی۔ میرا گمان ہے کہ وہ اس حدیث سے اس واقعہ کو تقویت دینا چاہتے ہیں جو کتب تاریخ میں ہے سلمان بن ربیعہ کے بھائی عبدالرحمٰن بن ربیعہ حضرت عمر کے دور میں ایک دروازے پر نگران تھے۔ ترکوں نے انہیں شہید کر دیا۔ اس کے بعد ان کی قبر پر ہمیشہ ایک نور نظر آتا تھا۔ نجاشی کے واقعہ سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ نجاشی جو شہید نہیں، اس کی قبر پر نور نظر آتا ہے تو شہید تو اس کے زیادہ مناسب ہے کہ اس کی قبر نور فشاں ہو۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ (الحدید:۱۹)

اور شہید ہیں ان کے لئے (خصوصی) اجر اور ان کا (مخصوص) نور ہے اللہ کی جناب میں۔

اہل مکہ کی سفارت

ابن اسحاق کہتے ہیں جب قریش مکہ نے دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دولت ایمان سے مالا مال ہو گئے ہیں، وہ سرزمین حبشہ میں پرسکون اور مطمئن بھی ہیں اور انہیں وہاں چین اور قرار بھی نصیب ہو گیا ہے تو انہوں نے باہمی مشاورت کی کہ وہ دو زیرک انسان نجاشی کے دربار میں بھیجیں، وہ نجاشی سے گفتگو کریں تاکہ وہ انہیں ان کے دین کے متعلق آزمائش میں ڈالیں اور انہیں اس دیس سے نکلوا دیں جہاں وہ امن وسکون سے مقیم ہیں۔ اس عظیم مقصد کے لئے انہوں نے عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن عاص بن وائل کا انتخاب کیا۔ انہوں نے نجاشی اور اس کے پادریوں کے لئے تحائف جمع کئے پھر انہیں حبشہ کی طرف روانہ کر دیا۔

جب ابوطالب نے قریش کی یہ رائے سنی اور ان کے وہ تحائف ملاحظہ کئے جو انہوں نے نجاشی کے دربار میں بھیجے تھے تو انہوں نے نجاشی کی ستائش میں اشعار کہے جس میں انہوں نے اس کے

قریش کا نجاشی کے دربار میں اپنے سفیر بھیجنا

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ قریش مکہ نے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ بن مغیرہ کو بطور سفیر بھیجا ان کے ہمراہ نجاشی کے لئے ہدایا بھی بھیجے۔ عبداللہ کا نام بجیر تھا جب انہیں اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تو نبی محترم ﷺ نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔ ان کے باپ کا نام ابو ربیعہ ذوالرمحین تھا ابن الزبعری ان کے متعلق کہتا ہے۔

بَجِيْرُ ابْنُ ذِي الرُّمْحَيْنِ قَرَّبَ مَجْلِسِيْ   وَرَاحَ عَلَيْنَا فَضْلُهُ وَ هُوَ عَلِمُ

"بجیر بن ذورمحین میری محفل کے قریب ہوا اس نے ہم پر اپنا فضل جاری کیا حالانکہ وہ خود شام کو دیر سے آتا تھا"۔ ابوربیعہ کا نام عمرو تھا۔ ایک قول میں حذیفہ کا بھی ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ کی والدہ کا نام اسماء بنت مخربہ تمیمیۃ تھا ابوجہل بن ہشام کی ماں بھی یہی تھی۔ یہی عبداللہ، عمر بن عبداللہ شاعر کے والد ہیں۔ یہی بصرہ کے امیر حارث کے بھی والد ہیں۔ یہ حارث حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں "الجند" کے والی تھے۔ جب انہیں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نظر بندی کی اطلاع پہنچی تو وہ آپ رضی اللہ عنہ کی مدد کے لئے آئے لیکن راستہ میں ہی سواری سے گر کر عالم بالا کو سدھار گئے۔

حسن سلوک اور مسلمانوں کا دفاع کرنے پر اس کی تعریف کی۔

أَلَا لَيْتَ شِعْرِي كَيْفَ فِي النَّأْيِ جَعْفَرٌ وَ عَمْرٌو وَأَعْدَاءُ الْعَدُوِّ الْاَقَارِبُ

کاش میں جان سکتا کہ جعفر اور عمرو دوری میں کیسے ہیں؟ سب سے سخت دشمن وہ ہوتا ہے جو قریبی رشتہ دار ہوتا ہے۔

وَ هَلْ نَالَتْ اَفْعَالُ النَّجَاشِي جَعْفَرًا وَاَصْحَابَهُ اَوْ عَاقَ ذَالِكَ شَاغِبُ

کیا جعفر اور ان کے ساتھیوں نے نجاشی کے عمدہ افعال کو پا لیا ہے یا کسی فتنہ خیز نے اس میں رکاوٹ ڈال دی ہے۔

تَعَلَّمْ- اَبَيْتَ اللَّعْنَ- اَنَّكَ مَاجِدٌ كَرِيْمٌ فَلَا يَشْقَى لَدَيْكَ الْمُجَانِبُ

اے نجاشی! اللہ تعالیٰ تمہیں لعنت سے بچائے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم کریم اور بزرگ ہو اور تمہارے سایہ میں پناہ لینے والے بدبخت نہیں ہو سکتے۔

تَعَلَّمْ بِاَنَّ اللّٰهَ زَادَكَ بَسْطَةً وَاَسْبَابُ خَيْرٍ كُلُّهَا بِكَ لَازِبُ

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں قوت دی ہے اور تمہیں بھلائی کے تمام اسباب میسر ہیں۔

وَاَنَّكَ فَيْضٌ ذُوْ سِجَالٍ غَزِيْرَةٍ يَنَالُ الْاَعَادِيْ نَفْعَهَا وَالْاَقَارِبُ

تم وہ دریا ہو جس کے دونوں کنارے پانی سے لبریز ہیں جس سے دشمن اور دوست تمام پانی

عمارہ بن ولید بن مغیرہ

عبداللہ اور عمرو کے ساتھ عمارۃ بھی تھا یہ وہی عمارہ ہے جس کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت ابو طالب کو اسے ہی پیش کر کے کہا گیا تھا۔ ''محمد (فداہ روحی) کے بدلے عمارہ لے لو اور محمد ﷺ کو ہمارے سپرد کر دو تاکہ ہم انہیں قتل کر دیں''۔ عمارۃ ایک حسین وجمیل جوان تھا۔ مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ قریش نے اسے بھی عمرو کے ساتھ نجاشی کے پاس بھیجا تھا لیکن ابن اسحاق نے یہ نہیں لکھا انہوں نے یونس کی روایت میں اس کا ذکر کیا ہے لیکن وہ تذکرہ ایک دوسرے واقعہ میں ہے۔ شاید یہ بھیجنا دوسری مرتبہ ہو جس کا ذکر عنقریب آئے گا۔ علامہ ابوالفرج الاصبہانی نے اس واقعہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے انہوں نے ذکر کیا ہے کہ عمرو نے اپنی بیوی کے ساتھ یہ سفر کیا جب وہ کشتی پر سوار ہوئے تو عمارۃ اور عمرو کی بیوی ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے۔ انہوں نے عمرو سے جان چھڑانے کے لئے سوچا۔ عمرو کو دھکا دے کر سمندر میں پھینک دیا۔ اس نے تیرنا شروع کیا۔ اہل سفینہ کو صدا دی جنہوں نے اسے پکڑ لیا اور اپنی کشتی

حاصل کر رہے ہیں۔

ابن اسحاق نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں۔
''جب ہم سرزمین حبشہ میں گئے تو ہم بہترین ہمسایہ نجاشی کے پڑوس میں فروکش ہوئے۔ ہمارا دین محفوظ ہو گیا۔ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے ہمیں کسی قسم کی اذیت نہیں دی جاتی تھی ہم کسی سے کوئی ناپسندیدہ بات نہیں سنتے تھے۔ جب قریش کو ہماری اس حالت کا علم ہوا تو انہوں نے باہم مشاورت کی انہوں نے طے پایا کہ وہ دو دانا آدمی نجاشی کے دربار میں بھیجیں۔ انہوں نے نجاشی کے لئے وہ تحائف اور ہدایا بھیجے جو مکہ مکرمہ میں نایاب تصور کئے جاتے تھے۔ ان تحائف میں سے سب سے زیادہ تعجب خیز تحفہ ''چمڑے'' تھے۔ قریش مکہ نے بہت سے چمڑے جمع کئے۔ انہوں نے ہر پادری کے لئے کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور رکھا پھر یہ تمام اشیاء عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن عاص کے حوالے کیں اور انہیں سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''نجاشی سے مسلمانوں کے متعلق گفتگو کرنے سے پہلے ہر پادری کو تحفہ پیش کر دینا۔ پھر نجاشی کو اس کے تحائف پیش کرنا پھر اس سے التجاء کرنا کہ وہ مسلمانوں سے گفتگو کئے بغیر انہیں تمہارے سپرد کر دے۔''

حضرت ام سلمۃ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ''وہ دونوں مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہوئے۔ نجاشی کے دربار میں پہنچے۔ ہم نجاشی کے سایہ میں عمدہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ عمرو اور عبداللہ نے نجاشی

میں سوار کر لیا۔ عمرو نے اس واقعہ کو چھپائے رکھا اور عمارہ کے سامنے اس کا اظہار نہ کیا بلکہ اس نے اپنی بیوی سے کہا اپنے چچازاد کا بوسہ لو تا کہ وہ اپنے دل میں مسرت محسوس کرے۔ جب وہ سرزمین حبشہ میں آئے تو عمرو نے ان کے ساتھ دھوکہ کیا۔ اس نے عمارہ سے کہا ''میں نے بنوسہم کو لکھا ہے کہ وہ تجھے میرے خون سے بری کر دیں تو بھی بنومخزوم کو لکھ دے کہ وہ مجھے تیرے خون سے بری کر دیں، حتیٰ کہ قریش کو معلوم ہو جائے۔ ہم موسم گرما یہیں گزار لیں''۔ جب عمارہ نے بنومخزوم کی طرف لکھا تو انہوں نے بنوسہم کے لئے اس کا خون معاف کر دیا۔ قریش کے ایک بزرگ نے کہا قسم بخدا! عمارہ قتل ہو گیا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ یہ عمرو کی سازش ہے پھر عمرو، عمارہ کو نجاشی کی عورت پر اکساتا رہا۔ اس نے عمارہ سے کہا۔ ''تو ایک حسین نوجوان ہے یہ عورتیں خوبصورت مردوں کو پسند کرتی ہیں۔ شاید وہ عورت ہماری حاجت کو پورا کرنے کے لئے بادشاہ سے سفارش کرے''۔ عمارہ اس کے دام میں پھنس گیا۔ جب عمرو نے عمارہ کا بادشاہ کی بیوی کے پاس بار بار جانا دیکھا اور اس عورت کا جھکاؤ بھی عمارۃ کی طرف دیکھا تو وہ ناصح بن کر بادشاہ کے پاس آیا۔ اس نے بادشاہ کو ایسی علامات بتائیں جس سے اسے یقین ہو گیا۔

سے گفتگو کرنے سے پہلے ہر پادری کو تحفہ دیا اور اس سے کہا۔ ''ہم میں سے چند احمق جوان بھاگ کر بادشاہ کے ملک میں آ گئے ہیں انہوں نے اپنی قوم کے دین کو ترک کر دیا ہے۔ انہوں نے تمہارا دین بھی اختیار نہیں کیا، انہوں نے ایک نیا دین ایجاد کیا ہے جس سے نہ ہم آشنا ہیں نہ تم آگاہ ہو۔ ان کی قوم کے سرداروں نے ہمیں بادشاہ کے پاس بھیجا ہے تاکہ وہ انہیں واپس کر دے۔ جب ہم ان کے متعلق بادشاہ سے گفتگو کریں تو تم اسے یہ مشورہ دینا کہ وہ ان سے گفتگو کیے بغیر ہی انہیں ہمارے حوالے کر دے۔ ان کی قوم نسب کے اعتبار سے ان سے بلند تر ہے۔ وہ ان پر جو عیب جوئی کرتے ہیں وہ بھی جانتے ہیں'' تمام پادریوں نے ان کی حمایت کرنے کی حامی بھری، پھر انہوں نے نجاشی کو تحائف پیش کیے۔ نجاشی نے ان سے تحائف قبول کر لئے پھر انہوں نے اس سے یوں گفتگو کی۔ ''اے شاہِ ذی شان! ہمارے چند احمق جوان آپ کے ملک میں گھس آئے ہیں، انہوں نے اپنی قوم کے دین کو ترک کر دیا ہے۔ انہوں نے آپ کے دین کو بھی نہیں اپنایا۔ انہوں نے ایک نیا دین ایجاد کر لیا ہے۔ ان کے دین سے نہ ہم آشنا ہیں نہ آپ۔ ان کی قوم کے سرداروں، اقارب اور قبائل نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ انہیں واپس لوٹا دیں۔ وہ حسب و نسب میں ان سے برتر ہیں وہ جوان پر عیب لگاتے ہیں وہ ان سے بھی آگاہ ہیں''۔ عبداللہ اور عمرو کے نزدیک اس سے بری اور کوئی چیز نہ تھی کہ بادشاہ ان کا کلام سنے۔

عمارۃ پہلے وہ نشانیاں عمرو کو بتاتا تھا۔ سب کچھ سن کر بادشاہ کو بہت زیادہ غیرت آئی اس نے کہا اگر عمارۃ میرا پڑوسی نہ ہوتا تو میں اسے قتل کر دیتا لیکن میں اس سے وہ سلوک کروں گا جو قتل سے بھی عبرتناک ہوگا۔ نجاشی نے جادوگروں کو بلایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ عمارۃ پر جادو کر دیں۔ جادوگروں نے اس کی شرمگاہ پر ایسی پھونک ماری جس سے وہ چہرے بل اڑنے لگا۔ وہ اڑتے اڑتے پہاڑوں پر وحشی جانوروں سے جا ملا جو شخص بھی اسے دیکھتا وہ راہِ فرار اختیار کرتا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد زریں کا آخری دور تھا اس کے چچازاد بھائی عبداللہ بن ربیعہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی تاکہ وہ عمارہ کو تلاش کر سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اجازت دے دی۔ عبداللہ سرزمین حبشہ میں گیا، عمارہ کو بہت زیادہ ڈھونڈا ہر جگہ اسے تلاش کیا ہر شخص سے اس کے متعلق پوچھا۔ اسے بتایا گیا کہ وہ ''احیل'' کے مقام پر ہے۔ وہ وحشی جانوروں کے ہمراہ وہاں آتا ہے اور ان کے ساتھ ہی چلا جاتا ہے۔ عبداللہ ''احیل'' کی طرف گیا، اس کا راستہ پانی سے بھرپور تھا اس نے اچانک عمارۃ کو دیکھ لیا اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے ناخن بڑھے ہوئے تھے۔ اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے، وہ

بادشاہ کے حاشیہ نشیں پادریوں نے کہا۔ ''اے شاہِ ذی مرتبت! یہ سچ کہہ رہے ہیں ان کی قوم ان سے خوب آشنا ہے۔ آپ ان کو ان کے سپرد کر دیں''۔ ان کی یہ گفتگو سن کر نجاشی غصہ میں ہو گیا اور کہنے لگا پھر تو میں مسلمانوں کو ان کے سپرد ہرگز نہیں کروں گا۔ اس قوم کو دوسروں کے حوالے کیسے کیا جا سکتا ہے جو میرے پڑوس میں خیمہ زن ہوئے ہوں جو میرے شہروں میں فروکش ہوئے ہوں اور جنہوں نے دیگر شہنشاہوں کو چھوڑ کر مجھے اختیار کیا ہو؟ میں انہیں اپنے دربار میں بلاؤں گا اور جو یہ دونوں ان کے متعلق کہہ رہے ہیں اس کے بارے ان سے سوال کروں گا اگر وہ اسی طرح ہوئے جس طرح ان دونوں نے کہا ہے تو میں انہیں ان کے سپرد کر دوں گا۔ انہیں ان کی قوم میں لوٹا دوں گا لیکن اگر وہ ایسے نہ ہوئے تو میں ان کا تحفظ کروں گا اور جب تک وہ میرے پڑوس میں رہیں گے میں ان پر احسان کرتا رہوں گا''۔

مہاجرین اور نجاشی کے مابین مکالمہ

پھر نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ جب مسلمانوں کے پاس اس کا قاصد آیا تو مسلمان باہمی مشاورت کے لئے ایک جگہ جمع ہوئے۔ انہوں نے کہا'' جب تم نجاشی کے پاس جاؤ تو تمہیں کیا کہنا چاہئے؟'' صحابہ کرام نے کہا'' اللہ کی قسم! ہم وہی کچھ کہیں گے جو ہمارے علم میں ہے اور جس کا ہمیں نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا ہے۔ نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو''۔ جب مسلمان نجاشی کے دربار

شیطان کی مانند دکھائی دیتا تھا، عبداللہ نے اسے پکڑ لیا، اس سے رحم کی التجاء کی، مہربانی کی درخواست کی لیکن عمارۃ پر برابر لرزہ طاری رہا وہ کہنے لگا'' اے بجیر! مجھے چھوڑ دے اے بجیر! مجھے چھوڑ دے'' لیکن عبداللہ نے اسے چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ عمارہ اس کے سامنے ہی مر گیا۔ یہ ایک طویل واقعہ ہے لیکن مؤرخین نے اس کا تذکرہ اختصار سے کیا ہے۔ علامہ ابوالفرج نے اس کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے۔

اصحابِ ہجرت کی نجاشی سے گفتگو

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی گفتگو کو ابن اسحاق نے تفصیل سے لکھا ہے۔ ان کی گفتگو میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اس میں ایک فقہی مسئلہ'' وطن سے خروج'' ہے۔ یعنی وطن چھوڑنا جائز ہے اگرچہ وطن مکہ معظمہ ہی کیوں نہ ہو۔ جب کہ یہ خروج دین کو بچانے کے لئے ہو اور اگرچہ یہ خروج اسلام کی طرف نہ بھی ہو۔ اہل حبشہ عیسائی تھے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پوجا کرتے تھے وہ انہیں اللہ کا بندہ نہیں کہتے تھے لیکن اس نے باوجود ان مسلمانوں کو مہاجرین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہی وہ دو ہجرتوں

میں پہنچے تو نجاشی نے اپنے پادریوں کو بلا لیا۔ انہوں نے اپنی اپنی کتابوں کو کھول لیا۔ بادشاہ نے مسلمانوں سے سوال کیا۔ "وہ کون سا دین ہے جس سے تم نے اپنی قوم کی جمعیت کو بکھیر کر رکھ دیا ہے تم نہ تو میرے دین میں داخل ہوئے ہو اور نہ ہی دیگر ادیان میں سے کسی دین کو اختیار کیا ہے؟"
حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے بادشاہ سے کہا۔ "اے بادشاہ! ہم جاہل قوم تھے، ہم بت پرستی کرتے تھے، ہم مردار کھاتے تھے، ہم برائیوں میں مبتلا تھے، ہم صلہ رحمی کو منقطع کرتے تھے، ہم پڑوسیوں کے حقوق سے نا آشنا تھے، ہم میں سے قوی، ضعیف کو ہڑپ کر جاتا تھا، ہم ان ہی برائیوں پر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ہماری طرف ایک رسول بھیجا، ہم ان کا نسب، صدق، امانت اور عفت جانتے ہیں انہوں نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا تاکہ ہم اس کی توحید کو تسلیم کریں، اس کی پوجا کریں اور ان بتوں اور پتھروں کو چھوڑ دیں جن کی ہم اور ہمارے آباء پوجا کرتے تھے۔ انہوں نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے، پڑوسیوں کے ساتھ عمدہ سلوک کرنے، حرام چیزوں سے رکنے، خون ریزی سے بچنے اور برائیوں سے رکنے کا حکم دیا۔ انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم جھوٹ نہ بولیں، یتیم کا مال نہ کھائیں، پاکباز خواتین پر تہمت نہ لگائیں۔ انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی

والے لوگ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ۔ سب سے آگے آگے سب سے پہلے پہلے۔" اس آیت کی تفسیر میں ہے۔ "یہ وہ بلند بخت لوگ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، جنہوں نے دو ہجرتیں کیں۔ ایک قول کے مطابق ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو بیعت رضوان میں شامل ہوئے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس ہجرت کی وجہ سے ان کی کس طرح تعریف کی حالانکہ وہ بیت اللہ سے نکل کر دارِ کفر کی طرف گئے تھے کیونکہ ان کا یہ فعل ان کے مذہب کے تحفظ کے لئے تھا، انہیں امید تھی کہ وہ وہاں یکسوئی سے اپنے رب کی عبادت کرسکیں گے۔ امن و اطمینان کے ساتھ اس کی یاد کی شمع جلا سکیں گے۔ جب شہر میں برائی کا غلبہ ہو تو یہی حکم ہوگا۔ جب حق کے لئے مؤمن کو اذیت دی جائے۔ وہ دیکھے کہ باطل حق کو ختم کرنے کے درپے ہے۔ اسے یہ امید ہو کہ وہ کسی دوسرے شہر میں اپنے دین کو محفوظ رکھ سکے گا۔ وہ اپنے رب کی عبادت آسانی سے کرسکے گا تو پھر اس مؤمن کے لئے خروج لازمی ہو جاتا ہے۔ یہ وہ ہجرت ہے جس کا انقطاع قیامت تک نہ ہوگا۔
وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرہ:115)
"اور مشرق بھی اللہ کا ہے اور مغرب بھی سو جدھر بھی تم رخ کرو وہیں ذاتِ خداوندی ہے۔"

کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ انہوں نے ہمیں نماز ادا کرنے، زکوٰۃ دینے اور روزے رکھنے کا حکم دیا''۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ''حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے تمام احکامات کو بیان کیا پھر کہا۔'' ہم نے ان کی تصدیق کی، ان پر ایمان لائے، بارگاہِ ربوبیت سے وہ جو کچھ لے کر آئے ہم نے اس کی اتباع کی، ہم نے خدائے یکتا کی عبادت کی، ہم نے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا، جو کچھ نبی اکرم ﷺ نے ہم پر حرام کیا ہم نے اسے حرام سمجھا جو کچھ انہوں نے حلال کیا ہم نے اسے حلال سمجھا۔ ہماری قوم ہمارے مخالف ہو گئی۔ انہوں نے ہمیں مصائب میں ڈالا۔ ہمارے دین کے متعلق ہمیں آزمائش میں ڈالا تاکہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے بتوں کی پوجا کی طرف دوبارہ لوٹا دیں۔ ہم ان خبائث کو دوبارہ حلال سمجھنے لگیں جنہیں ہم پہلے حلال سمجھتے تھے۔ جب انہوں نے ہم پر ظلم کیا، ستم ڈھایا ہمارے لئے زمین کی وسعتوں کو تنگ کر دیا۔ ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان حائل ہوئے۔ تمہارے وطن کی

ضَوٰی اِلَیْکَ فِتْیَۃٌ۔ تمہاری طرف انہوں نے پناہ لی ہے۔ ضوٰی کا معنی لاغر ہونا ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

فَتًی لَمْ تَلِدْہُ بِنْتُ عَمٍّ قَرِیْبَۃٍ فَیَضْوٰی وَ قَدْ یَضْوٰی رَدِیْدُ الْغَرَائِبِ

وہ ایسا جوان ہے جسے قریبی چچا کی بیٹی نے جنم نہیں دیا کہ وہ کمزور ہو۔ اجنبی عورتوں کے بچے بہت کم کمزور ہوتے ہیں۔

حدیث مبارک ہے اِغْتَرِبُوْا لَا تَضْوُوْا۔ اجنبی خاندان میں شادی کرو اور کمزوری نہ دکھاؤ۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ قریبی رشتہ داروں میں شادی بچے میں کمزوری کا سبب بنتی ہے اس سے دل میں ناتوانی آتی ہے۔ زاجر کہتا ہے۔

اِنَّ بِلَالًا لَمْ تَشِنْہُ اُمُّہٗ لَمْ یَتَنَاسَبْ خَالُہٗ وَ عَمُّہٗ

بلال کو ان کی والدہ نے عیب نہیں لگایا اور نہ ہی ان کے خالو اور چچا نے ان سے مشابہت کی ہے۔

اللہ رب العزت کی طرف آنکھ کی اضافت

قَوْمُھُمْ اَعْلٰی بِھِمْ عَیْنًا۔ ان کی قوم ان سے خوب آشنا ہے۔ دیگر اقوام سے ان کی اپنی قوم ان کے حالات سے خوب واقف ہے۔ اس مقام پر ''عین'' رویت اور بصارت (دیکھنے) کے معنی میں ہے اس سے انسانی عضو'' آنکھ'' مراد نہیں ہے۔ انسانی عضو آنکھ کو عین مجازاً کہا جاتا ہے کیونکہ اس مقام سے مشاہدہ کیا جاتا ہے کسی چیز کے دیکھنے کو عَنَّہٗ یَعِیْنُہٗ عَیْنًا استعمال ہوتا ہے۔ اگرچہ مشہور یہ ہے کہ یہ عَایَنَ، یُعَایِنُ، مُعَایَنَۃً استعمال ہوتا ہے اس سے مراد آنکھ سے مشاہدہ کرنا ہوتا ہے۔ ہم نے اس

طرف آنے پر مجبور کیا ہم نے دیگر ممالک کو چھوڑ کر تمہارے وطن کو اختیار کیا، تمہارے پڑوس کو پسند کیا اور اے بادشاہ والا تبار! ہم امید کرتے ہیں کہ تمہارے ملک میں ہم پر ظلم نہیں ہوگا"۔

حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ "نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا تمہارے پاس اس پیغام میں سے کچھ ہے جو نبی محترم ﷺ پر ان کے رب کی طرف سے آیا؟" حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہاں! نجاشی نے کہا مجھے اس میں سے کچھ سناؤ"۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں جنہیں سن کر نجاشی رونے لگا حتیٰ کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی، اس کے پادری بھی گریہ بار ہوگئے۔ ان کے مصاحف آنسوؤں سے بھیگ گئے پھر نجاشی نے کہا۔ "اللہ کی قسم! یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے ہیں وہ ایک ہی چراغ سے نکلے ہیں" پھر اس نے سفیرانِ قریش کو مخاطب کر کے کہا۔ "تم چلے جاؤ میں انہیں تمہارے سپرد ہرگز نہیں کروں گا"۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ "جب قریش کے دونوں سفیر نجاشی کے دربار سے نکلے تو عمرو بن عاص نے کہا۔ "قسم بخدا کل میں ایسی چال چلوں گا جس سے میں مسلمانوں کو جڑ سے اکھیڑ کر رکھ دوں گا"۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ نے اس سے کہا۔ وہ قدرے رحمدل شخص تھا۔ "اگرچہ وہ ہمارے مخالف ہیں مگر پھر بھی ہمارے رشتہ دار ہیں اس لئے کوئی ایسی چال نہ چلنا جس سے انہیں نقصان ہو۔" عمرو نے کہا "اللہ کی قسم! میں نجاشی کو بتاؤں گا کہ مسلمان گمان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اللہ کے بندے ہیں"۔ دوسرے دن سفیر نجاشی کے دربار میں

بحث کا آغاز اس لئے کیا ہے تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ وضع کے اعتبار سے عین صفت ہے کسی عضو کا نام نہیں جب اسے ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے تو یہ حقیقی معنی میں استعمال ہوتی ہے۔ جس طرح کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا بِعَیْنِ اللّٰہِ مَھْوَاكِ وَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ تَرِدِّیْنَ۔ قرآن پاک میں ہے لِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ۔ ہم نے "مسائل مفردات" میں اس مسئلہ پر تفصیل سے لکھا ہے۔ اس میں اس شخص کا بھی رد ہے جو عین کے تثنیہ کو اس وقت جائز قرار دیتا ہے جب اس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو وہ اسے "یدین" دو ہاتھوں پر قیاس کرتا ہے، اس میں اس شخص کا بھی رد ہے جو اس حدیث شریف سے استدلال کرتا ہے اِنَّ رَبَّکُمْ لَیْسَ بِاَعْوَرَ تمہارا پروردگار بھینگا نہیں ہے، ہم نے اس میں ایسے دلائل ذکر کئے ہیں جن میں دلی اطمینان ہے ہم نے دجال کے بھینگے کے متعلق مختلف معانی کا تذکرہ کیا ہے وہاں سے مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

پہنچے اور اس سے کہنے لگے" اے بادشاہ! مسلمان حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے متعلق ایک بہت بڑی بات کرتے ہیں۔ آپ ان کی طرف پیام بھیجیں اور ان سے اس عقیدہ کے متعلق سوال کریں"۔ بادشاہ نے مہاجرین کی طرف پیام بھیجا۔" حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ "اس دن جتنی پریشانی اور اضطراب ہم نے کبھی نہیں دیکھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مشاورت کے لئے جمع ہوئے وہ کہنے لگے" اگر نجاشی نے ہم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق سوال کیا تو ہمیں کیا جواب دینا چاہئے؟ انہوں نے یہ طے کیا قسم بخدا ہم ان کے متعلق وہی کہیں گے جو اللہ رب العزت نے ان کے متعلق فرمایا ہے اور جو کچھ نبی محترم ﷺ نے ہمیں فرمایا ہے اس کا نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو"۔ جب مسلمان دربارِ نجاشی میں داخل ہوئے تو نجاشی نے ان سے پوچھا "حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے متعلق تمہارا عقیدہ کیا ہے؟" حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا" ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو ہمیں نبی اکرم ﷺ نے بتایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں وہ اس کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے کنواری اور پاکباز مریم کی طرف پھینکا تھا"۔

کلمۃ اللہ اور روح اللہ کا معنی

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔" وہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں۔" کلمہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی طرح کہا جس طرح اس نے حضرت آدم علیہ السلام سے اس وقت کہا تھا جب انہیں مٹی سے تخلیق کیا پھر کہا کن" ہو جا" فیکون "پس وہ ہو گئے"۔ فَیَکُوْنُ کی جگہ فَکَانَ نہ کہا تا کہ فعل کا قول سے کچھ دیر بعد وقوع کا وہم نہ ہو بلکہ وہ فوراً ظہور پذیر ہو گئے۔ فَیَکُوْنُ قول کے کہنے کے فوراً بعد ہی فعل کے وقوع کا شعور دلاتا ہے اس میں تقدیم و تاخیر ممکن نہیں۔ کلمہ کا یہ معنی ہے جہاں تک روح کا تعلق ہے تو کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام طاہرہ، مقدسہ کے گریبان میں روح القدس کی پھونک تھے۔ قدس سے مراد ہر معیوب اور ناپسندیدہ شئی سے طہارت ہے یا ہر اس چیز سے پاکیزگی ہے جس کو نفس گندہ سمجھے یا شرع ناپسند کرے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو روح القدس اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی تخلیق منی سے نہیں ہوئی اور نہ ہی وہ شہوت سے پیدا ہوئے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت تشریفیہ کے ساتھ منسوب ہوتے ہیں کیونکہ ان کی تخلیق بارگاہِ قدسیہ سے ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صدور ان سے ہوا اس معنی کے اعتبار سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام "روح اللہ" ہیں نفخ کو بھی روح کہا جاتا ہے جس طرح ذوالرمہ آگ کی تعریف میں کہتا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔" بادشاہ نے اپنا ہاتھ زمین کی سمت بڑھایا اور وہاں سے ایک تنکا اٹھالیا اور کہنے لگا۔" اللہ کی قسم! جو کچھ تم نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے اس تنکا کی مقدار بھی زیادہ نہیں ہیں۔" نجاشی کی یہ بات سن کر اس کے حاشیہ نشیں پادری ناک سے آوازیں نکالنے لگے، بادشاہ نے پادریوں سے مخاطب کر کے کہا" تم خواہ مخواہ آوازیں نکال رہے ہو، اللہ کی قسم! اِذْهَبُوا فَاَنْتُمْ شُيُوْمٌ بِاَرْضِى۔ مہاجرین! تم میری مملکت میں امن میں ہو جو تمہیں گالی دے گا اس پر جرمانہ ہوگا۔ جو تمہیں گالی دے گا اس پر جرمانہ ہوگا۔ جو تمہیں گالی دے گا اس پر جرمانہ ہوگا۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ مجھے سونے کا ایک پہاڑ دیا جائے اور میں تم میں سے کسی ایک شخص کو اذیت دوں"۔ بادشاہ نے غلاموں سے کہا" ان کے تحائف اور ہدیے واپس کر دو۔ مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ کی قسم! جب اللہ تعالیٰ نے مجھے میرا وطن لوٹایا تھا اس نے مجھ سے کوئی رشوت نہ لی تھی کہ اب میں اس میں رشوت لینا شروع کر دوں۔ اس وقت اس نے میرے متعلق لوگوں کی بات نہ مانی تھی، اب میں اس کے معاملہ میں لوگوں کی اطاعت کیوں کروں"۔ سفیرانِ قریش ملول و رسوا ہو کر نجاشی کے دربار سے نکل گئے۔ ان کے تحائف انہیں واپس کر دیئے گئے اور ہم نجاشی کے پڑوس میں امن و عافیت سے رہنے لگے"۔

مہاجرین حبشہ اور نجاشی کی مدد

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔" ہم اسی طرح امن و آشتی سے رہ رہے تھے کہ

فَقُلْتُ لَهُ ارْفَعْهَا اِلَيْكَ وَ اَحْيِهَا بِرُوْحِكَ وَاَقْدِرْ لَهَا قِيْتَةً بَذْرًا

میں نے اس سے کہا میں اس آگ کو تیری طرف بلند کرتا ہوں اسے تیری پھونک سے حیات نو دیتا ہوں پھر میں اس سے جلدی جلدی قیتۃ (ایک دانہ) پکالیتا ہوں۔

میں روح القدس کے متعلق اس کلام کو نفخ کو روح کہنے کو اس بحث کے ساتھ متصل کرتا ہوں جو میں حقیقت روح میں بیان کیا تھا گویا کہ یہ اس کا تکملہ ہے۔

اَلشُّيُوْمُ۔ ابن ہشام نے" شیوم" کی شرح امن و امان سے کی ہے ممکن ہے یہ لفظ لغت حبشیہ کا ہو اور مشتق نہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی اصل عربی میں ہو یہ ممکن ہے کہ یہ شِمْتَ السَّيْفَ سے مشتق ہو جس کا معنی تلوار کو نیام میں ڈالنا ہے۔ جب تلوار نیام میں ہو تو امن و سکون کی علامت ہوتا ہے، یا یہ کہ انسان اسی طرح محفوظ ہوتا ہے جس طرح تلوار اپنے نیام میں محفوظ ہوتی ہے۔

اچانک حبشہ کا ایک شخص اٹھا وہ نجاشی کی سلطنت کے متعلق اس سے لڑنے لگا، اس وقت ہم جتنے غمگین وحزین تھے اتنے غمگین پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔ ہمیں یہ خوف دامن گیر تھا کہ اگر وہ شخص نجاشی پر غالب آ گیا تو ممکن ہے اقتدار اس شخص کو مل جائے جو ہمارے حقوق سے نا آشنا ہو جس طرح کہ نجاشی ان کی پاسداری کرتا تھا۔ نجاشی اس باغی کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا ان کے مابین دریائے نیل کا پاٹ تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا۔ ''ایسا شخص کون ہے جو دریا کی دوسری طرف جائے اور آج کا معرکہ ملاحظہ کرے پھر ہمیں وہاں کے حالات بتائے۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں یہ خدمت سرانجام دوں گا۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا تم......؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس وقت پوری قوم سے کم عمر تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مشکیزہ کو ہوا سے بھرا اسے ان کے سینے کے نیچے رکھا وہ اس پر تیرتے ہوئے دوسرے کنارے پہنچ گئے جہاں نجاشی اور باغی نے معرکہ آزما ہونا تھا'' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ''ہم اللہ تعالیٰ سے برابر دعا مانگ رہے تھے کہ نجاشی دشمن پر غالب آ جائے اور اسے اس کے ملک میں تسلط مل جائے۔ ہم منتظر تھے کہ نتیجہ کیا نکلتا ہے اتنے میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھاگتے ہوئے آئے۔ انہوں نے اپنے کپڑے سنبھالتے ہوئے کہا۔ ارے! خوشیاں مناؤ، نجاشی کو فتح ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دشمن کو برباد کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نجاشی کو غلبہ عطا فرمایا ہے''۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ''قسم بخدا! اتنی مسرت ہمیں کبھی پہلے نہیں ہوئی تھی۔ نجاشی میدانِ وغا سے واپس آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دشمن کو برباد کر دیا اس کو اس کے شہروں پر تسلط نصیب ہوا۔ حبشہ کے معاملات کو استحکام نصیب ہوا۔ ہم وہاں فرحاں وشاداں رہنے لگے حتیٰ کہ ہم بارگاہِ رسالت میں اس وقت حاضر ہو گئے جب آپ ﷺ مکہ معظمہ میں تشریف فرما تھے''۔

نجاشی کے حبشہ پر تسلط کی داستان

ابن اسحاق نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ نجاشی کے اس قول کا مفہوم کیا ہے؟۔ ''اللہ تعالیٰ نے اس وقت مجھ سے کوئی رشوت نہ لی تھی

النجاشی اصحمہ

ابن اسحاق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کا ملک

جب اس نے مجھے میرا ملک لوٹایا تھا کہ میں آج اس میں رشوت لینا شروع کر دوں۔ اس نے میرے بارے میں لوگوں کی بات نہ مانی تھی کہ میں آج اس کے متعلق لوگوں کی باتیں مانوں۔"
حضرت عروہ نے فرمایا" ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بیان کیا ہے کہ نجاشی کا باپ اپنی قوم کا بادشاہ تھا۔ نجاشی کے علاوہ اس کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ نجاشی کا ایک چچا تھا جس کے بارہ لڑکے تھے۔ وہ حبشہ کی مملکت کے آفیسر تھے۔ اہل حبشہ نے مشاورت کی۔" اگر ہم نجاشی کے باپ کو قتل کر دیں اور اس کے بھائی کو اقتدار دے دیں۔ نجاشی کے علاوہ اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے جبکہ اس کے بھائی کے بارہ بیٹے ہیں تو ملک نسل در نسل ان کے پاس رہے گا۔ اہل حبشہ نے نجاشی کے باپ کو قتل کر دیا۔ اس کے بھائی کو شہنشاہ بنا لیا۔ اسی طرح کافی عرصہ گزر گیا۔ نجاشی اپنے چچا کی

واپس لوٹایا تھا۔ اس کی قوم نے اسے فروخت کر دیا تھا۔ جب حبشہ کے معاملات بگڑ گئے تو انہوں نے نجاشی کو اس کے مالک سے واپس لے لیا۔ حدیث کا ظاہر تو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اہل حبشہ نے تاجر سے اس کے وطن پہنچنے سے پہلے ہی نجاشی لے لیا تھا۔ وہ اس کی جستجو میں نکلے اور انہیں تاجر مل گیا لیکن اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ اس کا مالک ایک عرب تاجر تھا۔ اس نے نجاشی کو طویل عرصہ تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رکھا۔ اہل حبشہ کا دنگا فساد بھی اسی امر کا متقاضی ہے کہ نجاشی مدت دراز تک حبشہ سے غائب رہا۔ روایت ہے کہ جب غزوۂ بدر رونما ہوا تو اس کی خبر نجاشی تک مہاجرین حبشہ سے پہلے پہنچی۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ جب مسلمان اس کے دربار میں پہنچے تو اس نے اون کا لباس پہن رکھا تھا وہ مٹی اور راکھ پر بیٹھا تھا۔ مسلمانوں نے بادشاہ سے پوچھا اے شہنشاہِ والا نژاد! آپ نے یہ حالت کیوں بنا رکھی ہے؟ بادشاہ نے کہا انجیل میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر انعام فرمائے تو بندے پر واجب ہے کہ وہ اپنے اللہ کے لئے تواضع کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اور تم پر بہت بڑا انعام فرمایا ہے۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ نبی اکرم ﷺ وادی بدر میں اپنے دشمن سے نبرد آزما ہوئے ہیں۔ اس وادی میں پیلو کے درخت بہت زیادہ تھے۔ میں وہاں اپنے مالک کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ میرے مالک کا تعلق بنوضمرہ سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے دشمنوں کو ہزیمت سے دوچار کیا ہے۔ ان کے دین کی اعانت کی ہے۔" یہ واقعہ اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ نجاشی بلاد عرب میں کافی عرصہ ٹھہرا رہا۔ یہیں سے اس نے عربی زبان سیکھی۔ جب اسے سورۂ مریم سنائی گئی تو اس نے اسے سمجھ لیا۔ وہ رونے لگا حتیٰ کہ اس کی داڑھی آنسو سے تر ہو گئی۔ روایت ہے کہ نجاشی نے کہا" ہم انجیل میں پاتے ہیں جب بچوں کو اقتدار مملکت کا والی بنا دیا جائے تو زمین پر لعنت برستی رہتی ہے"۔

نگہداشت میں پروان چڑھتا رہا۔ نجاشی ایک زیرک اور دانا انسان تھا۔ وہ اپنے چچا کے نزدیک اہم مقام حاصل کر گیا اور اس کے کام کاج میں ہاتھ بٹانے لگا۔ جب اہل حبشہ نے نجاشی کا یہ مقام دیکھا تو انہوں نے مشاورت کی انہوں نے کہا۔ ''یہ نوجوان اپنے چچا کے معاملات میں غالب آرہا ہے۔ ہمیں خوف ہے کہ اگر یہ ہمارا بادشاہ بن گیا تو یہ ہم سب کو قتل کر دے گا۔ وہ جانتا ہے کہ اس کے باپ کو ہم نے ہی قتل کیا ہے''۔ وہ اس کے چچا کے پاس گئے اور کہنے لگے۔ ''یا تو اس جوان کا کام تمام کر دو یا اسے جلاوطن کر دو۔ ہمیں اس سے خطرہ ہے'' بادشاہ نے کہا ''تمہارے لئے ہلاکت ہو، کل میں نے اس کے باپ کو ہلاک کیا اور آج اسے قتل کر دوں۔ میں اسے جلاوطن کر دیتا ہوں''۔ اہل حبشہ نجاشی کو لے کر بازار گئے اور اسے ایک تاجر کے ہاتھوں چھ سو درہم میں فروخت کر دیا۔ تاجر نے اسے کشتی پر سوار کیا اور اپنے ہمراہ لے گیا اسی رات آسمان پر بادل چھا گئے۔ نجاشی کا چچا بارش میں نہانے کے لئے نکلا، اچانک آسمانی بجلی گری جس نے اس کا کام تمام کر دیا۔

اہل حبشہ نے اس کے لڑکے کو اپنا والی بنا لیا لیکن وہ انتہائی بے وقوف اور احمق تھا۔ اس کی اولاد میں سے کوئی بھی اس قابل نہ تھا کہ اقتدار کا تاج اس کے سر پر رکھا جائے۔ حبشہ میں فساد پھیلتا گیا جب فساد و خونریزی کی آگ وسعت اختیار کرتی گئی تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا۔ ''اللہ کی قسم! ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے ملک کی بگڑی اس کے بغیر نہیں سنور سکتی جسے ہم نے بیچ دیا ہے۔ حبشہ کے معاملات کو سدھارنے کے لئے ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ اب اسے ڈھونڈو''۔ تمام اس کی جستجو میں اٹھ کھڑے ہوئے حتیٰ کہ انہیں وہ تاجر مل گیا جس کے ہاتھوں انہوں نے نجاشی کو فروخت کیا تھا۔ اس سے نجاشی لیا۔ اسے حبشہ لے آئے۔ اس کے سر پر تاج سجایا اور اسے حبشہ کا بادشاہ بنا دیا۔

ان کے پاس وہی تاجر آیا جس کے ہاتھوں انہوں نے نجاشی فروخت کیا تھا اس نے اہل حبشہ

ہجرت حبشہ سے ایک فقہی مسئلہ

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام سے عرض کی یا رسول اللہ! علیہ السلام ہم کشتی میں کیسے نماز پڑھیں گے؟۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ ''اگر غرق ہونے کا خطرہ نہ ہو تو کھڑے ہو کر نماز ادا کرو۔ (دار قطنی) لیکن اس حدیث کی سند مضطرب ہے۔ مسند ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کشتی میں بیٹھ کر نماز ادا کی۔ امام بخاری نے حضرت حسن سے روایت کی ہے کہ وہ کشتی میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے تھے مگر جبکہ اس سے گھر والوں کو حرج ہوتا۔

سے کہا'' یا تو مجھے میرا مال دے دو یا میں اس کے بارے بادشاہ سے گفتگو کرنے لگا ہوں''۔انہوں نے کہا'' ہم تجھے کچھ بھی نہیں دیں گے''۔تاجر نے کہا'' قسم بخدا! اب تو مجھے تمہارے بادشاہ سے بات چیت کرنا ہی پڑے گی''۔انہوں نے کہا'' ضرور!'' وہ تاجر نجاشی کے پاس آیا اس کے سامنے بیٹھ گیا اور کہنے لگا'' اے بادشاہ! میں نے آپ کی قوم سے بازار میں چھ سو درہم کا ایک غلام خریدا انہوں نے غلام میرے سپرد کیا اور مجھ سے رقم لی۔جب میں اپنے غلام کو لے کر جا رہا تھا تو انہوں نے میرا تعاقب کر کے مجھے پکڑ لیا۔مجھ سے غلام لے لیا لیکن رقم واپس کرنے سے انکار کر دیا''۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔'' نجاشی نے کہا اے اہل حبشہ! یا تو اس تاجر کی رقم واپس کر دو یا پھر میں اس غلام کا ہاتھ اس تاجر کے ہاتھ میں دینے لگا ہوں۔اس تاجر کو اختیار ہوگا کہ وہ جہاں چاہے اس غلام کو لے جائے۔اہل حبشہ نے کہا ہم اس تاجر کی رقم دے دیتے ہیں۔''
اسی واقعہ کی طرف نجاشی نے یہ کہہ کر اشارہ کیا تھا'' اللہ تعالیٰ نے اس وقت مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی تھی جب اس نے میرا وطن مجھے واپس دلایا تھا کہ میں آج رشوت لوں۔اس نے میرے متعلق لوگوں کی بات نہ مانی تھی کہ میں آج اس کے بارے لوگوں کی باتیں مانوں۔'' یہ وہ پہلی بات تھی جس سے نجاشی کے دینی استحکام اور فیصلہ میں عدل کا علم ہوتا ہے۔ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب نجاشی کا انتقال ہوا تو اس کی قبر پر ایک نور ضوفشاں نظر آتا تھا۔

نجاشی کا اسلام اور اس پر نمازِ جنازہ

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھ سے حضرت جعفر بن محمد نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ اہل حبشہ جمع ہوئے انہوں نے نجاشی سے کہا۔تم نے ہمارا مذہب چھوڑ دیا ہے۔انہوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی۔نجاشی نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی

نجاشی کا خط اور اس پر نمازِ جنازہ

ابن اسحاق نے نجاشی کے اس خط کا ذکر کیا ہے جو اس نے اپنے سینے اور اپنی قباء کے درمیان رکھا تھا۔اس نے اپنی قوم سے کہا'' میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے زائد نہیں ہیں''۔
اس سے یہ فقہی مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ مؤمن کو صریح جھوٹ نہیں بولنا چاہیے اور نہ ہی اسے اپنی زبان پر کلمۂ کفر لانا چاہیے جب تک کسی حیلہ سے کام نکل سکتا ہو۔تعریض میں جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہوتی ہے۔حضور ﷺ کے اس فرمان میں علماء نے یہی فرمایا ہے۔

طرف پیام بھیجا۔ اس نے ان کے لئے کشتیاں تیار کیں اور کہا ان پر سوار ہو جاؤ، اگر مجھے شکست ہو جائے تو تم جہاں چاہو چلے جانا اور اگر مجھے کامیابی نصیب ہو جائے تو یہیں اقامت گزیں رہنا پھر ایک کاغذ منگوایا اور اس میں لکھا۔ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اس کے رسول اور اس کی روح ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے حضرت مریم کی طرف القاء کیا تھا۔'' پھر اس نے وہ کاغذ اپنے دائیں کندھے پر باندھ لیا۔ اہل حبشہ نے اس سے لڑنے کے لئے صف بند کر لی۔ نجاشی نے کہا ''اے اہل حبشہ! کیا میں لوگوں میں سے تمہارا سب سے زیادہ حقدار نہیں ہوں''۔ انہوں نے کہا ''ہاں''۔ نجاشی نے پوچھا ''تم نے اپنے ہاں میری سیرت کو کیسے پایا ہے؟'' اہل حبشہ نے جواب دیا ''تمہاری سیرت بھی عمدہ ہے''۔ نجاشی نے پوچھا ''پھر تم نے میرے خلاف بغاوت کیوں کر دی ہے؟'' اہل حبشہ نے کہا ''تم نے ہمارا مذہب چھوڑ دیا ہے اور یہ گمان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بندے ہیں''۔ نجاشی نے پوچھا ''تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا کہتے ہو''۔ انہوں نے کہا ''ہم کہتے

''جس شخص نے دو آدمیوں کے مابین صلح کرائی اور بھلائی کی بات کہی وہ جھوٹا نہیں ہے۔'' اس حدیث کو حضرت ام کلثوم بنت عقبہ نے روایت کیا ہے۔ علماء فرماتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ انسان تعریض کر رہا ہے اور واضح جھوٹ نہیں بول رہا، مثلاً وہ یہ کہے۔ ''میں نے سنا ہے کہ وہ تیرے لئے استغفار کر رہا تھا اور تیرے لئے دعا کر رہا تھا۔'' جبکہ اس کی مراد یہ ہو کہ اس نے اسے تمام مسلمانوں کے لئے استغفار اور دعا کرتے ہوئے سنا ہے کیونکہ وہ بھی تمام مسلمانوں میں سے ایک ہے اس طرح وہ ممکنہ حد تک تعریض میں حیلہ سے کام لے اور واضح جھوٹ نہ گھڑے۔ جنگ کے دھوکہ میں بھی یہی مراد ہے کہ انسان راز سے کام لے کنایۃً کہے اور صراحتہً جھوٹ نہ کہے۔

حضور ﷺ نے نجاشی کی نمازِ جنازہ ادا کی اور اس کے لئے دعائے مغفرت کی ۹ھ رجب میں نجاشی کا انتقال ہوا۔ جس روز اس کی موت واقع ہوئی اسی روز حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو آگاہ فرما دیا تھا۔ بقیع میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی اس کی چارپائی سرزمین حبشہ سے اٹھا کر حضور ﷺ کے سامنے رکھ دی گئی۔ آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں اس پر نمازِ جنازہ ادا فرمائی۔ یہ دیکھ کر منافقین باتیں بنانے لگے، انہوں نے کہا کیا آپ ﷺ نے اس کافر کی نمازِ جنازہ ادا فرما دی ہے، اس وقت اس آیت کا نزول ہوا۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ (آل عمران: ۱۹۹)

ہیں کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں نجاشی نے اپنا ہاتھ قباء کے اوپر سے اپنے سینے پر رکھا اور کہنے لگا کہ وہ بھی گواہی دیتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے زائد نہیں ہیں۔ نجاشی کی مراد وہ کچھ تھا جو اس کاغذ پر مرقوم تھا۔ یہ خبر نبی محترم ﷺ تک پہنچ گئی۔ جب نجاشی کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ نے اس پر نمازِ جنازہ ادا کی اور اس کے لئے مغفرت کی دعا کی۔

اور بے شک بعض اہل کتاب ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جو اتارا گیا تمہاری طرف اور جو اتارا ان کی طرف۔

ابن اسحاق نے یونس سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام ابونیزر نجاشی کے بیٹے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اس وقت دیکھا جب وہ مکہ کے ایک تاجر کی ملکیت میں تھے۔ انہوں نے انہیں اس سے خرید کر آزاد کر دیا۔ یہ اس احسان کا بدلہ تھا جو ان کے باپ نے مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب نجاشی کے وصال کے بعد حبشہ اور اہل حبشہ کے معاملات بگڑ گئے تو انہوں نے اپنا وفد حضرت ابونیزر کے پاس بھیجا، (اس وقت وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھے) تاکہ وہ ان کے سر پر تاج سجا کر انہیں اپنا بادشاہ بنالیں۔ ان کی بادشاہت میں کسی حبشی کو بھی اختلاف نہ تھا لیکن حضرت ابونیزر نے انکار کر دیا انہوں نے فرمایا۔ ''اب اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی نعمت عطا فرما دی ہے۔ اب مجھے کسی بادشاہت کی ضرورت نہیں''۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابونیزر تمام لوگوں سے طویل اور خوبصورت تھے، ان کی رنگت حبشیوں کی طرح نہ تھی جب انسان انہیں دیکھتا وہ انہیں عرب کا باشندہ ہی سمجھتا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

ابن اسحاق کہتے ہیں جب عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ قریش کے پاس واپس آ گئے انہیں اپنے مطالبات میں کامیابی نہ ہوئی اور نجاشی نے انہیں بے نیل مرام واپس لوٹا دیا تو اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک غیرت مند انسان تھے حتیٰ کہ اس چیز کا قصد بھی نہیں کیا جا سکتا تھا جو آپ رضی اللہ عنہ کے پس پشت ہوتی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کی وجہ سے قریش پر غالب آ گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے تھے۔ ''ہم میں اتنی قوت بھی نہ تھی کہ ہم کعبہ کے پاس نماز ادا کر سکیں، حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سعادتِ اسلام سے بہرہ اندوز ہو گئے۔ جب وہ اسلام لے آئے تو انہوں نے قریش کے ساتھ لڑ کر کعبہ معظمہ کے پاس نماز ادا کی ہم نے بھی ان کے ساتھ نماز ادا کی''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین حبشہ کے حبشہ روانہ ہونے کے بعد اسلام قبول کیا۔ امام بکائی کہتے ہیں ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام فتح تھا، ان کی ہجرت نصرت تھی اور ان کی امارت رحمت تھی، آپ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے ہم کعبہ مشرفہ کے پاس نماز بھی ادا نہ کر سکتے تھے جب وہ دولت اسلام سے مالا مال ہوئے تو انہوں نے قریش کے ساتھ لڑائی کی اور کعبہ معظمہ کے پاس نماز ادا فرمائی ہم نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی''۔

ابن اسحاق نے حضرت ام عبداللہ بنت ابی حثمہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں ''ہم سرزمین حبشہ کی طرف عازم سفر ہونا چاہتے تھے۔ حضرت عامر کسی ضروری کام کے لئے باہر گئے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ گئے۔ وہ میرے پاس کھڑے ہو گئے، ابھی تک وہ سعادتِ اسلام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے واقعہ میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ اسلام لائے اس وقت چالیس اور کچھ مردوں نے اور گیارہ عورتوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ اس روایت میں ہے کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو قرآن پڑھایا کرتے تھے۔ یہ خباب نسب کے اعتبار سے تمیمی تھے وہ قرابت میں بنو خزاعہ سے بھی تعلق رکھتے تھے کیونکہ ام انمار بنت سباع

سے مشرف نہ ہوئے تھے ہم نے ان سے بہت سے مصائب اور اذیتیں جھیلیں تھیں۔ وہ کہنے لگے'' اے ام عبداللہ! کیا اب روانگی ہے؟ میں نے کہا'' ہاں! تم نے ہمیں اتنی اذیتیں دیں۔ اتنا ظلم کیا کہ اب ہم اللہ تعالیٰ کی زمین سے نکل رہے ہیں، حتیٰ کہ اللہ رب العزت ہمارے لئے کوئی چارہ پیدا فرمادے''۔ حضرت عمر نے فرمایا'' اللہ تعالیٰ تمہارا حامی و ناصر ہو''۔ اس وقت میں نے حضرت عمر کی وہ رقت دیکھی جو پہلے کبھی نہ دیکھی تھی پھر وہ واپس آ گئے۔ وہ ہماری روانگی کی وجہ سے ازحد غمگین تھے۔ اتنے میں حضرت عامر بھی اپنی ضرورت پوری کر کے آ گئے، حضرت ام عبداللہ نے ان سے کہا'' اے ابوعبداللہ! کاش تم ابھی ابھی حضرت عمر کو دیکھ لیتے ہمارے کوچ کی وجہ سے ان کے حزن و ملال کا مشاہدہ کر لیتے'' حضرت عبداللہ نے فرمایا'' کیا تمہیں یہ امید ہے کہ وہ اسلام لے آئیں گے؟'' ام عبداللہ فرماتی ہیں'' میں نے کہا'' ہاں''۔ انہوں نے فرمایا'' جس عمر کو تو نے ابھی دیکھا ہے وہ کبھی اسلام نہیں لائے گا حتیٰ کہ خطاب کا گدھا بھی اسلام لے آئے گا''۔ حضرت ام عبداللہ فرماتی ہیں'' حضرت ابوعبداللہ کی یہ گفتگو ناامیدی کی وجہ سے تھی کیونکہ انہوں نے حضرت عمر کی اسلام کے متعلق شدت اور قسوت دیکھی ہوئی تھی''۔

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے متعلق مجھ تک روایت پہنچی ہے کہ ان کی بہن حضرت فاطمہ بنت خطاب، حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کی زوجیت میں تھیں۔ انہوں نے بھی اور ان کے خاوند نے بھی اسلام قبول کر لیا لیکن انہوں نے اپنا اسلام عمر سے چھپائے رکھا۔ بنوعدی بن کعب میں سے ایک شخص نعیم بن عبداللہ النحام نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا لیکن انہوں نے بھی اپنا اسلام اپنی قوم سے مخفی رکھا تھا۔ حضرت خباب بن الارث رضی اللہ عنہ کبھی کبھی حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا کو قرآن پڑھانے کے لئے آتے تھے۔ ایک دن حضرت عمر اپنی تلوار لٹکائے ہوئے نکلے وہ حضور ﷺ کا قصد کئے ہوئے تھے۔ انہیں بتایا گیا کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کوہِ صفا کے پاس ایک گھر میں جمع ہیں۔ اس

خزاعی تھی۔ ایک دفعہ حضرت خباب قیدی بن گئے تو ام الانمار نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ یہی ان کا تعلق تھا، ان کے والد کا نام عوف بن عبد بن عبد بن حارث بن زہرہ تھا۔ یہ ابن الارت بن جندلہ بن سعد بن خزیمہ بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم تھے۔ یہ کاری گر تھے اور جاہلیت میں تلواریں بناتے تھے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی والدہ ام سباع خزاعیہ تھی، انہیں کسی قید کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا بلکہ یہ اپنی والدہ کے حلیفوں بنوزہرہ کی طرف منسوب ہوتے تھے، ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ ان کی کنیت ابو

وقت مسلمانوں کی تعداد چالیس کے قریب تھی۔ حضور ﷺ کے ساتھ حضرت حمزہ، حضرت ابوبکر صدیق، اور حضرت علی رضی اللہ عنہم بھی تھے اور کچھ صحابہ کرام بھی موجود تھے جو مہاجرین کے ساتھ حبشہ نہیں گئے تھے۔ حضرت عمر کو راستہ میں نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ملے انہوں نے پوچھا عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا ''میں اس بے دین محمد (فداہ روحی) ﷺ کی طرف جا رہا ہوں جس نے قریش کے امر کو منتشر کر دیا ہے۔ ان کی عقل و دانش کو سفیہ کہا ہے۔ ان کے دین کے عیب نکالے ہیں اور ان کے معبودان کو گالیاں دی ہیں۔ میں انہیں قتل کرنے جا رہا ہوں''۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا ''اے عمر! تمہارے نفس نے تمہیں فریب دے رکھا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے بنو عبد مناف تمہیں چھوڑ دیں گے کہ تم زمین پر اسی طرح چلتے رہو۔ تم اپنے اہل خانہ کی طرف کیوں نہیں جاتے اور ان کے معاملات کو درست کیوں نہیں کرتے؟ حضرت عمر نے پوچھا میرے کون سے اہل خانہ؟ انہوں نے کہا تمہارے بہنوئی سعید بن زید اور تمہاری بہن فاطمہ بنت خطاب اسلام لے آئے ہیں۔ انہوں نے حضور ﷺ کے دین کی اتباع کر لی ہے۔ تم ان دونوں کا قصد کرو''۔

حضرت عمر وہاں سے اپنی بہن اور بہنوئی کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کے پاس حضرت خباب تشریف فرما تھے جن کے پاس ایک صحیفہ تھا اس میں سورۂ طٰہٰ تھی وہ ان دونوں کو اس کی تعلیم دیتے تھے، جب انہوں نے حضرت عمر کی آہٹ سنی تو حضرت خباب رضی اللہ عنہ کسی جگہ چھپ گئے۔ حضرت فاطمہ بنت خطاب نے صحیفہ کو اپنی ران کے نیچے رکھ دیا۔ حضرت عمر، حضرت خباب کو انہیں پڑھاتے ہوئے سن چکے تھے۔ جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے فرمایا ''میں نے ابھی کیسی آواز سنی ہے؟'' حضرت فاطمہ اور ان کے خاوند نے کہا ''آپ نے کوئی آواز نہیں سنی''۔ حضرت عمر نے کہا ''مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم دونوں نے (محمد) کے دین کی اتباع کر لی ہے انہوں نے اپنے بہنوئی حضرت سعید بن زید کو پکڑا ان کی زوجہ محترمہ انہیں چھڑانے کے لئے

یحیٰی اور ابو محمد بتائی جاتی ہے، انہوں نے ۳۹ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ صفین اور جنگ نہروان میں شرکت کی۔ بعض مؤرخین نے ان کا سال وفات ۳۷ھ لکھا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ انہیں راہِ خدا میں کس قدر ستایا گیا۔ انہوں نے اپنی کمر سے کپڑا اٹھایا۔ نشانات کو دیکھ کر حضرت عمر نے فرمایا میں نے آج تک ایسا منظر نہیں دیکھا۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اے امیر المومنین! میرے لئے

اٹھیں تو حضرت عمر نے انہیں مار مار کر زخمی کر دیا۔ جب حضرت عمر نے اپنا غصہ ٹھنڈا کر لیا تو ان کی بہن اور بہنوئی نے کہا ہاں! ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ پر ایمان لے آئے ہیں۔ اب تم جو چاہو کر لو۔ جب حضرت عمر نے اپنی بہن کا خون دیکھا تو ان کا دل پسیج گیا، انہوں نے اپنی بہن سے کہا "مجھے وہ صحیفہ دو جو میں نے تمہیں ابھی ابھی پڑھتے ہوئے سنا ہے تاکہ میں دیکھوں کہ محمد کیسا پیغام لے کر آئے ہیں"۔ حضرت عمر پڑھے لکھے انسان تھے ان کی بہن نے کہا "ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں تم اس مبارک صحیفہ کی بے ادبی نہ کرو"۔ حضرت عمر نے فرمایا "اندیشہ نہ کرو"، انہوں نے اپنے خداؤں کی قسم اٹھائی کہ وہ پڑھ کر انہیں واپس کر دیں گے۔ یہ سن کر ان کی بہن حریص ہوئیں کہ شاید عمر اسلام لے آئیں۔ انہوں نے کہا "بھائی جان! آپ ابھی مشرک ہیں ناپاک ہیں اس صحیفہ کو صرف پاک انسان ہی چھو سکتا ہے"۔ حضرت عمر اٹھے غسل کیا۔ ان کی بہن نے انہیں صحیفہ عطا کیا اس میں سورۂ طٰہٰ تھی۔ حضرت عمر نے اسے پڑھنا شروع کیا۔ سورت کی ابتداء پڑھ کر کہنے لگے یہ کلام کتنا عمدہ ہے، یہ کلام کتنا باعزت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر حضرت خباب رضی اللہ عنہ باہر نکلے آئے انہوں نے کہا اے عمر! مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی مبارک دعا کو تمہارے حق میں قبول کر لیا ہے۔ میں نے حضور ﷺ کو یہ دعا فرماتے ہوئے سنا۔

آگ بھڑکائی جاتی پھر اس آگ کو میری چربی ہی ٹھنڈا کرتی تھی"۔

قرآن پاک کو چھونے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تطہیر

حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا۔ لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ "اس کو نہیں چھوتے مگر وہ جو پاک ہیں۔" اس آیت میں "اَلْمُطَهَّرُوْنَ" سے مراد ملائکہ ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں یہی لکھا ہے۔ انہوں نے سورۂ عبس کی آیت سے استدلال کیا ہے۔ خواہ اس سے مراد ملائکہ ہی ہوں پھر بھی قرآن پاک کو چھوتے وقت طہارت کے ساتھ ان کا وصف بیان کرنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کو صرف پاک انسان ہی چھوئے تاکہ پاکیزہ ملائکہ کی اقتداء ہو جائے۔ اس سے یہ حکم ثابت ہو جاتا ہے کہ مطہر ہو کر اس کتابِ حکیم کو چھوا جائے لیکن یہ حکم مستحب ہے۔ فرض نہیں ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ عمرو بن حزم کو لکھا وَاَلَّا يَمَسَّ الْقُرْاٰنَ اِلَّا طَاهِرٌ۔ اور یہ کہ قرآن پاک کو صرف پاک شخص ہی چھوئے لیکن یہ طہارت فرض نہیں ہے، اگر یہ فرض ہوتی تو آیت میں اس کی وضاحت ہوتی کیونکہ آیت میں ناپاک حالت میں قرآن کو مس

اَللّٰھُمَّ اَیِّدِ الْاِسْلَامَ بِاَبِی الْحَکَمِ بْنِ ھِشَامٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔ مولا! ابوالحکم بن ہشام یا عمر بن خطاب سے اسلام کی مدد فرما۔ اے عمر اللہ! اللہ! یہ سن کر حضرت عمر نے فرمایا ''اے خباب! بارگاہِ رسالت کی طرف میری راہنمائی کرو میں وہاں جا کر اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں''۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا'' حضور ﷺ کوہ صفا کے قریب ایک گھر میں تشریف فرما ہیں، آپ ﷺ کی معیت میں کچھ صحابہ کرام بھی ہیں''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار لی اور بارگاہِ رسالت کی جانب چل پڑے۔ جا کر دروازے پر دستک دی آواز سن کر ایک صحابی اٹھے اور دروازے میں سے دیکھا، انہیں عمر نظر آئے جو اپنی تلوار حمائل کئے ہوئے تھے، وہ حضور ﷺ کے پاس آئے، وہ مضطرب تھے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ

کرنے کی نہی ہے لیکن حضور ﷺ کا اپنے مکتوب گرامی میں ہرقل کو یہ آیت قُلْ یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ (آل عمران: ۶۴) لکھنا ہمارے نقطۂ نظر کی دلیل ہے۔ داؤد، ابوثور، حکم بن عتیبہ اور حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہم کا نظریہ یہ ہے کہ بغیر طہارت کے قرآن کو چھونا جائز ہے۔ انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے جو ہم نے اوپر لکھی ہے۔ وہ کہتے ہیں حضرت عمرو بن حزم کی حدیث مرسل ہے وہ اسے حجت تسلیم نہیں کرتے۔ علامہ دار قطنی نے اس حدیث کو کئی اسناد سے لکھا ہے۔ اس سے اسی مذہب کی تقویت ہوتی ہے کہ آیت میں مطہرین سے مراد ملائکہ ہیں۔ آیت میں المتطھرون نہیں کہا بلکہ مطھرون کہا ہے۔ متطھر اور مطھر میں فرق یہ ہے کہ متطھر وہ ہوتا ہے جس نے طہارت حاصل کی ہو اور اپنے نفس کو اس میں ڈالا ہو جس طرح متفقہ وہ ہوتا ہے جس نے اپنے آپ کو فقہ میں ڈالا ہو۔ متفعل میں اکثر اسی طرح ہوتا ہے سیبویہ کہتا ہے۔ وَقَیْسُ عَیْلَانَ وَمَنْ تَقَیَّسَا۔ قیس عیلان اور جس نے اپنے آپ کو بنو قیس میں شامل کر لیا۔ آدمی اس وقت متطھرون ہوتے ہیں جب وہ پاکیزگی حاصل کر لیں، ملائکہ تخلیقی اعتبار سے ہی مطہر ہیں جب عورتیں پاکیزگی حاصل کر لیں تو انہیں متطہرات کہا جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ (البقرہ: ۲۲۲)

''تو پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو جاؤ ان کے پاس جیسے حکم دیا تمہیں اللہ نے۔''

حورعین مطہرات ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

لَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ (النساء: ۵۷)

''اور ان کے لئے جنت میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔''

علیک وسلم دروازے میں عمر ہے جو اپنی تلوار حمائل کیے ہوئے ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اسے اجازت دے دو، اگر بھلائی سے آیا ہے تو ہم بھی بھلائی کا سلوک کریں گے اور اگر وہ کوئی شرارت کرنے لگا تو ہم اسے اس کی تلوار سے ہی قتل کر دیں گے''۔ حضور ﷺ نے بھی فرمایا ''اسے اجازت دے دو''۔ اس شخص نے دروازہ کھولا۔ حضور ﷺ اٹھ کر حضرت عمر کی طرف گئے انہیں ڈیوڑھی میں جالیا، آپ ﷺ نے انہیں کمر سے پکڑا یا ان کی چادر کے دامن کو پکڑا پھر زور سے کھینچا اور فرمایا ''اے عمر بن خطاب! کس نیت سے آئے ہو۔ مجھے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک تجھے عذاب الٰہی نہیں آئے گا تو نہیں رکے گا''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ ﷺ! میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ پر ایمان لانے کے لئے حاضر ہوا ہوں''، حضور ﷺ نے اتنی بلند آواز سے تکبیر کہی جس سے اس گھر میں موجود صحابہ

مطہر اور متطہر میں یہ فرق ہے اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مطہرون سے ملائکہ کی تاویل بھی اسی لئے کی ہے۔ میرے نزدیک حضور ﷺ مطہر اور متطہر دونوں صفات سے متصف ہیں۔ متطہر اس اعتبار سے کہ آپ ﷺ بشر ہیں، جنابت سے غسل اور حدث سے وضوء فرماتے ہیں، مطہر اس اعتبار سے کہ آپ ﷺ کے باطن کو دھویا گیا۔ قلب اطہر کو شق کیا گیا اور اسے حکمت و ایمان سے بھر دیا گیا، اس طرح آپ مطہر اور متطہر ہوئے۔ اس باب کو آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ کے تذکرے والے باب سے ملالو۔ یہ اس کا تکملہ ہو جائے گا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اظہارِ اسلام سے قبل پاکیزگی حاصل کرنا ان کے لئے قوت ہے یہ نظریہ ابن قاسم کے اس قول کی وجہ ہے کہ کافر جب اپنے اسلام کے اظہار سے پہلے پاکیزگی حاصل کرتا ہے اور شہادتین کی گواہی دیتا ہے تو اسے اس کی جزاء دی جاتی ہے لیکن بہت سے فقہاء نے ابن قاسم کے اس قول کو معیوب کہا ہے۔ اسی طرح جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھوں اسلام قبول کرنے لگے تو انہوں نے پوچھا جو اس دین میں داخل ہونا چاہتا ہو وہ کیا کرے؟ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''وہ پاکیزگی حاصل کرے اور شہادتین کی گواہی دے'' حضرت سعد اور حضرت اسید بن حضیر نے پاکیزگی حاصل کر کے توحید و رسالت کی گواہی دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے واقعہ کو دار قطنی نے اپنی ''سنن'' میں لکھا ہے، انہوں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن نے ان سے کہا'' آپ ناپاک ہیں جبکہ

کرام رضی اللہ عنہم سمجھ گئے کہ عمر اسلام لے آئے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ جب حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دولت اسلام سے مالا مال ہوئے تو وہ اپنے آپ کو قوی سمجھنے لگے۔ انہیں یقین تھا کہ اب یہ دونوں حضرات حضور ﷺ کا دفاع کریں گے اور آپ ﷺ سے دشمن کو دور ہٹا دیں گے۔ یہ وہ روایت ہے جسے مدینہ طیبہ کے راویوں نے بیان کیا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے عبداللہ بن ابی نجیح نے اپنے ساتھی عطاء اور مجاہد وغیرہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے ''میں ایک ایسا شخص تھا جو اسلام سے دور تھا میں زمانۂ جاہلیت میں شراب کا دلدادہ تھا میں اسے بہت زیادہ پسند کرتا تھا۔ ہماری ایک ایسی محفل ہوتی تھی جس میں قریش کے آدمی جمع ہوتے تھے وہ مجلس آل عمر بن عبد بن عمران المخزومی کے گھروں کے پاس ایک ٹیلے پر سجتی تھی۔ میں ایک دن اس مجلس میں اپنے ساتھیوں کی جستجو میں نکلا لیکن مجھے وہاں کوئی نظر نہ آیا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اگر میں فلاں شراب فروش کے پاس جاؤں تو شاید مجھے اس کے پاس سے شراب مل جائے جسے میں پی سکوں۔ وہ شراب فروش مکہ مکرمہ میں شراب فروخت کیا کرتا تھا میں اس کے پاس گیا وہ بھی مجھے نہ ملا میں نے کہا اب مجھے کعبہ مقدسہ میں جانا چاہئے اور اس کا طواف سات یا ستر مرتبہ کرنا چاہئے۔ میں طواف کرنے کے لئے مسجد حرام میں گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ وہاں کھڑے ہو کر نماز ادا فرمارہے تھے، نماز ادا

قرآن پاک کو صرف پاکیزہ لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ آپ انھیں غسل یا وضوء کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر وضوء کیا اور وہ صحیفہ لیا جس میں سورۂ طٰہٰ تھی۔ اس روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وضوء کیا تھا غسل نہیں کیا تھا۔ یونس کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سورۂ طٰہٰ کی اس آیت کی تلاوت کی۔ لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى۝ (طٰہٰ) '' تا کہ بدلہ دیا جائے ہر شخص کو اس کام کا جس کے لئے وہ کوشاں ہے۔'' تو کہا یہ کلام کتنا احسن اور عمدہ ہے۔ انہوں نے بڑی شرح وبسط سے اس روایت کو ذکر کیا ہے اس میں ہے کہ اس صحیفہ میں سورۂ طٰہٰ کے ساتھ سورۃ التکویر بھی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ۔'' (تو اس دن) ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔'' پر پہنچ کر تلاوت ختم کی۔ ابن سنجر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی روایت میں اضافہ کیا ہے وہ شریح بن عبید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔'' اسلام قبول کرنے سے پہلے میں حضور ﷺ کو اذیت دینے کی غرض سے نکلا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ مجھ سے پہلے

فرماتے ہوئے آپ ﷺ کا رخ زیبا شام کی طرف ہوتا تھا۔ کعبہ آپ ﷺ اور شام کے مابین ہوتا تھا۔ آپ ﷺ رکن اسود اور رکن یمانی کے درمیان نماز ادا فرماتے تھے میں نے سوچا، اللہ کی قسم! آج میں وہ کلام ضرور سنوں گا محمد (فداہ روحی ﷺ) جس کی تلاوت کرتے ہیں۔ میں نے سوچا اگر میں اس طرح تلاوت سننے کی غرض سے قریب ہوا تو آپ ﷺ خوفزدہ ہو جائیں گے، میں حجر کی سمت سے آیا اور کعبہ مشرفہ کے پردے کے نیچے داخل ہو گیا۔ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا، حضور ﷺ اپنی نماز میں منہمک تھے، تلاوت قرآن زبانِ اقدس سے رواں تھی۔ میں آپ ﷺ کے بالکل سامنے کھڑا ہو گیا میرے اور آپ ﷺ کے درمیان صرف کعبہ معظمہ کے پردے ہی تھے۔ جب میں نے قرآنِ مجید سنا تو میرا دل نرم ہو گیا آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اسلام میرے دل کی گہرائیوں تک اتر گیا۔ میں اسی جگہ کھڑا رہا حتیٰ کہ سرورِ دو عالم ﷺ نے نماز ادا فرمائی، پھر آپ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ آپ ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ

ہی مسجد میں تشریف لے جا چکے ہیں۔ میں آپ ﷺ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے سورۃ الحاقۃ کی تلاوت شروع فرمائی۔ میں قرآن پاک کی تالیف پر تعجب کرنے لگا۔ میں نے کہا ''قسم بخدا! یہ تو شاعر ہیں۔ جس طرح کہ قریش کہتے ہیں'' آپ ﷺ نے اس آیت کو پڑھنا شروع کیا۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ وَّ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ۔ ''بے شک یہ قول ہے ایک عزت والے رسول کا اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے (لیکن) تم بہت کم ایمان لائے۔'' میں نے سوچا یہ تو کاہن ہیں جو میرے دل کی بات جان گئے ہیں اس وقت نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ۔ ''اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا قول ہے تم لوگ بہت کم توجہ کرتے ہو۔'' اس وقت ایمان پوری طرح میرے دل میں جاگزیں ہو گیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دولت ایمان پائی تو یہ اشعار کہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ذِی الْمَنِّ الَّذِیْ وَجَبَتْ　لَهٗ عَلَيْنَا اَيَادٍ مَالَهَا غِيَرُ

تمام ستائشیں اللہ رب العزت کے لئے ہیں جو احسان فرمانے والا ہے۔ جس کی وجہ سے ہم پر وہ احسانات ہوئے جن کا کوئی بدل نہیں۔

وَ قَدْ بَدَاْنَا فَكَذَّبْنَا، فَقَالَ لَنَا　صِدْقَ الْحَدِيْثِ نَبِیٌّ عِنْدَهُ الْخَبَرُ

آغاز میں ہم نے جھٹلایا ہمارے لئے اس نبی محترم ﷺ نے سچی بات فرمائی جن کے پاس بھیجی ہوئی خبریں ہیں۔

آپ ﷺ کعبہ مشرفہ سے نکلتے ہوئے ابن ابی حسین کے گھر کی طرف جاتے، پھر آپ ﷺ سعی کرنے کی جگہ سے گزرتے پھر حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ عنہ کے اور دار ابن ازہر بن عبد عوف زہری کے گھر کے درمیان سے گزرتے پھر اخنس بن شریق کے گھر کے پاس سے گزر کر اپنے کاشانۂ اقدس میں داخل ہو جاتے۔ آپ ﷺ کا مسکن ''دار رقطاء'' تھا جو حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے قبضے میں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چل پڑا جب آپ ﷺ حضرت عباس اور دار ابن ازہر کے گھروں کے درمیان سے گزرنے لگے تو میں نے آپ ﷺ کو جا لیا، حضور ﷺ نے میری آہٹ سن کر مجھے پہچان لیا۔ آپ ﷺ نے گمان کیا کہ میں آپ ﷺ کو اذیت دینے کے لئے آپ ﷺ کا تعاقب کر رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے مجھے جھڑکا اور فرمایا۔ ''اے ابن خطاب! اس وقت تو کس لئے آیا ہے؟'' میں نے کہا۔ ''میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ پر ایمان لانے کے لئے آیا ہوں اور آپ ﷺ کے حیات آفرین پیام پر ایمان لانے کے لئے حاضر ہوا ہوں''۔ حضور ﷺ نے

وَ قَدْ ظَلَمْتُ ابْنَةَ الْخَطَّابِ ثُمَّ هَدٰى رَبِّیْ عَشِيَّةَ قَالُوْا قَدْ صَبَا عُمَرُ

میں نے خطاب کی نور نظر پر ظلم کیا پھر اسی رات اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت بخشی لوگ کہنے لگے عمر صابی ہو گیا ہے۔

وَ قَدْ نَدِمْتُ عَلٰى مَا كَانَ مِنْ زَلَلٍ بِظُلْمِهَا حِيْنَ تُتْلٰى عِنْدَهَا سُوَرُ

میں نے بنت خطاب پر ظلم کر کے جو خطاء کی تھی مجھے اس پر شرمندگی تھی جب کہ ان کے ہاں سورتوں کی تلاوت ہو رہی تھی۔

لَمَّا دَعَتْ رَبَّهَا ذَاالْعَرْشِ جَاهِدَةً وَالدَّمْعُ مِنْ عَيْنِهَا عَجْلَانَ يَبْتَدِرُ

جب اس نے اپنے اس رب کو خلوص سے پکارا جو عرشِ کریم کا مالک ہے اور آنسو اس کی آنکھوں سے تیزی سے گر رہے تھے۔

اَيْقَنْتُ اَنَّ الَّذِیْ تَدْعُوْهُ خَالِقُهَا فَكَادَ تَسْبِقُنِیْ مِنْ عَبْرَةٍ دِرَرُ

مجھے یقین ہو گیا کہ جسے وہ پکار رہی ہے وہ ہی اس کا خالق ہے قریب تھا کہ خون آنسو سے زیادہ ہو جاتا

فَقُلْتُ اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ خَالِقُنَا وَ اَنَّ اَحْمَدَ فِيْنَا الْيَوْمَ مُشْتَهِرُ

میں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا خالق ہے اور احمد مجتبیٰ ﷺ آج ہم میں فضائل و محاسن کی وجہ سے مشہور ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی پھر فرمایا "هَدَاكَ اللّٰهُ يَا عُمَرُ۔ اے عمر! اللہ نے تمہیں ہدایت دی ہے۔
آپ ﷺ نے میرے سینے پر اپنا دست شفا بخش پھیرا اور میرے لئے استقامت کی دعا کی پھر
میں حضور ﷺ سے جدا ہو کر واپس آ گیا اور آپ ﷺ اپنے گھر میں تشریف لے گئے"۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان دونوں روایات میں سے کون سی صحیح
ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے غلام حضرت نافع رضی
اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب میرے والد محترم نے
اسلام قبول کیا تو فرمایا قریش میں سے کون وہ شخص ہے جو آگے بات جلد پہنچاتا ہے۔ انہیں بتایا
گیا جمیل بن معمر الجمحی دوسروں تک جلد بات پہنچاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی طرف
گئے حضرت عبداللہ فرماتے ہیں میں بھی ان کے پیچھے پیچھے تھا تا کہ دیکھوں کہ آپ کیا کرتے
ہیں؟ اس وقت میں کم سن تھا لیکن جو کچھ دیکھتا اسے یاد رکھتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
جمیل کے پاس آئے اور اسے فرمانے لگے کیا تجھے معلوم ہے کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور
دین محمدی میں شامل ہو گیا ہوں؟ قسم بخدا! وہ اسی وقت چادر گھسیٹتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ حضرت عمر رضی
اللہ عنہ بھی اس کے پیچھے پیچھے تھے میں نے بھی اپنے والد گرامی کی اتباع کی۔ جمیل مسجد حرام کے

نَبِیُّ صِدْقٍ اَتٰی بِالْحَقِّ مِنْ ثِقَةٍ وَافِی الْاَمَانَةِ مَا فِی عُوْدِہٖ خَوَرُ

وہ سچائی کے نبی ﷺ جو حق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشریف لائے ہیں۔ آپ ﷺ
امانت کو پورا کرنے والے ہیں اور آپ ﷺ کی عود میں کوئی کمزوری نہیں ہے۔

البزار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے متعلق روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے
فرمایا "جب میں نے صحیفہ پکڑا تو میں نے اس میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھا ہوا دیکھا۔ میں
اس کے مادہ اشتقاق میں غور و فکر کرنے لگا پھر میں نے اس آیت کی تلاوت کی۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① (الحدید) میں قرآن پڑھتا جا رہا تھا
اور اس میں غور و فکر کرتا جا رہا تھا حتیٰ کہ میں اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (الحدید: ۷) تک پہنچ گیا۔ میں نے کہا
اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

اس روایت کے مشکل الفاظ کا حل

مَا هٰذِهِ الْهَيْنَمَةُ "هينمة" اس کلام کو کہتے ہیں جس کی سمجھ نہ آئے اس سے اسم فاعل "مُهَيْنِم" آتا ہے۔
یہ تصغیر کی طرح ہے لیکن یہ تصغیر نہیں ہے یہ "مُبَيْطِر" اور "مُهَيْمِن" کی طرح ہے "مُبَيْقِر" بھی اسی

دروازے پر کھڑا ہو گیا وہ بلند آواز سے چلایا۔ ''اے گروہِ قریش! قریش اس وقت کعبہ معظمہ کے اردگرد اپنی اپنی محافل میں بیٹھے تھے۔ ''ارے سنو! عمر بن خطاب صابی ہو گیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' یہ جھوٹ بولتا ہے میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں''۔ تمام قریش حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جھپٹ پڑے۔ قریش حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مارتے رہے اور وہ انہیں مارتے رہے حتیٰ کو سورج سروں پر آ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھک کر بیٹھ گئے۔ قریش ان کے سر پر کھڑے ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' جو تمہارے جی میں آئے وہ کرو۔ اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں جب ہم تین سو مرد ہو جائیں گے تو پھر یا مکہ کو تم ہمارے لئے چھوڑ دو گے یا ہم اسے تمہارے لئے خالی کر دیں گے''۔ وہ اسی حالت میں تھے کہ قریش کا ایک عمر رسیدہ شخص وہاں آ گیا۔ اس نے یمنی چادر اور منقش قمیص پہن رکھی تھی۔ وہ قریش کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا تمہیں کیا ہوا ہے؟ قریش نے بتایا کہ عمر صابی ہو گیا ہے۔ بزرگ نے کہا'' رک جاؤ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ ایک شخص نے اپنے نفس کے لئے ایک امر منتخب کیا ہے۔ تمہارا ارادہ کیا ہے۔ کیا تمہارا ارادہ ہے کہ بنو عدی بن کعب عمر کو تمہارے سپرد کر دیں گے؟ اس شخص کو چھوڑ دو''۔ قسم بخدا! پھر وہ اس طرح جدا ہو گئے جس طرح کپڑا جدا کیا جاتا ہے۔

مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کے بعد میں نے والد محترم سے پوچھا والد مکرم! وہ شخص کون تھا جس نے اس دن آپ سے لوگوں کو ہٹایا تھا جب آپ نے اسلام قبول کیا تھا۔ میرے ابا جان نے فرمایا

طرح ہے ''مُسَیطِر'' کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اگر ان اسماء کی تصغیر بنائی جائے تو پھر یاء زائدہ کو حذف کر دیا جائے گا۔ جس طرح مفاعل میں سے الف کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ تصغیر کی یاء کو اس کی جگہ پر لگایا جاتا ہے تو لفظ پھر پہلے کی مانند ہو جاتا ہے۔ اس کی تصغیر بھی ''مُهَيْنِم'' اور ''مُبَيْطِر'' ہی آتی ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ابھی تو تم نے کہا ہے کہ اس کی تصغیر نہیں آتی۔ تکبیر کے لفظ پر تصغیر کیسے آسکتی ہے پھر دونوں کے مابین فرق کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں کے مابین فرق مختلف مقامات پر ظاہر ہوتا ہے مثلاً جمع بناتے وقت ان کا فرق عیاں ہوگا۔ مُبَيْطِر کی جمع مَباطِرُ آتی ہے جبکہ تصغیر کی جمع واؤ اور نون سے ''مبیطرون'' آتی ہے کیونکہ تصغیر کی جمع مکسر نہیں آتی اس کی جمع مکسر خماسی میں یاء کے حذف کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ الف کی طرح زائدہ ہوتی ہے۔ یہ تصغیر کے معنی میں ہوتی ہے۔ ثلاثی تصغیر کی جمع مکسر یائے تصغیر کی حرکت یا اس کے ہمزہ کا تقاضا کرتی ہے۔ مثلاً فلیس میں فلائس کہا

''وہ عاص بن وائل سہمی تھا''۔

ابن ہشام فرماتے ہیں بعض اہل علم نے مجھے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کی۔ اے والد محترم! جس روز آپ نے اسلام قبول کیا تھا اس دن لوگوں کو آپ سے روکنے والا شخص کون تھا۔ اللہ اسے جزائے خیر دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اے نورِ نظر! وہ عاص بن وائل تھا اللہ تعالیٰ اسے ضرور جزا دے گا''۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے عبدالرحمٰن بن حارث نے بعض آل عمر سے روایت کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جس رات میں نے اسلام قبول کیا اس شب میں نے سوچا کہ اہل مکہ میں سے حضور علیہ السلام کے ساتھ سب سے سخت رویہ کس کا ہے تاکہ میں اس کے پاس جاؤں اور اسے بتاؤں کہ میں نے اسلام قبول کرلیا ہے؟ میں نے سمجھا کہ ابوجہل حضور علیہ السلام کا سب سے شدید دشمن ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ختمہ بنت ہشام بن مغیرہ کے نورِ نظر تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''میں نے صبح صبح ابوجہل کا دروازہ کھٹکھٹایا ابوجہل باہر نکلا''۔ اس نے کہا ''اے میرے بھانجے! خوش آمدید اس وقت کس مقصد کے لئے آئے ہو؟'' میں نے کہا ''میں اس لئے آیا ہوں تاکہ تجھے بتاؤں کہ میں اللہ تعالیٰ اور محمد عربی پر ایمان لے آیا

جائے یہ بھی تصغیر کے معنی میں ہو جاتی ہے کیونکہ لفظ یاء کی تصغیر اس پر دلالت کر رہی ہے اگر یَاْ س سے اسم فاعل بنایا جائے تو ''مُبِیْئِسٌ'' کے وزن پر ہوگا۔ اگر یاء کو حرکت دے کر ہمزہ کی تسہیل کی جائے تو پھر یہ مبییس ہوگا اور اس کی تصغیر ''مُبَیْئِسٌ'' ہوگی۔ اسی طرح اَبْؤُسٌ سے اَبِیْسٌ ہوگا۔ تسہیل کے لئے ہمزہ کی حرکت کو یاء کی طرف منتقل نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح اسم فاعل میں یہ حرکت یاء کی طرف منتقل کی جاتی ہے۔ تصغیر کا یہ مسئلہ بڑا عجیب ہے جس کی صحت پر دلیل موجود ہے۔

نَهَمَ۔ نَهَمَ کا معنی جھڑکنا ہے۔ شیر کی گرج کو نَهِیْمٌ کہا جاتا ہے۔ لوہار کو نَهَامِی کہا جاتا ہے۔ نُهَامْ ایک پرندے کا بھی نام ہے۔

خلوا عن الرجل۔ خَلُّوا کا معنی ہے ایک طرف ہو جاؤ۔ اس کا ماقبل اس میں عمل نہیں کرتا جس طرح اِجْلِسْ هٰکَذَا۔ میں ماقبل عمل کرتا ہے اگرچہ جب اسے امر کے لئے بنائے جائے تو اس میں کسی نہ کسی عامل کا ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ کاف تشبیہ ہے جو ذا پر داخل ہوا ہے، ھا، تنبیہ کے لئے ہے۔ جب عامل مضمر ہو تو اسے مقدر مانا جاتا ہے مثلاً اس سے پہلے اِرْجِعُوْا، تَاخِرُوْا جیسے افعال محذوف ہوں گے۔ ھٰکَذَا اسی طرح فعل سے مستغنی ہے جس طرح رُوَیْدًا ''اِرْفِق'' سے مستغنی ہے۔

ہوں اوران کے جہاں افروز پیغام کودل و جان سے تسلیم کرلیا ہے''۔ابوجہل نے میرے چہرے پر دروازہ مارا اور کہا'' اللہ تعالیٰ تجھے اور جو کچھ تو لے کر آیا ہے اسے برباد کرے''۔

جمیل بن معمر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمیل بن معمر سے فرمایا میں نے اسلام قبول کرلیا۔یہ وہی جمیل ہے جسے ذوالقلبین کہا جاتا تھا۔مختلف اقوال میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت۔مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنۡ قَلۡبَيۡنِ فِيۡ جَوۡفِهٖ(الاحزاب: ۴)اسی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔اسی کے متعلق کہا گیا ہے۔

وَ كَيۡفَ ثَوَائِي بِالۡمَدِيۡنَةِ بَعۡدَ مَا قَضَى وَطَرًا مِنۡهَا جَمِيۡلُ بۡنُ مَعۡمَرِ

میرا گھر مدینہ میں کیسے ہوسکتا ہے جبکہ جمیل بن معمر یہاں سے اپنی مراد کو پہنچ چکا ہے۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اس شعر کو اپنے گھر میں گنگنا رہے تھے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں گنگناتے ہوئے سن لیا وہ حدی خوانی کے لہجے میں گا رہے تھے۔جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا۔'' جب ہم خلوت میں ہوتے ہیں تو اسی طرح کہتے ہیں جس طرح لوگ اپنے گھروں میں کہتے ہیں'' مبرد نے اس حدیث کو الٹ کیا ہے انہوں نے گنگنانے والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اذن طلب کرنے والے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔اسے علامہ زبیر نے روایت کیا ہے۔

تحریری معاہدہ کی خبر

ابن اسحاق کہتے ہیں جب قریش نے دیکھا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان اس جگہ ہجرت کر چکے ہیں جہاں انہیں امن وسکون حاصل ہے۔ نجاشی نے پناہ گزینوں کو مکمل تحفظ دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے ہیں۔ حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہمہ وقت حضور ﷺ کے ساتھ رہتے ہیں اور اسلام روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔ تو وہ ایک جگہ جمع ہو گئے انہوں نے مشورہ کیا کہ وہ ایک معاہدہ لکھیں جس میں وہ یہ عہد کریں کہ وہ نہ تو بنو ہاشم اور بنو مطلب میں اپنی بچیوں کا نکاح کریں گے اور نہ ہی ان کی بچیوں سے شادیاں کریں گے۔ نہ ان سے کوئی چیز خریدیں گے اور نہ ہی فروخت کریں گے، انہوں نے اس معاہدہ پر اتفاق کر کے اسے ایک کاغذ پر لکھا۔ اس پر عہد وتوثیق کی پھر اس عہد نامے کو وسطِ کعبہ میں لٹکا دیا تا کہ ان کے نفس اس پر سختی سے کاربند رہیں۔ اس عہد نامہ کو منصور بن عکرمہ بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی نے لکھا تھا۔ ابن ہشام کہتے ہیں دوسرے قول کے مطابق اس کا کاتب نضر بن

قریش کے تحریری معاہدہ کی خبر

ابولہب نے اپنے ہاتھوں سے کہا تَبًّا لَکُمَا تمہارے لئے ہلاکت ہو میں تم میں ان چیزوں میں سے کوئی نہیں دیکھتا جن کا محمد (فداہ ابی وامی وروحی) ﷺ وعدہ کرتے ہیں۔ اس وقت سورۂ لہب نازل ہوئی۔ ابن اسحاق نے شاید یہ شانِ نزول اس لئے ذکر کیا ہے کیونکہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ابولہب کے ہاتھوں کا ذکر کیا ہے۔ اس سورت کی تفسیر میں مجاہد اور سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ (الشعراء) نازل فرمائی تو حضور ﷺ کاشانۂ اقدس سے نکل کر کوہِ صفا پر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ اس پہاڑ پر چڑھے اور بلند آواز سے پکارا، یَا صَبَاحَاہ۔ ارے میری فریاد سنو۔ جب گروہ قریش آپ ﷺ کے پاس جمع ہو گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر میں تم سے کہوں کہ دشمن کے سواروں کا ایک دستہ اس پہاڑ سے نکل کر تم پر حملہ آور ہونے لگا ہے کیا تم میری تصدیق کرو گے۔ قریش مکہ نے کہا "ہمارا تجربہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا"۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

حارث تھا۔ حضور ﷺ نے اس کے لئے بد دعا کی جس سے اس کی انگلیاں مفلوج ہو گئیں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں جب قریش نے یہ معاہدہ لکھا تو بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب خواجہ ابو طالب بن عبدالمطلب کے پاس گئے اوران کے ہمراہ شعب ابی طالب میں جمع ہو گئے۔ بنو ہاشم میں سے ابولہب بن عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب نکل گیا اس نے قریش کا ساتھ دیا۔

ابولہب کا موقف

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے حسین بن عبداللہ نے روایت کیا ہے کہ ابولہب، ہند بنت عتبہ بن ربیعہ سے اس وقت ملا جب اس نے بنو ہاشم اور بنو مطلب سے علیحدگی اختیار کی اور قریش کی مدد کی۔ اس نے ہند سے کہا" اے بنتِ عتبہ! کیا تو نے لات وعزیٰ کی مدد کی ہے اوران سے علیحدہ ہوئی ہے جنہوں نے ان سے جدائی اختیار کی اور ان کے خلاف مدد کی"۔ اس نے کہا" ہاں! ابو عتبہ اللہ تجھے بہتر جزاء دے"۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے بتایا گیا ہے کہ ابولہب اپنی ہرزہ سرائیوں میں سے ایک بکواس یہ بھی کرتا تھا۔" محمد (ﷺ) نے مجھ سے بہت سے وعدے کئے ہیں جنہیں میں پورا ہوتے ہوئے نہیں دیکھتا، وہ گمان کرتے ہیں کہ یہ وعدے موت کے بعد پورے ہوں گے لیکن اس کے بعد انہوں نے میرے ہاتھ پر کچھ نہیں رکھا پھر ابولہب اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونک مارتا اور کہتا۔ "تم دونوں ہلاک ہو جاؤ" تم میں ان اشیاء میں سے کوئی شئی نظر نہیں آتی جن کا محمد ﷺ وعدہ کیا کرتے تھے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ۝ "ٹوٹ جائیں ابو لہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ و برباد ہو گیا" ابن ہشام کہتے ہیں تَبَّتَ کا معنی ہے خسارہ پانا۔ نقصان کو "تبابٌ" کہا جاتا ہے۔ بنو ہلال بن عامر بن صعصعہ کا ایک شاعر حبیب بن خدرہ الخارجی کہتا ہے۔

فَاِنِّی نَذِیْرٌ لَّكُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ۔ میں تمہیں عذاب شدید سے ڈرانے والا ہوں۔ ابولہب نے کہا تَبًّالَّكَ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا۔ تیرے لئے ہلاکت ہو کیا تو نے ہمیں اسی لئے جمع کیا تھا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ۔ مجاہد اور اعمش نے اسے وَ قَدْ تَبَّ پڑھا ہے۔ یہ قرأت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو تفسیر کی تعیین خود بخود کر دیتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں اگر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھنے سے پہلے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت کے مطابق پڑھ لیتا تو مجھے بہت سی

يَا طَيِّبٌ اِنَّا فِي مَعْشَرٍ ذَهَبَتْ مَسْعَاتُهُمْ فِي التَّبَارِ وَالتَّبَبِ

اے طیب! ہم ایسے قبیلہ میں ہیں جس کی کوششیں رائیگاں اور بے کار گئی ہیں۔

حضرت ابو طالب کا قصیدہ

ابن اسحاق کہتے ہیں جب قریش نے اس معاہدہ پر اتفاق کر لیا اور اس کے متعلق جو کچھ وہ کر سکتے تھے انہوں نے کیا تو اس وقت ابو طالب نے یہ اشعار کہے۔

ان چیزوں کے متعلق سوال کرنے کی ضرورت نہ رہتی جن کے متعلق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کرتا تھا۔ اسی طرح اس آیت میں قد کا اضافہ یہ تفسیر کر رہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہے یہ کلام بد دعا کے اعتبار سے نہیں ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (توبہ) ''ہلاک کرے انہیں اللہ تعالیٰ کدھر بھٹکے چلے جا رہے ہیں۔'' یعنی وہ اس کے مستحق ہیں کہ انہیں اس طرح کہا جائے لیکن تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ کا تعلق قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ کے باب سے نہیں بلکہ یہ تو صرف ایک خبر ہے کہ ابولہب کے اہل وعیال اور مال و دولت خسارہ میں ہیں۔ یَدَانِ (دونوں ہاتھوں) سے مراد آلۂ کسب، اس کے اہل اور مال ہیں اس طرح تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ کی تفسیر مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ہے۔ انسان کی اولاد اس کے کسب سے ہی ہوتی ہے۔ جس طرح کہ حدیث مبارک میں ہے یعنی ابولہب کے وہ ہاتھ برباد ہو گئے جو کسب کرتے ہیں۔ تَبَّ کی تفسیر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ یعنی اس کا نفس آگ میں داخل ہونے کی وجہ سے برباد ہو گیا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ابولہب نے حضور ﷺ نے کہا تَبًّا لَكَ يَا مُحَمَّدُ۔ اے محمد! تیرے لئے ہلاکت ہو، اس لفظ تَبَّ کے نزول کا سبب بنا پھر دونوں کلمات نزول میں دونوں اسباب پر مبنی ہیں بعد کی دونوں آیات ان دونوں کی تفسیر ہیں یعنی اس کے ہاتھوں کی تباہی اور اس کے نفس کی ہلاکت۔ اَلتَّبُّ، اَلتَّلَفُ کے وزن پر ہے کیونکہ یہ اس کے معنی میں ہے۔ تَبَابٌ معنی اور وزن میں ہلاک اور خسارہ کی طرح ہے

ابو طالب کے اشعار

ذَاتَ بَيْنِنَا۔ قاسم بن ثابت کہتے ہیں کہ ذَاتَ بَيْنِنَا اور ذَاتَ يَدِهٖ وغیرہ۔ اس مونث کی صفت ہیں جسے حذف کر دیا گیا ہے۔ اس سے مراد وہ حالت اور کیفیت ہے جو ان کی ذاتوں کے مابین ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ (انفال:۱) اور اصلاح کرو اپنے باہمی معاملات

أَلَا اَبْلِغَا عَنِّي عَلَى ذَاتِ بَيْنِنَا لُؤَيًا وَخُصَّا مِنْ لُؤَيِّ بَنِي كَعْب

ارے! ہمارے مابین جو تعلقات ہیں ان کی وجہ سے بنولوی کو یہ پیغام پہنچادو۔ بنولوی میں

کی۔'' اسی طرح ذَاتَ يَدِهٖ سے انسان کے اموال اور دیگر حاصل کردہ چیزیں مراد ہوتی ہیں۔ جس طرح حضور ﷺ کا ارشاد ہے اَرْعَاهُ عَلَى زَوْجٍ فِي ذَاتِ يَدِهٖ وہ اپنے مالک کی اشیاء کا نگہبان ہوتا ہے۔'' اسی طرح اگر تو کہے لَقِيْتُهٗ ذَاتَ يَوْمٍ تو ذات سے پہلے لِقَاءَةً یا مَرَّةً محذوف ہوگا۔ اس میں موصوف کو حذف کر کے صفت کو باقی رکھا گیا ہے تو یہ حال کی طرح ہوگیا جسے غلبہ حاصل نہیں ہوتا۔ اسے نائب فاعل بنا کر اسے رفع نہیں دیا جاسکتا جس طرح ظروفِ متمکنہ کو رفع دیا جاسکتا ہے یہ تیرے اس قول کی طرح ہے سِيْرَ عَلَيْهِ شَدِيْدًا وَطَوِيْلًا۔ انس بن مالک خثعمی کا قول عَزَمْتُ عَلَى اِقَامَةِ ذَاتِ صَبَاحٍ۔ میرے نزدیک اس باب سے تعلق نہیں رکھتا۔ اگر سیبویہ نے اسے بنوخثعم کی لغت بیان کی ہے لیکن یہ '' اقامت یوم'' کے معنی میں ہوگا۔ ہر دن ذوصباح (صبح والا) ہو جس طرح تیرا یہ قول ہے۔ مَا كَلَّمَنِيْ ذُوْ شَفَةٍ۔ مجھ سے کسی متکلم نے بات نہیں کی۔'' مَا مَرَرْتُ بِذِي نَفْسٍ۔'' میں کسی نفس والے کے پاس سے نہیں گزرا''۔ یہ اس ذَاتَ مَرَّةٍ کی طرح نہیں جسے کلام میں کوئی تمکن نہیں۔ قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ ان کی بہن نے اپنے خاوند سے کہا۔ اِنَّ اُخْتِي تُرِيْدُ الْمَسِيْرَ مَعَ زَوْجِهَا حُرَيْثِ بْنِ حَسَّانٍ ذَا صَبَاحٍ بَيْنَ سَمْعِ الْاَرْضِ وَبَصَرِهَا۔ میری بہن اپنے خاوند حریث بن حسان کے ساتھ کسی دن زمین کے کانوں اور اس کی آنکھوں کے مابین سفر کرنا چاہتی ہے۔ ذَا صَبَاحٍ کا تعلق ذَاتَ يَوْمٍ اور ذَاتَ مَرَّةٍ کے ساتھ ہے لیکن اسے مذکر ذکر کیا گیا ہے کیونکہ تاء تانیث کا صاد کے ساتھ استعمال عمدہ نہیں سمجھا جاتا اور اس طرح حرکات میں بھی تسلسل آتا ہے۔ اس لئے وہ تاء تانیث کو حذف کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں لَقِيْتُهٗ ذَا صَبَاحٍ۔'' میں اسے ایک دن ملا''۔ اسے بھی ذَاتَ يَوْمٍ اور ذَاتَ حِيْنٍ کی طرح تمکن حاصل نہیں ہے۔ مصدر وغیرہ اس کی طرف نہیں ہوتے۔ خثعمی کے قول عَزَمْتُ عَلَى اِقَامَةِ ذِيْ صَبَاحٍ۔ میں مصدر اس کی طرف مضاف ہے۔ مصدر کو اس کی طرف مضاف کر کے پھر اسے نصب کیسے دی جاسکتی ہے یا جب مصدر اس کی طرف مضاف ہو تو پھر یہ حال کے مشابہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کے کسرہ کی بھی یہی حالت ہے میں اسے اس کی مثالوں سے خارج کرتا ہوں۔ مگر سیبویہ نے بنوخثعم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔ سِرْتُ فِيْ ذَاتِ يَوْمٍ اَوْ سِيْرَ عَلَيْهِ ذَاتَ يَوْمٍ۔ اس وقت کہا جائے گا کہ یہ لغت خثعم میں ہے لیکن گذشتہ شعر میں اس کا شاہد اس میں ہی موجود ہے۔ میرا گمان نہیں کہ بنوخثعم یا اہل عرب میں سے کوئی اس میں تمکن کی اجازت دیتے

سے خاص کر بنو کعب کو یہ سندیسہ سنا دو۔

أَلَمْ تَعْلَمُوْا أَنَّا وَجَدْنَا مُحَمَّدًا   نَبِيًّا كَمُوْسٰى خُطَّ فِي أَوَّلِ الْكُتُبِ

کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح نبی پایا ہے جن کا تذکرہ سابقہ کتب میں ہے؟

وَ أَنَّ عَلَيْهِ فِي الْعِبَادِ مَحَبَّةً   وَ لَا خَيْرَ مِمَّنْ خَصَّهُ اللّٰهُ بِالْحُبِّ

ارے سنو! لوگوں میں ان کے بارے ہی محبت کے جذبات پائے جاتے ہیں اور جسے اللہ تعالیٰ محبت کے لئے مخصوص کر لیتا ہے اس سے زیادہ بھلائی کہیں نہیں ہو سکتی۔

وَ أَنَّ الَّذِي أَلْصَقْتُمْ مِنْ كِتَابِكُمْ   لَكُمْ كَائِنٌ نَحْسًا كَرَاغِيَةِ السَّقْبِ

وہ عہد نامہ جو تم نے لٹکایا ہے وہ تمہارے لئے اسی طرح منحوس ہو گا جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی اونٹنی کے بچے کی آواز منحوس تھی۔

أَفِيْقُوْا أَفِيْقُوْا، قَبْلَ أَنْ يُحْفَرَ الثَّرٰى   وَ يُصْبِحَ مَنْ لَمْ يَجْنِ ذَنْبًا كَذِي الذَّنْبِ

بیدار ہو جاؤ۔ بیدار ہو جاؤ اس سے بیشتر کہ مٹی کھودی جائے اور وہ شخص جس نے گناہ نہیں کیا وہ بھی گناہ گار کی طرح ہو جائے۔

وَ لَا تَتْبَعُوْا أَمْرَ الْوُشَاةِ وَ تَقْطَعُوْا   أَوَاصِرَنَا بَعْدَ الْمَوَدَّةِ وَالْقُرْبِ

چغل خوروں کی اتباع نہ کرو اس طرح تم محبت و رشتہ داری کے بعد ہمارے تعلقات کو منقطع کر دو گے۔

ہوں یا اسے نصب سے خارج کرتے ہوں۔

لَا خَيْرَ مِمَّنْ خَصَّهُ اللّٰهُ بِالْحُبِّ

اس کی توجیہ انتہائی مشکل ہے کیونکہ لَا التَّبْرِئَه کے بعد اس طرح نصب نہیں دی جاتی بلکہ نصب تنوین کے ساتھ ہوتی ہے مثلاً لَا خَيْرًا مِنْ زَيْدٍ فِي الدَّارِ وَ لَا شَرًّا مِنْ فُلَانٍ۔ اسے تنوین کے بغیر اس وقت نصب دی جاتی ہے جب اسم اپنے مابعد کے ساتھ متصل نہ ہو مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ ''نہیں کوئی گرفت تم پر آج کے دن۔'' کیونکہ عَلَيْكُمْ تَثْرِيْبٌ کا صلہ نہیں کیونکہ یہ خبر کی جگہ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ کہا جائے کہ اس شعر میں خیرا، خیّر سے مخفف ہے جس طرح هِيْنٌ اور مَيْتٌ، هَيِّنٌ اور مَيِّتٌ سے مخفف ہیں۔ اسی طرح یہ ارشاد ربانی، خَيْرَاتٌ حِسَانٌ۔ خَيِّرَاتٌ سے مخفف ہے۔

وَ نَسْتَجْلِبُوْا حَرْبًا عَوَانًا وَ رُبَمَا   اَمَرَّ عَلٰی مَنْ ذَاقَهٗ جَلْبُ الْحَرْبِ

لگاتار جنگ کے چکھنے کی آرزو نہ کرو کیونکہ جنگ کا مزہ جس شخص نے بھی چکھا اسے یہ ذائقہ کڑوا ہی لگتا ہے۔

وَ لَسْنَا وَ رَبِّ الْبَيْتِ نُسْلِمُ اَحْمَدَ   لِعَزَّاءَ مِنْ عَضِّ الزَّمَانِ وَ لَا كَرْبِ

بیت اللہ کے رب کی قسم! ہم زمانہ کی سختی یا تکلیف سے ڈر کر احمد مجتبیٰ ﷺ کو تمہارے سپرد نہیں کریں گے۔

مِمَّنْ

من محذوف کے متعلق ہے۔ اصل عبارت یوں تھی۔ لَا خَيْرَ اَخْيَرُ مِمَّنْ خَصَّهُ اللّٰهُ۔ خَير اور اَخير ایک جنس کے لفظ ہیں۔ لفظ کے تکرار کی وجہ سے حذف عمدہ ہے جس طرح اس آیت میں حذف بہتر ہے۔ اَلْبِرُّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ (البقرہ:۱۹۷) ''حج کے چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں۔'' کیونکہ لفظ کا تکرار زبان پر ثقیل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس سے بھی عجیب تر ہے۔ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ۔ ''اور اگر جلد بازی کرتا اللہ لوگوں کو شر پہنچانے میں جیسے وہ جلد بازی کرتے ہیں بھلائی کے لئے۔'' یہ اصل عبارت یوں تھی۔ لو عجله لهم اذا استعجلوا به استعجالا مثل استعجالهم بالخير۔ تکرار کی وجہ سے اس کلام کو حذف کر دیا گیا۔ اگر اس علت کی وجہ سے ایک حرف حذف کریں مثلاً بَلْحَرْثَ ظَلْتَ اور اَحْسَتَ کی طرح تو انہیں چاہئے کہ ان حروف میں ایک کلمہ حذف کریں۔ یہی اس کی عام اصل ہے۔

اس پر تنوین نہ ہونے کی ایک اور وجہ بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ اصل کلمہ کی رعایت کرتے ہوئے تنوین کو حذف کر دیا گیا ہو کیونکہ خَيْرٌ مِنْ زَيْدٍ کا معنی ہے اَخْيَرُ مِنْ زَيْدٍ۔ اسی طرح شَرٌّ مِنْ فُلَانٍ کا معنی ہے اَشَرُّ مِنْ فُلَانٍ۔ تخفیف کی وجہ سے ہمزہ کو حذف کر دیا گیا ہے یہ اَفْعَلُ کے وزن پر غیر منصرف ہوتا ہے لیکن جب ہمزہ حذف کر دیا گیا تو یہ منصرف ہو گیا اس لئے اسے تنوین دی گئی لیکن اگر یہ کہا جائے کہ اصل کلمہ کو دیکھتے ہوئے تنوین ساقط نہیں ہوئی تو یہ توجیہہ بھی درست ہے اس کے ساتھ ساتھ شعری ضرورت بھی تھی۔

كَرَاغِيَةِ السَّقْبِ۔ اس سے مراد اس اونٹنی کا بچہ ہے جس کی کونچیں قدار نے کاٹی تھیں۔ وہ بچہ اپنی ماں کی وجہ سے چیخا۔ اس کی وجہ سے ہر آواز والی چیز چیخنے لگی۔ اس وقت ثمود ہلاک ہو گئے۔ اب

وَ لَمَّا تَبِنْ مِنَّا وَ مِنكُمْ سَوَالِفُ   وَاَيْدٍ اُتِرَّتْ بِالْقُسَاسِيَّةِ الشُّهُبِ

نہ ابھی تک ہماری اور تمہاری گردنیں اور ہاتھ اس طرح عیاں ہوئے ہیں جو قساسی تلواروں سے کٹے ہوں۔

بِمُعْتَرَكٍ ضَيِّقٍ تَرَى كِسَرَ الْقَنَا   بِهِ وَالنُّسُورَ الطُّخْمَ، يَعْكُفْنَ كَالشَّرْبِ

ایسے خونریز معرکے میں جہاں تو شکستہ نیزوں کو دیکھے گا جہاں کالے سروں والے گدھ شرابیوں کی طرح پڑے ہوں گے۔

كَاَنَّ مُجَالَ الْخَيْلِ فِي حَجَرَاتِهِ   وَ مَعْمَعَةَ الْاَبْطَالِ مَعْرَكَةُ الْحَرْبِ

گویا کہ اس کے گردو پیش گھوڑوں کی آوازیں جنگ کے معرکہ میں جوانوں کا شور ہے۔

اَلَيْسَ اَبُونَا هَاشِمٌ شَدَّ اَزْرَهُ   وَ اَوْصَى بَنِيْهِ بِالطِّعَانِ وَ بِالضَّرْبِ

کیا ہمارا باپ ہاشم نہیں ہے جس نے آپ کو قوی کیا اور اپنے بیٹوں کو نیزہ بازی اور شمشیرزنی کی وصیت کی۔

وَ لَسْنَا نَمَلُّ الْحَرْبَ حَتّٰى تَمَلَّنَا   وَ لَا نَشْتَكِي مَا قَدْ يَنُوْبُ مِنَ النَّكْبِ

ہم وہ نہیں جو جنگ سے اکتا جائیں حتیٰ کہ وہ ہم سے اکتا جائے اور ہم کسی مصیبت کا کسی سے شکوہ نہیں کرتے۔

وَ لٰكِنَّنَا اَهْلُ الْحَفَائِظِ وَالنُّهٰى   اِذَا طَارَ اَرْوَاحُ الْكُمَاةِ مِنَ الرُّعْبِ

اہل عرب ہر ہلاکت میں اسے بطور ضرب المثل بیان کرتے ہیں۔ علقمہ بن عبدہ کہتا ہے۔

رَغَا فَوْقَهُمْ سَقْبُ السَّمَاءِ فَدَاحِصٌ   بِشَكَّتِهِ لَمْ يُسْتَلَبْ وَسَلِيْبُ

آسمان سے آواز نے انہیں تباہ کر دیا۔ وہ کچلے ہوئے اور تباہ و برباد تھے۔

دوسرا شاعر کہتا ہے۔

لَعَمْرِي لَقَدْ لَاقَتْ سُلَيْمٌ وَ عَامِرٌ   عَلٰى جَانِبِ الثَّرْثَارِ رَاغِيَةَ الْبَكْرِ

مجھے اپنے زندگانی کی قسم! سلیم اور عامر نے ثرثار کی ایک طرف سے اونٹ کی آواز سنی۔

اَلْقُسَاسِيَّةُ الشُّهُبِ

اس سے مراد وہ تلواریں ہیں جو قساس کی طرف منسوب ہوتی ہیں۔ وہاں بنو اسد کی لوہے کی کان تھی۔ بعض اہل لغت کہتے ہیں۔ یہ پہاڑ کا نام ہے جہاں لوہے کی کان تھی۔ زاجر کلہاڑے کی صفت کرتے ہوئے کہتا ہے۔

لیکن ہم تو وہ ہیں کہ جب جوانوں کی روحیں رعب ودبدبہ کی وجہ سے پرواز کر جاتی ہیں تو ہم اس وقت بھی باحواس اور محافظ ہوتے ہیں۔

بنو ہاشم اور بنو مطلب دو یا تین سال تک اس زہرہ گداز حالت میں رہے۔ کوئی شخص کوئی چیز ان تک نہ لے جا سکتا تھا۔ البتہ قریش کے چند افراد چھپ چھپا کر ان کی اعانت کرتے تھے۔

ابو جہل کی جہالت

ابو جہل بن ہشام، حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد سے ملا۔ اس وقت حکیم بن حزام کے ہمراہ ایک غلام تھا جس نے گندم اٹھا رکھی تھی وہ یہ گندم اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا تک پہنچانا چاہتے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی نبی محترم ﷺ کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور تھیں۔ ابو جہل، حکیم بن حزام سے چمٹ گیا۔ کہنے لگا "کیا تم بنو ہاشم تک طعام پہنچا رہے ہو بخدا! میں تجھے اور تیرے کھانے کو نہیں چھوڑوں گا، میں تجھے مکہ میں رسوا کر دوں گا؟" اتنے میں ابو البختری بن ہاشم بن حارث بن اسد بن عبد العزی بھی وہیں آ گئے۔ انہوں نے ابو جہل سے پوچھا تجھے اور حکیم کو کیا ہوا۔ ابو جہل نے کہا حکیم بن حزام بنو ہاشم کی طرف کھانا لے جا رہا تھا۔ ابو البختری نے کہا یہ اس کی پھوپھی کا کھانا ہے جو انہوں نے اس کی طرف بھیجا ہے۔ کیا تو اس سے بھی روکتا ہے کہ اس کا کھانا اسی کی طرف لے جایا جائے۔ اس کا راستہ چھوڑ دے لیکن ابو جہل نے انکار کر دیا۔ انہوں نے ایک دوسرے کو پکڑ لیا۔ ابو البختری کو اونٹ کے جبڑے کی ہڈی مل گئی۔ انہوں نے اسے ابو جہل کو دے مارا جس سے وہ زخمی ہو گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ قریب کھڑے یہ حیرت انگیز منظر دیکھ رہے تھے۔ وہ ناپسند کرتے تھے کہ اس واقعہ کی خبر حضور ﷺ یا صحابہ کرام تک پہنچے جس سے وہ مزید غمزدہ ہوں۔ حضور ﷺ شب و روز سراً و جہراً اپنی قوم کو پیغام حق سناتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کا اعلان فرماتے رہے۔ تبلیغِ دین میں آپ ﷺ کو کسی سے کوئی خوف نہ تھا۔

اَحْضَرُ مِنْ مَعْدَنٍ ذِی قُسَاسٍ كَأَنَّهُ فِي الْحَبْلِ ذِی الْاَفْرَاسِ
يُرْمٰى بِهٖ فِي الْبَلَدِ الدَّهَاسِ

وہ ذو قساس کی معدن سے تیز تر ہے گویا کہ وہ پہاڑ کی چوٹی پر داڑھوں والی کوئی چیز ہے جس کے ساتھ نرم شہر پر حملہ کیا جاتا ہے۔

ابو عبید "قساسیہ" کے متعلق کہتے ہیں۔ "مجھے معلوم نہیں کہ اسے کس طرف منسوب کیا گیا ہے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات والا صفات پر جور و ستم

جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ہر طرح کی حفاظت فرمائی۔ آپ ﷺ کے چچا، بنو ہاشم اور بنو مطلب آپ ﷺ کی ہر قسم کی اعانت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تو قریش نے آپ ﷺ پر گرفت سخت کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ آپ ﷺ پر طعن و تشنیع کے تیر برساتے، مذاق کرتے اور آپ ﷺ کا تمسخر اڑاتے۔ قرآن پاک قریش کے متعلق اترنے لگا۔ بعض دشمنانِ مصطفیٰ ﷺ کے نام قرآنِ پاک میں مذکور ہیں جبکہ بعض آیات میں اللہ تعالیٰ نے عام کافرین کا ذکر کیا ہے۔

ابولہب اور اس کی بیوی

وہ کفار جن کے نام قرآن پاک میں مذکور ہوئے ان میں ابولہب بن عبدالمطلب اور اس کی بیوی ام جمیل بنت حرب بن امیہ ہے۔ ام جمیل کو قرآن پاک نے حمالۃ الحطب کے لقب سے پکارا ہے کیونکہ وہ کانٹے اٹھا کر لاتی تھی اور راہِ مصطفیٰ ﷺ میں بچھا دیتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے متعلق یہ آیات نازل فرمائیں۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝۱ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝۲ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝۳ وَّ

ام جمیل، مسد اور اس کا عذاب

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ ام جمیل جنگل سے خاردار جھاڑیاں لا کر ان راہوں پر بکھیرتی تھی جہاں سے تاجدارِ دو جہاں ﷺ نے گزرنا ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے "حَمَّالَةَ الْحَطَبِ" کے نام سے موسوم کیا۔ حضرت امام سہیلی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کانٹوں کو خطب سے کنایۃً تعبیر فرمایا ہے چونکہ لکڑیاں رسی کے ساتھ ہی باندھی جاتی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے گلے میں رسی کے ساتھ سزا دی تاکہ جزاء فعل کے مطابق ہو جائے۔

صرف مَسَدٍ کا ذکر کیا ہے حَبْلٌ مَسَدٍ کا ذکر نہیں کیا اور مَمْسُوْد کا ذکر کیا ہے تاکہ اس سے لطیف معنی مراد لیا جا سکے۔ بعض اہل تفسیر کہتے ہیں عرف میں "مسد" ڈول کی رسی کو کہتے ہیں۔ روایت ہے کہ ام جمیل کے ساتھ جہنم میں اسی طرح کیا جائے گا جس طرح ڈول کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ رسی سے اٹھا کر جہنم کے کنارے تک لایا جائے گا پھر اسے جہنم کی گہرائیوں میں پھینک دیا جائے گا۔ مسد عرف میں اس رسی کو کہا جاتا ہے جسے ڈول کے ساتھ باندھا جاتا ہے۔

امْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۞ (اللہب)

ابن ہشام کہتے ہیں اَلْجِیْدُ سے مراد گردن ہے۔ اعشٰی بن قیس بن ثعلبہ کہتا ہے۔

یَوْمَ تُبْدِی لَنَا قُتَیلَةٌ عَنْ جِیْدٍ اَسِیْلٍ تَزِیْنُہُ الاَطْوَاقُ

''جس دن قتیلہ ہمارے لئے وہ نرم و نازک گردن ظاہر کرے گی جسے زنجیریں مزین کر رہی ہوں گی''۔

جید کی جمع اجیاد آتی ہے۔ ''مَسَد'' ایک درخت ہے جس سے رسیاں اسی طرح بنائی جاتی ہے جس طرح سبز کائی سے رسیاں بٹی جاتی ہیں۔ نابغہ ذبیانی، زیاد بن عمرو بن معاویہ کہتا ہے۔

مَقْذُوفَةٍ بِدَخِیْسِ النَّحْضِ بَازِلُهَا لَهٗ صَرِیْفٌ صَرِیْفَ الْقَعْوِ بِالْمَسَدِ

''وہ بیلوں میں سے سب سے جوان بیل ہے۔ اس کا جسم گوشت سے بھرپور ہے اس کی آواز اس طرح آتی ہے جس طرح کاہی کی رسی بٹتے وقت پھرکیوں کی آواز آتی ہے''۔

مَسَدٌ کا واحد مَسَدَةٌ ہے۔

لَهٗ صَرِیْفٌ صَرِیْفَ الْقَعْوِ بِالْمَسَدِ

ایک اور شاعر اپنے اونٹ کو پانی پلاتے ہوئے کہتا ہے۔

یَا مَسَدَ الْخُوصِ تَعَوَّذْ مِنِّیْ اِنْ تَكُ لَدْنًا لَیِّنًا فَاِنِّیْ
مَا شِئْتَ مِنْ اَشْمَطَ مُقْسَئِنِّ

اے کھجور کی رسی مجھ سے پناہ مانگ۔ اگرچہ تو نرم و نازک ہے لیکن میں کالے اور سفید بالوں والے بوڑھے کو نہیں چاہتا۔

دوسرا شاعر کہتا ہے۔

یَا رَبَّ عَبْسٍ لَا تُبَارِكْ فِی اَحَدٍ فِی قَائِمٍ مِنْهُمْ، وَ لَا فِیْمَنْ قَعَدَ
غَیْرَ الْاُوْلٰی شَدُّوا بِاَطْرَافِ الْمَسَدِ

اے عبس کے رب ان میں سے کسی ایک کو بھی بابرکت نہ بنانہ ان میں سے کھڑے ہونے والے کو نہ بیٹھنے والے کو سوائے ان لوگوں کو جو مسد کی اطراف سے پانی پلاتے ہیں۔

ایک اور شاعر اپنے جانور کو پانی پلاتے ہوئے کہتا ہے۔

وَ مَسَدٍ اُمِرَّ مِنْ اَیَانِقَ لَیْسَ بِاَنْیَابٍ وَ لَا حَقَائِقَ

یہ ایک ایسا رسا ہے جو اونٹنیوں کی جلدوں سے بنایا گیا ہے لیکن وہ اونٹنیاں نہ بوڑھی تھیں اور نہ ہی

چار سالہ تھیں۔

ایانق، اینق کی جمع ہے یہ ناقہ کی جمع ہے جسے مقلوب کیا گیا ہے۔ دراصل یہ انوق تھا واؤ کو یاء میں بدلا گیا کیونکہ اسے نیاق میں یاء میں تبدیل کیا گیا ہے۔ اہل عرب دو ہمزوں کے اجتماع سے راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔ اس لئے اصل پر رکھتے ہوئے نوق کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ کے متعلق کہا۔ "قَدْ حَرَّمْتُهَا اِلَّا الْعُصْفُوْرَ قَتَبٍ اَوْ مَسَدٍ مُحَالَةٌ۔

دوسری حدیث مبارک میں ہے اَنَّهٗ حَرَّمَهَا بَرِيْدًا فِي بَرِيْدٍ اِلَّا الْمِنْجَدَةَ اَوْ مَسَدٍ۔

اَلْمِنْجَدَةَ سے مراد چرواہے کی لاٹھی ہے۔ ابو حنیفہ کہتے ہیں کُلُّ مَسَدٍ رِشَاءٌ۔ ہر ڈول کی رسی کو رشاء کہا جاتا ہے پھر انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

وَ بَكْرَةً وَ مِحْوَرًا صَرَّارًا وَ مَسَدًا مِنْ اَبَقٍ مُغَارًا

وہ چرخی پر چڑھنے والی بہت مضبوط اور گھومنے والی رسی ہے جسے پٹ سن سے خوب بٹا گیا ہے۔

اَنْزِعُهَا تَمَطِّيًا وَمَتًّا بِالْمَسَدِ الْمَثْلُوْثِ اَوْ يَرْمِثَا

میں اسے روندتے ہوئے اور بٹی ہوئی رسی سے یا پرانی رسی سے لپیٹتے ہوئے کھینچتا ہوں۔ اب تو تیرے لئے واضح ہو گیا ہو گا کہ "مسد" سے مراد کنویں کی رسی ہے۔ جہنم (اللہ تعالیٰ پناہ دے) کی صفت میں آیا ہے کہ وہ کنویں کی طرح ہے جس کی دو شاخیں ہیں۔ اس طرح کلام میں انتہائی مناسبت پیدا ہو گئی۔ کلام الٰہی حشو و زوائد سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مقام بلند و برتر ہے اور قرآن پاک اسی کی کتاب عزیز ہے۔

مجاہد کا یہ قول "اس سے مراد وہ زنجیر ہے جس کی لمبائی ستر گز ہے۔" بھی ہمارے قول کی نفی نہیں کرتا کیونکہ ممکن ہے کہ اس زنجیر سے ام جمیل وغیرہا کو باندھا جائے۔ حضرت ابو درداء نے اپنی زوجہ سے کہا "اے ام درداء! اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک ایسی زنجیر ہے جس سے قیامت تک جہنم کی ہنڈیاں جوش مارتی رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی ذات پر ایمان لانے کی وجہ سے اس کے نصف سے آزاد فرما دیا ہے۔ باقی نصف سے مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دلا کر نجات حاصل کر لو"۔ مجاہد فرماتے ہیں، "ام جمیل خاردار لکڑیاں جمع نہیں کرتی تھی بلکہ وہ چغل خوری کرتی تھی"۔ کلام عرب میں حطب کا یہ استعمال عام ہے۔ ابن اسلت قریش سے مخاطب کر کے کہتا ہے۔

وَ نَبَّئْتُكُمْ شَرْجَيْنِ كُلِّ قَبِيْلَةٍ لَهَا زُمَلٌ مِنْ بَيْنِ مُذْكٍ وَ حَاطِبِ

میں نے تمہیں ہر قبیلے کی دو انواع کے متعلق بتا دیا ہے۔ ہر قبیلے کے کچھ لوگ عداوت کی آگ

جلاتے ہیں اور کچھ ایندھن لاتے ہیں۔

عداوت کی آگ جلانے والے کو مُذْکِی اور چغل خور اور اس لڑائی کے لئے ایندھن جمع کرنے والے کو حَاطِب کہا جاتا ہے۔ حضور ﷺ کے اس فرمان کا مفہوم بھی اسی طرح ہے۔ ''لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَتَّاتٌ'' چغل خور جنت میں داخل نہ ہوگا۔ قتات سے مراد وہ شخص ہے جو آگ جلانے کے لئے ایندھن لکڑیاں اور گھاس وغیرہ جمع کرتا ہے۔

جید اور عنق

اللہ تعالیٰ نے جِیْدِھَا کا لفظ استعمال کیا ہے عُنُقِھَا کا لفظ استعمال نہیں کیا جہاں تھپڑ یا طوق کا ذکر ہو وہاں عنق استعمال کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِیْۤ اَعْنَاقِہِمْ اَغْلٰلًا (یٰسین۔۸) ''ہم نے ڈال دیئے ہیں ان کی گردنوں میں طوق۔

جب حسن اور زیور کا ذکر کیا جائے تو وہاں ''جِیْد'' استعمال کرتے ہیں۔ بلاغت کی رو سے یہاں جید کا لفظ نہایت عمدہ ہے کیونکہ ام جمیل عورت ہے اور عورتیں اپنے زیورات سے زیبائش حاصل کرتی ہیں۔ ام جمیل کا آخرت میں یہی زیور ہوگا کہ اس کے گلے میں رسی ہوگی۔ زیور کے استعمال کے مقام پر ''جید'' کے لفظ کا استعمال بہت عمدہ ہے یہ ایک لطیف معنی ہے۔ الاعشیٰ نے بھی یہی لفظ استعمال کیا ہے۔ دوسرا شاعر کہتا ہے۔ اَحْسَنُ مِنْ عِقْدِ الْمَلِیْحَۃِ جِیْدُھَا۔ حسینہ کے ہار سے اس کی گردن خوبصورت ہے۔ شاعر نے بھی جید کا لفظ ہی استعمال کیا ہے۔ عنق استعمال نہیں کیا۔ ورنہ اس کا کلام ردی ہوتا ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو دیکھو۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (آل عمران) ''پس انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں۔''

یعنی ان کے لئے عذاب الیم کی ہی بشارت ہے۔ عمرو بن معدیکرب کہتا ہے۔

وَ خَیْلٍ قَدْ دَلَفْتُ لَھَا بِخَیْلٍ تَحِیَّۃُ بَیْنِھِمْ کَرْبٌ وَجِیْعٌ

''کتنے ہی ایسے لشکر ہیں جنہیں میں نے دوسرے لشکر سے ملا دیا۔ ان کے درمیان سلام دردناک کرب واذیت تھا''۔ یعنی ان کے مابین کوئی سلام نہ تھا۔ ''فِیْ جِیْدِھَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ'' کا بھی یہی معنی ہے یعنی اس کے لئے وہاں ایسا کوئی زیور نہیں ہوگا جس سے وہ آرائش کر سکے البتہ اس کے لئے ڈول کی رسی ہوگی۔

اِمْرَاَتُہٗ۔ اللہ رب العزت نے زُوجہ کا لفظ استعمال نہیں کیا کیونکہ ام جمیل آخرت میں ابولہب کی بیوی

نہیں ہوگی۔ تزویج ایک شرعی زیور ہے یہ ایک دینی امر ہے اللہ تعالیٰ نے اسے اس صفت سے محروم کر دیا ہے۔ بس طرح اس نے حضرت نوح اور حضرت لوط کی بیویوں کو اس سعادت سے محروم کر دیا۔ اللہ رب العزت نے اَمْرَأَةُ نُوحٍ، اَمْرَأَةُ لُوطٍ کہا، زَوْجُ نُوحٍ، زَوْجُ لُوطٍ نہیں کہا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ارشاد ربانی ہے۔

اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ (البقرة:۳۵) ''تو اور تیری بیوی اس جنت میں رہو۔''

نبی مکرم ﷺ کے لئے فرمایا۔ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ۔ ''آپ ﷺ فرما دیجئے اپنی بیبیوں سے۔''
وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ۔ ''اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔''

لیکن اگر ولادت اور حمل کا تذکرہ ہو تو وہاں لفظ مَرْأَةٌ کا استعمال بہتر ہوتا ہے۔

قرآن پاک میں ہے۔ وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا (مریم:۸) ''اور میری عورت تو بانجھ ہے۔''
فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ (الذاریات:۲۹) ''پس آئی آپ کی بیوی چیں بجبیں ہو کر۔'' کیونکہ تانیث کی صفت حمل اور وضع کا تقاضا کرتی ہے۔ اس وقت اس کی حیثیت زوج کی طرح نہیں ہوتی۔

حسن و جمال میں غلو

ابن اسحاق نے الاعشیٰ کا یہ شعر لکھا ہے۔ يَوْمَ تَبْدِي......... تُزَيِّنُهُ کا معنی ہے طوق اس کے حسن و جمال میں اضافہ کا سبب تھا۔ کلام کا مقصود بھی یہی ہے۔ مولدون شعراء اسی انداز سے حسن و جمال میں غلو کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حماسہ میں حسین بن مطیر کا یہ شعر مذکور ہے۔

مُبَتَّلَةُ الْأَطْرَافِ زَانَتْ عُقُودَهَا بِأَحْسَنَ مِمَّا زَيَّنَتْهَا عُقُودُهَا

وہ نرم پوروں والی جس نے اپنے ہاروں کو اس سے کہیں زیادہ زینت بخشی جتنا اس کے ہار اسے مزین کر رہے تھے۔

خالد قسری نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے کہا۔ ''خلافت تو لوگوں کے لئے زینت ہوتی ہے لیکن آپ اس کے لئے زینت ہیں۔ خلافت لوگوں کو صاحب شرف بناتی ہے لیکن آپ سے خلافت کو شرف ملا۔ جس طرح مالک بن اسماء نے کہا ہے۔

تَزِيدِينَ أَطْيَبَ الطِّيبِ طِيبًا إِنْ تَمَسِّيهِ، أَيْنَ مِثْلُكِ أَيْنَا
وَإِذَا الدُّرُّ زَانَ حُسْنَ وُجُوهٍ كَانَ لِلدُّرِّ حُسْنُ وَجْهِكِ زَيْنَا

اے میری محبوبہ! اگر تو سب سے عمدہ خوشبو والے کو چھو لے تو اس کی خوشبو میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ تیری نظر کہاں ہے بلاشبہ موتی چہروں کے جمال میں اضافہ کرتے ہیں لیکن تیرے چہرے کی وجہ سے

موتی کا حسن فزوں تر ہو گیا''۔

حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔'' تمہارے اس صاحب نے صرف ایک قول پیش کیا ہے کوئی معقول چیز پیش نہیں کی''۔امام سہیلی فرماتے ہیں کیونکہ خالد کا مقصد خوشامد کرنا تھا اس لئے حضرت عمر نے اس کی بات کو اچھا نہ سمجھا۔حالانکہ اسی قسم کا قول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔ تحقیق و جستجو نے ان کے قول کو سچ کر دکھایا اور ان کا یہ قول خوشامد اور افتراء سے بھی بعید ہے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد کی۔انہوں نے خلافت کے عہد کو سر بمہر کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیا۔حضرت عمر جانتے نہ تھے کہ اس میں کیا ہے۔ جب انہیں معلوم ہوا تو وہ حزین و غمگین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا آپ نے مجھ پر وہ بوجھ ڈالا ہے جسے میں اٹھانے کی سکت نہیں رکھتا۔آپ نے مجھے اس گھاٹ پر اتارا ہے جس سے واپسی کی راہ مجھے معلوم نہیں۔حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔'' میں نے خلافت سے آپ کو مشرف نہیں کیا بلکہ آپ سے خلافت کو معزز کیا ہے۔میرا مقصد آپ کی برائی نہیں بلکہ میں آپ کی وجہ سے لوگوں کو کیف و سرور عطا کرنا چاہتا ہوں'' حطیہ نے اس مفہوم کو اس طرح ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

مَا آثَرُوْكَ بِهَا إِذْ قَدَّمُوْكَ لَهَا لٰكِنْ لِاَنْفُسِهِمْ كَانَتْ بِهَا الْاُثَرُ

جب لوگوں نے آپ کو خلافت پیش کی تو انہوں نے خلافت کی وجہ سے آپ کو شرف نہیں بخشا بلکہ اس کی وجہ سے وہ خود ہی محترم و معزز ہو گئے۔

عبداللہ بن عباس رومی نے اسی معنیٰ کو'' نسیب'' میں اس طرح عمدہ بیان کیا ہے۔

وَ اَحْسَنُ مِنْ عِقْدِ الْمَلِيْحَةِ جِيْدُهَا وَ اَحْسَنُ مِنْ سِرْبَالِهَا الْمُتَجَرِّدُ

حسینہ کے ہار سے اس کی گردن خوبصورت ہے اور اس کے لباس سے اس کا جسم حسین ہے۔

وہ شعر جس میں مبالغہ اور تقصیر نہیں۔ وہ رضی کا یہ قول ہے۔

حَلْيُهُ جِيْدُهُ لَا مَا يُقَلِّدُهُ وَ كُحْلُهُ مَا بِعَيْنَيْهِ مِنَ الْكَحَلِ

اس کا زیور اس کی حسین گردن ہی ہے نہ وہ جو اس نے پہن رکھا ہے اور اس کا سرمہ وہی ہے جو اس کی آنکھوں میں دست قدرت نے لگایا ہے۔

ثعالبی کے ان اشعار میں بھی اسی طرح کا مفہوم ادا کیا گیا ہے۔

وَمَا الْحَلْیُ اِلَّا حِيْلَةٌ مِنْ نَقِيْصَةٍ يُتَمِّمُ مِنْ حُسْنٍ اِذَا الْحُسْنُ قَصَّرَا

فَاَمَّا اِذَا كَانَ الْجَمَالُ مُوَفَّرًا فَحَسْبُكَ لَمْ يَحْتَجْ اِلٰى اَنْ يُزَوَّرَا

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے بتایا گیا ہے کہ جب ام جمیل کو معلوم ہوا کہ اس کے اور اس کے خاوند کے متعلق کیا نازل ہوا ہے تو وہ حضور ﷺ کے پاس آئی اس وقت حضور ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ کے پاس سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ام جمیل کے ہاتھ میں پتھر تھا۔ جب وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بصارت کو چھین لیا۔ اسے صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی نظر آئے۔ اس نے پوچھا ''اے ابوبکر! تمہارا ساتھی

زیور کا مقصد کیا ہے؟ صرف یہ کہ حسن میں کمی کو دور کرے جبکہ حسن میں کوئی عیب ہو۔ جب حسن و جمال بہت زیادہ ہو تو پھر تجھے زیورات سے آراستہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں''۔ میں نے قاضی ابوبکر محمد ابن عربی کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ ابوالفضل الجوھری الزاہد نے ایک مرتبہ حج کیا۔ جب انہوں نے کعبہ مشرفہ کی زیارت کی اور اس پر ریشم کے پردے دیکھے تو کہا۔

مَا عُلِّقَ الْحَلْیُ عَلٰی صَدْرِهَا اِلَّا لِمَا یُخْشٰی مِنَ الْعَیْنِ

تَقُوْلُ وَالدُّرُّ عَلٰی نَحْرِهَا مَنْ عَلَّقَ الشَّیْنَ عَلَی الزَّیْنِ

اس کے سینے پر یہ زیورات صرف بدنظری کے خوف سے لٹکائے گئے ہیں۔ موتی اس کے سینے پر ہیں لیکن وہ کہہ رہا ہے۔ اس زیب و زینت پر یہ عیب کس نے لٹکا دیا ہے۔

الاعشی کے مذکورہ بالا شعر کے بعد یہ اشعار ہیں۔

وَشَتِیْتٍ كَالْاُقْحُوَانِ جَلَاهُ الطَّلُّ فِیْهِ عُذُوْبَةٌ وَاتِّسَاقُ

وَ اَثِیْثٍ جَثْلُ النَّبَاتِ تُرَوِّیْهِ لَعُوْبٌ غَرِیْرَةٌ مِفْتَاقُ

حُرَّةٌ طَفْلَةُ الْاَنَامِلِ كَالدُّمْیَةِ لَا عَانِسٌ وَ لَا مِهْزَاقُ

اس کے دانت بابونہ کی مانند ہیں جسے شبنم نے میراب کیا ہو جس میں مٹھاس اور وسعت ہو، اس کے بال سیاہ اور گھنے ہونے میں جڑی بوٹی کی چیونٹیوں کی طرح ہے جسے ایک بھولی بھالی اور تیز زبان دوشیزہ نے سیراب کیا ہو، وہ ایک آزاد عورت ہے جس کے پورے نرم و نازک ہیں وہ گڑیا کی طرح ہے جو نہ تو بہت سے ہنسنے والی ہے اور نہ ہی کافی عرصہ بغیر نکاح کے رہنے والی ہے۔

الفہر

ام جمیل نے کہا لَوْ وَجَدْتُهُ لَضَرَبْتُ بِهٰذَا الْفَهْرِ فَاهُ۔ اگر میں نے انہیں پا لیا تو میں یہ پتھر ان کے سر پر دے ماروں گی۔ فہر مؤنث استعمال ہوتا ہے اس کی تصغیر فُهَیْرَۃ ہے لیکن ام جمیل نے اسے مذکر استعمال کیا ہے۔

کہاں ہے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس نے میری ہجو کی ہے۔ بخدا اگر وہ مجھے مل جائے تو میں اس کے چہرے پر یہ پتھر ماروں۔ بخدا! میں بھی شاعرہ ہوں'' پھر اس نے یہ شعر کہا۔

مُذَمَّمًا عَصَيْنَا وَاَمْرَهٗ اَبَيْنَا وَ دِيْنَهٗ قَلَيْنَا۔ ہم نے مذمم کی نافرمانی کی۔ ہم نے اس کے حکم کا انکار کیا اور ہم نے اس کے دین سے ناراضگی کا اظہار کیا۔

پھر ام جمیل وہاں سے چلی گئی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! کیا ام جمیل نے آپ ﷺ کو نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس نے مجھے نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی چھین لی تھی۔

ابن ہشام کہتے ہیں۔ دِيْنَهٗ قَلَيْنَا۔ ابن اسحاق سے روایت نہیں ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں قریش نبی محترم ﷺ کو ''مذمم'' کہتے تھے یہ لفظ استعمال کر کے وہ آپ ﷺ کو برے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ حضور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرماتے۔ ''کیا تمہیں تعجب نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کی اذیت کو مجھ سے کس طرح دور کیا ہے۔ وہ مذمم کی ہجو کرتے اور اسے گالیاں دیتے ہیں۔ میں تو محمد (سراپا ستائش) ﷺ ہوں''۔

امیہ بن خلف

امیہ بن خلف بن وھب بن حذافہ بن جمح جب حضور ﷺ کو دیکھتا تو زبان سے بکواس اور آنکھ سے اشارے کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق یہ سورت نازل فرمائی۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍۙ ۝١ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗۙ ۝٢ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۝٣ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝٤ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝٥ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُۙ ۝٦ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝٧ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌۙ ۝٨ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝٩ (ہمزہ)

''ہلاکت ہے ہر اس شخص کے لئے جو (روبرو) طعنے دیتا ہے (پیٹھ پیچھے) عیب جوئی کرتا ہے جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے مال نے اسے لافانی بنا دیا ہے ہرگز نہیں وہ یقیناً حطمہ میں پھینک دیا جائے گا اور تم کیا جانو کہ حطمہ کیا ہے وہ اللہ

مذمم اور حضرت خباب کی حدیث

حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کیا تم نے دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کی اذیت ناک باتوں کو کس طرح مجھ سے پھیر لیا ہے.......... السنوی نے اس حدیث کو ''کتاب الطلاق'' میں ذکر کیا

کی آگ ہے خوب بھڑکائی ہوئی جو دلوں تک جا پہنچے گی بے شک وہ (آگ) ان پر بند کر دی جائے گی۔"

ابن ہشام کہتے ہیں الھمزۃ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو علانیہ گالیاں دیتا ہو اور آنکھوں سے اشارے کرتا ہو۔ حضرت حسان بن ثابت کہتے ہیں۔

هَمَزْتُكَ فَاخْتَضَعْتَ لِذُلِّ نَفْسٍ بِقَافِيَةٍ تَأَجَّجُ كَالشُّوَاظِ

"میں نے تیرے عیب ایسے قافیہ سے بیان کئے جو شعلے کی طرح شرر فشاں تھے مگر تو نے نفس کی ذلت کے لئے عاجزی کی"۔ ہمزہ کی جمع ہمزات ہوتی ہے۔ لمزۃ اس شخص کو کہتے ہیں جو چھپ کر لوگوں کے عیب بیان کرے اور انہیں اذیت دے۔ روبہ بن عجاج کہتا ہے۔

فِي ظِلِّ عَصْرِي بَاطِلِي وَ لَمَزِي۔ میرے باطل اور میری عیب جوئیوں نے میرے زمانہ کے سایہ میں پرورش پائی۔ لمزۃ کی جمع لمزات آتی ہے۔

عاص بن وائل

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے صحابی تھے وہ کاریگر تھے اور مکہ معظمہ میں تلواریں بناتے تھے۔ عاص بن وائل نے ان سے کچھ تلواریں بنوائیں جس کی وجہ سے عاص حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا مقروض ہو گیا۔ ایک دن حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے اس سے قرض کا تقاضا کیا۔ عاص نے کہا "اے خباب! کیا وہ محمد ﷺ جن کا دین تو نے اختیار کر رکھا ہے یہ گمان نہیں کرتے کہ جنت میں سونا، چاندی، کپڑے، خدام اور ہر وہ چیز ہو گی جس کا اہل جنت مطالبہ کریں گے"۔ حضرت خباب نے فرمایا "ہاں وہ فرماتے ہیں"۔ عاص نے کہا "اے خباب! پھر مجھے روزِ حشر تک مہلت دو۔ حتیٰ کہ میں دارِ آخرت میں جاؤں۔ میں وہاں تمہارا قرض ادا کروں گا۔ اے جناب! قسم بخدا! نہ تم اور نہ ہی تمہارا اصحاب بارگاہِ ربوبیت میں مجھ سے زیادہ معزز ہوں گے اور نہ ہی تمہیں وہاں مجھ سے زیادہ حصہ ملے گا"۔ اس وقت ان آیات کا نزول ہوا۔

أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ﴿٧٧﴾ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَ

ہے۔ انہوں نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر کسی نے ایسے کلام سے طلاق دی جو طلاق سے مشابہت نہیں رکھتے تو یہ طلاق واقع نہ ہو گی۔ یہ ایک اچھا استدلال ہے۔ اہل قریش مذمم کو دشنام کرتے تھے۔ مذمم آپ ﷺ کے کسی اسم مبارک سے مشابہت نہیں رکھتا۔ اس لئے یہ اذیت

یَاْتِیْنَا فَرْدًا⑧ (مریم)

''کیا آپ نے دیکھا اس کو جس نے انکار کیا ہماری آیتوں کا اور کہنے لگا کہ مجھے ضرور بس ضرور دیا جائے گا مال اور اولاد (اس لاف زنی کی وجہ کیا ہے) کیا وہ آگاہ ہو گیا ہے غیب پر یا لے لیا ہے اس نے (خداوند) رحمٰن سے کوئی وعدہ؟ ہرگز ایسا نہیں ہم لکھ لیں گے جو یہ کہہ رہا ہے اور لمبا کر دیں گے اس کے لئے عذاب کو خوب لمبا کرنا اور ہم ہی وارث ہوں گے۔

ابوجہل

مجھے معلوم ہوا ہے کہ ابوجہل بن ہشام نے حضور ﷺ سے ملاقات کی اس نے کہا'' اے محمد (فداہ ابی وامی وروحی) ﷺ! ہمارے معبودوں کو برا بھلا نہ کہا کرو ورنہ ہم بھی اس خدا کو برا بھلا کہیں گے جس کی تم عبادت کرتے ہو''۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ (انعام:۱۰۸)

''اور انہیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے''۔

آپ ﷺ تک نہ پہنچی۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا۔ کُلِیْ وَاشْرَبِی۔ تو کھا، پی۔ اس سے اس کا ارادہ طلاق ہو تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس عبارت سے طلاق کو تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

أَرَأَیْتَ

اس پر پہلے بحث ہو چکی ہے کہ اس کے ساتھ اس طرح استفہام ذکر کرنا جائز نہیں جس طرح عَلِمْتَ وغیرہ کے ساتھ جائز ہے۔ یہاں ہمزہ کَفَرَ میں عمل کر رہا ہے۔ یہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ دوبارہ ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

سدذرائع

ابن اسحاق نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا تذکرہ کیا ہے وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ...... مالکیہ کے نزدیک بیوع اور بہت سے دیگر احکام میں ذرائع اور مراعات کے اثبات میں یہی آیت اصل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ معبودانِ باطلہ کو گالیاں دینا، امور دینیہ میں سے تھا جب یہ اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنے کا سبب بنا تو اللہ تعالیٰ نے معبودانِ باطلہ پر دشنام طرازی سے منع فرما دیا۔ اسی طرح جس ذریعہ سے سودی کاروبار کا خطرہ ہو اسے بھی روکنا چاہئے۔ یہی حکم ان ذرائع کا ہے جن سے حرام میں پڑنے کا اندیشہ ہو لیکن شوافع

مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور ﷺ نے بتوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے لگے۔

نضر بن حارث

جب حضور ﷺ کسی جگہ تشریف فرما ہوتے تو لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے، قرآنِ پاک کی تلاوت فرماتے۔ قریش مکہ کو اس عذاب سے ڈراتے جو سابقہ امتوں کو مل چکا تھا۔ جب حضور ﷺ اس محفل سے تشریف لے جاتے تو نضر بن حارث بن علقمہ بن کلدۃ بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی وہاں بیٹھ جاتا۔ وہ لوگوں سے رستم، اسفند یار اور شہنشاہانِ فارس کی داستانیں بیان کرتا پھر کہتا۔ ''بخدا! محمد ﷺ کا کلام میرے کلام سے عمدہ نہیں ہے۔ ان کا کلام تو سابقہ لوگوں کے افسانے ہیں۔ وہ ان افسانوں کو اسی طرح لکھ لیتے ہیں جس طرح میں انہیں رقم کرتا ہوں''۔ اس وقت ان آیات کا نزول ہوا۔

وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (الفرقان)

''اور کفار نے کہا یہ افسانے ہیں پہلے لوگوں کے اس شخص نے لکھوا لیا ہے انہیں پھر یہ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اسے ہر صبح و شام (تاکہ از بر ہو جائیں) آپ فرمائیے اتارا ہے اس کو اس

کسی چیز کو بھی حرام کی طرف ذریعہ نہیں بناتے۔ وہ ان بیوع میں سے کسی چیز کو بھی مکروہ نہیں سمجھتے جن میں سود کی طرف جانے کے ذریعہ کا اندیشہ ہو۔ امام شافعی فرماتے تھے۔ ''مسلمان پر تہمت لگانا اور اس پر بدگمانی رکھنا حرام ہے''۔ شوافع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں۔ اِنَّمَا الرِّبَا عَلٰی مَنْ قَصَدَ الرِّبَا۔ سود اس کا ہوگا جس نے سود کا قصد کیا ہوگا۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے۔ ہر شخص کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔ اس حدیث شریف میں بھی ان کے لئے دلیل ہے۔ شوافع کہتے ہیں مذکورہ بالا آیت کا تعلق اس سے نہیں ہے کیونکہ اس میں کسی مؤمن پر کوئی تہمت اور سختی نہیں ہے۔ جس طرح کہ اس ذریعہ سے بچا جاتا ہے جس سے ان اشیاء کی حلت کا خطرہ ہو جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو حرام کرنے سے بھی بچنا چاہئے۔ یہ دونوں سمتیں قابل مذمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور ربا کو حرام قرار دیا ہے۔ رباء مشہور ہے۔ جس کا تعلق ربا سے نہ ہوگا وہ بیع ہوگا اس مسئلہ میں فریقین کے دلائل وسیع اور پختہ ہیں۔

(خدا) نے جو جانتا ہے آسمانوں اور زمین کے سارے رازوں کو واقعی وہ بہت بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔"

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ "جب پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتا ہے پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (الجاثیۃ)

ہلاکت ہے ہر جھوٹے بدکار کے لئے جو سنتا ہے اللہ کی آیتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے پھر بھی وہ (کفر پر) اڑا رہتا ہے غرور کرتے ہوئے گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں جیسے اس کے دونوں کان بہرے ہیں سو آپ اسے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں۔"

ابن ہشام کہتے ہیں اَفَّاكٌ کا معنی كَذَّابٌ ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (الصافات)

"غور سے سنو! وہ جھوٹی تہمت لگاتے ہیں جب وہ کہتے ہیں اللہ نے بچے جنے وہ بلاشبہ جھوٹ بکتے ہیں۔"

روبہ کہتا ہے لِاَمْرِئٍ اَفَكَ قَوْلًا اِفْكًا۔ اس شخص کو جو جھوٹ گھڑتا ہے کیا ملتا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں ایک دن حضور ﷺ ولید بن مغیرہ کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما

نضر بن حارث

ابن اسحاق نے نسب میں کلدہ بن علقمہ کا ذکر کیا ہے۔ دیگر اہل نسب نے اسے علقمہ بن کلدہ کہتے ہیں۔ ابی بحر کی کتاب کے حاشیہ میں ابو الولید سے اسی طرح روایت ہے۔ نضر، رستم اور اسفندیار کی داستانیں سیکھ لیتا تھا پھر کہتا تھا "میں انہیں اسی طرح لکھ لیتا ہوں جس طرح محمد ﷺ لکھ لیتے ہیں"۔ رستم الشید فارسی کا لفظ ہے اس کا معنی "ذو ضیاء" "صاحب نور" ہے۔ شید اور شاد دونوں کا معنی ایک ہے۔ انہی شہنشاہوں میں سے ایک کا نام ارفخشد ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے ایک بادشاہ کا نام جم شاذ ہے یہ زمین کے پہلے بادشاہوں میں سے تھا اس ہی کو ضحاک (بیوراسب) نے قتل کیا تھا وہ افریدون اور جم کے عہد حکومت تک زندہ رہا ہے۔ افریدون اور جم کے مابین نو آباء تھے۔ ضحاک نے اسے قتل کرتے وقت کہا "میں نے تجھے جم کے بدلے قتل نہیں کیا نہ ہی تو اس کے برابر ہو سکتا ہے بلکہ میں نے تو تجھے ایک بیل کے بدلے قتل کیا ہے جو اس کے گھر میں تھا"۔ رستم اور اسفندیار کا کچھ تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔

تھے۔نضر بن حارث آیا وہ بھی اسی محفل میں بیٹھ گیا۔اس محفل میں اور بھی بہت سے قریشی تھے۔ حضور ﷺ ان سے محو کلام تھے،نضر بن حارث آپ ﷺ سے بحث کرنے لگا،حضور ﷺ نے اسے خاموش کرادیا پھر انہیں یہ آیت سنائی۔

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ۞ لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ آلِهَةً مَا وَرَدُوهَا وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ۞ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ۞ (الانبیاء)

''بے شک تم اور جو کچھ اللہ کے سوا تم پوجتے ہو سب جہنم کے ایندھن ہو تمہیں اس میں جانا ہے۔اگر یہ خدا ہوتے تو جہنم میں نہ جاتے اور ان سب کو ہمیشہ اس میں رہنا ہے۔وہ اس میں رینگیں گے اور وہ اس میں کچھ نہیں سنیں گے۔''

ابن ہشام کہتے ہیں حَصَبُ جَهَنَّمَ سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے جہنم کو شعلہ فشاں کیا گیا ہے۔ابوذویب خویلد بن خالد الھذلی کا شعر ہے۔

فَاَطْفِئْ وَ لَا تُوْقِدْ وَ لَا تَكُ مُحْصِبًا   لِنَارِ الْعُدَاةِ اَنْ تَطِيْرَ شَكَاتُهَا

تو آگ کو بجھا۔اسے جلا مت۔عداوت کی آگ کا ایندھن نہ بن ممکن ہے اس کی چنگاریاں اڑنے لگیں۔

ایک اور شاعر کہتا ہے۔

حَضَأْتُ لَهُ نَارِي فَاَبْصَرَ ضَوْئَهَا   وَ مَا كَانَ لَوْ لَا حَضْأَةُ النَّارِ يَهْتَدِيْ

میں نے اس کے لئے آگ جلائی اس نے اس کی روشنی کو دیکھا،اگر آگ کی روشنی نہ ہوتی تو وہ راہِ راست پر گامزن نہ ہوسکتا۔

ابن زبعری اور اخنس

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر حضور ﷺ مسجد حرام سے تشریف لے گئے۔عبداللہ بن زبعری وہاں آبیٹھا۔ولید بن مغیرہ نے عبداللہ سے کہا۔''اللہ کی قسم!ابھی ابھی نضر بن حارث نہ تو ابن

ابن زبعری کا قول اور حضرت عزیر

اگر ابن زبعری اور قریش کے اعتراض کو دیکھا جائے تو وہ دو اعتبار سے درست نہیں۔

۱۔اس آیت میں قریش اور بتوں کے پجاریوں کو خطاب ہے۔عبداللہ کا قول اِنَّا نَعْبُدُ الْمَلَائِكَةَ۔جدا ہے یہ تمام گفتگو اور بحث لات،عزیٰ،ہبل اور ان کے دیگر بتوں کے متعلق ہے۔۲۔اللہ رب العزت

عبدالمطلب (حضور ﷺ) کے لئے اٹھا اور نہ بیٹھا۔ محمد ﷺ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم اور وہ معبودان جن کی ہم عبادت کرتے ہیں وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ عبداللہ بن زبعری نے کہا اگر میں محمد (فداہ روحی) ﷺ کو پالیتا تو ان سے مناظرہ کر کے انہیں خاموش کر دیتا۔ محمد ﷺ سے پوچھو کیا ہر وہ جو غیر خدا کو پوجتا ہے وہ اپنے معبود کے ہمراہ جہنم کا ایندھن ہوگا۔ ہم ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں۔ یہود عزیر علیہ السلام کی عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پوجا کرتے ہیں۔ عبداللہ کے اس قول سے ولید اور تمام اہل محفل ششدر رہ گئے۔ انہوں نے کہا کہ عبداللہ کی بات میں واقعی قوت ہے۔ عبداللہ کی یہ بات حضور ﷺ تک پہنچ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''ہر وہ شخص جو یہ پسند کرتا ہے کہ اللہ کے علاوہ اس کی پوجا کی جائے وہ اپنے تمام عبادت گزاروں کے ساتھ جہنم کا ایندھن ہوگا۔ یہ لوگ شیطانوں کی اور ان اشیاء کی پوجا کرتے ہیں۔ شیطان جن کی پوجا کا انہیں حکم دیتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی۔

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿١٠١﴾ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ﴿١٠٢﴾ (الانبیاء)

''بلاشبہ وہ لوگ جن کے لئے مقدر ہو چکی ہے ہماری طرف سے بھلائی تو وہی اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے اور وہ اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور وہ ان (نعمتوں) میں جن کی انہوں نے خواہش کی تھی ہمیشہ رہیں گے۔''

یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم، حضرت عزیر اور وہ علماء اور راہب جن کی پوجا کی جاتی رہی

نے وَمَا تَعْبُدُونَ فرمایا ہے۔ وَمَنْ تَعْبُدُونَ ذکر نہیں فرمایا۔ لہٰذا قریش کا حضرت مسیح، حضرت عزیر اور ملائکہ پر اعتراض کیسے ہو سکتا ہے جبکہ وہ ذوالعقول ہیں۔ بت ذوالعقول نہیں ہیں۔ اسی لئے آیت میں لفظ ما استعمال کیا گیا ہے جو غیر ذوالعقول کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ما کا استعمال کبھی کبھی ذوالعقول پر بھی ہوتا ہے۔ ہم عنقریب اس کی تفصیل بیان کریں گے۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کی پوجا کیوں شروع کی۔ اس کا سبب معروف ہے۔ یہود کا قول ہے کہ عزیر، اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں (نعوذ باللہ منہ)۔ عبد بن حمید الکشی اس کا سبب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ''بخت نصر کے عہد میں تورات پھٹ گئی۔ اس کے خاتمے سے یہودیوں کا دین خطرے میں پڑ گیا۔ اپنی کتاب کے نہ ملنے پر انہیں شدید اذیت و تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی اثناء میں کہ حضرت عزیر توریت کے فقدان پر رو رہے تھے وہ ایک ایسی عورت کے پاس سے گزرے جو قبر پر سینے کے بل پڑی تھی اس کے بال پراگندہ تھے حضرت عزیر

حالانکہ ان کی زندگیاں اطاعت الٰہی میں بسر ہوئیں۔ گمراہ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انہیں اپنا رب بنالیا۔

قریش ملائکہ کی عبادت بھی کرتے تھے، انہیں اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے ان کے متعلق ان آیات کا نزول ہوا۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ (الانبیاء)

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ (الانبیاء)

''اور وہ کہتے ہیں بنالیا ہے رحمٰن نے (اپنے لئے) بیٹا سبحان اللہ! (یہ کیونکر ہوسکتا ہے) بلکہ وہ تو (اس کے) معزز بندے ہیں نہیں سبقت کرتے اس سے بات کرنے میں اور وہ اس کے حکم پر کاربند ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے جو کچھ ان کے پیچھے گزر چکا ہے اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لئے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ (اس کی بے نیازی کے باعث) اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں۔ اور جو ان میں سے یہ کہے کہ میں خدا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا تو اسے ہم سزا دینگے۔ جہنم کی یونہی ہم سزا دیا کرتے ہیں ظالموں کو۔''

نے اس سے کہا تو کون ہے؟ اس نے کہا ''میں ایلیا ام القریٰ ہوں میں اپنے بیٹے پر رورہی ہوں۔ تم اپنی کتاب کے لئے رورہے ہو کل صبح اسی جگہ آجانا''۔ حضرت عزیر صبح وقت مقررہ پر وہاں پہنچے تو انہوں نے وہاں زمین سے نکلتے ہوئے ایک انسان کو دیکھا جس کے ہاتھ میں شیشی کی طرح کوئی چیز تھی۔ اس میں نور تھا۔ اس انسان نے حضرت عزیر سے کہا اپنا منہ کھولو۔ اس نے وہ شیشی ان کے پیٹ میں ڈال دی پھر حضرت عزیر نے اسی طرح کتاب لکھ دی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے نازل کیا تھا پھر انہیں وہ توریت بھی مل گئی جسے زیر زمین دفنایا گیا تھا۔ انہوں نے اسے حضرت عزیر کی لکھی ہوئی توریت سے ملائی۔ دونوں بالکل ایک جیسی تھیں اسی وجہ سے وہ کہنے لگے۔ ''عزیز اللہ کے بیٹے ہیں۔ (نعوذ باللہ منہ) حَصَبُ جَهَنَّمَ۔ حَصَبُ کو حَضَبُ پڑھنا بھی جائز ہے، جس طرح قَبَض اور نَقَص کو قَبْض اور نَقْض پڑھنا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا۔ اسے حَضْبُ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ قرأت شاذ ہے یہ حَضَبتِ النَّارُ سے مشتق ہے۔ اَذْكَيْتُهَا، اثْقَبْتُهَا، حَشَشْتُهَا اور اَذْكَيْتُهَا کا معنی ہے میں نے آگ بھڑکائی۔ يَصِدُّوْنَ کو يَصُدُّوْنَ بھی پڑھا گیا ہے اس کا معنی ہے وہ تعجب کرتے ہیں۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کیا گیا کہ اللہ کے علاوہ ان کی بھی پوجا ہوتی رہی۔ ولید اور دیگر اہل محفل نے عبداللہ کی اس دلیل کو بڑی عجیب سمجھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ۝ (الزخرف)

اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی جائے جبھی تمہاری قوم اس سے ہنسنے لگتے ہیں۔''

پھر حضرت عیسیٰ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنكُم مَّلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ۝ وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ۝ (الزخرف)

''وہ تو نہیں مگر ایک بندہ جس پر ہم نے احسان فرمایا اور اسے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے عجیب نمونہ بنایا اور اگر ہم چاہتے تو زمین میں تمہارے بدلے فرشتے بساتے اور بے شک عیسیٰ قیامت کی خبر ہے تو ہرگز قیامت میں شک نہ کرنا اور میرے پیرو ہونا یہ سیدھی راہ ہے۔''

یعنی میں نے ان کے دست اقدس سے جن معجزات مثلاً مردوں کو زندہ کرنا اور بیماروں کو شفایاب کرنا وغیرہ کا ظہور کیا ہے۔ وہ اس امر کے شاہد عادل ہیں کہ قیامت قائم ہوگی۔

اخنس بن شریق بن عمرو بن وھب الثقفی بنوزہرہ کا حلیف، قوم کا سردار تھا، یہ ان لوگوں میں سے تھا جن کی باتوں پر عمل کیا جاتا تھا یہ بھی حضور ﷺ سے بحث و مباحثہ کرتا اور آپ ﷺ کی باتوں کا رد کرتا تھا۔ اس کے متعلق قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ۝ (القلم)

اور ہر ایسے کی بات نہ سننا جو بڑا قسمیں کھانے والا ذلیل، بہت طعنے دینے والا بہت ادھر ادھر لگاتا پھرنے والا بھلائی سے روکنے والا حد سے بڑھنے والا گنہگار ہے۔ درشت خو اس پر طرہ یہ کہ اس کی اصل میں خطا۔

اللہ تعالیٰ نے زنیم کہہ کر اس کے نسب میں عیب نہیں نکالا کیونکہ کسی کے نسب میں عیب نکالنا اللہ تعالیٰ کی عادت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اس صفت کا ذکر اس لئے کیا ہے تاکہ اس کی پہچان ہو جائے۔ زَنِیم اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی دوسری قوم میں شامل ہو جائے۔ خطیم تمیمی کہتا ہے۔

زَنِيمٌ تَدَاعَاهُ الرِّجَالُ زِيَادَةً كَمَا زِيْدَ فِي عَرْضِ الْاَدِيْمِ الْاَكَارِعُ

وہ کسی دوسری قوم میں ملا ہوا ہے۔لوگوں نے اسے اپنی قوم میں شامل کرلیا ہے جس طرح جوتے کے عرض میں چمڑا داخل کیا جاتا ہے۔

ولید بن مغیرہ، ابی بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط

ولید بن مغیرہ نے کہا ''کیا محمد (فداہ روحی) پر قرآن نازل ہوتا ہے اور مجھے چھوڑ دیا جاتا ہے جبکہ میں قریش میں سے بڑا اور ان کا سردار ہوں۔اسی طرح بنوثقیف کے سردار ابومسعود عمرو بن عمیر پر بھی وحی نہیں آتی۔ہم دونوں شہروں کے دو عظیم سردار ہیں''۔اس وقت اس آیت کا نزول ہوا۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ (الزخرف)

اخنس بن شریق

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی، عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیات ولید بن مغیرہ کے بارے نازل ہوئیں۔کچھ مفسرین فرماتے ہیں یہ آیات اسود بن عبد یغوث زہری کے متعلق نازل ہوئیں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قریش میں ایک شخص تھا جس کے کانوں کی لوؤں کے ساتھ گوشت اس طرح لٹکا ہوا تھا جس طرح بکری کے کان ہوتے ہیں۔(بخاری) دوسری روایت کے مطابق ''زنیم'' اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے چہرے کے دو اطراف گوشت لٹکا ہوا ہو۔بالکل اسی طرح جس طرح بکری اپنے کانوں سے پہچانی جاتی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسرا قول یہ مروی ہے کہ زنیم اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی دوسری قوم سے آکر مل جائے اس قوم سے نہ ہو۔ابن ازرق نے اس شعر سے استدلال کیا ہے جو متن میں ذکر کیا گیا انہوں نے اسے حضرت حسان کی طرف منسوب کیا ہے۔ابن ہشام نے اس شعر کو حطیم کی طرف منسوب کیا ہے لیکن معروف یہ ہے کہ یہ شعر حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا ہے عُتُلٍّ کا معنی سخت اور ظالم ہے اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔''خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰی سَوَاءِ الْجَحِیْمِ''۔''اسے پکڑو ٹھیک بھڑکتی آگ کی طرف بزور گھسیٹتے لے جاؤ۔'' حضور ﷺ نے فرمایا ''اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِاَهْلِ النَّارِ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ جَمَّاعٍ مَنَّاعٍ''۔میں تمہیں اہل نار کے متعلق بتاتا ہوں ہر سرکش، اجڈ، متکبر، بدکار اور بھلائی سے روکنے والا۔''

ابی بن خلف بن وھب بن حذافہ بن جمح اور عقبہ بن ابی معیط گہرے دوست تھے۔ ان کے مابین عمدہ تعلقات تھے۔ عقبہ کبھی کبھی حضور ﷺ کے پاس بیٹھا کرتا تھا اور آپ ﷺ سے کلام سنا کرتا تھا۔ یہ بات اُبی تک پہنچ گئی وہ عقبہ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو محمد (فداہ روحی) ﷺ کے پاس بیٹھتا ہے اور ان سے کلام سنتا ہے۔ اب اگر تو ان کی محفل میں بیٹھے یا ان کی باتیں سنے تو مجھ پر تیرا چہرہ دیکھنا حرام ہے۔ مجھ پر تجھ سے ہمکلامی حرام ہے وہ اسی طرح قسمیں اٹھاتا رہا۔ اب اگر تو ان کے پاس نہ جائے اور ان کے چہرے پر نہ تھوکے تو میری تیری ملاقات حرام ہے۔ عقبہ (لعنہ اللہ) نے ایسا ہی کیا ان دونوں کے متعلق ان آیات کا نزول ہوا۔

وَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ (الفرقان)

''اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ چبالے گا کہ ہائے کسی طرح میں نے رسول کے ساتھ راہ لی ہوتی۔ وائے خرابی میری ہائے کسی طرح میں نے فلانے کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ بے شک اس نے مجھے بہکا دیا میرے پاس آئی ہوئی نصیحت سے اور شیطان آدمی کو بے مدد چھوڑ دیتا ہے۔''

ابی بن خلف حضور ﷺ کے پاس ایک بوسیدہ ہڈی لے کر گیا۔ اور کہنے لگا اے محمد! ﷺ آپ کا کیا خیال ہے کہ ختم ہونے کے بعد اسے دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ پھر اس نے اس ہڈی کو ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں بکھیر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں! میں یہ کہتا ہوں۔ اس کے بعد کہ تو اور یہ ہڈی اس طرح ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں اٹھائے گا، پھر اللہ تعالیٰ تمہیں آگ میں داخل کرے گا''۔ اس وقت ان آیات کا نزول ہو۔

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ ﴿۷۹﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ (یٰسین)

''اور ہمارے لئے کہاوت کہتا ہے اور اپنی پیدائش بھول گیا۔ بولا ایسا کون ہے کہ ہڈیوں کو زندہ کرے جب وہ بالکل گل گئیں۔ آپ فرمادیں انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انہیں بنایا اور اسے ہر پیدائش کا علم ہے جس نے تمہارے لئے ہرے پیڑ میں سے آگ پیدا کی جبھی تم اس سے سلگاتے ہو''۔

ایک دن سرورِ کائنات ﷺ مصروفِ طواف تھے اسود بن عبدالمطلب بن اسود بن عبدالعزیٰ، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف اور عاص بن وائل اپنی قوم سے عمر رسیدہ تھے انہوں نے کہا، ''اے محمد ﷺ! ہم اس اللہ کی عبادت کرتے ہیں جس کی آپ عبادت کرتے ہیں اور آپ ﷺ ان معبودان (باطلہ) کی عبادت کرلو جن کی ہم پوجا کرتے ہیں۔ ہم اور آپ اس امر میں اشتراک کر لیتے ہیں اگر وہ معبود جس کی آپ عبادت کرتے ہیں۔ ہمارے معبودان سے بہتر ہوا تو ہمیں اس سے حصہ مل جائے گا اور اگر ہمارے معبودانِ (باطلہ) آپ کے خدا سے بہتر ہوئے تو آپ ﷺ کو اس سے حصہ مل جائے گا''۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَۙ۝ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَۙ۝ (الکفرون)

''آپ ﷺ فرما دیجئے کہ اے کافرو! میں پرستش نہیں کیا کرتا (ان بتوں کی) جن کی تم پرستش کرتے ہو اور نہ ہی تم عبادت کرنے والے ہو اس خدا کی جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں اور نہ میں کبھی عبادت کرنے والا ہوں۔ ان کی جن کی تم پوجا کرتے ہو اور نہ ہی تم اس کی عبادت

قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَۙ۝ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَۙ۝ کا تعلق زمانہ حال سے ہے۔ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ کا تعلق مستقبل کے ساتھ ہے۔ اسی طرح وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ کا تعلق بھی مستقبل کے ساتھ ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضور ﷺ نے انہیں یہ کس طرح فرمایا۔ ''نہ ہی تم اس معبود کی عبادت کرو گے جس کی میں عبادت کرتا ہوں'' حالانکہ قریش مکہ نے کہا تھا'' آؤ ہم آپ کے رب کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ﷺ ہمارے معبودان کی پوجا کرلو''۔ جو وہ ارادہ اور عزم کئے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ نے اس کی نفی کیوں فرما دی۔

اس کا جواب دو طرح سے دیا گیا ہے۔ ا۔ نبی اکرم ﷺ کو علم تھا کہ کفارِ مکہ ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔ آپ ﷺ نے اپنے علم کی خبر دی۔ ۲۔ اگر وہ اس انداز سے عبادت کرتے بھی پھر بھی ان کے اس فعل کو عبادت سے موسوم نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی انہیں اللہ تعالیٰ کا عابد کہا جا سکتا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی بھی عبادت کرے اس کے ساتھ ساتھ کسی دوسرے کی بھی پوجا کرے تو اس کو اللہ تعالیٰ کا عابد کس طرح کہا جا سکتا ہے؟

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن پاک میں ہے۔ ''وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ'' اللہ رب العزت نے مَاۤ اَعْبُدُ کی جگہ مَنْ اَعْبُدُ کیوں نہیں فرمایا۔ اہل عرب کہتے ہیں ''ما'' غیر ذوالعقول کے لئے استعمال ہوتا ہے پھر یہ ذات باری تعالیٰ کے لئے کس طرح استعمال کیا گیا۔

کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے''۔

یعنی اگر تم صرف اللہ کی عبادت اس شرط پر کرتے ہو کہ میں ان معبودانِ باطلہ کی پوجا کروں

ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی قرینہ پایا جائے تو پھر ما ذوالعقول کے لئے بھی استعمال ہو سکتا ہے وہ قرینہ ابہام اور تفخیم میں مبالغہ ہے۔ اس جگہ ما ابہام کے معنی میں ہے کیونکہ وہ ذات جو عظیم شان کی مالک ہو وہ حصر و شمار سے ماوراء ہو، عقل و دانش اس کی ذات کی پہچان سے عاجز ہو۔ اس کی تعریف میں ''ما'' کا استعمال ہی بہتر ہے جس طرح اہل عرب کہتے ہیں۔ ''سُبْحَانَ مَا سَبَّحَ الرَّعْدُ۔ پاک ہے وہ ذات، رعد جس کی ستائش کرتا ہے''۔ اسی طرح اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا۔ اس کا عالم ہونا اتنی تعظیم کا تقاضا نہیں کرتا جتنی تعظیم کا تقاضا زمین و آسمان کا بانی ہونا کرتا ہے۔ اس نے ہی آسمانوں کو بنایا ہے زمین کو پھیلایا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے جو چیز بنائی وہ عظیم ہے۔ اس کی عظمت پر تعجب کا اظہار کرنے کے لئے اس جگہ ما کا استعمال مستحسن ہے۔ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ۔ اس جگہ رب العزت نے لِمَنْ خَلَقْتُ نہیں فرمایا۔ حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام ذوالعقول میں سے تھے کیونکہ سجدہ اس لئے واجب نہیں تھا کہ مسجود ذوالعقول ہے یا غیر ذی العقول۔ سجدہ صرف اس لئے واجب تھا کہ انہیں سجدہ کا حکم دیا گیا تھا۔ مخلوق کا اس میں ذرہ بھی اعتبار نہیں۔ ان پر صرف حکم بجالانا واجب تھا۔ ''ما'' کا استعمال یہاں بڑا مستحسن ہے۔ ما کا استعمال یہاں تعظیم کے اعتبار سے نہیں بلکہ امر جس سجدہ کا تقاضا کرتا تھا اس اعتبار سے ہے۔ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ میں ما غیر ذوالعقول کے لئے ہے کیونکہ قریش بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ۔ میں ما کا تقاضا ابہام اور معبود کی تعظیم ہے اگرچہ وہ حضور ﷺ کے معبود برحق کی عظمت سے ناآشنا تھے۔ ان تمام وجوہات کی بناپر ''ما'' کا استعمال ہی بہتر ہے۔

نکتہ

وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ میں عَبَدْتُّمْ ماضی اور وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ میں مضارع ذکر کیا ہے۔ حضور ﷺ نے جب اپنی ذات کے متعلق خبر دی تو فرمایا مَآ اَعْبُدُ۔ مَا عَبَدْتُ نہیں فرمایا کیونکہ ''ما'' جس میں ابہام ہے اگرچہ خبر ہے لیکن وہ شرط کا معنی دے رہا ہے گویا کہ آپ ﷺ نے یوں کہا مَهْمَا عَبَدْتُّمْ شَيْئًا فَاِنِّيْ لَا اَعْبُدُهٗ۔ تم جس چیز کی بھی پوجا کرو میں اس کی عبادت نہیں کروں گا۔ شرط ماضی کے لفظ کے ساتھ مستقبل پر محمول ہے مثلاً اِذَا قَامَ زَيْدٌ غَدًا فَعَلْتُ كَذَا۔ جب کل زید

تو پھر مجھے تمہارے اس دین کی کوئی ضرورت نہیں، تمہیں اپنا دین مبارک مجھے اپنا دین مبارک۔

کھڑا ہوگا تو میں اس طرح کروں گا۔ اِنْ خَرَجَ زَیْدٌ غَدًا خَرَجْتُ۔ اگر کل زید نکلے گا تو میں بھی نکلوں گا۔ ''ما'' کے ابہام کی وجہ سے اس میں شرط کا بھی احتمال ہے۔ اسی وجہ سے اس کے بعد فعل ماضی استعمال ہوا ہے شرط فعل حال پر داخل نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سورت کے آغاز میں فرمایا۔ ''مَا تَعْبُدُوْنَ'' کیونکہ یہ حال ہے اور حال ہونے کی وجہ سے اس میں شرط کے معنی معدوم ہیں۔ اسی طرح ''عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ'' میں بھی شرط کے معنی نہیں پائے جاتے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ حضور ﷺ اپنے رب کی عبادت سے منحرف ہوں کیونکہ آپ ﷺ معصوم ہیں۔ مھما کے متعلق آپ ﷺ کی تقدیر نہیں ہوسکتی جس طرح کفار کی تقدیر مہما کے متعلق تھی کیونکہ ان پر شیطان کا پورا تسلط تھا جو انہیں ان کی خواہشات کے مطابق ہانک رہا تھا، ان کے لئے تو یہ ہوسکتا ہے کہ وہ آج کسی ایک چیز کی عبادت کریں اور کل کسی دوسری چیز کی پوجا میں منہمک ہوں، وہ جس کی پوجا کریں حضور ﷺ ان کے معبودوں کی عبادت نہیں کریں گے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ (فِی الْحَالِ وَ فِی الْمَآلِ) نہ ہی تم حال میں یا استقبال میں اس کی عبادت کرو گے جس کی میں عبادت کرتا ہوں کیونکہ آپ ﷺ عصمت الٰہیہ کو جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ بھی توحید پر آپ ﷺ کے استحکام سے آگاہ تھا۔ اسی لئے آپ ﷺ کے حق میں شرط کا عمل و دخل نہیں ہے۔ اگر کلام میں شرط داخل نہ ہو تو پھر فعل مستقبل اپنے الفاظ پر برقرار رہتا ہے۔ اس مسئلہ کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا۔ اس آیت کے اعراب میں علماء اضطراب کا شکار تھے کیونکہ مَنْ اَلَّذِیْ کے معنی میں ہے اور کان ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ علامہ زجاج نے اس آیت کا مفہوم سمجھا۔ انہوں نے کہا ''مَنْ'' میں قدرے شرط کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کا مابعد ماضی ہے۔ اصل عبارت یوں تھی مَنْ یَکُنْ صَبِیًّا فَکَیْفَ یُکَلِّمُ۔ جب حضرت مریم علیہا السلام نے بچے کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے پوچھ لو۔ اگر لوگ کہتے کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ هُوَ فِی الْمَهْدِ الْآنَ۔ ہم اس بچے سے کیسے گفتگو کر سکتے ہیں جو ابھی پنگھوڑے میں ہے تو انکار اور تعجب صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہو جاتا لیکن جب انہوں نے کہا کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ۔ تو یہ کلام اپنے عموم کی وجہ سے استدلال میں زیادہ بلیغ ہوگیا۔ ابو اسحٰق نے اسی غرض کی طرف اشارہ کیا ہے یہی ان کا ارادہ ہے۔ اگرچہ انہوں نے یہ الفاظ استعمال نہیں کیے کیونکہ عبارات مقصود نہیں ہوتیں مقصود تو ان معانی کی تصحیح ہوتی ہے جو الفاظ اور اشارات سے سمجھے جاتے ہیں۔

ابوجہل

جب اللہ رب العزت نے قریش کو ڈرانے کے لئے "شَجَرَۃُ الزَّقُوْم" کا تذکرہ کیا تو ابو جہل کہنے لگا "اے گروہِ قریش! کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ شَجَرَۃُ الزَّقُوْم کیا ہے جس سے محمد ﷺ کا رب تمہیں ڈراتا ہے"۔ قریش نے کہا نہیں۔ ابو جہل نے کہا "اس سے مراد ہے یثرب کی عجوہ کھجور، مکھن کے ساتھ قسم بخدا! اگر ہمیں یہ مل گیا تو ہم اسے جلد جلد نگل لیں گے"۔ اس وقت اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی: اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾ (الدخان)

بے شک تھوہڑ کا پیڑ گنہگاروں کی خوراک ہے گلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹوں میں جوش مارتا ہے جیسے کھولتا پانی جوش مارتا ہے۔

یعنی ابوجہل کا قول درست نہیں ہے۔ ابن ہشام کہتے ہیں تانبے، سیسے وغیرہ میں سے ہر پگھلی ہوئی چیز کو مہل کہتے ہیں یہ مجھے ابوعبیدہ نے بتایا ہے۔ حسن بن ابی الحسن سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کے بیت المال پر مقرر تھے۔ ایک دن انہوں نے چاندی کو پگھلانے کا حکم دیا۔ پگھلانے سے اس کے کئی رنگ نکل آئے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا "کیا دروازے پر لوگ ہیں؟" انہیں بتایا گیا ہاں۔ انہوں نے فرمایا "انہیں اندر لے آؤ"۔ جب لوگ اندر آ گئے تو انہوں نے پگھلی ہوئی چاندی کی

شَجَرَۃُ الزَّقُوْم

کہا جاتا ہے کہ یہ کلمہ قریش کے لغت کا نہ تھا کسی شخص نے ابوجہل کو بتایا تھا کہ اہل یثرب جب مکھن کے ساتھ کھجور کھاتے ہیں تو کہتے ہیں۔ تَزَقَّمْتُ۔ ابوجہل نے اپنی جہالت سے اسی سے زقوم بنالیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ لغت یمن کا ہے۔ وہ ہر اس درخت کو زقوم کہتے تھے جس سے وہ بچتے تھے۔ ابوحنیفہ کہتے ہیں یمن میں ایک درخت ہے جسے زقوم کہا جاتا ہے اس کے نہ پتے ہوتے ہیں اور نہ ہی شاخیں۔ وہ دور سے سانپ کے سر کی مانند دکھائی دیتا ہے۔ اس درخت کا منظر بڑا کریہہ ہوتا ہے۔ ابن سلام اور ماوردی کی تفسیر میں ہے کہ "شَجَرَۃَ الزَّقُوْم" جہنم میں ایک درخت ہوگا۔ جہنمی اس کے پاس جائیں گے یہ شعلوں سے اسی طرح حیاتِ نو پائے گا جس طرح دنیا کے درخت بارش سے زندگی پاتے ہیں۔

طرف اشارہ کر کے کہا "مُھْل اسی کے مشابہ ہے"۔ شاعر کہتا ہے۔

يَسْقِيهِ رَبِّىْ حَمِيْمَ الْمُهْلِ يَجْرَعُهٗ يَشْوِى الْوُجُوْهَ فَهُوَ فِى بَطْنِهٖ صَهْرٌ

میرا پروردگار اسے پگھلی ہوئی دھات پلائے گا۔ وہ اسے گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے گا۔ یہ دھات چہروں کو جلا کر رکھ دے گی اور یہ اس بد بخت کے بطن میں جوش مارے گی۔

عبداللہ بن زبیر نے کہا۔

فَمَنْ عَاشَ مِنْهُمْ عَاشَ عَبْدًا وَاِنْ يَمُتْ فَفِى النَّارِ يُسْقٰى مُهْلَهَا وَ صَدِيْدَهَا

ان میں سے جو بھی زندہ رہے گا وہ غلام رہے گا اور مرنے کے بعد اسے آگ میں جہنم کی دھات اور اس کی پیپ پلائی جائے گی۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ جسم کی پیپ کو مہل کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے دو پرانی دھلی ہوئی چادریں لانے کا حکم دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی۔ "اے والد محترم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے مستغنی کر دیا ہے آپ کفن خرید لیں"۔ انہوں نے فرمایا "ایک گھڑی کی ہی بات ہے پھر یہ پیپ میں لت پت ہو جائے گا"۔

شاعر کہتا ہے۔

شَابَ بِالْمَاءِ مِنْهُ مُهْلًا كَرِيْهًا ثُمَّ عَلَّ الْمَنُوْنُ بَعْدَ النِّهَالِ

اس نے اس کے پانی کے ساتھ گندی پیپ ملا دی پھر اموات نے پہلی مرتبہ پیاس بجھانے کے بعد دوسری مرتبہ پیاس بجھائی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر اس کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی۔

وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِى الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝ (الاسراء)

"اس درخت کو جس پر لعنت بھیجی گئی ہے قرآن میں اور ہم انہیں (نافرمانی کے انجام سے) ڈراتے رہتے ہیں پس نہ بڑھایا اس ڈرانے والے نے انہیں مگر یہ کہ وہ زیادہ سرکشی کرنے لگے"۔

اَلْمَلْعُوْنَةُ فِى الْقُرْاٰنِ

یعنی جس کا کھانے والا ملعون ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ معلونہ درخت۔

حضرت ابن ام مکتوم

ولید بن مغیرہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ ﷺ اس کے ساتھ مصروفِ گفتگو تھے۔ حضور ﷺ کو اس کے اسلام لانے کی امید تھی۔ اسی اثناء میں آپ ﷺ کے پاس سے ام ابن مکتوم گزرے، انہوں نے حضور ﷺ سے گفتگو کرنے کی کوشش کی اور قرآن پڑھنے کی التجاء کی۔ حضور ﷺ کو ان کی یہ مداخلت ناگوار گزری۔ آپ ﷺ ان سے روگرداں ہوئے کیونکہ انہوں نے ولید بن مغیرہ کے معاملہ میں دخل اندازی کی۔ آپ ﷺ کو اس کے ایمان لانے کی امید تھی۔ جب انہوں نے بار بار مداخلت کی تو آپ ﷺ ان سے ترش رو ہوئے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۙ﴿۱﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۭ﴿۲﴾ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۙ﴿۳﴾ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۭ﴿۴﴾ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۙ﴿۵﴾ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۭ﴿۶﴾ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۭ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۙ﴿۸﴾ وَهُوَ يَخْشٰى ۙ﴿۹﴾ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ﴿۱۰﴾ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۙ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۙ﴿۱۴﴾ (عبس)

''چیں بہ جبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا (اس وجہ سے کہ) ان کے پاس ایک نابینا آیا اور آپ

ابن ام مکتوم

ام مکتوم کا نام عاتکہ بنت عبداللہ بن عنکثہ بن عامر بن مخزوم تھا۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ ولید بن مغیرہ کے ساتھ محوِ کلام تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ شخص امیہ بن خلف تھا۔ موطا میں کسی مخصوص شخص کا تذکرہ نہیں صرف اتنا مذکور ہے کہ وہ مشرکین کے سرداروں میں سے ایک سردار تھا۔

اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى

اس مبارک آیت سے یہ فقہی مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان میں تخلیقی اعتبار سے جو عیب مثلاً اندھا پن وغیرہ ہو تو اس کا ذکر کرنا عیب نہیں ہے لیکن اس سے اگر مذاق مقصود ہو تو کہنے والا گناہ گار ہو گا کیونکہ مذاق کرنا جاہلوں کا شیوہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ (البقرہ)

''کیا آپ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں؟ آپ نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں خدا سے کہ میں شامل ہو جاؤں جاہلوں (کے گروہ) میں''۔

کیا جانیں شاید وہ پاکیزہ تر ہو جاتا یا وہ غور وفکر کرتا تو نفع پہنچاتی اسے یہ نصیحت۔ لیکن وہ جو پرواہ نہیں کرتا۔ آپ اس کی طرف تو توجہ کرتے ہیں اور آپ ﷺ پر کوئی ضرر نہیں اگر نہ وہ سدھرے۔ اور جو آپ ﷺ کے پاس آیا ہے دوڑتا ہوا وہ ڈر بھی رہا ہے تو آپ اس سے بے رخی برتتے ہیں۔ ایسا نہ چاہئے یہ تو نصیحت ہے۔ سو جس کا جی چاہے اسے قبول کرے۔ ایسے صحیفوں میں (ثبت) ہے جو معزز ہیں، جو بلند مرتبہ و پاکیزہ ہیں''۔

یعنی میں نے آپ ﷺ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے میں نے آپ کو کسی ایک شخص کے ساتھ مختص نہیں کیا۔ آپ ﷺ اسے نہ روکیں جو اللہ کا خواہاں ہو اور اس کی طرف توجہ نہ فرمائیں جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہیں کرتا۔ ابن ہشام کہتے ہیں، ابن ام مکتوم کا تعلق بنو عامر بن لوئی سے تھا، ان کا نام عبداللہ یا عمرو تھا۔

حضرت ابن ام مکتوم کی صفت ''عمی'' ذکر کرنے میں ایک حکمت اور ایک لطیف اشارہ پنہاں ہے۔ وہ عتاب کے مقام پر تنبیہ ہے۔ ارشاد فرمایا اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی اندھے پن کا ذکر اس لئے کیا تا کہ آنے والے کی تکلیف اور مشقت کا تصور ہو سکے۔ یعنی جو آپ ﷺ کے پاس ضعف و ناتوانی سے آتا ہے وہ آپ ﷺ کی توجہ کا زیادہ مستحق ہے۔ ترش روئی کا حقدار نہیں ہے۔ جب نبی اکرم ﷺ نابینا سے اعراض کی وجہ سے معتوب ٹھہرے تو دوسرا تو اس عتاب کا زیادہ مستحق ہوگا خواہ بعد میں اسے اسلام لانے کی سعادت نصیب نہ بھی ہو۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا۔ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰی۔ ''اور آپ ﷺ کیا جانیں شاید وہ پاکیزہ تر ہو جاتا۔'' اگر اس وقت ان کا ایمان درست اور معلوم ہوتا تو حضور ﷺ روگرداں نہ ہوتے اگر اعراض فرماتے تو عتاب شدید ہوتا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے وصف میں اعمی ذکر کیا ان کے ایمان یا اسلام کا ذکر نہ کیا۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ابن ام مکتوم اس آیت کے نزول کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔ انہوں نے حضور ﷺ سے کہا اِسْتَدْنِنِیْ يَا مُحَمَّدُ۔ ''اے محمد ﷺ مجھے دین سکھائیں'' ورنہ وہ اس طرح عرض کرتے اِسْتَدْنِنِیْ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ۔ ''یا رسول اللہ ﷺ مجھے دین سکھائیں'' کلام کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰی میں ہ کی ضمیر نابینا کی طرف راجع ہے کافر کی طرف راجع نہیں ہے کیونکہ کافر کا تذکرہ پہلے نہیں ہے۔ اس آیت میں ابن ام مکتوم کے ایمان کے انتظار کا ذکر ہے اگر وہ اس آیت سے پہلے اسلام لے آئے ہوتے تو پھر اس انتظار اور امید کا ذکر نہ ہوتا۔

حبشہ سے واپس آنے والے مہاجرین

ابن اسحاق کہتے ہیں جب سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کو یہ خبر ملی کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کرلیا ہے تو وہ واپس آنے لگے۔ وہ مکہ معظمہ کے قریب پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ اہل مکہ کے اسلام کی خبر جھوٹی تھی پھر مہاجرین حبشہ میں سے ہر شخص یا تو چھپ کر مکہ معظمہ میں داخل ہوا یا کسی کی پناہ لے کر۔ ان مہاجرین میں سے کچھ تو مکہ مکرمہ میں ہی مقیم رہے۔ انہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی اور حضور ﷺ کی معیت میں غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ کچھ مہاجرین کو محبوس کر دیا گیا۔ وہ غزوۂ بدر وغیرہ میں شرکت نہ کر سکے اور کچھ مہاجرین مکہ مشرفہ میں ہی وصال کر گئے۔

ان مہاجرین میں بنو عبد شمس بن عبد مناف بن قصی میں سے حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس ان کے ہمراہ ان کی زوجہ محترمہ لختِ جگر رسول ﷺ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس اور ان کی شریک حیات سھلہ بنت سہیل بھی واپس آ گئے۔ ان کے حلیفوں میں سے عبداللہ بن جحش بن رئاب بھی مکہ لوٹ آئے۔ بنو نوفل میں سے عتبہ بن غزوان جو قیس عیلان میں سے ان کے حلیف تھے واپس آئے۔ بنو اسد

غرانیق کا قصہ اور اہل مکہ کا اسلام

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ اہل مکہ کے اسلام کی خبر باطل تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور ﷺ نے سورۃ النجم تلاوت فرمائی۔ جب آپ ﷺ یہاں پہنچے اَفَرَاَیْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰی وَ مَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی۔ تو شیطان نے العیاذ باللہ زبان پر یہ الفاظ جاری کر دیئے۔ تِلْكَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی وَ اِنَّ شَفَاعَتَھُنَّ لَتُرْتَجٰی۔ ''یہ بہت مرغانِ بلند پرواز ہیں ان کی شفاعت کی امید کی جا سکتی ہے''۔ یہ سن کر مشرکین کی خوشی کی حد نہ رہی وہ حضور پرنور ﷺ کا اسم گرامی لے کر کہنے لگے۔ ''وہ اپنے پرانے دین پر لوٹ آیا ہے۔ آج اس کی اور ہماری عداوت ختم ہوگئی''۔ جب حضور ﷺ نے سورۂ نجم کی سجدہ والی آیات پڑھیں تو آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور مشرکین نے بھی سجدہ کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ فَیَنْسَخُ اللّٰہُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ۔ ''پس مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ جو دخل اندازی شیطان کرتا ہے''۔

بن عبدالعزیٰ بن قصی میں سے حضرت زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد، بنو عبدالدار بن قصی میں سے حضرت مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف اور سویبط بن سعد بن حرملہ واپس آ گئے۔

بنو عبد بن قصی میں سے طلیب بن عمیر بن وھب بن ابی کبیر بن عبد، بنو زہرہ بن کلاب میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بن عبد عوف بن عبد بن حارث بن زھرہ۔ ان کے حلیف حضرت مقداد بن عمرو اور حضرت عبداللہ بن مسعود واپس آ گئے۔ بنو مخزوم میں سے ابو سلمہ بن عبدالاسد بن ھلال بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم اپنی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ، شماس بن عثمان بن شرید بن سوید بن ھرمی بن عامر بن مخزوم اور سلمہ بن ہشام بن مغیرہ واپس آ گئے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کو ان کے چچا نے پابند جولاں کر دیا تھا وہ غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ خندق کے بعد مدینہ طیبہ پہنچے۔ حضرت عیاش بن ابی ربیعہ نے بھی ان کے ہمراہ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی لیکن ان کی ماں کی طرف سے بھائیوں، ابو جہل بن ہشام اور حارث بن ہشام نے انہیں راستہ میں جا پکڑا اور انہیں قید کر دیا حتیٰ کہ غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ خندق گزر گئے۔ ان کے حلیفوں میں سے حضرت عمار بن یاسر واپس لوٹ آئے۔ ان کے متعلق ہی شک ہے کہ کیا وہ ہجرت حبشہ میں شریک تھے یا نہ۔ معتب بن عوف بن عامر خزاعی بھی واپس آ گئے۔ بنو جمح بن عمرو بن ھصیص بن کعب میں سے حضرت عثمان بن مظعون بن حبیب بن وھب بن حذافہ بن جمح، ان کے فرزند دلبند سائب بن عثمان، قدامہ بن مظعون اور عبداللہ بن مظعون بھی واپس لوٹ آئے۔ بنو سہم بن عمرو بن ھصیص بن کعب میں سے حضرت خنیس بن حذافہ بن قیس بن عدی اور ہشام بن عاص بن وائل، انہیں مکہ مکرمہ میں محبوس کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے غزوۂ

مہاجرین کو حبشہ میں یہ خبر ملی کہ قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اس واقعہ کو موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق نے بکائی کی روایت کے علاوہ ذکر کیا ہے لیکن علمائے حدیث اس کو رد کر دیتے ہیں جو اسے درست قرار دیتے ہیں وہ کئی اقوال سے اس کی تاویل کرتے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں۔ ۱۔ یہ شیطان نے ہی کہا تھا اور اسی نے ہی اسے پھیلایا تھا۔ یہ عمدہ تاویل ہے اگر حدیث میں یہ الفاظ نہ ہوں کہ حضرت جبرائیل نے حضور ﷺ سے کہا میں آپ ﷺ کی خدمت میں یہ کلام تو نہیں لے کر آیا تھا۔
۲۔ یہ کلام حضور ﷺ نے ہی کیا تھا اور آپ کی مراد ملائکہ تھے کہ ان کی شفاعت کی امید کی جا سکتی ہے۔
۳۔ حضور ﷺ نے یہ کلام کفار کی حکایت بیان کرتے ہوئے کیا تھا کہ کفار یہ کہتے ہیں۔ آپ ﷺ ان کے کفر سے متعجب ہوتے ہوئے یہ کہا تھا لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث ہی موضوع ہے۔

بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ خندق کے بعد ہجرت کی۔ بنو عدی بن کعب میں سے عامر بن ربیعہ اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت لیلیٰ بنت ابی حثمہ بن حذافہ بن غانم بھی مکہ معظمہ واپس آ گئے۔ بنو عامر بن لوئ میں سے حضرت عبداللہ بن مخرمہ بن عبدالعزی بن ابی قیس، حضرت عبداللہ بن سہیل بن عمرو، جب حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تو انہیں پابند سلاسل کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے غزوۂ بدر سے پہلے ہجرت کی اور اس مبارک غزوہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی، ابو سبرہ بن ابی رھم بن عبدالعزی، ان کے ہمراہ ان کی شریک حیات ام کلثوم بنت سہیل بن عمرو، سکران بن عمرو بن عبدشمس اپنی شریک حیات سودۃ بنت زمعہ بن قیس کے ہمراہ مکہ معظمہ واپس آ گئے۔ حضرت سکران ہجرت مدینہ سے قبل ہی وصال کر گئے۔ ان کے بعد حضور ﷺ نے حضرت سودۃ بنت زمعہ سے عقد نکاح کر لیا۔ ان کے حلیفوں میں سے سعد بن خولہ بھی واپس آ گئے۔

بنو حارث بن فھر میں سے حضرت ابو عبیدہ بن جراح یعنی عامر بن عبداللہ بن جراح، عمرو بن حارث بن زھیر بن ابی شداد، سہیل بن بیضاء، یعنی سہیل بن وھب بن ربیعہ بن ھلال اور عمرو بن ابی سرح بن ربیعہ بن ھلال بھی مکہ معظمہ واپس آ گئے۔

حبشہ سے واپس آنے والوں کی تعداد تینتیس تھی۔ ان میں سے کچھ کسی نہ کسی شخص کی پناہ لے کر مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بن حبیب جمحی، ولید بن مغیرہ کی پناہ میں داخل ہوئے۔ حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم حضرت ابو طالب بن عبدالمطلب کی پناہ لے کر داخل ہوئے۔ خواجہ ابو طالب ان کے ماموں تھے ابو سلمہ کی والدہ کا نام برہ بنت عبدالمطلب تھا۔

ابن اسحاق نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کیا ہے جو یہ جھوٹی خبر سن کر واپس مکہ معظمہ میں آ گئے۔ انہوں نے ان میں طلیب کا ذکر کیا ہے انہوں نے ان کے نسب میں ابی کبیر بن عبد بن قصی کا ذکر کیا ہے۔ اس نسب میں ابی کبیر کی زیادتی ہے جو اس سے موافقت نہیں رکھتا۔ میں نے شیخ کی کتاب کے حاشیہ میں اس کی تنبیہ دیکھی ہے لیکن ابو عمر نے ابن اسحاق کی طرح ابی کبیر کا ذکر کیا ہے۔ ابن اسحاق کی ایک روایت کے مطابق یہ بدری صحابی تھے۔ واقدی اور ابن عقبہ کا قول بھی یہی ہے یہ اجنادین میں شہادت سے سرخرو ہوئے۔ ان کی اولاد نہ تھی۔

حضرت عثمان بن مظعون کی حیرت افزاء داستان

ابن اسحاق کہتے ہیں جب حضرت عثمان بن مظعون نے وہ جور و ستم دیکھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر توڑا جا رہا تھا لیکن وہ تو ولید بن مغیرہ کی پناہ میں بڑے لطف سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا "اللہ کی قسم! میں ایک مشرک شخص کی امان میں زندگی کے شب و روز بڑے چین سے بسر کر رہا ہوں۔ جبکہ میرے دینی بھائی اور صحابہ کرام راہِ خدا میں ان مصائب اور مشکلات کو جھیل رہے ہیں۔ جن سے میں دور ہوں۔ یہ تو مجھ میں بہت بڑا عیب ہے"۔ وہ ولید بن مغیرہ کے پاس گئے۔ اس سے کہنے لگے "اے ابو عبد شمس! تمہاری ذمہ داری پوری ہو چکی ہے۔ میں تمہاری پناہ واپس کرتا ہوں"۔ ولید نے کہا "اے میرے بھتیجے! تو پناہ واپس کیوں کر رہا ہے۔ شاید میری قوم میں سے کسی شخص نے تجھے تکلیف دی ہے؟" حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا "نہیں"۔ مجھے کسی نے تکلیف نہیں دی لیکن میں صرف اللہ کی پناہ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی پناہ کے علاوہ میں کسی اور کی پناہ کا خواہاں نہیں ہوں"۔ ولید نے کہا "پھر آؤ مسجد چلیں۔ میری پناہ اسی طرح علانیہ لوٹاؤ جس طرح میں نے تجھے علانیہ پناہ دی تھی"۔ وہ دونوں مسجد میں آئے۔ ولید نے کہا "یہ عثمان ہیں جو میری پناہ واپس کر رہے ہیں"۔ حضرت عثمان نے فرمایا "تو نے سچ کہا ہے۔ میں نے ولید کو باوفا اور عمدہ پناہ دینے والا پایا ہے لیکن میں پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کے علاوہ کسی اور کی پناہ میں نہ رہوں۔ میں نے اس کی پناہ واپس کر دی ہے"۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ واپس آ گئے۔ اس وقت لبید بن ربیعہ بن مالک بن جعفر بن کلاب قریش کی محفل میں شعر پڑھ رہا تھا۔ حضرت عثمان بھی ان کے پاس بیٹھ گئے۔ لبید نے کہا۔

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ

اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے

حضرت عثمان نے اسے فرمایا تو نے سچ کہا ہے۔ پھر لبید نے کہا۔

وَ كُلُّ نَعِيمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلُ

ہر نعمت یقیناً مٹنے والی ہے

اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ

یہاں ایک سوال ابھرتا ہے کہ حضور نبی محترم ﷺ نے فرمایا شعراء کے کلام میں سے سب سے سچی بات لبید کا یہ قول ہے۔ اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ۔ آپ ﷺ نے اس کی تصدیق کی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا تو نے جھوٹ بولا ہے جنت کی نعمتیں زائل نہیں ہوں گی۔
لبید بن ربیعہ نے کہا ''اے گروہ قریش! قسم بخدا! تمہارے ہم نشین کو اس طرح اذیت نہیں دی جاتی تھی۔ تم نے یہ طریقہ کب سے اپنایا ہے؟'' قریش کے ایک شخص نے کہا ''یہ ہمارے احمقوں میں سے ایک احمق ہے انہوں نے ہمارے دین کو ترک کر دیا ہے تم اس کی بات کا برا نہ مناؤ''۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے جواب دیا جس سے ان کے مابین جھگڑا شروع ہو گیا۔ وہ شخص اٹھا اس نے آپ کی آنکھ پر تھپڑ مارا جس سے آپ کی آنکھ نیلی ہو گئی۔ ولید بن مغیرہ قریب کھڑا یہ دلخراش منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا ''اے میرے بھتیجے! تیری آنکھ ایسے زخموں سے محفوظ تھی تو ایک عظیم پناہ میں تھا''۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اللہ کی قسم! میری دوسری آنکھ بھی منتظر ہے کہ اسے اس طرح کا زخم کب ہوتا ہے جیسا زخم اس آنکھ کو آیا ہے۔ میں اس ہستی کی پناہ میں ہوں جو تجھ سے زیادہ معزز و محترم ہے''۔ ولید نے کہا ''آ میرے بھتیجے! اگر تو چاہتا ہے تو میں تجھے اب بھی اپنی پناہ میں لینے کیلئے تیار ہوں''۔ حضرت عثمان نے فرمایا ''مجھے تمہاری پناہ کی ضرورت نہیں ہے''۔

حضرت ابوسلمہ، ابوطالب کی پناہ میں

ابن اسحاق کہتے ہیں عمر بن ابی سلمہ سے روایت ہے کہ جب ابوسلمہ نے ابوطالب سے پناہ طلب کی تو بنو مخزوم میں سے چند افراد حضرت ابوطالب کے پاس گئے اور کہنے لگے ''اے ابو طالب! پہلے تم نے اپنے بھتیجے کو پناہ دے کر ہم سے محفوظ کر لیا اب ہمارے ساتھی کو پناہ دے کر ہمیں روک رہے ہو''۔ حضرت ابوطالب نے فرمایا۔ ''وہ میرا بھانجا ہے اس نے مجھ سے پناہ مانگی ہے اگر میں اپنے بھتیجے کا تحفظ کر سکتا ہوں تو پھر میں اپنے بھانجے کی حفاظت کیوں نہیں کر سکتا؟''

آپ ﷺ اپنی مناجات میں عرض کرتے تھے۔ اَنْتَ الْحَقُّ، وَقَوْلُكَ، وَوَعْدُكَ الْحَقُّ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَلِقَاءُكَ حَقٌّ، مولا! تو حق ہے، تیرا فرمان حق ہے، تیرا وعدہ حق ہے، جنت حق ہے، آگ حق ہے اور تیری ملاقات حق ہے۔ حضور ﷺ کے اس فرمان کو لبید کے اس مصرعہ کے ساتھ کیسے جمع کیا جا سکتا ہے۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ۱۔ مَا خَلَا اللّٰهَ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی وہ رحمت جس کا اس نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے اور وہ آگ جس سے وہ سزا دے گا، ہے اس کے بغیر تمام اشیاء باطل یعنی زوال پذیر ہیں۔ ۲۔ اگرچہ جنت اور دوزخ حق ہے لیکن ان کی ذاتوں کے اعتبار سے ان پر زوال ممکن ہے۔ وہ اس لئے باقی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بقاء بخشی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اہل کو دوام بخشا ہے۔ یہ اس شخص کا قول ہے جس نے دوام اور بقاء کو زائد علی الذات کے معنی

اس وقت ابوجہل کھڑا ہوگیا۔ اس نے کہا ''اے گروہِ قریش! اللہ کی قسم! تم نے اس بوڑھے پر بڑی زیادتیاں کی ہیں۔ تم ہر اس شخص پر ظلم کرتے رہے جو ان کی پناہ میں رہا قسم بخدا! اب تم نے ان سے رکنا ہوگا ورنہ ہم ہر اس شخص کو ان کی حمایت کے لئے کھڑا کریں گے جسے ہم کھڑا کر سکے''

ابوجہل کفارِ قریش کا حضور علیہ السلام کے خلاف سب سے بڑا مددگار اور حامی تھا۔ انہوں نے اسے اسی حمایت ونصرت پر برقرار رکھنا چاہا۔ جب ابوطالب نے یہ بات سنی تو انہوں نے یہ اشعار اس امید پر کہے کہ شاید ابوجہل بھی حضور علیہ السلام کی تائید ونصرت کے لئے کھڑا ہوجائے۔

وَ اِنَّ امْرَءً اَبُوْ عُتَبَةَ عَمُّهٗ لَفِي رَوْضَةٍ مَا اِنْ يُسَامُ الْمَظَالِمَا

وہ شخص جس کا چچا ابوعتبہ ہو ایسے چمن میں ہوتا ہے کہ اس پر ظلم نہیں کیا جاسکتا۔

اَقُوْلُ لَهٗ وَاَيْنَ مِنْهُ نَصِيحَتِيْ اَبَا مُعْتِبٍ ثَبِّتْ سَوَادَكَ قَائِمًا

میں اس سے کہتا ہوں لیکن اس پر میری نصیحت کا اثر کب ہوتا ہے۔ اے ابومعتب! اپنی قوم کے اتحاد کو مضبوط بنا۔

فَلَا تَقْبَلَنَّ الدَّهْرَ مَا عِشْتَ خُطَّةً تُسَبُّ بِهَا اِمَّا هَبَطْتَ الْمَوَاسِمَا

جب تک تو زندہ ہے تو ایسی چیز کو قبول نہ کر جس کی وجہ سے ہر اس مجمع میں تجھ پر عیب لگایا جائے جس میں تو جائے

وَوَلِّ سَبِيْلَ الْعِجْزِ غَيْرَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّكَ لَمْ تُخْلَقْ عَلَى الْعِجْزِ لَازِمًا

ان میں سے اپنے علاوہ دوسروں کے لئے عجز کا راستہ چھوڑ دے تجھے راہِ عجز پر برقرار رہنے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔

میں کیا ہے۔ یہ الاشعری کا قول ہے۔ حقیقت میں حق وہ ہوتا ہے جسے زوال نہ ہو، وہ قدیم ذات ہے جس کا معدوم حال ہے۔ اسی وجہ سے حضور علیہ السلام نے فرمایا اَنْتَ الْحَقُّ حق کے ساتھ الف لام استعمال فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ ہی درحقیقت اس اسم کا مستحق ہے وَقَوْلُكَ الْحَقُّ۔ کیونکہ اس کا قول قدیم ہے۔ وہ مخلوق نہیں کہ وہ ہلاک ہوجائے۔ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ کیونکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہوتا ہے۔ یہی الف ولام کا تقاضا ہے پھر فرمایا اَلْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ۔ اب ''حق'' کو الف لام کے بغیر ذکر کیا اسی طرح فرمایا لِقَاءُكَ حَقٌّ ذکر فرمایا کیونکہ یہ تمام امور محدث یعنی زوال پذیر ہیں اور محدث کے لئے اس کی ذات کے اعتبار سے بقاء لازم نہیں ہوتی۔ ہمیں اس کی بقاء کی خبر اس صادق علیہ السلام نے دی جن کی زبان پر کبھی جھوٹ نہیں آیا۔ اس چیز کی بقاء اس اعتبار سے نہیں کہ بقاء اس پر لازم ہے جس طرح

حَارِبْ فَإِنَّ الْحَرْبَ نَصْفٌ وَ مَا تَرٰی   اَخَا الْحَرْبِ يُعْطِی الْخَسْفَ حَتّٰی يُسَالِمَا

جنگ کا راستہ اختیار کر۔ بلاشبہ جنگ انصاف حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے تو دیکھے گا کہ جنگ جو کبھی رسوا نہیں ہوتا حتیٰ کہ اس سے صلح کرلی جاتی ہے۔

وَ كَيْفَ وَ لَمْ يَجْنُوْا عَلَيْكَ عَظِيْمَةً   وَ لَمْ يَخْذُلُوْكَ غَانِمًا اَوْ مُغَارِمًا

تو اپنی قوم سے علیحدہ کیوں ہوتا ہے حالانکہ انہوں نے تجھ پر کوئی بارِ گراں نہیں ڈالا اور نہ ہی تجھے اس حالت میں رسوا کیا جبکہ تو مال غنیمت حاصل کرنے والا یا تاوان ادا کرنے والا تھا۔

جَزَی اللّٰهُ عَنَّا عَبْدَ شَمْسٍ وَ نَوْفَلًا   وَتَيْمًا وَ مَخْزُوْمًا عُقُوْمًا وَ مَاثِمًا

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بنو عبد شمس، بنو نوفل، بنو تیم اور بنو مخزوم کو خطاؤں اور گناہوں کی سزا دے۔

بِتَفْرِيْقِهِمْ مِنْ بَعْدِ وُدٍّ وَاُلْفَةٍ   جَمَاعَتَنَا كَيْمَا يَنَالُوْا الْمَحَارِمَا

انہوں نے محبت والفت کے بعد ہماری جمعیت کو منتشر کر دیا تا کہ وہ حرام چیزوں کو حاصل کرسکیں۔

كَذَبْتُمْ وَ بَيْتِ اللّٰهِ نُبْزٰی مُحَمَّدًا   وَ لَمَّا تَرَوْا يَوْمًا لَدَی الشِّعْبِ قَائِمًا

تم نے جھوٹ بولا ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کو ہم سے چھین لیا جائے گا۔ حالانکہ ابھی تک تم نے وہ دن دیکھا ہی نہیں جس دن شعب کے پاس شمشیر زنی ہوگی۔

حضرت ابوبکر صدیق اور ابن دغنہ کی پناہ

ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جب مکہ معظمہ کی سر زمین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے تنگ ہوگئی۔ انہیں وہاں تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا

قدیم ذات کے لئے قدیم ہونا لازم ہے اور وہ ذات حق تعالیٰ کی ہستی ہے اس کے علاوہ سب کچھ باطل ہے۔ خواہ وہ جوہر ہو یا عرض۔ اعراض اور جواہر کو فناء اور زوال لازم ہے اگر وہ باقی رہیں اور زوال پذیر نہ ہوں پھر بھی ان کا زوال ممکن ہے حق تعالیٰ کی ذات بے ہمتا نہ جوہر ہے نہ عرض اس لئے جو امر عرض اور جوہر کے لئے جائز ہے وہ اس کے لئے محال ہے۔

حضرت ابوبکر اور ابن دغنہ

ابن دغنہ کا نام مالک تھا۔ یہ احابیش کا سردار تھا۔ ابن اسحاق نے انہیں مذکورہ بالا قبائل بتایا ہے۔

پڑا۔ جب انہوں نے حضور ﷺ کے خلاف قریش کی کوششیں ملاحظہ کیں۔ صحابہ کرام پر ظلم وستم دیکھا تو انہوں نے حضور ﷺ سے ہجرت کی اجازت طلب کی۔ حضور ﷺ نے انہیں اجازت مرحمت فرمادی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کی نیت سے مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہوئے۔ جب آپ نے ایک دن یا دو دن کی مسافت طے کی تو آپ کو ابن دغنہ ملا۔ ابن دغنہ کا تعلق بنو حارث بن عبد مناۃ بن کنانہ سے تھا وہ احابیش کا سردار تھا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں بنو حارث، بنو ھون اور بنو مصطلق کو احابیش کہا جاتا تھا۔ ابن ہشام کہتے ہیں۔ ان تمام نے ایک معاہدہ کر رکھا تھا جس کی وجہ سے انہیں احابیش کہا جاتا تھا۔ ابن دغنہ کو ابن دغینہ بھی کہا جاتا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ''ابن دغنہ نے پوچھا اے ابوبکر! کہاں کا ارادہ ہے''۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''میری قوم نے مجھے شہر سے نکال دیا ہے۔ شہر کی فضاء مجھ پر تنگ کر دی ہے انہوں نے مجھ پر جور وستم کیا ہے''۔ ''ابن دغنہ نے پوچھا اس کی وجہ کیا ہے؟'' ''قسم بخدا! آپ تو اپنی قوم کی زینت وزیبائش ہو۔ مشکلات میں آپ مدد کرتے ہیں نیکی کے کام بجالاتے ہیں۔ بے روزگار کو روزگار فراہم کرتے ہیں۔ آپ لوٹ جائیں آپ میری پناہ میں ہیں'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ابن دغنہ کے ہمراہ واپس آ گئے۔ مکہ معظمہ پہنچ کر ابن دغنہ نے کہا ''اے گروہِ قریش! میں نے ابن ابی قحافہ کو پناہ دی ہے اب ان کے ساتھ صرف بھلائی کا سلوک کرنا۔ قریش آپ کو تکلیف دینے سے رک گئے''۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے گھر کے دروازہ کے پاس اپنی مسجد بنا رکھی تھی۔ آپ اس میں نماز ادا کرتے تھے۔ آپ ایک نرم دل انسان تھے۔ قرآن پڑھتے ہوئے آپ کی آنکھیں رم جھم برسنے لگتی تھیں۔ بچے، مرد اور عورتیں وہاں کھڑے ہو جاتے اور آپ کی اس حالت کو

کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک پہاڑی پر عہد کیا تھا جسے حبشی کہا جاتا تھا اسی سے ان کا نام ''احابیش'' پڑ گیا۔

ابن دغنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا۔ اِنَّكَ لَتُكْسِبُ الْمَعْدُوْم۔ کہا جاتا ہے۔ كَسَبْتَ الرَّجُلَ مَالًا۔ یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے (اصمعی)۔

تُكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ کا معنی ہے یعنی آپ دوسرے کو وہ مال کما کر دیتے ہیں جن سے وہ محروم ہوتا ہے۔

دغنہ۔ ایک عورت کا نام تھا جس کے نام پر ایک پہاڑ تھا دَغَن اس بادل کو کہتے ہیں جو بارش کے بعد آسمان پر رہتا ہے۔

دیکھتے۔ قریش کے چند آدمی ابن دغنہ کے پاس گئے اور کہنے لگے۔ اے ابن دغنہ! تو نے صدیق اکبر کو پناہ اس لئے دی تھی کہ وہ ہمیں تکلیف دیں۔ وہ جب نماز ادا کرتے ہیں اور قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں تو زار زار روتے ہیں۔ ان کی اس ھیئت کی وجہ سے ہمیں خوف ہے کہ ہمارے بچے، عورتیں اور کمزور لوگ کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ تم انہیں حکم کرو کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو کر نماز ادا کیا کریں۔ ابن دغنہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا ''اے ابن ابی قحافہ! میں نے تجھے پناہ اس لئے نہیں دی تھی کہ تم اپنی قوم کو اذیت دو۔ وہ اس جگہ کو ناپسند کرتے ہیں جہاں تم نماز ادا کرتے ہو۔ انہیں اس سے اذیت ہوتی ہے۔ تم اپنے گھر میں داخل ہو کر جو کچھ چاہو کیا کرو''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں تیری پناہ واپس کرتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کی پناہ پر راضی ہوں''۔ ابن دغنہ نے کہا ''میری پناہ واپس کر دو''۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کی پناہ لوٹا دی۔ ابن دغنہ نے کھڑے ہو کر کہا ''اے گروہِ قریش! ابن ابی قحافہ نے میری پناہ لوٹا دی ہے اب تم اس سے حسب منشا سلوک کر سکتے ہو''۔

ابن اسحاق قاسم بن محمد سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ قریش کے کسی احمق نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اذیت دی اس وقت آپ کعبہ کی طرف جا رہے تھے۔ اس نے آپ کے سر پر مٹی پھینکی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس سے ولید بن مغیرہ یا عاص بن وائل گزرا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''تم نے دیکھا نہیں کہ اس بے وقوف نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے''۔ اس نے کہا ''تم نے اپنی ذات کے ساتھ یہ سلوک خود کیا ہے''۔ اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے۔ ''مولا! تو کتنا حلیم ہے۔ مولا! تو کتنا حلیم ہے۔ مولا! تو کتنا حلیم ہے''۔

صحیفہ کا پارہ پارہ ہونا

بنو ہاشم اور بنو مطلب اسی اذیت ناک جگہ میں اقامت گزیں تھے۔ قریش نے ان کے خلاف ایک عہد نامہ لکھا تھا۔ پھر قریش میں سے چند افراد نے اس عہد نامے کو ختم کرنے کی کوشش

صحیفۂ قریش کا ریزہ ریزہ ہونا

ہشام کے نسب میں ابن اسحاق نے ہشام بن حارث بن حبیب لکھا ہے۔ حاشیہ میں ابو ولید سے روایت ہے کہ یہ ہشام بن عمرو بن ربیعہ بن حارث تھا۔ یونس نے ابن اسحاق سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اس کا باپ عمرو، نضلہ بن ہاشم کا ماں کی جانب سے بھائی تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ منصور بن عکرمہ

کی۔ اس انسانیت سوز معاہدہ کو ختم کرنے میں جو کردار ہشام بن عمرو بن ربیعہ بن حارث بن حبیب بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی نے ادا کیا وہ کسی اور سے ادا نہ ہو سکا وہ نضلہ بن ہشام بن عبد مناف کا، والدہ کی طرف سے بھائی تھا۔ ہشام بنو ہاشم سے اچھے تعلقات رکھتا تھا وہ اپنی قوم میں صاحب شرف انسان تھا۔ جب بنو ہاشم اور بنو مطلب شعب ابی طالب میں محصور تھے تو یہ رات کے وقت کھانے سے بھرا ہوا اونٹ لے کر آتا۔ جب گھاٹی کے دروازے تک پہنچتا تو اس کی نکیل چھوڑ دیتا اور اس کے پہلو پر ضرب لگاتا، وہ اونٹ گھاٹی میں داخل ہو جاتا۔ پھر ایک اونٹ پر کپڑے وغیرہ لے کر آتا اور اسے بھی اسی طرح اندر داخل کر دیتا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں ہشام، زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کے پاس گیا۔ زہیر کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عبدالمطلب تھا۔ ہشام نے کہا "اے زہیر! کیا یہ تجھے پسند ہے کہ تو خود کھانا کھائے، عمدہ لباس زیب تن کرے، عورتوں سے نکاح کرے اور تیرے ماموں اس روح فرسا کیفیت میں ہوں جسے تو جانتا ہے۔ وہ نہ کوئی چیز فروخت کر سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی ان سے کوئی چیز خرید سکتا ہے وہ کسی کو نہ اپنا رشتہ دے سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی ان کی بچی سے شادی و بیاہ کر سکتا ہے۔ میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ اگر ابوحکم بن ہشام کے ماموں وہاں محبوس ہوتے پھر اگر تو اسے اس طرح کے ظالم معاہدہ کی طرف دعوت دیتا تو وہ کبھی بھی لبیک نہ کہتا"۔ زہیر نے کہا "اے ہشام! میں فرد واحد ہوں میں کیا کر سکتا ہوں؟ قسم بخدا! اگر میرے ساتھ ایک اور شخص ہوتا تو میں اس کو ختم کرا کے ہی دم لیتا"۔ ہشام نے کہا "ایک شخص تو تجھے مل گیا ہے"۔ زہیر نے پوچھا وہ کون ہے۔ ہشام نے کہا "میں خود"۔ زہیر نے کہا "ہمت کرو ایک تیسرا شخص بھی تلاش کرو"۔ ہشام، معطم بن عدی کے پاس گیا اور اسے جا کر کہا "اے معطم! کیا یہ بات تمہیں پسند ہے کہ بنی عبد مناف کے دو خاندان بنو ہاشم اور بنو مطلب بھوک سے ایڑیاں رگڑتے رگڑتے ہلاک ہو جائیں اور تم یہ دیکھ بھی رہے ہو پھر بھی تم قریش کی امداد نہ کرو؟ اگر تم قریش کو اس طرح ہلاک کرنے کے درپے ہوتے تو وہ تمہارا

معاہدہ کو لکھنے والا تھا۔ جس کے ہاتھ شل ہو گئے تھے۔ لیکن ماہر نسب اس صحیفہ کے کاتب کے متعلق دو قول لکھتے ہیں۔ ۱۔ بغیض بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار نے یہ معاہدہ لکھا۔ ۲۔ منصور بن عبد شرجیل بن ہاشم اس کا کاتب تھا۔ یہ دو اقوال ابن اسحاق کے قول کے مخالف ہیں۔ علامہ زبیر نے بھی انہی دو قولوں کا تذکرہ کیا ہے۔ زبیر اپنی قوم کے نسب کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

منہ نہ تکتے رہتے بلکہ وہ سب مل کر تم پر ہلہ بول دیتے"۔ مطعم نے کہا "تم سچ کہتے ہو میں تنہا ساری قوم کا مقابلہ کیسے کر سکتا ہوں"۔ ہشام نے "کہا تم اکیلے نہیں ہو۔ ایک دوسرا آدمی بھی تمہارے ساتھ ہوگا"۔ اس نے پوچھا "کون"۔ ہشام نے کہا "میں خود حاضر ہوں"۔ مطعم نے کہا "تیسرا ساتھی بھی تلاش کرو"۔ ہشام نے کہا "میں نے وہ تیسرا ساتھی بھی ڈھونڈ لیا ہے"۔ مطعم نے پوچھا "وہ کون ہے؟" ہشام نے کہا "وہ زہیر ہے"۔ مطعم نے کہا "چوتھا آدمی بھی تلاش کرو اس طرح ہم پوری قوت سے اس مقصد کو حاصل کر سکیں گے"۔ ہشام وہاں سے اٹھ کر ابو البختری بن ہشام کے پاس گیا اور اس کے ساتھ بھی وہی گفتگو کی جو مطعم کے ساتھ کی تھی۔ اس نے پوچھا اس معاملہ میں کوئی اور شخص بھی ہماری مدد کرے گا۔ ہشام نے کہا ہاں! ابو البختری نے پوچھا وہ کون ہے؟ ہشام نے کہا "زہیر مطعم، میں خود تمہارے ساتھ ہوں۔ ہم چار آدمی اس مہم کو سر کرنے کے لئے متفق ہیں"۔ ابو البختری نے کہا "ایک اور ساتھی بھی ہونا چاہئے۔ ہشام وہاں سے سیدھا زمعہ بن اسود کے پاس گیا اور اس کے ساتھ اس موضوع پر گفتگو کی اور اسے بھی قریبی رشتہ داری کا واسطہ دیا جو اس کی بنو ہاشم کے ساتھ تھی اس نے بھی پوچھا کہ اس سلسلہ میں کوئی اور شخص بھی ہمارا ساتھ دے گا۔ ہشام نے اسے ان اشخاص نے نام بتا دیئے۔

زہیر نے کہا اس کام کی ابتداء میں کروں گا۔ صبح ہوئی تو روساء قریش اپنی اپنی مجالس میں جا کر بیٹھ گئے لیکن زہیر کی آج شان ہی نرالی تھی وہ بڑی آن بان سے حرم میں داخل ہوا اس نے آج ایک قیمتی پوشاک پہن رکھی تھی۔ اس نے بیت اللہ کا طواف کیا پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوا اور بلند آواز سے کہا "اے مکہ کے باشندو! ہم تو لذیذ کھانے کھائیں زرق برق لباس پہنیں اور بنو ہاشم ہلاک ہو رہے ہوں۔ وہ خرید بھی نہ سکیں، بیچ بھی نہ سکیں۔ بخدا میں اس وقت تک نہ بیٹھوں گا

شعب ابی طالب میں شرمناک مظالم

صحیح روایت میں ہے کہ شعب ابی طالب کے محصورین درختوں کے پتے کھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ پھر وہ بکری کی طرح مینگنیاں کرتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل تھے۔ آپ فرماتے ہیں ایک دفعہ مجھے سخت بھوک لگی۔ اس رات کو میرا پاؤں کسی ترشئی پر آ گیا میں اسے اٹھا کر نگل گیا۔ میں آج تک نہیں جان سکا کہ وہ کیا چیز تھی۔ یونس کی روایت میں ہے کہ حضرت سعد فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں پیشاب کرنے کے لئے گیا میں نے پیشاب کرنے کی جگہ کسی چیز کی آواز سنی۔ میں نے اٹھا کر دیکھا تو وہ اونٹ کی جلد کا خشک ٹکڑا تھا میں نے اسے اٹھایا، دھویا جلا کر راکھ کیا۔

جب تک اس قطع رحمی کرنے والی ظالمانہ دستاویز کو پرزے پرزے نہ کر دیا جائے''۔ مسجد کے ایک کونے میں ابوجہل بیٹھا ہوا تھا وہ گرج کر بولا ''زہیر! تم جھوٹ کہہ رہے ہو بخدا اس صحیفہ کو ہرگز نہیں پھاڑا جائے گا''۔ زمعہ بن اسود کھڑا ہو گیا اس نے کہا ''ابوجہل! سب سے بڑے جھوٹے تو تم ہو اس تحریر پر ہم راضی ہی نہ تھے''۔ ابوالبختری نے کہا ''زمعہ نے سچ کہا ہے جو کچھ اس دستاویز میں لکھا گیا ہے ہم نہ اس کو پسند کرتے ہیں اور نہ ہی برقرار رہنے دیں گے''۔ مطعم نے کہا ''اے زمعہ! اے ابوالبختری! تم نے سچ کہا ہے جو اس کے علاوہ کہتا ہے وہ جھوٹا ہے جو کچھ اس صحیفہ میں لکھا گیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس سے برأت کا اظہار کرتے ہیں''۔ ہشام بن عمرو نے بھی اس کی تائید کی ابوجہل نے کہا ''یہ سوچی سمجھی سازش ہے اور اس کے بارے میں رات کو فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس جگہ کے علاوہ کسی دوسرے مقام پر یہ فیصلہ ہوا ہے''۔ یہ ساری باتیں ہو رہی تھیں۔ حضرت ابوطالب مسجد کے گوشہ میں بیٹھے سن رہے تھے، مطعم اٹھا تاکہ اس صحیفہ کو ریزہ ریزہ کرے۔ دیکھا تو دیمک نے اللہ عَزَّ اِسْمُہٗ کے نام کے علاوہ جو کچھ اس میں لکھا گیا تھا اس کا صفایا کر دیا ہے۔ اس صحیفہ کا کاتب منصور بن عکرمہ تھا۔ اس کے ہاتھ شل ہو گئے۔ ابن ہشام کہتے ہیں بعض اہل علم لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت ابوطالب سے کہا۔ ''اے عم محترم! میرے

اس میں پانی ملایا اور تین دن تک اسے کھاتا رہا۔ اگر بیرونِ ملک سے کوئی تجارتی کارواں وہاں آتا اور مسلمان ان سے کوئی چیز خریدنے کے لئے وہاں پہنچ جاتے تو ابولہب ان قافلہ والوں کو کہتا ''تم ان کو اتنے مہنگے دام بتاؤ کہ وہ کوئی چیز نہ خرید سکیں اور ساتھ ہی انہیں یہ تسلی بھی دیتا کہ تم یہ فکر مت کرنا کہ اگر تم نے بہت زیادہ قیمت مانگی تو اسے کوئی خریدے گا ہی نہیں اور تمہیں خسارہ ہو گا میں اس خسارے کو پورا کروں گا''۔ شعب ابی طالب کے مکین بھوک سے بلکتے ہوئے اپنے بچوں کو چھوڑ کر سامان خریدنے کے لئے جاتے تو قافلہ والے پانچ، دس گنا زیادہ قیمت طلب کرتے جس کے ادا کرنے کی ان میں سکت نہ ہوتی تھی۔ بے چارے خالی ہاتھ واپس آ جاتے ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہ ہوتی جس سے وہ اپنے روتے ہوئے بچوں کو بہلا سکیں۔ وہ تجار ابولہب کے پاس جاتے اور ان کے طعام اور لباس وغیرہ میں انہیں بہت زیادہ نفع دلاتا۔ مؤمنین اور ان کے ساتھی بھوک اور عریانی سے تنگ آ گئے۔ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے کہا اِقْرَأْ پڑھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِیٍ۔ میں پڑھنے والا نہیں۔ اس وقت انہوں نے آپ ﷺ کو تین دفعہ بھینچا۔ تین دفعہ بھینچنے کو تین شدائد سے تعبیر کیا گیا۔ جن میں سے ایک سختی شعب ابی طالب کی محصوری تھی۔ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

پروردگار نے صحیفۂ قریش پر دیمک کو مسلط فرما دیا ہے۔ اس نے وہاں صرف اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک ہی چھوڑا ہے۔ اس نے وہاں سے ظلم، قطع رحمی اور بہتان کی شقوں کو چاٹ کر دیا ہے''۔ حضرت ابو طالب نے کہا ''کیا آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کو بتایا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں'' حضرت ابو طالب نے فرمایا قسم بخدا! پھر آپ ﷺ پر کوئی غالب نہیں آ سکتا''۔ حضرت ابو طالب قریش کے پاس گئے اور فرمایا ''اے گروہِ قریش! میرے بھتیجے نے تمہارے صحیفہ کے متعلق یہ خبر دی ہے۔ اپنے صحیفہ کو دیکھو۔ اگر میرے بھتیجے کی بات سچ نکلی تو پھر ہماری قطع رحمی سے رک جانا اور اس صحیفہ میں مرقوم ظالم شرائط کو ترک کر دینا۔ اگر میرے بھتیجے کی بات سچ ثابت نہ ہوئی تو میں اپنا بھتیجا تمہارے سپرد کر دوں گا''۔ قوم قریش نے کہا ''ہم آپ کی اس بات پر راضی ہیں''۔ پھر انہوں نے صحیفہ دیکھا۔ وہ بالکل اسی طرح تھا جس طرح سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا تھا لیکن قریش کی عداوت و شرارت میں اضافہ ہی ہوا۔ اس کے بعد قریش کے چند افراد نے اس ظالمانہ دستاویز کو ختم کرنے کی سعی کی۔

حضرت ابو طالب کا قصیدہ

ابن اسحاق کہتے ہیں جب دیمک صحیفہ کو چاٹ کر گئی ہو اور ظالم معاہدہ ختم ہو گیا تو حضرت ابو طالب نے ایک قصیدہ لکھا جس میں ان افراد کی ستائش کی جنہوں نے اس معاہدہ کو ختم کرنے کی تگ و دو کی۔ وہ مشہور قصیدہ یہ ہے۔

أَلَا هَلْ أَتَى بَحْرِيِّنَا صُنْعُ رَبِّنَا عَلَى نَأْيِهِمْ وَاللّٰهُ بِالنَّاسِ أَرْوَدُ

کیا ہمارے سمندر کا سفر طے کرنے والے مہاجروں کو اس دوری کے باوجود ہمارے رب نے جو کیا ہے انہیں معلوم ہو گیا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ حلم و بردباری کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔

بَحْرِيِّنَا

اس سے مراد وہ مہاجرین ہیں جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حضرت ابو طالب نے انہیں بحر (سمندر) کی طرف منسوب اس لئے کیا کیونکہ یہ سمندری راستہ سے حبشہ گئے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا إِذَا نَشَأَتْ بَحْرِيَّةً۔ ابن سیدہ اپنی کتاب ''المحکم'' میں رقم طراز ہیں کہ اہل عرب بحر سے نسبت خلاف قیاس بحرانی بناتے ہیں۔ اور یہ شاذ نسبت ہے ابن سیدہ نے یہ قول سیبویہ اور خلیل کی طرف

فَيُخْبِرُهُمْ اَنَّ الصَّحِيفَةَ مُزِّقَتْ وَاَنَّ كُلَّ مَا لَمْ يَرْضَهُ اللّٰهُ مُفْسِدُ

اوران کو یہ اطلاع ملی ہے کہ اس صحیفہ کو پارہ پارہ کر دیا گیا ہے اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا وہ فناء ہو جاتی ہے۔

تَرَاوَحَهَا اِفْكٌ وَ سِحْرٌ مُجَمَّعٌ وَ لَمْ يُلْفَ سِحْرٌ آخِرَ الدَّهْرِ يَصْعَدُ

منسوب کیا ہے لیکن یہ سیبویہ کا قول نہیں ہوسکتا انہوں نے شاذ نسبتوں میں لکھا ہے جیسا کہ بَهْرَاء سے بَهْرَانِيٌّ۔ صَنْعَاء سے صَنْعَانِيٌّ اسی طرح بَحْرَانِيٌّ ہے لیکن یہ نسبت بحرین ملک کی طرف منسوب ہے۔ تمام علمائے نحو اسی طرح کہتے ہیں اور اسے سیبویہ کے کلام سے تاویل کرتے ہیں اس مسئلہ میں ابن سیدہ پر سیبویہ کا قول متشابہ ہو گیا ہے۔ علماء نے لفظ بحر کی بنیاد بحران کو بنایا ہے۔ کتاب العین میں خلیل لکھتے ہیں، بَحْرَانِيٌّ بحرین کی طرف منسوب ہے انہوں نے اسے بحر کی طرف منسوب نہیں کیا کیونکہ انہیں اس کا علم تھا اور یہ نسبت قیاس کے مطابق ہے۔ یزیدی کی کتاب ''الغریب'' میں ہے۔ ''علماء بحرین کی طرف منسوب کو بحرانی کہتے ہیں اسے بحری نہیں کہتے تاکہ اس کے اور بحر کی طرف منسوب اسم کے مابین فرق ہو سکے۔ ابن سیدہ سے اس کتاب میں کئی لغزشیں ہوئیں جن کی وجہ سے انگلیوں کے پوروں سے خون رواں ہے۔ وہ کئی ایسے مقامات پر پھسلے جو انہیں گمراہوں کے راستہ پر لے گئے۔ انہوں نے اسی کتاب میں بحیرۂ طبریہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ''یہ دجال کے خروج کی علامات سے ہے اس کے ظہور کے وقت اس کا پانی خشک ہو جائے گا''۔ حدیث شریف میں ہے۔ اِنَّمَا جَاءَ فِي غَوْرِ زُغَرَ۔ زغر کے علاوہ میں اس کا تذکرہ ہے۔'' بحیرہ طبریہ کا ذکر یاجوج و ماجوج کی حدیث میں ہے کہ وہ اس سمندر کا پانی پئیں گے۔ ایک دوسری کتاب میں وہ ''جمار'' کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس سے مراد وہ کنکریاں ہیں جو میدانِ عرفہ میں ماری جاتی ہیں۔ یہ کتنی بڑی خطا اور لغزش ہے۔ انہوں نے اسی قسم کے بہت سے تسامح کیے ہیں۔ بحر کی طرف نسبت کے متعلق حضور ﷺ کی ایک حدیث مبارک بھی ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت اسماء بنت عمیس سے کہا ''اَلْبَحْرِيَّةُ الْحَبَشِيَّةُ'' آپ ﷺ نے انہیں اس وقت یہ فرمایا جب وہ حبشہ سے واپس تشریف لائیں۔

اَرْوَدُ کا معنی بہت زیادہ نرم۔ اسی سے رُوَيْدَكَ۔ یعنی تھوڑی سی نرمی اختیار کر۔ روید تصغیر ہے اس کا مکبر نہیں آتا کیونکہ اس کا مصدر ''ارواد'' ہے لیکن اگر اسے باب سے ملایا جائے جس میں ترخیم کر کے تصغیر بنائی جاتی ہے۔ یعنی وہ اسم جس میں زائد حروف ہو تصغیر بناتے وقت اس کے زائد حروف کو حذف کر دیا جائے۔ مثلاً اَسْوَدَ سے سُوَيْدٌ اور اِرْوَاد سے رُوَيْدٌ وغیرہ۔

اس دستاویز کو جھوٹ اور بہتان نے تقویت دی اور قیامت تک جھوٹ کبھی بھی ترقی نہیں کر سکتا۔

تَدَاعَی لَهَا مَنْ لَيْسَ فِيْهَا بِقَرْقَرٍ فَطَائِرُهَا فِي رَأْسِهَا يَتَرَدَّدُ

ہر صاحبِ عزت نے اس معاہدہ کو توڑنے کی دعوت دی اور اس دستاویز کا پرندہ اس کے سر میں پھڑ پھڑا رہا تھا۔

وَ كَانَتْ كِفَاءً رَقْعَةٌ بِأَثِيْمَةٍ لِيُقْطَعَ مِنْهَا سَاعِدٌ وَّ مُقَلَّدُ

یہ معاہدہ اتنا بڑا گناہ تھا کہ اگر کے عوض ہاتھ یا گردن کاٹ دی جاتی پھر بھی ظلم نہ تھا۔

وَ يَظْعَنُ اَهْلُ الْمَكَّتَيْنِ فَيَهْرُبُوا فَرَائِصُهُمْ مِنْ خَشْيَةِ الشَّرِّ تُرْعَدُ

وادیٔ مکہ کے لوگ عازم سفر ہو گئے وہ اس حالت میں بھاگے کہ ان کے اعضاء شر کے خوف سے کانپ رہے تھے۔

وَ يُتْرَكُ حَرَّاثٌ يُقَلِّبُ اَمْرَهُ اَيُتْهِمُ فِيْهِمْ عِنْدَ ذَاكَ وَ يُنْجِدُ

کسان کو چھوڑ دیا جاتا ہے اس کا معاملہ الٹ پلٹ ہو جاتا ہے خواہ وہ تھامہ میں جائے یا نجد کا قصد کرے۔

تَصْعَدُ بَيْنَ الْاَخْشَبَيْنِ كَتِيْبَةٌ لَهَا حُدُجٌ سَهْمٌ وَ قَوْسٌ وَ مِرْهَدُ

اخشبین کے درمیان ایسا لشکر آ جائے گا جس کے پاس بہت سے پھل، تیر، کمان اور برچھے یا

مَنْ لَيْسَ فِيْهَا بِقَرْقَرٍ

وہ افراد ذلیل نہیں ہیں۔ قرقر اس زمین کو کہتے ہیں جو اپنے چلنے والے کو روکتی نہیں ہے۔ اس سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایسے شخص نہیں ہیں جن پر ہنسا جائے۔ قرقر ہنسنے کو بھی کہتے ہیں۔ طَائِرُهَا...... یعنی اس کی بدبختی اور شر کا حصہ۔ ارشاد ربانی ہے "اَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِيْ عُنُقِه۔"

لَهَا حُدُجٌ سَهْمٌ وَ قَوْسٌ وَ مِرْهَدُ

شیخ کی کتاب کے حاشیہ میں لَعَلَّهُ حُدُجٌ ہے۔ حُدُجٌ حِدْجٌ کی جمع ہے۔ انہوں نے بطورِ دلیل ثعلب کا یہ مصرعہ پڑھا، قُمْنَا فَاٰنَسْنَا الحُمُوْلَ وَالْحُدُجَ یہ سَتْرٌ اور سُتُرٌ کی مانند ہے۔ ابن سیدہ نے اسے "محکم" میں لکھا ہے اس کا معنی یہ ہو گا کہ وہاں کجاوے کی جگہ تیر، کمان اور تلوار ہو گی۔ امام سہیلی فرماتے ہیں کہ "عین" میں ہے حَدَجٌ جھاڑی کے کانٹے کو کہتے ہیں۔ شعر میں یہ لفظ اسی معنی

تلواریں ہوں گی۔

فَمَنْ يَنْشَ مِنْ حُضَّارِ مَكَّةَ عِزُّهُ فَعِزَّتُنَا فِي بَطْنِ مَكَّةَ أَتْلَدُ

اگر کسی کی عزت مکہ میں اقامت گزین ہونے کی وجہ سے نشو ونما پاتی ہے تو پھر وادی مکہ میں ہماری عزت بہت قدیم ہے۔

نَشَأْنَا بِهَا وَالنَّاسُ فِيهَا قَلَائِلُ فَلَمْ نَنْفَكِكْ نَزْدَادُ خَيْرًا وَ نُحْمَدُ

ہم نے اس مبارک شہر میں اس وقت نشو ونما پائی جب لوگ بہت قلیل تھے۔ ہم میں خیر و بھلائی کے اعتبار سے اضافہ ہوتا رہا اور ہر جگہ ہماری تعریف ہوتی رہی۔

وَ نُطْعِمُ حَتّٰى يَتْرُكَ النَّاسُ فَضْلَهُمْ إِذَا جَعَلَتْ أَيْدِي الْمُفِيضِينَ تَرْعَدُ

ہم لوگوں کو کھانا کھلاتے رہتے ہیں حتیٰ کہ لوگ اپنی برائی کو ترک کر دیتے ہیں۔ جب فال گیروں کے ہاتھ کانپنے لگتے ہیں۔

میں مستعار استعمال ہوا ہے یعنی لَهَا حَسَكٌ اس کے لئے کانٹے ہوں گے اور اس سے مراد تیر، کمان اور تلواریں ہیں مِرْهِد یہ اصل میں اسی طرح ہے ممکن ہے کہ یہ مَرْهَد سے مقلوب ہو یہ رَهَدَ الثَّوبَ سے مشتق ہے اس کا معنی کپڑے کو پھاڑنا ہے، اس کا معنی نیزہ یا تلوار ہے، ممکن ہے کہ یہ مقلوب نہ ہو۔ یہ رَهِيد سے مشتق ہے اس کا معنی نرم و نازک ہے یعنی وہ اپنے مالک کو ظفر و کامیابی سے ہمکنار کر کے نرم کرتا ہے یا وہ خود خون سے سیراب ہو کر نرم ہو جاتا ہے۔ بعض نسخوں میں مَرْهَدٌ مرقوم ہے اس کا معنی ہے زندگی میں زہد اختیار کرنا اور آخرت کا حریص ہونا إِذَا جَعَلَتْ أَيْدِي الْمُفِيضِينَ تُرْعَدُ۔ جوئے کے تیر پھینکنے والوں کے ہاتھ کانپنے لگتے ہیں۔ اونٹ ذبح کرنے میں سخی شخص کے علاوہ اور کوئی ان کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ جوان کا ساتھ نہ دے سکے اسے "البَرَم" کہتے ہیں ایک عورت کا خاوند بخیل تھا وہ اسے کہتی ہے وَدَأْتَهُ يَقْرُنَ بِضَعْقَنِ فِي الْأَكُلِ أَبْرَمًا قَرُونًا۔ ایسے بخیل کو حصور بھی کہتے ہیں حضرت ابو طالب کی مراد یہ ہے جب لوگ بخل کرتے ہیں تو یہ لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ مَيسُر اس اونٹ کو کہتے ہیں جسے ذبح کر کے تقسیم کیا جاتا ہے علامہ قتبی نے یہی تشریح کی ہے اور بطور دلیل یہ شعر پڑھا ہے۔

أَقُولُ لَهُمْ بِالشِّعْبِ إِذْ يَيْسِرُونَنِي أَلَمْ تَيْأَسُوا أَنِّي ابْنُ فَارِسِ زَهْدَمِ

جب وہ گھاٹی میں میرا مال تقسیم کر رہے تھے تو میں نے ان سے کہا کیا وہ مایوس نہیں ہوئے بلاشبہ میں تیز رفتار سوار کا لخت جگر ہوں۔

جَزَى اللّٰهُ رَهْطًا بِالحَجُوْنِ تَبَايَعُوْا عَلٰى مَلَاءٍ يَهْدِيْ لِحَزْمٍ وَ يُرْشِدُ

اللہ تعالیٰ اس گروہ کو جزاء دے جو مقام حجون پر تھا جنہوں نے اس گروہ کی مدد کا عہد کیا جو احتیاط کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں اور ہدایت دیتے ہیں۔

قُعُوْدًا لَدَى خَطْمِ الحَجُوْنِ كَاَنَّهُمْ مَقَاوِلَةٌ بَلْ هُمْ اَعَزُّ وَ اَمْجَدُ

وہ حجون کی چوٹی کے پاس ایسے بیٹھے تھے گویا کہ وہ سردار تھے بلکہ وہ سرداروں سے بھی محترم و معزز تھے۔

اَعَانَ عَلَيْهَا كُلُّ صَقْرٍ كَاَنَّهُ اِذَا مَا مَشَى فِي رَفْرَفِ الدِّرْعِ اَحْرَدُ

اس ظالمانہ معاہدہ کے خلاف مدد کرنے والا ہر شخص شاہین کی مانند تھا جب وہ خود سے بندھی ہوئی ذرہ کے ساتھ چلتا تو آہستہ چلتا۔

جَرِئٌ عَلٰى جُلَى الْخُطُوْبِ كَاَنَّهُ شِهَابٌ بِكَفَّيْ قَابِسٍ يَتَوَقَّدُ

وہ بڑے بڑے کارناموں پر جرأت سے پیش قدمی کرنے والا ہے گویا کہ وہ آگ لینے والے شخص کے دونوں ہاتھوں میں شعلہ بار انگارہ ہے۔

مِنَ الْاَكْرَمِيْنَ مِنْ لُؤَيِ بْنِ غَالِبٍ اِذَا سِيْمَ خَسْفًا وَجْهُهُ يَتَرَبَّدُ

وہ لوی بن غالب کے معززین میں سے ہے جب اس سے ذلت آمیز سلوک کیا جاتا ہے تو اس کا چہرہ متغیر ہو جاتا ہے۔

طَوِيْلُ النِّجَادِ خَارِجٌ نِصْفُ سَاقِهِ عَلٰى وَجْهِهِ يُسْقَى الْغَمَامُ وَ يُسْعَدُ

وہ دراز قد ہے۔ جو آدھی پنڈلی کو باہر رکھتا ہے اس کے چہرہ کے طفیل بادل برستا ہے اور سعادت حاصل کی جاتی ہے۔

عَظِيْمُ الرَّمَادِ سَيِّدٌ وَابْنُ سَيِّدٍ يَحُضُّ عَلٰى مَقْرَى الضُّيُوْفِ وَيَحْشُدُ

وہ بڑا فیاض، سردار اور سردار کا نورِ نظر ہے جو مہمانوں کی ضیافت پر ابھارتا ہے اور جمع کرتا

رَفْرَفِ الدِّرْعِ اَحْرَدُ

رَفْرَفِ الدِّرْعِ سے مراد ذرہ کے کنارے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رَفْرَفٍ خُضْرٍ سے مراد قالینوں اور بستروں کے پردے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد تکیے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد جنت کے باغات ہیں۔ اَحْرَد اس شخص کو کہتے ہیں جن کی چال بوجھل ہو۔ یہ حَرْد سے مشتق ہے ایسی چال

ہے۔

وَ يَبْنِي لِاَبْنَاءِ العَشِيْرَةِ صَالِحًا اِذَا نَحْنُ طُفْنَا فِي الْبِلَادِ وَ يَمْهَدُ

وہ خاندان کے فرزندوں کے لئے اچھی عادات کی بنیاد ڈالتا ہے جب ہم شہروں میں محو سفر ہوتے ہیں تو وہ ان کے لئے فرش بچھاتا ہے۔

أَلَظَّ بِهٰذَا الصُّلْحِ كُلُّ مُبَرَّإٍ عَظِيْمِ اللِّوَاءِ اَمْرُهٗ ثُمَّ يُحْمَدُ

اس صلح میں مدد کرنے والا شخص ہر عیب سے پاک، عظیم جھنڈے والا اور قابل ستائش ہے۔

قَضَوْا مَا قَضَوْا فِي لَيْلِهِمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا عَلٰى مَهَلٍ وَ سَائِرُ النَّاسِ رُقَّدُ

انہوں نے اس شب جو فیصلہ کرنا تھا کر دیا پھر صبح کے وقت منزل پر پہنچ گئے جبکہ تمام لوگ محو نیند تھے۔

هُمْ رَجَعُوْا سَهْلَ بْنَ بَيْضَاءَ رَاضِيًا وَ سُرَّ اَبُوْبَكْرٍ وَ مُحَمَّدُ

انہوں نے سہل بن بیضاء کو راضی واپس کر دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور محمد مصطفیٰ ﷺ اس سے مسرور ہو گئے۔

مَتٰى شُرِّكَ الْاَقْوَامُ فِي جُلِّ اَمْرِنَا وَ كُنَّا قَدِيْمًا قَبْلَهَا نَتَوَدَّدُ

یہ لوگ ہمارے عظیم الشان کاموں میں کب شرکت کرتے ہیں حالانکہ ہم اس سے پہلے کافی عرصہ سے باہمی محبت کرتے تھے۔

وَ كُنَّا قَدِيْمًا لَا نُقِرُّ ظُلَامَةً وَ نُدْرِكُ مَا شِئْنَا وَ لَا نَتَشَدَّدُ

ہماری پرانی عادت یہ ہے کہ ہم ظلم کو برقرار نہیں رہنے دیتے۔ ہم جسے چاہتے ہیں اسے حاصل کر لیتے ہیں اور ہم ظلم بھی نہیں کرتے۔

فَيَا لَقُصَيٍّ هَلْ لَكُمْ فِي نُفُوْسِكُمْ وَ هَلْ لَكُمْ فِيْمَا يَجِيْءُ بِهٖ غَدُ

اے بنو قصی! کیا تم نے کبھی اپنے متعلق سوچا ہے اور کبھی سوچا ہے کہ مستقبل میں تمہارے

انسان میں عیب ہوتی ہے وَهُمْ رَجَعُوْا...... سہل سے مراد ابن وھب بن ربیعہ بن ھلال بن ضبہ بن حارث بن فہر ہے۔ بیضاء اس کی ماں تھی اس کا نام وعد بنت جحدم بن امیہ بن ضرب بن حارث بن فہر تھا۔ یہ تین بھائی تھے۔ سہل، سہیل اور صفوان۔

اسود۔ یہ ایک پہاڑ کا نام ہے۔ اس پر ایک شخص قتل ہو گیا۔ جس کے قاتل کا پتہ نہ چل سکا اس وقت مقتول کے ورثاء نے یہ کہا اَدْيكَ الْبَيَانُ لَوْ تَكَلَّمْتَ اَسْوَدُ۔ اسی سے یہ ضرب المثل بن گیا۔

ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

فَاِنِّیْ وَ اِیَّاکُمْ کَمَا قَالَ قَائِلٌ لَدَیْكَ الْبَیَانُ لَوْ تَکَلَّمْتَ اَسْوَدُ

میری اور تمہاری حیثیت اس طرح سے ہے جس طرح کسی نے کہا ہے اے اسود! اگر تو بول سکتا ہے تو پھر حقیقت کا علم تجھے ہی ہے۔

حضرت حسان بن ثابت کا مرثیہ

جب مطعم بن عدی کا انتقال ہو گیا تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ان کا مرثیہ لکھا جس میں صحیفہ کو چاک چاک کرنے میں ان کی خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔

اَیَاعَیْنُ فَابْکِی سَیِّدَ الْقَوْمِ وَاَسْفَحِی بِدَمْعٍ وَاِنْ اَنْزَفْتِہٖ فَاسْکُبِی الدَّمَا

اے آنکھ! قوم کے سردار پر گریہ بار ہو اور آنسوؤں کی خوب سخاوت کر اور اگر تیرے آنسو ختم ہو چکے تو پھر خون بہا۔

وَبَکِّی عَظِیْمَ الْمَعْشَرَیْنِ کِلَیْھِمَا عَلَی النَّاسِ مَعْرُوْفًا لَہٗ مَا تَکَلَّمَا

دونوں قبیلوں کے سردار پر آہ وزاری کر۔ اس وقت تک اس کے احسانات لوگوں پر ہیں جب تک وہ کلام کرتے رہیں گے۔

فَلَوْ کَانَ مَجْدٌ یُخْلِدُ الدَّھْرَ وَاحِدًا مِنَ النَّاسِ اَبْقَی مَجْدُہُ الْیَوْمَ مُطْعِمَا

اگر کسی کو بزرگی مداومت عطا کر سکتی تو آج مطعم کو اس کی عظمت ضرور بقاء عطا کر دیتی۔

اَجَرْتَ رَسُوْلَ اللهِ مِنْھُمْ فَاَصْبَحُوْا عَبِیْدَكَ مَا لَبَّی مُھِلٌّ وَاَحْرَمَا

تم نے حضور ﷺ کو پناہ دی۔ جب تک کوئی حاجی لبیک کہتا رہے گا یا کوئی احرام باندھتا

حضرت حسان بن ثابت کا مرثیہ

انہوں نے اپنے قصیدہ میں مطعم بن عدی کا ذکر کیا ہے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جب سرورِ دو عالم ﷺ طائف سے واپس آئے تو اس وقت آپ ﷺ کو پناہ انہوں نے ہی دی تھی اور ظالم صحیفہ کو پارہ پارہ کرنے میں بھی ان کا کردار بڑا عیاں ہے۔

فَلَوْ کَانَ مَجْدٌ اس شعر میں فاعل کو مقدم کیا گیا ہے وہ مفعول کی ضمیر کی طرف مضاف ہے۔ علمائے نحو کے نزدیک یہ ضرورت بڑی قبیح ہے۔ یہ شعر اس مصرعہ کی مانند ہے جَزٰی رَبُّہٗ عَنِّیْ عَدِیَّ بْنَ حَاتِمٍ۔ عدی بن حاتم کا رب اسے میری طرف سے عمدہ جزاء دے لیکن اس شعر میں مطعم کا ذکر پہلے

رہے گا وہ سب تمہارے احسان کے بندے رہیں گے۔

فَلَوْ سُئِلَتْ عَنْهُ مَعَدٌّ بِأَسْرِهَا وَ قَحْطَانُ أَوْ بَاقِي بَقِيَّةِ جُرْهُمَا

اگر بنو معد، قحطان اور جرہم کے بقیہ افراد سے مطعم کے متعلق پوچھا جائے۔

لَقَالُوا هُوَ الْمُوفِي بِخُفْرَةِ جَارِهِ وَ ذِمَّتِهِ يَوْمًا إِذَا مَا تَذَمَّمَا

تو وہ سب کہیں گے کہ وہ اپنے پناہ گزین سے وفا کرنے والا اور اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہے جب کہ وہ عہد کرے۔

فَمَا تَطْلَعُ الشَّمْسُ الْمُنِيرَةُ فَوْقَهُمْ عَلَى مِثْلِهِ فِيهِمْ أَعَزَّ وَأَعْظَمَا

درخشاں سورج ان میں سے کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو مطعم سے زیادہ معزز اور عظیم ہو۔

وَآبَى إِذَا يَأْبَى وَ أَعْظَمَ شِيمَةً وَأَنْوَمَ عَنْ جَارٍ إِذَا اللَّيْلُ أَظْلَمَا

جب وہ انکار کرتا تو سب سے زیادہ انکار کرنے والا، بہترین عادات کا مالک، ظلمت بھری رات میں وہ اپنے پناہ گزین سے مطمئن ہو کر سونے والا تھا۔

ابن ہشام کہتے ہیں جب تاجدارِ عرب و عجم ﷺ طائف سے واپس تشریف لائے۔ اہل طائف نے آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک نہ کہا، انہوں نے آپ ﷺ کی نصرت و تائید سے انکار کر دیا۔ آپ ﷺ حراء کی طرف تشریف لے گئے۔ پہلے اخنس بن شریف کی طرف پیام بھیجا کہ وہ آپ ﷺ کو پناہ دے۔ اس نے کہا "میں حلیف ہوں اور حلیف پناہ نہیں دیتا"۔ آپ ﷺ نے سہیل بن عمرو کی طرف پیغام بھیجا۔ اس نے کہا "بنو عامر بنو کعب کے خلاف کسی کو پناہ نہیں دیتے"۔ آپ ﷺ نے مطعم بن عدی کی طرف پیغام بھیجا۔ انہوں نے آپ ﷺ کی صدا پر لبیک کہا۔ حضرت مطعم اور ان کے اہل خانہ ہتھیار سجا کر مسجد میں آئے پھر

ہونے کی وجہ سے اس میں کچھ شبہ سا آجاتا ہے گویا کہ انہوں نے اس طرح کہا ہے أَبْقَى مَجْدُ هٰذَا الْمَذْكُورِ الْمُتَقَدِّمِ ذِكْرُهُ مُطْعِمًا۔ انہوں نے ظاہر کو مضمر کی جگہ رکھا ہے مثلاً اگر اس طرح کہا جائے إِنَّ زَيْدًا ضَرَبَتْ جَارِيَتُهُ زَيْدًا۔ یعنی لونڈی نے زید کو مارا اس طرح کہنے میں کوئی حرج نہیں بالخصوص جبکہ ممدوح کی تعظیم و تفخیم کا قصد ہو۔ جس طرح شاعر کہتا ہے۔

وَ مَالِي أَنْ أَكُونَ أَعِيبُ يَحْيَى وَ يَحْيَى طَاهِرُ الْأَثْوَابِ بَرٌّ

میں یحییٰ پر عیب کیوں لگاؤں وہ یحییٰ جو پاکیزہ کپڑوں والا اور پاکباز ہے۔

حضور ﷺ کو پیام دیا کہ تشریف لائیں حضور ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ بیت اللہ کا طواف کیا۔ نماز ادا کی، پھر اپنے کاشانۂ اقدس میں تشریف لائے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت حسان رضی اللہ عنہ ہشام بن عمرو کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

هَلْ يُوفِيَنَّ بَنُو أُمَيَّةَ ذِمَّةً　　عَقْدًا كَمَا أَوْفَى جِوَارُ هِشَامِ

مِنْ مَعْشَرٍ لَا يَغْدِرُونَ بِجَارِهِمْ　　لِلْحَارِثِ بْنِ حُبَيِّبِ بْنِ سُخَامِ

وَ إِذَا بَنُو حِسْلٍ أَجَارُوا ذِمَّةً　　أَوْفَوْا وَأَدَّوْا جَارَهُمْ بِسَلَامِ

" کیا بنو امیہ اپنے عہد اور ذمہ کو اسی طرح پورا کریں گے جس طرح ہشام کے ہمسایہ نے ذمہ داری پوری کی۔ ان کا تعلق بنو حارث بن حبیب بن سخام سے ہے جو اپنے پڑوسیوں سے دھوکا نہیں کرتے۔ جب بنو حسل کسی کو پناہ دیتے ہیں تو وہ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اپنے پناہ گزین کو سلامت حوالے کرتے ہیں"۔ ہشام، سخام کا بھائی تھا۔ ابن ہشام کہتے ہیں سخام کو شخام بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت طفیل بن عمرو دوسی کا قبول اسلام

ابن اسحاق کہتے ہیں جب حضور ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ سے کس طرح سنگدلانہ سلوک کر رہی تھی۔ آپ ﷺ ان کے لئے مجسمۂ خلوص تھے انہیں کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر فوز و فلاح کی طرف دعوت دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ہر طرح حفاظت فرمائی۔ ہر شخص جو مکہ معظمہ میں آتا قریش اسے حضور ﷺ سے ڈراتے۔ حضرت طفیل بن عمرو خود بیان فرماتے ہیں۔ " وہ مکہ معظمہ میں آئے۔ اس وقت حضور ﷺ مکہ معظمہ میں جلوہ افروز تھے۔ قریش کے چند افراد ان کے پاس گئے۔ طفیل ایک

میرے نزدیک یہ وَبَكِّي عَظِيمَ الْمَشْعَرَيْنِ سے بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یہ اَبْقَى مَجْدُهٗ سے مفعول ہوگا۔ اصل عبارت یوں ہوگی اَبْقَاهُ مَجْدُهٗ اَبَدًا۔ مفعول کے حذف میں کوئی قباحت نہیں ہے جبکہ کلام اس پر دلالت کر رہا ہو۔

ہشام بن عمرو کے نسب میں حارث بن حبیب بن سخام کا ذکر کیا ہے اس کا نسب پہلے گذر چکا ہے یہ حبیب ہے جو حب کی تصغیر ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اسے حُبَيِّب کی تصغیر بنایا ہے اسی لئے اسے مشدد ذکر کیا ہے۔ باب الضرورۃ سے اس کا تعلق نہیں ہے ورنہ فُلَيِّس میں

شریف، دانا، شاعر اور عقلمند انسان تھے۔ قریش مکہ نے ان سے کہا "اے طفیل! آپ ہمارے شہر میں آئے ہیں۔ یہ شخص جو ہمارے سامنے ہیں یہ ہم سے علیحدگی اختیار کر چکے ہیں۔ انہوں نے ہماری جمعیت کو منتشر کر دیا ہے۔ ہمارے معاملات کی شیرازہ بندی کو اکھیڑ کر رکھ دیا ہے ان کی گفتگو جادو کی طرح ہے جو انسان اور اس کے باپ، انسان اور اس کے بھائی اور انسان اور اس کی بیوی میں جدائی ڈال دیتی ہے۔ ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں آپ اور آپ کی قوم بھی انہیں مسائل کا شکار نہ ہو جائیں۔ آپ نہ تو ان سے کوئی گفتگو کریں اور نہ ہی ان سے کوئی بات کریں۔" حضرت طفیل فرماتے ہیں"۔ وہ مجھے اسی طرح قائل کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے عزم کر لیا کہ میں نہ تو نبی اکرم ﷺ سے کوئی بات کروں گا اور نہ ہی ان سے کوئی بات سنوں گا۔ حتیٰ کہ جب میں مسجد جاتا تو میں اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیتا تاکہ ان کی کوئی بات میرے کان تک نہ پہنچنے پائے۔ ایک دفعہ میں مسجد گیا حضور نبی محترم ﷺ نماز ادا فرما رہے تھے۔ میں آپ ﷺ کے قریب گیا اللہ تعالیٰ نے ان کے کلام کو مجھے سنا دیا۔ وہ عمدہ کلام تھا میں نے دل میں کہا میری ماں کی اولاد مرے! میں ایک دانشمند شاعر ہوں۔ مجھ پر حسن و قبح مخفی نہیں رہ سکتا تو پھر اس شخص کا کلام کیوں نہ سنوں اگر ان کا کلام اچھا ہوا تو میں اسے قبول کر لوں گا۔ قبیح ہوا تو ترک کر دوں گا۔ میں وہیں ٹھہر ا رہا۔ حتیٰ کہ حضور ﷺ اپنے کاشانہ اقدس کی طرف تشریف لے آئے میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ جب آپ ﷺ اپنے گھر میں داخل ہونے لگے تو میں نے آپ ﷺ کو جا لیا۔ میں نے کہا "اے محمد (مصطفیٰ فداہ روحی وابی وامی) صلی اللہ علیک وسلم! آپ ﷺ کی قوم نے مجھے یوں یوں کہا ہے۔ قسم بخدا! وہ مجھے آپ ﷺ کے معاملہ سے اس قدر ڈراتے رہے کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تاکہ آپ ﷺ کی بات میرے کانوں تک نہ جا سکے۔ پھر اللہ کی توفیق سے میں نے آپ ﷺ کا کلام سن لیا ہے۔ وہ ایک احسن کلام ہے۔ مجھے اپنے دین متین کے متعلق بتائیں۔" حضرت طفیل فرماتے ہیں۔ "مجھ پر آپ نے اسلام پیش کیا۔ قرآن پاک کی تلاوت فرمائی۔ اللہ کی قسم! اس قدر حسین کلام میں نے آج تک نہیں سنا تھا۔ نہ ہی

فُلَیس اور کُلَیب میں کُلَیب کہنا جائز نہ ہوتا۔ نہ شعر میں نہ نثر میں۔ جب حِبّ اور حَبِیب کا معنی ایک ہے تو یہ ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہو سکتے ہیں۔ اشعار میں ان کا استعمال مستحسن ہے۔ ہشام بن عمرو کو اسلام قبول کرنے کی سعادت ملی تھی۔ ان کا شمار مؤلف القلوب میں ہوتا ہے۔ یہ چالیس مرد تھے۔

اتنے معتدل معاملہ کی سماعت کی تھی۔ میں دولت اسلام سے مالا مال ہو گیا۔ میں نے حق کی شہادت دے دی۔ میں نے عرض کی ''اے اللہ کے نبی ﷺ! میں اپنی قوم میں صاحبِ حیثیت شخص ہوں، میری قوم فخر سے میری اطاعت بجالاتی ہے۔ میں ان کی طرف جا رہا ہوں انہیں اسلام کی دعوت دوں گا۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ میرے لئے کوئی ایسی علامت بنا دے جو وہاں میری معاون و مددگار ہو۔ آپ ﷺ نے یوں دعا کی۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لَہٗ آیَۃً۔ ''مولا اس کے لئے کوئی نشانی بنا دے۔'' حضرت طفیل فرماتے ہیں ''میں اپنی قوم کی طرف گیا۔ جب میں ''ثنیہ'' پہنچا جس سے میں اپنی بستی کو دیکھ سکتا تھا تو میری آنکھوں کے مابین ایک نور چراغ کی طرح ضوفشاں ہو گیا۔ میں نے عرض کی مولا! یہ نور کسی اور جگہ عیاں فرما دے مجھے خدشہ ہے کہ میری قوم اسے مثلہ نہ کہہ دے جو ان کے دین کو ترک کرنے کی وجہ سے میرے چہرے پر رونما ہو گیا ہو وہ نور وہاں سے منتقل ہو کر میرے عصا میں آ گیا۔ اہل بستی وہ نور ایک معلق چراغ کی مانند دیکھ رہے تھے۔ میں ثنیہ سے ان کی طرف جا رہا تھا۔ بالآخر میں ان کے پاس پہنچ گیا۔''

حضرت طفیل کے والد ماجد اور زوجہ محترمہ کا اسلام

حضرت طفیل فرماتے ہیں'' جب میں بستی میں گیا تو میرے والد محترم میرے پاس آئے۔ وہ بہت بوڑھے تھے۔ میں نے ان سے کہا'' اے میرے ابا جان! آج سے ہماری راہیں جدا ہیں نہ تو میرا آپ سے تعلق ہے اور نہ ہی آپ کا مجھ سے کوئی ناتا ہے''۔ والد محترم نے فرمایا'' اے میرے نورِ نظر! کیوں؟'' میں نے کہا'' میں اسلام قبول کر چکا ہوں محمد عربی ﷺ کے دین حنیف کی پیروی کر چکا ہوں''۔ انہوں نے کہا'' میرے لختِ جگر! تمہارا دین ہی میرا دین ہے''میں نے ان سے کہا۔ آپ تشریف لے جائیں۔ غسل فرمائیں پاکیزہ کپڑے زیب تن کریں پھر میرے پاس

ابن سخام

سخام ان کی ماں کا نام تھا اکثر اہل نسب اسے شخام کہتے ہیں۔ شیخ کی کتاب کے حاشیہ میں ہے کہ ابو عبیدہ اور دیگر اہل نسب اس کو سحام کہتے ہیں لیکن اس نام سخام ہے۔ شخام شَخِمَ الطَّعَامُ سے مشتق ہے۔ اس کا معنی کھانے کا خراب ہونا ہے۔ حضرت طفیل کا نسب یہ ہے طفیل بن عمرو طریف بن عاصی بن ثعلبہ بن سلیم بن جہم بن دوس......

تشریف لائیں پھر میں آپ کو وہ تعلیم دوں گا جو میں نے حاصل کی ہے"۔ وہ چلے گئے، غسل کیا، صاف کپڑے پہنے پھر تشریف لائے، میں نے انہیں اسلام پیش کیا وہ اسلام لے آئے۔" پھر میری بیوی میرے پاس آئی۔ میں نے اس سے کہا "میرا تیرا تعلق ختم۔ نہ میں تجھ سے کوئی تعلق رکھتا ہوں اور نہ ہی تیرا مجھ سے کوئی واسطہ ہے"۔ اس نے کہا "میرے ماں باپ آپ پر فدا! وجہ کیا ہے؟" میں نے کہا "اسلام نے میرے اور تیرے مابین تفریق ڈال دی ہے۔ میں نے دین محمدی ﷺ کی پیروی کر لی ہے" اس نے کہا "آپ کا دین ہی میرا دین ہے۔" میں نے کہا پھر "حِنَاذِی الشَّریٰ" کی طرف جا اور وہاں غسل کر کے آ۔ ابن ہشام کہتے ہیں "اس جگہ کا نام حِمَی ذِی الشَّریٰ تھا۔ ذوشریٰ قبیلہ دوس کا بت تھا۔ حمی جگہ کا نام تھا جسے اہل دوس نے اپنے بت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ وہاں پانی کی ایک آبشار بھی تھی جو پہاڑ سے نیچے گرتی تھی"۔ میری بیوی نے مجھ سے کہا "میرے والدین آپ پر نثار! بچوں کو ذی شَریٰ کی طرف سے کوئی گزند پہنچنے کا خطرہ تو نہیں"۔ میں نے کہا "میں اس کا ضامن ہوں"۔ میری بیوی وہاں گئی۔ غسل کیا پھر واپس آئی۔ میں نے اس پر اسلام پیش کیا وہ بھی دامن اسلام سے وابستہ ہوگئی۔

پھر میں نے قبیلہ دوس کو اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے کسی گرمجوشی کا مظاہرہ نہ کیا میں مکہ معظمہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ قبیلہ دوس پر بدکاری غالب آ گئی ہے۔ آپ ﷺ ان کے لئے دعا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے بارگاہِ صمدیت میں عرض کی اَللّٰھُمَّ اِھْدِ دَوْسًا۔ مولا! قبیلہ دوس کو ہدایت کی توفیق ارزانی فرما۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اپنی قوم کے پاس جاؤ اور اسے دعوت دو اور اس کے ساتھ نرمی اختیار کرو۔" حضرت طفیل فرماتے ہیں۔ "میں سرزمین دوس میں اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دیتا رہا حتیٰ کہ حضور ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ رونق افروز ہو گئے۔ غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ خندق بھی گزر گئے پھر میں اپنی قوم میں سے مسلمانوں کے ہمراہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گیا۔ اس

حِنَاذِی الشَّریٰ

ابن ہشام اسے حِمَی کہتے ہیں یہ وہ جگہ تھی جسے اہل دوس نے اپنے قبیلے کے لئے وقف کر رکھا تھا اگر ابن اسحاق کی روایت درست ہے تو پھر نون کو میم میں تبدیل کیا گیا ہے۔ جس طرح خلان اور حلام کہا جاتا ہے ممکن ہے یہ حَنَوْتَ العُوْدَ سے مشتق ہو یا مَحْنِیَۃُ الوَادِی سے مشتق ہو۔

وقت نبی محترم ﷺ خیبر میں تشریف فرما تھے۔قبیلہ دوس کے ستر یا اسی گھرانے مدینہ طیبہ میں آئے تھے پھر وہ مقام خیبر میں حضور ﷺ کے ساتھ مل گئے۔حضور ﷺ نے دیگر مسلمانوں کے ساتھ ہمیں بھی خیبر کے مالِ غنیمت میں شامل کیا۔

میں حضور ﷺ کے ساتھ ہی رہا۔حتیٰ کہ مکہ معظمہ فتح ہو گیا۔میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے ذوالکفین ،عمرو بن حممہ کے بت کی طرف بھیجیں تا کہ میں اسے جلا دوں"۔ابن اسحاق کہتے ہیں۔حضرت طفیل رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے اور اسے نذرِ آتش کرتے ہوئے یہ اشعار گنگنا رہے تھے۔

يَا ذَالْكَفَّيْنِ لَسْتُ مِنْ عُبَّادِكَا مِيْلَادُنَا اَقْدَمُ مِنْ مِيْلَادِكَ

اِنِّی حَشَوْتُ النَّارَ فِی فُؤَادِكَ

اے ذوالکفین! میں تیرے پجاریوں میں سے نہیں ہوں۔ہماری پیدائش تیری پیدائش سے پرانی ہے۔میں نے تیرے دل میں آگ جھونک دی ہے۔

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے۔پھر نبی اکرم ﷺ کے وصال

ذوالکفین

ابن اسحاق نے الکفین کو مشدد ذکر کیا ہے اسے ضرورت کے لئے مخفف بھی پڑھا گیا ہے۔شیخ کے نسخہ میں ہے کہ اس بت کو ذوالکفین کہا جاتا تھا اس میں فاء مخفف ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ان کے نزدیک شعر کے علاوہ مخفف ہے اگر یہ درست ہے تو پھر اس کا لام کلمہ مخذوف ہے گویا کہ یہ کَفٌ کا تثنیہ ہے یہ کُفَاتُ الْاِنَاءِ سے مشتق ہے یا کہ کَفٌ بمعنی کَفْءٌ ہے پھر ہمزہ کو تسہیل کر کے اس کی حرکت فاء کلمہ کو دی ہے۔جس طرح الخَبْءُ اور الخَبُ ہے۔اس روایت میں تو ہے کہ اہل دوس نے ثنیہ سے حضرت طفیل کے عصا کو ایک معلق قندیل کی طرح دیکھا لیکن مبرد نے ذکر کیا ہے کہ دوس کے لوگ پہاڑی کی طرف دیکھنے لگے وہ ضیاء اور نور کی شدت کی وجہ سے آوازیں نکال رہی تھی۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی یا رسول اللہ ﷺ دوس پر زنا اور سود نے غلبہ پالیا ہے۔آپ ﷺ ان کے لئے بددعا فرمائیں۔ہم نے کہا اب دوس ہلاک ہو گئے لیکن حضور ﷺ یوں لب کشا ہوئے۔

اَللّٰهُمَّ اِهْدِ دَوْسًا مولا! قبیلہ دوس کو ہدایت عطا فرما۔

تک مدینہ طیبہ میں ہی مقیم رہے۔ جب فتنۂ ارتداد نے سر اٹھایا تو آپ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ساتھ اس فتنہ کی جڑ اکھیڑنے کے لئے گئے۔ جب طلیحہ اور نجد کے تمام علاقے سے فارغ ہو گئے تو مسلمان یمامہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔ اس سفر میں حضرت طفیل کے ساتھ ان کا لختِ جگر عمرو بھی تھا۔ یمامہ کے راستہ میں انہوں نے ایک خواب دیکھا انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا، میں نے ایک خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر بتاؤ۔ خواب میں میں نے دیکھا ہے کہ میرا سر مونڈھا گیا ہے۔ میرے منہ سے ایک پرندہ نکلا ہے۔ پھر ایک عورت نے مجھ سے ملاقات کی ہے اس نے مجھے اپنی شرمگاہ میں داخل کر لیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ میرا بیٹا بڑی شدت سے میری جستجو کر رہا ہے لیکن میں نے دیکھا کہ اسے مجھ تک پہنچنے سے روک دیا گیا ہے"۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا" آپ کا خواب تو اچھا ہے"۔ آپ نے فرمایا" میں نے اس کی ایک تعبیر کی ہے"۔ صحابہ نے پوچھا کیا تعبیر ہے؟ آپ نے فرمایا" سر منڈھنے سے مراد اس کا سر کٹنا ہے، میرے منہ سے نکلنے والا پرندہ میری روح ہے، وہ عورت جس نے مجھے اپنی شرمگاہ میں داخل کیا وہ زمین کا گڑھا ہے جس میں، میں غائب ہو جاؤں گا۔ میرے بیٹے کا میری جستجو کرنا پھرنا کام رہنا اس کی تعبیر یہ ہے کہ اسے بھی انہی آفتوں کا سامنا کرنا پڑے گا جن سے میں دوچار ہوا۔" حضرت طفیل رضی اللہ عنہ مقام یمامہ پر شہادت سے سرخرو ہوئے۔ ان کا نورِ نظر شدید زخمی ہوا۔ پھر وہ صحت یاب ہو گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد زریں میں یرموک کے سال شہید ہو گیا۔

اعشٰی بن قیس بن ثعلبہ کی عبرت ناک داستان

ابن ہشام کہتے ہیں کہ مجھے خلاد بن قرہ بن خالد سدوسی نے بیان کیا ہے کہ اعشٰی بن قیس بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل بن قاسط بن ھنب بن افصی بن دعمی بن جدیلہ

اعشٰی

ابن ہشام نے اعشٰی کی عبرت ناک حکایت کو تفصیل سے رقم کیا ہے۔ الاعشٰی نے کہا أَمَّا الْخَمْرُ فَفِي النَّاسِ مِنْهَا عُلَالَاتٌ۔ بے شک یہ چیز بڑی مشکل ہے نفس اس پر شاید قادر نہ ہو۔ ابن ہشام کے علاوہ ایک اور سیرت نگار نے لکھا ہے کہ اعشٰی سے یہ بات ابوجہل نے کہی تھی اس نے یہ گفتگو عتبہ بن ربیعہ کے گھر کی تھی۔ اعشٰی اسی کا مہمان بنا تھا۔ حضرت امام سہیلی فرماتے ہیں ابن ہشام سے یہ تسامح ہوا ہے اور یہ نقطۂ نظر بھی درست نہیں ہے علماء کا اتفاق ہے کہ شراب کی حرمت والی آیت مدینہ طیبہ میں

بن اسد بن ربیعہ بن نزار بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے کے لئے عازم سفر ہوا تا کہ اسلام لے آئے۔ اس نے حضور ﷺ کے لئے یہ نعت لکھی۔

أَلَمْ تَغْتَمِضْ عَيْنَاكَ لَيْلَةَ أَرْمَدَا وَبِتَّ كَمَا بَاتَ السَّلِيمُ مُسَهَّدَا

کیا تیری آنکھ اس طرح نہیں سوئی جس طرح اس رات آنکھ بند نہیں ہوتی جس رات وہ آشوب زدہ ہواور تو نے اس طرح رات بسر کی ہے جس طرح سانپ کا ڈسا ہوا رات گزارتا ہے۔

وَ مَا ذَاكَ مِنْ عِشْقِ النِّسَاءِ وَ إِنَّمَا تَنَاسَيْتَ قَبْلَ الْيَوْمِ خُلَّةَ مَهْدَدَا

تیری یہ کیفیت عورتوں کی محبت کی وجہ سے نہیں ہوئی تو تو عرصہ سے مھدد کی محبت کو بھول چکا

غزوۂ بدر اور غزوۂ احد کے بعد نازل ہوئی۔ اس کی حرمت سورۃ المائدہ میں ہوئی۔ صحیحین میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے جب انہوں نے شراب پی لی اور لونڈی نے کہا أَلَا يَا حَمْزُ لِلشُّرُفِ النِّوَاءِ۔ اے حمزہ! فخر موٹی موٹی اونٹنیوں کو ذبح کرنے میں ہے۔ یہ سن کر انہوں نے موٹی موٹی اونٹنیوں کے پیٹ چیر دے اور ان کی کوہانوں سے بھی دور رہے۔

اگر اعشٰی کی یہ بات درست ہے تو یہ واقعہ مدینہ طیبہ میں ظہور پذیر ہوا ہوگا۔ اور اسے یہ کہنے والا۔ "کیا تجھے معلوم نہیں کہ وہ شراب کو حرام قرار دیتے ہیں۔" کوئی منافق یا یہودی ہوگا۔ قصیدہ کا یہ مصرعہ فَإِنَّ لَهَا فِي أَهْلِ يَثْرِبَ مَوْعِدَا۔ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ ابو عبیدہ سے یہ روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ قیس کے شہروں میں اعشٰی عامر بن طفیل سے ملا۔ اس وقت اعشٰی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے کے لئے آ رہا تھا۔ عامر نے اس کو بتایا کہ وہ نبی ﷺ شراب کو حرام قرار دیتے ہیں۔ یہ سن کر اعشٰی واپس آ گیا۔ یہ روایت زیادہ درست معلوم ہوتی ہے۔ اعشٰی کی یہ بات" میں اس سال شراب سے سیراب ہو جاؤں پھر واپس آ کر اسلام قبول کرلوں گا۔" بالا جماع اسے کفر سے خارج نہیں کرتی اسفرائینی اپنے "عقیدہ" میں لکھتے ہیں۔ "جب مؤمن یہ کہے کہ میں کل یا پرسوں کفر کروں گا تو وہ اسی وقت کافر ہو جائے گا۔ جب کافر کہے میں کل یا پرسوں اسلام لے آؤں گا تو وہ اپنے کفر پر ہی رہے گا۔ وہ جب ایمان لائے گا تو اپنے ایمان کے ساتھ کفر سے نکلے گا۔ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں"۔

لَيْلَةَ أَرْمَدَا۔

"لَيْلَةَ" ظرف کی وجہ سے منصوب نہیں کیونکہ یہ ترکیب معنی کو فاسد کر دیتی ہے بلکہ یہ مصدر کے متعلق ہے جسے حذف کر دیا گیا ہے یہ إِغْتِمَاضَ لَيْلَةِ أَرْمَدَ کے معنی میں ہے لَيْلَةَ کے مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ اسے اس کے قائم مقام رکھا گیا۔ اس کا اعراب اس کے اعراب کی مانند ہو گیا۔ اس شعر میں لَيْلَكَ

ہے۔

وَ لٰکِنْ اَرٰی الدَّھْرَ الَّذِی ھُوَ خَائِنٌ　　اِذَا اَصْلَحَتْ کَفَّایَ عَادَ فَاَفْسَدَا

لیکن میں اس زمانہ کو دیکھتا ہوں جو خائن ہے کہ جب میرے ہاتھ کسی مسئلہ کو سلجھاتے ہیں تو یہ آکر انہیں بگاڑ دیتا ہے۔

کُھُوْلًا وَ شُبَّانًا فَقَدْتُ وَ ثَرْوَۃً　　فَلِلّٰہِ ھٰذَا الدَّھْرُ کَیْفَ تَرَدَّدَا

کتنے ہی بوڑھوں، جوانوں اور دولتمندوں کو میں نے گم کیا ہے خدا ہی جانے یہ زمانہ کیسے لوٹ کر بار بار آتا ہے۔

وَ مَا زِلْتُ اَبْغِی الْمَالَ مُذْ اَنَا یَافِعًا　　وَلِیْدًا وَ کَھْلًا حِیْنَ شِبْتُ وَاَمْرَدَا

اپنی عمر کے ہر حصہ، بچپن، لڑکپن، جوانی اور بڑھاپے میں، میں ہمیشہ مال ہی کا متلاشی رہا۔

وَاَبْتَذِلُ الْعِیْسَ الْمَرَاقِیْلَ تَعْتَلِی　　مَسَافَۃَ مَا بَیْنَ النُّجَیْرِ فَصَرْخَدَا

اب میں سرخی مائل اونٹوں کو سفر پر مجبور کر رہا ہوں جو نجیر اور صرخد کے مابین مسافت کو پامال

بھی روایت کیا گیا ہے۔ اس کا معنی "غَمِضُ اَرْمَدَ" ہے۔ بعض علمائے نحو کہتے ہیں اس روایت میں اَرْمَدَ "لَیْل" کی صفت ہے یعنی اس کا مجازاً حال ہے جس طرح کہا جاتا ہے لَیْلُکَ سَاھِرٌ۔

مَھْدَدْ

یہ مَھْدَ سے فَعْلَلَ کے وزن پر ہے۔ اگر ہمارے پاس یہ دلیل نہ ہوتی کہ اس کی میم اصلیہ ہے تو ہم یہ کہہ دیتے کہ یہ مفعل کے وزن پر ہے کیونکہ رباعی کلمہ کے اول میں جب میم یا ہمزہ ہو تو اسے زائد سمجھا جاتا ہے مگر جب اس کے اصلیہ ہونے پر کوئی دلیل قائم ہو جائے۔ ان کلمہ کی اصلیت کی دلیل "دال" کی تضعیف کا ظہور ہے۔ اگر میم زائدہ ہوتی تو پھر تضعیف کا اظہار نہ ہوتا پھر اس میں مَھَدٌ کہا جاتا جس طرح مَرَدٌّ، مَکَرٌّ اور مَفَرٌّ۔ مَھْدَدَ میں دال کو ڈبل کیا گیا ہے تا کہ یہ جُعْفُر کی بناء کے ساتھ ملحق ہو جائے۔ خِنَافًا لَیِّنًا۔ "اَلْعَیْن" میں ہے خَنَفَتِ النَّاقَۃُ اونٹنی نے چستی کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو موڑا، زاجر کہتا ہے۔

اِنَّ الشِّوَاءَ وَالنَّسِیْلَ وَالرُّغُفَ　　وَالْقَیْنَۃَ الْحَسْنَاءَ وَالْکَاسَ الْاُنُفَ

لِلطَّاعِنِیْنَ الْخَیْلَ، وَالْخَیْلُ خُنُفٌ

بھونا ہوا گوشت، ضرر سے پاک گوشت، چپاتیاں، گانے والی حسینہ، ایسا پیالہ جس سے کسی نے نہ پیا ہو۔ عازم سفر ہونے والے مسافر کے لئے گھوڑے اور گھوڑے بھی چست و چالاک۔

کر رہے ہیں۔

اَلَا اَیُّھٰذَا السَّائِلِی اَیْنَ یَمَّمَتْ　　فَاِنَّ لَھَا فِی اَھْلِ یَثْرِبَ مَوْعِدًا

اے یہ سوال کرنے والے کہ ان اونٹوں کی منزل کہاں ہے۔ اہل یثرب میں ان کے پہنچنے کا وعدہ ہے۔

فَاِنْ تَسْأَلِی عَنِّی فَیَارُبَّ سَائِلٍ　　حَفِیٍّ عَنِ الْاَعْشٰی بِہٖ حَیْثُ اَصْعَدَ

اگر تو میرے متعلق پوچھ رہی ہے تو پھر عجیب نہیں کیونکہ کتنے ہی لوگ اعشی کے متعلق اصرار سے پوچھتے ہیں وہ جہاں بھی جائے۔

اَجَدَّتْ بِرِجْلَیْھَا النَّجَاءَ وَرَاجَعَتْ　　یَدَاھَا خِنَافًا لَیِّنًا غَیْرَ اَحْرَدَا

اس اونٹنی نے اپنی ٹانگوں سے تیز رفتاری کی پوری کوشش کی حتیٰ کہ اس کے اگلے پاؤں نرم ہو کر مڑ مڑ کر لگنے لگے لیکن پھر بھی وہ لنگڑاتی نہیں۔

وَ فِیْھَا اِذَا مَا ھَجَّرَتْ عَجْرَفِیَّةٌ　　اِذَا خِلْتَ حِرْبَاءَ الظَّھِیْرَةِ اَصْیَدَا

دوپہر کے وقت اس اونٹنی کی چال میں بے نیازی ہوتی ہے اس وقت جب تو گرگٹ کو گردن اکڑاتے ہوئے دیکھتا ہے۔

وَآلَیْتُ لَا آوِیْ لَھَا مِنْ کَلَالَةٍ　　وَ لَا مِنْ حَفًی حَتّٰی تَلَاقِیَ مُحَمَّدًا

میں نے قسم کھائی ہے کہ میں اونٹنی پر تھکاوٹ کی وجہ سے یا اس کے پاؤں گھس جانے کی وجہ سے اس پر رحم نہیں کروں گا حتیٰ کہ میں محمد مصطفیٰ ﷺ سے ملاقات کرلوں۔

لَیِّنًا غَیْرَ اَحْرَدَ

اس کی یہ مستانہ چال بغیر کسی ٹیڑھے پن کے ہے۔ نجیر اور صرخد دو شہروں کے نام ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں اہل نجیر نے اہل دبا کے بعد بغاوت کی۔ اہل دبا کا محاصرہ حضرت حذیفہ بن اسد نے کیا جبکہ اہل نجیر کا محاصرہ حضرت زیاد بن لبید نے کیا، حتیٰ کہ انہوں نے بغاوت ختم کردی۔ صرخد کے انگور بڑے عمدہ ہوتے ہیں۔ صرخد یہ انگور اسی شہر کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ اَلْاَمَالِی میں ہے "وَلَذٍّ کَطَعْمِ الصَّرْخَدِیِّ تَرَکْتُہٗ" صرخدی کھانے کی مانند لذیذ کھانا میں نے ترک کردیا ہے۔ وَلَا یہ وَجَی کی مانند ہے یعنی میں اس کے لئے نرم رویہ اختیار نہیں کروں گا کہا جاتا ہے۔ آوَیْتَ لِلضَّعِیْفِ اِیَۃً وَ مَاوِیَۃً۔ تو نے کمزور کو پناہ دی۔ اَغَارَ لَعَمْرِی فِی الْبَلَادِ وَاَنْجَدَا۔ لغت میں غَارَ اور اَنْجَدَ معروف ہے یہ مصرعہ اس طرح بھی پڑھا گیا ہے۔

مَتٰی مَا تُنَاخِی عِنْدَ بَابِ بْنِ هَاشِمٍ تُرَاحِی وَ تَلْقَی مِنْ فَوَاضِلِهٖ نَدَی

جب تو ابن ہاشم کے دروازے پر بیٹھے گی تو تجھے سکون ملے گا اور تو ان کی سخاوت کا فیض حاصل کر سکے گی۔

نَبِیًّا یَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ وَ ذِکْرُہٗ اَغَارَ لَعَمْرِی فِی الْبِلَادِ وَاَنْجَدَا

وہ ایسے نبی ﷺ ہیں جو ان اشیاء کا مشاہدہ فرماتے ہیں جنہیں تم نہیں دیکھ سکتے مجھے اپنی زندگانی کی قسم! ان کا ذکر شہروں اور ٹیلوں میں پھیل چکا ہے۔

لَہٗ صَدَقَاتٌ مَا تَغِبُّ وَ نَائِلٌ وَ لَیْسَ عَطَاءُ الْیَوْمِ مَانِعَہٗ غَدًا

ان کے انعامات اور صدقات مسلسل ہیں۔ آج کی سخاوت انہیں کل کی عطا سے منع نہیں کرتی۔

اَجِدَّكَ لَمْ تَسْمَعْ وَصَاةَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الْاِلٰهِ حَیْثُ اَوْصٰی وَاَشْهَدَا

کیا تیری جد و جہد نے محمد مصطفیٰ ﷺ کی وصیت کو نہیں سنا۔ وہ جس طرح وصیت کریں یا

لَعَمْرِی فِی الْبِلَادِ وَالْاَنْجَدَا۔ لغت میں غَارَ اور اَنْجَدَ معروف ہے۔ یہ مصرعہ اس طرح بھی پڑھا گیا ہے۔ لَعَمْرِی غَارَ فِی الْبِلَادِ وَاَنْجَدَ۔ زمین کے نشیبی حصہ کو غور اور بالائی حصہ کو نجد کہا جاتا ہے۔ اہل عرب غور میں قیاس کو ترک کرتے ہیں یہ اَفْعَلَ کے وزن پر بہت کم آتا ہے قیاس تو یہ تھا کہ یہ انجد اور اَتْهَمَ کی طرح ہوتا کیونکہ جو غور نشیبی علاقے کا قصد کرتا ہے وہ نیچے اترتا ہے۔ یہ غَارَ الْمَاءُ سے مشتق ہے۔ اگر تیرا مقصد یہ ہو کہ تو یہ مفہوم ادا کرے کہ میں نے نشیبی علاقہ پر جھانکا تو تو "اَغَارَ" کہہ سکتا ہے اس وقت یہ قیاس سے خارج نہ ہوگا۔

لَیْسَ عَطَاءُ الْیَوْمِ

یعنی آج کی عطا انہیں کل کی سخاوت سے منع نہیں کرتی حاء کی ضمیر ممدوح کی طرف راجع ہوگی اگر یہ ضمیر عطاء کی طرف راجع ہوتی تو پھر عبارت یوں ہوتی۔ لَیْسَ عَطَاءُ الْیَوْمِ مَانِعَہٗ هُوَ اس صورت میں فاعل کی ضمیر کا اظہار ہوگا کیونکہ صفت جب مَنْ کے علاوہ کسی اور پر جاری ہو تو پھر مستتر ضمیر کا اظہار ضروری ہوتا ہے لیکن فعل میں اس طرح نہیں ہوتا۔ اس میں ایک راز ہے جو ہم کسی اور جگہ بیان کریں گے۔ عطاء کو منصوب پڑھنا بھی جائز ہے اس وقت اس سے پہلے ایک فعل محذوف ہوگا اس کا تعلق اشتغال سے ہوگا۔ اس فعل میں مضمر ضمیر حضور ﷺ کی طرف راجع ہوگی۔

شہادت دیں وہ اللہ کے نبی ہیں۔

اِذَا اَنْتَ لَمْ تَرْحَلْ بِزَادٍ مِنَ التُّقٰی وَ لَا قَیْتَ بَعْدَ الْمَوْتِ مَنْ قَدْ تَزَوَّدَا

جب تو تقویٰ کے زاد راہ سے سفر نہ کرے اور موت کے بعد ان لوگوں سے نہ ملے جنہوں نے تقویٰ کا سامان لیا۔

نَدِمْتَ عَلٰی اَنْ لَا تَكُوْنَ كَمِثْلِهٖ فَتَرْصِدُ لِلْاَمْرِ الَّذِیْ كَانَ اَرْصَدَا

تو نادم ہوگا کہ تو اس تقویٰ شعار شخص کی مانند نہ ہو سکا تو اس امر کا منتظر ہوگا جو پہلے تیرا منتظر تھا۔

فَاِیَّاكَ وَالْمَیْتَاتِ لَا تَقْرَبَنَّهَا وَ لَا تَاْخُذَنْ سَهْمًا حَدِیْدًا لِتُفْصِدَا

مردار کھانے سے بچ ان کے قریب نہ جا اور خون بہانے کے لئے لوہے کے تیر نہ چلا۔

وَ لَا النُّصُبَ الْمَنْصُوْبَ لَا تَنْسُكَنَّهٗ وَ لَا تَعْبُدِ الْاَوْثَانَ وَاللّٰهُ فَاعْبُدَا

نہ ہی نصب شدہ بتوں کے لئے قربانیاں کر، نہ بتوں کی پوجا کر، اللہ تعالیٰ کی عبادت کر۔

وَ لَا تَقْرَبَنْ حُرَّةً كَانَ سِرُّهَا عَلَیْكَ حَرَامًا فَانْكِحَنْ اَوْ تَاَبَّدَا

کسی عورت کے قریب تک نہ جا۔ اس کی شرم گاہ تجھ پر حرام ہے یا تو نکاح کر لے یا عورتوں

وَاللّٰهُ فَاعْبُدَا

فَاعْبُدَا میں نون خفیفہ پر وقف ہے اسی طرح فَانْكِحَنْ اور تَاَبَّدَا پر بھی ہے یہ اسی طرح ''الف'' میں بھی لکھی جاتی ہے کیونکہ اس میں الف پر وقف ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے نون خفیفہ مراد نہیں بلکہ تثنیہ سے مراد واحد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کلام عرب میں یہ معروف ہے مثلاً

فَاِنْ تَزْجُرَانِیْ یَابْنَ عَفَّانَ اَزْدَجِرْ وَاِنْ تَدَعَانِیْ اَحْمِ عِرْضًا مُمَنَّعًا

اے ابن عفان! اگر تو مجھے ڈانٹتا ہے تو خوب ڈانٹ لے۔ اگر تم مجھے پکارو گے تو میں محفوظ عزت کی حفاظت کروں گا۔

دوسرا شاعر کہتا ہے۔

وَ قُلْتُ لِصَاحِبِیْ لَا تَحْبِسَانَا بِنَزْعِ اُصُوْلِهَا وَاجْتَثَّ شِیْحًا

اور میں نے اپنے ساتھی سے کہا اس کے اصول ختم کر کے ہمیں قیدی نہ بنا اور اس طرح ایک چالاک مرد ختم ہو جائے گا۔ ان دونوں اشعار کے آخر میں نون خفیفہ کو محذوف ماننا درست نہیں کیونکہ ان

سے کنارہ کش ہو جا۔

وَ ذَا الرَّحِمِ الْقُرْبٰى فَلَا تَقْطَعَنَّهٗ لِعَاقِبَةٍ وَ لَا الْاَسِيْرَ الْمُقَيَّدَا

کسی قریبی رشتہ دار سے قطع تعلقی نہ کر اور نہ کسی قیدی کے ساتھ برا سلوک کر۔

وَ سَبِّحْ عَلٰى حِيْنِ الْعَشِيَّاتِ وَالضُّحٰى وَ لَا تَحْمَدِ الشَّيْطَانَ وَاللّٰهُ فَاحْمَدَا

صبح و مسا اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کر۔ شیطان کی تعریف نہ کر اللہ تعالیٰ کی حمد کر۔

وَ لَا تَسْخَرَ مِنْ بَائِسٍ ذِیْ ضَرَارَةٍ وَ لَا تَحْسَبَنَّ الْمَالَ لِلْمَرْءِ مُخْلِدَا

کسی افلاس زدہ غریب کا مذاق نہ اڑا اور نہ یہ گمان کر کہ مال کسی شخص کو ابدیت عطا کرتا ہے۔

اعشیٰ کا انجام

اعشیٰ جب مکہ معظمہ پہنچا یا اس کے قریب ہی تھا تو اسے قریش کے چند مشرکین ملے۔ انہوں نے اس کی آمد کا مقصد پوچھا۔ اعشیٰ نے کہا ''وہ حضور ﷺ کی زیارت کا خواہاں ہے تا کہ ان سے ملاقات کر کے اسلام قبول کر سکے''۔ مشرکین نے کہا ''اے ابو البصیر! وہ تو زنا کو حرام قرار

میں الف صرف وقف کی وجہ سے پڑھا جا رہا ہے۔ کبھی کبھی اس فعل کے ساتھ ضمیر بھی متصل ہوتی ہے۔ اس طرح ضمیر کو چھوڑ کر فعل پر وقف کرنا درست نہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حجاج نے کہا یَا حَرَسِیَّ اِضْرِبَا عُنُقَهٗ۔ اے میرے چوکیدار! اس کی گردن اڑا دے۔ اسے وقف پر محمول کرنا بھی ممکن ہے اور ممکن ہے اصل عبارت یوں ہو۔ اِضْرِبْ اَنْتَ وَ صَاحِبُكَ۔ ''تو اور تیرا ساتھی مارے'' اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد۔ اَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ میں خطاب صرف مالک کو ہوگا۔ دوسرے قول کے مطابق ضمیر سائق اور شہید کی طرف راجع ہے۔ ابن ہشام نے اس شعر کو روایت نہیں کیا۔ اعشیٰ اپنی اونٹنی کی تعریف میں کہتا ہے۔

فَاَمَّا اِذَا مَا اَدْلَجَتْ فَتَرٰى لَهَا رَقِيْبَيْنِ نَجْمًا لَا يَغِيْبُ وَ فَرْقَدَا

جب وہ رات کے وقت عازم سفر ہوتی ہے تو تو اس کے دو رقیب دیکھتا ہے ایک وہ ستارہ جو غائب نہیں ہوتا دوسرا ستارہ فرقد ہے۔

اَغَارَ لَعَمْرِی...... کے بعد ایک شعر یہ بھی ہے۔

بِهٖ اَنْقَذَ اللّٰهُ الْاَنَامَ مِنَ الْعَمٰى وَ مَا كَانَ فِيْهِمْ مَنْ يَرِيْعُ اِلٰى هُدًى

آپ کے ذریعہ سے ہی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو گمراہی سے بچایا ان میں سے ایک آدمی بھی ایسا نہ تھا جو ہدایت کی طرف آتا۔

دیتے ہیں۔ اعشی نے کہا ''اب مجھے اس امر کی کوئی ضرورت نہیں ہے''۔ انہوں نے کہا ''اے ابو البصیر! وہ شراب کو حرام کرتے ہیں''۔ اعشی نے کہا ''اَمَّا هٰذِهٖ فَوَاللّٰهِ اِنَّ فِي النَّفْسِ مِنْهَا لَعُلَلًا لَاتٍ۔ بے شک یہ چیز بڑی مشکل ہے اس پر شاید نفس قادر نہ ہو۔ میں واپس جاؤں گا اور اس سال جی بھر کر شراب پیوں گا پھر آ کر اسلام قبول کرلوں گا''۔ وہ واپس چلا گیا اسی سال مر گیا موت نے دوبارہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے کی مہلت نہ دی۔

ابوجہل کی ذلت

ابن اسحاق کہتے ہیں ابوجہل اللہ تعالیٰ کا بھی دشمن تھا۔ حضور ﷺ سے بھی عداوت رکھتا تھا۔ وہ آپ ﷺ سے بغض وعناد رکھتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے ہر موقعہ پر ذلیل ورسوا کیا۔

ابوجہل اور اراشی

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھ سے عبدالملک بن عبداللہ بن ابی سفیان ثقفی نے بیان کیا ہے۔ وہ ایک ثقہ شخص تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اراش کا ایک شخص اپنے اونٹ فروخت کرنے کے لئے مکہ معظمہ آیا۔ ابن ہشام نے اسے ''اراشہ'' کہا ہے۔ ابوجہل نے اس سے اونٹ خرید لئے لیکن ان کی قیمت ادا کرنے سے ٹال مٹول کرنے لگے۔ وہ اراشی آیا اور قریش کی محافل کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ اس وقت حضور ﷺ مسجد کے ایک کونے میں جلوہ افروز تھے۔ اراشی نے کہا ''اے گروہِ قریش! کون شخص مجھے ابوجہل سے رقم واپس دلوائے گا۔ میں ایک اجنبی اور مسافر شخص ہوں۔ اس نے مجھے میرے حق سے محروم کر دیا ہے؟'' اہل مجلس نے از راہِ مذاق کہا وہ شخص جو مسجد کے کونے میں بیٹھے ہیں وہ تجھے تیرا حق دلوائیں گے۔ وہ اس عداوت کو جانتے تھے جو حضور ﷺ اور ابوجہل کے مابین تھی۔

وہ اراشی جب حضور ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا ''اے عبداللہ! ابوجہل نے میرا حق

الاراشی

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس کا تعلق اراش سے تھا۔ اس سے مراد ابن غوث یا ابن عمرو بن غوث بن نبت بن مالک بن زید بن کھلان بن سباء ہے یہی انمار کا باپ تھا جس سے بحیلہ اور خثعم پیدا ہوئے۔ ''اراشہ'' جس کا ذکر ابن ہشام نے کیا ہے وہ خثعم کی ایک وادی کا نام ہے۔ فرعونِ مصر کے نسب میں عمالیق میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

غصب کرلیا ہے۔ میں پردیسی اور اجنبی ہوں۔ میں نے اس قوم سے پوچھا ہے کہ میرا حق کون دلوائے گا۔ انہوں نے آپ کی طرف ہی اشارہ کیا ہے۔ اللہ آپ پر رحم فرمائے مجھے میرا حق دلوائیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا'' آؤ ابوجہل کے پاس چلتے ہیں''۔ حضور ﷺ کھڑے ہو گئے، آپ ﷺ کے ساتھ وہ اراشی بھی کھڑا ہو گیا۔ قریش مکہ کے پاس ایک شخص تھا قریش نے اس سے کہا ان کے پیچھے جاؤ اور دیکھو ابوجہل ان کے ساتھ کیا کرتا ہے۔

حضور ﷺ نے ابوجہل کے گھر کے پاس پہنچ کر اس کے دروازے پر دستک دی۔ اس نے پوچھا کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا محمد! (فداہ روحی) ﷺ باہر آؤ۔ ابوجہل باہر آیا۔ اس کے چہرے کی شادابی ختم تھی اس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس مسافر کا حق ادا کر۔ اس نے کہا'' ضرور! آپ ﷺ تشریف رکھیں حتیٰ کہ میں اس کا حق ادا کر دوں''۔ ابوجہل اندر گیا رقم لے آیا اور اس غریب الوطن کو دی۔ پھر نبی دوجہاں ﷺ واپس تشریف لے آئے آپ ﷺ نے اراشی سے فرمایا'' اب تو تجھے تیرا حق مل چکا ہے''۔ اراشی قریش کی محافل کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ جَزَاهُ اللّٰهُ خَيْرًا فَقَدْ وَاللّٰهِ اَخَذَلِي حَقِّي۔ اللہ انہیں بہترین جزا دے انہوں نے مجھے میرا حق دلوا دیا ہے۔ اتنے میں وہ شخص بھی آ گیا جسے قریش نے بھیجا تھا۔ قریش نے پوچھا

مَنْ رَجُلٌ يُؤَدِّينِي عَلٰى اَبِي الْحَكَمْ

وہ کون شخص ہے جو ابوحکم سے حق دلانے میں میری اعانت کرے گا۔ یُؤدّی، اس'' اداۃ'' سے مشتق ہے جس سے انسان اپنے مقصد کو پا لیتا ہے مثلاً جنگ کے آلات اور مزدور کے آلات وغیرہ۔ حاکم بھی خصم کو اس کے مقصد تک پہنچاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہمزہ، عین کا بدل ہے یُعَدِّی اور یُؤدّی کا معنی ایک ہی ہے یعنی وہ ظلم دور کرتا ہے جس طرح حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ شَكَوْنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ حَرَّ الرَّمْضَاءِ فَلَمْ يُشْكِنَا۔ ہم نے حضور ﷺ سے گرمی کی شدت کی شکایت کی لیکن آپ ﷺ نے ہمارے شکوہ کو دور نہ فرمایا۔

مَا فِي وَجْهِهٖ رَائِحَةٌ

یعنی اس کے چہرے پر رونق نہ تھی۔ اس کا چہرہ روح سے خالی تھی۔ اسی لئے یہ فاعلۃ کے وزن پر آیا ہے اور اس واقعہ کے آخر میں قریش کے فرستادہ کا یہ قول بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ وَمَا عِنْدَهٗ رُوْحُهٗ۔ گویا کہ اس کا جسم بے روح ہو گیا تھا۔

تیرے لئے بربادی ہو! تو نے کیا دیکھا؟۔اس نے کہا ''میں نے تعجب انگیز منظر دیکھا ہے قسم بخدا! یونہی محمد عربی ﷺ نے ابوجہل کے دروازے پر دستک دی تو وہ فوراً باہر آ گیا اس کے چہرے کا رنگ متغیر تھا، آپ ﷺ نے فرمایا اس پردیسی کا حق اسے دے دے۔ ابوجہل نے کہا ضرور! آپ ﷺ تشریف رکھیں حتیٰ کہ میں اس کی رقم لے آؤں۔ وہ اندر گیا اور رقم لا کر اس پردیسی کے حوالے کر دی''۔ کچھ دیر بعد ابوجہل بھی آ گیا۔قریش نے کہا ''تیرے لئے ہلاکت ہو تجھے کیا ہو گیا تھا قسم بخدا! پہلے تو تو نے اس طرح کبھی نہیں کیا تھا''۔ اس نے کہا ''جونہی محمد (ﷺ) نے میرے دروازے پر دستک دی اور میں نے آپ ﷺ کی آواز سنی تو میں مرعوب ہو گیا جب میں باہر آیا تو میں نے آپ ﷺ کے سر پر ایک نر اونٹ دیکھا میں نے اس جیسا جسیم اور قد وقامت والا اونٹ پہلے نہیں دیکھا تھا اس کے جبڑے بھی بڑے عجیب تھے بخدا! اگر میں انکار کرتا تو وہ اونٹ مجھے کھا جاتا''۔

رکانہ اور اس کی کشتی

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ سے ابواسحاق بن یسار سے روایت کیا ہے کہ رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن عبدالمطلب بن عبد مناف قریش کا پہلوان تھا۔ ایک دفعہ وہ مکہ معظمہ کی ایک گھاٹی میں حضور ﷺ سے ملا۔ حضور ﷺ نے اس سے فرمایا ''اے رکانہ! کیا تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اور میری دعوت کو قبول نہیں کرتا''۔ رکانہ نے کہا ''اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ ﷺ کی دعوت برحق ہے تو میں آپ ﷺ کی ضرور پیروی کرتا''۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''اگر میں تجھے بچھاڑ دوں تو

رکانہ کی زور آزمائی

ابن اسحاق نے رکانہ کی زور آزمائی کا ذکر کیا ہے۔ اس طرح کا واقعہ ابوالاشدین الجمحی کے متعلق بھی گزر چکا ہے۔ شاید ان دونوں نے حضور ﷺ سے زور آزمائی کی ہو۔ ابوالاشدین کا نام اور نسب وغیرہ پہلے گذر چکا ہے۔ رکانہ سے مراد ابن عبد یزید بن ہاشم بن عبدالمطلب ہے۔ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں وفات پائی۔ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ حضور ﷺ نے ان سے ان کی نیت کے متعلق پوچھا انہوں نے عرض کی ارادہ تو ایک کا تھا آپ ﷺ نے ان کی بیوی انہیں واپس لوٹا دی انہوں نے حضور ﷺ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ اِنَّ لِکُلِّ دِیۡنٍ خُلُقًا وَ خُلُقُ ھٰذَا الدِّیۡنِ الۡحَیَاءُ۔ ہر دین کا خلق ہوتا ہے اس دین متین کا خلق حیاء ہے۔ ان کا فرزند یزید

تو جان لے گا کہ میرا پیغام حق ہے اس نے کہا ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا ''اٹھو اور مجھ سے کشتی لڑو''۔ رکانہ اٹھا اور کشتی کرنے لگا۔ حضور ﷺ نے فوراً اسے زمین پر پٹخ دیا۔ اسے اپنے بدن کا ہوش نہ رہا۔ اس نے کہا ''اے محمد (فداہ ابی وامی وروحی) دوبارہ زور آزمائی کریں''۔ آپ ﷺ نے اسے دوبارہ زمین پر چت گرا دیا اس نے کہا ''اے محمد (ﷺ) بخدا! آپ کا مجھے پچھاڑ دینا بڑا تعجب خیز ہے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر تو چاہتا ہے تو میں تجھے اس سے بھی تعجب انگیز معجزہ دکھا سکتا ہوں۔ اگر تو اللہ سے ڈرے اور میری پیروی کرے''۔ رکانہ نے کہا ''وہ حیرت انگیز واقعہ کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ درخت جو تجھے نظر آ رہا ہے، میں ابھی اسے تیرے لئے بلا لیتا ہوں۔ وہ فوراً میرے پاس آ جائے گا''۔ رکانہ نے کہا ''اسے بلائیں''۔ نبی دو جہاں ﷺ نے اسے آواز دی، وہ درخت آیا اور حضور ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا پھر حضور ﷺ نے اس سے فرمایا واپس چلا جا! وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ رکانہ اپنی قوم کے پاس گیا اور کہنے لگا ''اے بنو عبد مناف! اپنے اس صاحب کی وجہ سے پوری دنیا پر غالب آ جاؤ۔ اللہ کی قسم! میں نے اس سے بڑا جادوگر نہیں دیکھا'' پھر اس نے اپنے ساتھ رونما ہونے والے واقعات کا ذکر کیا۔

حبشہ سے نصاریٰ کا وفد

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ ''حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں رونق افروز تھے کہ حبشہ کے تقریباً بیس افراد آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ مسجد حرام میں تشریف فرما تھے، وہ

بن رکانہ کو بھی صحابیت کا شرف ملا۔ یزید سے ان کے فرزند علی نے روایت کی ہے اس علی کو بھی بے مثال قوت و طاقت عطا کی گئی تھی۔ قوت و زور میں یہ اپنے دادا کے مشابہ تھے۔ فاکھی نے ان کے متعلق عجیب حکایات لکھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ یزید بن معاویہ بھی شہہ زور پہلوان تھا۔ ایک دن یزید نے علی سے کشتی لڑی۔ انہوں نے یزید کو بری طرح پچھاڑ دیا پھر یزید نے انہیں ایک باغی گھوڑے پر سوار کرایا۔ علی، یزید کی منشاء سمجھ گئے جب گھوڑے نے سرکشی کی تو انہوں نے اپنی دونوں رانیں اس کے ارد گرد لپیٹ لیں حتیٰ کہ گھوڑا وہیں مر گیا۔ ایک دفعہ دو مضبوط آدمیوں کو اپنی بغل میں لے لیا پھر انہیں لے کر آگے بڑھنے لگے وہ دونوں بغل کے نیچے ہی پکارنے لگے موت، موت پھر انہوں نے انہیں چھوڑ دیا۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى

اللہ رب العزت نے مِنَ النَّصَارٰی نہیں فرمایا۔ نہ ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں اس نام سے ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف ان کے اس قول کا ذکر کیا جو انہوں نے حق کی پہچان کے بعد کہا پھر ان کے

وہیں حاضر خدمت ہوئے۔ آپ ﷺ سے ہمکلام ہونے کا شرف حاصل کیا اور آپ ﷺ سے مختلف سوالات کیے۔ کعبہ کے اردگرد قریش اپنی محافل سجائے بیٹھے تھے۔ جب وہ اپنے سوالات سے فارغ ہو گئے تو حضور ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہیں قرآن پاک کی تلاوت سنائی۔ قرآن پاک سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ انہوں نے آپ ﷺ کی اس دعوت پر لبیک کہا۔ آپ ﷺ پر ایمان لے آئے اور آپ ﷺ کی تصدیق کی۔ انہیں یقین ہو گیا کہ یہ وہی عظیم نبی ہیں جن کی توصیف ان کی کتب میں کی گئی ہے۔ جب وہ وہاں سے روانہ ہونے لگے تو ابوجہل چند افراد کے ہمراہ ان کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ ''اللہ تعالیٰ تمہارے قافلے کو خائب و خاسر کرے تمہارے پیچھے جو تمہارے ہم مذہب ہیں انہوں نے تمہیں یہاں بھیجا ہے تاکہ اس شخص کے حالات کا مشاہدہ کرو۔ پھر واپس جا کر انہیں ان حالات سے خبردار کرو۔ جوں ہی تمہیں وہاں ان کی محفل میں بیٹھنے کا موقع ملا تو فوراً تم نے اپنے دین کو ترک کر دیا اور جو کچھ اس نے کہا اس کی تصدیق کر دی۔ ہمیں معلوم نہیں کہ تم سے زیادہ احمق اور بے وقوف کارواں ہم نے کبھی نہیں دیکھا'' اہل قافلہ نے ان سے کہا۔ ''تم پر سلامتی ہو، ہم تم جیسے جاہلوں کی طرح گفتگو نہیں کرنا چاہتے ہمیں اپنا دین مبارک تمہیں اپنا مذہب مبارک۔ ہم نے بھلائی کے حصول میں تاخیر نہیں کی''۔

کہا جاتا ہے کہ نصاریٰ کا یہ وفد نجران سے آیا تھا۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ کون سا وفد تھا کہا جاتا ہے کہ یہ آیات ان کے متعلق ہی نازل ہوئیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَ اِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ ۝ اُولٰٓىٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ٘ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ٘ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ ۝ (القصص)

ایمان کی گواہی دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے انہیں جنت عطا فرما دی ہے جب ان کی یہ صفت ہوئی تو وہ نصاریٰ نہ رہے وہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سے ہو گئے۔ نصاریٰ اس نام سے اس لئے موسوم ہوئے کیونکہ ان کے دین کی ابتداء ''ناصرۃ'' سے ہوئی ناصرۃ شام کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ ان کا یہ نام اسی سے مشتق ہے۔ جس طرح یہودیوں کا نام یہود بن یعقوب سے مشتق ہے۔ ان میں سے اسلام لانے والے کو یہودی نہیں کہا جائے گا ان کو ''مسلمان'' کہنا ان کے لئے بہتر ہے۔

''جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب ان پر یہ آیتیں پڑھی جاتی ہیں کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے بے شک یہی حق ہے ہمارے رب کے پاس سے ہم اس سے پہلے ہی گردن رکھ چکے تھے ان کو ان کا اجر دوبالا دیا جائے گا بدلہ ان کے صبر کا اور وہ بھلائی سے برائی کو ٹالتے ہیں اور ہمارے دیئے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جب بے ہودہ بات سنتے ہیں اس سے تغافل کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لئے ہمارا عمل اور تمہارے لئے تمہارا عمل بس تم پر سلام ہم جاہلوں کے غرضی نہیں۔''

ابن اسحاق کہتے ہیں جب حضور ﷺ مسجد میں جلوہ نما ہوتے اور آپ ﷺ کے پاس آپ ﷺ کے مسکین صحابہ کرام حضرت خباب، حضرت عمار، حضرت ابوفکیھہ اور حضرت صہیب وغیرہ ہوتے تو قریش ان کا مذاق اڑاتے وہ ایک دوسرے سے کہتے۔ ''یہ کنگال ان کے ساتھی ہیں ہم میں سے یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے حق وصداقت کی راہیں کھولی ہیں اگر محمد ﷺ کا پیغام حق ہوتا تو یہ ہم سے سبقت نہ لے جاتے، ہمیں چھوڑ کر اللہ تعالیٰ انہیں اس کے لئے مخصوص نہ فرماتا''۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۝ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ۝ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝ (الانعام)

غلام المبیعہ، حضرت صہیب اور حضرت فکیہہ

قریش کہا کرتے تھے کہ حضور ﷺ ایک مبیعہ نامی غلام کے پاس بیٹھتے ہیں۔ مبیعہ، معیشہ کی طرح مفعلۃ کے وزن پر ہے ممکن ہے کہ یہ مفعلۃ کے وزن پر ہو۔ یہ اخفش کا قول ہے۔ ''سَلْعَةٌ مَبِيْعَةٌ'' میں مَبِيْعَةٌ مفعول کا صیغہ ہے۔ سیبویہ کے نزدیک واؤ کو حذف کیا گیا ہے ضمہ کے ثقیل ہونے کی وجہ سے یاء کو ساکن کیا۔ ابوالحسن الاخفش کہتے ہیں یاء مبیوعۃ میں واؤ زائدہ سے بدل ہے ان کے نزدیک یہ مقولۃ کے وزن پر ہے۔ اس کا عین کلمہ حذف کیا گیا ہے۔ تفصیل کسی اور جگہ ذکر کی جائے گی۔ ابن اسحاق نے صہیب اور ابوفکیہہ کا ذکر کیا ہے ہم عنقریب ابوفکیہہ کا نام ذکر کریں گے کیونکہ وہ بدری صحابی ہیں۔ اس طرح ہم حضرت صہیب بن سنان کا بھی ذکر کریں گے۔ ان کا نام یسار تھا۔ یہ عبدالدار کے غلام تھے۔

''اور دور نہ کرو انہیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح اور شام اس کی رضا چاہتے ہیں تم پر ان کے حساب سے کچھ نہیں اور ان پر تمہارے حساب سے کچھ نہیں پھر انہیں تم دور کرو تو یہ کام انصاف سے بعید ہے اور یونہی ہم نے ان میں ایک کو دوسرے کے لئے فتنہ بنایا کہ مالدار کافر محتاج مسلمانوں کو دیکھ کر کہیں کیا یہ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہم میں سے کیا اللہ خوب نہیں جانتا؟ حق سے ماننے والوں کو اور جب تمہارے حضور وہ حاضر ہوں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے فرماؤ تم پر سلام تمہارے رب نے اپنے ذمہء کرم پر رحمت لازم کر لی ہے کہ تم میں جو کوئی نادانی سے کچھ برائی کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور سنور جائے تو بے شک اللہ عزوجل بخشنے والا مہربان ہے''۔

حضور ﷺ کو مروہ کے نزدیک مبیعہ نام نصرانی غلام کے پاس بیٹھا کرتے تھے، اس کا نام حَبرٌ تھا وہ بنوحفری کا غلام تھا قریش مکہ کہا کرتے تھے بخدا! محمد (ﷺ) کو ان کی سب تعلیمات حَبرٌ نصرانی سکھاتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِیْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (النحل)

''اور ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ انہیں تو یہ قرآن ایک انسان سکھاتا ہے حالانکہ اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ تعلیم قرآن کی نسبت کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ قرآن فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے۔''

ابن ہشام کہتے ہیں يُلْحِدُوْنَ کا معنی يَمِيْلُوْنَ ہے۔ اَلْمَيْل کا معنی حق سے منحرف ہونا ہے رؤبہ کہتا ہے اِذَا تَبِعَ الضَّحَّاكَ كُلُّ مُلْحِدٍ۔ جب ہر ملحد نے ضحاک کی پیروی کی۔ ضحاک سے مراد ضحاک خارجی ہے۔

سورۃ الکوثر کا نزول

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ عاص بن وائل السہمی، جہاں بھی حضور ﷺ کا ذکر خیر ہوتا، کہتا اسے چھوڑو وہ ایک بے اولاد شخص ہے۔ اس کی نسل نہیں چلے گی اگر وہ مرگیا تو اس

ابتر اور کوثر

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ یہ بکواس کرنے والا عاصی بن وائل ہے لیکن اکثر مفسرین کہتے ہیں یہ

کا ذکر منقطع ہو جائے گا اور تمہیں اس سے چھٹکارہ مل جائے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ ''بے شک ہم نے آپ ﷺ کو (جو کچھ عطا کیا) بے حد و حساب عطا کیا۔'' کوثر جو دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، کوثر کا معنی عظیم ہے۔

بیہودہ بات ابوجہل نے کی تھی۔ ایک روایت کے مطابق اس کا قائل کعب بن اشرف تھا۔ اس آخری قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت مدنیہ ہے۔ محمد بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے جب حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک اتنی ہوئی کہ وہ سواری پر سوار ہو سکتے تھے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روح کو قبض فرمالیا۔ اس وقت عاصی نے کہا آج محمد ﷺ اپنے بیٹے سے محروم ہو گئے ہیں وہ بے اولاد ہو گئے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محترم ﷺ پر ان آیات کا نزول فرمایا۔ اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ بلاشبہ ہم نے آپ ﷺ کو خیر کثیر عطا کی ہے۔ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کے وصال پر ملال کی وجہ سے آپ ﷺ کو جو تکلیف پہنچی ہے یہ اس کا عوض ہے۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ پس آپ ﷺ نماز پڑھا کریں اپنے رب کے لئے اور قربانی دیں (اسی کے لئے) یقیناً آپ کا دشمن بے نام و نشان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اِنَّ شَانِئَكَ الْاَبْتَرُ نہیں فرمایا۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عاص بن وائل اس وصف کے ساتھ مختص ہے۔ هُوَ ایسے مقام پر اختصاص کا فائدہ دیتا ہے مثلاً اگر کوئی کہے اِنَّ زَیْدًا فَاسِقٌ۔ یعنی وہ وہی فاسق ہے جس کا تو گمان کرتا ہے۔ یہ اس شخص کے لئے اختصاص ہے جو زید کو اس کے علاوہ کچھ سمجھتا ہو۔ علامہ جرجانی وغیرہ نے اپنی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ ھوا اختصاص کا فائدہ دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ کا یہ فرمان بھی ہے۔ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰی وَ اَقْنٰی۔ ''اور یہ کہ اس نے غنا دی اور قناعت دی۔'' جب لوگوں نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی کوئی غنی کر سکتا ہے تو فرمایا۔ اَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰی وَ اَقْنٰی۔ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْیٰی۔ ''اور یہ کہ وہی ہے جس نے مارا اور جلایا۔'' مشرکین کے موت و حیات کے متعلق نظریات نمرود کی طرح تھے کہ اَنَا اُحْیِ وَ اُمِیْتُ۔ میں جسے چاہتا ہوں قتل کر دیتا ہوں اور جسے چاہتا ہوں زندگی دیتا ہوں۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اس کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ اسی طرح اللہ رب العزت کا ارشاد پاک ہے۔ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی ''اور یہ کہ وہی ستارہ شعریٰ کا رب ہے۔'' یعنی وہی رب ہے اور کوئی نہیں۔ مشرکین نے اللہ رب العزت کو چھوڑ کر کئی رب بنا لیے تھے ان میں ایک شعریٰ ستارہ بھی تھا۔ جب ارشاد ہوا وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ وَاَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادًا۔ ''تو یہ کلام ''ھو'' جو اختصاص کا معنی دیتا ہے سے مستغنی ہو گیا کیونکہ اس

نعل کا کسی نے دعویٰ ہی نہیں کیا۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ آپ ﷺ ابتر نہیں آپ کا دشمن ہی بے اولاد ہے یعنی اس کی ایسی کوئی نسل نہیں جو اس کی پیروی کرے تو یہ اس طرح دم کٹا ہو گیا۔

اعتراض: اگر تم یہ کہو تو پھر عاصی تو صاحب اولاد تھا اور اس کی نسل بھی چلی۔ عمرو اور ہشام عاصی بن وائل کے بیٹے تھے پھر اس کے لئے بے اولاد ہونا کیسے ثابت ہوا اس کی نسل کا مٹنا کیسے ثابت ہوا حالانکہ وہ صاحب اولاد و نسل تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسی امر کی اپنے نبی محترم ﷺ سے نفی فرمائی۔ فرمایا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ (الاحزاب: ۴۰) ''نہیں ہیں محمد ﷺ (فداہ روحی) کسی کے باپ تمہارے مردوں میں سے۔''

جواب: اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ عاصی اگرچہ صاحب اولاد تھا لیکن اس کے اور اس کے بیٹوں کے مابین تعلق ختم ہو گیا۔ اس کے بیٹے اس کے پیرو نہ تھے کیونکہ اسلام نے انہیں اس سے روک دیا تھا، وہ نہ اس کے وارث بنے نہ ہی وہ ان کا وارث بنا۔ وہ تو حضور ﷺ کے متبعین میں سے ہو گئے۔ حضور ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ان کی مائیں بن گئیں اور آپ ﷺ ان کے باپ ہو گئے جس طرح کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت ہے۔ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ وَ هُوَ اَبٌ لَّهُمْ وَالنَّبِيُّ اَوْلٰى لَهُمْ۔ تمام مومن اور عاصی کے بیٹے اس دنیا میں بھی حضور کے پیروکار ہیں اور آخرت میں آپ ﷺ کے حوض پر جانے کیلئے بھی آپ ﷺ کے متبعین ہوں گے۔ ''کوثر'' کا یہی معنی ہے دنیا میں اس سے مراد آپ ﷺ کی کثیر امت ہے تاکہ حضور ﷺ اپنے علم مبارک سے انہیں وہ غذا دیں جو ان کی روحوں کو حیاتِ نو بخش دے اور آخرت میں آپ ﷺ انہیں آبِ کوثر سے سیراب کر کے حیات ابدی سے نواز دیں۔ اللہ کا دشمن عاصی ہی درحقیقت ابتر ہے اس کی دم کٹ گئی، اس کے اتباع ختم ہو گئے اور وہ تمام حضور ﷺ کے پیروکار بن گئے۔ اسی وجہ سے حضور ﷺ کیلئے اس کی برائی کو ''ابتر'' سے بیان فرمایا بَتَرْ، كَوْثَر کی ضد ہے۔ کثرت معنی میں قلت کے متضاد ہے اگر اس لعین کے جواب میں اس طرح کہا جاتا۔ اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْحَوْضَ الَّذِي مِنْ صِفَتِهٖ كَذَا وَ كَذَا۔ کہ ہم نے آپ ﷺ کو حوض عطا فرمایا ہے جو ان صفات کا حامل ہے تو یہ اس کا رد نہ ہوتا اور نہ ہی اس میں مشاکلہ ہوتا لیکن اللہ رب العزت نے وہ اسم ذکر فرمایا جو خیر کثیر اور جم غفیر کو متضمن ہے اور وہ ابتر کا متضاد بھی ہے۔ یہ دنیا و آخرت میں اس حوض کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمایا ہے۔ ''کوثر'' کا لفظ صرف حوض کے ساتھ ہی مختص نہیں ہے۔ وہ ان تمام معانی کو محیط ہے اسی وجہ سے وہاں ستاروں سے زیادہ برتن ہوں گے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد دنیا میں آپ ﷺ کی امت کے کثیر علماء ہیں، ان میں

صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی شامل ہے اور ان کے بعد آنے والے علماء بھی شریک ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا اَصۡحَابِی کَالنُّجُوۡمِ۔میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے علم کے خزانے حاصل کئے اور بعد والوں کو منتقل کر دیئے۔جس طرح حوض کوثر پر برتن سیراب کریں گے۔کہا جاتا ہے رَوَیۡتُ الۡمَاءَ۔میں نے اسے پانی پلایا۔اسی طرح کہا جاتا ہے رَوَیۡتُ الۡعِلۡمَ۔میں نے اسے علم سے سیراب کیا۔اسی طرح علم یا شعر کو روایت کرنے والے کو راوی کہا جاتا ہے۔اسے توشہ دان سے یا اس جانور سے تشبیہ دی گئی ہے جس پر پانی اٹھایا جاتا ہے۔حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ حوض کے وصف میں فرماتے ہیں۔''اس کے برتن مومنین کے ہاتھوں میں اچھل کر جائیں گے۔اس کے سنگریزے موتی اور یاقوت ہوں گے۔دنیا میں اس کی مثال حکمت و دانائی سے لبریز باتیں ہیں۔علم تعبیر میں موتی سے مراد علم و حکمت کی باتیں ہیں۔حوض کی صفت میں ہے کہ اس کی مٹی مشک کی ہوگی۔دنیا میں اس کی مراد علمائے امت اور اتقیائے ملت ہیں۔علم تعبیر میں مشک سے مراد عمدہ ستائش ہے۔علم تعبیر، علم نبوت سے فیض یافتہ ہے، حوض کی صفت میں ہے کہ وہاں ایسے پرندے ہوں گے جو بختی اونٹوں کی گردنوں کی طرح ہوں گے۔دنیا میں اس سے مراد علم کی جستجو کرنے والے کا جوش و جذبہ ہے۔وہ نبی اکرم ﷺ کے عہد ہمایوں سے لے کر آج تک ہر کونے اور زاویے سے لوگ بارگاہِ علم میں حاضر ہوتے رہے اور فیض حاصل کرتے رہے۔ذرا کوثر کی صفت تو ملاحظہ کرو کہ یہ دنیا میں کس طرح معقول اور آخرت میں کس طرح محسوس ہے کہ آنکھوں سے اس کا مشاہدہ ہو سکتا ہے۔اسی سے قرآن پاک کا اعجاز اور سورت کا اس کے نزول کے سبب کے ساتھ تطابق واضح ہوتا ہے۔اسی لئے علامہ فضیل فرماتے ہیں۔فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ کا معنی یہ ہے آپ ﷺ ادائیگی نماز کے ساتھ اس ہستی کے لئے عاجزی کریں جس نے آپ ﷺ کو کوثر عطا فرمائی۔دنیا میں کسی چیز کی کثرت اکثر تکبر اور فخر کا سبب بنتی ہے۔اسی وجہ سے جب فتح مکہ کے روز حضور ﷺ نے اپنے کثیر صحابہ دیکھے تو آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک جھکا دیا حتیٰ کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھی مبارک کے بال کجاوے سے مس ہونے لگے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بطور شکریہ قربانی کرنے کا حکم دیا۔نماز میں نحر تک ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا نماز میں قبلہ رو ہونے کا حکم دیا جس کے پاس قربانیاں کی جاتی ہیں اور جس کی طرف قربانی کے جانور لے جائے جاتے ہیں۔اس طرح دو فعل جمع ہو جاتے ہیں۔۱۔وہ قربانی جس کا حکم یوم الاضحیٰ کو دیا گیا ہے۔۲۔نماز میں نحر تک ہاتھ اٹھانے میں اس کی طرف اشارہ، جس طرح وہ قبلہ محبوب ہوتا ہے جس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی جاتی ہے اسی طرح اس کے پاس قربانی کی جاتی ہے اور اس کی طرف منہ کر کے نحر کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

حضور ﷺ نے اس فرمان سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ مَنْ صَلّٰی صَلَاتَنَا، وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَنَسَكَ نُسُكَنَا فَهُوَ مُسْلِمٌ۔ جس نے ہماری نماز ادا کی۔ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہماری طرح قربانی کی وہ مسلمان ہے۔'' ارشاد ربانی ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (الانعام)

''آپ فرمائیے، بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا امرنا (سب) اللہ کے لئے ہیں جو رب ہے سارے جہانوں کا نہیں کوئی شریک اس کا اور مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کعبہ معظمہ کی طرف منہ کر کے نماز کی ادائیگی اور اس کی طرف قربانی کرنے کو اسی طرح جمع کیا جس طرح اس آیت میں ان دونوں کو جمع کیا ہے۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ حوض کے اوصاف میں سے ہے کہ اس کی چوڑائی اتنی زیادہ ہوگی جتنی کہ صنعاء اور ایلہ کے مابین مسافت ہے۔ صحیح حدیث میں ہے۔ كَمَا بَيْنَ جَرْبَاءَ وَ اَذْرُحَ۔ جتنی کہ جرباء اور اذرح کے مابین مسافت ہے۔ ان دونوں شہروں کے درمیان فاصلہ بہت زیادہ ہے۔ اسی طرح حدیث شریف میں ہے كَمَا بَيْنَ عَدَنَ اَبْيَنَ اِلٰی عَمَّانَ۔ جتنا فاصلہ عدن ابین اور عمان کے درمیان ہے حوض کوثر کی چوڑائی اتنی ہے۔ ابین کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ یہ زہیر بن ایمن بن حمیر ہے حمیر کے ایک شخص کا نام عدن تھا۔ یہ شہر اسی کے نام سے آباد ہوا۔ علامہ الطبری کا قول ہے کہ عدن اور ابین عدنان کے بیٹے تھے وہ عدنان جو معد کا بھائی تھا۔ عمان شام میں دمشق کے قریب ایک شہر ہے۔ عمان بن لوط بن هاران کے نام پر اس شہر کا نام رکھا گیا۔ اسی نے ہی اس شہر کو آباد کیا تھا۔ عمان یمن کا ایک شہر ہے۔ عمان بن سنان کے نام سے یہ شہر آباد ہوا۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھا لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سنان نامی کوئی بیٹا نہ تھا۔

حوض کی تعریف میں كَمَا بَيْنَ الْكُوْفَةِ وَ مَكَّةَ وَ كَمَا بَيْنَ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ وَالْكَعْبَةِ۔ اس کی چوڑائی کوفہ اور مکہ کے مابین مسافت جتنی یا بیت المقدس اور کعبہ مشرفہ کے مابین مسافت جتنی ہے۔ یہ تمام روایات قریب المعنی ہیں۔ اگرچہ یہ فاصلے ایک دوسرے سے کم وبیش ہیں اسی طرح حوض کا طول و عرض، کنارے اور ارکان ہوں گے۔ اسی اعتبار سے حدیث شریف میں مختلف مسافتوں کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں وہاں سے سیراب ہونے کی توفیق دے۔

لفظ ''کوثر'' کا اشعار میں استعمال

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ لبید بن ربیعہ کا شعر ہے۔

وَ صَاحِبُ مَلْحُوْبٍ فُجِعْنَا بِيَوْمِهٖ   وَ عِنْدَ الرِّدَاعِ بَيْتُ آخِرَ كَوْثَرٍ

صاحب ملحوب کی وفات کے دن ہم بڑی اذیت سے دوچار ہوئے رداع کے پاس ایک اور گھر بھی ہے جو بہت عظیم ہے۔

ابن ہشام کہتے ہیں صاحب ملحوب سے مراد عوف بن احوص بن جعفر بن کلاب ہے۔ یہ مقام

کوثر کے معنی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے ''کوثر جنت میں ایک نہر کا نام ہے جو آدمی بھی اپنے کانوں میں انگلیاں داخل کرتا ہے وہ اس کے چلنے کی آواز سنتا ہے۔ دار قطنی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک نہر عطا فرمائی ہے۔ میرا جو امتی اس کے چلنے کی آواز سننا چاہے وہ سن سکتا ہے''۔ میں نے عرض کی ''یارسول اللہ ﷺ وہ کیسے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا اپنی انگلیوں کو شدت سے اپنے کانوں میں داخل کرلو جو آواز تمہیں سنائی دے گی وہ کوثر کی روانی کی آواز ہوگی۔'' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا،'' مجھے اس ذات کی قسم جس کے تصرف میں میری جان ہے۔ اے علی! تم روزِ حشر میرے حوض سے لوگوں کو ہٹانے والے ہو۔ تم کفار امتوں کو وہاں سے اس طرح ہٹاؤ گے جس طرح بھٹکے ہوئے اونٹوں کو عوسج کی لکڑی سے پانی سے ہٹایا جاتا ہے''۔ اس حدیث کو حرام بن عثمان نے حضرت جابر کے دو بیٹوں سے روایت کیا ہے۔ اس کے متعلق حضرت امام مالک سے پوچھا گیا۔ انہوں نے فرمایا وہ ثقہ نہیں ہے۔ امام شافعی نے بھی بڑی شدت سے اسے تنقید کا نشانہ بنایا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، مِنْبَرِيْ عَلٰى حَوْضِيْ۔ میرا منبر میرے حوض پر ہے۔ اس حدیث کے معنی میں کئی اقوال ہیں۔ میرے نزدیک ایک اور حدیث اس کی تفسیر بیان کرتی ہے وہ یہ ہے۔ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ اِنِّيْ لَاَنْظُرُ اِلٰى حَوْضِيْ آلاٰنَ مِنْ مَقَامِيْ هٰذَا۔ حوض کوثر میرے منبر کے اوپر ہے۔ میں اس مقام پر کھڑے ہو کر اب بھی اسے دیکھ رہا ہوں۔

کوثر کا معنی

ابن ہشام نے لبید بن ربیعہ کے اس شعر سے استشہاد کیا ہے۔

صَاحِبُ مَلْحُوْبٍ فُجِعْنَا...... اس کا دوسرا شعر یہ ہے۔

ملحوب پر مرا تھا۔ عِنْدَ الرِّدَاعِ بَيْتُ آخَرَ كَوْثَرُ۔ اس سے مراد شریح بن احوص بن جعفر بن کلاب ہے جو مقام رداع پر فوت ہوا تھا کوثر سے مراد کثیر ہے یہ لفظ کثیر سے ہی مشتق ہے۔ کمیت بن زید ہشام بن عبدالملک بن مروان کی تعریف کرتا ہوا کہتا ہے۔

وَ اَنْتَ كَثِيْرٌ يَابْنَ مَرْوَانَ طَيِّبٌ   وَ كَانَ اَبُوْكَ ابْنَ الْعَقَائِلِ كَوْثَرَ

اے ابن مروان! تو کثیر عظمت والا اور طیب ہے لیکن تیرا باپ شریف عورتوں کی اولاد اور بہت ہی زیادہ باعظمت تھا۔

امیہ بن ابی عائذ الھذلی جنگلی گدھے کی تعریف میں کہتا ہے۔

يُحَامِي الْحَقِيْقَ اِذَا مَا احْتَدَمْنَ   وَ حَمْحَمْنَ فِيْ كَوْثَرٍ كَالْجِلَالِ

وہ ان چیزوں کا دفاع کرتا ہے جن کا دفاع کرنا اس پر لازم ہے جب ان کی مائیں دوڑتی ہیں اور بہت زیادہ گردوغبار میں ہنہناتی ہیں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو سنا۔ آپ ﷺ سے عرض کی گئی "یارسول اللہ ﷺ! اس کوثر سے کیا مراد ہے جو آپ ﷺ کو عطا کی گئی؟" آپ ﷺ نے فرمایا "وہ ایک نہر ہے جس کا طول و عرض صنعاء سے ایلہ تک کی مسافت جتنا ہے، آسمان پر ستاروں جتنے اس پر برتن ہیں، وہاں بختی اونٹوں کی گردنوں کی مانند پرندے ہوں گے"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یارسول اللہ ﷺ وہ بڑے نرم و نازک ہوں گے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "ان کے کھانے والے ان سے بھی نرم ہوں گے"۔

ابن اسحاق کہتے ہیں، میں نے ایک اور حدیث سنی ہے آپ ﷺ نے فرمایا "جو ایک

وَ بِالْفَوْرَةِ الْحَرَّابِ ذُوالْفَضْلِ عَامِرٌ   فَنِعْمَ ضِيَاءُ الطَّارِقِ الْمُتَنَوِّرِ

فورۂ حراب میں صاحب فضیلت عامر ہے۔ روشن ستارے کی چمک کتنی عمدہ ہے۔

عامر سے مراد، ابن مالک ملاعب الاسنۃ ہے۔ یہ لبید کا چچا تھا ہم عنقریب ذکر کریں گے کہ اس کا نام ملاعب الاسنۃ کیوں پڑا۔ صاحب ملحوب سے مراد عوف بن احوص ہے۔ ابن ہشام کے نزدیک رداع سے مراد شریح بن احوص ہے لیکن دیگر مؤرخین کہتے ہیں کہ اس سے مراد حبان بن عتبہ بن مالک بن جعفر بن کلاب ہے۔ "رادع" یمامہ کی زمین میں ایک جگہ کا نام ہے ملحوب لَحَبْتُ الْعُوْدَ سے مشتق ہے اس کا معنی چھلکا اتارنا ہے، اس جگہ کو ملحوب اس لئے کہا جاتا تھا کیونکہ وہاں کوئی ٹیلہ یا درخت وغیرہ نہ تھے۔

دفعہ نہر سے پی لے گا وہ پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔

وَ قَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ کا نزول

ابن اسحاق کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔ ان سے گفتگو کی اور انہیں تبلیغ کی۔ آپ ﷺ سے زمعہ بن اسود، نضر بن حارث، اسود بن عبد یغوث، ابی بن خلف اور عاص بن وائل نے کہا "اے محمد (فداہ روحی صلی اللہ علیہ وسلم) کاش! آپ ﷺ کے ہمراہ فرشتہ ہوتا جو آپ ﷺ کے متعلق لوگوں کو بتاتا۔ وہ آپ ﷺ کے ساتھ نظر آتا"۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان آیات کا نزول فرمایا۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ (انعام)

"اور بولے ان پر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا اور اگر ہم فرشتہ اتارتے تو کام تمام ہو گیا ہوتا پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی۔ اور اگر ہم نبی کو فرشتہ کرتے جب بھی اسے مرد ہی بناتے اور ان پر وہی شبہ رکھتے جس میں اب پڑے ہیں۔"

وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ

ابن اسحاق کہتے ہیں ایک دفعہ رسول معظم ﷺ ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف اور ابوجہل بن ہشام کے پاس سے گزرے تو انہوں نے آپ ﷺ کی طرف اشارے کیے، کنکھیوں سے دیکھا اور آپ ﷺ کا مذاق اڑایا اس سے حضور ﷺ کو تکلیف ہوئی اس وقت اس آیت کا نزول ہوا۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ

اس آیت میں پہلے اللہ تعالیٰ نے اُسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ فرمایا پھر فرمایا فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ۔ سَخِرُوْا کی جگہ اِسْتَهْزَءُوْا نہیں فرمایا پھر فرمایا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۔ اس مقام پر يَسْخَرُوْنَ نہیں فرمایا۔ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے یقیناً اس میں حکمت پنہاں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے کلام اُسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ سے مراد یہ ہے کہ سابقہ رسولوں نے بھی ایسا کلام سنا جس میں مذاق تھا اور اس سے انہیں تکلیف ہوئی۔ یہ حضور ﷺ کی تسلی کے لئے فرمایا تا کہ سابقہ انبیاء و رسل کی تکلیف کی وجہ سے آپ ﷺ کو تشفی ہو۔ مذاق کو استہزاء اس وقت کہتے ہیں جب وہ قابل سماعت ہو۔ یہ جاہل اور

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (الانبیاء)

اجڈلوگوں کا کام ہے۔ارشاد ربانی ہے۔

اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (البقرہ)

''کیا آپ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں؟ آپ نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں خدا سے کہ میں شامل ہو جاؤں جاہلوں کے گروہ میں۔''

جب کہ سُخر اور سُخری کبھی کبھی نفس میں ہوتا ہے اور قابل سماعت نہیں ہوتا کہا جاتا ہے سَخِرْتُ مِنْهُ جس طرح کہا جاتا ہے عَجِبْتُ مِنْهُ مگر عجب مذموم معنی کے ساتھ مختص نہیں ہوتا جس طرح سحر ہوتا ہے۔حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ (ہود)

''اگر تم مذاق اڑاتے ہو ہمارا تو (ایک دن) ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے جس طرح تم مذاق اڑاتے ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا نَسْتَهْزِئُ بِكُمْ كَمَا تَسْتَهْزِءُوْنَ۔ کیونکہ استہزاء انبیائے کرام کا فعل نہیں ہے یہ جاہلوں کا فعل ہے جبکہ انبیاء کرام سحر کر سکتے ہیں یعنی اپنے ساتھ مذاق کرنے والے کے کفر پر تعجب کر سکتے ہیں اور ان کی عقل کی بیکاری پر تعجب کر سکتے ہیں۔اگر یہ اعتراض کیا جائے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔''اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ''۔''اللہ تعالیٰ ان سے استہزاء فرماتا ہے۔'' ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ اہل عرب اسے فعل کے اسم سے فعل پر جزاء کہتے ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ۔'' وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انہیں چھوڑ دیا۔'' یہ مجاز حسن ہے۔وہ استہزاء جس کا تذکرہ ہم کر رہے ہیں وہ حقیقتاً استہزاء ہے اس پر صرف جاہل ہی راضی ہو سکتا ہے۔فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۔''انہیں اس وعید نے گھیر لیا'' رسل عظام جس کی انہیں تبلیغ کرتے تھے۔ ہر کلمہ اپنے مقام پر عمدہ ہے ایک کلمہ کو دوسرے کی جگہ رکھنے سے بلاغت کا حسن ختم ہو جاتا ہے۔

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا

اگر ہم ان کی طرف ملائکہ میں سے کسی کو رسول بنا کر بھیجتے تو پھر بھی اسے انسانی شکل میں ہی بھیجتے۔ انہیں پھر بھی اسی التباس کا اندیشہ ہوتا جس التباس کا اندیشہ انہیں حضور ﷺ کے متعلق ہو رہا ہے۔ ''لَبَسْنَا'' اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ تمام امر اللہ رب العزت کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔وہ جسے

''اور ضرور اے محبوب! تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی مذاق کیا گیا تو وہ جوان سے ہنستے تھے ان کی ہنسی ان ہی کو لے ڈوبی۔''

اسراء اور معراج

ابن ہشام کہتے ہیں مجھے زیاد بن عبداللہ البکائی نے محمد بن اسحاق المطلبی سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ''پھر حضور ﷺ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی۔ مسجد اقصیٰ سے مراد بیت المقدس ہے جو ایلیاء میں ہے اس وقت قریش اور دیگر قبائل میں اسلام پھیل چکا تھا''۔ ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے درج ذیل اہل علم سے حضور ﷺ کی معراج کے متعلق روایات ملی ہیں۔
۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود۔ ۲۔ حضرت ابو سعید الخدری۔ ۳۔ ام المومنین حضرت عائشہ

مَا يَلْبِسُوْنَ

اسی معاملہ کو جو وہ دوسرے پر ملتبس کرتے ہیں کیونکہ ان میں سے اکثر جانتے تھے کہ یہ حق ہے لیکن وہ اس کے انکاری تھے حالانکہ ان کے نفوس کو یقین تھا اسی طرح وہ اس پیغامِ حق کو ایک دوسرے پر ملتبس کرنے لگے اور اپنے اہل وعیال اور پیروکاروں کے لئے حق کو باطل سے خلط ملط کر دیتے۔ اہل عرب کہتے ہیں۔ لَبَسْتُ عَلَيهِمُ الْاَمْرَ اَلْبِسُهٗ۔ یہ لُبْسُ الثِّيَابِ سے مشتق ہے کیونکہ کَسِيْتُ کے معنی میں ہے اس کا معنی پہننا ہے یہ عَرِيْتُ عریاں ہونے کے مقابلہ میں ہے اسی لئے اس کے وزن پر ہی ہے۔

حدیث معراج کے مشکل الفاظ کی تشریح

تمام راویوں کا اتفاق ہے کہ انہوں نے ''اسراء'' ہی روایت کیا ہے۔ کسی نے بھی ''سُرٰی'' کا لفظ روایت نہیں کیا۔ اگرچہ اہل لغت کہتے ہیں کہ سُرٰی اور اَسرٰی ایک ہی معنی میں ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل لغت نے اس کی تحقیق نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قراء کرام نے اس آیت کی تلاوت میں اختلاف نہیں کیا۔ اَسرٰی کی جگہ کسی نے سُرٰی نہیں پڑھا۔ اسی طرح ارشاد فرمایا وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ۔ اس آیت میں يُسْرٰی نہیں فرمایا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ السُّرٰی سَرَيْتُ سے مشتق ہے اس کا معنی رات کو چلنا ہے۔ یہ مؤنث ہے کہا جاتا ہے طَالَتْ سُرَاكَ اللَّيْلَةَ۔ آج رات تیری سیر لمبی ہوگئی۔ ''اِلاِ سْرَاء معنی میں متعدی ہوتا ہے لیکن اس کے مفعول کو اکثر حذف کر دیا جاتا ہے۔ حتیٰ

صدیقہ۔ ۴۔حضرت معاویہ بن ابی سفیان۔ ۵۔حضرت حسن بن ابی الحسن بصری۔ ۶۔ابن شہاب زہری۔ ۷۔قتادہ۔ ۸۔حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہم۔ان تمام راویوں میں سے ہر راوی معراجِ مصطفیٰ ﷺ کا کچھ حصہ ہی روایت کرتا ہے۔بلا شبہ اس عظیم سفر میں آزمائش تھی۔اللہ تعالیٰ کی قدرت وسلطنت میں اس کے امر کا اظہار تھا۔ارباب دانش کے لئے عبرت تھی اہل ایمان وتصدیق کے لئے اس میں ہدایت ورحمت تھی۔اللہ تعالیٰ کے حکم پر یقین رکھنے والوں کے لئے استحکام تھا۔جس طرح اللہ تعالیٰ نے چاہا اس طرح آپ ﷺ کو سیر کرائی گئی تاکہ وہ اپنی آیات میں سے کچھ آپ کو دکھائے۔سیاحِ لامکاں ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے امر اور اس کی عظیم سلطنت کا معائنہ فرمایا اور اس کی اس قدرت کا مشاہدہ کیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔نبی دو جہاں ﷺ کے پاس ایک براق لایا گیا۔یہ وہ جانور تھا جس پر پہلے انبیاء کرام علیہم السلام سواری فرماتے تھے۔وہ جہاں نگاہ پڑتی تھی وہاں تک قدم اٹھاتا تھا۔حضور ﷺ کو اس پر سوار کرایا گیا۔پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کو لے کر عازم سفر ہوئے۔وہ آپ ﷺ کو زمین اور آسمان کے درمیان نشانیاں دکھاتے رہے۔حتیٰ کہ بیت المقدس آ گیا انہوں نے وہاں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام دیکھے۔تمام انبیاء حضور ﷺ کے لئے ہی جمع ہوئے تھے۔آپ ﷺ نے انہیں امامت کروائی پھر آپ ﷺ کو تین برتن پیش کئے گئے۔ایک برتن میں دودھ، دوسرے میں شراب اور تیسرے میں پانی تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا "اس وقت میں نے ایک کہنے والے کو سنا وہ کہہ رہا تھا۔اگر انہوں نے پانی پکڑا تو یہ بھی غرق اور ان کی امت بھی غرق

کہ اہل لغت یہ سمجھنے لگے کہ ان دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔جب انہوں نے دیکھا کہ وہ لفظاً کسی مفعول کی طرف متعدی نہیں ہوتے۔اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ کا معنی ہے جَعَلَ الْبُرَاقَ یَسْرِیْ۔براق کو یہ توفیق دی کہ وہ آپ ﷺ کو سیر کرائے۔جس طرح کہا جاتا ہے اَمْضَیْتُہٗ کا معنی ہے جَعَلْتُہٗ یَمْضِیْ (میں نے اسے انجام تک پہنچا دیا ہے) لیکن اس کے مفعول کو اکثر حذف کر دیتے ہیں۔اس کی وجہ یا تو اس پر اس کی قوی دلالت ہے یا اس کے ذکر سے استغناء ہے کیونکہ اس خبر سے حضور ﷺ کا ذکر مقصود ہے نہ کہ اس جانور کا تذکرہ مقصود ہے جس نے آپ ﷺ کو سیر کرائی تھی۔حضرت لوط علیہ السلام کے قصہ میں "فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ" میں اس طرح کہنا بھی جائز ہے فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِالْقِطْعِ۔یعنی انہیں اس

ہو جائے گی۔ اگر انہوں نے شراب والا برتن پکڑا تو یہ خود بھی گمراہ اور ان کی امت بھی گمراہ ہو جائے گی اور اگر انہوں نے دودھ والا برتن پکڑ لیا تو خود بھی ہدایت پا گئے اور ان کی امت بھی ہدایت یافتہ ہو گئی''۔ میں نے دودھ والا برتن لیا اور اس سے نوش کر لیا۔ مجھ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا'' آپ ﷺ بھی ہدایت پا گئے اور آپ ﷺ کی امت بھی ہدایت پا گئی''۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی روایت

مجھے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بیان کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔'' اسی اثناء میں کہ میں'' حجر'' میں سویا ہوا تھا کہ میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے انہوں نے مجھے اپنے قدم سے مس کیا میں بیٹھ گیا لیکن مجھے کوئی چیز نظر نہ آئی۔ پھر میں لیٹ گیا حضرت جبرائیل دوبارہ آئے اور پاؤں مس کیا میں پھر بستر سے اٹھ بیٹھا لیکن مجھے کوئی شئی دکھائی نہ دی، میں دوبارہ بستر پر لیٹ گیا انہوں نے سہ بار مجھے چھوا میں پھر اٹھ بیٹھا انہوں نے میرا بازو پکڑا میں ان کے ساتھ کھڑا ہو گیا وہ مجھے مسجد کے دروازے کی طرف لے گئے۔ اچانک وہاں ایک سفید جانور نظر آیا جس کا قد خچر اور گدھے کے مابین تھا۔ اس کی رانوں کی جگہ دو پر تھے جن سے وہ اپنے پاؤں کو کرید رہا تھا۔ وہ اپنا اگلا قدم تا حد نگاہ رکھتا تھا۔ انہوں نے مجھے اس پر سوار کرایا۔ پھر نہ تو حضرت جبرائیل مجھ سے جدا ہوئے اور نہ ہی میں ان سے جدا ہوا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے حضرت قتادہ سے روایت کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ '' جب میں براق کے قریب ہوا تا کہ اس پر سوار ہوں تو وہ مچلنے لگا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام

سواری کے ساتھ لے کر راتوں رات چلو جس پر بھی وہ سوار ہوں لیکن حضور ﷺ کی معراج مبارک میں یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ نہیں کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندۂ خاص کو کئی وجوہات میں سے ایک وجہ کے سبب سیر کرائی۔ اسی وجہ سے اس آیت کی تلاوت میں بھی اتفاق ہے۔

اسی طرح علمائے نحو سے باء اور ھمزہ میں تسامح ہوا ہے وہ انہیں متعدی ہونے کے حکم میں ایک معنی میں کرتے ہیں۔ اگر ان کا قول درست ہوتا تو پھر یہ کہنا درست ہوتا اَمْرَضْتُہٗ۔ مَرِضْتُ بِہٖ۔ اَسْقَمْتُہٗ۔ سَقِمْتُ بِہٖ۔ اَعْیَیْتُہٗ، عَیِیْتُ بِہٖ۔ جس طرح اَذْھَبْتُہٗ اور اَذْھَبْتُ بِہٖ کہنا درست ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے کلام میں تدبر کرنے سے ان میں اختلاف نظر آتا ہے اسی طرح علماء بھی ان میں فرق کرتے ہیں۔ باء تعدیہ کا معنی فعل کے ساتھ مشارکت کے اعتبار سے دیتی ہے لیکن ہمزہ یہ معنی نہیں

نے اس کے ایال پر اپنا ہاتھ رکھا پھر فرمایا اے براق! تجھے یہ حرکت کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ اللہ کی قسم! تجھ پر پہلے ایسا کوئی شخص سوار نہیں ہوا جو محمد عربی ﷺ سے افضل ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا "یہ سن کر وہ براق پسینے سے شرابور ہو گیا، وہ پرسکون ہو گیا، میں اس پر سوار ہو گیا"۔

حضرت حسن کی روایت

پھر حضور ﷺ عازم سفر ہوئے حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ حتیٰ کہ وہ بیت المقدس پہنچ گئے وہاں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور دیگر انبیاء کرام جمع تھے۔ حضور ﷺ نے انہیں امامت کروائی پھر آپ کے پاس دو برتن لائے گئے۔ ایک برتن میں شراب جبکہ دوسرے میں دودھ تھا آپ ﷺ نے دودھ والا برتن پکڑا اور اسے نوش فرمایا شراب والے برتن کو چھوڑ دیا۔ حضرت جبرائیل نے عرض کی "آپ ﷺ کی راہ نمائی فطرت کی طرف کی گئی ہے۔ اے محمد مصطفیٰ ﷺ آپ کی امت راہِ ہدایت پر گامزن ہو گی۔ آپ ﷺ پر شراب حرام کر دی جائے گی" پھر حضور ﷺ مکہ معظمہ واپس لوٹ آئے۔ صبح ہوئی تو آپ ﷺ قریش کے پاس گئے اور انہیں اس واقعہ کے متعلق بتایا۔ اکثر لوگوں نے کہا بخدا! یہ ناممکن ہے کارواں ایک ماہ چلتا رہتا ہے تب جا کر ملک شام آتا ہے اسی طرح واپسی پر بھی ایک ماہ کی مدت درکار ہوتی ہے اور محمد (مصطفیٰ ﷺ) نے وہ طویل فاصلہ شب بھر میں طے کر لیا پھر واپس مکہ معظمہ بھی آ گئے۔ بہت سے لوگوں کے ایمان ڈگمگا گئے۔

دیتا۔ اَقْعَدْتُهٗ کا معنی ہے میں نے اسے بٹھایا (جَعَلْتُهٗ يَقْعُدُ) لیکن جب قَعَدْتُ بِهٖ کہا جائے تو اس کا معنی ہے کہ میں نے اس کے ساتھ بیٹھنے میں شرکت کی۔ دَخَلْتُ بِهٖ وَ ذَهَبْتُ بِهٖ بھی اسی طرح ہے لیکن اَدْخَلْتُهٗ اور اَذْهَبْتُهٗ میں یہ معنی نہیں ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ارشاد ربانی ہے۔ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَ ذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ۔ اللہ تعالیٰ ان کے نور، ان کی قوت سماعت اور قوتِ بصارت لے گیا۔ اب اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اس کی صفت میں ذہاب "چلا گیا" کہا جائے یا اس کی طرف اس کا کچھ حصہ بھی منسوب کیا جائے۔ اس آیت کا معنی یہی ہے۔ اَذْهَبَ نُوْرَهُمْ وَ سَمْعَهُمْ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے نور اور قوت سماعت کو ختم کر دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نور، سمع اور بصر اللہ کے دست قدرت میں ہیں جس طرح اس نے خود فرمایا ہے۔ بِيَدِهِ الْخَيْرُ بھلائی اس کے دست قدرت میں ہے۔ نور، سمع اور بصر کا تعلق بھی اسی بھلائی سے

لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہنے لگے ''ابوبکر! اپنے ساتھی (ﷺ) کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اس رات بیت المقدس گئے۔ وہاں نماز ادا کی پھر مکہ مکرمہ آ گئے''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''تم لوگ آپ ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کر رہے ہو''۔ لوگوں نے کہا ''نہیں وہ مسجد میں تشریف فرما ہیں اور لوگوں سے محو گفتگو ہیں''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''قسم بخدا! اگر انہوں نے یہ فرمایا ہے تو انہوں نے سچ فرمایا ہے۔ اس میں تعجب خیز بات کون سی ہے؟ اللہ کی قسم! وہ مجھے فرماتے ہیں کہ شب و روز کی کسی ساعت میں آسمان سے ان کے پاس خبر آتی ہے میں ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ یہ واقعہ اس واقعہ سے زیادہ حیرت انگیز ہے جس پر تم تعجب کر رہے ہو'' پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ آپ ﷺ اس رات بیت المقدس تشریف لے گئے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں'' انہوں نے عرض کی ''میں نے بیت المقدس کی زیارت کی ہے، آپ ﷺ مجھے اس کے اوصاف بیان کریں''۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''تمام حجابات اٹھا دیئے گئے، میں بیت المقدس کو دیکھنے لگا۔ آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے اس کی خوبیاں بیان فرمانے لگے''۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی صَدَقْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے سچ فرمایا ہے، آپ ﷺ جب بھی بیت المقدس کا کوئی وصف بیان فرماتے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اسی طرح عرض کرتے، حتیٰ

ہے جو اس کے قدرت کے ہاتھ میں ہے جب سب کچھ اس کے ہاتھ میں ہے تو پھر ذَھَبَ بِہٖ کہنا درست ہے اسی کا معنی وہی ہوگا جس کا تقاضا اس کا یہ فرمان بِیَدِہِ الْخَیْرُ کرتا ہے۔ خواہ اس کا معنی جو بھی ہو۔ ذَھَبَ اللّٰہُ بِنُوْرِھِمْ کے دوسرے معنی کی بنیاد بھی اسی پر ہوگی خواہ وہ حقیقتاً ہو یا مجازاً۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب اس نے رجس ''ناپاکی'' کا ذکر کیا تو کس طرح فرمایا لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ (الاحزاب: ۳۳) اس میں یَذْھَبُ بِہٖ نہیں فرمایا اسی طرح فرمایا۔ وَیُذْھِبَ عَنْکُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ۔

ان آیات کا مقصد اپنے بندوں کو حسن ادب کی تعلیم مقصود ہے کیونکہ ''اِدْجَاسْ'' کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ حقیقتاً ہو سکتی ہے نہ ہی معناً۔ اگرچہ تخلیق اور ملکیت اسی کی ہے یہ کہنا بھی درست نہیں کہ ھِیَ بِیَدِہٖ۔ کہ یہ اس کے ہاتھ میں ہے تاکہ عبارت میں بھی حسن رہے اور اس ذاتِ پاک کی تنزیہہ بھی ثابت رہے۔ نور، سمع اور بصر کے متعلق بہتر ہے کہ یوں کہا جائے ھِیَ بِیَدِہٖ۔ یہ اس کے دست تصرف

کہ اس سیاحت کا تذکرہ ختم ہو گیا۔ حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے ابو بکر! تم "اَلصِّدِّیْقُ" ہو اسی روز سے وہ صدیق کے نام سے معروف ہو گئے۔ اسلام سے مرتد ہونے والوں کے لئے اس آیت کا نزول ہوا۔

وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَ الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَ نُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا۠ (الاسراء)

"اور ہم نے نہ کیا وہ دکھاوا جو تمہیں دکھایا تھا مگر لوگوں کی آزمائش کو اور وہ پیڑ جس پر قرآن میں لعنت ہے اور ہم انہیں ڈراتے ہیں تو انہیں نہیں بڑھتی مگر بڑی سرکشی۔"

کیا معراج خواب میں ہوئی

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں۔ شب معراج حضور ﷺ کا جسد اطہر غائب نہیں ہوا تھا۔ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کی روح مبارک کو سیر کرائی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں جب حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے حضور ﷺ کی

میں ہیں اس لئے اس کے ساتھ ذَهَبَ بِهٖ کہنا درست ہے لیکن اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ میں "باء" کا تعلق اس گروہ سے نہیں۔ یہ ایک ایسا فعل ہے جو مفعول کی طرف متعدی ہے اور وہ "مُسْرِیْ" سیر کروانے والا ہے۔ جس نے عبد کو سیر کروائی وہ بھی اس سیر میں شریک ہے۔ جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ باء فعل میں مشارکت کا فائدہ دیتی ہے یا اس کے ساتھ کسی قدر شمولیت کا فائدہ دیتی ہے۔

معراج نیند میں تھی یا عالم بیداری میں

اس باب میں قابل تفصیل بات یہ ہے کہ کیا حضور ﷺ کو معراج عالم بیداری میں جسم مقدس کے ساتھ ہوئی یا عالم نیند میں صرف روح کو معراج ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا۔ "اللہ عزوجل جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت اور جو نہ مریں انہیں ان کے سوتے میں" ابن اسحاق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کا قول ذکر کیا ہے کہ یہ ایک سچی خواب تھی، اور اس شب حضور ﷺ کا جسم مبارک مفقود نہیں ہوا تھا صرف آپ ﷺ کی روح مبارک کو سیر کرائی گئی تھی۔ مخالفین اللہ رب العزت

معراج کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا۔ ''وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک سچی خواب تھی''۔ ان دو حضرات کے اس قول کا انکار حضرت حسن کے اس قول کی وجہ سے نہیں کیا جا سکتا وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔ ان کی دلیل وہ آیت بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق خبر دی ہے کہ انہوں نے فرزند دلبند سے کہا۔ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ (الصافات:۱۰۲)

''اے میرے بیٹے! بے شک میں نے خواب دیکھا میں تجھے ذبح کرتا ہوں۔''

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اس خواب پر عمل پیرا ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء پر وحی عالم نینداور اور عالم بیداری دونوں حالتوں میں آسکتی ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں حضور ﷺ فرماتے تھے تَنَامُ عَيْنَايَ وَ قَلْبِيْ يَقْظَانُ۔ میری دونوں آنکھیں تو سو جاتی ہیں لیکن میرا دل بیدار رہتا ہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ معراج کس عالم میں ہوئی تھی، عالم نیند میں یا عالم بیداری میں؟ اور حضور ﷺ نے کیا کیا مشاہدات فرمائے تھے، معراج جس طرح بھی ہوئی وہ حق اور سچ ہے۔

کے اس فرمان سے بھی دلیل حاصل کرتے ہیں۔ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔ انہوں نے کہا یہ رُؤيَا صرف اس خواب کو کہتے ہیں جو نیند میں نظر آئے۔ انہوں نے بخاری شریف کی اس حدیث سے بھی دلیل لی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس رات نبی اکرم ﷺ کو مسجد حرام سے سیر کرائی گئی یہ نزول وحی سے پہلے کا واقعہ ہے آپ ﷺ کے پاس تین افراد آئے۔ آپ ﷺ مسجد حرام میں استراحت فرما تھے ان میں سے پہلے نے کہا ان میں سے وہ (ﷺ) کون سے ہیں۔ درمیان والے نے کہا وہ یہی ہیں یہ ان سب سے بہترین ہیں۔ تیسرا نے کہا ان میں سے بہترین کو پکڑ لو۔ اس رات وہ چلے گئے۔ وہ دوسری شب آئے انہوں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی چشمانِ مقدس محوِ استراحت تھیں جبکہ قلب انور بدستور بیدار تھا۔ انبیاء علیہم السلام کی کیفیت اسی طرح ہوتی ہے ان کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن ان کے دل بیدار رہتے ہیں۔ انہوں نے حضور ﷺ سے کوئی بات نہ کی انہوں نے آپ ﷺ کو اٹھایا اور چاہِ زمزم کے پاس رکھ دیا...... اس حدیث شریف کے آخر میں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ بیدار ہوئے تو مسجد حرام میں تھے۔ اس حدیث میں کوئی شک نہیں کہ ایک سچی خواب تھی۔

وہ علماء جن کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ معراج عالم بیداری میں ہوئی وہ کہتے ہیں کبھی کبھی ''رویا'' عالم بیداری میں دیکھنے کو بھی کہتے ہیں۔ وہ شاعر کے اس شعر سے دلیل پکڑتے ہیں جس میں وہ شکاری کی تعریف میں کہتا ہے۔

وَ كَبَّرَ لِلرُّؤْيَا وَهَشَّ فُؤَادُهُ　وَ بَشَّرَ قَلْبًا كَانَ جَمًّا بَلَابِلُهُ

اس نے اس منظر کو دیکھ کر تکبیر کہی۔ اس کا دل خوش ہو گیا اس نے اپنے دل کو بشارت دی وہ پہلے مختلف وساوس کی آماجگاہ تھا۔

وہ علماء فرماتے ہیں کہ اس آیت میں بھی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ سیر عالم بیداری میں تھی ارشاد ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔ اگر یہ نیند میں خواب ہوتا تو لوگ فتنے میں مبتلا نہ ہوتے بہت سے لوگوں کے پاؤں ڈگمگا نہ جاتے۔ کفارِ مکہ نے کہا۔ ''محمد ﷺ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ بیت المقدس گئے اور پھر اسی رات مکہ مکرمہ واپس بھی آ گئے جبکہ کارواں ایک ماہ میں وہاں پہنچتے ہیں اور ایک ماہ میں واپس آتے ہیں'' اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو ان میں سے کوئی ایک بھی اسے ناممکن نہ سمجھتا کیونکہ سونے والا کبھی کبھی اپنے آپ کو آسمان پر دیکھتا ہے کبھی وہ مشرق و مغرب میں جاتا ہے اسے کوئی بھی ناممکن نہیں کہتا۔ ان علماء نے ایک دلیل یہ بھی دی کہ حضور ﷺ نے اس برتن سے پانی پیا جسے اہل کارواں نے ڈھانپ رکھا تھا، صبح کے وقت انہوں نے دیکھا کہ برتن خالی تھا۔ اس کارواں کا ایک اونٹ براق کی آواز سن کر بدک گیا۔ آپ ﷺ نے ان کی راہنمائی کی۔ حضور ﷺ نے اہل مکہ کو یہ علامت بھی بتائی حتیٰ کہ آپ ﷺ نے ان دو بوروں کی بھی خبر دی جن میں سے ایک کالا اور دوسرا دھاری دار تھا۔ علامہ یونس کی روایت میں ہے کہ جس قافلہ سے حضور ﷺ نے پانی نوش فرمایا تھا اور گمشدہ اونٹ کی طرف ان کی راہنمائی کی تھی اس کے متعلق فرمایا کہ وہ عنقریب پہنچ جائے گا اور اہل کارواں مذکورہ بالا واقعات کے متعلق بتائیں گے۔ قریش مکہ نے پوچھا وہ قافلہ کب پہنچے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ قافلہ بدھ کے روز پہنچ جائے گا''۔ بدھ کے روز سورج غروب ہونے کے قریب تر ہو گیا لیکن ابھی تک قافلہ نہ پہنچا۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے سورج کو روک دیا حتیٰ کہ وہ کاروان پہنچ گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ ﷺ کی امت تک سورج صرف یا تو آپ ﷺ کیلئے روکا گیا یا حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لئے روکا گیا یہ تمام واقعات عالم بیداری میں ہی رونما ہو سکتے ہیں۔

علماء کا ایک تیسرا طائفہ بھی ہے جس نے سرخیل حضرت ابو بکر ابن عربی ہیں وہ اوپر بیان کردہ دونوں اقوال کی تصدیق کرتے ہیں وہ دونوں احادیث کو درست مانتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ معراج

دومرتبہ ہوئی تھی۔ آپ ﷺ کو پہلے عالم نیند میں معراج کرائی گئی تاکہ آپ ﷺ کے لئے سہولت اور آسانی رہے۔ جس طرح وحی کا آغاز سچی خوابوں سے ہوا تھا تاکہ نبوت کا امر آپ ﷺ کے لئے آسان ہوجائے کیونکہ یہ ایک عظیم امر تھا جس سے قویٰ بشریہ کمزور تھے اسی طرح معراج پر جانے سے قبل آپ ﷺ کو نیند میں معراج کرائی گئی۔ پھر اسی طرح عالم بیداری میں معراج ہوئی یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ پر کرم تھا۔ میں نے بخاری کی شرح ''مہلب'' میں پڑھا ہے کہ بہت سے علماء کا یہی نقطۂ نظر ہے وہ فرماتے ہیں کہ معراج دومرتبہ ہوئی۔ ۱۔عالم نیند میں۔ ۲۔عالم بیداری میں۔

امام سہیلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں یہی قول درست ہے احادیث کے معانی اسی پر متفق ہوتے ہیں۔ حضرت انس کی حدیث جو پہلے گذر چکی ہے اس میں ہے کہ نزول وحی سے قبل آپ ﷺ کے پاس تین آدمی آئے حالانکہ مشہور یہی ہے کہ معراج بعثت کے بعد ہوئی۔ نماز اسی وقت فرض ہوئی۔ ایک قول کے مطابق ہجرت سے ایک سال پہلے معراج ہوئی۔ اسی وجہ سے حدیث مبارک میں ہے کہ بہت سے مسلمان ڈگمگا گئے۔ ان دونوں احادیث کے راوی حافظ ہیں۔ ان دونوں میں انطباق کی صورت صرف یہی ہے کہ یہ کہا جائے کہ معراج دومرتبہ ہوئی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھٹے آسمان پر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساتویں آسمان پر ملے جبکہ اکثر صحیح روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا وہ بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چھٹے آسمان پر ملاقات کی۔ ابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے پاس تین برتن لائے گئے جن میں سے ایک برتن میں پانی تھا۔

کہنے والے نے کہا اگر انہوں نے پانی والا برتن پکڑ لیا تو یہ خود بھی اور ان کی امت بھی غرق ہوجائے گی۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کو صرف ایک برتن پیش کیا گیا جس میں شہد تھا۔ اس روایت میں پانی کا ذکر نہیں۔ دونوں احادیث کے راوی ثقہ ہیں ان کو جھٹلا کر ان کی توہین نہیں کی جا سکتی لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ معراج دومرتبہ ہوئی تھی۔ اختلاف کے وقت یہی کہا جائے گا کہ یہ دو واقعات اور دو حالتوں کے متعلق روایات ہیں۔ قرآن کا ظاہر بھی اس کی گواہی دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ ''پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔''

یہ آیات حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کی تائید کرتی ہیں کہ آپ ﷺ کے دل مبارک نے دیکھا تھا آنکھ سوتی رہی۔ الفواد، دل کو کہتے ہیں پھر فرمایا اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى۔ ''تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو۔'' اس آیت میں مَا قَدْ رَاٰى نہ فرمایا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس دیدار کے بعد ایک اور دیدار ہوا تھا پھر فرمایا وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى۔ ''اور انہوں نے تو وہ جلوہ دو بار دیکھا۔'' واپسی پر حضرت جبرائیل سے پھر ملاقات ہوئی اور آپ ﷺ نے انہیں اصلی شکل میں دیکھا۔ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى، اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى۔ ''سدرۃ المنتہی کے پاس جب سدرۃ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا''۔ سونے کے بستروں نے سدرۃ کو ڈھانپ لیا تھا۔ روایت میں ہے کہ اس سے یاقوت بکھر رہے تھے، اس کے پھل ہجر کے مٹکوں کی طرح تھے۔ پھر ارشاد فرمایا مَا زَاغَ الْبَصَرُ۔ ''آنکھ نہ کسی طرف پھری''۔ اب ''بصر'' کا ذکر کیا ''فواد'' کا ذکر نہ کیا۔ جس طرح پہلے ''الفواد'' کا ذکر کیا اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ دوسری مرتبہ آنکھ اور بصارت کا دیکھنا تھا پھر فرمایا لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى۔ ''بے شک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں''۔ کیونکہ اب دیکھنا آنکھ سے تھا اسے آیات کبریٰ سے تعبیر فرمایا کیونکہ یہ بڑے بڑے دلائل اور عظیم براہین سے تھا اس طرح دوسری بار دیکھنا پہلی بار دیکھنے سے عظیم تر ہو گیا کیونکہ انسان کا خواب میں دیکھنا آنکھ سے دیکھنے سے کم تر ہوتا ہے۔ اسی لئے اکثر احادیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے سدرۃ المنتہی پر دو ظاہری نہریں اور دو باطنی نہریں دیکھیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو بتایا کہ ظاہری دو نہریں دریائے نیل اور دریائے فرات ہیں۔ حضرت انس کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے دو ظاہری نہریں آسمان دنیا میں دیکھیں۔ فرشتے نے عرض کی یہ دریائے نیل اور دریائے فرات ہیں۔ یہ ان کا اصل اور عنصر ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے عالم بیداری میں ان کے منبع کو دیکھا ہو۔ اور پہلی مرتبہ صرف دو نہریں ہی دیکھی ہوں ان کی اصل نہ دیکھی ہو۔ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ (مومنون: ۱۸)۔ ''اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا ایک اندازہ پر پھر اسے زمین میں ٹھہرایا''۔ کی تفسیر میں ہے کہ اس سے مراد دریائے نیل اور دریائے فرات ہے۔ انہیں حضرت جبرائیل کے پروں پر رکھ کر جنت سے اتارا گیا اور انہیں پہاڑوں کی وادیوں میں رکھ دیا گیا عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں اٹھا لے گا۔ جب قرآن اور ایمان اٹھ جائیں گے، انہیں بھی اٹھا لیا جائے گا۔ اس وقت زمین پر کوئی بھلائی باقی نہ رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَ اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ''اور بے شک ہم اس کے لے جانے پر قادر ہیں''۔ نحاس نے اسے معانی میں ذکر کیا ہے۔ میں نے اس کا خلاصہ پیش کیا ہے۔

علامہ مازری نے ''کتاب المعلم'' میں ایک چوتھا قول بھی نقل کیا ہے کہ بیت المقدس تک معراج جسم اطہر کے ساتھ تھی۔ یہ مشاہدہ آنکھ کے ساتھ تھا پھر ساتوں آسمان سے اوپر تک معراج آپ ﷺ کی روح کے ساتھ تھی، اسی لئے کفار نے بیت المقدس تک کے سفر کو عجیب سمجھا لیکن باقی سفر کو عجیب نہ سمجھا۔

براق کا مچلنا

جب لامکان کے سیاح ﷺ براق پر سوار ہونے لگے تو وہ مچلنے لگا، حضرت جبرائیل نے اس سے کہا ''اے براق! تمہیں شرم نہیں آتی۔ آج تک تجھ پر کوئی ایسی ہستی سوار نہیں ہوئی جو محمد مصطفیٰ ﷺ سے افضل ہو''۔ ابن بطال ''جامع صحیح'' کی شرح میں اس کی وجہ لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''اس کی وجہ یہ تھی کیونکہ عرصۂ طویل گزر چکا تھا کہ براق پر کوئی نبی سوار نہ ہوئے تھے اور حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مابین ایک طویل زمانہ تھا جس کی وجہ سے وہ اچھلنے لگا''۔

اس کا ایک اور سبب بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب براق اچھلنے لگا تو حضرت جبرائیل نے عرض کی یارسول اللہ! شاید آپ ﷺ نے آج ''صفراء'' کو مس کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے اسے چھوا تو نہیں البتہ اس کے قریب سے گزرے ہیں۔ آپ ﷺ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا ''ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو اللہ کو چھوڑ کر تیری عبادت کرے''۔ اس روایت کو ابوسعید نیشاپوری نے ''شرف المصطفیٰ'' میں تحریر کیا ہے مسند البزار میں ہے کہ صفراء ایک بت تھا جس کا کچھ حصہ سونے کا تھا، حضور ﷺ نے فتح مکہ کے دن اسے توڑ دیا تھا۔ امام ترمذی نے حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب مرکب ہمایوں بیت المقدس پہنچا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنی انگلی سے چٹان کی طرف اشارہ کیا چٹان پھٹ گئی انہوں نے وہاں براق باندھ دی، حضرت حذیفہ نے اس روایت کو عجیب سمجھا ہے لیکن اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے عالم غیب و شہادت کو مسخر فرما دیا تھا۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں سے ایک یہ فقہی مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ احتیاط کرنا توکل کے صحیح ہونے کے خلاف نہیں اس سے ایمان بالقدر پر بھی کوئی زد نہیں پڑتی۔ حضرت وھب بن منبہ سے روایت ہے کہ ہلاکتوں سے بچنے کے لئے احتیاط کرنے والا توکل کے خلاف نہیں۔ حضرت وھب فرماتے ہیں میں نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتب میں سے ستر کتابوں میں پڑھا ہے اور حضور ﷺ کا بھی یہی فرمان ہے۔ قَیِّدْھَا وَتَوَکَّلْ پہلے اپنی سواری کو باندھو پھر توکل کرو آپ ﷺ کو یقین تھا آپ ﷺ کیلئے کائنات مسخر کر دی گئی ہے۔ آپ ﷺ کو تقدیر الٰہی پر بھی ایمان

تھا پھر بھی آپ ﷺ نے اپنے سفروں میں زادِراہ لیا۔ جنگوں میں ہتھیار سجائے، حتیٰ کہ غزوہ احد کے دن دو زرہیں زیب تن فرمائیں براق کو اس حلقہ سے باندھنے کا تعلق اسی باب سے ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے حضرت بریدہ کے علاوہ دیگر راویوں نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ حارث بن ابی اسامہ اور ابوسعید کی روایات میں ہے کہ حضور ﷺ نے براق کو اسی حلقہ میں باندھا جہاں انبیاء علیہم السلام اسے باندھا کرتے تھے۔ لیکن اس حدیث کی سند میں داؤد بن محبر ہے جو ضعیف ہے۔

ملائکہ کا ''مَنْ مَعَكَ'' کہنا

جب حضرت جبرائیل علیہ السلام ہر آسمان پر پہنچتے، دستک دیتے تو آگے سے ملائکہ پوچھتے ''مَنْ مَعَكَ'' آپ کے ساتھ کون ہیں۔ وہ کہتے میرے ساتھ محمد عربی ﷺ ہیں۔ وہ پوچھتے اَوَ قَدْ بُعِثَ اِلَیْہِ۔ کیا انہیں پیغام بھیج کر بلایا گیا ہے حضرت جبرائیل کہتے ہاں! صحیح احادیث میں اسی طرح کے الفاظ ہیں۔ ان کے اس سوال ''اَوَ قَدْ بُعِثَ اِلَیْہِ'' کے متعلق بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کیا آپ ﷺ کو آسمان پر تشریف لانے کی دعوت دی گئی ہے؟ کیونکہ انہیں علم تھا کہ عنقریب حضور ﷺ معراج فرمائیں گے۔ اگر ان ملائکہ کا ارادہ یہ ہوتا کہ کیا آپ ﷺ کو مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا ہے تو وہ اس طرح سوال کرتے اَوَ قَدْ بُعِثَ اِلَیْہِ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ ملائکہ پر یہ مخفی نہیں ہوسکتا کہ آپ ﷺ مخلوق کی طرف مبعوث ہو چکے ہیں اور پھر معراج کی رات تک یہ معلوم نہ ہو سکا۔ اس کتاب میں بھی پہلے گزر چکا ہے جب حضور ﷺ نے ساتویں آسمان کے ملائکہ کی تسبیح کا ذکر فرمایا پھر ہر آسمان کے ملائکہ کی تسبیح کا ذکر کیا پھر وہ ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں کہ تم یہ تسبیح کیوں بیان کر رہے ہو حتیٰ کہ یہی سوال ساتویں آسمان کے ملائکہ تک پہنچتا ہے وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہمارے رب نے اپنی مخلوق میں فلاں فیصلہ فرمایا ہے۔ پھر یہ خبر آسمانِ دنیا تک پہنچ جاتی ہے.......... یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ملائکہ کو نبوت محمد یہ کا علم تھا کہ آنحضرت ﷺ کو کب نبوت سے سرفراز فرمایا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کیا حضور ﷺ کی طرف براق بھیج کر آپ ﷺ کو قدم رنجہ فرمانے کے لئے کہا گیا ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آسمانِ دنیا کے ملائکہ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے کہا اَوَ قَدْ بُعِثَ۔ اس حدیث میں اِلَیْہِ کا ذکر نہیں کیونکہ یہ حدیث اس سیر کے متعلق ہے جس کا تعلق دل سے ہے اور یہ واقعہ نزولِ وحی سے پہلے کا ہے جس طرح تفصیل پہلے گزر چکی ہے یہ حدیث اس امر کو تقویت دیتی ہے کہ پہلے معراج خواب میں پھر عالم بیداری میں ہوئی۔ اس لئے

ہم تمام روایات میں سے صرف اسی روایت میں یہ الفاظ پاتے ہیں۔ اَوَ قَدْ بُعِثَ اِلَیْہِ۔

باب الحفظہ

ابن اسحاق نے باب الحفظہ کا ذکر کیا ہے کہ اس پر ایک فرشتہ مقرر ہے جس کا نام اسماعیل ہے اس کا تذکرہ مسند حارث میں آیا ہے اس میں ہے کہ اس فرشتے کے ماتحت ستر ہزار ملائکہ ہیں ان میں سے ہر ایک فرشتے کے ماتحت ستر ستر ہزار ملائکہ ہیں۔ ابن اسحاق کی روایت میں بارہ ہزار ملائکہ کا ذکر ہے۔

سدرۃ المنتہی

اس کی صفت میں ہے کہ اگر اس کے ایک پتے سے اس امت کو ڈھانپ دیا جائے تو تمام امت اس کے نیچے آ جائے گی۔ تمام روایات میں ہے کہ اس کے پھل ''ہجر'' کے مٹکوں کی طرح تھے۔ ''کتاب الطہارۃ'' کی ''حدیث القلتین'' میں ہے۔ اِذَا کَانَ الْمَاءُ قُلَّتَیْنِ مِنْ قِلَالِ ھَجَرٍ لَمْ یَحْمِلِ الْخُبْثَ۔ جب پانی ہجر کے مٹکوں میں سے دو مٹکوں کی مقدار ہو جائے تو وہ ناپاک نہیں ہوتا۔ علماء فرماتے ہیں وہاں کے دو مٹکوں کی مقدار پانچ سو نوے رطل بنتی ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں۔ یہ مقدار تقریباً پانچ قرب بنتی ہے۔ ابن سلام کی تفسیر میں اسلاف سے منقول ہے کہ اس مقام کو سدرۃ المنتہی اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ مؤمن کی روح وہاں پہنچ کر رک جاتی ہے وہاں مقرب ملائکہ نماز میں مشغول ہوتے ہیں انہوں نے یہ ''علیین'' کی تفسیر میں لکھا ہے۔

آسمانِ دنیا پر حضرت آدم سے ملاقات

آپ ﷺ نے آسمانِ دنیا پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات کی۔ ان کے دائیں جانب بھی کچھ لوگ تھے اور کچھ لوگ بائیں جانب تھے۔ حضرت جبرائیل نے آپ ﷺ کو بتایا کہ وہ لوگ جو آپ کے دائیں جانب ہیں وہ اصحابِ یمین ہیں۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ آپ علیہ السلام پر اولاد کی ارواح پیش کی جاتی ہیں جب آپ ان ارواح کو دیکھتے ہیں جو آپ کے دائیں جانب ہیں تو آپ مسکراتے ہیں۔

اس پر ایک اعتراض کیا گیا ہے آپ علیہ السلام نے اپنے دائیں طرف اصحابِ یمین کی ارواح کو کیسے ملاحظہ فرما لیا اس وقت تو اصحابِ یمین تعداد میں بہت کم تھے۔ شاید اس رات ان میں سے کسی ایک نے بھی وفات نہ پائی ہو جبکہ حدیث کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ایک پوری جماعت ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اسراء سے مراد دل کا دیکھنا ہو تو اس کی تاویل یہ ہے کہ عنقریب ایسا ہوگا اور اگر یہ

دیکھنا آنکھ کا مشاہدہ ہو جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا نقطۂ نظر ہے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ انہوں نے وہاں مومنین کی ارواح ملاحظہ کی تھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مخلوق پر اس کی نیند میں موت طاری کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (الزمر: ۴۲)

''اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت''۔

یہ ارواح وہاں پہنچ جاتی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام ان کا مشاہدہ فرما لیتے ہیں پھر یہ ارواح اپنے اپنے جسموں میں لوٹا دی جاتی ہیں۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ان ''اصحاب یمین'' سے مراد وہ فرخندہ فال لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ مدثر میں کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾ فِيْ جَنّٰتٍ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

''مگر داہنی طرف والے باغوں میں پوچھتے ہیں مجرموں سے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اس سے مراد وہ بچے ہیں جو بچپن میں مر جاتے ہیں اسی لئے وہ مجرموں سے پوچھیں گے مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ۔ ''تمہیں کیا بات دوزخ میں لے گئی''۔ کیونکہ وہ کفار کے کفر کی پہچان سے پہلے ہی مر گئے تھے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ مؤمنین اور کفار کے بچے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کفالت میں ہیں جب نبی اکرم ﷺ نے انہیں ایک باغ میں دیکھا تو حضرت جبرائیل سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے عرض کی یہ مؤمنین کے وہ بچے ہیں جو بچپن میں انتقال کر گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کفار کے بچے؟ انہوں نے عرض کی کفار کے بچے بھی ان میں شامل ہیں۔ امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الجنائز میں لکھا ہے ایک اور جگہ بھی تحریر کیا ہے وہاں ''اَوْلَادُ النَّاسِ'' کا ذکر ہے یہ پہلی حدیث میں نص ہے اور دوسری حدیث میں عموم ہے۔ کفار کے بچوں کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ اہل جنت کے خادم ہیں۔ ممکن ہے حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں سمت ان بچوں کی ہی ارواح ہوں جو حضور ﷺ نے ملاحظہ کی ہوں۔

پانی کا حکم

اس روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس برتن سے پانی نوش کیا جسے ڈھانپا گیا تھا۔ پانی اگرچہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتا لوگ اس میں برابر شریک ہوتے ہیں آگ اور گھاس کا بھی یہی حکم ہے لیکن اگر

زبانِ مصطفیٰ ﷺ سے بیان کردہ بعض انبیاء علیہم السلام کی صفات

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ امام زہری نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے شب معراج حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات کی پھر صحابہ کرام سے ان کے اوصاف بیان کئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام تمہارے صاحب (ﷺ) کے مشابہ اور تمہارے صاحب (ﷺ) حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔ وَاَمَّا مُوْسٰی فَرَجُلٌ آدَمُ طَوِیْلٌ ضَرْبٌ جَعْدٌ اَقْنَی کَاَنَّهٗ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَةَ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام گندم گوں، طویل، دبلے پتلے اور گھنگریالے بالوں والے تھے وہ بنو شنوءۃ میں سے ایک شخص محسوس ہوتے تھے۔ وَاَمَّا عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ فَرَجُلٌ اَحْمَرُ بَیْنَ الْقَصِیْرِ وَالطَّوِیْلِ سَبْطُ الشَّعْرِ کَثِیْرُ خِیْلَانِ الْوَجْهِ کَاَنَّهٗ خَرَجَ مِنْ دِیْمَاسٍ تَخَالُ رَاْسَهٗ یَقْطُرُ مَاءً وَ لَیْسَ بِهٖ مَاءٌ

پینے والا اسے اپنے برتن میں محفوظ کر لے تو یہ اس کی ملکیت بن جاتا ہے۔ حضور ﷺ کے لئے اس پانی کا پینا کیسے جائز ہوا جبکہ وہ دوسرے کی ملکیت میں تھا۔ اس وقت تک نہ تو کفار کی املاک اور نہ ہی ان کے خون مباح تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب مسافروں کے لئے دودھ بھی جائز قرار دیتے تھے چہ جائیکہ پانی! وہ اپنے چرواہوں کو حکم دیتے تھے اور اس شرط پر انہیں اپنے جانور چرانے کی اجازت دیتے تھے کہ وہ کسی مسافر کو دودھ سے منع نہیں کریں گے۔ عرف میں حکم شریعت میں اصول ہوتا ہے امام بخاری نے کتاب البیوع میں ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ہند بنت عتبہ سے کہا تھا" اس کے مال سے اتنا لے لیا کر جو تیرے لئے اور تیرے بیٹے کے لئے کافی ہو"۔

بیت المقدس میں تشریف آوری اور انبیاء علیہم السلام کے اوصاف

آپ ﷺ بیت المقدس میں تشریف لے گئے وہاں انبیائے کرام علیہم السلام موجود تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں امامت کروائی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے انکار کیا ہے کہ آپ ﷺ نے انبیاء کو امامت کرائی ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ براق کی پشت پر ہی سوار رہے حتیٰ کہ آپ نے جنت و دوزخ کا مشاہدہ کیا اور وہ نشانیاں دیکھیں جن کا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے وعدہ کیا تھا۔ پھر آپ ﷺ زمین پر تشریف لے آئے لیکن حدیث میں عادل کی زیادتی مقبول ہوتی ہے اور ثابت کرنے والے کی روایت نفی کرنے والے سے مقدم ہوتی ہے۔

اَشْبَهَ رِجَالِكُمْ بِهٖ عُرْوَةُ ابْنُ مَسْعُوْدِ الثَّقْفِي۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رنگت سرخ وسفید، درمیانہ قد، سیدھے بالوں والے اور چہرے پر بہت سے خال دکھائی دیتے تھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ ابھی حمام سے نکلے ہیں ان کے سر سے پانی ٹپک رہا ہو حالانکہ وہاں پانی نہ تھا۔ تم میں سے حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان سے بہت مشابہ ہیں۔

ابن ہشام فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ جب حضور ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے تو یوں فرماتے۔

"لَمْ يَكُنْ بِالطَّوِيْلِ الْمُمَّغِطِ، وَ لَا الْقَصِيْرِ الْمُتَرَدِّدِ، وَ كَانَ رَبْعَةً مِنَ الْقَوْمِ، وَ لَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَ لَا السَّبْطِ كَانَ جَعْدًا رَجِلًا وَ لَمْ يَكُنْ بِالْمُطَهَّمِ وَ لَا الْمُكَلْثَمِ وَ كَانَ اَبْيَضَ مُشْرَبًا اَدْعَجَ الْعَيْنَيْنِ، اَهْدَبَ الْاَشْفَارِ، جَلِيْلَ الْمُشَاشِ الْكَتَدِ، دَقِيْقَ الْمَسْرُبَةِ اَجْرَدَ شَثْنَ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ اِذَا مَشٰى تَقَلَّعَ، كَاَنَّمَا يَمْشِي فِي صَبَبٍ وَاِذَا اِلْتَفَتَ اِلْتَفَتَ مَعًا، بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتِمُ النُّبُوَّةِ وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ اَجْوَدُ النَّاسِ كَفًّا وَاَجْرَأُ النَّاسِ صَدْرًا، وَاَصْدَقُ النَّاسِ لَهْجَةً وَ اَوْفَى النَّاسِ ذِمَّةً وَاَلْيَنُهُمْ عَرِيْكَةً وَاَكْرَمُهُمْ عِشْرَةً، مَنْ رَآهُ بَدِيْهَةً هَابَهٗ وَ مَنْ خَالَطَهٗ اَحَبَّهٗ يَقُوْلُ نَاعِتُهٗ۔ لَمْ اَرَ قَبْلَهٗ وَ لَا بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ۔

مذکورہ بالا روایت میں انبیاء علیہم السلام کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توصیف میں فرمایا كَاَنَّ رَاْسَهٗ يَقْطُرُ مَاءً وَ لَيْسَ بِهٖ مَاءٌ۔ گویا کہ آپ ﷺ کے سر مبارک سے پانی کے قطرات گر رہے تھے حالانکہ وہاں پانی نہ تھا۔ كَاَنَّهٗ خَرَجَ مِنْ دِيْمَاسٍ۔ گویا کہ آپ ابھی ابھی حمام سے نکلے تھے۔ دِيْمَاسٌ حمام کو کہتے ہیں۔ اس کی اصل دِمَّاسٌ ہے اور اس کی جمع دَمَامِيْسُ آتی ہے بعض علماء اس کی جمع دِيَامِيْسُ بتاتے ہیں یہ قیراط، دینار اور دیباج کی طرح ہے یہ تمام مضاعف ہیں پھر حرف مدغم کو یاء میں تبدیل کر دیا گیا۔ جمع یا تصغیر بناتے وقت انہیں اصل پر لوٹا دیا جاتا ہے مثلاً قَرَارِيْط اور دَنَانِيْر اور قُرَيْرِيْط اور دُنَيْنِيْر وغیرہ لیکن اہل عرب دِيَانِيْر، قِيَارِيْط نہیں کہتے جس طرح وہ دِيَامِيْس کہتے ہیں وہ اسی طرح دَبَابِيْج اور دِيَابِيْج کہتے ہیں دَمَسٌ کا معنی "ڈھانپنا" ہے اس سے لَيْلٌ دَامِسٌ" ہے۔ حضرت عیسیٰ کی اس صفت سے اس شادابی اور خوشحالی کی طرف اشارہ ہے جو اس وقت ہوئی تھی جب وہ زمین پر تشریف لائے تھے۔

آپ ﷺ نہ زیادہ طویل القامت تھے اور نہ ہی کوتاہ قد تھے بلکہ آپ ﷺ کا قد میانہ تھا، آپ ﷺ کی زلفِ عنبریں نہ سیدھی تھیں نہ گھنگھریالی بلکہ دونوں صفات سے متصف تھیں۔ آپ ﷺ نہ موٹے تھے اور نہ ہی دبلے پتلے تھے۔ رنگت کی سفیدی میں سرخی تھی آنکھیں سرگیں تھیں، ابرو طویل تھے جوڑ بڑے بڑے تھے، شانوں کا درمیانہ حصہ بڑا تھا سینہ مبارک سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک لکیر تھی باقی جسم پر بال نہ تھے، ہتھیلیاں اور قدم مبارک گوشت سے بھرپور تھے، قدم مبارک زمین پر پورے نہ لگتے تھے، ایسے لگتا تھا کہ آپ نشیب کی طرف چل رہے ہوں۔ کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پوری طرح متوجہ ہو جاتے۔ دونوں شانوں کے مابین مہر نبوت تھی۔ آپ ﷺ خاتم النبیین تھے، آپ سخیوں میں سے سب سے سخی، بہادروں میں سے سب سے زیادہ قوی اور اخلاق میں سب سے زیادہ کریم تھے، پہلی دفعہ زیارت کرنے والا مرعوب ہو جاتا تھا اور اکثر ملنے والا محبت کا دم بھرنے لگتا تھا، آپ ﷺ کی تعریف کرنے والا یہی کہتا ہے کہ میں نے نہ پہلے آپ جیسا حسین دیکھا نہ بعد میں۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت

محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت ام ھانی رضی اللہ عنہا کا نام "ہند" تھا، مجھے ان سے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصف میں ہے اَنَّهٗ اٰدَمُ طُوَالٌ۔ وہ گندم گوں، طویل تھے۔ ان کے گندم گوں ہونے کا وصف قرآن پاک میں موجود ہے۔ طبری اللہ تعالیٰ کے فرمان: تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ (طہ:۲۲) "وہ نکلے گا سفید چمکتا ہوا بغیر کسی تکلیف کے" کی تفسیر میں لکھتے ہیں ید بیضاء کے خروج میں یہ دلیل ہے کہ وہ اس دست اقدس کو نکالیں جس کا رنگ دوسرے سارے جسم کے رنگ سے مختلف ہوں یہی آپ علیہ السلام کے گندم گوں ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وصف میں فرمایا لَمْ اَرَ رَجُلًا اَشْبَهَ بِصَاحِبِكُمْ وَلَا صَاحِبُكُمْ اَشْبَهَ مِنْهُ۔ اَشْبَهَ دونوں مقامات پر منصوب کیوں ہے یہ ایک اشکال ہے لیکن اس کا معنی سمجھنے سے اس کے اعراب کی سمجھ خود بخود آ جاتی ہے۔ اس کا معنی ہے میں نے تمہارے صاحب سے زیادہ ان کے مشابہ کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ان کے علاوہ کسی کو تمہارے صاحب کے زیادہ مشابہ دیکھا ہے۔ اشبہ کو دوسری مرتبہ تاکید کے لئے بیان کیا گیا ہے اس طرح یہ لغو ہے۔ "صَاحِبُكُمْ" کا عطف اس ضمیر پر ہے جو پہلے اَشْبَهَ میں مضمر ہے۔ وہ لِرَجُلٍ کی صفت ہے۔ اگر "هُوَ" سے تاکید نہ لگائی گئی ہوتی تو پھر یہ

معراجِ مصطفیٰ ﷺ کے متعلق یہ روایت پہنچی ہے۔ وہ فرماتی ہیں۔ ''جب حضور ﷺ کو معراج ہوئی تو آپ ﷺ میرے گھر میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے تاخیر سے نمازِ عشاء ادا فرمائی پھر محو استراحت ہو گئے ہم بھی سو گئے۔ نمازِ فجر سے کچھ دیر پہلے آپ ﷺ نے ہمیں بیدار کیا، آپ ﷺ نے نمازِ صبح ادا فرمائی ہم نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''اے ام ھانی! تو جانتی ہے کہ میں نے اس وادی میں تمہارے ساتھ عشاء کی نماز ادا کی پھر میں بیت المقدس گیا میں نے وہاں نماز ادا کی پھر میں نے صبح کی نماز تمہارے ساتھ ادا کی جس طرح تو نے ابھی دیکھا ہے''۔ پھر آپ باہر تشریف لے گئے تا کہ لوگوں کو اس واقعہ کے متعلق بتائیں میں نے آپ ﷺ کی چادر مبارک کے دامن کو پکڑ لیا آپ ﷺ کے بطن اطہر سے کپڑا اٹھ گیا وہ لپٹے ہوئے قبطی کپڑے کی مانند دکھائی دیا'' یعنی

عطف کرنا بہت عمدہ ہوتا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں عطف ہے۔ ''مَا اَشْرَكْنَا وَلَا آبَاءَ نَا'' کیونکہ اس کے مابین ''لا نافیہ'' کے ساتھ فاصلہ ہے۔ اگر کلام سے دوسرا اشبہ ساقط کر دیا جائے تو بہت عمدہ ہوتا اور اگر ''صَاحِبُكُمْ'' کو مؤخر کر کے اس طرح کہا جاتا۔ ''وَ لَا اَشْبَهَ بِهٖ صَاحِبُكُمْ مِنْهُ'' تو یہ بھی جائز ہوتا ہے۔ یہ ''صَاحِبُكُمْ'' دوسرے اشبہ کا فاعل ہوتا۔ یہ اہل عرب کے اس قول کے مشابہ ہوتا مَا رَاَيْتُ رَجُلًا اَحْسَنَ فِي عَيْنِهِ الْكُحْلُ مِنْ زَيْدٍ۔ میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس کی آنکھوں میں سرمہ اتنا خوبصورت لگتا ہو جتنا کہ زید کی آنکھوں میں لگتا ہے لیکن یہ مسئلہ ایک ایسی مشکل گرہ ہے جسے علمائے نحو کے ہاتھ نہیں کھول سکے۔ نہ علمائے متقدمین اس کا شافی جواب دے سکے ہیں اور نہ ہی متاخرین علماء اس مسئلہ کو حل کر سکتے ہیں۔ ہم نے اپنی دوسری کتاب میں اس مسئلہ پر تحقیق کی ہے۔

حضور ﷺ کا حلیہ مبارک

الطَّوِيْلُ الْمُمَّغِطُ۔ مُمَّغِطُ، غین کے ساتھ ہے لیکن یہ عین کے ساتھ بھی روایت ہے۔ مذکورہ بالا الفاظ کی شرح ابو عبید نے لکھی ہے انہوں نے اصمعی، کسائی اور ابو عمرو وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ الطَّوِيْلُ الْمُمَّغِطُ سے مراد دراز قد ہے۔ اَلْقَصِيْرُ الْمُتَرَدِّدُ۔ ایسا شخص جس کی تخلیق متردد نہ ہو۔ ایسا شخص جس کا قد اتنا کوتاہ نہ ہو کہ برا لگے۔ آپ ﷺ میانہ قد تھے۔ حدیث کے آخر میں ضَرْبُ اللَّحْمِ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ سے مراد یہی ہے۔

انتہائی سفید'' میں نے عرض کی ''اے اللہ کے نبی! صلی اللہ علیک وسلم لوگوں کو اس واقعہ کے متعلق نہ بتائیں وہ آپ کی تکذیب کریں گے۔ وہ آپ ﷺ کو اذیت دیں گے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ کی قسم! میں انہیں یہ حیرت انگیز واقعہ ضرور بتاؤں گا''۔ میں نے اپنی حبشی خادمہ سے کہا تو حضور ﷺ کے پیچھے پیچھے جا اور غور سے سن کہ آپ ﷺ لوگوں سے کیا فرماتے ہیں اور لوگ آپ ﷺ سے کیا سلوک کرتے ہیں؟۔ حضور ﷺ لوگوں کے پاس آئے اور اس تعجب خیز واقعہ کے متعلق اطلاع دی۔ لوگوں نے تعجب کیا اور کہنے لگے اس حیرت انگیز سیر کی دلیل کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں فلاں وادی میں فلاں کارواں کے پاس سے گزرا براق کی آہٹ نے انہیں ڈرا دیا ان کا ایک اونٹ بدک گیا، میں نے ان کی اس کی طرف راہ نمائی کی میں شام کی طرف عازمِ سفر تھا۔ واپسی پر میں وادی ''ضجنان'' سے گزرا وہاں فلاں قافلہ ''خیمہ زن'' تھا اہل کارواں سوئے ہوئے تھے۔ ان کے ایک برتن میں پانی تھا وہ کسی چیز سے ڈھکا ہوا تھا میں نے وہ چیز ہٹا کر پانی پیا اور پھر اسے اسی طرح ڈھانپ دیا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ کارواں مقام بیضاء تنعیم کی گھاٹی پر پہنچ چکا ہے اس کے آگے آگے ایک خاکستری اونٹ ہے جس پر دو بورے ہیں۔ ان میں سے ایک کالا اور دوسرا دھاری دار ہے۔ قوم اس گھاٹی کی طرف دوڑ کر گئی لیکن وہ پہلے اونٹ کو اس طرح نہ پا سکے وہ تیز رفتاری سے آگے نکل چکا تھا۔ انہوں نے اہل کارواں سے پانی کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ انہوں نے برتن بھر کر رکھا تھا اسے ڈھانپا بھی تھا جب بیدار

لَيْسَ بِالْمُطَهَّمِ

اس سے مراد وہ کامل شخص ہے جس کی ہر چیز جدا جدا ہو۔ ایسا حسن دلکش ہوتا ہے۔ اصمعی کے علاوہ دوسرے علماء نحو فرماتے ہیں مُكَلْثَمْ سے مراد چہرے کا گول ہونا ہے لیکن آپ ﷺ کا رخ انور بالکل گول نہ تھا بلکہ قدرے لمبا تھا۔ ''مُشْرَبٌ'' سے آنکھوں کی سرخی مراد ہے۔ ''اَدْعَجُ'' سے مراد آنکھ کی سیاہی ہے۔ اصمعی کہتے ہیں ''الدُّعْجَةُ'' سے مراد سیاہی ہے۔ ''اَلْجَلِيْلُ الْمُشَاشُ'' سے مراد بڑے بڑے جوڑ مثلاً گھٹنے، کہنیاں اور کندھے ہیں۔ ''اَلْكَتَدُ'' سے مراد گردن کا پٹھا اور اس سے متصل جسم ہے۔ ''شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ'' یہ دونوں اعضاء گوشت سے بھرپور تھے۔ لَيْسَ بِالسَّبَطِ وَلَا الْجَعْدِ الْقَطَطِ۔ نہ بال سیدھے تھے نہ گھنگھریالے۔ قَطَطٌ سے مراد اہل حبشہ کے بالوں کی مانند بالکل گھنگھریالے بال ہیں۔

ہوئے تو دیکھا کہ وہ اسی طرح ڈھکا تھا لیکن اس میں پانی نہ تھا جب دوسرا کارواں مکہ معظمہ پہنچا تو انہوں نے اس سے بھی پوچھا۔ انہوں نے کہا "بخدا! حضور ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔ ہم اس وادی میں خوفزدہ ہوئے تھے ہمارا اونٹ بھی بدک گیا تھا، ہم نے ایک شخص کی آواز سنی وہ ہمیں بلا رہا تھا حتیٰ کہ ہم نے اونٹ پکڑلیا"۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے ابوسعید الخدری سے اس شخص نے روایت کیا ہے جسے میں جھوٹا نہیں سمجھتا۔ وہ فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ کو سنا آپ ﷺ فرما رہے تھے۔ "جب میں

اللہ رب العزت کا دیدار

کیا شبِ معراج حضور ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا تھا؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ مسروق نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اس کا انکار کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہو۔ وہ فرماتی ہیں جس نے یہ زعم کیا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ انہوں نے بطورِ دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پیش کیا ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (انعام: ۱۰۳)

"آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کرتیں اور سب آنکھیں اس کے احاطہ میں ہیں"۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس اور حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا۔ حضرت کعب فرماتے تھے اِنَّ اللّٰهَ قَسَمَ رُؤْيَتَهٗ وَ كَلَامَهٗ بَيْنَ مُوْسٰى وَ مُحَمَّدٍ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار اور کلام محمد ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام کے مابین تقسیم کیا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوذر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں "میں نے عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! هَلْ رَاَيْتَ رَبَّكَ۔ کیا آپ ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا رَاَيْتُ نُوْرًا۔ "میں نے نور دیکھا ہے"۔ مسلم شریف کی دوسری حدیث ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔ نُوْرٌ اِنِّيْ رَاٰهُ۔ وہ نور ہے میں نے اس کی زیارت کی ہے۔ اس حدیث میں کوئی شافی وضاحت نہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہو۔ حضرت ابوالحسن الاشعری سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ کا دیدار کیا۔ تفسیر نقاش میں حضرت ابن حنبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ان سے سوال کیا جاتا۔ هَلْ رَاٰى مُحَمَّدٌ رَبَّهٗ فَقَالَ رَاٰهُ رَاٰهُ رَاٰهُ حَتّٰى اِنْقَطَعَ صَوْتُهٗ۔ کیا محمد ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے وہ فرماتے ہیں ہاں انہوں

بیت المقدس میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات سے فارغ ہوا تو ایک سیڑھی لائی گئی میں نے کوئی چیز نہ دیکھی جو اس سے زیبا تر ہو۔ وقت نزع تمہارے مردے اسی کی طرف نظر گاڑھ دیتے ہیں۔ میرے رفیقِ راہ نے مجھے اس پر چڑھا دیا۔ حتیٰ کہ وہ مجھے آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازے کے پاس لے گیا۔ اسے باب الحفظ کہا جاتا تھا۔ اس پر ایک فرشتہ تھا جس کا نام اسماعیل تھا اس کے ماتحت بارہ ہزار فرشتے تھے اور ان میں سے ہر ایک کے ماتحت بارہ، بارہ ہزار فرشتے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔ وَ مَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ۔ "اور تمہارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے لے کر آسمان میں داخل ہوئے تو اس فرشتے نے پوچھا اے جبرائیل! یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا محمد! (فداہ روحی) ﷺ۔ اس نے پوچھا کیا ان کی طرف پیغام بھیجا گیا تھا۔ حضرت جبرائیل نے کہا ہاں۔ اس فرشتے نے میرے لئے بھلائی کی دعا کی۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ نبی محترم ﷺ نے فرمایا جب میں

نے اسے دیکھا ہے، انہوں نے اسے دیکھا ہے، انہوں نے اسے دیکھا ہے حتیٰ کہ ان کا سانس ختم ہو جاتا۔ تفسیر عبدالرزاق میں امام زہری سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا انکار مرقوم ہے اس کے بعد امام زہری فرماتے ہیں۔ ہمارے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے زیادہ عالمہ نہیں ہیں۔ تفسیر ابن سلام میں حضرت عروہ سے روایت ہے کہ جب انہیں حضرت عائشہ کا یہ انکار سنایا جاتا تو وہ سخت ناراض ہوتے۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کا نقطۂ نظر بھی حضرت ابن عباس کے نقطۂ نظر کی طرح ہے۔ داؤد بن حصین سے روایت ہے مروان نے حضرت ابوھریرہ سے سوال کیا کہ کیا حضور ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا انہوں نے فرمایا ہاں! حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف یہ سوال بھیجا کہ کیا لامکان کے سیاح اعظم ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا؟ انہوں نے فرمایا "ہاں"۔ انہوں نے پوچھا دیدار کیسے کیا؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا "میں اس کی وضاحت ایسے الفاظ سے نہیں کرنا چاہتا جس سے کسی تشبیہ کا وہم ہو۔ اس کی وضاحت کسی تاویل کے بغیر ممکن نہیں"۔

ان تمام اقوال کا لب لباب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا لیکن یہ دیدار اس طرح اکمل نہیں تھا جس طرح آپ ﷺ کرامت عظمیٰ اور نعمت کبریٰ کے وقت بارگاہِ قدس میں اس کا دیدار کریں گے، آپ ﷺ کا یہ فرمان اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ رَاَيْتُ نُوْرًا وَ نُوْرًا اَنّٰى رَاٰهُ۔ جہاں

آسمان دنیا میں داخل ہوا تو مجھ سے مختلف ملائکہ نے ملاقات کی۔ ہر فرشتہ مجھ سے شاداں و فرحاں ملتا تھا۔ وہ عمدہ بات کرتا اور دعا دیتا مگر مجھ سے ایک ایسا فرشتہ ملا جس نے گفتگو تو دوسرے ملائکہ کی طرح کی اور دعا بھی اسی طرح دی لیکن اس کے چہرے پر وہ مسکراہٹ نہ تھی جو مجھے دوسرے ملائکہ کے چہروں پر نظر آئی۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل! یہ فرشتہ کون ہے؟ جس کا چہرہ مجھ سے ملاقات کرتے وقت بھی مسرت وشادمانی سے خالی تھا۔ حضرت جبرائیل نے عرض کی اگر اس نے آپ ﷺ سے قبل کسی سے مسکرا کر بات کی ہوتی تو وہ آج آپ ﷺ سے ضرور ہنس کر بات کرتا لیکن وہ ہنس کر بات کرتا ہی نہیں۔ وہ دوزخ کا داروغہ "مالک" ہے۔ میں نے کہا اسے اللہ تعالیٰ نے جہنم کا نگران مقرر کیا ہے۔ اسی نے ہی تمہارا یہ وصف بیان کیا ہے۔ مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ۔ "اس کی اطاعت کی جاتی ہے اور وہ وہاں امین ہے"۔ کیا تم اس مالک کو حکم نہیں دو گے کہ وہ مجھے جہنم دکھائے۔ حضرت جبرائیل نے عرض کی کیوں نہیں! اے مالک! انہیں جہنم کے عجائبات دکھاؤ

تک "الدُّنُوّ اور التَدَلّٰی" کا تعلق ہے تو بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت جبرائیل ہیں جو حضور ﷺ کے قریب ہوئے۔ "جامع صحیح" کی ایک روایت ہے فَتَدَلّٰی جَبَّارٌ۔ ذات باری تعالیٰ قریب ہوئی۔ اس روایت کے راوی اگرچہ ثقہ ہیں لیکن اس کا ذکر کسی مفسر نے نہیں کیا، شاید اس کے ظاہری معنی کے محال ہونے کی وجہ سے ہو لیکن اس میں کوئی استحالہ نہیں کیونکہ اگر "اسراء" خواب میں ہوئی ہو اور آپ ﷺ کے قلب انور نے دیدار کیا ہو اور آنکھیں بدستور محو استراحت رہی ہوں تو اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ آپ ﷺ سے ایک اور روایت ہے کہ آپ ﷺ نے خواب میں اپنے رب کو احسن صورت میں دیکھا اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت آپ ﷺ کے مبارک شانوں کے مابین رکھا اس کی ٹھنڈک آپ ﷺ نے اپنے سینے کے وسط میں محسوس کی...... (ترمذی)

یہ خواب ہے اس کا انکار اہل علم میں سے کسی نے نہیں کیا اور نہ ہی اس کو بے مزہ سمجھا ہے لیکن اگر یہ فرمان "فَتَدَلّٰی الْجَبَّارُ" اس معراج کے متعلق ہے جس میں آپ ﷺ کے جسم اقدس نے بھی سیر کی تو پھر اس میں وہی تاویل کرنا پڑے گی جو آپ ﷺ کے اس فرمان میں کرنا پڑی۔ یَنْزِلُ رَبُّنَا کُلَّ لَیْلَةٍ اِلٰی سَمَاءِ الدُّنْیَا۔ "ہمارا رب ہر رات آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔" اس میں تاویل کرنا مشکل نہیں اور اس میں کوئی انکار بھی نہیں، معراج عالم نیند میں ہو یا عالم بیداری میں، ہم نے "قَابَ قَوْسَیْنِ" کی شرح میں اس کی پوری تفصیل بیان کی ہے۔ ہم نے وہاں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ۔ کی بھی تشریح کی ہے اور تقدیس وتسبیح کے معنی کے لطائف بیان کئے ہیں۔ ہم نے وہاں نیند

اس نے جہنم سے پردہ ہٹایا۔ جہنم شعلہ زن اور شرر فشاں ہوگئی حتیٰ کہ مجھے گمان ہوا کہ مجھے نظر آنے والی تمام اشیاء کو یہ ہڑپ کر جائے گی"۔ میں نے حضرت جبرائیل سے کہا "اسے حکم دو کہ یہ جہنم کو پرسکون ہونے کا حکم دے"۔ ان کا حکم سن کر مالک نے جہنم کو پرسکون ہو جانے کا حکم دیا وہ جہنم اپنی سابقہ جگہ پر چلی گئی۔ اس کا لوٹنا سایہ کے لوٹنے کی مانند تھا۔ جب اس کے شعلے جہاں سے نکلے تھے وہاں چلے گئے تو اس نے اس پر پردہ ڈال دیا۔ حضرت ابوسعید الخذری اپنی حدیث کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نبی دو جہاں ﷺ نے فرمایا۔ "جب میں آسمانِ دنیا میں داخل ہوا تو میں نے وہاں ایک شخص دیکھا جو وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ بنو آدم کی ارواح اس پر پیش کی جا رہی تھیں۔ جب ان پر کچھ ارواح پیش کی جاتیں تو وہ ان سے خوش ہوتے اور انہیں بھلائی سے یاد کرتے۔ وہ کہتے۔ "یہ عمدہ روح ہے جو عمدہ جسم سے نکلی ہے" لیکن جب کچھ اور ارواح پیش کی جاتیں تو وہ انہیں "اف" فرماتے۔ وہ اپنے چہرے کو بھسورتے اور فرماتے۔ "یہ خبیث روح ہے جو خبیث جسم سے نکلی ہے"۔ میں نے حضرت جبرائیل سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ آپ ﷺ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں جب ان کے پاس کسی مؤمن کی روح پیش ہوتی ہے تو وہ

میں ذاتِ باری تعالیٰ کے دیدار کے متعلق بھی لکھا ہے جو رُؤيَةٌ اور رُؤيَا کا معنی دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ وہاں سے مطالعہ کر لے۔ اس سے بخاری شریف کی اس حدیث کی بھی وضاحت ہوتی ہے جس میں تَدَلّی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ امام بخاری نے ابن سنجر سے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ معراج پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر وحی کی جو کی جب حضرت جبرائیل نے اللہ تعالیٰ کا قرب محسوس کیا تو وہ فوراً سجدہ ریز ہو گئے۔ وہ یوں تسبیح خواں تھے، سُبْحَانَ رَبِّ الْجَبَرُوْتِ وَ الْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَ الْعَظَمَةِ۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے وہ انعامات اور نوازشات اپنے محبوب مکرم ﷺ کو دے دیں جو انہیں عنایت فرمائی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "پھر حضرت جبرائیل نے اپنا سر اٹھا لیا۔ میں نے انہیں اس صورت میں دیکھا جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں تخلیق فرمایا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ان کے پر زبرجد، موتی اور یاقوت سے آراستہ تھے، مجھے محسوس ہوا کہ انہوں نے میرے سامنے دونوں افقوں کو گھیر لیا۔ اس سے قبل میں نے انہیں مختلف صورتوں میں دیکھا تھا۔ میں نے انہیں اکثر حضرت دحیہ بن خلیفہ الکلبی کی صورت میں دیکھا تھا" آپ نے اس سے قبل حضرت جبرائیل کو اسی طرح دیکھا تھا جس طرح آدمی غربال (چھننی) کے پیچھے سے اپنے ساتھی کو دیکھتا ہے۔

اس سے خوش ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ پاکیزہ روح پاکیزہ جسم سے نکلی ہے۔ جب کسی کافر کی روح ان پر پیش کی جاتی ہے تو وہ اسے اف کہتے ہیں اور اسے ناپسند کرتے ہیں انہیں اس سے تکلیف ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں یہ خبیث روح ہے جو خبیث جسم سے نکلی ہے''۔ پھر میں نے ایسے آدمی دیکھے جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی طرح تھے ان کے ہاتھوں میں پتھروں کی طرح آگ کے انگارے تھے۔ وہ انہیں اپنے منہ میں ڈال رہے تھے پھر وہ ان کی پشتوں سے نکل رہے تھے۔ میں نے حضرت جبرائیل سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا'' یہ ظلم کرتے ہوئے یتیموں کا مال کھانے والے ہیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا'' پھر میں نے ایسے آدمی دیکھے جن کے پیٹ اتنے بڑے تھے کہ میں نے اس سے پہلے اتنے بڑے پیٹ نہیں دیکھے تھے۔ وہ آلِ فرعون کی راہ پر تھے۔ جب وہ آگ پر پیش کئے جاتے تو وہ پیاسے اونٹوں کی طرح وہاں سے گزر جاتے وہ آگ کو روندتے جاتے وہ ادھر ادھر ہٹنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل! یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ سود خور ہیں''۔

'' پھر میں نے ایسے آدمی دیکھے جن کے سامنے عمدہ اور مہنگا گوشت پڑا تھا ان کی ایک طرف بدبودار گندا گوشت پڑا تھا۔ وہ بدبودار گندا گوشت کھا رہے تھے اور عمدہ، قیمتی گوشت کو ترک کر رہے تھے۔ میں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی ان بیویوں کو چھوڑ دیتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے حلال کیا ہے اور ان عورتوں کے پاس جاتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے حرام کیا ہے''۔

آپ ﷺ نے فرمایا'' پھر میں نے ایسی عورتیں دیکھیں جو پستانوں کے بل لٹکی ہوئی تھیں میں نے پوچھا، اے جبرائیل! یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا'' یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے مردوں میں ایسے بچے کو شامل کرتی ہیں جو ان کی اولاد میں سے نہیں ہوتا''۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔'' اس

مختلف انبیاء کرام سے ملاقات

ایک سوال تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت آدم علیہ السلام سے آسمانِ دنیا پر ملاقات کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ساتویں آسمان پر ملاقات کی اور دیگر انبیاء سے مختلف آسمانوں پر ملاقات کی۔ ہر نبی کو اس آسمان کے ساتھ مختص کرنے کی کیا وجہ ہے جس میں آپ نے اس سے ملاقات کی؟ دوسرا

عورت پر اللہ تعالیٰ کا غصہ انتہائی شدید ہوتا ہے جس نے اپنے مردوں میں اس بچے کو شامل کیا جو ان میں سے نہ تھا اس نے ان کے مال و دولت کو کھایا اور ان کے خفیہ رازوں سے آگاہ ہو گیا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نے فرمایا "پھر وہ مجھے دوسرے آسمان پر لے گئے وہاں دو خالہ زاد بھائی حضرت عیسیٰ بن مریم اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہم السلام موجود تھے پھر حضرت جبرائیل مجھے تیسرے آسمان پر لے گئے۔ میں نے وہاں ایک حسین و جمیل شخص دیکھا اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح تھا میں نے حضرت جبرائیل سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا آپ ﷺ کے بھائی حضرت یوسف بن یعقوب علیہما السلام ہیں۔ پھر وہ مجھے چوتھے آسمان پر لے گئے، میں نے وہاں ایک شخص دیکھا۔ میں نے ان سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا یہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ "وَ رَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا"۔ "اور ہم نے اسے بلند مکان پر اٹھالیا"۔ پھر حضرت جبرائیل مجھے پانچویں آسمان پر لے گئے۔ وہاں ایک بزرگ تشریف فرما تھے ان کے سر اور داڑھی کے بال سفید تھے۔ ان کے جسم پر بہت زیادہ بال تھے۔ میں نے کسی بوڑھے کو ان سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل! یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ اپنی قوم کے محبوب حضرت ہارون علیہ

سوال یہ ہے کہ آسمانوں پر صرف ان انبیاء سے ہی کیوں ملاقات ہوئی اور اگر آپ ﷺ نے تمام انبیاء کرام سے ملاقات کی تو پھر صرف ان انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیوں کیا؟ ابوالحسن نے بخاری کی شرح میں اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے لیکن انہوں نے اس کا حق ادا نہیں کیا۔ ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام کو حضور ﷺ کی تشریف آوری کے متعلق علم ہوا تو انہوں نے اس طرح جلدی کی جس طرح ایک شخص دوسرے آنے والے شخص کی ملاقات کے لئے جلدی کرتا ہے۔ بعض انبیاء نے جلدی کی لیکن بعض نے جلدی نہ کی۔ ابوالحسن نے اسی طرف اشارہ کیا ہے اور اس سے زائد کچھ نہیں لکھا۔ میں کہتا ہوں کہ ان کے فہم کا ماخذ علم تعبیر ہے علم تعبیر کا تعلق علم نبوت سے ہے۔ علماء تعبیر کہتے ہیں۔ "جس نے خواب میں کسی نبی کو دیکھا تو شدت یا نرمی یا دیگر امور میں اس کی کیفیت بالکل اسی طرح ہو گی جس طرح قرآن پاک اور حدیث مبارک میں اس کا تذکرہ موجود ہے"۔ معراج کا واقعہ مکہ معظمہ میں ظہور پذیر ہوا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حرم اور اس کی امن گاہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے پڑوسیوں کا مسکن ہے کیونکہ یہاں اس کا گھر ہے۔ حضور نبی محترم ﷺ نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات کی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے

السلام ہیں۔ پھر وہ مجھے چھٹے آسمان پر لے گئے وہاں ایک گندم گوں، طویل اور چھریرے بدن والے آدمی تشریف فرما تھے۔ وہ بنوشنوءۃ کا ایک فرد لگتے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل یہ

امن اور اس کے پڑوس میں تھے لیکن اللہ کے دشمن ابلیس نے انہیں وہاں سے نکال دیا یہ داستان حضور ﷺ کے احوال میں سے پہلی حالت کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ آپ ﷺ کے دشمنوں نے آپ ﷺ کو اللہ کے حرم اور اس کے پڑوس سے نکال دیا۔ آپ ﷺ کو اس سے بہت زیادہ دکھ اور غم ہوا۔ آپ ﷺ کا یہ قصہ حضرت آدم کے قصہ سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس ان کی اولاد کی روحیں پیش کی جاتی ہیں۔ آپ ﷺ نے وہاں فاسق و فاجر اور پاکباز و صالحین کی ارواح کو دیکھا حالانکہ بدبختوں کی ارواح آسمان پر نہیں جاسکتیں اور نہ ہی آسمان کے دروازے ان کیلئے کھولے جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات کی۔ ان دونوں کو یہودیوں نے ستایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودی نے جھٹلایا اور اذیت دی۔ ان کے قتل کا ارادہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اٹھالیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے شہید کر دیا۔ حضور ﷺ بھی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد ایک اور امتحان سے دوچار ہوئے۔ وہاں آپ ﷺ کو یہودیوں سے واسطہ پڑا۔ انہوں نے آپ ﷺ کو اذیت دی۔ آپ ﷺ کے خلاف دشمنوں کی مدد کی۔ آپ ﷺ پر بڑا سا پتھر پھینکنے کا ارادہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اسی طرح نجات دی جس طرح اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے شر سے بچالیا تھا۔ انہوں نے آپ ﷺ کو زہر آلود گوشت کھلایا تادم واپسیں آپ ﷺ اس زہر کا اثر محسوس کرتے رہے۔
آپ ﷺ نے وقت وصال فرمایا۔ ''دو خالہ زاد بھائیوں حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام سے بھی اسی طرح کیا گیا'' کیونکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ اشیاع بنت عمران حضرت مریم علیہما السلام کی بہن تھیں ان کی والدہ کا نام ''حنہ'' تھا۔ آپ ﷺ نے تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات کی۔ آپ ﷺ کی تیسری کیفیت حضرت یوسف علیہ السلام کی حالت سے بہت مشابہت رکھتی ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں پر غلبہ پایا تو انہیں معاف فرما دیا حالانکہ انہوں نے ان کو گھر سے نکالا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔
اسی طرح حضور ﷺ نے غزوۂ بدر کے روز اپنے عزیز و اقارب کو گرفتار کر لیا۔ انہوں نے آپ ﷺ کو مکہ معظمہ سے نکالا تھا۔ ان قیدیوں میں آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس اور چچازاد بھائی حضرت عقیل بھی تھے۔ ان میں سے بعض کو آپ ﷺ نے ویسے ہی آزاد فرما دیا اور بعض سے فدیہ لیا پھر

کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ آپ ﷺ کے بھائی حضرت موسیٰ بن عمران ہیں۔ پھر وہ مجھے ساتویں آسمان پر لے گئے۔ وہاں میں نے ایک بزرگ دیکھے جو بیت المعمور کے دروازے کے پاس کرسی پر بیٹھے تھے۔ بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار ملائکہ داخل ہوتے ہیں۔ جو ایک بار داخل ہونے کی سعادت حاصل کر لیتے ہیں پھر قیامت تک ان کی باری نہیں آتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا حضرت ابراہیم کے علاوہ ایسا کوئی شخص میں نے نہیں دیکھا جو تمہارے صاحب ﷺ کے مشابہ ہو یا تمہارے صاحب ﷺ اس کے مشابہ ہوں۔ میں نے پوچھا۔ اے جبرائیل! یہ کون ہیں؟ انہوں نے عرض کی یہ آپ ﷺ کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں پھر وہ مجھے جنت

فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے ان پر غلبہ پالیا۔ آپ ﷺ نے انہیں جمع کیا اور فرمایا آج میں تمہیں وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ پھر آپ نے چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات کی ان کے مقام کو اللہ تعالیٰ نے "مَكَانًا عَلِيًّا" سے تعبیر فرمایا ہے۔ حضرت ادریس کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم سے لکھنے کی توفیق عطا کی۔ یہ حالت آپ ﷺ کی چوتھی حالت کے مشابہ ہے یہ حالت علو شان ہے حتیٰ کہ آپ ﷺ نے بادشاہوں کو خوفزدہ کیا۔ انہیں خط لکھے اور انہیں اپنی اطاعت کی طرف بلایا۔ جب حضور ﷺ کا مکتوب گرامی روم کے بادشاہ تک پہنچا تو اس وقت ابوسفیان وہیں تھے جب انہوں نے ہرقل کا خوف ملاحظہ کیا تو انہوں نے کہا ابن ابی کبشہ (ﷺ) کی عظمت اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ بنو اصغر کا بادشاہ ان سے ڈرنے لگا ہے۔ آپ ﷺ نے قلم کے ذریعہ سے روئے زمین کے تمام بادشاہوں کے نام مکتوب گرامی لکھے۔ ان میں سے کچھ نے آپ ﷺ کے دین کی اتباع کر لی مثلاً ہرقل اور مقوقس۔ بعض نے آپ ﷺ کی نافرمانی کی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان پر غلبہ عطا فرمایا یہی مقام علو ہے۔ آپ ﷺ نے قلم سے بھی لکھا جس طرح حضرت ادریس نے لکھا۔ پانچویں آسمان پر آپ ﷺ نے حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات کی وہ اپنی قوم میں بڑے محبوب تھے۔ اس میں اشارہ ہے کہ قریش اور تمام دیگر لوگ بغض کے بعد آپ ﷺ کی محبت کے اسیر ہو جائیں گے۔ چھٹے آسمان پر آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ سے ملاقات کی۔ آپ ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس حالت کے مشابہ ہے جس میں آپ کو شام پر حملہ کرنے کا حکم دیا گیا آپ وہاں کے جابر حکمرانوں پر غالب آ گئے۔ بنو اسرائیل کے دشمنوں کو ہلاک کرنے کے بعد انہیں اس شہر سے نکالا گیا تھا۔ اسی طرح حضور ﷺ

میں لے گئے۔ میں نے وہاں حسین وجمیل حور دیکھی میں نے پوچھا تو کس کے لئے ہے۔ اس کے حسن و جمال نے مجھے تعجب میں ڈالا۔ اس نے کہا "میں زید بن حارثہ کے لئے ہوں"۔ حضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ کو اس کی بشارت دی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت

نے سرزمین شام میں مقام تبوک کی طرف لشکرکشی کی اور دومہ کے بادشاہ پر غلبہ پالیا۔ پابند سلاسل ہونے کے بعد اس نے جزیہ دینے پر صلح کرلی۔ آپ ﷺ نے مکہ معظمہ فتح کیا اپنے ان صحابہ کرام کو وہاں داخل کیا جو اس پاکیزہ شہر سے نکالے گئے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی۔ اس میں دو حکمتیں ہیں۔ ا۔ آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا وہ بیت المعمور سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ بیت المعمور مکہ معظمہ کے بالکل اوپر ہے ملائکہ اسی کی طرف ادائیگی حج کے لئے جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ مقدسہ کو تعمیر فرمایا اور لوگوں میں اعلان کیا کہ وہ اس کی طرف حج کے لئے آئیں۔ ۲۔ آپ ﷺ کے آخری احوال میں سے آپ ﷺ کا بیت اللہ کا حج ہے اس وقت آپ ﷺ کے ہمراہ ستر ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ وہاں حضرت ابراہیم سے ملاقات اسی حج کی طرف اشارہ ہے کیونکہ بیت اللہ کی طرف سب سے پہلے داعی آپ علیہ السلام ہی ہیں اور کعبہ معظمہ کی بنیادوں کو آپ علیہ السلام نے ہی اٹھایا تھا۔

یہ تمام تفصیل ان دوسوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے کہ صرف ان انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہی کیوں کیا اور ان کی ملاقات کے لئے آسمانِ دنیا سے لے کر ساتویں آسمان تک مختلف آسمانوں کو منتخب کیوں کیا؟ احتیاط کا تقاضا تو یہ تھا کہ سلف نے جس میں کوئی تاویل نہیں کی اسے ترک کر دیا جائے لیکن حکمت الٰہیہ میں تفکر اور اللہ کی نشانیوں میں تدبر نے مجھے یہ ترغیب دی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ فِی ذَالِكَ لَآيَاتٌ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُوْنَ۔ اس میں تفکر کرنے والی قوم کے لئے نشانیاں ہیں۔ روایت ہے کہ اَنَّ تَفَكُّرَ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ۔ ایک لمحہ کا تفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ اس سے مراد وہ غور وفکر ہے جو کتاب وسنت کے دائرہ سے باہر نہ ہو اور اہل عرب کے کلام کے مقتضی کے مطابق ہو۔ ورنہ کتاب وسنت میں گفتگو علم کے بغیر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے تفکر وتدبر سے بچائے اور ان لوگوں میں سے کرے جو اس کا حکم بجا لاتے ہیں جس طرح اس نے فرمایا ہے فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَلْبَابِ۔ اے دانشمندو! عبرت حاصل کرو۔ وَلِيَدَّبَّرُوْا آيَاتِهٖ۔ چاہئے کہ وہ اس کی نشانیوں میں تدبر کریں۔ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُو الْاَلْبَابِ۔ اہل عقل کو غور کرنا چاہئے۔ اگر جہالت کی وجہ سے لوگوں کے

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور سے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل آپ ﷺ کو جس آسمان پر بھی لے کر جاتے، جب اجازت طلب کرتے تو سوال کیا جاتا اے جبرائیل! یہ کون

انکار کا خدشہ نہ ہوتا کہ اکثر لوگ اسے نہ سمجھ سکیں گے تو ہم اس سوال کے جواب کو ذرا تفصیل سے لکھتے اور ان انبیاء کرام کے مراتب کے متعلق ذرا کھل کر بات کرتے۔

البیت المعمور

البیت المعمور، اللہ تعالیٰ کا گھر ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ ابن سنجر نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ بیت المعمور ساتویں آسمان پر اللہ کا گھر ہے جسے ''ضراخ'' کہا جاتا ہے، ساتویں آسمان کا نام ''عریبا'' ہے علامہ ابوبکر خطیب نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت وھب بن منبہ سے روایت کیا ہے۔ ''جس شخص نے جمعہ کے روز سورۃ البقرہ اور سورۃ آلِ عمران کی تلاوت کی تو اس کے لئے ایسا نور ہوگا جو عریبا اور جریبا کے مابین ساری جگہ کو بھر دے گا''۔ جریبا ساتویں زمین کا نام ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی ہذیل سے روایت ہے کہ ہر روز بیت المعمور میں ستر ہزار سردار فرشتے داخل ہوتے ہیں ان میں سے ہر فرشتے کے ماتحت ستر ہزار فرشتے ہوتے ہیں۔ اس روایت کو ابن نیاح نے روایت کیا ہے۔ ابوسلمہ کہتے ہیں میں نے پوچھا ''الیّ حَیۃ'' سے کیا مراد ہے انہوں نے کہا اس سے مراد ''رئیس'' ہے۔ ابن سنجر نے حضرت ابوہریرہ کی سند سے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ ساتویں آسمان پر ایک گھر ہے جسے معمور کہا جاتا ہے۔ یہ گھر مکہ معظمہ کے بالکل اوپر ہے ساتویں آسمان پر ایک نہر ہے جس کا نام ''الحیوان'' ہے۔ حضرت جبرائیل ہر روز اس میں داخل ہو کر ایک غوطہ لگاتے ہیں پھر باہر نکل کر پر جھاڑتے ہیں جس سے ستر ہزار قطرات گرتے ہیں ہر قطرہ سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے پھر انہیں حکم دیا جاتا ہے کہ وہ بیت المعمور میں جائیں اور وہاں نماز ادا کریں وہ وہاں جا کر نماز ادا کرتے ہیں پھر وہاں سے نکل جاتے ہیں پھر تا قیامت ان کی دوبارہ باری نہیں آئے گی۔

نماز کی فرضیت

آپ ﷺ پر حریم قدس میں نمازوں کے فرض ہونے میں نمازوں کی فضیلت کو عیاں کرنا مقصود ہے کیونکہ یہ بارگاہِ قدس میں فرض ہوئیں اس لئے ان کی ادائیگی کے لئے طہارت ہونا بہت ضروری ہے اور ان کے لئے شرط ہے۔ بندہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتا ہے۔ رب تعالیٰ بھی بندے سے ہمکلام ہو جاتا ہے۔ وہ فرماتا ہے حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ۔ میرے بندے نے میری ستائش کی ہے۔ اَثْنٰی عَلَیَّ عَبْدِیْ۔ میرے بندے نے میری ثناء خوانی کی ہے۔ حریم ناز میں ان کی فرضیت میں یہی مشابہت

ہیں؟ وہ کہتے "یہ محمد ﷺ ہیں"۔ وہ پوچھتے "کیا انہیں دعوت دے کر بلایا گیا ہے"۔ حضرت جبرائیل فرماتے "ہاں"۔ وہ کہتے "اللہ تعالیٰ اس عظیم بھائی اور مخلص دوست کی عمر دراز فرمائے"۔

ہے کیونکہ وہاں حضور ﷺ نے اپنے رب کا کلام سنا۔ اس سے مناجات کیں پھر آپ ﷺ کے ظاہر و باطن کو آبِ زمزم سے پاک کر کے آپ ﷺ کو معراج کرائی گئی۔ اسی طرح نمازی بھی پاکیزگی حاصل کرتا ہے۔ حضور ﷺ اپنے جسم سمیت ان خاکدانِ اراضی سے نکل گئے اسی طرح نمازی بھی اپنے دل کے ساتھ اس دنیا سے نکل جاتا ہے۔ اس وقت نمازی پر اللہ تعالیٰ سے مناجات کرنے اور قبلہ رو ہونے کے علاوہ ہر شئی حرام ہو جاتی ہے۔ حضور ﷺ کو آسمان کی طرف لے جایا گیا اسی طرح نمازی بھی اپنے ہاتھ آسمانوں کی طرف اٹھاتا ہے اور اس میں بیت المعمور کی طرف اشارہ ہے اور اس معبودِ برحق کی طرف اشارہ ہے جس سے وہ مناجات کر رہا ہوتا ہے اور جس کے لئے وہ نماز ادا کر رہا ہوتا ہے۔

پچاس نمازوں کی فرضیت

اللہ رب العزت نے پہلے پچاس نمازیں فرض کی پھر دس، دس کی ان میں کمی کر کے پانچ کو باقی رکھا، ایک اور روایت کے مطابق کمی پانچ پانچ نمازوں کی ہوئی، ان دونوں روایات کو جمع کرنا ممکن ہے کیونکہ پانچ بھی دس میں شامل ہیں۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا اسے نسخ کہیں گے یا نہیں؟ ایک طبقۂ علماء کہتا ہے اس کا تعلق عمل سے قبل عبادت کے نسخ سے ہے لیکن ابو جعفر النحاس نے اس کا رد کیا ہے۔ انہوں نے اپنے رد کی بنیاد دو ستونوں پر رکھی ہے۔ ا۔ ان کا اصول اور نقطۂ نظر یہ ہے کہ عبادات ان پر عمل پیرا ہونے سے قبل منسوخ نہیں ہوتیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ اَلْبَدَاء ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر محال ہے۔ ۲۔ اگر بعض کے نزدیک عبادت کا اس پر عمل پیرا ہونے سے قبل نسخ جائز بھی ہو پھر کسی کے نزدیک اس کا نسخ زمین تک پہنچنے سے قبل اور مخاطبین تک پہنچنے سے پہلے جائز نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ نسخ کا یہ دعویٰ علامہ قاشانی اور ان کے ہم نوا علماء نے کیا ہے تا کہ ان کا یہ نقطۂ نظر درست ثابت ہو جائے کہ بیان مؤخر نہیں ہوتا لیکن یہ تو ایک شفاعت تھی جو حضور ﷺ نے اپنی امت کے لئے فرمائی تھی اور اپنے پروردگار سے ایک التجاء تھی تا کہ وہ اس امت مرحومہ سے تخفیف فرمائے اس لئے اسے نسخ نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ علامہ ابو جعفر النحاس کا یہ نقطۂ نظر درست نہیں کہ عبادت کا نسخ اس پر عمل ہونے سے قبل نہیں ہو سکتا۔ ان کا اسے بداء کہنا درست نہیں کیونکہ بداء کی حقیقت یہ ہے کہ کسی امر کے لئے ایک رائے ظاہر ہو جو اسے درست معلوم ہو حالانکہ پہلے اس میں اسے کوئی صحت نظر نہ آئی تھی یہ اس ہستی والا پر محال ہے جو اشیاء کو علم قدیمی اور ازلی سے جانتی ہے۔

حتیٰ کہ وہ ساتویں آسمان تک پہنچ گئے۔ پھر آپ ﷺ حریم ناز میں تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر ہر روز پچاس نمازیں فرض کیں۔ حضور نے فرمایا ”میں بارگاہِ ناز سے واپس

اس میں نسخ نامی کوئی چیز نہیں نسخ تو ایک حکم کو دوسرے حکم سے تبدیل کرنا ہوتا ہے یہ سب کچھ ذاتِ باری تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے اور اس کی حکمت کے تقاضا کے مطابق ہوتا ہے جس طرح مرض کو صحت اور صحت کو مرض میں تبدیل کرنا وغیرہ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عبد مامور پر جب کوئی حکم لاگو ہوتا ہے تو اس کیلئے تین امور کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ ا۔ اس کام کا جس کا اسے حکم دیا گیا ہے۔ ۲۔ حکم کو سنتے وقت اس پر عمل پیرا ہونے کا عزم۔ ۳۔ اور اگر وہ حکم واجب ہو تو اس کے وجوب کا عقیدہ رکھنا۔ اگر فعل سے قبل ہی حکم منسوخ کر دیا جائے تو اس طرح صرف دو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ عزم اور وجوب کا اعتقاد۔ اللہ تعالیٰ اس سے آشنا ہے بندہ اپنی آزمائش اور امتحان میں پورا اترتا ہے اور اس کی نیت کے مطابق اسے اجر و ثواب عطا کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ امر کا نسخ اس کے نزول سے پہلے جائز نہیں اور نہ ہی مخاطب کے علم سے پہلے جائز ہے۔ جس نسخ کا تذکرہ علامہ نحاس نے کیا ہے وہ نسخ کی حقیقت نہیں ہے کیونکہ وہ عبادت جس کا اسے حکم دیا گیا تھا وہ ختم ہو چکی ہے۔ ہمارے نزدیک حضور ﷺ اور آپ ﷺ کی امت مرحومہ سے ان پینتالیس نمازوں کا ختم ہونا دو اعتبار میں سے ایک کے لحاظ سے ہے۔ ا۔ یا تو حضور ﷺ سے ان کی ادائیگی منسوخ ہو گی۔ اس طرح آپ ﷺ سے عزم اور وجوب کا اعتقاد رکھنا بھی ختم ہو جائے گا۔ یہی حقیقت میں نسخ ہے۔ اس سے اس کی تبلیغ بھی آپ ﷺ پر منسوخ ہو جائے گی کیونکہ آپ ﷺ ہر اس چیز کی تبلیغ پر حریص تھے جس کا آپ ﷺ کو حکم دیا جاتا۔ ابو جعفر نحاس کا یہ قول کہ یہ ایک سفارش اور شفاعت تھی۔ اس سے نسخ کی نفی ہو جاتی ہے درست نہیں ہے کیونکہ کبھی کبھی نسخ ایک مشہور سبب کی وجہ سے ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کی شفاعت ہی آپ ﷺ کے لئے نسخ کا سبب بنی اور یہ حقیقت میں نسخ کو باطل کرنے والی نہیں۔ صرف اس تبلیغ کا حکم آپ ﷺ سے منسوخ ہوا ہے جو نسخ سے قبل آپ ﷺ پر واجب تھی۔ پانچ نمازوں کا حکم دینا آپ ﷺ کے خواص میں سے ہے۔ جہاں تک آپ ﷺ کی امت کا تعلق ہے تو اس سے کوئی حکم منسوخ ہوا ہی نہیں۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ اس سے صرف خبر دینا مقصود ہو عبادت مقصود نہ ہو اگر یہ صرف خبر ہو تو اس میں نسخ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے خبر کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کو خبر دی کہ آپ ﷺ کی امت پر پچاس نمازیں فرض ہیں یعنی وہ لوحِ محفوظ پر پچاس نمازیں ہیں جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے آخر میں فرمایا یہ پانچ نمازیں ہیں لیکن ان کا ثواب پچاس جتنا ہے ایک نیکی کا اجر دس گنا زائد ہے۔ حضور ﷺ نے یہ تاویل کی کہ بالفعل پچاس

آ گیا جب میں حضرت موسیٰ بن عمران رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا وہ تمہارے لئے ایک مخلص دوست ثابت ہوئے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا آپ ﷺ پر کتنی نمازیں فرض ہوئیں، میں

نمازیں فرض ہیں پھر آپ ﷺ بارگاہِ صمدیت میں جاتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ یہ پچاس نمازیں ثواب کے اعتبار سے ہیں عمل کے اعتبار سے نہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ دس کے بعد دس نمازیں کم کرنے کا مقصد کیا تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر ایک کا دل از اول تا آخر نماز میں مشغول نہیں رہتا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ انسان کے لئے اتنا اجر ہی لکھا جاتا ہے جتنے میں اسے حضورِ قلب حاصل ہوتا ہے۔ بندہ جب نماز ادا کرتا ہے تو اس کے لئے اس کا ربع یا نصف لکھا جاتا ہے حتیٰ کہ دسویں حصہ تک پہنچ کر اختتام ہو جاتا ہے۔ یہ نمازیں پانچ اس شخص کے لئے ہیں جس کے لئے نماز کا دسواں حصہ لکھا جاتا ہے اور دس اس کے لئے ہیں جس کے حق میں اس سے زیادہ اجر لکھا جاتا ہے اور پچاس نمازیں اس کے لئے ہیں جو اپنی نماز کو صحیح طریقے سے ادا کرتا ہے۔ خشوع وخضوع کے ساتھ قیام وسجود کرتا ہے۔

ملائکہ کے اوصاف

حضور ﷺ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے جس فرشتے سے بھی ملاقات کی وہ تبسم کناں تھا لیکن خازن جہنم "مالک" کا چہرہ تبسم سے خالی تھا...... اللہ رب العزت کا یہ فرمان بھی اسی امر پر دلالت کرتا ہے۔ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ (التحریم:٦) "اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تندخو اور سخت مزاج ہیں"۔ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا مظہر ہیں اس لئے اس غضب کا ان سے ہمیشہ اظہار ہوتا رہے گا۔ یہ حدیث اس حدیث کے معارض ہے جس میں حضرت میکائیل علیہ السلام کے وصف میں کہا گیا ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے جہنم کو تخلیق کیا ہے وہ اس وقت سے نہیں ہنسے اسی طرح دارقطنی کی روایت کردہ حدیث بھی اس کے معارض ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز میں تبسم فرمایا جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ سے اس کا سبب پوچھا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا "میں نے حضرت میکائیل کو دیکھا وہ مشرک قوم کی جستجو کے بعد واپس آرہے تھے ان کے پروں پر گردوغبار تھا وہ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور میں نے انہیں دیکھ کر تبسم کیا" اگر یہ دونوں احادیث صحیح ہیں تو ان کے مابین تطبیق اس طرح ہوسکتی ہے کہ حضرت میکائیل، جب سے اللہ تعالیٰ نے جہنم کو تخلیق کیا اس وقت سے لے کر اس وقت تک نہیں ہنسے جس میں انہوں نے حضور ﷺ کیلئے مسکراہٹ بکھیری۔ یہ حدیث عام ہوگی جس سے خصوص مراد ہوگا یا پہلے حضور ﷺ نے پہلی حدیث بیان کی ہوگی پھر جب وہ مسکرادیئے تو دوسری حدیث

نے کہا اس ذات والا تبار نے ہر روز پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی ''بلا شبہ نماز ایک بوجھ ہے۔ آپ ﷺ کی امت ناتواں ہے۔ آپ ﷺ اپنے

بیان فرمائی ہوگی۔ آپ ﷺ نے کسی فرشتہ کو اس صورت میں نہیں دیکھا جس میں وہ آخرت میں گناہگاروں کو عذاب دیں گے۔ اگر آپ ﷺ انہیں اس شکل میں دیکھ لیتے تو شاید آپ ﷺ ان کی طرف نہ دیکھ سکتے۔

سفر معراج میں سود خوروں کی حالت

حضور ﷺ نے سود خوروں کا تذکرہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ آلِ فرعون کے راستہ میں پڑے ہیں وہ ان پر سے پیاسے اونٹوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''كَالْاِبِلِ الْمَهْيُوْمَةِ'' شدید پیاس کو الھُیام کہتے ہیں اس وصف کا قیاس یہ تھا کہ اس میں مَهْيُوْمَه نہ کہا جاتا جیسا کہ معطوشہ نہیں کہا جاتا اس میں ھَائِمْ یا ھَیْمَانْ کہا جاتا۔ کبھی کبھی ھُيُوْم بھی کہا جاتا ہے جو ھِیْم کی جمع ہے جو فعل کے وزن پر ہے لیکن یاء کی وجہ سے اسے کسرہ دیا جاتا ہے جس طرح کہ ارشاد ربانی ہے۔ فَشَارِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ۔ ''اس طرح پیو گے جس طرح پیاس کا مارا اونٹ پیتا ہے''۔ لیکن حدیث شریف میں ''مھیومۃ'' کا لفظ ہے۔ گویا کہ اس کے ساتھ ''محمومہ، مجنونہ اور منہوم'' جیسا سلوک کیا گیا ہے۔ مَهْيُوْم اس اونٹ کو کہا جاتا ہے جو سیراب نہ ہو۔ یاء کا قیاس تھا کہ اس میں تعلیل کی جاتی اور ''مھیمۃ'' کہا جاتا۔ جس طرح مَبْيُوْعَةٌ میں مَبِيْعَةٌ کہا جاتا ہے لیکن یاء کو برقرار رکھا کیونکہ یہ ''ھَيُوْمَةٌ'' کے معنی میں ہے جس طرح ''عَوِرَ'' میں کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اَعْوَرُ کے معنی میں ہوتا ہے۔ اسی طرح اِجْتَوَرُوْا ہے کیونکہ تَجَاوَرُوْا کے معنی میں ہے۔ حضور ﷺ نے انہیں اس حالت میں دیکھا کہ ان کے پیٹ پھولے ہوئے تھے کیونکہ ان کی سزا ان کے گناہ کے مشابہ تھی، سود کھانے والے کا پیٹ بڑھ جاتا ہے۔ جس طرح وہ چاہتا ہے کہ حرام کھانے سے اس کے مال میں اضافہ ہو جائے۔ اس کے مال سے برکت اٹھ جاتی ہے اور اس کا پیٹ پھول جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اس طرح کھڑا ہوتا ہے گویا کہ اسے شیطان نے چھو کر مخبوط کر دیا ہے۔ سود خور آلِ فرعون کی راہ میں پڑے ہیں وہ صبح و شام ان پر سے گزرتے ہیں کیونکہ روزِ حشر آلِ فرعون شدید ترین عذاب میں ہوں گے لیکن سود خوران کی راہ میں پڑے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ شدید عذاب والے انہیں روندھ رہے ہیں لیکن وہ اٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

سود خور راہِ جہنم میں پڑے ہیں کفار ان پر سے گزرتے ہیں اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ یا تو وہ سود خوری سے رک جائیں اور یہ ان کے لئے بہتر ہے یا پھر وہ سود خوری کریں

پروردگار کے پاس جائیں اور تخفیف کی التجاء کریں"۔ میں حریم ناز میں گیا اور اپنے رب سے التجاء کی کہ وہ مجھ سے اور میری امت سے تخفیف کرے۔ اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں میں لوٹ

اور اس پر اصرار کریں اور اللہ تعالیٰ انہیں آتش جہنم کے حوالے کرے۔ راہِ جہنم میں پڑنے والے کی یہی کیفیت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ (بقرہ:۲۷۵)۔ "پس جس کے پاس آئی نصیحت اپنے رب کی طرف سے تو وہ (سود سے) رک گیا۔ تو جائز ہے اس کے لئے جو گزر چکا ہے اور اس کا مطالبہ اللہ کے سپرد ہے"۔

بعض احادیث میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ملاحظہ کیا کہ ان کے پیٹ گھروں کی مانند تھے ان میں سانپ تھے جو باہر سے نظر آتے تھے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ سود خوروں کی یہ حالت اگر آخرت میں ہو تو آل فرعون تو آخرت میں شدید ترین عذاب میں ہوں گے۔ برزخ میں صبح و شام انہیں آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور اگر ان کی یہ حالت عالم برزخ میں ہو تو پھر ان کے پیٹوں کی کیفیت کیا ہو گی حالانکہ وہ ہڈیوں اور چورہ میں تبدیل ہو چکے ہیں؟۔

جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں عالم برزخ میں دیکھا یہ حالت ان کی ارواح کی حالت ہے جو مرنے کے بعد ہوئی۔ اس میں اس شخص کے نقطۂ نظر کی دلیل موجود ہے جو کہتا ہے۔ ارواح لطیف اجسام ہیں جو نعمتوں یا عذاب کو قبول کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان ارواح میں ہی وہ آرام اور تکالیف پیدا فرماتا ہے جنہیں وہ شخص محسوس کرتا ہے جس کا پیٹ پھول جائے اور قدموں سے روندھا جائے لیکن وہ اٹھنے کی استطاعت نہ رکھے۔ اس حدیث شریف میں یہ دلیل نہیں کہ وہ آلِ فرعون سے بھی شدید عذاب میں ہیں لیکن اس میں یہ دلیل ہے کہ انہیں آلِ فرعون اور وہ کفار قیامت تک اسی طرح روندتے رہیں گے جنہوں نے سود نہیں کھایا۔ جس طرح کہ وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس کر دیا ہو۔ پھر ندا دینے والا ندا دے گا۔ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ۔ "داخل کر دو فرعونیوں کو سخت تر عذاب میں"۔ اسی طرح وہ عورتیں جنہیں آپ ﷺ نے دیکھا کہ پستانوں کے بل لٹکی ہوئی ہیں ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے ان کی ارواح کو دیکھا ہو کہ ان کی ارواح میں یہ درد و آلام پیدا کر دیا گیا ہو یا ان کے آخرت کے حالات کی تمثیل حضور ﷺ کو دکھائی گئی ہو۔

حضور اکرم ﷺ نے ان مردوں کا ذکر کیا جو ان عورتوں کو چھوڑ دیتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے حلال کیا ہے اور ان عورتوں سے بدکاری کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے حرام کیا ہے۔ یہ اس بات پر بھی نص ہے کہ عورتوں کی سرین میں جماع کرنا حرام ہے اس کی تحریم کتاب وسنت

آیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے مجھے پہلے کی طرح کہا، میں پھر بارگاہِ لم یزل میں گیا اور اپنے رب سے التجاء کی اس نے مجھ سے دس نمازوں کی تخفیف کردی پھر میں واپس آ گیا۔ حضرت موسیٰ کے پاس سے گزرنے لگا تو انہوں نے مجھے پہلے کی طرح کہا، اللہ تعالیٰ

اور اجماع سے ثابت ہے۔ ہم نے ان مقامات کا ذکر کیا ہے جہاں سے قرآن و حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے کفر کہا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے لواطت کہا ہے۔ تمام امت کا اجماع ہے کہ اگر عورت کی شرمگاہ پر کوئی مرض ہو تو اسے چھوڑ دیا جائے، اگر اس جگہ کے علاوہ کہیں اور جماع کرنا جائز ہوتا تو پھر امت عورت کو اس طرح چھوڑنے پر اجماع نہ کرتی۔

ولد الحرام

آپ ﷺ نے فرمایا۔ "فَاَكَلَ حَرَائِبَهُمْ" حَرِيبَةٌ مال کو کہتے ہیں یہ حَرْبٌ سے مشتق ہے جس کا معنی چھیننا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر بچہ حرامی ہوگا اور اس شخص کی طرف منسوب ہوگا جس کے بستر پر پیدا ہوا تو وہ بچپن میں اس شخص کا مال کھائے گا۔ وہ اس کی بیٹیوں کی طرف دیکھے گا جو اس کی بہنیں نہیں۔ وہ اس کی بہنوں کی طرف دیکھے گا جو اس کی پھوپھیاں نہیں ہیں، وہ اس کی ماں کی طرف دیکھے گا جو اس کی دادی نہیں ہے۔ یہ بہت بڑا فساد ہے۔ اگرچہ غیر محرموں کو دیکھنا زیادہ برا فعل ہے لیکن آپ ﷺ اس کے مال کھانے کو اس لئے مقدم کیا کیونکہ وہ حالت صغر میں پہلے اس شخص کا نان و نفقہ کھائے گا، پھر ممکن ہے کہ وہ بلوغت کی عمر کو پہنچے یا نہ پہنچے۔ اسی طرح اگر اس کی ماں اسے اپنا دودھ پلائے اور اسے دایا کے سپرد نہ کرے تو پھر وہ اس شخص کا رضاعی بیٹا ہو جائے گا، یہ بھی قباحت ہے۔ اگر وہ بچہ بالغ ہو گیا اور اس کی ماں نے اس کا انکار کر دیا اور اسے بتا دیا کہ وہ حرامی ہے تا کہ وہ جائیداد سے حصہ نہ لے سکے اور ان کی عورتوں کو نہ دیکھ سکے یا وہ خود کسی وجہ یا قرینہ سے جان گیا، پھر اس کے لئے ان اشیاء سے رکنا واجب ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ یہ تینوں میں سے مادہ برا ہے۔ اس حدیث شریف کی مختلف تاویلیں کی گئی ہیں لیکن حضور ﷺ کے فرمان "اَكَلَ حرائبهم" کی وجہ سے مذکورہ بالا تاویل سب سے زیادہ درست ہے۔ جس نے جان بوجھ کر یہ فعل کیا۔ وہ تمام لوگوں سے برا ہے۔ اگر اس کو یہ علم نہ ہو تو پھر بھی اس کا کھانا اور پینا برا عمل ہے۔ جب اس کے والدین نے زنا کیا تو پھر وہ اسی لمحہ اس فعل شنیع سے علیحدہ ہو گئے لیکن ان کا یہ بیٹا قیامت تک برے فعل میں رہے گا، اس لئے اس کا عمل سب سے برا ہے۔

نے دس نمازوں کی تخفیف کردی۔ اسی طرح میں جب بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا وہ مجھے واپس جانے کے لئے کہتے، حتیٰ کہ شب وروز میں پانچ نمازیں فرض رہ گئیں۔ پھر میں

قاضی کا فیصلہ حلال کو حرام نہیں کرتا

اسی سے یہ فقہی مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ قاضی کا فیصلہ حرام کو حلال نہیں کرتا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ بچہ شریعت کے فیصلہ کے مطابق صاحب فراش کا ہوتا ہے مگر جب لعان سے اس کی نفی کردی جائے۔ جب قاضی یہ فیصلہ کردے اور وہ بچہ بالغ ہوکر قاضی کے فیصلہ کے خلاف جان لے تو قاضی کا یہ فیصلہ اس بچے کے لئے مال کو کھانا اور ان کی عورتوں کو دیکھنا حلال نہیں کرتا۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نقطۂ نظر کا رد ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی قاضی کا فیصلہ اسے حلال کردیتا ہے جو بعد میں حرام معلوم ہو۔ مثلاً اگر دو گواہ کسی شخص پر یہ گواہی دیں کہ اس نے طلاق دے دی ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ اس نے طلاق نہیں دی۔ قاضی ان کی گواہی کو قبول کرلے اور اس کی بیوی کو اس سے جدا کردے۔ جب وہ عورت جدا ہوجائے تو پھر ان دو گواہوں میں سے ایک اس سے نکاح کرسکتا ہے اگرچہ اس کو معلوم بھی ہو کہ اس نے جھوٹی گواہی دی تھی۔ حضرت ابوحنیفہ کا نقطۂ نظر حضور ﷺ کے اس فرمان سے مستنبط ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "میں بشر ہوں تم میرے پاس اپنے جھگڑوں کے فیصلے کروانے آتے ہو ممکن ہے کہ تم میں سے ایک شخص دلیل دینے میں اپنے ساتھی سے زیادہ ہوشیار ہو اور میں اس کی بات سن کر اس کے حق میں فیصلہ کردوں اگر میں کسی کے لئے اس کے بھائی کے حق میں فیصلہ کردوں تو وہ اس کا حق نہ لے یہ اسے آگ کے عذاب کا مستحق بنادے گا۔" اس حدیث مبارک میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لئے کوئی دلیل نہیں کہ وہ کہیں کہ یہ دو اسباب کے ساتھ مختص ہے۔ ۱۔ قیاس ان کے اصولوں میں سے ایک اصل ہے اور دونوں مسئلوں کا قیاس ایک ہے۔ ۲۔ حضور ﷺ نے مِنْ حَقِّ اَخِیْهِ فرمایا ہے۔ مِنْ مَالِ اَخِیْهِ نہیں فرمایا۔ یہ لفظ تمام حقوق کو شامل ہے۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "میرے نزدیک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی بنیاد طلاق مکرہ پر رکھی ہے۔ جب کسی شخص کو طلاق دینے پر مجبور کیا جائے تو ان کے نزدیک طلاق ہوجاتی ہے۔ ہم بھی کہتے ہیں اس کی طلاق ہوجاتی ہے۔ اب اس پر وہ عورت حرام ہوجاتی ہے۔ جب اس پر وہ حرام ہوگئی تو اس سے جو چاہے نکاح کرسکتا ہے۔ اس مسئلہ میں گناہ نکاح کے متعلق نہیں بلکہ شہادت کے متعلق ہے۔ فقہاء حجاز نے طلاق مکرہ میں امام ابوحنیفہ کی مخالفت کی ہے۔ ان کے قول کو اثر اور ابوحنیفہ کے قول کو غور وفکر تقویت دیتا ہے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا انہوں نے پھر بارگاہِ قدس میں جانے کے لئے کہا، میں نے کہا میں اتنی مرتبہ اپنے رب کی بارگاہ میں گیا ہوں اور التجاء کی ہے کہ اب مجھے اس سے حیاء آتی ہے، اب میں ایسا نہیں کروں گا"۔ اس روایت کو امام بیہقی نے دلائل النبوت میں، ابن جریر اور

حضرت ادریس علیہ السلام کا مقامِ رفیع

آپ ﷺ نے حضرت ادریس علیہ السلام سے چوتھے آسمان پر ملاقات کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَّ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ (مریم) "اور ہم نے بلند کیا تھا انہیں بڑے اونچے مقام تک" حالانکہ آپ ﷺ کی حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام سے ملاقات حضرت ادریس علیہ السلام کے مقام سے بلند تر مقام پر ہوئی تھی۔ اس کی وجہ حضرت کعب روایت کرتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وفات سے پہلے ہی چوتھے آسمان پر اٹھا لیا تھا۔ انہیں ان کے ایک دوست فرشتے نے اٹھایا تھا۔ اس فرشتے کی ڈیوٹی سورج پر تھی۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے اسے جنت دکھانے کے لئے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اجازت دے دی، جب وہ چوتھے آسمان پر پہنچے تو وہاں انہیں ملک الموت نے دیکھا اسے تعجب ہوا۔ اس نے کہا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اسی لمحہ حضرت ادریس علیہ السلام کی روح کو چوتھے آسمان پر قبض کروں۔ ملک الموت نے وہاں ہی ان کی روح کو قبض کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خصوصیت عطا کی کہ آپ کو زندہ ہی اس بلند مقام تک اٹھایا گیا۔

ہر آسمان پر ہر نبی حضور ﷺ کا اس طرح استقبال کرتا تھا۔ "مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ" یا کباز بھائی! خوش آمدید! لیکن حضرت آدم اور حضرت ابراہیم علیہما السلام نے "بِالْاِبْنِ الصَّالِحِ" سے استقبال کیا۔ ہم نے اس کتاب کے آغاز میں تحریر کر دیا تھا کہ اس میں اس شخص کے لئے حجت ہے جو کہتا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کا تعلق نہ تو حضرت نوح علیہ السلام کے اجداد سے تھا اور نہ ہی حضور ﷺ کے آباء و اجداد سے تھا کیونکہ انہوں نے حضور ﷺ کا استقبال "الْاَخِ الصَّالِحِ" سے کیا تھا۔ "الْاِبْنِ الصَّالِحِ" سے نہیں کیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت محمدیہ میں سے ہونے کی خواہش

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس امت مرحومہ پر خصوصی توجہ کی تھی۔ انہوں نے نبی مکرم ﷺ سے انتہائی اصرار کیا تھا کہ وہ اس امت کیلئے شفاعت فرمائیں اور تخفیف کا سوال کریں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے جب انہیں وادی سیناء کے مغربی کنارے پر الواح عطا ہوئیں تو انہوں نے ان

ابن خاتم نے روایت کیا ہے۔تم میں سے جس نے ان نمازوں کو ایمان لاتے ہوئے اور محاسبۂ نفس کرتے ہوئے ادا کیا اسے پچاس نمازوں کا ثواب ملے گا۔

الواح میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی صفات پڑھیں۔حضرت موسیٰ کہنے لگے۔میں نے الواح میں ایسی امت کا تذکرہ پڑھا ہے جو ان صفات کی حامل ہے۔مولا! اسے میری امت بنادے۔ آپ علیہ السلام سے کہا گیا وہ احمد مجتبیٰ ﷺ کی امت ہے.........اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی مولا! پھر مجھے اس امت میں سے بنادے۔آپ علیہ السلام کی امت مرحومہ پر شفقت و رحمت اسی وجہ سے تھی۔

کچھ دیگر واقعات

بعض وہ واقعات جن کا ذکر ابن اسحاق نے نہیں کیا ان میں سے ایک واقعہ وہ ہے جسے حارث بن ابی اسامہ نے مسند میں ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ کو ایک آواز دینے والے نے یوں آواز دی۔ یا محمد صلی اللہ علیک وسلم!" آپ ﷺ براق پر سوار تھے، آپ ﷺ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی، پھر ایک اور ندا دینے والے نے ندا دی یا محمد! یا محمد! یا محمد صلی اللہ علیک وسلم! لیکن آپ ﷺ نے اس کی طرف بھی کوئی توجہ نہ دی۔ پھر آپ ﷺ سے ایک آراستہ پیراستہ عورت ملی۔ وہ دونوں بازو کھول کر یا محمد! یا محمد! یا محمد! صلی اللہ علیک وسلم پکار رہی تھی لیکن آپ ﷺ نے اسے بھی کوئی جواب نہ دیا پھر حضرت جبرائیل سے ان کے متعلق پوچھا، انہوں نے عرض کی' پہلا ندا کرنے والا یہودیوں کا داعی تھا، اگر آپ ﷺ اسے جواب مرحمت فرمادیتے تو آپ ﷺ کی امت یہودیت اختیار کر لیتی۔ دوسرا پکارنے والا نصاری کا داعی تھا۔ اگر آپ ﷺ اسے جواب دے دیتے تو آپ کی امت عیسائی ہو جاتی۔ وہ آراستہ و پیراستہ عورت دنیا تھی اگر آپ اسے جواب ارشاد فرمادیتے تو آپ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے

مذاق اڑانے والوں کا انجام

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضور ﷺ صبر واستقامت کے ساتھ احکامات الٰہیہ کی تبلیغ کرتے رہے۔ آپ ﷺ اپنی قوم کے لئے پیکر خلوص اور مجسمۂ اخلاص تھے لیکن آپ ﷺ کی قوم مسلسل تکذیب، اذیت اور استہزاء سے آپ ﷺ کو تنگ کرتی رہی۔ حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کی قوم کے پانچ سردار آپ ﷺ کو بہت زیادہ ستاتے اور تکلیف دیتے تھے۔ وہ ہر وقت آپ ﷺ کا تمسخر اڑاتے تھے۔ بنو اسد میں سے اسود بن مطلب بن اسد ابو زمعہ آپ ﷺ کو تنگ کرنے میں پیش پیش تھا۔ جب یہ حضور اکرم ﷺ کو اذیت دیتا تو آپ ﷺ اس کے لئے بددعا کرتے۔

اَللّٰھُمَّ اَعْمِ بَصَرَہٗ وَ اَثْکِلْہُ وَلَدَہٗ۔ مولا! اس کی بصارت چھین لے اور اسے اس کے بیٹے پر رلا، بنو زہرہ بن کلاب میں سے اسد بن یغوث بن وھب بن عبد مناف بن زہرہ، بنو مخزوم بن یقظہ بن مرہ میں سے ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم، بنو سہم بن عمرو بن ھصیص بن کعب میں سے عاص بن وائل بن ہشام، ابن ہشام کہتے ہیں عاص بن وائل بن ہاشم بن سعید بن سہم۔ بنو خزاعہ میں سے حارث بن الطلاطلہ بن عمرو بن حارث بن عبد عمرو بن لوی بن ملکان۔

جب ان کی سرکشی و بغاوت حد سے تجاوز کر گئی اور رسول معظم ﷺ سے زیادہ تمسخر کرنے

مذاق اڑانے والے اور ملکان

حارث بن طلاطلۃ

طلاطلۃ اس کی ماں کا نام تھا۔ ابو الولید وقشی کہتے ہیں لغت میں طلاطلۃ ہر بڑی مصیبت کو کہا جاتا ہے۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں ہر عاجز کر دینے والے مرض کو طلاطلۃ کہا جاتا ہے۔ حارث کے نسب میں ملکان کا ذکر کیا گیا ہے۔ حافظ شیخ ابو بحر کی کتاب کے حاشیہ میں ہے۔ ابن حبیب النحوی کا قول گزر چکا ہے کہ لوگوں میں ملکان صرف دو ہیں۔ ا۔ ملکان بن جرم بن زبان بن حلوان عمران بن الحاف بن قضاعہ اور ملکان بن عباد بن عیاض بن عقبہ بن سکون بن اشرس۔ عدی کے بھائی بنو تجیب تھے وہ اپنی ماں تجیب بنت داہم بن ثوبان کے نام سے مشہور تھے ان کا تعلق کندہ سے تھا۔ مذکورہ بالا ملکان کے علاوہ باقی ملکان ہیں۔ خزاعہ کے مشائخ کہتے ہیں کہ بنو خزاعہ میں بھی ملکان تھا۔ قاضی ابن حبیب کہتے ہیں ملکان بن افعی

لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ (الحجر)

''سو آپ اعلان کر دیجئے اس کا جس کا آپ کو حکم دیا گیا، اور منہ پھیر لیجئے مشرکوں سے ہم کافی ہیں آپ کو مذاق اڑانے والوں کے شر سے بچانے کے لئے جو بناتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور خدا۔ سو یہ (حقیقت حال کو) ابھی جان لیں گے۔

ابن اسحاق نے حضرت عروہ بن زبیر وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ بد بخت طوافِ کعبہ میں مصروف تھے تو حضرت جبرائیل بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضرت جبرائیل کھڑے ہو گئے ان کے ایک پہلو میں رسولِ محترم ﷺ بھی کھڑے ہو گئے۔ پہلے اسود بن مطلب پاس سے گزرا تو حضرت جبرائیل نے اس کے چہرے پر سبز پتا پھینکا جس سے وہ اندھا ہو گیا پھر اسود بن عبد یغوث وہاں سے گزرا، حضرت جبرائیل نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا وہ مرضِ استسقاء میں مبتلا ہو گیا اسی مرض سے مر گیا۔ پھر ولید بن مغیرہ کا وہاں سے گزر ہوا، حضرت جبرائیل نے اس کے اس زخم کی طرف اشارہ کیا جو اس کے ٹخنے کے نیچے تھا، یہ زخم اسے دو سال قبل آیا تھا۔ اس زخم کے آنے کا سبب یہ تھا کہ ولید بنوخزاعہ کے ایک آدمی کے پاس سے گزرا جو اپنے تیر کے پر درست کر رہا تھا۔ تیر کا پھل اس کے ازار سے لٹک گیا جس سے اس کی ٹانگ پر خراش آئی۔ پہلے تو یہ ایک معمولی زخم تھا۔ بعض میں پھٹ گیا اور ولید کی موت کا سبب بنا۔ پھر وہاں سے عاص بن وائل کا گزر ہوا۔ حضرت جبرائیل نے اس کے پاؤں کے تلوے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر طائف جا رہا تھا۔ اس کا گدھا اچانک ایک سخت جگہ پر بیٹھ

بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر بھی تھا۔ ابن حبیب کے علاوہ ایک اور شخص کہتا ہے بنوخزاعہ میں ملکان بن افصی تھا یہ ملکان بن عدی بن عبد مناۃ تھا۔ ذوالرمہ شاعر کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔ اسی طرح سفیان بن سعید ثوری کا قبیلہ بھی ملکان بن عبد مناۃ سے تعلق رکھتا تھا۔ اسود بن یغوث الزہری کے متعلق روایت کیا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ (الحجر) تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے انہوں نے اسود کی پیٹھ مروڑی۔ حضور ﷺ نے فرمایا میرے ماموں، میرے ماموں حضرت جبرائیل نے عرض کی آپ ﷺ اسے چھوڑ دیں۔ پھر انہوں نے اس کی پیٹھ کو دوبارہ مروڑا حتیٰ کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

گیا جس سے اس کے پاؤں کے تلوے میں کانٹا چبھ گیا اسی سے وہ ہلاک ہو گیا۔ پھر حارث بن طلاطلۃ کا وہاں سے گزر ہوا، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا وہاں سے پیپ بہنے لگی جس سے وہ بھی مر گیا۔

ولید اور ابواُزیھر

ابن اسحاق کہتے ہیں جب ولید کی وفات کا وقت آیا تو اس نے اپنے تینوں بیٹوں کو بلایا۔ اس کے تین بیٹوں کے نام یہ تھے۔ ۱۔ ہشام بن ولید۔ ۲۔ ولید بن ولید۔ ۳۔ خالد بن ولید۔ اس نے اپنے بیٹوں سے کہا اے میرے بیٹو! میں تمہیں تین وصیتیں کرتا ہوں، انہیں ہرگز ضائع نہ کرنا۔ ۱۔ بنوخزاعہ سے میرا خون بہا ضرور لینا۔ بخدا میں جانتا ہوں کہ وہ اس سے بری ہیں لیکن مجھے خطرہ ہے کہ تمہیں میرے بعد اسی وجہ سے گالیاں دی جائیں گی۔ ۲۔ بنوثقیف میں میری کچھ سودی رقم ہے وہ ان سے لئے بغیر نہ چھوڑنا۔ ۳۔ میرا ایک عورت کا حق مہر ابواز یھر کے پاس ہے وہ بھی ضرور حاصل کرنا۔ ابواز یھر نے اپنی بیٹی کا نکاح ولید بن مغیرہ سے کیا تھا پھر اسے اپنے ہاں روکے رکھا حتیٰ کہ ولید مر گیا۔

جب ولید ہلاک ہو گیا تو بنومخزوم بنوخزاعہ پر حملہ آور ہوئے، انہوں نے ان سے ولید کے خون بہا کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا تمہارے ساتھی کے تیر نے ہی اسے ہلاک کیا ہے۔ بنوکعب بنوعبدالمطلب بن ہشام کے حلیف تھے۔ بنوخزاعہ نے خون بہا ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے شاعری میں مقابلہ کیا۔ ان کے مابین تعلقات انتہائی شدت اختیار کر گئے۔ ولید کو بنوکعب بن عمر میں سے ایک شخص نے تیر سے ہلاک کیا تھا۔ یہ بنوخزاعہ کی شاخ تھی۔ عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کہتا ہے۔

ولید بن مغیرہ

ولید بن مغیرہ نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا۔ عُقْرِی عِنْدَ اَبِیْ اُزَیْھِرِ الدَّوْسِی لَا تَدَعُوْہ۔ میرا ایک حق مہر ابواز یھر دوسی کے پاس ہے وہ ہرگز نہیں چھوڑنا۔ غصب شدہ فرج کی دیت کو عقر کہا جاتا ہے۔ اصل میں یہ باکرہ کے لئے ہے اسی سے کہا جاتا، عَقَرَ السَّرْجُ الْفَرَسَ۔ زین نے گھوڑے کو زخمی کر دیا۔ اسی سے بَیْضَۃُ الْعُقْرِ۔ مرغی کا پہلا انڈہ ہے وہ مرغی کے انڈے سے اس کی بکارت کا اندازہ لگایا کرتے تھے۔

اِنِّی زَعِیْمٌ اَنْ تَسِیْرُوْا فَتَهْرَبُوْا وَاَنْ تَتْرُکُوْا الظَّهْرَانَ تَعْوِیْ ثَعَالِبُهٗ
وَ اَنْ تَتْرُکُوْا مَاءً بِجَزْعَةِ اَطْرِقَا وَ اَنْ تَسْاَلُوْا اَیُّ الْاَرَاكِ اَطَایِبُهٗ
فَاِنَّا اُنَاسٌ لَا تُطَلُّ دِمَاءُ نَا وَ لَا یَتَعَالٰی صَاعِدًا مَنْ نُحَارِبُهٗ

میں گمان کرتا ہوں کہ تم یہاں سے رخت سفر باندھ لو گے۔ یہاں سے راہ فرار اختیار کرو گے۔ وادی ظہران کو ویران چھوڑ دو گے تا کہ اس میں لومڑیاں اچھلتی کودتی رہیں۔ وادی اطرقا کے کنارے پانی چھوڑ دو گے اور سوال کرو گے کہ پیلو کے درختوں میں سے کون سا درخت عمدہ ہے۔ ہم وہ عظیم لوگ ہیں جن کا خون رائیگاں نہیں جاتا اور جس سے ہم نبرد آزما ہوتے ہیں وہ کبھی بھی سر بلند نہیں ہوسکتا۔

الظہران اور الاراک بنوکعب کے رہنے کے مقامات تھے۔ جون بن ابی الجون، جس کا تعلق بنوکعب سے تھا وہ اس کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے۔

وَاللّٰهِ لَا نُوْتِیْ الْوَلِیْدَ ظُلَامَةً وَ لَمَّا قَرَوْا یَوْمًا تَزُوْلُ کَوَاکِبُهٗ
وَ یَصْرَعُ مِنْکُمْ مُسْمِنٌ بَعْدَ مُسْمِنٍ وَ تُفْتَحُ بَعْدَ الْمَوْتِ قَسْرًا مَشَارِبُهٗ
اِذَا مَا اَکَلْتُمْ خُبْزَکُمْ وَ خَزِیْرَکُمْ فَکُلُّکُمْ بَاکِیْ الْوَلِیْدِ وَ نَادِبُهٗ

قسم بخدا! ہم ولید کا خون بہا ادا نہیں کریں گے۔ ابھی تک تم نے وہ سخت دن نہیں دیکھا جس کے ستارے ٹوٹ جاتے ہیں۔ تم میں سے ایک موٹا شخص دوسرے موٹے شخص کے بعد چت گرتا جائے گا اور موت کے بعد اس کا محل دوسروں کے تصرف میں ہوگا جب تم اپنا کھانا اور حریرہ کھا لو گے تو پھر تم میں سے ہر ایک ولید پر آہ وزاری اور گریہ وفغاں کرے گا۔

پھر لوگوں کو کچھ تردد ہوا بالآخر انہیں معلوم ہو گیا کہ بنو ولید لوگوں کے طعن و تشنیع سے خوفزدہ ہیں۔ بنوخزاعہ نے انہیں کچھ خون بہا دے دیا اور کچھ سے منحرف ہو گئے جب ان کے مابین صلح ہو

مَاءً بِجَزْعَةِ اَطْرِقَا

الجَزْعَةُ اور الجَزْعُ کا معنی "وادی کا کثیر حصہ" ہے۔ ابن الاعرابی کہتے ہیں یہ وادی کے نرم حصے کے نام ہیں۔ اَطْرِقَا جگہ کا نام ہے، تثنیہ کی وجہ سے اس کا نام فعل امر پر رکھا گیا ہے۔ یہ اسی طرح بیان کردہ ہے اس کو اعراب نہیں دیا جاتا کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے تین آدمی اس وادی سے خوفزدہ گزرے ان میں سے ایک نے آواز سنی۔ اس نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا۔ اَطْرِقَا خاموش ہو جاؤ تا کہ ہم دیکھیں کہ یہ آواز کیسی ہے اسی وجہ سے اس کا نام اَطْرِقَا پڑ گیا۔

گئی تو جون بن جون نے کہا۔

وَ قَائِلَةٍ لَمَّا اِصْطَلَحْنَا تَعَجُّبًا لِمَا قَدْ حَمَلْنَا لِلْوَلِيْدِ وَ قَائِلِ
أَلَمْ تُقْسِمُوْا تُوْتُوْا الْوَلِيْدَ ظُلَامَةً وَ لَمَّا تَرَوْا يَوْمًا كَثِيْرَ الْبَلَابِلِ
فَنَحْنُ خَلَطْنَا الْحَرْبَ بِالسِّلْمِ فَاسْتَوَتْ فَاَمَّ هَوَاهُ آمِنًا كُلُّ رَاحِلِ

جب ہم نے صلح کر لی تو بہت سے مرد اور عورتیں تعجب سے کہتے رہے کہ ہم نے ولید کے خون بہا کا بوجھ کیوں اٹھایا ہے؟ کیا تم نے قسمیں نہیں اٹھائی تھیں کہ تم ولید کی مصیبت کا خون بہا نہیں دو گے؟ ابھی تم نے وہ دن دیکھا ہی نہیں جو مصائب و مشکلات سے بھرپور ہوتا ہے۔ ہم نے جنگ کو صلح کے ساتھ ملا دیا تو صلح ہو گئی پھر ہر مسافر اپنی منزلِ مقصود کی طرف امن کے ساتھ عازمِ سفر ہو گیا۔

أَلَمْ تُقْسِمُوْا تُوْتُوْا الْوَلِيْدَ ظُلَامَةً

تُوْتُوْا سے پہلے اَنْ محذوف ہے اس کا معنی اَنْ لَا تُوْتُوْا ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا (النساء:۱۷۶)

بعض علماء کے نزدیک اس کا معنی اَنْ لَا تَضِلُّوْا ہے لیکن میرے نزدیک اس کا معنی كَرِهَ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ہے۔ ہم نے اس سے پہلے اَنْ، اس کا مقتضی اور اس کے کچھ اسرار بیان کئے ہیں۔ جب کلام کو اس کے معنی پر محمول کیا جائے تو اسے رفع اور نصب دونوں جائز ہیں جس طرح کسی شاعر نے کہا ہے۔
اَلَا اَيُّهٰذَا الزَّاجِرِىْ اَحْضُرَ الْوَغٰى۔ اَحْضُرَ میں رفع اور نصب دونوں جائز ہیں۔ سیبویہ کہتے ہیں۔
وَ نَهْنَهْتُ نَفْسِىْ بَعْدَ مَا كِدْتُ اَفْعَلَهٗ۔ یہ دراصل اَنْ اَفْعَلَهٗ ہے۔ جب تو اس جگہ رفع دے گا تو یہ رفع اَنْ کے معنی کو ظاہر نہیں کرے گا۔ سیبویہ سے روایت ہے مُرْهُ يَحْفُرُهَا۔ اس کے متعلق دو رائے ہیں۔ ۱۔ اس سے حال مراد ہے یعنی مُرْهُ حَافِرًا لَّهَا۔ ۲۔ مُرْهُ اَنْ يَحْفُرَهَا۔
جب اَنْ کو اٹھا لیا جائے گا تو فعل مرفوع ہو جائے گا۔ ابن جنی نے ان دونوں کے مابین فرق بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب اَنْ کی نیت کی گئی ہو تو فعل مستقبل ہو گا اور اگر اس کی نیت نہ ہو تو فعل حاضر ہو گا۔ امام الطبری نے یہاں اہل عرب کے ایک مسئلہ کی وضاحت کی ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں۔ تَصْنَعُ مَا ذَا وَ تَفْعَلُ۔ یہ عبارت دراصل یوں ہے تُرِيْدُ اَنْ تَصْنَعَ مَا ذَا جب اہل عرب کہتے ہیں۔ تُرِيْدُ مَا ذَا تو يَصْنَعُ مرفوع ہو گا کیونکہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اَنْ ناصبہ کے آنے کا تقاضا کرے۔
کیونکہ یہ کہنا درست نہیں، تُرِيْدُ اَنْ تُرِيْدَ مَا ذَا۔ کیونکہ ارادہ کا ارادہ کرنا ناممکن ہے۔

پھر جون بن ابی جون سے رہا نہ گیا وہ ولید کے قتل پر فخر کرتا رہا اس نے بیان کیا کہ اسے ہم نے ہی قتل کیا ہے حالانکہ یہ جھوٹ تھا، اس طرح ولید کے بیٹوں اور اس کی قوم کو اس رسوائی کا سامنا کرنا پڑا جس سے ولید نے انہیں ڈرایا تھا۔ جون بن ابی جون کہتا ہے۔

أَلَا زَعَمَ الْمُغِيْرَةُ اَنَّ كَعْبًا بِمَكَّةَ مِنْهُمْ قَدْرٌ كَثِيْرُ

فَلَا تَفْخَرْ مُغِيْرَةُ اَنْ تَرَاهَا بِهَا يَمْشِي الْمُعَلْهَجُ وَالْمَهِيْرُ

بِهَا آبَاءُنَا وَ بِهَا وُلِدْنَا كَمَا اَرْسٰى بِمَثْبَتِهٖ ثَبِيْرُ

وَ مَا قَالَ الْمُغِيْرَةُ ذَالِكَ اِلَّا لِيَعْلَمَ شَانَنَا اَوْ يَسْتَثِيْرُ

فَاِنَّ دَمَ الْوَلِيْدِ يُطَلُّ اِنَّا نَطُلُّ دِمَاءَ اَنْتَ بِهَا خَبِيْرُ

كَسَاهُ الْفَاتِكُ الْمَيْمُوْنُ سَهْمًا زُعَافًا وَ هُوَ مُمْتَلِيءٌ بَهِيْرُ

فَخَرَّ بِبَطْنِ مَكَّةَ مُسْلَحِبًّا كَاَنَّهٗ عِنْدَ وَجْبَتِهٖ بَعِيْرُ

سَيَكْفِيْنِي مِطَالَ اَبِي هِشَامٍ صِغَارٌ جَعْدَةُ الْاَوْبَارِ خُوْرُ

ارے! کیا مغیرہ نے یہ گمان کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہم کو اس حالت میں دیکھ کر بنو مغیرہ فخر نہ کریں مکہ معظمہ میں معزز لوگ بھی ہیں اور دو جنسوں والے بھی۔ ہمارے آباء بھی یہیں پیدا ہوئے اور ہم نے بھی یہیں پرورش پائی جس طرح کوہ ثبیر اپنی جگہ پر براجمان ہے۔ یہ بات مغیرہ نے صرف اس لئے کہی ہے تا کہ اسے ہماری اہمیت معلوم ہو جائے یا

الْمُعَلْهَجُ وَ الْمَهِيْرُ

آزاد، مہر والی عورت کے بچے کو مہیر کہا جاتا ہے، دو جنسوں والے شخص کو مُعَلْهَج کہا جاتا ہے۔ یہ یا تو عِلْج سے مشتق ہوگا کیونکہ لونڈی عِلْجَةٌ (بہت کام کرنے والی) ہوتی ہے۔ یہ لَهَج سے بھی مشتق ہو سکتا ہے اس کا معنی فریفتہ ہونا ہے۔ گویا کہ اس سے وطی کرنے والا اس پر فریفتہ ہوتا ہے۔

كَمَا اَرْسٰى بِمَثْبَتِهٖ ثَبِيْرُ

ارسیٰ کی تخفیف کے ساتھ روایت درست ہے۔ یہ زحاف ہے جو زحاف پر داخل ہے کیونکہ "مُفَاعَلَتُنْ" کے لام کا سکون وافر میں زحاف کہلاتا ہے یہ بہت زیادہ عمدہ ہوتا ہے جب یہ کثیر ہو گیا تو شاعر نے اسے مفاعیل سے تشبیہ دے دی کیونکہ یہ اس کے وزن پر تھے۔ طویل مصرعہ میں مُفَاعِيْلُنْ کی یاء کو حذف کرنا بہتر ہے۔ یہ فَعُوْلُنْ، مَفَاعِلُنْ ہو گیا اسی لئے شاعر نے مُفَاعَلْتُنْ میں زحاف داخل کیا کیونکہ یہ مَفَاعِيْلُنْ کے وزن پر سکون کے بعد ہے۔

وہ لوگوں کو ہمارے خلاف ابھار سکے۔ بلاشبہ ولید کا خون رائیگاں جا رہا ہے۔ اسی طرح ہم بہت سے خون رائیگاں کرتے ہیں تو اس سے اچھی طرح آگاہ ہے۔ اچانک حملہ آور نے اس کے زہر آلود تیر پیوست کر دیا ہے اور وہ اس حالت میں مر رہا ہے کہ وہ غصہ سے بھرپور ہے۔ پھر وہ ذلیل و رسوا ہو کر وادی مکہ میں گر پڑا۔ ایسے محسوس ہوتا تھا کہ ایک اونٹ نیچے آن پڑا ہے۔ ابو ہشام کے خون بہا کی ادائیگی کے وعدہ کو ٹالنے کے لئے چھوٹی چھوٹی، گھنگریالے بالوں والی بہت زیادہ دودھ دینے والی چند اونٹنیاں ہی کافی ہیں۔

ابو ازیہر کے قتل کا بدلہ

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر ہشام بن ولید نے ابی ازیھر پر قبضہ کر لیا اس وقت وہ ذوالمجاز کے بازار میں تھا۔ ابو ازیھر کی بیٹی ابوسفیان بن حرب کے نکاح میں تھی۔ ابو ازیھر اپنی قوم میں ایک شریف شخص تھا۔ ولید کے اس حق مہر کی وجہ سے اسے قتل کر دیا گیا جو اس کے پاس تھا اور ولید نے اپنے بیٹوں کو اس کی وصیت کی تھی۔ یہ واقعہ ہجرت مصطفیٰ ﷺ کے بعد رونما ہوا۔ اس وقت غزوۂ بدر بھی ظہور پذیر ہو چکا تھا اور سرداران قریش پر قتل و غارت کا طوفان چل چکا تھا۔ یزید بن ابی سفیان گھر سے باہر نکل آیا اس نے بنو عبد مناف کو جمع کیا اس وقت ابوسفیان ذوالمجاز میں تھا، لوگوں نے کہا ابوسفیان اپنے سسرال کی حفاظت کرنے لگا ہے وہ ان کا بدلہ لینے لگا ہے۔ ابوسفیان کو اپنے بیٹے یزید کی کاروائی معلوم ہوئی۔ وہ ایک حلیم اور بردبار شخص تھا اسے اپنی قوم سے شدید محبت تھی۔ وہ جلدی جلدی مکہ کی طرف عازم سفر ہوا اسے خطرہ تھا کہ کہیں ابو ازیھر کی وجہ سے قریش میں پھوٹ نہ پڑ جائے۔ وہ اپنے بیٹے کے پاس آیا اس وقت وہ غرق آہن تھا۔ وہ بنو عبد مناف اور مطیبین کے درمیان تھا ابوسفیان نے اسی کے ہاتھ سے نیزہ لے کر اس کے سر پر مارا وہ وہیں گر پڑا۔ ابوسفیان نے کہا تیرے لئے ہلاکت ہو کیا تو چاہتا ہے کہ بنو دوس کے ایک شخص کی وجہ سے قریش میں اختلاف پڑ جائے۔ ہم انہیں خون بہا دے دیں گے اگر انہوں نے پسند کیا۔ اس طرح یہ معاملہ سرد پڑ گیا۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایسے اشعار کہے جن میں ابو ازیھر کے خون کا بدلہ لینے پر ابھارا اور ابوسفیان کی بزدلی پر اسے طعنے دیئے۔ انہوں نے کہا۔

غَدَا اَهْلُ ضَوْحَيْ ذِي الْمَجَازِ كِلَيْهِمَا ... وَ جَارُ ابْنِ حَرْبٍ بِالْمُغَمَّسِ مَا يَغْدُوْ

وَ لَمْ يَمْنَعِ الْعِيْرُ الضَّرُوْطُ ذِمَارَهُ ... وَ مَا مَنَعَتْ مَخْزَاةَ وَالِدِهَا هِنْدُ

كَساكَ هِشَامُ بْنُ الْوَلِيْدِ ثِيَابَهُ ۔۔۔ فَأَبْلِ وَأَخْلِفْ مِثْلَهَا جُدُدًا بَعْدُ
قَضٰى وَ طَرًا مِنْهُ فَأَصْبَحَ مَاجِدًا ۔۔۔ فَأَصْبَحْتَ رَخْوًا مَا تَخُبُّ وَ مَا تَعْدُو
وَ لَوْ اَنَّ اَشْيَاخًا بِبَدْرٍ تَشَاهَدُوْا ۔۔۔ لَبَلَّ نِعَالَ الْقَوْمِ مُعْتَبِطٌ وَرْدُ

ذوالمجاز کی دونوں اطراف کے لوگ صبح سویرے ہی نکل آئے مگر ابوسفیان غمس کی طرف چلا گیا اور جنگ کے لئے نہ نکلا زیادہ گوز مارنے والے گدھے نے قابل حفاظت چیزوں کا تحفظ نہ کیا اور ہند بھی اپنے بیٹے کی رسوائی کو نہ روک سکی۔ ہشام بن ولید نے تجھے مقتول کے کپڑے پہنا دیئے، ان کپڑوں کو گھسا دے۔ اسی قسم کے اور کپڑے بھی تجھے مل جائیں گے تو اس نے اس سے اپنی تمنا پوری کر لی اور صاحب شرف ہو گیا تو آسودہ حال تو ہو گیا لیکن زمین کے نشیب و فراز پر جانے کے قابل نہ رہا۔ میدانِ بدر کے بوڑھے اسے دیکھ لیتے تو تازہ رواں خون قوم کے جوتوں کو رنگین کر دیتا"۔

جب حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار ابوسفیان تک پہنچے تو اس نے کہا حسان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم بنو دوس کے ایک شخص کے لئے آپس میں ایک دوسرے کے گلے کاٹیں۔ ان کی سوچ کتنی بری ہے؟

سورۃ البقرہ کی آیت ربا کا نزول

جب اہل طائف دولت اسلام سے مالا مال ہوئے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے

غَدًا اَهْلُ ضَوْجَيْ ذِى الْمَجَازِ

"ضَوْجٌ" وادی کے کنارے کو کہتے ہیں۔ "ذُوالْمَجَازِ" میدانِ عرفہ کے پاس ایک بازار کا نام تھا۔ جب حج کا زمانہ آتا تو اہل عرب شوال کے مہینہ میں عکاظ کے بازار جاتے پھر وہ "مجنہ" کے بازار جاتے اور وہاں ذوالقعدہ کے بیس دن مقیم رہتے پھر وہ ذوالمجاز چلے جاتے وہ ایام حج گزارتے وہ شوال کے مہینہ میں عکاظ کے بازار میں ایک دوسرے پر فخر کرتے۔ کہا جاتا ہے عَكَظَ الرَّجُلُ صَاحِبَهُ۔ جب انسان کسی سے فخر کرے اور اس پر غالب آ جائے اسی وجہ سے اس بازار کو عکاظ کہا جاتا ہے۔
مُعْتَبِطٌ وَرْدٌ، تر کرنے والا خون۔

ربا کے متعلق نازل شدہ آیات

ہم نے پہلے قریش مکہ کا وہ قول نقل کیا ہے جو انہوں نے تعمیر کعبہ کے وقت کہا تھا انہوں نے کہا۔

حضور ﷺ سے اس سود کے متعلق گفتگو کی جو ان کا باپ بنو ثقیف میں چھوڑ گیا تھا اور انہیں وصول کرنے کی وصیت کی تھی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں بعض اہل علم نے مجھے بتایا ہے کہ یہ آیت اسی وقت نازل ہوئی تا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بنو ثقیف کے سود سے دستبردار ہو جائیں۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ (البقرہ)

''اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود سے اگر تم (سچے دل سے) ایماندار ہو۔

ابواز یہر کا بدلہ

ہمیں معلوم نہیں ہوا کہ کسی نے ابواز یہر کا بدلہ لیا ہو حتیٰ کہ لوگ اسلام کی امن وآشتی کی خوشبو سے معطر ہو گئے مگر ایک واقعہ اس کے متعلق ملتا ہے وہ یہ کہ ضرار بن خطاب بن مرداس الفہری کچھ قریشیوں کو لے کر سرزمین دوس کی طرف گیا۔ وہ ام غیلان کے ہاں بطور مہمان ٹھہرے۔ ام غیلان بنو دوس کی لونڈی تھی۔ وہ عورتوں کا میک اپ کرتی تھی۔ دلہنوں کا بناؤ سنگھار کرتی تھی، بنو دوس نے انہیں قتل کرنا چاہا لیکن ام غیلان اور دیگر خواتین ان کی راہ میں حائل ہو گئیں، حتیٰ کہ وہ اپنے مذموم ارادہ سے باز آ گئے۔ ضرار بن خطاب اسی کے متعلق کہتا ہے۔

جَزَى اللّٰهُ عَنَّا اُمَّ غَيْلَانَ صَالِحًا وَ نِسْوَتَهَا اِذْهُنَّ شُعْثٌ عَوَاطِلُ
فَهُنَّ دَفَعْنَ الْمَوْتَ بَعْدَ اِقْتِرَابِهٖ وَ قَدْ بَرَزَتْ لِلثَّائِرِيْنَ الْمَقَاتِلُ
دَعَتْ دَعْوَةً دَوْسًا فَسَالَتْ شِعَابُهَا بِعِزٍّ وَ اَدَّتْهَا الشِّرَاجُ الْقَوَابِلُ
وَ عَمْرًا جَزَاهُ اللّٰهُ خَيْرًا فَمَا وَنٰى وَ مَا بَرِدَتْ مِنْهُ لَدَيَّ الْمَفَاصِلُ
فَجَرَّدْتُ سَيْفِي ثُمَّ قُمْتُ بِنَصْلِهٖ وَ عَنْ اَيِّ نَفْسٍ بَعْدَ نَفْسِي اُقَاتِلُ

اللہ تعالیٰ ہماری جانب سے ام غیلان اور اس کی دوستوں کو عمدہ جزا دے، وہ پراگندہ بال اور

''اس حرم مقدس کی تعمیر میں نہ تو سود کی رقم خرچ کرنا اور نہ ہی بدکاری کے عوض حاصل ہونے والی رقم خرچ کرنا۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ سود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں بھی حرام تھا جبکہ یہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں بھی حرام تھا۔ یہ تمام اعمال میں سے قبیح ہے۔ اس سے مروت ختم ہو جاتی ہے، انسان لالچی اور حریص ہو جاتا ہے۔ اس سے وسعت ظرفی کا فقدان ہو جاتا ہے۔ اس کے معاملہ میں حسن و جمال عنقاء ہو جاتا ہے۔ جو شخص سود کے مضرات پر غور کرتا ہے اس پر عیاں ہو جاتا ہے کہ اسے حرام قرار کیوں دیا گیا؟ اس سے انسان اتنا حریص ہو جاتا ہے کہ اس کی حسن معاشرت ختم

آرائش کے بغیر ہی تھیں۔ انہوں نے موت کو ہٹایا، اس کے بعد کہ وہ قریب ہو چکی تھی حالانکہ بدلہ لینے والوں کے لئے قتل گاہیں واضح ہو چکی تھیں۔ ام غیلان نے بنو دوس کو صلح کی دعوت دی جس سے اس کی گھاٹیاں عزت و آبرو کے لئے بہہ پڑیں اور اس کے بالمقابل نالوں نے بھی ان کی تائید کی۔ اللہ تعالیٰ عمرو کو بھی جزا دے اس نے بھی کسی کمزوری کا مظاہرہ نہ کیا۔ میرے پاس اس کے جوڑ سرد نہیں ہوئے تھے۔ میں نے اپنی تلوار سونت لی پھر اسے دستے سے پکڑ کر کھڑا ہو گیا اگر میں اپنے نفس کو بچانے کے لئے نہیں لڑوں گا تو پھر کس کے لئے لڑوں گا؟

ام غیلان کا عمل

ابن ہشام کہتے ہیں مجھے ابو عبیدہ نے بیان کیا ہے کہ ضرار کی حفاظت ام جمیل نے کی تھی۔ اس کا نام ام غیلان بھی بتایا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ خونریزی روکنے کے لئے ام جمیل بھی ام غیلان کے شانہ بشانہ ہو۔

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی تو ان کے پاس ام جمیل آئی۔ اس کا گمان تھا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ضرار بن خطاب کے بھائی ہیں۔ جب اس نے ضرار کا نسب بیان کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تمام واقعہ معلوم ہو گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ

ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے انسان آسانی سے مفلس کو قرض دینے پر راضی نہیں ہوتا اسی وجہ سے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (البقرۃ:۲۷۹)

''اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اعلان جنگ سن لو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے''۔

اسی وجہ سے جب حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی لونڈی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان بیوع کے متعلق مسئلہ پوچھنے آئی جو سود کے مشابہ ہیں تو انہوں نے فرمایا۔ حضرت زید کا حضور ﷺ کے ساتھ جہاد کرنا باطل ہو چکا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے جہاد کے بطلان کا حکم فرمایا۔ ان کی نماز یا روزہ وغیرہ کے خاتمہ کا نہ فرمایا کیونکہ برائیاں نیکیوں کو ختم نہیں کرتیں مگر انہوں نے جہاد کو بطلان کے ساتھ مختص کیا کیونکہ جہاد اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ معرکہ آزمائی کا نام ہے اور سود خور اللہ تعالیٰ سے اعلان جنگ کرتا ہے۔ یہ جہاد کی ضد ہے، دو ضدیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ ابو الحسن بن بطال نے یہی معنی ذکر کیا ہے۔ یہ مسئلہ ''المدونۃ'' میں مذکور ہے لیکن اس کی نسبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف ضعیف ہے۔

نے اس سے فرمایا ''میں صرف اسلام کے اعتبار سے ہی اس کا بھائی ہوں، وہ غازی ہے مجھے اس احسان کا علم ہے جو تو نے اس پر کیا''۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ام جمیل کو مسافرہ ہونے کی حیثیت سے کچھ عطا فرمایا۔

ابن ہشام فرماتے ہیں ضرار غزوۂ احد کے دن حضرت عمر بن خطاب سے ملا۔ وہ آپ رضی اللہ عنہ کو نیزے کا کنارہ مار کر کہنے لگا ''اے ابن خطاب! بچو۔ میں آپ کو قتل نہیں کروں گا''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے اسلام لانے کے بعد اسے یہ واقعہ بتاتے تھے۔

حضور ﷺ کو ستانے والے

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ مندرجہ ذیل لوگ آپ ﷺ کو کاشانۂ اقدس میں ستاتے تھے۔ ۱۔ ابولہب۔ ۲۔ حکم بن عاص بن امیہ۔ ۳۔ عقبہ بن ابی معیط۔ ۴۔ عدی بن حمراء الثقفی۔ ۵۔ ابن الاصداء الھذلی۔ یہ تمام حضور ﷺ کے پڑوسی تھے حکم بن ابی عاص کے علاوہ کسی کو اسلام قبول کرنے کی سعادت ارزانی نہ ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپ ﷺ مصروف نماز ہوتے تو ان میں سے ایک آپ ﷺ پر بکری کی رحم پھینک دیتا۔ جب آپ ﷺ کی ہنڈیا پک رہی ہوتی تو ان میں سے کوئی اس میں گندگی پھینک دیتا۔ حتیٰ کہ نبی محترم ﷺ نے ایک آڑ سی بنالی تھی جس میں آپ ﷺ ان سے چھپ کر نماز ادا فرماتے تھے۔ حضور ﷺ یہ تمام غلاظت اٹھا کر باہر پھینک دیتے۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تاجدار حرم ﷺ اس غلاظت کو کسی چھڑی کے ساتھ اٹھاتے پھر پھینکنے والے کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرماتے ''اے بنوعبد مناف! یہ کیسی ہمسائیگی ہے پھر آپ ﷺ اسے باہر پھینک دیتے''۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوطالب کا وصال

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت ابو طالب نے ایک ہی سال میں عالم فانی کو الوادع کہا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال پر ملال کے بعد حضور ﷺ کو پے در پے مصائب برداشت کرنا پڑے۔ وہ آپ ﷺ کی حقیقی غمگسار، خیر خواہ اور مشیرہ تھیں، مشکلات میں آپ ﷺ انہی سے مشورہ کرتے تھے، آپ ﷺ کے عم محترم بھی آپ ﷺ کے لئے پناہ گاہ اور قلعۂ امن تھے۔ قریش کے خلاف وہ آپ ﷺ کے معاون و مددگار تھے۔ ہجرت مدینہ سے تین سال قبل یہ دونوں عظیم ہستیاں عالم بالا کو سدھار گئیں۔ حضرت ابو طالب کی

وفات حسرت آیات کے بعد حضور ﷺ نے قریش کی وہ اذیتیں برداشت کیں جوان کی زندگی میں وہ جرأت نہ کر سکے۔قریش کے احمقوں میں سے ایک احمق آپ ﷺ کو سرِ راہ ملا، اس نے آپ ﷺ کے سراقدس پر مٹی پھینک دی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اس احمق نے سرورِ سروراں ﷺ کے سر مبارک پر مٹی بکھیری تو حضور ﷺ اسی حالت میں گھر تشریف لے آئے۔حضور ﷺ کی صاحبزادیوں میں سے ایک اٹھیں اور آپ ﷺ کے سر مبارک کو دھونے لگیں، آنسوان کی آنکھوں سے چھم چھم رواں تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا ''اے میری نورِ نظر! مت رو! اللہ تعالیٰ تمہارے والد محترم ﷺ کا خود محافظ ونگران ہے''۔آپ ﷺ فرماتے تھے ''حضرت ابوطالب کے وصال تک قریش میرے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہ کر سکے جو مجھے ناپسند ہو''۔

حضور ﷺ، ابوطالب اور مشرکین مکہ

ابن اسحاق کہتے ہیں، جب حضرت ابوطالب مرضِ وصال میں مبتلا ہوئے، قریش کو ان کی اس کیفیت کا علم ہوا تو انہوں نے باہمی مشاورت کی، عمر اور حمزہ ایمان لا چکے ہیں، محمد عربی ﷺ کا مذہب تمام قریش میں پھیل چکا ہے آؤ ہم ابوطالب کے پاس جاتے ہیں، انہیں کہتے ہیں کہ اپنے بھتیجے سے کچھ لے، کچھ دے کر صلح کرادیں۔قسم بخدا! ہمیں خطرہ ہے کہ وہ ہم سے امارت بھی چھین لیں گے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں، مجھے عباس بن عبداللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مندرجہ ذیل قریش کے سردار ابوطالب کے پاس گئے اور ان سے بات چیت کی۔۱۔ عتبہ بن ربیعہ، ۲۔ شیبہ بن ربیعہ، ۳۔ ابوجہل بن ہشام، ۴۔ امیہ بن خلف، ۵۔ ابوسفیان بن حرب۔انہوں نے کہا ''اے ابوطالب! آپ جانتے ہیں کہ آپ کی ہم میں حیثیت کیا ہے؟، آپ بھی عالم رنگ و بو کو الوداع کہہ رہے ہیں۔آپ جانتے ہیں کہ ہمارے اور آپ کے بھتیجے کے مابین معاملات کی نوعیت کیا ہے؟ آپ انہیں بلالیں اور کچھ لے دے کر صلح کرادیں تاکہ وہ

حضرت ابوطالب کی وفات اور ان کی وصیت

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر حضرت ابوطالب کے ایمان کی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی شہادت قبولِ اسلام کے بعد ہوتو وہ قبول ہوگی اور حضور ﷺ کے فرمان ''لَمْ اَسْمَعْ'' میں نے نہیں

ہم سے رک جائیں ہم ان سے باز آجائیں۔ وہ ہمیں اور ہمارے دین کو چھوڑ دیں اور ہم انہیں اور ان کے دین کو چھوڑ دیں"۔ حضرت ابو طالب نے آپ ﷺ کی طرف پیام بھیجا۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو حضرت ابو طالب نے کہا" اے محترم بھتیجے! یہ آپ ﷺ کی قوم کے سردار ہیں۔ یہ آپ ﷺ کے لئے جمع ہوئے ہیں تا کہ آپ ﷺ کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر صلح کرلو"۔ رسول معظم ﷺ نے فرمایا۔" تم صرف ایک کلمہ کہہ دو تم اس سے عرب کے بھی بادشاہ بن جاؤ گے اور عجم کے شہنشاہ بھی"۔ ابو جہل نے کہا،" آپ ﷺ کے والد محترم کی قسم! ضرور۔ ہم ایسے دس کلمات کہنے کے لئے بھی تیار ہیں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہہ دو اور اللہ کے علاوہ معبودانِ باطلہ کو چھوڑ دو"۔ یہ سن کر سردارانِ قریش نے تعجب سے

سنا" سے رد نہیں ہوگی کیونکہ اگر ایک عادل گواہ کہے۔" سَمِعْتُ میں نے سنا ہے"۔ جو شخص جو اس سے اَعْدَل ہو وہ کہے۔ "لَمْ اَسْمَعْ" میں نے نہیں سنا تو سماع کو ثابت کرنے والے کے قول کو قبول کیا جائے گا کیونکہ سماعت نہ کرنے کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں، جنہوں نے اسے سننے سے روک دیا ہو لیکن حضرت عباس کی یہ گواہی ان کے قبولِ اسلام سے پہلے کی ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ ابو طالب کی وفات کفر و شرک پر ہوئی تھی یہ آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ (توبہ:۱۱۳)

"نبی ﷺ اور ایمان والوں کے لئے نہیں ہے کہ وہ مشرکوں کے لئے استغفار کریں۔"

صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کی" یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم حضرت ابو طالب نے آپ ﷺ کی بھرپور حمایت اور حفاظت کی۔ انہوں نے آپ ﷺ کی خاطر لوگوں کی ناراضگی مول لی کیا یہ چیز انہیں فائدہ دے گی؟" آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! میں نے انہیں آگ کی سختیوں میں پایا۔ میں انہیں نکال کر آگ کی سطح پر لے آیا"۔ حضرت ابو سعید سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا۔" شاید روزِ حشر حضرت ابو طالب کو میری شفاعت فائدہ دے انہیں آگ کی سطح پر لے جایا جائے وہ آگ ان کے ٹخنوں تک ہوگی جس سے ان کا دماغ پگھل جائے گا۔" دوسری روایت میں ہے کہ جس طرح ہنڈیا جوش مارتی ہے۔ ابن اسحاق کی روایت میں کچھ اضافہ ہے کہ اس آگ سے ان کا دماغ پگھل کر ان کے قدموں میں بہہ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں غور و فکر کرنے سے حضرت ابو طالب کی جزاء اور ان کے عمل کے مابین مشاکلت نظر آتی ہے وہ یہ کہ حضرت ابو طالب پوری طرح حضور ﷺ کے ساتھ تھے صرف وہ حضرت عبد المطلب کے دین پر ثابت قدم رہے۔ انہوں نے

ہاتھ مارے اور کہنے لگے۔ ''اے محمد! ﷺ کیا ہم اتنے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کو مانیں یہ بڑی عجیب وغریب بات ہے؟'' پھر انہوں نے ایک دوسرے سے کہا، '' یہ شخص تمہارا کوئی مطالبہ قبول نہیں کرے گا آؤ چلیں۔ تم اپنے دین پر پختہ رہو، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے مابین فیصلہ فرمادے''۔ پھر وہ جدا جدا ہو گئے۔

وصال کے وقت کہا، میں عبدالمطلب کی ملت پر ہوں، عذاب اسی لئے ان کے قدموں پر مسلط کیا گیا کیونکہ وہی اپنے آباء کے مذہب پر تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر ثابت قدم فرمائے۔

ابن اسحاق نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نقل کیا ہے۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ...... آپ ﷺ نے غزوۂ احد کے دن فرمایا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ مولا! میری قوم کو معاف کر دے وہ کچھ نہیں جانتے۔ اس وقت مشرکین نے آپ ﷺ کے رخِ زیبا کو مجروح کیا تھا۔ آپ ﷺ کے محترم چچا کو شہید کیا تھا، بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شہادت کی رنگین قبا زیب تن کی تھی۔ یہ تو درست نہیں کہ یہ آیت آپ ﷺ کے چچا کے متعلق غزوۂ احد کے وقت نازل ہوئی جو ان کے بارے استغفار کرنے کی ناسخ ہو کیونکہ حضرت ابو طالب اس غزوہ سے پہلے ہی مکہ مکرمہ میں انتقال کر چکے تھے۔ متقدم، متاخر کو منسوخ بھی نہیں کر سکتا پھر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس سوال کے کئی جواب دیئے گئے ہیں۔ ا۔ آپ ﷺ کا اپنی قوم کے لئے استغفار کرنا ان کی شرک سے توبہ کے ساتھ مشروط تھا۔ گویا کہ آپ ﷺ نے دعا سے ارادہ فرمایا تھا کہ وہ توبہ کریں اور ان کی توبہ کو شرفِ قبولیت سے نوازا جائے۔ یہ دوسری روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِهْدِ قَوْمِي اِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ اس روایت کو ابن اسحاق نے لکھا ہے۔ ۲۔ یہ مغفرت ان کے لئے دنیا میں مسخ اور خسف جیسے رسوا کن عذاب کو پھیر دے گی۔ ۳۔ ممکن ہے اس آیت کا نزول متاخر ہو، یہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی جس سے مشرکین کے لئے استغفار کرنا منسوخ ہوا ہو اسی طرح ممکن ہے کہ اس کا سبب نزول مقدم اور اس کا نزول متاخر ہو۔ یہ آیت سورۃ البراۃ کی ہے۔ سورۃ براۃ سب سے آخر میں نازل ہوئی اس طرح ممکن ہے کہ یہ تمام مشرکین کے لئے استغفار کی ناسخ ہو۔ صحیح روایت میں ہے کہ حضور ﷺ حضرت ابو طالب کی وفات کے وقت ان کے پاس آئے۔ اس وقت ان کے پاس ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ موجود تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا'' اے میرے چچا آپ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دیں میں بارگاہ ربوبیت میں اس کی گواہی دوں گا''، ابو جہل اور ابن امیہ نے کہا'' اے ابو طالب! کیا تم عبدالمطلب کی ملت سے انحراف کر جاؤ گے''۔ ابو طالب نے کہا'' میں ملت عبدالمطلب پر ہی ہوں''۔ حدیث کا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے

حضرت ابو طالب کا ایمان

اس کے بعد حضرت ابو طالب نے نبی اکرم ﷺ سے کہا " اے میرے پیارے بھتیجے! قسم بخدا! آپ ﷺ نے ان سے کوئی غلط مطالبہ نہیں کیا"۔ جب حضرت ابو طالب نے یہ عرض کی تو حضور ﷺ کو ان کے ایمان کی امید پیدا ہوئی۔ آپ ﷺ فرمانے لگے" اے عم محترم! آپ

کہ ابو طالب کی وفات شرک پر ہوئی۔ علامہ مسعودی کی بعض کتب میں میں نے عبدالمطلب کے متعلق اختلاف دیکھا ہے۔ ایک قول کے مطابق وقتِ وصال آپ مسلمان تھے کیونکہ آپ نے حضور ﷺ کی نبوت کے بہت سے دلائل دیکھے تھے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ آپ ﷺ توحید کے ساتھ ہی مبعوث ہوں گے۔ واللہ اعلم۔ مسند البزار اور کتاب النسوی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، حضرت فاطمۃ الزہراء انصار کے ایک فوت شدہ شخص کی تعزیت کے لئے گئیں۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا" شاید تم ان کے ہمراہ قبرستان تک گئی ہو" عرض کی "نہیں"۔ آپ نے فرمایا" اگر تم ان کے ساتھ قبرستان جاتیں تو تم جنت نہ دیکھ سکتی، حتیٰ کہ تمہارے والد کا دادا اسے دیکھ لیتے"۔ ابوداؤد نے بھی اسے روایت کیا ہے انہوں نے حَتّٰی یَدْخُلَهَا جَدُّ اَبِیْكَ (حتیٰ کہ تمہارے والد محترم کا دادا اسے دیکھ لے) روایت نہیں کیا۔ اسی طرح اس میں مَا دَخَلْتِ الْجَنَّةَ کے الفاظ نہیں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا" جَدُّ اَبِیْكَ" فرمایا جَدُّكِ نہیں فرمایا کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے والدین کریمین کو زندہ کیا اور وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی لختِ جگر کو اس قول سے صرف ڈرایا ہو۔ جس سے یہ وہم پیدا ہو گیا ہو کہ آپ کے جدِ امجد کافر تھے حالانکہ آپ ﷺ کے اجداد میں سے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام بھی ہیں۔ آپ ﷺ کا قول حق ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ان کے ساتھ "کُدی" میں جانے میں یہ اشارہ نہیں کہ آپ رضی اللہ عنہا آگ میں جائیں گی۔ (نعوذ باللہ منہ) ہشام بن سائب سے روایت ہے کہ جب حضرت ابو طالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو تمام قریش ان کے پاس جمع ہو گئے، آپ نے انہیں وصیت کی آپ نے کہا۔

" اے معشر قریش! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی مخلوق میں سے منتخب کر لیا ہے تم سارے عرب کا دل ہو۔ اچھی طرح جان لو کہ تم نے تمام اچھی صفات اپنے اندر جمع کر لی ہیں۔ شرف و عزت کے تمام مدارج تم نے پا لئے ہیں، انہی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے تمہیں دوسری قوموں پر برتری حاصل ہوئی ہے۔ میں تمہیں اس مکان (بیت اللہ الحرام) کی تعظیم کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ اسی میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی

ہی وہ کلمہ کہہ لیجئے۔ میں روزِ حشر آپ کی شفاعت کروں گا'' حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ اشتیاق دیکھ کر انہوں نے کہا ''اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ میرے بعد آپ کو اور آپ کے بھائیوں کو مطعون کریں گے اور مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ قریش یہ گمان کریں گے کہ میں نے کلمہ فقط موت کے خوف سے پڑھا ہے تو میں ضرور کلمہ پڑھ لیتا۔ میں یہ کلمہ صرف آپ ﷺ کی خوشی اور مسرت کے لئے پڑھتا''۔ جب حضرت ابو طالب پر نزع کی کیفیت طاری ہوئی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف دیکھا وہ اپنے ہونٹ ہلا رہے تھے۔ وہ فرماتے ہیں، ''میں نے اپنے کان ان کے قریب کئے اور کہا اے میرے بھتیجے! قسم بخدا! میرے برادرِ محترم نے وہ کلمہ کہا جس کے کہنے کا آپ ﷺ نے ابھی انہیں حکم دیا ہے'' حضور ﷺ نے فرمایا ''میں نے نہیں سنا''۔

ہے اور اسی پر تمہاری معاش کا دارومدار ہے اور اسی سے تمہارا دبدبہ قائم ہے، قریبی رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا، قطع رحمی سے باز رہنا کیونکہ صلہ رحمی سے زندگی طویل ہوتی ہے اور دوستوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ بغاوت و سرکشی کو ترک کر دینا کیونکہ اسی وجہ سے پہلے قومیں ہلاک ہوئیں۔ جو دعوت دے اس کی دعوت کو قبول کرنا، سائل کو خالی نہ لوٹانا کیونکہ اسی میں زندگی اور موت کی عزت ہے۔ سچ بولنا، امانت میں خیانت نہ کرنا ان خوبیوں کی وجہ سے خواص کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اور عوام کے دلوں میں عزت جاگزیں ہوتی ہے۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ محمد ﷺ کے ساتھ بھلائی کرنا کیونکہ سارے قبیلے میں سے وہ ''الامین'' کے لقب سے ملقب ہیں اور سارے اہل عرب انہیں ''الصدیق'' کہتے ہیں جن خصائل حمیدہ کی میں نے تمہیں وصیت کی ہے وہ ان تمام کے جامع ہیں۔ قسم بخدا میں دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے مفلسوں اور ناداروں نے، دور دراز علاقوں کے مکینوں نے اور کمزور اور ضعیف لوگوں نے ان کی دعوت کو قبول کرلیا ہے۔ ان کے دین کی تعظیم کی ہے گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کی برکت سے وہ لوگ قریش کے سردار بن گئے ہیں اور قریش کے سردار پیچھے رہ گئے ہیں، ان کے محلات غیر آباد ہو گئے ہیں، عرب کے سارے لوگ ان کے ساتھ دلی محبت کرنے لگے ہیں۔ اپنے دلوں کو انہوں نے ان کی محبت و عقیدت کے لئے مخصوص کرلیا ہے اور اپنی زمام قیادت ان کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ اے گروہِ قریش! اپنے باپ کے بیٹے کے مددگار اور دوست بن جاؤ۔ جنگوں میں ان کے حامی اور ناصر بن جاؤ۔ خدا کی قسم! جو شخص ان کی راہ پر چلے گا ہدایت پائے گا جو ان کے دین کو قبول کرلے گا وہ نیک بخت ہو جائے گا۔ اگر میری زندگی میں گنجائش ہوتی اور میری موت میں تاخیر ہوتی تو میں ساری جنگوں میں ان کی مدد کرتا اور مصائب و آلام سے ان کا دفاع کرتا'' اس کے بعد آپ کی روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔

حضرت ابو طالب کے پاس حضور علیہ السلام سے عہد لینے والوں کے متعلقہ آیات کا نزول

ابن اسحاق کہتے ہیں جب سرداران قریش ابو طالب کے پاس جمع ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے انہیں کلمہ پڑھنے کے لئے کہا اور انہوں نے انکار کر دیا اس وقت ان آیات کا نزول ہوا۔

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ۝ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّۃٍ وَّ شِقَاقٍ ۝ کَمْ اَہْلَکْنَا مِنْ قَبْلِہِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّ لَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ۝ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَہُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْہُمْ وَقَالَ الْکٰفِرُوْنَ ہٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ۝ اَجَعَلَ الْاٰلِہَۃَ اِلٰہًا وَّاحِدًا اِنَّ ہٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْہُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِہَتِکُمْ اِنَّ ہٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۝ مَا سَمِعْنَا بِہٰذَا فِی الْمِلَّۃِ الْاٰخِرَۃِ (صٓ)

”اس نامور قرآن کی قسم! بلکہ کافر تکبر اور خلاف میں ہیں ہم نے ان سے پہلے کتنی سنگتیں کھپائیں تو اب وہ پکاریں اور چھوٹنے کا وقت نہ تھا اور انہیں اس کا اچنبھا ہوا کہ ان کے پاس ان ہی میں کا ایک ڈر سنانے والا تشریف لایا اور کافر بولے یہ جادوگر ہے بڑا جھوٹا، کیا اس نے بہت خداؤں کا ایک خدا کر دیا؟ بے شک یہ عجیب بات ہے اور ان میں کے سردار چلے کہ اس کے پاس سے چلدو اور اپنے خداؤں پر صابر رہو بے شک اس میں اس کا کوئی مطلب ہے یہ تو ہم نے سب سے پچھلے دین نصرانیت میں بھی نہیں سنا۔

اَنِ امْشُوْا

بعض اہل تفسیر فرماتے ہیں کہ اِمْشُوْا، اَلْمَشَاءُ سے مشتق ہے یہ اَلْمَشْیُ سے مشتق نہیں ہے۔ اَلْمَشَاءُ کا معنی مال میں اضافہ اور زیادتی ہے کہا جاتا ہے مَشَی الرَّجُلُ وَاَمْشٰی۔ آدمی کے مال میں اضافہ ہو گیا، شاعر کہتا ہے۔

وَ کُلُّ فَتًی وَاِنْ اَمْشٰی وَاَثْرٰی سَتُخْلِجُہٗ عَنِ الدُّنْیَا مَنُوْنُ

”اگر جوان، خواہ کتنا ہی مالدار اور ثروت مند بن جائے اس کی خواہشات اسے دنیا سے نکال دیں گی“۔ زاجر کہتا ہے۔ وَالشَّاۃُ لَا تَمْشِیْ عَلَی الْھَمَلَّعِ۔ بکری بھیڑ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ خطابی کہتے ہیں گویا کہ سرداران مکہ نے ارادہ کیا تھا کہ ان کے معبودان باطلہ پر صبر میں برکت اور اضافہ ہو لیکن اسے ”اَلْمَشْیُ“ سے مشتق ماننا زیادہ بہتر ہے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا وصال پر ملال

علامہ زبیر نے بیان کیا ہے جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر نزع کا عالم تھا تو حضور علیہ السلام

ملت آخرہ سے مراد عیسائی ہیں کیونکہ وہ بھی کہتے تھے۔ اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلَاثَۃٍ۔ ''اللہ تین خداؤں میں تیسرا ہے''۔ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ (ص:۷) ''نہ سنی یہ تو نری نئی گھڑت ہے''۔

ان کے پاس تشریف لائے، آپ ﷺ نے فرمایا ''اے خدیجہ! کیا تم اپنی اس حالت کو ناپسند کرتی ہو، اللہ تعالیٰ نے اسی ناپسندیدگی میں بہت خیر و برکت رکھ دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ جنت میں تمہارے ساتھ ساتھ، مریم بنت عمران، کلثوم اخت موسیٰ اور آسیہ امرأۃ فرعون بھی میری زوجیت میں ہوں گی''۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ خبر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دی ہے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں''۔ انہوں نے عرض کی ''مکمل اتفاق اور رضامندی ہے''۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت کا انگور کھلایا۔

حضور علیہ وآلہ وسلم کا سفر طائف

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد حضور علیہ وآلہ وسلم کو کفارِ قریش سے ان مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا جن کی ابو طالب کی زندگی میں وہ جرأت نہ کر سکے۔ اس وقت حضور علیہ وآلہ وسلم طائف تشریف لے گئے تا کہ بنو ثقیف سے کچھ نصرت طلب کی جا سکے اور ان کے ساتھ مل کر اپنی قوم سے دفاع کر سکیں۔ آپ علیہ وآلہ وسلم کو امید تھی کہ شاید اہل طائف ہی اللہ تعالیٰ کا پیغام قبول کریں۔ آپ علیہ وآلہ وسلم تنہا ہی طائف تشریف لے گئے۔

بنو ثقیف کو تبلیغ

ابن اسحاق کہتے ہیں، "محمد بن کعب القرظی سے روایت ہے کہ ہادیٔ حق علیہ وآلہ وسلم طائف پہنچ کر سب سے پہلے بنو ثقیف کے سرداروں کے پاس گئے اس وقت ان کے چیدہ سردار اور اشراف تین بھائی تھے جن کے نام یہ ہیں۔ ۱۔ عبد یالیل بن عمرو بن عمیر۔ ۲۔ مسعود بن عمرو بن عمیر اور ۳۔ حبیب بن عمرو بن عمیر بن عوف بن عقدہ بن غیرہ بن عوف بن ثقیف۔ ان میں سے ایک کی زوجیت میں قریش کی شاخ بنو جمح کی ایک عورت تھی۔ مبلغ اعظم علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور انہیں فرمایا تا کہ وہ اسلام کی نصرت و تائید کے علمبردار بن جائیں۔ آپ علیہ وآلہ وسلم کے مخالفین کے سامنے ڈٹ جائیں، ان میں سے ایک نے گستاخی کرتے ہوئے کہا، "اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو میں غلافِ کعبہ کو پارہ پارہ کر دوں گا"۔ دوسرے نے بے ادبی کرتے ہوئے بکواس کیا۔ "کیا اللہ تعالیٰ کو آپ کے علاوہ کوئی شخص نہیں ملا جس کو وہ رسول بنا کر بھیجتا؟" تیسرے نے کہا۔ "بخدا! میں آپ سے ہرگز بات نہیں کروں گا۔ اگر آپ واقعی ہی اللہ کی طرف سے رسول ہیں جس طرح آپ فرما رہے ہیں تو پھر

ہادیٔ حق علیہ وآلہ وسلم کا سفرِ طائف

ہم عنقریب بیان کریں گے کہ اس شہر کا نام طائف کیوں رکھا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرموت کا ایک شخص یہاں آیا۔ اس نے اس کے باشندوں سے کہا "کیا میں تمہارے لئے ایسی دیوار نہ بنا دوں جو تمہارے پورے شہر کو محیط ہو؟" پھر اس نے وہ دیوار تعمیر کر دی۔ اسی وجہ سے اس کا نام طائف پڑ گیا اور بھی بہت سے اسباب ہیں جن کا ذکر ہم انشاء اللہ عنقریب کریں گے۔

آپ کی شان اس سے بلند ہے کہ میں آپ کی بات کا جواب دوں۔ اور اگر آپ نے اللہ تعالیٰ سے جھوٹ منسوب کیا ہے تو پھر بھی مجھے آپ سے گفتگو نہیں کرنا چاہئے۔" حضور ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے، آپ بنو ثقیف کی بھلائی سے مایوس تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا "تم نے میرے ساتھ جو سلوک کرنا تھا کر لیا ہے، اب اسے پوشیدہ رکھنا"۔ آپ ﷺ نے نا پسند کیا کہ اس برے سلوک کی خبر آپ ﷺ کی قوم تک پہنچ جائے۔ فَيُذْئِرُهُمْ ذَالِكَ عَلَيْهِ۔ اس سے ان کی بغاوت و سرکشی میں اضافہ ہو۔ ابن ہشام کہتے ہیں۔ عبید بن ابرص کا شعر ہے۔

وَ لَقَدْ اَتَانِي عَنْ تَمِيْمٍ اَنَّهُم　ذَئِرُوْا لِقَتْلٰى عَامِرٍ وَ تَعَصَّبُوْا

فَيُذْئِرُهَا عَلَيْهِ

ابن ہشام نے اس کا معنی ظاہر کرنے کے لئے عبید کا شعر ذکر کیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب نبی محترم ﷺ نے عورتوں کو مارنے سے منع فرمایا تو فرمایا، ذَئِرَ النِّسَاءُ عَلٰى اَزْوَاجِهِنَّ۔ ابو عبید نے اس کا معنی عورتوں کا خاوندوں کی نافرمانی کرنا بیان کیا ہے۔

حضور ﷺ پر جور و ستم

موسیٰ بن عقبہ نے حضور ﷺ پر ڈھائے جانے والے ستم میں یہ اضافہ کیا ہے کہ جہاں سے مصطفیٰ ﷺ نے گزرنا تھا اہل طائف وہاں دو رویہ صفیں بنالیں۔ جب آپ قدم مبارک اٹھاتے تو ظالم آپ ﷺ کے ٹخنوں پر پتھروں کی بارش کر دیتے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کے نعلین مبارک خون سے رنگین ہو گئے۔ علامہ التیمی نے یہ ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے جب آپ ﷺ کو پتھر لگتا آپ ﷺ زمین پر بیٹھ جاتے۔ ظالم آپ ﷺ کے بازوؤں سے پکڑ کر آپ کو اٹھاتے، جب آپ ﷺ قدم بڑھاتے تو وہ پتھر برسانے لگتے اور مذاق اڑاتے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ عتبہ اور شیبہ کے باغ میں پہنچ گئے۔

اِلٰى ظِلِّ حَبْلَةٍ

حَبْلَةٌ کا معنی انگور کی بیل ہے، یہ حَبَلْ سے مشتق ہے کیونکہ بیل نے انگوروں کو اٹھا رکھا ہوتا ہے۔ اسی لئے درخت اور کھجور کے پھل کو "حَمْل" کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسے عورت کے حمل سے تشبیہ دی گئی ہے، اسے حِمْل بھی کہا جاتا ہے اسے حِمْلْ (بوجھ) سے تشبیہ دی گئی ہے۔ بعض علماء نے اسے حَبَلَةٌ کہا ہے لیکن یہ معروف نہیں ہے۔ ابو الحسن بن کیسان نے "نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ" کی تشریح میں لکھا ہے کہ اس سے مراد انگور کو پکنے سے پہلے فروخت کرنا ہے۔

بنوتمیم کی طرف سے مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ عامر کے قتل پر اکسار ہے ہیں اور تعصب کا مظاہرہ کرر ہے ہیں۔

لیکن انہوں نے اپنے اس برے رویئے کو پوشیدہ نہ رکھا، انہوں نے اپنے بے وقوفوں اور غلاموں کو ترغیب دی۔ وہ نبی دو جہاں ﷺ پر دشنام طرازی کرنے لگے۔ وہ آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے شور مچاتے حتیٰ کہ بہت سے لوگ آپ ﷺ کے پاس جمع ہو گئے پھر آپ ﷺ عتبہ

جس طرح دوسری حدیث میں حضور ﷺ نے کھجور کے درست ظاہر ہونے سے پہلے اس کی بیع سے منع فرمایا ہے لیکن یہ قول غریب ہے اس حدیث کی تاویل میں کسی نے یہ نقطۂ نظر اختیار نہیں کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی کہ وہ زمینیں جوان کے عہد خلافت میں مفتوح ہوئی ہیں، انہیں ان لوگوں کو مابین تقسیم کر دیا جائے جنہوں نے یہ فتح کی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ وَاللّٰهِ لَآ دَعَنَّهَا حَتّٰى يُجَاهِدَ بِهَا حَبَلُ الْحَبَلَةِ۔ قسم بخدا میں اسے چھوڑ دوں گا حتیٰ کہ اس کی آنے والی نسلیں جہاد کریں گی۔ اس قول کو ابوعبید نے ''کتاب الاموال'' میں ذکر کیا ہے۔ ابوالحسن کا ''حَبَلُ الْحَبَلَةِ'' کے متعلق قول علامہ یعقوب کی کتاب ''الالفاظ'' میں ہے۔ حَبَلَةْ تاء کے دخول کی وجہ کیا ہے؟ علماء کو اس میں تردد ہے۔ انہوں نے اس کے متعلق بہت سے اقوال کئے ہیں جو لغو ہیں۔ بعض کہتے ہیں ''حبلة'' اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں قوتِ گویائی نہیں ہوتی یا اس لئے کہ یہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں ''ۃ'' جمع کے لئے ہے۔ بعض اسے مبالغۃ کے لئے بتاتے ہیں لیکن یہ تمام اقوال ''حَبَلُ الْحَبَلَةِ'' کے مخالف ہیں کیونکہ ان دونوں الفاظ میں سے صرف ایک پر ہی تاء داخل ہوئی ہے، جنہوں نے اسے ''بھیمة'' قوتِ گویائی سے محروم کے معنی میں کیا ہے، یہ حضرت عمر کے اس واقعہ سے باطل ہو جاتا ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ حَبَل جب تک حَبَل ہوتا ہے اس کی تذکیر و تانیث معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اسے حَمَل کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ مگر جب کوئی چیز مؤنث ہو اور وہ حاملہ ہونے کی عمر کو پہنچ جائے اور حاملہ ہو جائے تو پھر اس حَمَل کی بیع سے منع کیا گیا ہے۔ پہلی مؤنث کی تانیث ولادت کے بعد معلوم ہو گئی اس لئے اسے حَبَلَة سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جنینہ کے اس حمل کی بیع سے منع کیا گیا ہے جو خود حاملہ ہے اور اس کی پہچان نہیں کہ وہ کیا ہے اور وضع حمل کے بعد اس کی پہچان ہوئی۔ انسانوں کی بھی یہی صورتِ حال ہے جبکہ اس کی اس پہچان کے بعد ہی کہا جائے گا کہ وہ مؤنث ہے اور جبکہ دوسرا حمل ہوگا کیونکہ پہلی مؤنث حاملہ ہونے سے پہلے بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ اسے دِخْلی وغیرہ کا نام دیا جاتا ہے۔ جب یہ حاملہ ہو جاتی ہے تو اس سے حمل کا لفظ زائل ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس کے حمل کا ذکر کیا

بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کے باغ میں پہنچ گئے۔ فَعَمِدَ اِلٰی ظِلِّ مِنْ عَنَب۔ آپ ﷺ انگور کی بیل کے سایہ میں رونق افروز ہو گئے۔ ربیعہ کے دو بیٹے آپ ﷺ کو دیکھ رہے تھے اور اس برے سلوک کو بھی دیکھ رہے تھے جو اہل طائف کے احمق آپ ﷺ سے کر رہے تھے۔ حضور ﷺ بنو جمح کی اس خاتون سے ملے جس کی شادی بنو ثقیف میں ہوئی تھی اور فرمایا ''ہمیں تیرے سسرال سے کیسے برے رویہ کا سامنا کرنا پڑا''۔

حضور ﷺ کی پرسوز دعا

جب حضور ﷺ کو قدرے اطمینان ملا تو آپ ﷺ بارگاہِ ربوبیت میں یوں دعا گو

گیا ہے اور اسے اس کی پہلی حالت کے ساتھ ملایا گیا ہے جس میں حمل تھی اور ''تاء تانیث'' سے دونوں میں فرق کیا گیا ہے اور اس لفظ کو مخصوص کیا گیا ہے جو تانیث کے لئے ہے حالانکہ اس کے متعلق یہ علم نہیں کہ وہ مذکر ہے یا مؤنث۔ یہ ایک قریبی معنی تھا اور آسان ماخذ تھا اور اتنی طوالت کا محتاج ہی نہ تھا مگر فصیح کلام کی تخلیط کی وجہ سے ہمیں یہ شرح کرنا پڑی جس کا ذکر پہلے ہو گیا ہے اور جسے ایک فصاحت و بلاغت کا ماہر ہی عیاں کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نور اور وجہہ

حضور ﷺ نے اپنی پرسوز دعا میں التجاء کی۔ مولا! تیری ذات کے نور کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں، یہاں نور، وجہہ اور تاریکیوں کے روشن ہونے سے کیا مراد ہے؟ قرآن و حدیث میں جہاں جہاں وجھہ کا لفظ مذکور ہے یہ دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ا۔ کسی عمل سے حصول رضا اور تقرب کیلئے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ (الکھف: ۲۸) وہ اس کی رضا کے حصول کا ارادہ کرتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰىۚ (اللیل) ''صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے'' اس مقام پر وَجْہ رضا کا حصول اور عمل کی قبولیت مراد ہے، عبادت گزار بندے پر کرم کی نظر مقصود ہے۔ یہ اس معنی سے ہے کہ وہ تجھ سے راضی ہے اور اس کی توجہ تیری طرف ہے یا وہ تجھ پر ناراض ہے اور تجھ سے روگرداں ہے اور اس نے تجھے اپنا چہرہ نہیں دکھایا۔ یہاں وَجْهَكَ کا معنی رضا اور قبولیت ہے۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ یہ کلمہ صرف کلام میں تاکید پیدا کرتا ہے لیکن ان کا یہ قول درست نہیں ہے۔ یہ اس شخص کا قول ہے جس کی طبیعت میں سختی ہو اور جس کا دل عجمیت کی وجہ سے بلاغت کو سمجھنے سے قاصر ہو۔ ابو عبید اور ان کے مقلدین کہتے ہیں۔

ہوئے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْكُوْا اِلَيْكَ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِیْ وَ هُوَ اِنِیْ عَلَى النَّاسِ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَاَنْتَ رَبِّیْ اِلٰى مَنْ تَكِلُنِیْ اِلٰى بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِیْ اَوْ اِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهٗ اَمْرِیْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ عَلَیَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِیْ وَ لٰكِنَّ عَافِيَتَكَ اَوْسَعُ لِیْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مِنْ اَنْ تُنْزِلَ بِیْ غَضَبَكَ اَوْ يَحِلَّ عَلَیَّ سُخْطُكَ لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ۔

يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ۔ ''باقی ہے تمہارے رب کی ذات'' کا معنی ہے کہ آپ ﷺ کا رب باقی رہے گا۔ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (القصص:۸۸) ''اس کی ذات کے علاوہ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے''۔ میں بھی ''وَجْهَهٗ'' سے مراد اس کی ذات ہے۔ ان کے نزدیک یہ کلمہ صرف تاکید کے لئے ہے حالانکہ یہ کتاب حکیم ہے اس کا کوئی کلمہ بھی حکمت سے خالی کیسے ہوسکتا ہے۔ ''وجہ'' کو ذکر کرنے میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت پنہاں ہے۔ ''وَجْهُهٗ'' یہاں اپنے دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہے اس کا معنی اس کے جلال و مجد کی صفات میں سے قلوب و بصائر کے لئے ظاہر ہونے والی صفات ہیں۔ لغت میں ''وَجْهُهٗ'' کسی چیز کے ظاہر کو کہتے ہیں۔ خواہ وہ چیز محسوس ہو یا معقول۔ کہا جاتا ہے هٰذَا وَجْهُ الْمَسْئَلَةِ۔ یہ اس مسئلہ کا ظاہر ہے۔ ''هٰذَا وَجْهُ الْحَدِيْثِ'' یہ حدیث کا ظاہر ہے اسی طرح کپڑے کا ''وجہ'' وہ ہوتا ہے جو انسان کے لئے ظاہر ہوتا ہے۔ بصائر اللہ تعالیٰ کے اوصاف کا احاطہ نہیں کرسکتے ان اوصاف میں سے ظاہر ہونے والا حصہ پوشیدہ حصہ سے انتہائی قلیل ہوتا ہے وہ ظاہر بھی ہے باطن بھی۔ اسی طرح جب اہل جنت، جنت میں اس کے ''وجہ'' (چہرے) کی طرف دیکھیں گے تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس کے اس جلال کو دیکھیں گے جو تجلی ذات کے وقت ان کے لئے ظاہر ہوگا۔ اور اس سے حجاب اٹھا دیا جائے گا، وہ اس سے زیادہ جلال خداوندی کا ادراک نہیں کرسکیں گے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۞ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۞ (الرحمٰن) ''زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے اور باقی ہے تمہارے رب کی ذات بزرگی اور عظمت والی''۔ جب آسمان اور زمین اس کی قدرت و سلطنت کا مظہر ہیں، اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ان کا فناء ہونا اس کے اس جلال کو فنا نہیں کرسکتا جو اس کی اس سلطنت سے ظاہر ہوا اور بصائر نے ان کا مشاہدہ کیا وہ جلال ان کی تخلیق سے پہلے بھی دیکھا تھا وہ ان کے فناء کے بعد بھی رہے گا۔ جس طرح کہ وہ قدیم تھا۔ وہ ذوالجلال والاکرام ہے۔ حضرت

مولا! میں اپنی طاقت کی کمزوری اور عمل کی قوت کی کمی اور لوگوں کی نگاہوں میں اپنی بے بسی کا شکوہ تیری بارگاہ میں کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور تو میرا بھی رب ہے تو مجھے کس کس کے حوالے کرتا ہے؟ ایسے دور کے حوالے کرتا ہے جو ترش روئی سے میرے ساتھ سلوک کرتا ہے کیا تو نے میری قسمت کا مالک کسی دشمن کو بنا دیا ہے؟ اگر تو مجھ پر ناراض نہ ہو تو پھر مجھے ان تکلیفوں کی کوئی پرواہ نہیں پھر بھی تیری طرف سے عافیت اور سلامتی میرے لئے زیادہ دل کشا ہے۔ میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے نور کے ساتھ جس سے تاریکیاں روشن ہو

حسن فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے۔ ''اس نے دلکش تجلی ڈالی اور اسے جسے چاہا اپنے '' وجھہ'' کی طرف دیکھنے کا اعزاز بخشا''۔

''وجھہٗ سے اشعریہ نے وہی معنی مراد لیا ہے جو انہوں نے عین (آنکھ) اور ید (ہاتھ) کا مراد لیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی صفات ہیں جنہیں عقل کی رو سے نہیں جانا جا سکتا اور نہ ہی شرع کے اعتبار سے اسے سمجھا جا سکتا ہے۔ اس نقطۂ نظر میں بھی عجمیت کی بو ہے قرآنِ پاک تو عربی مبین میں نازل ہوا ہے۔ اہل عرب نے اپنی زبان میں نزول ہونے کی وجہ سے اسے سمجھا۔ ان کی لغت میں یہ کہیں نہیں کہ وجھہٗ ایک صفت ہے۔ اہل عرب میں سے کسی مشرک و کافر کو ان آیات کے سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی کیونکہ مؤمن کو اپنے عقیدہ پر شک یا تشبیہ کا کوئی خوف نہ تھا۔ ان میں سے کسی نے بھی حضور ﷺ سے ان آیات کا معنی نہ پوچھا جو عوام الناس کے نزدیک آج بڑی مشکل ہیں اور نہ ہی کسی کافر نے ان کے متعلق جھگڑا یا مجادلہ کیا جس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں کیا۔ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء:۹۸) '' بے شک تم اور جو کچھ اللہ کے سوا تم پوجتے ہو سب جہنم کے ایندھن ہو''۔ ان میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق میں سے کسی چیز سے تشبیہ دیتے ہیں پھر اس کے لئے ہاتھ اور چہرہ ثابت کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہیں ایسی آیات میں کوئی دقت نہ تھی۔ وہ بغیر کسی تشبیہ کے ان کے معانی سمجھتے تھے۔ انہوں نے کلام کی عمدگی اور استعارہ کی خوبصورتی سے ہی سمجھ لیا کہ یہ کلام معجز ہے انہوں نے اس میں کوئی جھگڑا نہ کیا، ہم نے '' عین اور یدین'' کے معنی میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے وہاں سے دیکھا جا سکتا ہے۔

النور۔ نور سے مراد ظہور اور حقائق الٰہیہ کا انکشاف ہے، اسی سے ہی تاریکیاں دور ہوئیں یعنی اس نور سے وہ قلوب منور ہو گئے جو جہالت اور شکوک کی ظلمتوں میں تھے وہ دل اللہ کے نور سے منور ہو گئے۔ ''مَثَلُ نُوْرِهٖ'' کی تفسیر میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مؤمن کے دل میں اس کا نور مشکوٰۃ

جاتی ہیں۔ دنیا و آخرت کے کام سنور جاتے ہیں کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے اور مجھ پر اپنی ناراضگی اتارے میں تیری رضا طلب کرتا رہوں گا حتیٰ کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے۔ تیری ذات کے علاوہ میرے پاس کوئی طاقت وقوت نہیں ہے۔

جب عتبہ اور شیبہ نے اہل طائف کا یہ وحشیانہ سلوک دیکھا تو انہیں ترس آیا، انہوں نے اپنے نصرانی غلام کو بلایا اس غلام کا نام عداس تھا، انہوں نے اس سے کہا انگوروں کا ایک گچھا لو۔ اسے طشت میں رکھو پھر اسے اس شخص پاس لے جاؤ اور اسے کھانے کے لئے عرض کرو۔ عداس نے انگور

(چراغ) کی طرح ہے۔ وہ نور ایمان اور معرفت کا نور ہے جو ہر ظلمت اور شک کو کافور کرتا ہے۔ حضرت کعب فرماتے ہیں مشکوٰۃ سے مراد مومن کا فہم و ادراک، ''مصباح'' سے اس کی زبان اور ''الزجاجۃ'' سے مراد اس کا سینہ یا دل ہے یا اس سے مراد قلب مصطفیٰ ﷺ ہے آپ ﷺ نے عرض کی اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ۔ اگر آپ ﷺ بِنُوْرِكَ فرماتے تو کیا ہی اچھا ہوتا لیکن آپ ﷺ نے اس نور سے توسل پکڑا جو آپ ﷺ کے قلب انور میں ودیعت کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کے لئے نعمتِ الٰہیہ اور اس کے فضل و کرم کے لئے اس کے فضل و کرم کا وسیلہ پکڑا۔ ممکن ہے کہ یہاں ظلمات سے مراد محسوسہ ظلمات ہوں اور اسی طرح انوار سے مراد انوار محسوسہ ہوں۔ ان سب کی دلالت اسی پر ہے وہ نور النور ہے۔ ظلمات کو منور کرنے والا بھی اسی کا مظہر ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی راہ نمائی میں ہی اسے درخشاں بناتا ہے۔

عداس۔ اس واقعہ میں ایک اشارہ یہ بھی ملتا ہے کہ مشرک کا ہدیہ قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں، اس سے ہدیہ لے کر اسے کھا لینا چاہئے۔ اس مسئلہ کا تفصیلی بیان عنقریب آئے گا۔ علامہ تیمی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ عداس نے جب حضرت یونس بن متی علیہ السلام کا تذکرہ سنا تو اس نے کہا بخدا! جب میں نینوی سے نکلا تو وہاں کے دس افراد بھی متی کو نہیں جانتے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں کہاں سے جان لیا حالانکہ آپ ﷺ امی ہیں اور آپ ﷺ کی قوم بھی ان پڑھ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ میرے بھائی ہیں، وہ بھی نبی تھے میں بھی نبی ہوں''۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب عداس کے سرداروں نے غزوۂ بدر کے لئے جانا چاہا تو انہوں نے عداس کو بھی اپنے ساتھ جانے کے لئے کہا اس نے کہا ''کیا تم اس شخص سے جنگ لڑنے کے لئے جا رہے ہو جس کی زیارت میں نے تمہارے باغ میں کی تھی۔ قسم بخدا! اس کے سامنے تو پہاڑ بھی نہیں ٹھہر سکتے؟'' کہا جاتا ہے کہ عتبہ اور شیبہ نے کہا ''عداس! انہوں نے اپنی زبان سے تجھے مسحور کر دیا ہے''۔

توڑ کر ٹرے میں رکھے پھر انہیں نبی محترم ﷺ کے حضور لے گیا، حضور ﷺ نے کھانے کیلئے ہاتھ بڑھایا اور زبانِ اقدس سے فرمایا۔ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پھر تناول فرمانا شروع کیا۔ عداس نے آپ ﷺ کی طلعتِ زیبا کی طرف دیکھا پھر کہا ''قسم بخدا! ان شہروں کے لوگ کھانا کھاتے وقت یہ کلام نہیں پڑھتے''۔ حضور ﷺ نے اس سے پوچھا ''اے عداس! تیرا تعلق کس علاقے سے ہے اور تیرا دین کیا ہے؟'' اس نے عرض کی ''میں نصرانی ہوں اور میرا تعلق اہل نینویٰ سے ہے''، آپ ﷺ نے فرمایا ''کیا تیرا تعلق پاکباز مرد حضرت یونس بن متیٰ علیہ السلام کی بستی سے ہے؟'' عداس نے عرض کی حضرت یونس بن متیٰ علیہ السلام کو آپ ﷺ کیسے جانتے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ میرے بھائی ہیں، وہ بھی نبی تھے میں بھی نبی ہوں''۔ یہ سن کر عداس جھکا اور حضور ﷺ کا سر مبارک، دست اقدس اور قدم مبارک چومنے لگا۔ ربیعہ کے بیٹوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا اس شخص نے تو تیرے غلام کو بھی خراب کر دیا ہے جب عداس ان کے پاس آیا تو انہوں نے کہا ''عداس! تیرے لئے ہلاکت ہو تو اس شخص کے ہاتھ، پاؤں اور سر کو کیوں چومنے لگا تھا''۔ عداس نے کہا ''میرے سردار! اس وقت روئے زمین پر ان سے افضل ہستی اور کوئی نہیں ہے، انہوں نے مجھے اس چیز کی خبر دی ہے جسے صرف نبی ہی جان سکتا ہے''۔ انہوں نے کہا ''عداس! وہ تجھے تیرے دین سے منحرف نہ کر دے، تیرا دین اس کے دین سے بہتر ہے''۔

جب نبی اکرم ﷺ کو اہل طائف سے اس وحشیانہ سلوک کا سامنا کرنا پڑا اور آپ ﷺ نے وہ رقت آمیز دعا فرمائی جو پہلے گزر چکی ہے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے۔ ان کے ساتھ پہاڑوں کا فرشتہ بھی تھا۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کی کیا ''آپ ﷺ پر غزوۂ احد کے دن سے بھی مشکل دن گزرا ہے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''جب میں طائف گیا وہ دن مجھ پر اس دن سے کہیں شدید تھا۔ میں نے ابن عبد یالیل بن عبد کلال کو اسلام کی دعوت دی لیکن اس نے میری دعوت قبول نہ کی۔ میں مغموم و حزین واپس آنے لگا۔ جب میں ''قرن ثعالب'' کے مقام پر پہنچا تو میں نے اوپر سر اٹھایا مجھے اپنے اوپر ایک بادل سایہ فگن نظر آیا میں نے دیکھا اس میں حضرت جبرائیل تھے۔ انہوں نے کہا ''اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کی قوم کی گستاخانہ باتیں سن لی ہیں۔ اس نے ان کے بے ادبانہ جوابات بھی سن لئے ہیں۔ اس نے آپ ﷺ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے۔ یہ آپ ﷺ کا ہر حکم بجا لائے گا''۔ پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے صدا دی، مجھے سلام عرض کیا اور کہا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم

نصیبین کے جنات

حضور علیہ السلام بنو ثقیف سے مایوس ہو کر مکہ معظمہ واپس آ رہے تھے۔ آپ علیہ السلام مقام نخلہ پر پہنچے تو نصف شب کو آپ علیہ السلام کھڑے ہو کر نماز ادا فرمانے لگے۔ اسی اثناء میں جنات کا ایک گروہ آپ علیہ السلام کے پاس سے گزرا۔ وہ نصیبین کے جن تھے ان کی تعداد سات تھی۔ انہوں نے قرآن پاک کی تلاوت سنی جب آپ علیہ السلام قرآنِ پاک کی تلاوت سے فارغ ہوئے تو وہ

آپ علیہ السلام کو اختیار ہے اگر آپ علیہ السلام پسند فرمائیں تو میں یہ دو پہاڑ ان پر گرا دوں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا ''نہیں میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسی اولاد پیدا کرے گا جو خدائے یکتا کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے''۔

نصیبین کے جنات

ان جنات کے متعلق ہم نے کافی تفصیلات پہلے ذکر کر دی ہیں۔ ہم نے وہاں ان جنات کے نام بھی لکھے تھے۔ شام کے ایک شہر کا نام نصیبین ہے۔ حضور علیہ السلام نے اس شہر کی تعریف فرمائی ہے۔ روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ ''نصیبین کا شہر اٹھا کر میرے سامنے رکھ دیا گیا میں نے اس شہر کا مشاہدہ کیا میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ وہ اس کے دریاؤں کا پانی شیریں، اس کے درختوں کو سرسبز شاداب اور اس کے پھلوں کو عمدہ بنا دے''۔ دوسری روایت میں ہے۔ ''اس کے پھلوں کو زیادہ کر دے''۔

ابن درید نے ان جنات کے نام یہ لکھے ہیں۔ ا۔منشی، ۲۔ ماشی، ۳۔ شامر، ۴۔ ماضر، ۵۔ احقب۔ انہوں نے صرف یہی نام لکھے ہیں۔ ہم نے پہلے ان تمام کے اسماء ذکر کر دیئے ہیں۔ صحیح روایت میں ہے کہ جنات نے ''لیلۃ الجن'' کو حضور علیہ السلام سے ایک درخت کے متعلق اذن طلب کیا تھا انہوں نے آپ علیہ السلام سے اپنی خوراک کے متعلق عرض کیا، آپ علیہ السلام نے انہیں فرمایا ''ہر وہ ہڈی جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اور وہ ان کے ہاتھ آ جائے وہ ان کی خوراک ہوگی۔ اس ہڈی پر گوشت چڑھ جائے گا اور ہر قسم کی مینگنیاں ان کے جانوروں کا چارہ ہوں گی'' ابن سلام نے اپنی تفسیر میں اضافہ کیا ہے کہ مینگنیاں ان کے جانوروں کے لئے سرسبز و شاداب ہو جاتی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ہڈی اور لید سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ ''یہ تمہارے جن بھائیوں کی خوراک ہے''۔ مسلم شریف کی حدیث ہے۔ كُلُّ عَظْمٍ ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ ہر وہ ہڈی جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو لیکن ابوداؤد کی روایت اس طرح ہے۔ كُلُّ عَظْمٍ لَمْ يُذْكَرْ عَلَيْهِ اِسْمُ اللّٰهِ۔ ہر وہ ہڈی جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ

اپنی قوم کو ڈرانے والے بن کر چلے گئے وہ ایمان لے آئے تھے اور آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو ان آیات میں بیان کیا ہے۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ۔ (احقاف: ۲۹)

''اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو۔ آپ فرمایئے میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بڑے غور سے سنا ہے (قرآن کو) جنوں کی ایک جماعت نے'' کہ وہ قرآن سنیں تو جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو بولے خاموش ہو کر سنو پھر جب تلاوت ہو چکی تو لوٹے اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے انہوں نے جا کر کہا۔ اے ہماری قوم ہم نے (آج) ایک کتاب سنی ہے جو اتاری گئی ہے (موسیٰ علیہ السلام) کے بعد تصدیق کرنے والی ہے پہلی کتابوں کی راہنمائی کرتی ہے حق کی طرف اور راہِ راست کی طرف اے ہماری قوم قبول کر لو، اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو اس پر ایمان لے آؤ''۔

لیا گیا ہو۔ اکثر احادیث ابوداؤد کی روایت کردہ حدیث کے موافق ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ مسلم کی روایت مؤمن جنات اور دوسری روایت کافر جنات کے لئے ہے۔ یہ قول درست ہے صحیح حدیث اسی کی تائید کرتی ہے۔ اس حدیث میں اس شخص کا بھی رد ہے جو کہتا ہے جنات کھاتے پیتے نہیں ہیں، انہوں نے حضور ﷺ کے اس فرمان کی مختلف تاویلیں کی ہیں۔ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَاْكُلُ بِشِمَالِهٖ وَ يَشْرَبُ بِشِمَالِهٖ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔ جنات کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ بعض جنات سانپوں کی شکلوں میں ہیں۔ ۲۔ بعض جنات کالے کتوں کی شکل میں ہیں۔ ۳۔ بعض جنات ہوا نما ہیں جو محوِ پرواز رہتے ہیں۔ بعض راویوں نے یہ اضافہ کیا ہے، ایک قسم عازم سفر ہے اور اقامت گزیں کم ہوتی ہے۔ یہی بھوت ہیں شاید یہی قسم اڑنے والی ہو جو نہ پیتی ہو نہ کھاتی ہو۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں'' میں حضور ﷺ کے ساتھ تھا ہم کہیں جا رہے تھے۔ اچانک ایک سانپ آیا، وہ آپ ﷺ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا اور اپنا منہ حضور ﷺ کے کانوں کے قریب لے گیا گویا کہ وہ آپ ﷺ سے سرگوشی کر رہا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا'' ہاں'' حضرت جابر فرماتے ہیں'' میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! سانپ نے آپ ﷺ کے کان مبارک میں کیا کہا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا'' اس نے مجھے بتایا ہے کہ اس کا تعلق جنات سے ہے، اس نے عرض کی ہے کہ میں اپنی امت کو حکم دوں کہ وہ لید سے استنجاء نہ کریں اور نہ ہی ہڈی کو اس مقصد کیلئے استعمال کریں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اشیاء ہمارے لئے رزق بنادی ہیں''۔

مختلف قبائل کو تبلیغ

ابن اسحاق کہتے ہیں، اس کے بعد حضور ﷺ مکہ معظمہ واپس تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ کی قوم کا بغض و عناد پہلے سے زیادہ ہو گیا۔ صرف کچھ کمزور اور ناتواں افراد ہی آپ ﷺ پر ایمان لائے تھے۔ جب ایامِ حج آتے تو حضور ﷺ تبلیغ کے لئے مختلف قبائل میں تشریف لے جاتے، انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے۔ انہیں بتاتے کہ وہ نبی مرسل ہیں، آپ ﷺ انہیں اپنی تصدیق کرنے کے لئے کہتے حتیٰ کہ اللہ اس دین متین کو غالب کر دے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ربیعہ بن عباد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں۔ ''میں نوجوان تھا، میں اپنے والد کے ساتھ مقام منیٰ میں تھا، حضور ﷺ مختلف قبائل کی اقامت گاہوں پر تشریف لے جاتے تھے۔ آپ ﷺ فرماتے۔ ''اے بنوفلاں! میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول بن کر مبعوث ہوا ہوں وہ تمہیں حکم

بنوشیبان بن ثعلبہ کو دعوتِ اسلام

اس روایت کو ابن اسحاق نے ذکر نہیں کیا۔ یہ روایت گویا کہ اس باب کا تتمہ ہے، قاسم بن ثابت اور علامہ خطابی نے ذکر کیا ہے۔ ''پھر حضور ﷺ بنوذھل بن ثعلبہ کے پاس تشریف لے گئے۔ پھر بنو شیبان بن ثعلبہ کی اقامت گاہ پر تشریف لے گئے۔ علامہ خطابی اور علامہ قاسم دونوں نے اس گفتگو کا تذکرہ کیا ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دغفل بن حنظلہ ذھلی سے کی تھی۔ علامہ قاسم نے کچھ اضافہ کیا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس اضافہ کو اس کتاب میں شامل کروں کیونکہ اس کا اس باب سے گہرا تعلق ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''پھر ہم اس مجلس میں گئے جہاں وقار اور سکون تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور اہل محفل کو سلام کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر بھلائی میں آگے آگے ہوتے تھے''۔ انہوں نے ان سے پوچھا تمہارا تعلق کس قبیلہ سے ہے؟ انہوں نے بتایا ہمارا رشتہ بنوشیبان بن ثعلبہ سے ہے پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کی ''میرے والدین آپ ﷺ پر فدا، یہ اپنی قوم کے سردار ہیں، ان میں مفروق بن عمرو، ھانی بن قبیصہ، مثنی بن حارثہ اور نعمان بن شریک جیسے سردار ہیں''۔ مفروق بن عمرو حسن و جمال اور فصاحت و بلاغت میں سب سے فائق تھا اس کے بالوں کی دو مینڈھیاں تھیں جو اس کے سینے پر لٹک رہی تھیں۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قریب تھا۔

دیتا ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دیگر معبودانِ باطلہ کو چھوڑ دو۔ تم مجھ پر ایمان لاؤ، میری تصدیق کرو۔ میرا تحفظ کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس دین متین کو غالب کر دے جس کے ساتھ اس نے مجھے مبعوث کیا ہے''۔ اس وقت آپ ﷺ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا ''تمہاری تعداد کیا ہے؟'' انہوں نے کہا ہماری تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ ایک ہزار بھی قلت تعداد کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا ''تمہارے تحفظ کرنے کا انداز کیا ہے؟'' انہوں نے کہا ''کوشش کرنا ہمارا کام ہے پھر ہر ایک کی قسمت اس کے ساتھ ہوتی ہے''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سوال کیا تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے مابین جنگ کیسے ہوتی ہے؟ مفروق نے کہا ''حالت جنگ میں اگر ہم ناراض ہوں تو ہم شدید ہوتے ہیں۔ ہم عمدہ گھوڑوں کو اولاد پر ترجیح دیتے ہیں، ہتھیاروں کو اونٹوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ نصرت اللہ کے پاس ہے۔ کبھی ہمیں غلبہ ہوتا ہے کبھی ہم مغلوب ہو جاتے ہیں۔ شاید آپ کا تعلق قریش سے ہے''۔ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا کیا تمہیں خبر ملی ہے کہ اللہ کے رسول معظم مبعوث ہو چکے ہیں؟'' وہ رسول محترم ﷺ یہ ہستی والا ہیں''۔ مفروق نے کہا ''ہم نے ان کے متعلق سنا ہے۔ اے قریشی بھائی! آپ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟'' حضور ﷺ آگے بڑھے اور فرمانے لگے میں اس بات کی شہادت کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، تم مجھے پناہ دو۔ میری مدد کرو قریش نے اللہ کے امر کے خلاف مدد کی ہے۔ انہوں نے اس کے رسول کو جھٹلایا ہے۔ وہ باطل کی وجہ سے حق سے مستغنی ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غنی وحمید ہے'' مفروق نے پھر پوچھا ''اے قریشی بھائی! آپ کس کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ (الانعام)

آپ فرمایئے آؤ میں پڑھ کر سناؤں جو کچھ حرام کیا ہے تمہارے رب نے تم پر (وہ یہ) کہ نہ بناؤ شریک اس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی (کے خوف) سے۔ ہم رزق دیتے ہیں تمہیں بھی اور انہیں بھی اور مت قریب جاؤ بے حیائی کی باتوں کے جو ظاہر ہوں ان سے اور جو چھپی ہوں، اور نہ قتل کرو اس جان کو جسے حرام کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے سوائے حق

کے پیچھے ایک بھینگا، چمکدار چہرے والا شخص تھا اس کے بالوں کی دو مینڈھیاں تھیں اس نے عدن کا حلہ پہن رکھا تھا۔ جب حضور علیہ اپنی تبلیغ سے فارغ ہوتے تو وہ شخص کہتا ''اے بنو فلاں! یہ شخص تمہیں یہ دعوت دے رہا ہے کہ تم لات وعزیٰ کی غلامی کا طوق اپنے گلے سے اتار پھینکو، بنو مالک بن اقیش کے حلیف جنات کو چھوڑ دو اور اس کی اس بدعت اور گمراہی کو قبول کر لو جو وہ لے

کے۔ یہ ہیں وہ باتیں حکم دیا ہے تمہیں اللہ نے جن کا تا کہ تم حقیقت کو سمجھو۔

مفروق نے اثر آفریں کلام سن کر کہا ''اے قریشی بھائی! آپ عمدہ اوصاف اور اچھے خصائل کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ بخدا! آپ علیہ کو جھٹلانے والی قوم بڑی احمق ہے۔ آپ علیہ کے خلاف مدد کرنے والے بے وقوف ہیں''۔ مفروق اپنی گفتگو میں ہانی بن قبیصہ کو بھی شریک کرنا چاہتے تھے۔

مفروق نے کہا ''یہ ھانی بن شریک ہیں جو ہمارے بزرگ ہیں۔ یہ ہمارے دین کے علمبردار ہیں''۔ ہانی نے کہا ''اے قریشی بھائی! میں نے آپ علیہ کی گفتگو سنی ہے میرے خیال کے مطابق ایک ہی ملاقات میں ہمارا اپنے دین کو ترک کرنا اور آپ کے دین کو اختیار کرنا ایک لغزش ہوگی۔ ہم نے ابھی تک انجام میں غور وفکر نہیں کیا۔ جلد بازی میں ہمیشہ خطا ہوتی ہے۔ ہم اپنے پیچھے ایک قوم چھوڑ آئے ہیں ہم ان کے بغیر کوئی معاہدہ نہیں کرنا چاہتے بلکہ آپ بھی ابھی چلے جائیں ہم بھی واپس جاتے ہیں آپ بھی غور وفکر کر لیں ہم بھی تدبر و تفکر کر لیتے ہیں''۔ ہانی کی خواہش تھی کہ مثنیٰ بھی ان کی گفتگو میں شرکت کریں۔ انہوں نے کہا ''یہ مثنیٰ بن حارثہ ہمارے بزرگ ہیں۔ یہ ہمارے سپہ سالار ہیں''۔ مثنیٰ نے کہا ''اے قریشی بھائی! ہم نے آپ کی گفتگو سن لی ہے۔ ہانی کا جواب بالکل درست ہے ایک محفل میں اپنے دین کو ترک کر دینا دانشمندی نہیں۔ ہم دو پانیوں یمامہ اور سماوہ کے مابین ہیں''۔ حضور علیہ نے پوچھا ''وہ دو پانی کون سے ہیں؟'' انہوں نے کہا ''ایک طرف کسریٰ کی نہریں جبکہ دوسری طرف عرب کے پانی ہیں''۔ جہاں تک انہار کسریٰ کے صاحب کا تعلق ہے تو اس کا گناہ قابل معافی نہیں ہے۔ اس کا عذر قبول نہیں ہے جہاں تک اہل عرب کے پانیوں کا تعلق ہے تو ان کے گناہ قابل معافی اور ان کے عذر مقبول ہیں۔ ہم ایک معاہدہ کے پابند ہے جو ہم سے کسریٰ نے لیا تھا کہ ہم کسی نئے واقعہ کا ظہور نہ کریں گے اور نہ ہی کسی نئے واقعہ کو ظاہر کرنے والے کو پناہ دیں گے۔ میری رائے کے مطابق وہ امر جس کی طرف آپ ہمیں دعوت دے رہے ہیں۔ وہ بادشاہوں کو ناپسند ہے۔ اگر آپ علیہ پسند فرمائیں تو ہم پناہ دیں اور صرف اہل عرب کے پانی سے آپ علیہ کا تحفظ کریں تو ہم حاضر ہیں''۔ حضور علیہ نے فرمایا ''تم نے غلط جواب نہیں دیا تم نے سچ بولا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے دین کی

کر آیا ہے، اس کی اطاعت ہرگز نہ کرنا اور نہ ہی اس کی بات سننا''۔ میں نے اپنے والد محترم سے کہا۔'' یہ شخص کون ہے جو حضور ﷺ کے پیچھے پیچھے ہے اور آپ ﷺ کے ہر فرمان کا رد کر رہا ہے''۔ انہوں نے کہا'' یہ ان کا چچا عبد العزیٰ بن عبد المطلب ہے اس کی کنیت ابولہب ہے''۔

وہی نصرت کر سکتا ہے جو اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کر لے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر کچھ ہی مدت بعد اللہ تعالیٰ تمہیں ان کی زمین اور ان کے اموال کا مالک بنا دے اور ان کی خواتین تمہارے قبضہ میں ہو جائیں تو کیا تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس بیان کرو گے''۔ نعمان بن شریک نے کہا'' ہم ضرور آپ ﷺ پر ایمان لائیں گے''۔ پھر مبلغ اعظم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی۔

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیۡرًا ﴿۴۶﴾

(الاحزاب)

'' بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم بلانے والا اور چمکا دینے والا چراغ بنا کر بھیجا''۔

پھر نبی محترم ﷺ کھڑے ہو گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا '' اے ابوبکر! اے ابوالحسن ان لوگوں نے جاہلیت میں کس قدر عمدہ اخلاق کا مظاہرہ کیا ہے۔ اسی کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ بعض کی سختی کو بعض سے روکتا ہے اور اسی کے ساتھ ہی وہ باہم متفق ہیں''۔ اس کے بعد ہم اوس اور خزرج کی محفل میں گئے۔ انہوں نے ہمارے اٹھنے سے پہلے حضور ﷺ کی بیعت کرنے کی سعادت حاصل کر لی۔ وہ نہایت سچے اور انتہائی صابر تھے۔

مسند کی حدیث میں ایک روایت طارق سے منسوب ہے وہ کہتے ہیں'' میں نے حضور ﷺ کی دو مرتبہ زیارت کی۔ ایک دفعہ میں نے ذوالمجاز میں آپ ﷺ کا دیدار کیا۔ آپ ﷺ مختلف قبائل کو تبلیغ فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے اے لوگو!'' لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہو کامیابی تمہارے قدم چوم لے گی۔ آپ ﷺ کے تعاقب میں ایک شخص تھا جس کی دو مینڈھیاں تھیں، وہ آپ ﷺ پر پتھر برسا رہا تھا۔ آپ ﷺ کے ٹخنوں سے خون بہنے لگا۔ وہ یہ بھی کہتا جا رہا تھا'' ارے لوگو! اس کی بات نہ سننا یہ جھوٹا ہے (نعوذ باللہ منہ)''۔ میں نے آپ کے متعلق پوچھا، مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ عبد المطلب کے نور نظر ہیں، میں نے پوچھا، پتھر مارنے والا کون ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ وہ آپ کا چچا ابولہب عبد العزیٰ ہے۔

بنو کندہ کو دعوتِ اسلام

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ ابن شہاب زہری نے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ بنو کندہ کی خیمہ گاہوں کی طرف تشریف لے گئے۔ ان میں ان کا سردار بھی موجود تھا اس کا نام ملیح تھا۔ آپ ﷺ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور اپنی ذات ان پر پیش کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔

بنو کلب کو دعوتِ اسلام

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن حصین نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ بنو کلب کی ایک شاخ بنو عبداللہ کے پاس تشریف لے گئے۔ انہیں اسلام کی دعوت دی اپنی ذات کے لئے نصرت واعانت مانگی۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا۔ اے بنو عبداللہ! اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کا نام کتنا عمدہ رکھا ہے لیکن انہوں نے آپ ﷺ کی دعوت کو قبول نہ کیا۔

بنو حنیفہ کو اسلام کی دعوت

ابن اسحاق فرماتے ہیں عبداللہ بن کعب بن مالک سے روایت ہے کہ حضور ﷺ بنو حنیفہ کے خیموں کے پاس تشریف لائے انہیں دین حق کی طرف دعوت دی اور دین متین کی مدد کرنے کے لئے کہا تو انہوں نے آپ ﷺ کو سب سے قبیح جواب دیا۔

بنو کندہ کو دعوت

اس سے مراد بنو ثور بن مرہ بن اُدد بن زید بن زید بن مسیع بن عمرو بن عریب بن زید بن کھلان بن سباء ہیں۔ یہ علمائے نسب کا ایک قول ہے۔ کندہ کو اس لئے کندہ کہا جاتا تھا کیونکہ اس نے اپنے باپ کی نافرمانی کی تھی اس کے بیٹے کو مرتع کہا جاتا ہے کیونکہ اس نے ہی اپنی قوم کے لئے چراگاہ بنائی تھی۔ اس کی اولاد کو بنو مرتع بن ثور کہا جاتا ہے۔ ایک قول کے مطابق ثور، مرتع ہے اور کندہ اس کا باپ ہے۔

بنو حنیفہ

حنیفہ کا نام اثال بن لجیم تھا۔ لجیم اللجم کی تصغیر ہے۔ علامہ قطرب کہتے ہیں کہ اس کا معنی چھوٹا جانور ہے۔ انہوں نے بطور دلیل یہ شعر پڑھا ہے۔

بنو عامر کو دعوتِ اسلام

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے امام زہری نے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ بنو عامر بن صعصعہ کے پاس تشریف لائے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی، ایک شخص جس کا نام بحیرہ بن فراس تھا۔ ابن ہشام نے اس کا نام فراس بن عبداللہ بن سلمہ بن قشیر بن کعب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ لکھا ہے۔ نے کہا ''قسم بخدا! اگر میں اس جوان کو قابو کرلوں تو میں اس کی وجہ سے پورے عرب پر حکومت کرسکتا ہوں''۔ پھر اس نے آپ ﷺ سے کہا ''اگر ہم آپ کی اتباع کریں پھر آپ کو اپنے مخالفین پر غلبہ نصیب ہو جائے کہ آپ کے بعد ہمیں امارت ملے گی''۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''یہ معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے وہ جسے چاہے گا عطا فرمائے گا''، اس نے آپ ﷺ سے کہا۔ اَفَنُهْدِفُ نُحُوْرَنَا لِلْعَرَبِ دُوْنَكَ فَإِذَا اَظْهَرَكَ اللّٰهُ كَانَ الْاَمْرُ لِغَيْرِنَا لَا حَاجَةَ لَنَا بِاَمْرِكَ۔ ہم آپ ﷺ کی حفاظت کے لئے پوری عرب قوم کو اپنے گلے کاٹنے کے لئے پیش کریں اور جب اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو غالب کر دے تو امارت کسی اور کو ملے۔ ہمیں آپ ﷺ کی ضرورت نہیں''۔ اس طرح انہوں نے بھی انکار کر دیا۔

جب لوگ حج سے فارغ ہوئے تو بنو عامر بھی واپس لوٹ گئے ان کے پاس ایک عمر رسیدہ بزرگ تھا وہ ان کے ساتھ حج میں شرکت نہیں کرسکتا تھا جب وہ واپس آتے تو وہ ان سے کسی نئے واقعہ کے متعلق دریافت کرتا۔ اس سال وہ واپس گئے تو اس سن رسیدہ شخص نے ان سے حج کے متعلق پوچھا انہوں نے جواب دیا ''ہمارے پاس بنو قریش میں سے بنو عبدالمطلب کا ایک جوان آیا وہ گمان کرتا تھا کہ وہ نبی ہے اس نے ہمیں دعوت دی کہ ہم اس کی حفاظت کریں۔ اس کے لئے دشمن کے سامنے ڈٹ جائیں اور اسے اپنے شہروں میں لے جائیں''۔ یہ سن کر اس بزرگ

لَهَا ذَنَبٌ مِثْلُ ذَيْلِ الْعَرُوْسِ　اِلٰى سَبَّةٍ مِثْلُ حَجْرِ اللُّجَمِ

دلہن کے دامن کی مانند اس کی پیٹھ کی طرف اس کی دم ہے جو چھوٹے جانوروں کے گڑھے کی مانند ہے۔ لجیم بن صعب بن علی بن بکر بن وائل ہے کیونکہ اس کے پاؤں میں ٹیڑھا پن تھا اس لئے اسے حنیفہ کہا جاتا ہے۔ بعض اہل نسب کے نزدیک اس کی ماں کا نام حنیفہ تھا۔ یہ کامل بن اسد کی بیٹی تھی یہ یمامہ کے باشندے تھے۔ مسیلمہ کذاب انہی سے پیدا ہوا۔ ہم نے ان کا تفصیلی تذکرہ پہلی جلد میں کر دیا ہے۔

اَفَنُهْدِفُ نُحُوْرَنَا یعنی ہم اپنے گلوں کو اہل عرب کے تیروں کے لئے پیش کریں۔ ''هَدَفٌ'' نشانے کو کہتے ہیں۔ هَلْ لَهَا مِنْ تَلَافٍ کیا اب اس کا تدارک ہوسکتا ہے۔ یہ تَلَافَيْتُهُمْ سے تفاعل

نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ لئے اور کہا اے بنو عامر! هَلْ لَهَا مِنْ تَلَافٍ هَلْ لِذُنَا بَاهَا مِنْ مَطْلَبٍ کیا اس نقصان کی تلافی ممکن ہے کیا اس خسارے کو پورا کیا جا سکتا ہے مجھے اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں فلاں کی جان ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ نہیں کیا یہ حق ہے۔ اس وقت تمہاری عقل کہاں چرنے چلی گئی تھی"۔

ایام حج میں اہل عرب میں تبلیغ

ابن اسحاق کہتے ہیں "حضور ﷺ کا انداز تبلیغ یہی تھا جب بھی لوگ حج کے موقع پر جمع ہوتے تو آپ ﷺ مختلف قبائل کے پاس جا کر انہیں اللہ تعالیٰ اور اسلام کی طرف دعوت دیتے انہیں پیام ہدایت پہنچاتے، جب بھی آپ ﷺ کو معلوم ہوتا کہ کوئی صاحب حیثیت اور صاحب شرف سردار مکہ معظمہ آیا ہے۔ آپ ﷺ اس کے پاس جاتے اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے اور اللہ تعالیٰ کا پیام سناتے"۔

سوید بن صامت

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری نے اپنی قوم کے چند بزرگوں سے بیان کیا ہے کہ سوید بن صامت کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا۔ وہ مکہ معظمہ میں حج یا عمرہ ادا کرنے کے لئے آیا۔ اس کے حسن و جمال، شعر و شاعری، حسب و نسب اور قدر و شرف کی وجہ سے اس کی قوم اسے "کامل" کہتی تھی یہ کہتا ہے۔

أَلَا رُبَّ مَنْ تَدْعُوْ صَدِيْقًا وَ لَوْ تَرٰى — مَقَالَتَهُ بِالْغَيْبِ سَائَكَ مَا يَفْرِي
مَقَالَتُهُ كَالشَّهْدِ مَا كَانَ شَاهِدًا — وَ بِالْغَيْبِ مَأْثُوْرٌ عَلٰى ثُغْرَةِ النَّحْرِ
يَسُرُّكَ بَادِيهِ وَ تَحْتَ اَدِيْمِهٖ — نَمِيْمَةُ غِشٍّ تَبْتَرِي عَقَبَ الظَّهْرِ
تُبِيْنُ لَكَ الْعَيْنَانِ مَا هُوَ كَاتِمٌ — مِنَ الْغِلِّ وَالْبَغْضَاءِ بِالنَّظَرِ الشَّزْرِ

کے وزن پر ہے۔ وَهَلْ لِذُنَا بَاهَا مَنْ مَطْلَبٍ۔ اہل عرب جب کسی چیز کو پانے میں ناکام ہو جاتے ہیں تو یہ ضرب المثل بیان کرتے ہیں۔ جب پرندہ پھندے سے نکل جاتا اور اسے اس کی دم سے پکڑنے کی کوشش رائیگاں جاتی تو یہ ضرب المثل بولی جاتی ہے

مَاثُوْرٌ

اس سے مراد تلوار ہے۔ یہ اِثْرٌ سے مشتق ہے۔ تلوار کی دھار کو اِثْرٌ یا اَثْرٌ کہتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے۔

فَرِشْنِیْ بَخَیْرٍ طَالَمَا قَدْ بَرَیْتَنِیْ ۔۔۔ وَ خَیْرُ الْمَوَالِی مَنْ یَرِشُ وَلَا یَبْرِیْ

ارے! کتنے ہی ایسے آدمی ہیں جنہیں تو دوست سمجھتا ہے کاش کہ تو اس کی پوشیدہ گفتگو سن لیتا تو اس کا جھوٹ گھڑنا تجھے برا دکھائی دیتا۔ روبرو اس کی باتیں شہد کی طرح میٹھی ہوتی ہیں اور پیٹھ پیچھے وہ گدی کے گڑھے کے لئے تلوار کی دار کی طرح ہے۔ اس کا ظاہر تجھے مسرور کر دے گا لیکن اس کی جلد کے نیچے دھوکے کی سرگوشی ہے جو پیٹھ کے پٹھے کاٹ دیتی ہے۔ جو بغض اور کینہ وہ چھپا رہا ہوتا ہے اس کی ترچھی نگاہوں والی آنکھیں تجھ کو عیاں کر دیں گی۔ تو نے طویل عرصہ میری مخالفت میں گزارا ہے۔ اب میری مدد کر کیونکہ بہترین دوست وہ ہوتا ہے جو مدد کرتا ہے کمزور کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔

سوید بن صامت کا بنو سلیم (بنو زعب بن مالک) کے ایک آدمی کے ساتھ سو اونٹنیوں کے متعلق جھگڑا ہو گیا۔ وہ اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لئے ایک کاہنہ کے پاس گئے۔ کاہنہ نے سوید کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ سوید اور وہ سلیمی شخص دونوں اکیلے تھے۔ ان کے ہمراہ تیسرا شخص نہ تھا جب ان کی راہیں جدا ہونے لگیں تو سوید نے کہا۔ "اے بنو سلیم کے بھائی! میرے مال کا کیا بنے گا"۔ اس شخص نے کہا میں تمہارا مال بھیج دوں گا۔ سوید نے کہا "تیرے جانے کے بعد ضامن کون ہو گا؟" اس نے کہا "میں خود"۔ سوید نے کہا "ہرگز نہیں"، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں سوید کی جان ہے جب تک تو میرا مال ادا نہ کر دے تو مجھ سے جدا نہیں ہو سکتا" اس نے اسے پکڑ کر زمین پر پٹخ دیا۔ پھر اسے رسی سے باندھ کر بنو عمرو بن عوف کی حویلی میں لے گیا۔ وہ سلیمی شخص اس کی قید میں رہا حتیٰ کہ بنو سلیم نے اسے اس کا مال دے دیا۔ وہ اسی کے متعلق کہا ہے۔

لَا تَحْسَبَنِّیْ یَابْنَ زَعْبِ بْنِ مَالِكٍ ۔۔۔ كَمَنْ كُنْتَ تُرْدِیْ بِالْغُیُوْبِ وَ تَخْتِلُ

تَحَوَّلْتُ قِرْنًا اِذْ صُرِعْتُ بِعِزَّةٍ ۔۔۔ كَذٰلِكَ اِنَّ الْحَازِمَ الْمُتَحَوِّلُ

جَلَاهَا الصَّیْقَلُوْنَ فَاَخْلَصُوْهَا ۔۔۔ خِفَافًا كُلُّهَا یَتَّقِیْ بِاَثْرٍ

اسے غریب لوگوں نے صیقل کیا ہے انہوں نے اسے باریک کرنے میں خلوص سے کام کیا ہے ہر ایک اس کی دھار سے ڈرتا ہے۔

سوید بن صامت بن حوط بن حبیب بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس تھا اس کی ماں کا نام لیلیٰ بنت عمرو نجاریہ تھا جو سلمیٰ بنت عمر بن زید بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار یعنی تیم اللہ بن عمرو بن خزرج تھی۔ یہ حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کی والدہ تھی۔ سوید حضرت عبدالمطلب کا

ضَرَبْتُ بِهٖ اِبْطَ الشِمَالِ فَلَمْ يَزَلْ عَلٰى كُلِّ حَالٍ خَدُّهٗ هُوَ اَسْفَلُ

اے ابن زعب بن مالک مجھے ان لوگوں کی طرح نہ سمجھنا جنہیں تو چھپ کر ہلاک کرتا رہا اور دھوکا دیتا رہا۔ میں نے اپنے مقابل کو پچھاڑ کر اٹھالیا۔ ایک محتاط اٹھانے والا یوں ہی کرتا ہے۔ میں نے اس کی بائیں بغل پر چوٹ ماری پھر ہر حالت میں اس کا رخسار نیچے ہی رہا۔

جب حضور ﷺ نے اس کی آمد کے متعلق سنا تو آپ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اسے اللہ تعالیٰ اور مذہب حق کی طرف دعوت دی۔ سوید نے آپ ﷺ سے کہا۔ ''آپ ﷺ کے کلام کی مانند کلام میرے پاس بھی ہے''۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''تیرے پاس کیسا کلام ہے؟'' اس نے کہا ''میرے پاس مجلۂ لقمان یعنی ''حکمت لقمان'' ہے''۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''مجھے دکھاؤ اس نے وہ صحیفہ حضور ﷺ کو پیش کیا''۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''یہ عمدہ کلام ہے''۔ لیکن جو میرے پاس پیغام ہے وہ اس سے کہیں افضل ہے وہ قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل کیا ہے۔ وہ سرچشمۂ ہدایت اور منبع نور ہے''۔ حضور ﷺ نے سوید کو قرآن پڑھ کر سنایا، اسے اسلام کی دعوت ہے سوید اسلام سے دور نہ رہا اس نے کہا یہ عمدہ کلام ہے۔ وہ حضور ﷺ سے جدا ہو کر مدینہ طیبہ اپنی قوم کے پاس چلا گیا اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد بنوخزرج نے اسے قتل کر دیا۔ اس کی قوم کے افراد کہتے تھے ہمارا خیال ہے کہ وہ وقت

خالہ زاد تھا۔ سوید کی بیٹی ام عاتکہ تھی جو حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کی بہن اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ یہ اس کے دادا تھے اس کا نام زینب تھا۔ بعض نے اس کا نام جلیسہ بنت سوید بتایا ہے۔ زبیر بن ابی بکر نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

مجلّہ لقمان

مجلۂ لقمان سے مراد صحیفہ ہے۔ یہ جَلَالٌ یا جَلَالَۃٌ سے مَفْعَلَۃٌ کے وزن پر ہے جَلَالَۃ مخلوق کی صفت اور جلال اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ مخلوق کے لئے جلال اور جلالۃ دونوں الفاظ استعمال ہو سکتے ہیں انہوں نے بطورِ دلیل یہ شعر پڑھا ہے۔

فَلَا ذَا جَلَالٍ هِبْنَهٗ لِجَلَالَةٍ وَ لَا ذَا ضِيَاعٍ هُنَّ يَتْرُكْنَ لِلْفَقْرِ

اس شعر میں جلال اور جلالہ دونوں الفاظ مخلوق کیلئے استعمال ہوئے ہیں۔ حضرت لقمان کا تعلق اہل ایلۃ سے تھا۔ وہ لقمان بن عنقاء بن سرور تھے۔ ان کے ان فرزند کا نام جس کا قرآن پاک میں ذکر ہے ثاران تھا۔ بعض علماء نے اس کے اور نام بھی ذکر کیے ہیں۔ اس سے مراد لقمان بن عاد الحمیری نہیں ہے۔

قتل مسلمان تھا۔اس کا قتل جنگ بعاث سے پہلے ہوا تھا۔

ایاس بن معاذ کا اسلام اور ابوالحیسر کا قصہ

ابن اسحاق کہتے ہیں محمود بن لبید سے روایت ہے کہ جب ابوالحیسر انس بن مالک مکہ معظمہ آیا تو اس کے ساتھ بنوعبدالاشہل میں سے چند جوان بھی تھے ان میں ایاس بن معاذ بھی تھے۔وہ اپنی قوم خزرج کے خلاف قریش سے معاہدہ کرنے آئے تھے۔جب حضور ﷺ کو ان کی آمد کا علم ہوا تو ان کے پاس تشریف لائے۔آپ ﷺ نے فرمایا۔''جس مقصد کے لئے تم آئے ہو کیا اس سے بہتر چیز تمہیں چاہئے؟'' انہوں نے پوچھا ''وہ کون سی چیز ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''میں اللہ کا رسول ﷺ ہوں۔اس نے مجھے اپنے بندوں کی طرف مبعوث کیا ہے تا کہ میں انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی دعوت دوں اور ان سے کہوں کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔اس نے مجھ پر کتاب نازل کی ہے''۔پھر آپ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔انہیں قرآن پڑھ کر سنایا اس وقت ایاس بن معاذ کم عمر تھے انہوں نے کہا ''قسم بخدا! ہم جس مقصد کے لئے آئے ہیں اس سے یہ بہتر ہے''۔ابوالحیسر نے مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور اسے ایاس کے چہرے پر دے مارا اور کہا ''اسے چھوڑو۔ہم اس کے علاوہ ایک اور مقصد کیلئے آئے ہیں''۔یہ سن کر ایاس خاموش ہو گئے۔حضور ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے۔پھر اوس اور خزرج کے مابین جنگ بعاث ہوئی۔اس واقعہ کے جلد ہی بعد ایاس بن معاذ کا انتقال ہو گیا۔

محمود بن لبید کہتے ہیں۔وہ شخص جوان کی وفات کے وقت وہاں موجود تھا اس نے مجھے بتایا کہ وہ مسلسل اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرتے رہے۔وہ اس کی تسبیح وتقدیس میں مشغول رہے پھر فوت ہو گئے۔ان کی قوم کا خیال ہے کہ وہ مسلمان ہو کر مرے۔اسلام اسی وقت ان کے دل میں جاگزیں ہو گیا جب انہوں نے حضور ﷺ سے حیات بخش پیغام سنا۔

ابوالحیسر کی مکہ معظمہ آمد

ابن اسحاق نے ابوالحیسر کی مکہ معظمہ آمد کا ذکر کیا ہے اس کی آمد کا سبب وہ جنگ تھی جو اوس اور خزرج کے مابین ہوئی تھی یہ جنگ، جنگِ بعاث کے نام سے مشہور ہوئی۔اس کے اس میں مشہور دن ہیں اس میں ان کے بہت سے سردار اور عظیم لوگ کام آئے۔بعاث اس جگہ کا نام تھا جہاں یہ جنگ ہوئی۔

بنوخزرج کو اسلام کی دعوت اور عقبہ اولیٰ

ابن اسحاق کہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کرنے کا ارادہ کیا، نبی محترم ﷺ کے سر پر عزتوں کا تاج سجانا چاہا اور اپنے وعدہ کو پورا کرنا چاہا تو نبی اکرم ﷺ ایامِ حج میں تبلیغ کے لئے باہر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے انصار کے چند لوگوں سے ملاقات کی۔ آپ ﷺ نے حسب معمول قبائل عرب کو اپنی تائید و اعانت کے لئے کہا۔ آپ ﷺ عقبہ کے پاس تھے کہ آپ ﷺ کو بنوخزرج کا ایک گروہ ملا۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا ارادہ کیا ہوا تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ نے اپنی قوم کے بزرگوں سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب انہیں حضور ﷺ سے ملاقات کا شرف نصیب ہوا تو آپ ﷺ

انصار میں اسلام کا آغاز

بنوخزرج اور بنواوس کا نام جاہلیت میں انصار نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام میں ان کا یہ نام رکھا تھا۔ الخزرج ٹھنڈی ہوا کو کہتے ہیں۔ بعض علمائے لغت اسے جنوب کی ہوا کے ساتھ مختص کرتے ہیں۔ الاوس پر الف لام اسی طرح داخل کیا گیا ہے جس طرح ''التیم'' پر ہے اس کی جمع تیمی ہے یہ رومی اور روم کی طرح ہے۔ اوس کا معنی عطیہ یا عوض ہے۔ اس طرح کے اسماء جب علم ہو جائیں تو ان پر الف لام نہیں آتا۔ اس کے علاوہ عربی میں تمام اوس الف، لام کے بغیر ہیں جس طرح اوس بن حارثہ الطائی وغیرہ۔ اوس اور اویس بھی اسی طرح ہیں، زاجر کہتا ہے۔

یَالَیْتَ شِعْرِی عَنْهُ وَالْاَمْرُ عَمَمْ   مَا فَعَلَ الْیَوْمَ اُوَیْسٌ بِالْغَنَمْ

''کاش مجھے اس کے متعلق علم ہوتا، معاملہ وسعت اختیار کر گیا کہ آج بھیڑیے نے بھیڑوں کے ساتھ کیا کیا ہے؟'' ان کے والد کا نام حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو مزیقیاء بن عامر ماء السماء بن حارثہ الغطریف بن امرئ القیس بن ثعلبہ بن مازن بن ازدی۔ ایک روایت کے مطابق بنوخزاعہ کا بھی یہی باپ تھا۔ ان کی ماں کا نام قیلہ بنت کاہل بن عذرہ قضاعیہ تھا۔ ایک قول کے مطابق وہ بنت جفنہ تھی۔ اس کا نام غلبہ بن عمرو بن عامر تھا۔ ایک اور قول کے مطابق بنت سبع ابن الھون بن حریمہ بن مدرکہ

نے فرمایا"۔ "مَنْ اَنْتُمْ۔ تم کون ہو"۔ انہوں نے عرض کی "ہمارا تعلق بنو خزرج سے ہے" آپ ﷺ نے فرمایا۔ "اَمِنْ مَوَالِی یَهُوْدَ"۔ کیا تم یہودیوں کے حلیف ہو۔ انہوں نے عرض کی "ہاں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "کیا تم بیٹھ نہیں جاتے میں تم سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں"۔ انہوں نے عرض کی ضرور۔ وہ حضور ﷺ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔ ان پر اسلام پیش کیا۔ انہیں قرآن پاک سنایا۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایک بہتری یہ بھی کی کہ ان کے شہروں میں یہودی رہتے تھے۔ وہ اہل کتاب اور صاحب علم تھے جبکہ یہ مشرک اور صنم پرست تھے۔ ان کے مابین جنگیں ہوتی تھیں۔ جب بھی جنگ ہوتی تو یہود ان سے کہتے۔ "ایک عظیم الشان نبی (ﷺ) مبعوث ہونے ہی والے ہیں۔ ان کے ظہور کا وقت قریب ہے ہم ان کی اتباع کریں گے اور ان کی معیت میں تمہیں عاد و ارم کی طرح قتل کریں گے"۔ جب حضور ﷺ نے اس فرخندہ فال گروہ سے گفتگو فرمائی۔ انہیں اللہ رب العزت کی طرف دعوت دی تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا "اے قوم! جان لو قسم بخدا! یہ وہی نبی محترم ہیں جن سے یہود تمہیں ڈراتے ہیں وہ ان کے پیغام کو قبول کرنے میں تم سے سبقت نہ لے جائیں، ان کی دعوت پر لبیک کہو"۔ انہوں نے آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا۔ آپ ﷺ کی تصدیق کی پھر عرض کی، "یا رسول اللہ! ﷺ ہم اپنے پیچھے ایک قوم چھوڑ آئے ہیں۔ ان کے مابین عداوت و شرارت انتہائی عروج پر ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی برکت سے انہیں متفق فرمائے۔ ہم ان کے پاس جا کر آپ ﷺ کا معاملہ ان کو پیش

تھا۔ اس قول کو زبیر بن ابی بکر نے اخبار مدینہ میں ذکر کیا ہے۔

انصار، ناصر کی جمع ہے۔ یہ "فاعل" کی خلاف قیاس جمع ہے۔ اس میں "ناصر" کے الف کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ زائدہ ہے۔ اس کے حذف سے اسم ثلاثی بن جاتا ہے اور ثلاثی اسم کی جمع افعال کے وزن پر آتی ہے مثلاً صاحب کی جمع اصحاب، شاہد کی جمع اشہاد آتی ہے۔

اَمِنْ مَوَالِی یَهُوْدَ اَنْتُمْ

موالی سے مراد حلیف ہے۔ مولیٰ کا لفظ، حلیف، چچازاد، آزاد کردہ اور آزاد کرنے والا سب کے لئے بولا جاتا ہے کیونکہ یہ وِلَایۃ سے مَفْعَلْ کے وزن پر ہے، یہ تمام ولی کے لئے ملجاء اور پناہ گاہ ہیں۔

عورتوں سے بیعت لینے کا طریقہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں عورتوں سے بیعت لینے کا تذکرہ اس طرح کیا ہے۔

کریں گے۔ اپنے اس دین کے متعلق انہیں بھی بتائیں گے جس کو ہم نے قبول کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں متفق کر دیا پھر ہمیں آپ ﷺ سے پیارا اور معزز کوئی نہ ہوگا"۔ پھر وہ اپنے شہر لوٹ آئے، وہ دولت ایمان سے مالا مال ہو چکے تھے اور آپ ﷺ کی تصدیق کر کے کونین کی لازوال نعمت کو حاصل کر چکے تھے۔

عقبہ کے پاس حضور ﷺ سے ملاقات کرنے والے بنوخزرج کے نام

ابن اسحاق کہتے ہیں، وہ بنوخزرج میں سے چھ افراد تھے۔ ان میں سے کچھ بنونجار (تیم اللہ) میں سے تھے ان کا تعلق بنو مالک بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج بن حارثہ بن عمرو بن عامر سے تھا۔ وہ حضرت اسعد بن زرارہ بن عدس بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار تھے یہ ابوامامہ سے مشہور تھے۔ دوسرے حضرت عوف بن حارث بن رفاعہ بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار تھے۔ یہ ابن عفراء سے مشہور تھے۔ ابن ہشام کہتے ہیں، عفراء بنت عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار تھی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں، بنوزریق بن عامر بن زریق بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب بن جشم بن خزرج میں سے حضرت رافع بن مالک بن عجلان بن عمرو بن عامر بن زریق تھے۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ ان کو عامر بن ازرق بھی کہا جاتا ہے۔ ابن اسحاق کہتے

يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا (الممتحنہ: ۱۲)

تا کہ آپ سے اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گی۔

عورتوں سے بیعت لیتے وقت آپ ﷺ ان سے صرف عہد و میثاق لیتے تھے۔ جب وہ خواتین اپنی زبانوں سے اقرار کر لیتیں تو آپ ﷺ فرماتے قَدْ بَايَعْتُكُنَّ "میں نے تمہیں بیعت کر لیا ہے"۔

القواقل

ان سے مراد بنوعمرو بن غنم بن مالک ہیں۔ انہیں قواقل اس لئے کہا جاتا تھا کہ جب یہ کسی کو پناہ دیتے تھے تو اس سے کہتے تھے قَوْقِلْ حَيْثُ شِئْتَ۔ جہاں چاہے جاؤ۔ القَوَاقِلُ اور الجِعَادِر اوس کی دو شاخیں تھیں۔ اس کے نام کا سبب ایک ہی ہے۔ "جعادر" جب کسی کو پناہ دیتے تو اسے ایک تیر دیتے اور اسے کہتے جَعْلِ دِبْ حَيْثُ شِئْتَ۔ جہاں چاہو جاؤ۔ جس طرح کہ قواقل کرتے تھے۔ ان سے مراد بنوزید بن عمرو بن مالک بن ضبیعہ ہیں۔ انہیں "كَسْرُ الذَّهَبِ" بھی کہا جاتا تھا ان سب کا تعلق اوس سے ہی تھا۔ شاعر کہتا ہے۔

ہیں، بنوسلمہ بن سعد بن علی بن ساردۃ بن تزید بن جشم بن خزرج میں سے حضرت قطبہ بن عامر بن حدیدہ بن عمر بن غنم بن سواد نے یہ سعادت پائی۔ ان کا تعلق بنوسواد بن غنم بن کعب بن سلمہ سے تھا۔ ابن ہشام نے عمرو بن سواد کہا ہے۔ سواد کا کوئی بیٹا غنم نام کا نہ تھا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں بنوحرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ میں سے حضرت عقبہ بن عامر بن نابی بن زید بن حرام تھے۔ بنوعبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ میں سے حضرت جابر بن عبداللہ بن رباب بن نعمان بن سنان بن عبید کو یہ توفیق ارزانی ہوئی۔ جب یہ حضرات مدینہ طیبہ آئے تو انہوں نے حضور ﷺ کا تذکرہ کیا۔ اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔ اسلام ان میں پھیل گیا۔ کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں حضور ﷺ کا ذکر نہ ہو رہا ہو۔

بیعت عقبہ اولیٰ

آئندہ سال حج کے زمانہ میں بارہ آدمی مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ آئے اور حضور ﷺ سے ''عقبہ'' میں ملاقات کی۔ یہ ''بیعت عقبہَ اولیٰ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ حضور ﷺ نے ان سے اس طرح بیعت لی جس طرح آپ ﷺ عورتوں سے بیعت لیتے تھے۔ یہ بیعت ان پر جہاد کے فرض ہونے سے پہلے تھی۔ ان بلند اقبال ہستیوں میں سے بنونجار (بنو مالک بن نجار) میں سے اسعد بن زرارہ بن عدس بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار نے بیعت کی

فَإِنَّ لَنَا بَيْنَ الْجَوَادِي وَلِيْدَةً مُقَابَلَةً بَيْنَ الْجَعَادِرِ وَالْكَسْرِ
مَتٰى تَدْعُ فِي الزَّيْدَانِ زَيْدِ بْنِ مَالِكٍ وَ زَيْدِ بْنِ عَمْرٍو تَأْتِهَا عِزَّةُ الْخَفْرِ

پناہ دینے والوں کے مابین ایک نجیب الطرفین بچہ ہے جو جعادر اور کسر کے درمیان ہے۔ جب تو دو زیدوں یعنی زید بن مالک اور زید بن عمرو کو بلائے گا تو انہیں پناہ لینے والے کی عزت آلیتی ہے۔

ابن اسحاق نے ان میں ابوالہیثم بن التیہان کا ذکر کیا ہے لیکن اس کا نسب بیان نہیں کیا اور نہ ہی اہل عقبہ ثانیہ میں ان کا نسب بیان کیا ہے اور نہ ہی غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والوں میں ان کا نسب بیان کیا ہے ان کا نام مالک بن تیہان ہے۔ تیہان کا نام مالک بن عتیک بن عمرو بن عبدالاعلم بن عامر بن زعون بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس تھا۔ یہ بنوعبدالاشہل کے حلیف تھے یہ بارہ نقیبوں میں سے ایک تھے یہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ ان کی شہادت کے وقت میں اختلاف ہے۔ درست یہ ہے کہ یہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف شامل ہوئے اور شہادت سے سرخرو ہوئے۔ میرا گمان ہے کہ ابن اسحاق اور ابن ہشام نے ان کا نسب انصار میں ان کی جلالتِ شان

سعادت حاصل کی۔ حضرت عوف اور حضرت معاذ حارث بن رفاعہ بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار کے فرزندان۔ ان کی والدہ کا نام عفراء تھا۔ بنو زریق بن عامر میں سے رافع بن مالک بن عجلان بن عمرو بن عامر بن زریق اور ذاکوان بن عبد قیس بن خلدہ بن مخلد بن عامر بن زریق نے یہ دولت حاصل کی۔ ابن ہشام کہتے ہیں ذکوان مہاجری اور انصاری ہے۔ بنو عوف بن خزرج (بنو غنم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج، انہیں "القواقل" کہا جاتا ہے) میں سے عبادۃ بن صامت بن قیس بن اصرم بن فہر بن ثعلبہ بن غنم اور ابو عبدالرحمٰن یزید بن ثعلبہ بن حزمہ بن اصرم بن عمرو بن عمارہ نے بھی بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی یہ بنو عصینہ کے حلیف تھے۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ انہیں "القواقل" اس لئے کہا جاتا تھا کہ جب کوئی شخص ان سے پناہ لیتا تو یہ انہیں ایک تیر دیتے اور کہتے قَوْقِلْ بِهٖ بِيَثْرَبَ حَيْثُ شِئْتَ۔ جہاں چاہو یثرب میں چلتے پھرو، ابن ہشام کہتے ہیں۔ "القوقله" چال کی ایک قسم ہے۔

کی وجہ سے چھوڑا ہے۔ یہ تمام اہم امور میں رسول محترم ﷺ کے ہمراہ تھے۔ جب حضور ﷺ کی میزبانی کا شرف ابو الہیثم رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا اس وقت حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے ضیافت میں ایک اونٹنی ذبح کی اور تر کھجوریں بھی پیش کیں۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے ان کی یوں تعریف کی۔

فَلَمْ اَرَ كَالْاِسْلَامِ عِزًّا لِاَهْلِهٖ ۔۔۔ وَ لَا مِثْلَ اَضْيَافِ لِاَرَاشِيِّ مَعْشَرًا

میں نے کسی کے لئے اسلام کی مانند کوئی چیز نہیں دیکھی جو اپنے اہل کے لئے باعث عزت و شرف ہو اور نہ ہی میں نے اراشی کے مہمانوں کی مانند کوئی معزز و محترم مہمان دیکھے ہیں۔

الاراشی اراشہ کی طرف منسوب ہے جو بنو خزاعہ سے تھا یا پھر اراش بن لحیان بن غوث کی طرف منسوب ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ نسب کے اعتبار سے انصاری ہیں یا حلیف ہونے کی وجہ سے ایک قول کے مطابق ان کا تعلق بنو اراشہ بن فاران بن عمرو بن بلی سے تھا یعنی یہ بلوی تھے لغت میں الہیثم شکرے یا شاہین کے بچے کو کہتے ہیں گھاس کی ایک قسم کا نام بھی ہیثم ہے ان دونوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے انسان کا یہ نام پڑ جاتا ہے یہ قول ابو حنیفہ کا ہے اور انہوں نے بطور دلیل یہ شعر پڑھا ہے،

دَعَتْ بِقُرَانِ الْحَزْنِ رَوْضًا مُنَوِّرًا ۔۔۔ عَمِيمًا مِنَ الظِّلَاعِ وَالْهَيْثَمِ الْجَعْلِ

اس نے مقام قران حزن میں ایک روشن باغ کی نگرانی کی۔ وہ باغ ایک تنگ زمین اور گھنی گھاس میں تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں، بن سالم بن عوف بن عمرو بن خزرج (بنو عجلان بن زید بن غنم بن سالم) میں سے حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ بن مالک بن علجان کو یہ توفیق ارزانی ہوئی۔ بنو سلمہ بن سعد بن علی بن اسد بن سارده بن تزید بن جشم بن خزرج (بنو حرام بن کعب بن غنم بن سلمہ) میں سے حضرت عقبہ بن عامر بن نابی بن زید بن حرام بھی اس بیعت میں شامل تھے۔ بنو سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ میں سے حضرت قطبہ بن عامر بن حدیدہ بن عمرو بن غنم بن سواد بھی اس میں شریک تھے۔ اوس بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر (بنو عبدالاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس) میں سے ابوالہیثم بن التیھان رضی اللہ عنہ تھے ان کا نام مالک تھا۔ ابن ہشام کہتے ہیں التیھان میں مَیِّتْ، مَیْتْ کی طرح تخفیف اور ثقل دونوں جائز ہیں۔ بنو عمرو بن عوف بن مالک بن اوس میں سے حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ نے یہ سعادت حاصل کی۔

بیعت عقبہ

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں "میں بھی ان خوش قسمت افراد میں شامل تھا جو عقبہ اولیٰ کی بیعت میں تھے۔ ہم بارہ افراد

عقبۂ اولیٰ میں بیعت کرنے والوں میں، بنو سلمۃ میں سے حضرت سادرہ بن تزید بن جشم رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ عرب میں ایک "تزید" تو یہ ہیں۔ ایک تزید بن الحاف بن قضاعہ بھی ہے۔ انہی کی طرف "تزیدیہ" کپڑے منسوب ہوتے ہیں۔ سلمۃ۔ ان کا تعلق انصار سے تھا سَلِمَۃ کا واحد السِّلَامُ ہے۔ اس کا معنی پتھر ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

ذَاكَ خَلِیْلِی و ذُوْ یُعَاتِبُنِیْ یَرِی وَرَائِی بِالسَّھْمِ وَالسَّلِمَۃِ

وہ میرا دوست ہے جو مجھے جھڑکتا ہے اور میرے پیچھے پتھر اور تیر پھینکتا ہے۔

بنو حنفہ میں سلمہ بن عمرو بن ذھل بن مروان بن جعفی تھے۔ بنو جھنیہ میں سلمۃ بن نصر بن غطفان تھے۔ ان کے متعلق ابن حبیب "النسابہ فی الصحابہ" میں لکھتے ہیں کہ یہ ابو بریدہ عمرو بن سلمہ ہیں جنہوں نے اپنی قوم کو چھ یا سات سال کی عمر میں امامت کرائی۔ حدیث شریف کو روایت کرنے والوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلمہ ہیں۔ بنو سَلِمَہ کے افراد کو سَلِمی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح بنو سَلَمَہ کے افراد کو بھی سَلَمِیْ کہا جاتا ہے۔ یہ بنو عامر کے دو قبیلے تھے انہیں سَلَمَات کہا جاتا تھا۔ ایک کو سَلِمَۃُ الخیر اور دوسرے کو سَلِمَۃُ الشر کہا جاتا تھا۔ یہ دونوں قیصر بن کعب بن ربیعہ بن عامر کے بیٹے

تھے۔ حضور ﷺ نے ہم سے عورتوں کی بیعت کی طرح کی بیعت لی۔ یہ بیعت فرضِ جہاد سے قبل تھی کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ ہم چوری نہیں کریں گے۔ ہم بدکاری نہیں کریں گے۔ ہم اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔ نہ ہی کسی پر وہ بہتان لگائیں گے جسے ہم نے اپنے سامنے گھڑا ہو گا اور کسی نیک کام میں آپ ﷺ کی مخالفت نہیں کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم نے اس بیعت کو پورا کیا تو تمہارے لئے جنت ہے اور اگر کسی سے کوئی لغزش ہو گئی تو اس کا معاملہ اللہ رب العزت کے سپرد ہے اگر وہ چاہے گا تو اسے عذاب دے گا اور اگر چاہے گا تو معاف فرما دے گا''۔

ابن اسحاق نے امام زہری کی سند سے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں، ''ہم نے عقبہ کی شب حضور ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کی کہ ہم اللہ

تھے۔ بنوسلیمہ کا تعلق دوس سے تھا وہ بنوسلیمہ بن مالک بن فہم بن غنم بن دوس تھے۔ یہ سلیمہ، جزیمہ الابرش کا بھائی تھا اس نے ہی اپنے بھائی مالک کو خطاً قتل کر دیا تھا۔ اس کے نسب میں سَلِیمی بھی کہا جاتا ہے۔ قیاس بھی یہی ہے۔ اسے سلیمی بھی کہا جاتا ہے جس طرح عمیرۃ میں عَمیریٌ کہا جاتا ہے۔ ابن اسحاق نے بنونجار میں سے بنوجدارہ کا ذکر کیا ہے۔ جدارہ اور خدارہ دونوں بھائی تھے۔ بعض علمائے نحو نے اسے خِدَارہ کہا ہے۔ ابوعمرو نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ ابن درید نے بھی یہی کہا ہے۔ درست بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ خدرہ کا بھائی تھا اہل عرب بھائیوں کے نام وہ رکھتے تھے جو ایک دوسرے سے مشتق ہوتے تھے۔

عورتوں کی بیعت

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے عورتوں کی بیعت کی مانند بیعت لی۔ عورتوں کی بیعت کی وضاحت یوں کی گئی ہے۔

وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ۔ ''اور نہیں لگائیں گی جھوٹا الزام''۔ اس سے مراد وہ بچہ ہے جسے عورت اپنے خاوند سے منسوب کر دے، حالانکہ وہ اس سے نہ ہو۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عورت کا عورت سے لطف حاصل کرنا ہے مثلاً بوسہ لینا اور جسم کو چھونا۔ مردوں سے بیعت پہلے قول کے مطابق لی گئی۔ وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِی مَعْرُوْفٍ۔ ''اور نہ آپ کی نافرمانی کریں گی کسی نیکی کے کام میں''۔ اس سے مراد نوحہ کرنا ہے لیکن مرد نوحہ خوانی نہیں کرتے اس لئے یہ قول درست معلوم نہیں ہوتا۔ یَفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ۔

تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، ہم چوری نہیں کریں گے، ہم بدکاری نہیں کریں گے، ہم اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے نہ ہی ہم کسی پر وہ بہتان لگائیں گے جو ہم نے خود گھڑا ہو گا اور کسی بھلائی کے کام میں آپ ﷺ کی مخالفت نہیں کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم نے اس عہد کو پورا کیا تو تمہارے لئے جنت ہے اگر کسی نے گناہ کیا اور اسے اس کا خمیازہ دنیا میں بھگتنا پڑا تو وہ اس کا کفارہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے تمہاری پردہ پوشی فرما دی تو پھر معاملہ اس کے سپرد ہے اگر چاہے تو عذاب دے اور اگر چاہے تو معاف فرما دے''۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور وفد عقبہ

ابن اسحاق کہتے ہیں، جب یہ خوش قسمت لوگ واپس جانے لگے تو حضور ﷺ نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی کو بھیجا۔ آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ انہیں قرآن پڑھائیں۔ انہیں اسلام کی تعلیم دیں۔ دینی مسائل سے آگاہ

''اس سے مراد کذب اور لوگوں کے وہ عیوب بیان کرنا ہیں جو ان میں نہ ہوں اور گناہ کی طرف چل کر جانا ہے''۔ وَ لَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ۔ ''اور نہ آپ کی نافرمانی کریں گی کسی نیکی کے کام میں''۔ معروف سے مراد بھلائی اور خیر ہے۔ معروف کا لفظ تمام مکارم اخلاق کو جامع ہے جن کا حسن و جمال معروف ہو اور دل ان کا انکار نہ کریں۔ یہ معنی عورتوں اور مردوں دونوں کو شامل ہے۔ ابن اسحاق سے یونس کی روایت میں ہے۔ وَلَا تَغْشُشْنَ اَزْوَاجَكُنَّ۔ وہ اپنے خاوندوں سے دھوکا نہیں کریں گی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عورت خاوند کا مال لے اور اس سے دوسرے کی مدد کرے۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی ہجرت

ان کو ''اَلْمُقْرِئُ'' کے نام سے موسوم کیا گیا۔ ان کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ اسلام سے قبل قریش میں سے سب سے زیادہ عیش پسند تھے۔ سب سے زیادہ عطر استعمال کرتے تھے۔ ان کی والدہ ان سے شدید محبت کرتی تھیں۔ جب یہ سوتے تھے تو حیس (کھجور اور ستو سے بنایا گیا ایک کھانا) ان کے سر کے پاس موجود رہتا تھا۔ جب بیدار ہوتے تو اسے کھا لیتے۔ جب اسلام قبول کیا تو شدت تکالیف کی وجہ سے ان کا رنگ متغیر ہو گیا۔ ان کے جسم پر سے گوشت ختم ہو گیا اور وہ انتہائی کمزور ہو گئے۔ جب حضور ﷺ انہیں دیکھتے تو رونے لگتے کیونکہ آپ ﷺ ان نعمتوں اور آسائشوں کو جانتے تھے جو اسلام سے پہلے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو میسر تھیں۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو آپ رضی اللہ عنہ

کریں۔ انہیں مدینہ طیبہ میں ''اَلْمُقْرِئُ'' کہا جاتا تھا۔ ان کی رہائش ابوامامہ اسعد بن زرارہ بن عدس رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ رضی اللہ عنہم نے بیان فرمایا کہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ اہل مدینہ کو نماز پڑھایا کرتے تھے کیونکہ اوس اور خزرج ناپسند کرتے تھے کہ ان میں سے کوئی دوسرے کو امامت کرائے۔

مدینہ طیبہ میں جمعہ کی پہلی نماز

ابن اسحاق نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد محترم حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو مسجد لے جانے کی سعادت حاصل کرتا تھا۔

کی والدہ نے قسم اٹھائی کہ وہ نہ کھائے گی نہ ہی پیئے گی اور نہ ہی سایہ میں بیٹھے گی، حتیٰ کہ اس کا فرزند دلبند اپنے پہلے دین کی طرف لوٹ آئے۔ وہ دھوپ میں اس قدر کھڑی ہوتی کہ بے ہوش ہو کر گر پڑتی۔ اس کے بیٹے اس کا منہ سایہ میں کر دیتے اور اس پر پانی انڈیلتے تاکہ وہ مرنے نہ پائے۔ ہم عنقریب بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کے تذکرہ میں اس کا نسب اور نام ذکر کریں گے۔ حضور ﷺ ان کا تذکرہ یوں کرتے تھے۔ ''میں نے مکہ معظمہ میں کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو بالوں کی زیبائش، لباس کی خوبصورتی اور نعمتوں کی آسائش میں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ سے زیادہ باذوق ہو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ کے خوبصورت اور حسین جوان تھے ان کے والدین ان سے بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ ان کی والدہ انہیں حسین ترین لباس پہناتی تھی۔ یہ مکہ معظمہ کے لوگوں میں سے سب سے زیادہ عطر استعمال کرتے تھے۔ یہ حضرمی جوتے پہنا کرتے تھے''۔

مَنْزَلٌ

مَنْزَلٌ زاء کی فتح سے ہے اسی طرح ہر جگہ اس کتاب میں یہ زاء کی فتح کے ساتھ ہے کیونکہ اس سے مراد مصدر ہے مکان نہیں ہے۔ شیخ ابو بحر نے اسی طرح کہا ہے۔

قیس بنت محصن

ان کا نام حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا تھا۔ یہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں، یہ اپنے چھوٹے بچے کو بارگاہِ رسالت میں لے کر آئیں۔

جمعۃ المبارک کی پہلی نماز

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے مدینہ طیبہ میں نماز

میں جب بھی انہیں نمازِ جمعہ کے لئے لے کر نکلتا وہ اذان سنتے تو حضرت ابوامامہ حضرت اسعد بن زرارۃ رضی اللہ عنہ کے لئے دعا کرتے۔اسی طرح کافی عرصہ گزر گیا۔ وہ جب بھی اذانِ جمعہ

جمعہ پڑھائی دیگر سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ کو سب سے پہلے نمازِ جمعہ پڑھائی کیونکہ مہاجرین میں سے سب سے پہلے وہی مدینہ طیبہ میں ہجرت کر گئے تھے۔ان کے بعد حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ہم نے اس کتاب کے آغاز میں ذکر کیا تھا کہ کعب بن لوئ سب سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کو جمعہ کے دن اکٹھا کیا کرتے تھے۔وہ اس روز خطبہ دیتے، وعظ و نصیحت کرتے، حضور ﷺ کی آمد کی بشارت دیتے اور آپ ﷺ کی اتباع کرنے پر ابھارتے۔انہوں نے سب سے پہلے عروبہ کو ''جمعہ'' کہا تھا۔ ''عروبۃ'' کا معنی رحمت ہے۔

حضرت زبیر بن بکار فرماتے ہیں، قریش مکہ اس روز ان کے پاس جمع ہوتے اور وہ انہیں خطبہ دیتے ہوئے کہتے'' امابعد! خوب جان لو زمین اللہ رب العزت کا بچھونا ہے، پہاڑ میخیں ہیں، آسمان عمارت ہے، ستارے نور و روشنی کا سبب ہیں'' پھر وہ صلہ رحمی کا حکم فرماتے اور حضور ﷺ کے متعلق بشارت دیتے ہوئے کہتے'' اے میری قوم! وہ تمہارا حرم ہے اس کی تعظیم کرو۔عنقریب اس سے ایک عظیم خبر کا ظہور ہوگا۔اس سے نبی کریم ﷺ رونق افروز ہوں گے''۔پھر وہ یہ شعر پڑھتے۔

عَلٰی غَفْلَةٍ یَاْتِی النَّبِیُّ مُحَمَّدٌ فَیُخْبِرُ اَخْبَارًا صَدُوْقٌ خَبِیْرُهَا
صُرُوْفٌ رَاَیْنَاهَا تُقَلِّبُ اَهْلَهَا لَهَا عُقَدٌ مَا یَسْتَحِیْلُ مَرِیْرُهَا

جب قوم غافل ہو جائے گی تو نبی محترم محمد ﷺ تشریف لائیں گے، وہ ایسی خبروں کے متعلق بتائیں گے جن سے آگاہ کرنے والا انتہائی سچا ہوگا۔ہم نے دیکھا کہ حوادثاتِ زمانہ نے لوگوں کو تبدیل کر دیا ہے لیکن ان کی گرہیں ایسی ہوں گی جنہیں کوئی نہیں کھول سکے گا۔

پھر فرماتے۔

یَالَیْتَنِیْ شَاهِدٌ فَحْوَاءَ دَعْوَتِهٖ اِذَا قُرَیْشٌ تَبْغِی الْحَقَّ خِذْلَانَا

کاش میں ان کی عظیم دعوت کو دیکھ سکوں جب قریش حق کو ناجائز جھٹلائیں گے۔

نَقِیْعُ الْخَضَمَاتِ

ابن اسحاق نے اسے ''نَقِیْعُ الْخَضَمَاتِ'' لکھا ہے مگر شیخ ابو بحر کے نسخہ میں یہ ''بَضِیْع'' ہے۔ علامہ البکری نے اسے معجم میں لکھا ہے کہ یہ ''نقیع'' ہے جو جگہ کا نام ہے۔

سنتے حضرت ابوامامہ کے لئے دعا اور استغفار ضرور کرتے۔ میں نے دل میں کہا قسم بخدا اگر میں ان سے اس دعا اور استغفار کے متعلق سوال نہ کروں تو یہ میری بہت بڑی کمزوری ہے۔ میں ایک

هَزْمُ النَّبِيتِ

یہ مدینہ طیبہ سے کچھ مسافت پر ایک پہاڑ ہے حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے نقیع کے غرر کو ناپسند فرمایا ہے۔ اس کی تفسیر علامہ نے یوں کی ہے کہ "نقیع" سے مراد جگہ ہے جبکہ غرز گھاس کی مانند ایک چیز کو کہتے ہیں۔ "خضمات" خضم سے مشتق ہے۔ منہ سے کھانے کو خضم کہا جاتا ہے۔ دانتوں کے کناروں سے کھانے کو قضم کہا جاتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں خشک چیز کھانے کو قضم اور تر چیز کھانے کو خضم کہتے ہیں گویا کہ یہ خَضِمَہ کی جمع ہے۔ خَضِمَہ اس جانور کو کہتے ہیں جو پورے منہ سے کھاتا ہے۔ "بقیع" اس سے قریب تر ہے۔ "بَقِيع خَبْخَبَہ" کا ذکر سنن ابی داوٗد میں ہے۔ "خَبْخَبَۃ" ایک درخت کا نام ہے۔

جمعہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جمعہ پر اجماع اور اس کا نام جمعہ رکھنا حالانکہ پہلے اس کا نام "عروبہ" تھا توفیق الٰہی کی وجہ سے تھا۔ ابھی تک انہیں اس کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ سورۃ الجمعہ کا نزول ہجرت مصطفیٰ ﷺ کے بعد ہوا تھا۔ اس طرح اس کا فرض مستحکم اور اس کا حکم مضبوط ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اس لئے جمعہ کے متعلق فرمایا۔ اَضَلَّتْهُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى وَ هَدَاكُمُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔ یہود و نصاریٰ اسے تلاش کرنے میں ناکام رہے لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہاری اس کی طرف راہ نمائی کر دی۔

حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی مدینہ طیبہ تشریف آوری سے پہلے اور سورۃ الجمعۃ کے نزول سے پہلے اہل مدینہ ایک جگہ جمع ہوئے۔ انہوں نے ہی اس مبارک دن کا نام جمعہ رکھا۔ انصار رضی اللہ عنہم نے کہا۔ "یہودیوں نے سات ایام میں سے ایک دن مقرر کر رکھا ہے، اسی طرح نصاریٰ بھی اپنے معین دن میں ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ ہم بھی ایک دن مقرر کر لیتے ہیں۔ جس میں ہم جمع ہوں گے۔ ہم اللہ کا ذکر کریں گے۔ نماز ادا کریں گے اس کا شکر ادا کریں گے"۔ انہوں نے کہا "سبت (ہفتہ) یہودیوں کے لئے ہے۔ اتوار عیسائیوں کے لئے ہے، تم اپنے لئے عروبہ متعین کر لو"۔ وہ اس دن کو جمعہ کہنے لگے۔ تمام انصار حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر جمع ہوتے وہ انہیں اس دن دو رکعتیں نماز پڑھاتے۔ انہیں پند و نصائح کرتے۔ ان کے لئے ایک بکری ذبح کرتے اور انہیں کھانا بھی پیش کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

روز حسبِ معمول انہیں مسجد کی طرف لے کر نکلا۔ جب انہوں نے اذان سنی تو حضرت ابوامامہ

اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ۔ (جمعہ:۹)

''جب (تمہیں) بلایا جائے نماز کی طرف جمعہ کے دن تو دوڑ کر جاؤ اللہ کے ذکر کی طرف''۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''اگرچہ انصار کی راہ نمائی توفیق خداوندی سے ہی ہوئی تھی لیکن یہ ناممکن ہے کہ انہوں نے یہ اہم کام حضور ﷺ کے اجازت کے بغیر ہی سرانجام دینا شروع کیا ہو۔ امام زہری حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہجرت سے پہلے ہی جمعہ کی اجازت دے دی مگر حضور ﷺ مکہ معظمہ میں نماز جمعہ کے لئے اجتماع نہ کر سکتے تھے اور نہ ہی اس کا اظہار فرمایا۔ آپ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو لکھا۔ ''اما بعد! اپنے لئے ایک دن مختص کرلو جس طرح یہودیوں نے ہفتہ کو مقرر کیا ہے۔ مرد و خواتین کو جمع کرو جب سورج نصف سے مائل ہو جائے تو دو رکعتیں نماز ادا کر کے بارگاہِ خداوندی میں تقرب حاصل کرو''۔ سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے نماز جمعہ پڑھائی پھر حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے، آپ ﷺ نے زوال کے بعد ظہر کے وقت نماز جمعہ پڑھائی۔ حضور ﷺ کے اس فرمان اَضَلَّتْہُ الْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی وَ ھَدَاکُمُ اللّٰہُ اِلَیْہِ۔ کا مفہوم اہل علم یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہودیوں کو حکم دیا گیا کہ ہفتہ کا ایک دن متعین کرو جس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرو۔ اس کی عبادت کرو، انہوں نے اپنی طرف سے ہفتے کے دن کا تعین کیا اور اسے اپنی شریعت کا حصہ بنا دیا۔ اسی طرح نصاریٰ کو بھی حکم دیا گیا انہوں نے اتوار کا دن متعین کیا اور اسے اپنی شریعت میں مختص کرلیا۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہودیوں نے ہفتہ کا دن اس لئے مختص کیا تھا کیونکہ وہ اسے ساتواں دن سمجھتے تھے پھر اپنے کفر کی وجہ سے اس میں یہ اضافہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں آرام کیا، اللہ تعالیٰ ان کے اس بہتان سے بلند و برتر ہے۔ یہودیوں کے نزدیک تخلیق کا آغاز اتوار کے روز سے ہوا تھا اور چھٹا دن جس میں اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمائی وہ جمعہ تھا۔ نصاریٰ کا نقطۂ نظر بھی یہی تھا۔ انہوں نے اپنے لئے اتوار کا دن متعین کرلیا۔ ان کے نزدیک پہلا دن یہی تھا۔ حضور ﷺ نے ان دونوں کو گمراہ فرمایا، آپ ﷺ نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ التُّرْبَۃَ یَوْمَ السَّبْتِ۔ اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے روز مٹی کو پیدا کیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ پہلا دن جس میں اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمائی وہ ہفتہ تھا اور آخری دن جمعرات تھا۔ ابن اسحاق نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ روایت میں ہے کہ جمعہ کو جمعہ اس لئے کہا گیا کیونکہ اس میں حضرت آدم کی تخلیق ہوئی۔ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ انصار اپنے اجتماع کی وجہ سے اس

کے لئے دعا اور استغفار کیا۔ میں نے ان سے کہا'' اے والد محترم! آپ جب بھی اذان سنتے

دن کو جمعہ کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ نام رکھنے کی توفیق دی اور اس مبارک دن کو اختیار کرنے کی ہدایت دی۔ اس میں اس حکمت کے ساتھ موافقت بھی ہے کہ اس روز اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ حضرت آدم کو تخلیق کیا ان میں جنس بشر کی تخلیق کا آغاز کیا اور روزِ حشر اسی دن کو انہیں فناء کرے گا۔ اسی روز قیامت قائم ہوگی۔ اس لئے ضروری تھا کہ یہ دن ذکر و عبادت کے لئے مختص ہوتا کیونکہ اس میں آغاز و انجام کا ذکر ہے۔ ذرا اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف دیکھو۔

فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ؕ (جمعہ)

'' اور دوڑ کر جاؤ اللہ کے ذکر کی طرف اور فوراً چھوڑ دو خرید و فروخت''۔

اس میں بیع (خرید و فروخت) کا ذکر کیا ہے کیونکہ اس میں اس دن کا ذکر کیا جاتا ہے جس میں بیع اور دوستی کسی کام نہ آئے گی۔ پھر یہ وتر ہے اور اللہ تعالیٰ بھی وتر کو پسند کرتا ہے کیونکہ یہ اس کے اسماء میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت مرحومہ کو الہام فرمایا پھر اس پر استحکام نصیب فرمایا کیونکہ اس میں ہی حکمت تھی۔ روزِ حشر یہی امت آخر و سابق ہوگی۔ جس طرح انہوں نے اس دن کو منتخب فرمایا جو یہود و نصاریٰ کے متعین کردہ دن سے پہلے تھا۔ اسی لئے حضور ﷺ اس مبارک دن کو سورۃ السجدہ تلاوت فرماتے تھے۔ حضرت ابوھریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اسی طرح روایت ہے۔ البزار اور ترمذی نے احوص سے اسی طرح روایت کیا ہے کیونکہ اس میں چھ ایام کا ذکر ہے اور اس میں حضرت آدم کا مٹی سے تخلیق ہونے کا بھی تذکرہ ہے جمعہ کے دن کو متعین کرنے میں یہی حکمت کارفرما ہے اور اسی میں دلوں کے لئے نصیحت پذیری ہے۔

حضور ﷺ اس روز دوسری رکعت میں '' هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ '' تلاوت فرماتے تھے کیونکہ اس میں سعی مشکور اور اللہ کی قدر دانی کا ذکر ہے۔ ارشاد ہے وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾ (الدہر) '' اور تمہاری کوششیں مقبول ہوئیں''۔ اس سورت کے آخر میں انسانی تخلیق کا ذکر ہے کہ انسان اس سے قبل کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا، سورۃ الجمعۃ میں فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ؕ فرمایا اور یہ سورۃ تلاوت فرما کر اشارہ فرمایا کہ تمہاری اس سعی کی قدر دانی کی جائے گی۔

حضور ﷺ نمازِ جمعہ میں اکثر سورۃ الغاشیہ تلاوت فرماتے تھے کیونکہ اس میں اس لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿۹﴾ ۔ '' اپنی کاوشوں پر خوش ہوں گے''۔ کا ذکر ہے جس طرح سورۃ الجمعہ میں فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ کا ذکر ہے۔ حضور ﷺ نے دوسری رکعت میں اس سورۃ کو تلاوت کرنا پسند فرمایا جس میں ذکر ہے کہ اہل

ہیں تو حضرت ابوامامہ کے لئے دعا اور استغفار کرتے ہیں"۔ انہوں نے فرمایا اے میرے نورِ نظر! انہوں نے بنو بیاضہ کی سخت زمین میں مقام "هَزْمُ النَبِيْتِ" میں ہمیں سب سے پہلے نمازِ جمعہ

ایمان کی یہ کوشش قابل قدر ہوگی۔

لفظِ جمعہ

جمعہ کا لفظ اجتماع سے نکلا ہے۔ یہ فُعْلَة یا فُعُلَة کے وزن پر ہے کیونکہ یہ قُرْبَہ یا قُرُبَة کے معنی میں ہے۔ اہل عرب اکثر کلمہ کو اس وزن پر بنا لیتے جو اس کے معنی میں ہوتا، وہ عمرہ کہتے اور مسجد حرام کی عمارت سے مشتق قرار دیتے۔ وہ اسے فُعْلَہ کے وزن پر بناتے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وصال اور قربت کا تصور پایا جاتا ہے۔ لغت عرب میں اس کی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ جمعہ کے اجتماع کے لئے اہل عرب "جَمَّعَ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ عید کے دن کے لئے "عَيَّدَ" کا لفظ مستعمل ہوتا ہے اور میدانِ عرفات میں جانے کے لئے "عَرَّفَ" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جمعہ کے علاوہ یہ لفظ بخاری شریف میں ہے۔ اَوَّلُ مَنْ عَرَّفَ بِالْبَصْرَةِ ابْنُ عَبَّاسٍ۔ "بصرہ میں سب سے پہلے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اہل عرفہ جیسے اعمال سرانجام دیئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "میدانِ عرفات" تو مکہ معظمہ میں ہے وہ بصرہ میں موجود ہو کر اس میں قیام کیسے کرتے تھے؟ لیکن اس اثر کا معنی یہ ہے کہ جب وہ یوم عرفہ کو نماز عصر ادا کر لیتے تو وہ دعا، ذکر اور آہ وزاری میں مشغول ہو جاتے اور غروب آفتاب تک اسی طرح کرتے جس طرح اہل عرفہ کرتے ہیں۔

ہفتے کے ایام

ہفتہ کے ایام کے نام رکھنے میں اس شخص کے لئے کوئی دلیل نہیں جو یہ کہتا ہے کہ ہفتہ کا پہلا دن اتوار اور آخری دن ہفتہ ہے جس طرح اہل کتاب کہتے ہیں کیونکہ یہ اجنبی زبان کے نام ہیں، لغت قدیمہ میں ان کے نام شیار، اھون، جبار، دبار، مؤنس اور عروبہ تھے اور اس سے پہلے ان کے نام ابوجاد، ہوز، حُطِیُّ وغیرہ تھے۔ اگر قرآن پاک میں ان کے نام وہ مذکور ہوتے جو عدد سے مشتق ہوتے تو ہم کہتے کہ یہ نام مسمی پر صادق آتے ہیں، حضور ﷺ نے بھی احد اور اثنین وغیرہ بھی اپنی قوم کے رواج کے مطابق ہی بیان فرمائے ہیں ان کے نئے نام نہیں رکھے۔ شاید آپ ﷺ کی قوم نے یہ نام اہل کتاب سے سنے ہوں جو ان کے پڑوسی تھے۔ پھر اپنی زبان میں بھی ان کے یہی نام رکھے ہوں ورنہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ التُّرْبَةَ يَوْمَ السَّبْتِ وَالْجِبَالَ يَوْمَ الْاَحَدِ۔ اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے روز مٹی اور اتوار کے دن پہاڑوں کو تخلیق کیا۔

پڑھائی تھی۔ اس جگہ کو نَقِیعُ الْخَضِمَات کہا جاتا تھا''۔ میں نے عرض کی اس وقت آپ کی تعداد کتنی تھی؟ انہوں نے فرمایا'' ہم تعداد میں چالیس تھے''۔

حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر کا اسلام قبول کرنا

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ، مجھے عبید اللہ بن مغیرہ اور عبداللہ بن ابی بکر بن محمد نے بیان کیا ہے

زیادہ تعجب تو امام الطبری پر ہوتا ہے۔ وہ علم کے بحر بے کراں تھے مگر پھر بھی انہوں نے اس حدیث کے مقتضیٰ کی مخالفت کی۔ انہوں نے ابن اسحاق وغیرہ کا شدت سے رد کیا ہے، انہوں نے یہود کے اس قول کی طرف رجحان رکھا ہے کہ اتوار، پہلا اور جمعہ چھٹا دن ہے۔ یہ وتر نہیں بلکہ ہفتہ کا روز وتر ہے حالانکہ حضور ﷺ کا فرمان پہلے گزر چکا ہے۔ اَضَلَّتْہُ الْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی وَهَدَاکُمُ اللّٰہُ اِلَیْہِ۔ امام الطبری نے ایک اور حدیث سے استدلال کیا ہے لیکن وہ حدیث درست نہیں ہے اور اس میں تاویل کی گنجائش بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں غور وفکر کرو اس دن کو متعین کرنے میں جنس انسانی کی تخلیق کی طرف کیسے اشارہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر کیسی دلیل ہے؟ اگر تو کسی روز جمعہ کے دن میں غور و فکر کرے پھر اس سے پہلے جمعہ میں تفکر کرے اسی طرح پہلے تمام ایامِ جمعہ میں غور وفکر کرے تو تیرا ذہن اس دن کے متعلق سوچے گا جس میں تیرے محترم باپ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی پھر تو جمعہ سے قبل چھ ایام کے متعلق سوچے گا تو تجھے معلوم ہوگا کہ ہفتہ تک ہر روز مخلوقات میں سے کوئی جنس موجود ہو گی۔ پھر اس ہفتہ کے بعد ایسا جمعہ آئے گا جس میں صرف واحد، حمد، وتر کا وجود ہی ہوگا۔ جمعۃ المبارک غور وفکر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت واولیت کی طرف لے جاتا ہے۔ اسی لئے واجب ہے کہ اس روز دل کی توحید کو اللہ تعالیٰ کا ذکر کر کے پختہ کیا جائے۔ ارشادِ ربانی ہے۔ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اس ذکر کو عمل سے مؤکد کیا جائے اور وہ عمل بھی توحید کے معنی کے مشابہ ہو۔ اس طرح وہ اجتماع، مساجد میں سے صرف ایک مسجد میں ہونا چاہیے اور آئمہ میں سے صرف ایک امام کی اقتداء میں ہونا چاہیے۔ وہ امام خطبہ دے گا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی ملاقات کے متعلق بتائے گا۔ اس طرح فعل، قول کے اور قول، عقیدہ کے مطابق ہو جائے گا۔ ان اغراض ومقاصد پر ذرا غور کرو۔ یہ حق کی یاد دلاتی ہیں۔ ہماری بحث قدرے طویل ہوگئی ہے۔ بات سے بات نکلتی رہتی ہے مگر بھلائی میں اضافہ نقصان دہ نہیں ہوتا۔ واللہ المستعان۔

حضرت سعد اور حضرت اسید کا قبولِ اسلام

اہل مکہ نے حضرت سعد کے اسلام سے قبل ایک غیبی صدا سنی کوئی اس طرح کہہ رہا تھا۔

کہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو لے کر باہر آئے، وہ بنوعبد الاشہل اور بنوظفر کے پاس جانا چاہتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ بن نعمان بن امرئ القیس بن زید بن عبد الاشہل حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد تھے۔ حضرت اسعد، حضرت مصعب رضی اللہ عنہما کو بنوظفر کے ایک باغ میں لے گئے۔ ابن ہشام فرماتے ہیں ظفر کا نام کعب بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس تھا۔ حضرت اسعد اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہما بئر مرق پر تشریف لائے۔ مسلمان ان کے پاس جمع ہونے لگے۔ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر بنوعبد الاشہل کے سرداروں میں سے تھے، انہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، جب انہوں نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے متعلق سنا تو حضرت سعد نے حضرت اسید سے کہا تیرا باپ تجھے روئے! ان دونوں کے پاس جاؤ جو ہماری حویلی میں آئے ہیں تاکہ ہمارے کمزور لوگوں کو گمراہ نہ کریں۔ انہیں خوب ڈانٹو اور انہیں منع کرو کہ وہ دوبارہ اس طرف آنے کی جرأت نہ کریں اگر اسعد بن زرارہ میرے رشتہ دار نہ ہوتے تو میں انہیں کافی ہو جاتا۔ وہ میرے خالہ زاد ہیں میں ان کے سامنے نہیں جانا چاہتا۔ حضرت اسید نے اپنا نیزہ لیا اور حضرت اسعد اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہما کی طرف چل پڑے۔ جب حضرت اسعد نے انہیں آتے دیکھا تو حضرت مصعب سے کہنے لگے، آپ کے پاس قوم کا سردار آ رہا ہے۔ اس سے ذات باری تعالیٰ کے متعلق سچ کہنا حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اگر وہ بیٹھ گیا تو میں اس سے بات چیت کروں گا''۔ حضرت اسید ان کے پاس آ کر انہیں سب و شتم کرنے لگے اور کہنے لگے۔ ''کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمارے کمزوروں کو بے وقوف بناؤ۔ اگر

فَاِنْ يُسْلِمِ السَّعْدَانِ يُصْبِحْ مُحَمَّدٌ بِمَكَّةَ لَا يَخْشٰى خِلَافَ الْمُخَالِفِ

''اگر دونوں سعدوں نے اسلام قبول کر لیا تو پھر حضور ﷺ اس حالت میں ہوں گے کہ وہ مکہ معظمہ میں کسی مخالف کی مخالفت سے خوفزدہ نہ ہوں گے''۔ قریش مکہ نے گمان کیا کہ شاید ''سعدان'' سے مراد دو قبیلے سعد بن ھذیم اور سعد بن مناۃ بن تمیم ہیں لیکن انہوں نے دوسرے روز سنا کوئی کہہ رہا تھا۔

فَيَا سَعْدُ سَعْدَ الْاَوْسِ كُنْ اَنْتَ نَاصِرًا وَ يَا سَعْدُ سَعْدَ الْخَزْرَجِ جِيْنَ الْغَطَارِفِ

اَجِيْبَا اِلٰى دَاعِي الْهُدٰى وَ تَمَنَّيَا عَلَى اللّٰهِ فِي الْفِرْدَوْسِ مُنْيَةَ عَارِفِ

اے سعد یعنی قبیلہ اوس کے سعد! تم حضور ﷺ کے معاون بن جاؤ اور اے سعد یعنی سردار اور سخی بنوخزرج کے سردار! تم دونوں اللہ تعالیٰ کے داعی کو لبیک کہو اور اللہ تعالیٰ سے جنت الفردوس کی خواہش کرو

تمہیں اپنی جانوں کی ضرورت ہے تو فوراً یہاں سے چلے جاؤ''۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔'' ذرا بیٹھیں اور چند باتیں تو سنیں۔ اگر کچھ پسند آئے تو قبول کر لینا اور اگر پسند نہ آئے تو اسے رد کر دینا''۔ حضرت اسید نے کہا آپ نے انصاف کی بات کی ہے پھر اپنا برچھا زمین میں گاڑھا اور ان دونوں کے پاس بیٹھ گئے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے انہیں اسلام کی تعلیم دی۔ قرآن پاک سنایا۔ حضرت اسعد اور حضرت مصعب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت اسید کی گفتگو سے پہلے ہی ہم نے ان کے چہرے پر اسلام کا اجالا دیکھ لیا تھا پھر انہوں نے فرمایا'' یہ کلام کتنے حسن و جمال والا ہے۔ جب تم اس دین میں داخل ہونا چاہو تو تم کیا کرتے ہو؟'' انہوں نے کہا'' غسل کرو، پاکیزگی حاصل کرو، اپنے کپڑوں کو صاف کرو، حق کی گواہی دو، پھر نماز ادا کرو''۔ حضرت اسید اٹھے غسل کیا اور اپنے پاکیزہ کپڑے زیب تن کئے، دو رکعت نماز ادا کی پھر حضرت اسعد رضی اللہ عنہ اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہ سے کہا'' میرے پیچھے ایک ایسا شخص ہے اگر اس نے تمہاری اتباع کر لی تو پھر اس کی قوم میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ میں عنقریب اسے تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ اس کا نام سعد بن معاذ ہے'' پھر وہ حضرت سعد اور ان کی قوم کے پاس آئے وہ اپنی محفل میں بیٹھے تھے جب سعد بن معاذ نے حضرت اسید کو آتے دیکھا تو کہا'' اللہ کی قسم! اسید کا چہرہ وہ نہیں ہے جو یہاں سے لے کر گیا تھا''۔ جب حضرت اسید رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے تو حضرت سعد نے ان سے کہا'' تم نے کیا بنایا ہے''۔ انہوں

کافر کا اسلام قبول کرتے وقت غسل کرنا

ابن اسحاق نے حضرت سعد اور حضرت اسید رضی اللہ عنہما کے متعلق ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے غسل کیا۔ ہر کافر کے لئے سنت ہے کہ جب وہ اسلام قبول کرنا چاہے تو غسل کرے۔ علماء کا اختلاف ہے کہ اس وقت اس کافر کی نیت کیا ہوگی؟ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کی نیت جنابت کی گندگی کو دور کرنا ہوگی۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ وہ عبادت کی نیت کرے گا۔ اس کے حق میں جنابت کا حکم نہیں ہے کیونکہ اس کا حکم نماز کی اباحت کے لئے ہے جب پہلی شرط'' ایمان'' ہی نہیں ہے تو پھر لازم ہے کہ دوسری شرط جنابت سے غسل بھی نہ ہو۔ جب کافر نے اسلام قبول کر لیا تو اسلام نے اس کے پہلے تمام گناہ معاف کرا دے کسی گزری ہوئی نماز کا اعادہ اس پر واجب نہ رہا۔ جب نمازیں ساقط ہو گئیں تو اس کی شروط بھی ساقط ہو گئیں، شریعت کے احکام نئے سرے سے لاگو ہوں گے۔ جب اس نے اسلام قبول کر لیا تو نمازیں اپنی شروط مثلاً وضوء اور جنابت وغیرہ کے ساتھ واجب

نے کہا'' میں نے ان دونوں سے گفتگو کی ہے مجھے کوئی خطرہ نظر نہیں آیا۔ میں نے ان دونوں کو منع کر دیا ہے، انہوں نے وعدہ کیا ہے۔'' ہم وہی کریں گے جو تم پسند کرو گے''۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بنو حارثہ حضرت اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے کے لئے چلے گئے ہیں انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ وہ آپ کا خالہ زاد ہے وہ انہیں قتل کر کے آپ کو اذیت دینا چاہتے ہیں''۔ یہ سن کر حضرت سعد جلدی جلدی کھڑے ہو گئے۔ وہ حضرت اسید کی بات سن کر انتہائی غصے میں تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ میں برچھا لیا اور کہا'' قسم بخدا! تم نے مجھے کوئی فائدہ نہیں دیا''۔ پھر وہ حضرت مصعب اور حضرت اسعد کی طرف گئے۔ انہوں نے انہیں دیکھا وہ انتہائی مطمئن اور پر سکون تھے، حضرت سعد فوراً سمجھ گئے کہ حضرت اسید کا ارادہ ہے کہ میں بھی ان دونوں کی گفتگو سنوں۔ وہ انہیں سب وشتم کرتے ہوئے ان کے سامنے کھڑے ہو گئے پھر حضرت اسعد کو مخاطب کر کے کہنے لگے'' اے ابو امامہ! اگر میرے اور تمہارے مابین قربت نہ ہوتی تو پھر تم اس کا ارادہ کبھی نہ کر سکتے۔ کیا تم ہمارے گھر میں ہی ہم پر وہ چیز مسلط کرنا چاہتے ہو جسے ہم پسند نہیں کرتے؟'' حضرت اسعد رضی اللہ عنہ نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ سے پہلے ہی فرما دیا تھا'' اے مصعب! آپ کے پاس وہ سردار آ رہا ہے جسے اس کی قوم کا پورا پورا تعاون حاصل ہے۔ اگر اس نے تمہاری بات مان لی تو پھر اس کی قوم کے دو افراد بھی پیچھے نہ رہیں گے''۔ حضرت مصعب نے حضرت سعد سے کہا'' کیا بیٹھ کر ہماری بات نہیں سنیں گے۔ اگر وہ بات تمہیں پسند آئے اور تمہارا میلان اس جانب ہو تو اسے قبول کر لینا اور اگر تمہیں پسند نہ آئے تو اسے ترک کر دینا''۔ حضرت سعد نے فرمایا'' تم نے سچ کہا ہے، اپنا برچھا ایک سمت گاڑھا اور بیٹھ گئے۔ حضرت مصعب نے ان پر اسلام پیش کیا۔

ہو گئیں۔ اب وہ اگر جنبی ہو گا تو اسے غسل کرنا ہو گا۔ بعض متاخر علماء سے میں نے سنا ہے کہ اس کا غسل سنت ہو گا فرض نہیں لیکن میرے نزدیک یہ نقطۂ نظر واضح نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (توبہ: ۲۸)'' مشرکین تو نرے ناپاک ہیں''۔ اور نجاست کا حکم طہارت سے اٹھ جاتا ہے۔ کفار پر جنابت کی وجہ سے تنجیس کا حکم نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ اس نجاست کا حکم شرک کی صفت سے معلق ہے۔ وہ حکم جو کسی صفت سے معلل ہوتا ہے وہ اسی کے ساتھ مربوط ہوتا ہے جب شرک کا حکم ایمان سے اٹھ گیا تو پھر جنابت کا حکم باقی نہیں رہے گا، مثلاً جب کوئی مسلمان جنبی ہو پھر وہ پیشاب بھی کر دے تو جنابت سے طہارت حدثِ اصغر کے حکم کو رفع کر دیتی ہے کیونکہ طہارت صغریٰ، طہارت کبریٰ میں شامل ہے اس لئے ضروری ہے طہارت کبریٰ، طہارت صغریٰ سے مستغنی ہو۔ جس طرح جنابت سے طہارت،

قرآن پاک کی تلاوت کی۔ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ ہم نے پہلے ہی ان کے رونق افزاء چہرے سے ان کے ایمان کا اندازہ لگا لیا تھا۔ حضرت سعد نے کہا ''جب تم اسلام قبول کرتے ہو اور اس دین میں داخل ہوتے ہو تو تم کیا کرتے ہو؟'' انہوں نے کہا '' آپ غسل کریں، پاکیزگی حاصل کریں، صاف لباس پہنیں، حق کی گواہی دیں پھر دو رکعت نماز ادا کریں''۔ حضرت سعد اٹھے، غسل کیا اپنے کپڑے صاف کیے۔ حق کی گواہی دی پھر دو رکعت نماز ادا کی پھر اپنا برچھا لیا اور اپنی قوم کی مجلس کی طرف آنے لگے۔ ان کے ہمراہ حضرت اسید بن حضیر بھی تھے۔

جب آپ کی قوم نے آپ کو آتے دیکھا تو کہنے لگے ''اللہ کی قسم! سعد تمہارے پاس وہ چہرہ لے کر نہیں آرہے جس چہرے کے ساتھ وہ یہاں سے گئے تھے''۔ حضرت سعد اپنی قوم کے سامنے کھڑے ہو گئے اور فرمایا '' اے بنو عبدالاشہل! تم میں میری حیثیت کیا ہے؟ انہوں نے کہا '' تم ہمارے سردار، رائے کے اعتبار سے افضل اور عقل کے اعتبار سے دانا ہو''۔ حضرت سعد نے فرمایا '' تمہارے مردوں اور عورتوں سے، میرے لئے گفتگو کرنا اس وقت حرام ہے حتیٰ کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ''۔ حضرت مصعب اور حضرت اسعد رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ قسم بخدا! شام تک بنو عبدالاشہل کے تمام مرد و خواتین اسلام قبول کر چکے تھے۔ حضرت اسعد اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہما حضرت اسعد بن زرارہ کے گھر آ گئے اور لوگوں کو دین حق کی دعوت دینے لگے۔ انصار کے تمام گھروں کے مرد و خواتین حلقہ بدوش اسلام ہو چکے تھے مگر بنو امیہ بن زید، خطمہ، وائل اور واقف اسلام کی سعادت سے محروم رہے۔ یہ اوس اللہ کہلاتے تھے یہ بنو اوس بن حارثہ میں سے تھے۔ ان کا شاعر اور قائد ابو قیس بن الاسلت تھا وہ اس کی بات غور سے سنتے تھے اور اس کی پیروی کرتے تھے۔ اس نے انہیں اسلام سے روکے رکھا۔ حتیٰ کہ حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے اور غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ خندق بھی گزر گئے۔ جب ابن

حدث سے طہارت سے مستغنی ہوتی ہے جبکہ ان دونوں طہارتوں میں سے کوئی ایک طہارت بھی عین نجاست کو زائل کرنے والی نہیں ہے۔ اس بحث کے بعد یہی واضح ہوتا ہے کہ کافر کو غسل کا حکم عبادت کے لئے ہوا اور یہ حکم فرض کے حکم میں نہ ہو۔ امام ترمذی نے حضرت قیس بن عامر سے روایت کیا ہے کہ جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو حضور ﷺ نے انہیں غسل کرنے کا حکم دیا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں اس حدیث مبارک کو پیش نظر رکھتے ہوئے علماء فرماتے ہیں کافر کے لئے مستحب ہے کہ وہ اسلام لاتے وقت غسل کرے اور کپڑے دھوئے۔ لہٰذا یہ مستحب ہے۔

الاسلت کو اسلام میں صداقت نظر آئی اور لوگوں نے اس سے اختلاف کیا تو اس نے کہا۔

أَرَبَّ النَّاسِ اَشيَاءُ اَلَمَّتْ يُلَفُّ الصَعْبُ مِنهَا بِالذَّلُوْلِ
أَرَبَّ النَّاسِ اَمَّا اِذْ ضَلَلْنَا فَيَسِّرْنَا لِمَعْرُوْفِ السَبِيْلِ
فَلَوْلَا رَبُّنَا كُنَّا يَهُوْدًا وَ مَا دِيْنُ الْيَهُوْدِ بِذِي شُكُوْلِ
وَ لَوْ لَا رَبُّنَا كُنَّا نَصَارٰى مَعَ الرُّهْبَانِ فِي جَبَلِ الْجَلِيْلِ
وَ لٰكِنَّا خُلِقْنَا اِذْ خُلِقْنَا حَنِيْفًا دِيْنُنَا عَنْ كُلِّ جِيْلِ
نَسُوْقُ الْهَدْيَ تَرْسُفُ مُذْعِنَاتٍ مُكَشَّفَةَ الْمَنَاكِبِ فِي الْجُلُوْلِ

اے لوگوں کے پروردگار! چند اشیاء باہم مل گئی ہیں ان سے مشکلات آسانیوں سے مل گئی ہیں۔ اے لوگوں کے پروردگار! اگر ہم گمراہی کے رستے پر ہیں تو تو ہمارے لئے نیکی کی راہ کو آسان بنا۔ اگر ہمارا رب ہماری دستگیری نہ کرتا تو ہم یہودی ہوتے۔ حالانکہ یہودیوں کے دین کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر ہمارا مولا ہماری راہ نمائی نہ کرتا تو ہم عیسائی ہوتے اور کوہِ جلیل میں راہبوں کے ساتھ خلوت گزیں ہو جاتے لیکن جب ہمیں پیدا کیا گیا تو ہمیں ایک الگ دین والے ہی پیدا کیا گیا۔ ہمارا دین تمام لوگوں سے جدا ہے۔ ہم قربانی کے جانور لے کر چلتے ہیں۔ وہ ان جانوروں کی مانند آہستہ آہستہ چلتے ہیں جن کے پاؤں بندھے ہوں جھولوں میں ان کے بازو منکشف ہوتے ہیں۔

بِذِي شُكُوْلِ

شُکول، شَکل کی جمع ہے۔ شَکل کسی چیز کی مثل کو کہتے ہیں جبکہ شِکل حسن و جمال کو کہتے ہیں۔ ابن اسلت کے شعر کا مفہوم یہ ہے کہ یہودیوں کا دین ایک بدعت بن چکا ہے۔ اس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی کوئی نیک کام ان کی تائید کرتا ہے۔

الطائی نے کہا ہے:

وَ قُلْتُ اَخِي قَالُوْا آخٌ مِنْ قَرَابَةٍ فَقُلْتُ لَهُمْ اِنَّ الشُّكُوْلَ اَقَارِبُ
قَرِيْبِيْ فِي رَاْيِي وَ دِيْنِيْ وَ مَذْهَبِي وَ اِنْ بَاعَدَتْنَا فِي الْخُطُوْبِ الْمُنَاسِبُ

میں نے پوچھا کیا بھائی ہے انہوں نے کہا قرابت داری میں بھائی ہے، میں نے ان سے کہا شکلیں تو بہت ملتی ہیں تو میری رائے، مذہب اور دین میں میرا بھائی ہے اگرچہ نسب کے معاملات میں تو ہم سے بہت دور ہے۔

بیعت عقبہ ثانیہ

ابن اسحاق کہتے ہیں، پھر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ واپس لوٹ آئے۔ انصار بھی دیگر مشرکین کے ہمراہ ایامِ حج میں مکہ معظمہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔ وہ مکہ مقدسہ میں پہنچ گئے اور ایام تشریق کے وسط میں ''عقبہ'' کے مقام پر حضور ﷺ سے عہد کیا یہ اس وقت کی بات ہے جب اللہ تعالیٰ نے انصار کے سروں پر عزت وکرامت کا تاج سجانا چاہا۔ اپنے نبی محترم ﷺ کی تائید اور اسلام کو غلبہ عطا فرمانا چاہا۔ اہل شرک کو رسوا کرنے کا ارادہ کیا۔

حضرت براء بن معرور اور ان کی نماز

ابن اسحاق کہتے ہیں معبد بن کعب بن ابی بن کعب بن قین نے مجھے بیان کیا ہے کہ ان کے بھائی عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ انصار کے بہت بڑے عالم تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد محترم نے انہیں بیان کیا ہے۔ ان کے والد محترم حضرت کعب رضی اللہ عنہ ان خوش نصیبوں میں سے تھے جو عقبہ میں حضور ﷺ سے ملے تھے اور آپ ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کی تھی۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہم اپنی قوم کے ان مشرکوں کے ساتھ عازم سفر ہوئے۔ ہم نماز بھی پڑھتے رہے اور دین کے مسائل بھی سیکھتے رہے۔ ہمارے درمیان حضرت براء بن معرور بھی تھے وہ ہمارے سردار اور ہم میں سے بڑے تھے۔ جب ہم مدینہ طیبہ سے باہر نکلے اور اپنے سفر پر عازم ہوئے تو حضرت براء رضی اللہ عنہ نے ہم سے کہا۔ '' اے میرے ہم سفرو! میرا ایک مشورہ ہے میں نہیں جانتا کہ تم میری مخالفت کرو گے یا موافقت۔ ہم نے کہا وہ کیا

اَلْجَلِیْلُ

شام کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا نام ہے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ کا نماز میں قبلہ رو ہونا

حضرت براء رضی اللہ عنہ تمام راستہ میں بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے جبکہ آپ رضی اللہ عنہ کے دیگر ہم سفر بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے رہے، حضور ﷺ نے حضرت براء سے فرمایا، قَدْ كُنْتَ عَلٰى قِبْلَةٍ لَوْ صَبَرْتَ عَلَيْهَا۔ تم ایک قبلہ پر تھے کاش کہ تم صبر کر لیتے۔ حضور ﷺ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ کو وہ نمازیں قضاء کرنے کا حکم نہ دیا تھا جو انہوں نے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھیں تھیں کیونکہ انہوں نے اس میں تاویل کی تھی۔

ہے؟ انہوں نے کہا "میں پسند نہیں کرتا کہ میں اس عظیم عمارت خانہ کعبہ کی طرف پشت کروں، میں اس کی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا چاہتا ہوں"۔ ہم نے کہا "ہمیں تو حضور ﷺ سے یہی روایت پہنچی ہے کہ آپ ﷺ شام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، ہم آپ ﷺ کی مخالفت نہیں کرنا چاہتے"۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں تو کعبہ معظمہ کی طرف ہی منہ کر کے نماز پڑھوں گا لیکن ہم نے انکار کر دیا جب نماز کا وقت ہوتا تو ہم شام کی طرف منہ کر لیتے اور حضرت براء رضی اللہ عنہ قبلہ رو ہو جاتے حتیٰ کہ ہم مکہ معظّمہ پہنچ گئے۔ ہمیں حضرت براء رضی اللہ عنہ کا یہ فعل بڑا معیوب لگتا تھا لیکن وہ اسی پر ہی مصر تھے۔ مکہ معظّمہ پہنچ کر انہوں نے مجھ سے کہا "اے بھتیجے! آؤ ہم حضور ﷺ سے ملاقات کرنے جاتے ہیں اور ہم آپ ﷺ سے اس فعل کے متعلق بھی پوچھیں گے جو میں نے راستہ میں کیا ہے جب میں نے تمہیں اپنا مخالف دیکھا ہے تو میرے دل میں شکوک وشبہات پیدا ہوئے ہیں"۔ ہم حضور ﷺ کی جستجو میں نکلے، ہم نے آپ ﷺ کی پہلے زیارت نہ کی تھی۔ ہم مکہ معظّمہ کے ایک باشندے سے ملے اس سے حضور ﷺ کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا کیا تم آپ ﷺ کو جانتے ہو، ہم نے کہا نہیں، اس نے پوچھا کیا "تم حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو جانتے ہو"۔ ہم نے کہا ہاں ہم

حضور ﷺ کا قبلہ

اس روایت میں دلیل ہے کہ حضور ﷺ مکہ معظّمہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایک طائفہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ حضور نے مدینہ طیبہ میں صرف سترہ یا سولہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اس طرح قبلہ میں دو نسخ ہوں گے۔ ا۔ سنت کا نسخ سنت کے ساتھ۔ ۲۔ اور سنت کا نسخ قرآن کے ساتھ لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت حدیث اس مسئلہ کے خلاف ہے۔ ان سے کئی اسناد سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ مکہ معظمہ میں نماز ادا فرماتے تو بیت المقدس کی طرف منہ کرتے آپ ﷺ کعبہ مقدسہ کو اپنے اور بیت المقدس کے درمیان رکھتے تھے۔ جب آپ ﷺ دونوں قبلوں کی طرف منہ کرتے تھے تو اس میں لوگوں کے لئے یہ ظاہر نہ تھا۔ آپ ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کرتے ہیں حتیٰ کہ آپ ﷺ مکہ معظمہ سے تشریف لے گئے۔ قبلہ کو منسوخ کرنے والی آیت یہ ہے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (البقرہ: ۱۵۰)

"اور جہاں سے بھی آپ (باہر) نکلیں تو موڑ لیا کریں (نماز کے وقت) اپنا رخ مسجد حرام کی طرف"۔

حضرت عباس کو جانتے ہیں وہ بحیثیت تاجر ہمارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس شخص نے کہا جب تم مسجد میں جاؤ گے تو جو ذات حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھی ہوگی وہ حضور ﷺ ہی ہوں گے۔ جب ہم مسجد میں داخل ہوئے تو مسجد میں حضرت عباس بیٹھے ہوئے تھے ان کے پاس حضور ﷺ بھی موجود تھے۔ ہم آپ ﷺ کو سلام عرض کرنے کے بعد بیٹھ گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے عباس! ''کیا تم ان دو افراد کو جانتے ہو'' انہوں نے کہا'' ہاں! یہ براء بن معرور ہیں جو اپنی قوم کے سردار ہیں اور یہ کعب بن مالک ہیں۔ حضرت کعب فرماتے تھے قسم بخدا! مجھے آپ ﷺ کا یہ فرمانا کبھی نہیں بھولے گا۔'' وہ کعب بن مالک جو شاعر ہیں'' انہوں نے عرض کی'' ہاں''! حضرت براء رضی اللہ عنہ نے عرض کی'' یا رسول اللہ! ﷺ جب میں اس سفر پر روانہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق دے دی۔ میں نے اس مبارک عمارت'' بیت اللہ'' کی طرف پشت کرنا مناسب نہ سمجھا۔ میں اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا رہا میرے ساتھی میری مخالفت کرتے رہے حتیٰ کہ میرے دل میں شکوک وشبہات پیدا ہو گئے۔ حضور ﷺ! اس ضمن میں آپ ﷺ کی رائے کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا۔ قَدْ

یعنی آپ ﷺ جس سمت سے بھی نماز ادا کرنے کے لئے آئیں تو آپ ﷺ خانہ کعبہ کی طرف منہ کر لیں خواہ بیت المقدس آپ ﷺ کے پیچھے ہو یا نہ ہو کیونکہ آپ ﷺ مکہ معظمہ میں یہ کوشش فرماتے تھے کہ خانہ کعبہ آپ ﷺ اور بیت المقدس کے مابین ہو پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی امت سے فرمایا۔ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ (البقرہ: ۱۴۴)'' (اے مسلمانو) جہاں کہیں تم ہو پھیر لیا کرو اپنے منہ اس کی طرف''۔ امت کو'' حَيْثُمَا خَرَجْتُمْ'' نہیں فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ مسلمانوں کے امام تھے۔ آپ ﷺ انہیں امامت کرانے کے لئے تشریف لاتے تھے۔ اس لئے آپ ﷺ پر نماز کی طرف خروج واجب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے'' خروج'' کا لفظ صرف آپ ﷺ کے لئے مختص فرمایا۔ یہ حکم کسی اور کے لئے اس طرح نہ تھا۔ اگر خروج کا لفظ امت کے لئے بھی استعمال کیا جاتا تو پھر یہ لفظ عورتوں اور ان لوگوں کے خروج کا تقاضا کرتا جن پر جماعت واجب نہ ہوتی۔ اللہ رب العزت نے تین آیات میں خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ تحویل قبلہ کے منکرین کے تین گروہ تھے۔ ا۔ یہودی۔ ان کے مذہب میں نسخ بالکل ہی نہ تھا۔ ۲۔ منافق اور مشکوک۔ ان کا انکار سب سے زیادہ شدید تھا۔ ۳۔ قریش مکہ۔ یہ کہتے تھے محمد ﷺ ہمارے دین کو ترک کر کے نادم ہوئے ہیں۔ وہ عنقریب ہمارے دین کی طرف لوٹ آئیں گے جس طرح وہ ہمارے

كُنْتَ عَلٰى قِبْلَةٍ لَوْ صَبَرْتَ عَلَيْهَا۔ ''تم ایک قبلہ پر تھے تم اسی پر ہی صبر کر لیتے''۔ یہ سن کر حضرت براء رضی اللہ عنہ بھی حضور ﷺ کے قبلہ کی طرف لوٹ آئے اور ہمارے ساتھ شام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ ان کے اہل وعیال کا یہ زعم تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ تا دم وصال کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے لیکن ان کا یہ قول درست نہیں۔ ہم انہیں ان سے زیادہ جانتے تھے'' ابن ہشام کہتے ہیں عون بن ایوب بن انصاری کہتے تھے۔

وَ مِنَّا الْمُصَلِّي اَوَّلَ النَّاسِ مُقْبِلًا عَلٰى كَعْبَةِ الرَّحْمٰنِ بَيْنَ الْمَشَاعِرِ

اللہ تعالیٰ کے مشاعر کے مابین کعبہ مقدسہ کی طرف منہ کرنے والا شخص ہم میں سے ہی تھا۔

قبلے کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ اس سے قبل وہ اسی سے حضور ﷺ کے خلاف دلیل پکڑتے تھے۔ وہ کہتے تھے محمد ﷺ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی ملت کی طرف بلاتے ہیں لیکن انہوں نے ان کے قبلہ کو ترک کر دیا ہے اور یہودیوں کے قبلہ کو اس پر ترجیح دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ (البقرہ: ۱۵۰)

''تا کہ نہ رہے لوگوں کو تم پر اعتراض (کی گنجائش) بجز ان لوگوں کے جو ناانصافی کریں ان سے''

اس آیت میں استثناء منقطع ہے یعنی وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا نہ لوٹیں گے اور نہ ہی ہدایت پا سکیں گے۔ ارشاد فرمایا۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (البقرہ)

''یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے تو ہرگز نہ بن جانا شک کرنے والوں سے''۔

یعنی میں نے آپ ﷺ کو جو بیت اللہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ حق ہے سابقہ انبیاء کرام کا بھی یہی قبلہ تھا۔ شک میں مبتلا نہ ہوں۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ (البقرہ: ۱۴۴)

''اور بے شک وہ جنہیں کتاب دی گئی ضرور جانتے ہیں کہ یہ حکم برحق ہے''۔

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۔ (البقرہ)

''اور بے شک ایک گروہ ان میں سے چھپاتا ہے حق کو جان بوجھ کر''۔

وہ اپنے علم کو چھپاتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ خانہ کعبہ سابقہ انبیاء کا بھی قبلہ تھا۔ ابوداؤد السنجری نے اپنی کتاب ''ناسخ ومنسوخ'' میں ابن شہاب سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ سلمان بن

اس سے شاعر کی مراد حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام کا اسلام لانا

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے معبد بن کعب نے بیان کیا ہے وہ اپنے بھائی عبداللہ بن کعب سے اور وہ حضرت کعب بن مالک سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا۔ ''پھر ہم ادائیگی حج کے لئے چلے گئے۔ ہم نے ایام تشریق کے وسط میں حضور ﷺ سے ملاقات کرنے کا وعدہ کیا۔ جب ہم حج سے فارغ ہوئے تو وہ رات بھی آ گئی جس کا وعدہ حضور ﷺ نے ہم سے کیا تھا۔ ہمارے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو بھی تھے وہ ہمارے سرداروں اور راہ نماؤں میں سے تھے۔

عبدالملک ایلیاء کا اتنا احترام نہ کرتے تھے جتنا احترام ان کے گھر والے کرتے تھے۔ میں ایک سفر میں ان کے ساتھ تھا اس وقت وہ ولی عہد تھے۔ ان کے ساتھ خالد بن یزید بن معاویہ بھی تھا۔ سلیمان نے کہا جس قبلہ کی طرف مسلمان اور نصاریٰ منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اس پر تعجب ہے۔ خالد بن یزید نے کہا میں نے وہ کتاب بھی پڑھی ہے جو حضور ﷺ پر نازل ہوئی۔ میں نے تورات بھی پڑھی ہے۔ یہودیوں نے اس کتاب میں اس کے متعلق کچھ نہیں پایا تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل کی تھی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سکینہ کا تابوت ''الصخرہ'' پر تھا جب اللہ تعالیٰ بنو اسرائیل پر ناراض ہوا تو اس نے وہ تابوت اٹھا لیا۔ انہوں نے باہمی مشاورت کر کے یہ طے کیا کہ وہ اپنی نماز میں منہ اس ''الصخرہ'' کی طرف کریں گے۔ ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی نے ابو عالیہ سے قبلہ کے متعلق مناظرہ کیا۔ ابوالعالیہ نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام ''الصخرۃ'' کے پاس نماز پڑھتے تھے ان کا منہ بیت الحرام کی طرف ہوتا تھا۔ کعبہ ان کا قبلہ تھا۔ ''صخرہ'' ان کے درمیان ہوتی تھی۔ یہودی نے کہا میرے اور آپ کے درمیان حضرت صالح علیہ السلام کی مسجد فیصلہ کرے گی۔ حضرت ابو العالیہ نے فرمایا میں نے حضرت صالح کی مسجد میں نماز ادا کی ہے۔ ان کا قبلہ خانہ کعبہ تھا۔ انہوں نے کہا میں نے حضرت ذوالقرنین کی مسجد بھی دیکھی ہے ان کا قبلہ بھی خانہ کعبہ ہے۔

روایت ہے کہ حضور ﷺ حضرت جبرائیل سے فرماتے تھے میری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے یہودیوں کے قبلہ سے پھیر دے۔ حضرت جبرائیل نے فرمایا میں عبد مامور ہوں۔ روایت ہے کہ جب آپ ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تو آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دے دے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ (البقرہ: ۱۴۴)

ہم نے انہیں بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ ہم اپنے اس معاملہ کو اپنی مشرک قوم سے چھپا رہے تھے۔ ہم نے حضرت عبداللہ سے کہا ''اے ابو جابر! آپ ہمارے سرداروں اور راہ نماؤں میں سے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ آپ کل آتش جہنم کا ایندھن بنیں''۔ پھر ہم نے انہیں اسلام کی طرف دعوت دی اور حضور ﷺ سے ملاقات کرنے کے متعلق بتایا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور ہمارے ہمراہ عقبہ میں تشریف لے گئے۔ وہ بارہ نقیبوں میں سے ایک تھے۔

بیعت کرنے والی دو خوش نصیب خواتین

ہم اس رات اپنے کجاوؤں میں سو گئے۔ جب رات کا تیسرا حصہ گزر گیا تو ہم حضور ﷺ سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے کے لئے نکل آئے۔ ہم چھپتے چھپاتے قطا کی طرح کھسک آئے۔ عقبہ کے پاس ہم ایک گھاٹی میں جمع ہو گئے۔ ہم تہتر مرد تھے ہمارے ساتھ دو خواتین بھی تھیں۔ ۱۔ حضرت نسیبہ بن کعب۔ ام عمارہ۔ ان کا تعلق بنو مازن بن نجار سے تھا۔ ۲۔ حضرت اسماء بنت عمرو بن عدی بن نابی۔ یہ ام منیع تھیں اور ان کا تعلق بنو سلمہ سے تھا۔

حضرت عباس اور انصار

حضرت کعب فرماتے ہیں ''ہم اس گھاٹی میں بیٹھ کر حضور ﷺ کا انتظار کرنے لگے۔ حضور ﷺ وہاں تشریف لے آئے، آپ ﷺ کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے اس وقت وہ اپنی قوم کے دین پر تھے مگر انہوں نے پسند کیا کہ وہ اپنے بھتیجے کے ساتھ اس معاملہ

حضرت ام عمارہ اور حضرت ام منیع رضی اللہ عنہما

حضرت ام عمارۃ رضی اللہ عنہا سے مراد نسیبہ بنت کعب ہیں وہ حضرت زید بن عاصم رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ یہ بیعت عقبہ، بیعت رضوان اور یمامہ کے دن حاضر ہوئیں۔ انہوں نے بذاتِ خود جہاد کیا۔ انہوں نے مسیلمہ کذاب کے ساتھ جنگ میں اپنے بیٹے عبداللہ کو شریک کیا۔ اس جنگ میں ان کے ہاتھ کٹ گئے۔ انہیں بارہ زخم آئے، اس کے بعد وہ تا دیر بحیات رہیں۔ لوگ اپنے مریض لے کر ان کے پاس حاضر ہوتے۔ وہ اپنا خشک ہاتھ مریضوں پر پھیرتیں اور ان کے لئے دعا کرتیں۔ اللہ تعالیٰ مریضوں کو شفا عطا فرما دیتا۔

دوسری صحابیہ کا نام حضرت اسماء بنت عمرو ام منیع تھا۔ ابن اسحاق نے ان کا نسب لکھا ہے روایت کیا جاتا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کی ''یا رسول اللہ! ﷺ تمام سعادتیں تو مرد لے گئے ہیں

میں شریک ہوں اور آپ ﷺ کے لئے معاہدہ کی توثیق کریں۔ جب حضور ﷺ تشریف فرما ہو گئے تو سب سے پہلے گفتگو کا آغاز حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کیا انہوں نے کہا "اے گروہ خزرج! محمد ﷺ ہم میں کس حیثیت کے مالک ہیں تم خوب جانتے ہو۔ ہم نے بھرپور ان کا تحفظ کیا ہے۔ ہمارے اس تحفظ میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو آپ کے متعلق رائے میں ہم سے متفق نہ تھے۔ یہ اپنی قوم میں معزز اور اپنے شہر میں محفوظ ہیں۔ یہ تمہارے پاس ہی جانا چاہتے ہیں۔ وہ تم سے ہی ملنا چاہتے ہیں۔ اگر تم محسوس کرتے ہو کہ تم ان سے کئے گئے عہد کو نبھا سکو گے۔ مخالفین سے آپ ﷺ کا تحفظ کر سکو گے۔ تو پھر یہ بارگراں تمہیں مبارک ہو، اور اگر تم سمجھتے ہو کہ تم انہیں ہجرت کے بعد دشمن کے سپرد کر دو گے، اور انہیں رسوا کرو گے تو پھر ابھی سے ہی انہیں چھوڑ دو۔ یہ اپنی قوم اور اپنے شہر میں مکرم و محفوظ ہیں"۔ ہم نے حضرت عباس نے کہا "ہم نے آپ کی بات سن لی ہے۔ یارسول اللہ ﷺ آپ فرمائیں کہ آپ ﷺ اپنے لئے اور اپنے رب کے لئے کیا پسند فرمائیں گے"۔

حضور ﷺ کا انصار سے معاہدہ

پھر حضور ﷺ محو کلام ہوئے۔ آپ ﷺ نے قرآن پاک کی تلاوت کی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔ اسلام کی ترغیب دی پھر فرمایا۔ "میں تمہیں اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ تم

عورتوں کیلئے کیا بچا ہے؟ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ (الاحزاب: ۳۵)

حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ

حضرت براء رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اپنا ہاتھ حضور ﷺ کے دست اقدس پر رکھا اور بیعت کی۔ انہوں نے عرض کی لَنَمْنَعَنَّكَ مِمَّا نَمْنَعُ مِنْهُ اُزُرَنَا۔ اُزُرَنَا سے مراد نِسَاءَ نَا ہے۔ اہل عرب ازار بول کر عورت مراد لیتے تھے اور ازار سے نفس مراد بھی لے لیتے تھے وہ کپڑے بول کر کپڑے پہننے والا بھی مراد لیتے تھے۔ شاعر کہتا ہے۔

رَمَوْهَا بِاَثْوَابٍ خِفَافٍ فَلَا تَرٰى ۔۔۔ لَهَا شَبَهًا اِلَّا النَّعَامَ الْمُنَفَّرَا

انہوں نے انہیں ہلکے پھلکے جسموں کے ساتھ پھینک دیا تجھے ان کے لئے بھاگے ہوئے شتر مرغ کے علاوہ اور کوئی تشبیہ مناسب نہیں لگے گی۔

اَثْوَابٌ خِفَافٌ سے مراد اَبْدَانٌ خِفَافٌ ہے۔ اُزُرَنَا میں دو احتمال ہو سکتے ہیں۔ ا۔ اہل خانہ جس طرح کہ ایک مجاہد نے میدانِ جنگ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا جس میں اس نے

میری حفاظت ہر اس چیز سے کرو جس سے تم اپنی خواتین اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔
"حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے دست اقدس کو پکڑا اور عرض کی بالکل یا رسول اللہ ﷺ! لَنَمنَعَنَّكَ مِمَّا نَمنَعُ مِنهُ اُزُرَنَا فَبَايِعنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ۔ یا رسول اللہ! ﷺ ہم آپ ﷺ کا تحفظ ہر اس چیز سے کریں گے جس سے ہم اپنی بیویوں اور اولاد کا تحفظ کرتے ہیں۔ آپ ﷺ ہمیں بیعت فرمالیجیے۔ ہم جنگی چالوں کے ماہر ہیں، ہمارے دوست واحباب کا حلقہ وسیع ہے، ہم نسل در نسل اس کے وارث ہیں"۔ اسی دوران حضرت ابوالہیثم بن تیہان نے عرض کی "یا رسول اللہ! ﷺ ہمارے اور یہودیوں کے درمیان معاہدے ہیں ہم انہیں ختم کر دیں گے کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو غلبہ عطا فرمائے تو آپ ﷺ اپنی

اپنے اہل خانہ کا ذکر کیا۔ اس نے کہا

اَلَا اَبلِغ اَبَا حَفصٍ رَسُولًا فِدًى لَكَ مِنْ اَخِي ثِقَةٍ اِزَارِي

ارے! ابوحفص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف میرا پیغام پہنچادو۔ آپ کا قابل اعتماد بھائی آپ پر فدا! میرے اہل خانہ کی خبر لیجیے۔

ازار سے مراد اہل خانہ ہیں۔ اس سے پہلے "اِحفَظْ" فعل محذوف ہے مگر ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ اس شعر میں ازار سے مراد اس کا نفس ہے یعنی میرا نفس آپ پر فدا۔ عربی میں یہ قول مشہور ہے۔ پہلا قول معروف نہیں ہے۔ پہلا قول درست اس لئے نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے ایک ناصب فعل محذوف مانا گیا ہے لیکن اس کے مابعد شعر میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ وہ شعر دوسرے قول کو تقویت دیتا ہے۔ وہ شعر یہ ہے۔

قَلَائِصَنَا هَدَاكَ اللّٰهُ مَهلًا شُغِلنَا عَنكُم زَمَنَ الحِصَارِ

اے ہماری اونٹنیوں اللہ تمہیں ہدایت دے آہستہ چلو۔ حصار کے زمانہ نے ہمیں تم سے غافل رکھا ہے۔

اس شعر میں قلائص کو اسی فعل نے نصب دی ہے جسے پہلے قول میں مضمر مانا گیا ہے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالبشر تھی۔ یہ کنیت ان کے بیٹے بشر بن براء کی وجہ سے تھی انہوں نے ہی حضور ﷺ کے ساتھ زہر آلود بکری کا گوشت کھایا تھا اور اسی سے انتقال فرمایا تھا ان کے والد کا نام معرور تھا۔ اس کا معنی مقصود ہے کہا جاتا ہے عَرَّ وَ اِعتَرَّ۔ اس نے قصد کیا۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ ان خوش نصیبوں میں سے تھے جن کی قبروں پر حضور نے نمازِ جنازہ پڑھی اور چار تکبیریں کہیں۔

قوم کی طرف لوٹ آئیں اور ہمیں چھوڑ دیں"۔ حضور ﷺ نے یہ سن کر تبسم فرمایا۔ پھر فرمایا "اَلدَّمُ، اَلدَّم۔ وَالْهَدْمُ اَلْهَدْمُ اَنَا مِنْكُمْ وَ اَنْتُمْ مِنِّیْ اُحَارِبُ مَنْ حَارَبْتُمْ وَاُسَالِمُ مَنْ سَالَمْتُمْ۔ تمہاری پناہ میری پناہ اور تمہاری حرمت میری حرمت ہوگی میں تم سے اور تم مجھ سے ہو میں اس سے جنگ کروں گا جس سے تم جنگ کرو گے اور میں اس سے صلح کروں گا جس سے تم صلح کرو گے۔

یہی حدیث قبر پر نمازِ جنازہ کی دلیل ہے۔ یہ حدیث چھ اسناد سے مروی ہے۔ ابو عمر نے تمہید میں ان سب کا تذکرہ کیا ہے اور تین اسناد کا اضافہ کیا ہے اس لئے نو صحابہ کرام نے اسے روایت کیا ہے۔ ان میں حضرت عباس، حضرت انس بن مالک، حضرت بریدہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت ابو قتادہ انصاری، حضرت سہل بن حنیف، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

اَلْهَدْمُ اَلْهَدْمُ

حضور ﷺ نے بیعت کرنے والوں سے فرمایا۔ اَلدَّمُ اَلدَّمُ وَالْهَدْمُ اَلْهَدْمُ۔ ابن ہشام فرماتے ہیں کہ اَلْهَدْمُ دال کی فتح سے ہے۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں اہل عرب حلیف بنتے وقت یا پناہ دیتے وقت کہتے تھے۔ دَمِی دَمُكَ وَ هَدَمِیْ هَدَمُكَ۔ جسے تو خون بہا معاف کرے گا میں بھی اسے معاف کردوں گا۔ ایک قول کے مطابق یوں کہا جاتا تھا اَللَّدَمُ واللَّدَمُ والْهَدْمُ الْهَدْمُ مثلاً کسی شاعر نے کہا ہے۔ "ثُمَّ الْحِقِیْ بِهَدَمِی لَدَمِیْ" اَللَّدَمُ لَادِمٌ کی جمع ہے اس سے وہ مراد لوگ ہوتے ہیں جو انسان کے فوت ہو جانے پر نوحہ کناں ہوتے ہیں۔ یہ لَدَمْتُ صَدْرَهٗ سے مشتق ہے یعنی میں نے اس کے سینے پر مارا۔ ابن ہشام نے "الْهَدْم" سے مراد حرمت لی ہے انسان اور اس کے اہل و عیال کی حرمت کو کنایۃً ھدم کہا جاتا ہے کیونکہ اہل عرب ایک جگہ سے دوسری جگہ محوِ سفر رہتے تھے۔ وہ چھوٹے چھوٹے گھر بنا لیتے تھے جب آگے جانے کا ارادہ کرتے تھے تو انہیں گرا دیتے تھے۔ هَدْمٌ مَهْدُوْمٌ کے معنی میں ہے جس طرح قبض، مقبوض کے معنی میں ہے۔ اہل عرب گرائے جانے والے گھر کے لئے الهدم کا لفظ استعمال کرنے لگے پھر کہا جانے لگا هَدَمِیْ هَدَمُكَ میرا سفر تیرے سفر کے ساتھ ہوگا۔ میں تجھے چھوڑ کر کبھی سفر نہیں کروں گا۔ یعقوب نے کہا ہے۔

تَمْضِی اِذَا زُجِرَتْ عَنْ سَوْأَةٍ قُدُمًا كَاَنَّهَا هَدَمٌ فِی الْجَفْرِ مُنْقَاضُ

جب اسے کسی برائی بری عادت پر جھڑکا جائے تو وہ شکستہ کنویں میں پتھر پھینکنے کی طرح ہو جاتی ہے۔

انصار میں سے بارہ نقیب

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ حضور نے فرمایا۔ "مجھے بارہ ایسے افراد دو جو اپنی قوم میں اس وقت فیصلہ کریں جب ان میں اختلاف رونما ہو۔ اس طرح بارہ نقیب بنائے گئے جن میں سے نو کا تعلق خزرج اور تین کا تعلق اوس سے تھا۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ زیاد بن عبداللہ البکائی نے محمد بن اسحاق المطلبی سے روایت کیا ہے کہ ان نقیبوں میں درج ذیل افراد شامل تھے۔ ا۔ ابوامامہ اسعد بن زرارہ بن عدس بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار (تیم اللہ) بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج، ۲۔ سعد بن ربیع بن عمرو بن ابی زہیر بن مالک بن امری القیس بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث، ۳۔ عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ امریٔ القیس بن عمرو بن امریٔ القیس بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج، ۴۔ رافع بن مالک بن عجلان بن عمرو بن عامر بن زریق بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب بن جشم بن خزرج، ۵۔ براء بن معرور بن صخر بن خنساء بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ بن سعد بن علی بن اسد بن ساردۃ بن تزید بن جشم بن خزرج، ۶۔ عبداللہ بن عمرو بن حرام بن ثعلبہ بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ بن سعد بن علی بن اسد بن ساردۃ بن تزید بن جشم بن خزرج، ۷۔ عبادہ بن صامت بن قیس بن اصرم بن فہر بن ثعلبہ بن غنم بن سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج۔ ابن ہشام کہتے ہیں غنم بن عوف، سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج کا بھائی تھا، ۸۔ سعد بن عبادہ بن دلیم بن حارثہ بن ابی خزیمہ۔ بن ثعلبہ بن طریف بن خزرج بن ساعدہ بن کعب بن خزرج، ۹۔ منذر بن عمرو بن حنیس بن حارثہ بن لوذان بن عبدود بن زید بن ثعلبہ بن خزرج بن ساعدہ بن کعب بن خزرج۔ ابن ہشام کہتے ہیں ابن حنیس کو ابن خنیش بھی کہا جاتا ہے۔

اوس میں سے، ۱۰۔ اسید بن خضیر بن سماک بن عتیک بن رافع بن امریٔ القیس بن زید بن

بارہ نقیب

حضور ﷺ نے انصار میں سے بارہ نقیب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو پیش نظر رکھ کر بنائے تھے۔ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا (مائدہ: ۱۲) "اور ہم نے مقرر کئے ان میں سے بارہ سردار"۔ حضرت موسیٰ کے ان نقیبوں کے نام "التعریف والاعلام" میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

عبدالاشہل بن جشم بن حارث بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس بن حارثہ، ۱۱۔ سعد بن خیثمہ بن حارث بن مالک بن کعب بن نحاط بن کعب بن حارثہ بن غنم بن سلم بن امری القیس بن ثعلبہ بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس بن حارثہ، ۱۲۔ رفاعہ بن عبدالمنذر بن زبیر بن زید بن امیہ بن زید بن امیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ بعض اہل علم کہتے ہیں۔ ان نقباء میں حضرت ابوالہیثم بن التیہان بھی تھے وہ حضرت رفاعہ کو ان میں شمار نہیں کرتے۔ (رضی اللہ عنہم)

حضرت کعب بن مالک کے اشعار

ابوزید انصاری نے ان کے درج ذیل اشعار مجھے روایت کیے ہیں۔

أَبْلِغْ أُبَيًّا أَنَّهُ قَالَ رَأْيَهُ وَ حَانَ غَدَاةَ الشِّعْبِ وَالْحِيْنُ وَاقِعُ
أَبَى اللّٰهُ مَا مَنَّتْكَ نَفْسُكَ إِنَّهُ بِمِرْصَادٍ أَمْرِ النَّاسِ رَاءٍ وَ سَامِعُ
وَ أَبْلِغْ أَبَا سُفْيَانَ أَنْ قَدْ بَدَا لَنَا بِأَحْمَدَ نُوْرٌ مِنْ هُدَى اللّٰهِ سَاطِعُ
فَلَا تَرْغَبَنْ فِي حَشْدِ أَمْرٍ تُرِيْدُهُ وَأَلِّبْ وَ جَمِّعْ كُلَّ مَا أَنْتَ جَامِعُ
وَ دُوْنَكَ فَاعْلَمْ أَنَّ نَقْضَ عُهُوْدِنَا أَبَاهُ عَلَيْكَ الرَّهْطُ حِيْنَ تَبَايَعُوْا

اُبی کو یہ پیغام پہنچا دو کہ اس کی رائے غلط نکلی ہے۔ شعب ابی طالب کی صبح گزر چکی ہے اور اب موت واقع ہونے والی ہے۔ تیرے نفس نے جن خواہشات کا اظہار کیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو پورا کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ لوگوں کے معاملات کا نگہبان بھی ہے وہ دیکھنے اور سننے والا بھی ہے۔ ابوسفیان کو بھی یہ پیغام پہنچا دو کہ حضور ﷺ کی ذات میں ہدایت الٰہی کا وہ نور نکلا ہے جو ہر لحہ پھیلنے والا ہے۔ جس امر کے پورا ہونے کی تو آرزو رکھتا ہے اس میں رغبت نہ کر تو اکٹھا کر لے اور جو کچھ جمع کرنا چاہتا ہے اسے جمع کر لے۔ خوب جان لے ہمارے قبیلے نے اس عہد کو توڑنے سے انکار کر دیا ہے جو انہوں نے حضور ﷺ سے کیا تھا۔

أَبَاهُ الْبَرَاءُ وَابْنُ عَمْرٍو كِلَاهُمَا وَأَسْعَدُ يَأْبَاهُ عَلَيْكَ وَ رَافِعُ
وَ سَعْدٌ أَبَاهُ السَّاعِدِيُّ وَ مُنْذِرٌ لِأَنْفِكَ إِنْ حَاوَلْتَ ذٰلِكَ جَادِعُ
وَ مَا ابْنُ رَبِيْعٍ إِنْ تَنَاوَلْتَ عَهْدَهُ بِمُسْلِمِهِ لَا يَطْمَعَنْ ثَمَّ طَامِعُ

امام زہری سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے نقیب مقرر کرتے وقت اوس اور خزرج کے لوگوں سے کہا تم میں سے کوئی میرے فعل کی وجہ سے ناخوش نہ ہو، میں وہی کرتا ہوں جو مجھے حکم دیا جاتا ہے۔

وَاَيْضًا فَلَا يُعْطِيكَهُ ابْنُ رَوَاحَةَ   وَاِخْفَارُهُ مِنْ دُوْنِهِ السَّمُّ نَاقِعُ

حضرت براء اور حضرت ابن عمرو نے اس بیعت کو توڑنے سے انکار کر دیا ہے۔ اسی طرح حضرت اسعد اور حضرت رافع بھی اس سے انکار کر رہے ہیں۔ حضرت سعد، جن کے جد امجد ساعدی ہیں، اور حضرت منذر نے بھی اس مبارک عہد کو توڑنے سے انکار کر دیا ہے اگر تو نے پھر کوشش کی تو تیری ناک کٹ جائے گی۔ حضرت ابن ربیع رضی اللہ عنہ بھی اس عہد کو نہیں توڑیں گے۔ خواہ تو کتنی ہی کوشش کرے۔ وہ حضور نبی کریم ﷺ کو تیرے سپرد نہیں کریں گے۔ کسی لالچی کو بھی اس ضمن میں کسی قسم کا لالچ نہیں دیا جا سکتا۔ اس معاملہ میں حضرت ابن رواحہ بھی تیری اطاعت نہیں کریں گے اور اس بیعت کو توڑنا ان کے لئے سم قاتل ہے۔

وَفَاءٌ بِهِ وَالْقَوْقَلِيُّ بْنُ صَامِتٍ   بِمَنْدُوحَةٍ عَمَّا تُحَاوِلُ يَافِعُ

اَبُوْ هَيْثَمٍ اَيْضًا وَ فِيٌّ بِمِثْلِهَا   وَفَاءٌ بِمَا اَعْطَى مِنَ الْعَهْدِ خَانِعُ

وَ مَا ابْنُ حُضَيْرٍ اِنْ اَرَدْتَ بِمَطْمَعٍ   فَهَلْ اَنْتَ عَنْ اُحْمُوْقَةِ الْغَيِّ نَازِعُ

وَ سَعْدٌ اَخُوْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ فَاِنَّهُ   ضَرُوْحٌ لِمَا حَاوَلْتَ مِنَ الْاَمْرِ مَانِعُ

اُولَاكَ نُجُوْمٌ لَا يُغِبُّكَ مِنْهُمْ   عَلَيْكَ بِنَحْسٍ فِي دُجَى اللَّيْلِ طَالِعُ

یہ تمام سب آپ کے ساتھ باوفا ہیں۔ توقلی ابن صامت میں بھی اتنی وسعت ہے کہ وہ اس امر کو روک سکے جس کا تو ارادہ کر رہا ہے۔ اسی طرح حضرت ابوہیثم رضی اللہ عنہ بھی باوفا ہیں اور اپنے عہد کی پاسداری کرنے والے ہیں۔ اگر تو ابن خضیر کے پاس اپنا مقصد پورا کرنے کے لئے جائے تو وہاں بھی تو کامیاب نہ ہوگا۔ کیا تو اپنی نادانی کی حماقت سے باز آ جائے گا؟ عمرو بن عوف کے بھائی حضرت سعد بھی تیرے ارادے کو پاؤں کی ٹھوکر سے اڑانے والے ہیں اور اس امر کو روکنے والے ہیں۔ یہ تمام ستارے ہیں جو رات کی ظلمت میں تجھ پر نحوست لے کر طلوع ہوں گے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے ابوالہیثم کا ذکر کیا ہے انہوں نے حضرت رفاعہ کا ذکر نہیں کیا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ، مجھے عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ان نقباء سے کہا ”تم اپنی قوم کے اسی طرح کفیل ہو جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور ﷺ کے پہلو میں کھڑے ہو کر یکے بعد دیگرے ان کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ معیطی نے حضرت مالک بن انس سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں متعجب تھا کہ

طرف حواریوں نے کفالت کی تھی۔ میں اپنی قوم کا کفیل ہوں'' تمام نقیبوں نے اقرار کیا۔

حضرت عباس بن عبادۃ کی بنوخزرج کو تنبیہ

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے عاصم بن عمرو بن قتادہ نے بیان کیا ہے کہ جب یہ لوگ حضور ﷺ کی بیعت کے لئے جمع ہوئے تو حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ انصاری نے کہا ''اے گروہ خزرج! کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم حضور کی بیعت کس چیز پر کر رہے ہو''۔ انہوں نے کہا ''ہاں''۔ حضرت عباس نے کہا ''تمہاری بیعت اس بات پر ہے کہ تم ہر کالے اور سرخ سے بر سرِ پیکار ہوں گے۔ ذرا سوچو کہ جب تمہارے مال برباد ہونے لگیں اور تمہارے سرداروں کے سر کٹنے لگیں اگر تم نے انہیں چھوڑ دیا تو یہ دنیا و آخرت کی رسوائی ہوگی۔ اگر تمہیں یقین ہے کہ تم اپنے اموال کی ہلاکت اور سرداروں کے قتل کے باوجود ان سے وفا کرو گے تو پھر ان کا دامن پکڑ لو۔ اللہ کی قسم! دنیا و آخرت کی بھلائی اسی میں ہے''۔ بنوخزرج نے کہا ''ہم اپنے اموال کی بربادی اور اپنے سرداروں کی ہلاکت کے باوجود آپ ﷺ کو ہی ترجیح دیں گے''۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! ﷺ اگر ہم نے وفا کی تو ہمیں کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''جنت ملے گی''۔ انہوں نے عرض کی ''اپنا ہاتھ آگے بڑھائیں، آپ ﷺ نے اپنا دست اقدس آگے بڑھایا اور ان فرخندہ فال لوگوں نے آپ ﷺ کی بیعت کی''۔

حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ فرماتے ہیں ''قسم بخدا! حضرت عباس نے یہ بات اس لئے کہی تھی تا کہ حضور ﷺ کی بیعت کا قلادہ ان کی گردنوں میں سختی سے پڑے''۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر فرماتے ہیں'' حضرت عباس نے یہ بات اس لئے کی تھی تا کہ وہ لوگ اس رات بیعت کو مؤخر کر دیں انہیں امید تھی کہ شاید عبداللہ بن ابی سلول بھی آجائیں اور ان لوگوں کو تقویت مل جائے''۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان کی نیت کیا تھی۔ ابن ہشام فرماتے ہیں سلول، بنوخزاعہ کی ایک عورت کا نام تھا۔ یہ ابی بن مالک بن حارث کی ماں تھی۔

دست مصطفیٰ ﷺ پر بیعت کرنے والی سب سے پہلی شخصیت

ابن اسحاق فرماتے ہیں، بنونجار کا گمان تھا کہ ابوامامہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ

دو آدمی ایک قبیلے سے اور ایک آدمی دوسرے قبیلے سے مقرر کیا گیا تھا حتیٰ کہ مجھے یہ حدیث سنائی گئی۔
انہیں ... ئیل۔ ز مقرر کیا تھا اور حضور ﷺ کو ان کی طرف اشارہ کیا تھا۔

نے سب سے پہلے حضور ﷺ کی بیعت کی تھی۔ بنو عبد الاشہل کہتے تھے سب سے پہلے یہ سعادت حضرت ابو الہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہ نے حاصل کی تھی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں امام زہری فرماتے تھے کہ مجھے معبد بن کعب بن مالک نے بیان کیا ہے وہ اپنے باپ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی بیعت کی پھر دوسری قوم نے بیعت کی۔

شیطان اور بیعت عقبہ

انصار کہتے ہیں کہ جب ہم نے حضور ﷺ کی بیعت کر لی۔ صَرَخَ الشَّيْطَانُ مِنْ رَاسِ الْعَقَبَةِ بِاَنْفَذِ صَوْتٍ سَمِعْتُهُ قَطُّ يَا اَهْلَ الْجَبَاجِبِ هَلْ لَكُمْ فِي مُذَمَّمٍ والصُّبَاةِ مَعَهُ قَدْ اِجْتَمَعُوْا عَلٰي حَرْبِكُمْ۔ تو عقبہ کی چوٹی سے بلند آواز سے شیطان چلایا یہ آواز ان آوازوں سے کہیں بلند تھی جو میں نے سنیں تھیں۔ اس نے کہا اے اہل حباحب! کیا تمہیں مذمم اور صابیوں کے متعلق علم ہے وہ تمہارے خلاف جنگ لڑنے کے لئے جمع ہو چکے ہیں۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ! صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا أَزَبُّ الْعَقَبَةِ۔ هٰذَا ابْنُ اَزْيَبَ۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ عقبہ کا شیطان ہے یہ ازب کا بیٹا ہے۔ ابن ہشام کہتے ہیں اسے "اَزْيَبْ" کہا ہے۔ اے اللہ تعالیٰ کے دشمن سن لے قسم بخدا میں تیرے لئے ضرور فارغ ہوں گا۔

بِاَنْفَذِ صَوْتٍ

شیخ ابو بحر فرماتے ہیں بڑے بڑے نسخوں میں اسی طرح مرقوم ہے مگر قاضی ابو ولید نے اسے بَاَبْعَدَ کہا ہے۔ امام سہیلی فرماتے ہیں اس اصلاح کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ صوت کی صفت نفاذ کو بنانا درست ہے۔ یہ ابعد کی صفت لگانے سے زیادہ فصیح ہے۔ حضرت عمر کی کاہن سے یہ گفتگو پہلے گذر چکی ہے۔ لَقَدْ سَمِعْتُ مِنْ صَوْتِ الْعَجْلِ صَوْتًا مَا سَمِعْتُ اَنْفَذَ مِنْهُ۔ میں نے بچھڑے کی آواز سنی اس سے بلند تر آواز میں نے پہلے نہیں سنی تھی۔ صحیح حدیث میں ہے۔ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَحْشُرُ الْخَلْقَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي صَرْدَحٍ وَاحِدٍ فَيَنْفُذُهُمُ الْبَصَرُ وَ يَسْمَعُهُمُ الدَّاعِي۔" اللہ تعالیٰ روز قیامت لوگوں کو ایک وسیع میدان میں جمع کرے گا۔ نظر ان تمام کو دیکھے گی۔ پکارنے والا ان کو سن سکے گا۔ یونس بن بکیر نے ابن اسحاق سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

حضور ﷺ انصار کو جنگ کی اجازت نہیں دیتے

پھر حضور ﷺ نے فرمایا اپنی اپنی اقامت گاہوں میں چلے جاؤ۔ حضرت عباس بن عبادة بن نضلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ اگر آپ ﷺ پسند فرمائیں تو ہم صبح ہی اہل منیٰ پر اپنی تلواروں سے حملہ کر دیں"۔ حضور ﷺ نے فرمایا "ہمیں اس کا حکم نہیں دیا گیا تم اپنے اپنے خیموں میں چلے جاؤ"۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "پھر ہم اپنے اپنے خیموں میں لوٹ آئے اور وہاں صبح تک سوئے رہے"۔

بیعت عقبہ کے متعلق قریش کا رویہ

جب صبح ہوئی تو قریش مکہ کا ایک گروہ ہمارے پاس آیا اس نے کہا "اے گروہِ خزرج! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم ہمارے صاحب (ﷺ) کے پاس اس لئے آئے ہو تا کہ انہیں یہاں سے نکال کر لے جاؤ۔ تم نے ہمارے خلاف جنگ لڑنے کے لئے ان سے بیعت بھی کر لی ہے۔ قسم بخدا! ہمیں اس سے ناپسندیدہ امر اور کوئی نہیں کہ ہمارے اور تمہارے مابین جنگ ہو"۔ اس وقت ہم میں سے مشرک اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے "ایسا کوئی واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوا اور نہ ہی ہمیں اس کا کچھ علم ہے"۔ انہوں نے سچ ہی کہا تھا کیونکہ انہیں اس بیعت کے متعلق کوئی علم نہ تھا۔

يَا اَهْلَ الْجَبَاجِب

جباجب سے مرادِ منیٰ کی منازل ہیں یہ لفظ چمڑے کے برتنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے مثلاً زبیل وغیرہ خیموں اور منازل کو برتنوں سے تشبیہ دے کر انہیں جباجب کہا گیا ہے۔

هٰذَا اَزَبُّ الْعُقْبَةِ هٰذَا اِبْنُ اَزْيَب

ابن ہشام نے اسے ابن ازیب کہا ہے۔ ابن ماکولا نے کہا ہے ام کرز بنت الازب بن عمرو بن بکیل۔ اس نسب میں الازب کا استعمال بطور اسم استعمال ہوا ہے۔ یہ بنو ہمدان سے تھی اور عباس کی دادی تھی۔ ان کی نانی کا نام "سیلہ" تھا ابن ماکولا کہتے ہیں۔ الاَزَب بطور اسم اسی نسب میں ہے۔ "اَزَبُّ الْعُقْبَةِ" شیطان کا نام تھا اس نسخہ میں غزوۂ اُحد کے باب میں یہ "اِزْبُ الْعَقَبَة" مرقوم ہے۔ حضرت ابن زبیر کے واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام اَزَبُّ تھا۔ انہوں نے اپنے کجاوے کے

ہم ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے پھر قوم قریش کے وہ لوگ اٹھ کر جانے لگے۔ ان میں حارث بن ہشام بن مغیرہ المخزومی بھی تھا۔ عَلَیْہِ نَعْلَانِ جَدِیْدَانِ۔ اس نے نئے جوتے پہن رکھے تھے۔ میں نے اس کے متعلق ایک بات کہی گویا کہ میں بھی ان کی گفتگو میں شرکت کرنے کا خواہاں تھا، میں نے کہا "اے جابر! تم سردار ہو کیا تم مجھے اس قسم کا جوتا خرید کر نہیں دے سکتے جس طرح کا جوتا اس قریشی جوان نے پہن رکھا ہے"۔ میری گفتگو حارث نے بھی سن لی۔ اس نے اپنے جوتے اتارے اور میری طرف پھینک دیئے۔ اس نے کہا "بخدا! اب انہیں تم ہی پہنو گے"۔ ابو جابر نے مجھے کہا "رکو! بخدا! تم نے اس جوان کو ناراض کر دیا ہے۔ اس کے جوتے اسے واپس لوٹا دو"۔ میں نے کہا "نہیں، میں اسے یہ جوتے ہرگز نہیں لوٹاؤں گا۔ یہ ایک عمدہ فال ہے۔ اگر یہ فال سچی ہوئی تو میں اس سے سب کچھ چھین لوں گا"۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ پھر قریش مکہ عبداللہ بن ابی ابن سلول کے پاس آئے۔ انہوں نے اس سے بھی وہی سوال کیا جو پہلے ہم سے کر چکے تھے۔ عبداللہ بن ابی ابن سلول نے کہا۔ "یہ معاملہ بڑا اہم ہے اس جیسے معاملہ سے میری قوم مجھے کیسے دور کر سکتی تھی۔ مجھے اس کا کوئی علم نہیں" پھر قریش چلے گئے۔

کپڑے پر ایک شخص دیکھا اس کی لمبائی دو ہاتھ تھی۔ وہ اپنی لاٹھی لے کر اس کے پاس آئے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا "میں اَزَب ہوں"۔ انہوں نے کہا "کون اَزَب"۔ اس نے جواب دیا "میرا تعلق جنات سے ہے" انہوں نے اپنی لاٹھی سے اس کے سر پر ضرب لگائی وہ فوراً بھاگ گیا۔

علامہ یعقوب "الفاظ" میں لکھتے ہیں الازب، چھوٹے قد والے کو کہتے ہیں۔ ابن زبیر کے اس واقعہ کو عتبی نے "الغریب" میں لکھا ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون سا لفظ صحیح ہے۔ ابن ہشام نے اسے ابن ازیب کہا ہے۔ ممکن ہے یہ ازب سے فعیل کے وزن پر ہو۔ ازیب کا معنی بخیل، ہوا کا نام، گھبراہٹ اور چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلنا بھی ہے۔ یہ افعل کے وزن پر ہے (العین) ممکن ہے کہ یہ ازیب سے مشتق ہو جس کا معنی چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلنا ہے۔ جس کا معنی بخیل ہے وہ فعیل کے وزن پر ہے کیونکہ علامہ یعقوب نے "الفاظ" میں لکھا ہے۔ "اِمْرَاَۃٌ اَزْیَبَۃٌ" اگر مذکر میں اس کا وزن افعل پر ہوتا تو مؤنث میں اسے زَیْبٌ کہا جاتا۔ مگر فعیل کا وزن اسماء میں بڑا قلیل ہے۔ ضَھْیَاءٌ (وہ عورت جسے حیض نہ آتا ہو) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ فَعْلٰی کے وزن پر ہے اس کا ہمزہ زائدہ بتایا جاتا ہے لیکن میرے نزدیک یہ فعیل کے وزن پر ہے کیونکہ اللہ کے فرمان "یُضَاھُوْنَ" میں

قریش انصار کو تلاش کرتے رہے اور حضرت سعد بن عبادہ کی اسیری

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، پھر لوگ منیٰ سے واپس آ گئے۔ قوم قریش اسی خبر کی تلاش میں شروع ہو گئی۔ انہیں معلوم ہوا کہ کوئی واقعہ ضرور رونما ہوا ہے۔ وہ انصار کی جستجو میں نکلے انہوں نے حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہما کو مقام ''اذاخر'' میں پالیا۔ یہ دونوں نقیب تھے، حضرت منذر کو قریش پکڑ نہ سکے حضرت سعد کو انہوں نے پکڑ لیا۔ انہوں نے ان کے تسمے سے ان کے ہاتھ ان کی گردن سے باندھ دیئے پھر انہیں مکہ معظمہ میں لے آئے۔ وہ انہیں زدوکوب کرنے لگے اور انہیں بالوں سے کھینچنے لگے، ان کے بال بہت زیادہ تھے۔

حضرت سعد کی نجات

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''میں قریش کے ہاتھوں میں اسیر تھا اچانک قریش مکہ کی ایک جماعت میرے پاس آئی۔ فِیھِمْ رَجُلٌ وَضِیْءٌ اَبْیَضُ شَعْشَاعٌ حُلْوٌ مِنَ

عاصم کی قرأت کے مطابق لام کلمہ ہمزہ ہے اور الضَھْیَا اسی سے ہے کیونکہ وہ مردوں کے مشابہ ہوتی ہے۔ ضَھْیَاءٌ بھی روایت ہے۔ اس میں کوئی اشکال نہیں یہ تانیث کے لئے ہے اور ضَاھَیْتَ سے ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اَدْمَلُ اور اَدْمَلَۃٌ کی طرح اَزْیَبُ اور اَزْیَبَۃٌ ہو اور فعیلا کے وزن پر نہ ہو۔ ابواشہب نے حضرت حسین سے روایت کیا ہے کہ جب انصار نے منیٰ میں حضور ﷺ کی بیعت کی تو شیطان چلایا حضور ﷺ نے فرمایا یہ ابولبینی ہے جو تمہیں ڈرا رہا ہے۔

فعیل کی تذکیر و تانیث۔ نَعْلَانُ جَدِیْدَانِ

نعل اگرچہ مؤنث ہے لیکن فصیح کلام میں اس کی صفت جَدِیْدَۃٌ نہیں آتی۔ مگر مِلْحَفَۃٌ جَدِیْدٌ کہا جاتا ہے کیونکہ یہ مَجْدُوْدَۃٌ (کٹے ہوئے) کے معنی میں ہے یہ کَفٌّ خَضِیْبٌ اور اِمْرَأَۃٌ قَتِیْلٌ کی مانند ہے۔ سیبویہ کہتے ہیں۔ ''جس نے اس کی صفت ''جَدِیْدَۃٌ'' لگائی اس نے اسے حَدِیْثَۃٌ کے معنی میں کیا''۔ ان کے نزدیک حَدِیْثَۃٌ، حَادِثَۃٌ کے معنی میں ہے اور ہر فعیل جو فاعل کے معنی میں ہو اس پر ''ۃ'' آ سکتی ہے۔

رَجُلٌ وَضِیْءٌ شَعْشَاعٌ

شَعْشَعٌ، شَعْشَعَانِی اور شَعْشَعَانٌ طویل شخص کو کہا جاتا ہے۔ اسی طرح سَلْھَبٌ، صَعْقَبٌ، شَوْقَبٌ، شَرْعَبٌ، شَرْجَبٌ، جِبُقٌ، شَوْذَبٌ بھی اسی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

الرِجَالِ۔ ان میں سے ایک روشن جبیں، سفید، درخشاں اور دل موہ لینے والا شخص بھی تھا۔ ابن ہشام نے اس کی جگہ ''الطویل الحسن'' لکھا ہے۔ کہا جاتا ہے روبۃ نے کہا ہے یَمْطُوْہٗ مِنْ شَعْشَاعِ غَیْرِ مُوْدَنِ۔ اونٹ کی گردن چھوٹی نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے مُوْدِنُ الْیَدِ۔ وہ چھوٹے ہاتھوں والا ہے۔ حضرت سعد فرماتے ہیں ''میں نے دل میں کہا اگر ان میں سے کسی سے بھلائی کی توقع کی جاسکتی ہے تو وہ یہ ہے مگر جب وہ میرے قریب ہوا تو اس نے مجھے زور سے مکا مارا۔ میں نے دل میں سوچا قسم بخدا! اس کے بعد ان میں کسی قسم کی کوئی بھلائی نہیں ہے۔ میں ان کی قید میں تھا اسی اثناء میں ایک شخص آیا اس کا تعلق ان کے ساتھ ہی تھا۔ اس نے مجھے کہا ''کیا قریش کے کسی شخص کے ساتھ تیرا عہد یا پناہ نہیں''۔ میں نے کہا ''کیوں نہیں۔ میں وقت تجارت جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف کو پناہ دیا کرتا تھا اور اپنے اہل شہر کے ظلم و تعدی سے اسے بچایا کرتا تھا۔ اسی طرح میں حارث بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف کو بھی پناہ دیتا تھا''۔ اس نے کہا ''ان دونوں کا نام لے کر آواز دو۔ اور ان کے اور تمہارے مابین جو تعلق ہے وہ یاد دلاؤ''۔ میں نے اسی طرح کیا وہ شخص ان دونوں کے پاس گیا اس نے انہیں مسجد حرام میں پایا۔ اس نے ان سے کہا ''بنو خزرج کے ایک شخص کی وادی بطحاء میں پٹائی ہو رہی تھی وہ تمہارے نام لے کر آوازیں لگا رہا تھا اور بتا رہا تھا کہ اس کے اور تمہارے مابین پناہ ہے''۔ انہوں نے

تَنَطَّسَ الْقَوْمُ الْخَبَرَ

لوگوں نے اس کے متعلق بہت زیادہ بحث کی نَتَطُسْ کسی چیز میں باریک بینی سے مشاہدہ کرنے کو کہتے ہیں۔ زاجر کہتا ہے۔

وَ قَدْ اَکُوْنُ عِنْدَهَا نِقْرِیْسًا　طِبًّا بِاَدْوَاءِ النِّسَاءِ نَطِیْسًا

میں اس کے نزدیک ایک حاذق طبیب تھا جو عورتوں کی ادویہ کا ماہر تھا۔

ضرار بن خطاب

ضرار قریش کے شاعر اور شہسوار تھے قریش میں ان سے بہتر شاعر کوئی نہ تھا پھر ابن زبعری بن قیس بن عدی کا مقام ہے۔ ان کے دادا کا نام مرداس تھا جو بنو محارب بن فہر کا رئیس تھا اور ان سے مال غنیمت کا چوتھا حصہ لیتا تھا۔ ان کا باپ جنگ فجار میں بنو محارب کا رئیس تھا ضرار نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کیا۔

پوچھا ''وہ کون ہے'' اس شخص نے کہا وہ حضرت سعد بن عبادہ ہیں۔ انہوں نے کہا ''اللہ کی قسم! انہوں نے سچ کہا ہے۔ وہ ہمارے تجارتی کارواں کو پناہ دیتے تھے وہ اپنے اہل شہر کے ظلم وستم سے بچایا کرتے تھے''۔ وہ وادی بطحاء میں آئے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے ہاتھوں سے نجات دلائی۔ وہ شخص جس نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو طمانچہ مارا تھا۔ وہ سہیل بن عمرو تھا اس کا تعلق بنو عامر بن لوئی سے تھا۔

ابن ہشام کہتے ہیں جس شخص نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو پناہ دی تھی اس کا نام ابوالبختری بن ہشام تھا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں ضرار بن خطاب بن مرداس نے ہجرت کے متعلق یہ دو شعر کہے۔ یہ اس واقعہ کے متعلق سب سے پہلے شعر تھے ضرار کا تعلق بنو محارب بن فہر سے تھا۔

تَدَارَكْتُ سَعْدًا عَنْوَةً فَاَخَذْتُهٗ ۔۔۔ وَ كَانَ شِفَاءً لَوْ تَدَارَكْتُ مُنْذِرًا

وَ لَوْ نِلْتُهٗ طُلَّتْ هُنَاكَ جِرَاحُهٗ ۔۔۔ وَ كَانَتْ حَرِيًّا اَنْ يُهَانَ وَ يُهْدَرَا

میں نے اچانک سعد کو پکڑ لیا اور اس پر غلبہ پا لیا۔ اس سے مجھے شفاء ملی کاش میں منذر کو بھی پکڑ لیتا اگر میں اسے پکڑ لیتا تو اسے بہت زیادہ زخم آتے۔ وہ اس سے بالاتر ہوتا کہ اس کی توہین کی جائے اور وہ رائیگاں بھی ہوتا۔

ابن ہشام کہتے ہیں آخری مصرعہ اس طرح بھی روایت ہے۔ وَكَانَ حَقِيْقًا اَنْ يُهَانَ وَ يُهْدَرَا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان اشعار کا جواب یوں دیا۔

لَسْتَ اِلٰى سَعْدٍ وَ لَا الْمَرْءِ مُنْذِرٍ ۔۔۔ اِذَا مَا مَطَايَا الْقَوْمِ اَصْبَحْنَ ضُمَّرًا

فَلَوْ اَبُوْ وَهْبٍ لَمَرَّتْ قَصَائِدٌ ۔۔۔ عَلٰى شَرَفِ الْبَرْقَاءِ يَهْوِيْنَ حُسَّرًا

اَتَفْخَرُ بِالْكَتَّانِ لَمَّا لَبِسْتَهٗ ۔۔۔ وَ قَدْ تَلْبَسُ الْاَنْبَاطُ رَيْطًا مُقَصَّرًا

فَلَا تَكُ كَالْوَسْنَانِ يَحْلُمُ اَنَّهٗ ۔۔۔ بِقَرْيَةِ كِسْرٰى اَوْ بِقَرْيَةِ قَيْصَرَا

تو نہ تو سعد کی طرح ہو سکتا ہے اور نہ ہی منذر کی طرح۔ بالخصوص اس وقت جب ان کے لئے چھریری سواریاں تیار کی جائیں۔ اگر تو ابو وھب نہ ہوتا تو پھر قصائد برقاء کی چوٹی سے بھی

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار

لَسْتَ اِلٰى عَمْرٍو۔ بھی ایک روایت کے مطابق ہے اس سے مراد عمرو بن خنیس ہے جو حضرت منذر رضی اللہ عنہ کا باپ تھا۔ یعنی نہ تو تو عمرو اور نہ ہی اس کے فرزند حضرت منذر رضی اللہ عنہ کی مانند ہو

گذر جاتے اور وہ تھک کر نیچے گرتے جاتے۔ کیا تو کوئی روئی کا لباس پہن کر فخر کرتا ہے حالانکہ نبطی بھی سفید چادریں پہنتے ہیں تو اس اونگھنے والے کی مانند نہ ہو جا جو کسریٰ کے شہر یا قیصر کے شہر کے متعلق خواب دیکھتا ہے۔

وَ لَا تَكُ كَالثَّكْلٰى وَ كَانَتْ بِمَعْزِلٍ عَنِ الثُّكْلِ لَوْ كَانَ الْفُؤَادُ تَفَكَّرَا

وَ لَا تَكُ كَالشَّاةِ الَّتِي كَانَ حَتْفُهَا بِحَفْرِ ذِرَاعَيْهَا فَلَمْ تَرْضَ مُحْفَرَا

وَ لَا تَكُ كَالْعَاوِي فَاَقْبَلَ نَحْرَهٗ وَ لَمْ يَخْشَهٗ سَهْمًا مِنَ النَّبْلِ مُضْمَرَا

فَاِنَّا وَ مَنْ يُهْدِي الْقَصَائِدَ نَحْوَنَا كَمُسْتَبْضِعٍ تَمْرًا اِلٰى اَهْلِ خَيْبَرَا

تو اس عورت کی طرح نہ ہو جا جو اپنے اکلوتے بیٹے پر شب و روز گریہ بار رہتی ہے، اگر اس کے دل میں سوچنے کی صلاحیت ہوتی تو وہ اس آہ و فغاں سے جدا ہوتی۔ نہ تو اس بکری کی مانند ہو جا جس کی موت اس کے بازو سے کھودے ہوئے گڑھے سے ہوئی۔ وہ اپنے کھودے ہوئے گڑھے پر خوش نہ ہوئی اور تو اس کتے کی طرح نہ ہو جا جو گردن نکالے کھڑا ہو لیکن اسے پوشیدہ تیر کا کوئی خوف نہ ہو۔ ہم اور وہ شخص جو ہماری طرف اشعار روانہ کرتا ہے اسی طرح ہیں جس طرح کوئی شخص خیبر کی زمین پر کھجوریں بیچنے کے لئے لائے۔

حضرت عمرو بن جموح اور ان کا بت

جب انصار مدینہ طیبہ پہنچے تو وہاں اسلام کی تبلیغ کرنے لگے، ان کی قوم کے بہت سے بزرگ ابھی اپنے مذہب ''شرک'' پر ہی تھے۔ ان میں عمرو بن جموح بن زید بن حرام بن کعب بن

سکتا ہے بلکہ تو ان سے کم ہے۔ حضرت منذر بن عمرو کو اَعْنَقَ لِيَمُوْتَ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ نقیب بھی تھے۔ ابن اسحاق نے مؤاخاۃ میں ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں حضرت ابوذر غفاری کا بھائی بنایا لیکن امام واقدی نے اس کا رد کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت منذر اور حضرت طلیب بن عمرو کے مابین مؤاخات تھی۔ ان کے اور حضرت ابوذر غفاری کے مابین مواخاۃ کیسے ہو سکتی ہے کیونکہ مواخات غزوۂ بدر سے پہلے ہوئی تھی۔ اس وقت حضرت ابوذر مدینہ طیبہ میں نہ تھے وہ غزوۂ بدر کے بعد مدینہ منورہ میں آئے اس وقت مواخات منسوخ ہو چکی تھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے مواخات کا نسخ ہوا۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (الانفال)

''اور رشتہ دار (ورثہ میں) ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں حکم الٰہی کے مطابق یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

سلمہ شامل تھے ان کے نورِ نظر حضرت معاذ بن عمرو عقبہ میں حاضر ہوئے تھے اور حضور ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کی تھی عمرو بن جموح اپنی قوم کے سردار تھے۔ انہوں نے اپنے گھر میں لکڑی کا بت بنا رکھا تھا جسے "مناۃ" کہا جاتا تھا اس وقت وہاں کے سردار اسی طرح اپنے اپنے گھروں میں بت رکھتے تھے۔ انہوں نے اسے اپنا خدا بنا رکھا تھا۔ وہ اس کی تعظیم کرتے اور اسے صاف کرتے تھے جب بنوسلمہ کے جوانوں مثلاً حضرت معاذ بن جبل اور حضرت معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہما وغیرہ نے اسلام قبول کیا تو وہ رات کی ظلمت میں عمرو کے بت کے پاس جاتے، اسے اٹھاتے اور بنوسلمہ کے ایک کنویں میں منہ کے بل پھینک دیتے۔ لوگ اس کنویں میں گندگی پھینکتے تھے۔ جب صبح ہوئی تو عمرو نے کہا "تمہارے لئے ہلاکت ہو اس رات ہمارے معبود پر ظلم کس نے کیا ہے؟ پھر وہ اپنے بت کو تلاش کرنے کے لئے چلے گئے انہیں وہ ایک کنویں میں نظر آیا، اسے باہر نکالا، دھویا، صاف کیا اور خوشبو لگائی۔ انہوں نے کہا کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ تیرے ساتھ یہ رسوا کن سلوک کون کرتا ہے؟ میں اسے ذلیل کر دیتا۔ دوسری رات جب عمرو سو گئے وہ جوان پھر آئے اور اس بت کے ساتھ یہی سلوک کیا۔ عمرو نے پھر اپنا بت اسی کنویں سے نکالا اسے صاف کیا اور اس پر خوشبو لگائی۔ پھر رات کے وقت ان صحابہ کرام نے اس بت سے یہی سلوک کیا۔ جب لگاتار یہی ذلیل کن سلوک ہوتا رہا تو ایک دن عمرو نے اسے کنویں سے باہر نکالا

حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ نے صرف ایک حدیث روایت کی ہے۔ عبدالمہیمن بن عباس بن سہل بن سعد اپنے باپ، وہ اپنے باپ سے اور وہ حضرت منذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ سہو کیا مگر عبدالمہیمن ضعیف ہے۔

وَ لَا تَكُ كَالشَّاةِ

یہ ایک ضرب المثل ہے جو پرانے زمانہ میں بیان کی جاتی تھی اس شخص کے متعلق یہ کہا جاتا ہے جس کا نفس ہی اس ہلاکت میں گرا دے جو اس نے خود پیدا کی ہو۔ جاحظ فرزدق سے کہتا ہے۔

وَ كَانَ يُجِيْرُ النَّاسَ مِنْ سَيْفِ مَالِكٍ ... فَاَصْبَحَ يَبْغِي نَفْسَهٗ مَنْ يُجِيْرُهَا

وَ كَانَ كَعَنْزِ السُّوْءِ قَامَتْ بِظِلْفِهَا ... اِلٰى مُدْيَةٍ تَحْتَ التُّرَابِ تُثِيْرُهَا

وہ بادشاہ کی تلوار سے لوگوں پر ظلم کیا کرتا تھا پھر وہ سرکشی کرتے ہوئے اپنے ہی نفس پر ظلم کرنے والا ہو گیا۔ اس بے وقوف بکری کی مانند جو اپنے کھر سے اسی مٹی میں چھری دبا دیتی ہے جس کو اس نے کھودنا ہوتا ہے۔

اسے صاف کیا، غسل دیا اور خوشبو لگائی پھر ایک تلوار لائے اور اس کے گلے میں لٹکا دی اور کہا ''اے بت! میں نہیں جانتا کہ تجھ سے یہ سلوک کون کرتا ہے؟ اگر تجھ میں کچھ بھلائی ہے تو پھر اس شخص کو روک دینا یہ تلوار تیرے پاس موجود ہے''۔ رات ہوئی، عمرو سو گئے تو وہ جوان اس بت کے پاس گئے اس کے گلے سے تلوار اتاری، ایک مردہ کتا لیا اور ایک رسی سے ان دونوں کو باندھ کر بنو سلمہ کے کنویں میں لٹکا دیا۔ اس کنویں میں لوگ گندگی پھینکتے تھے۔ صبح عمرو اپنے بت خانے میں گئے لیکن انہیں وہاں اپنا خدا نظر نہ آیا۔

حضرت عمرو بن جموح کا اسلام

وہ اپنے بت کی جستجو میں نکلے انہوں نے اسے اسی کنویں میں دیکھا وہ منہ کے بل لٹکا ہوا تھا ایک کتے کی لاش اس کے ساتھ بندھی ہوئی تھی جب انہوں نے یہ دیکھا تو نگاہوں سے پردے اٹھ گئے۔ اپنی قوم کے مسلمانوں سے گفتگو کی اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اپنے اسلام کو انتہائی عمدہ کیا جب انہوں نے اسلام قبول کیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں حق کی پہچان کی توفیق دی تو اپنے بت کی رسوا کن حالت اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

وَاللّٰهِ لَوْ كُنْتَ اِلٰهًا لَمْ تَكُنْ　　اَنْتَ وَ كَلْبٌ وَسْطَ بِئْرٍ فِي قَرَنَ

اُفٍّ لِمَلْقَاكَ اِلٰهًا مُسْتَدَنْ　　آلَان فَتَّشْنَاكَ عَنْ سُوْءِ الْغَبَنْ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ ذِي الْمِنَنْ　　اَلْوَاهِبِ الرَّزَّاقِ دَيَّانِ الدِّيْنَ

حضرت عمرو بن جموح کا اسلام

ان کے بت کا نام ''مناۃ'' تھا۔ یہ فَعَلَةٌ کے وزن پر ہے۔ یہ مَنِيْتُ الدَّمَ سے مشتق ہے اس کا معنی خون بہانا ہے کیونکہ اس بت کے پاس حصول تقرب کے لئے جانور ذبح کئے جاتے تھے اسی لئے اس کو ''مناۃ'' کہا جانے لگا۔ ''اَصْنَامُ دُمْی'' ایسے ہی بتوں کو کہا جاتا تھا۔ اسی طرح ایک بت کا نام ''مناۃ الطاغیہ'' تھا جس کے پاس مشرک کپڑے کے ساتھ ذکر کرتے تھے۔

ارشاد ربانی ہے وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى۔ ''اور منات کے بارے میں جو تیسری ہے''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اللات والعزیٰ کے بعد تیسرے مقام پر ''مناۃ'' کا ذکر کیا ہے اور وہ بت جس کی پوجا حضرت عمرو بن جموح وغیرہ کرتے تھے اس کے ساتھ صفت ''الاخریٰ'' استعمال کیا کیونکہ ''مناۃ'' نامی بت دو تھے ان میں سے ہر ایک دوسرے کی نسبت سے اخریٰ تھا۔

هُوَ الَّذِی اَنْقَذَنِی مِنْ قَبْلِ اَنْ اَکُوْنَ فِی ظُلْمَةِ قَبْرٍ مُرْتَهَنْ
بِاَحْمَدَ الْمَهْدِیِّ النَّبِیِّ الْمُرْتَهِنْ

بخدا! اگر تو معبود ہوتا تو تیری لاش کتے کے ساتھ بندھی ہوئی کنویں میں نہ ملتی۔ اس ذلت آمیز حالت میں تمہاری ملاقات پر صد افسوس! اب ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ہم تمہارے بارے میں دھوکا میں مبتلا تھے۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو بلند ہے بڑے احسانات والا ہے وہ عطا بھی کرتا ہے رزاق بھی ہے اور تمام اہل دین کو جزاء دینے والا ہے اس کی ذات وہ ہے جس نے مجھے کفر سے نجات دی اس سے پیشتر کہ میں قبر کے اندھیروں میں رہن رکھ دیا جاتا۔ اس نے مجھے ہدایت یافتہ نبی مکرم ﷺ پر ایمان لانے کی توفیق دی۔

عقبہ اخری کی بیعت کی شرائط

ابن اسحاق کہتے ہیں اس بیعت میں جہاد کی شرط بھی شامل تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے

الغَبَن

رائے کے ٹیڑھے ہونے کو غبن کہا جاتا ہے جس طرح کہا جاتا ہے سَفِهَ نَفْسَهٗ۔ اہل عرب نَفْسَهٗ کو نصب دیتے ہیں کیونکہ اس کا معنی ہے اس نے خود کو خسارے میں رکھا۔ اس نے اسے ہلاک کر دیا اسی طرح اس کا معنی ہے اس نے اپنی رائے کو ٹیڑھا کر دیا۔

مُسْتَدَنْ

یہ "السَدَانتَهٗ" سے مشتق ہے اس کا معنی گھر کی تعظیم اور اس کی خدمت کرنا ہے۔

دَیَّانُ الدِّیَنْ

الدِّیَنْ دِیْنَةٌ کی جمع ہے دین کا معنی عادت ہے اسے دین بھی کہا جاتا ہے۔ ابن الطثریۃ، یزید کہتا ہے۔

اَرٰی سَبْعَةً یَسْعَوْنَ لِلْوَصْلِ کُلُّهُمْ لَهٗ عِنْدَ لَیْلٰی دِیْنَةٌ یَسْتَدِیْنُهَا
فَاَلْقَمْتُ سَهْمِی بَیْنَهُمْ حِیْنَ اَوْخَشُوْا فَمَا صَارَ لِی فِی الْقَسْمِ اِلَّا ثَمِیْنُهَا

میں نے ان سات کو دیکھا جب سب وصل کے لئے کوشاں تھے لیلیٰ کے ہاں اس کا قرض ہے جس کا وہ مطالبہ کرتا ہے۔ جب انہوں نے تیر اندازی کی تو میں نے بھی اپنا تیر پھینکا تو میرے حصے میں اس کا اگلا حصہ ہی آیا۔

اپنے محبوب مکرم ﷺ کو جہاد کا اذن عطا فرما دیا تھا۔ یہ شرط عقبہ اولیٰ میں شامل نہ تھی کیونکہ اس وقت جہاد کا اذن نہیں ملا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جہاد کا حکم دیا تو عقبہ اخری میں حضور ﷺ نے ان سے سرخ و کالے کے خلاف جہاد کرنے پر بھی بیعت لی۔ اس میں آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لئے اور اپنے پروردگار کے لئے بھی بیعت لی اور وفا کرنے پر انصار کو جنت کا مژدہ سنایا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے عبادۃ بن ولید بن عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم نے اپنے دادا حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں ہم نے جہاد کی شرط کے ساتھ حضور ﷺ کی بیعت کی۔ حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ ان بارہ افراد میں شامل تھے جنہوں نے عقبۂ اولیٰ میں حضور ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کی تھی۔ یہ بیعت ان شرائط پر مشتمل تھی جن پر عورتوں سے بیعت لی جاتی ہے یعنی وہ اپنی تنگی اور کشادگی، خوشی اور مجبوری میں سر تسلیم خم اور مطیع رہیں گے۔ حکام کے ساتھ کسی قسم کا جھگڑا نہیں کریں گے۔ جہاں بھی ہوں گے حق کہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوفزدہ نہ ہوں گے۔

عقبہ میں حاضر ہونے والے خوش نصیبوں کے اسماء

ابن اسحاق کہتے ہیں، یہ ان خوش نصیب افراد کے نام ہیں جو عقبہ اخیرہ میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ یہ قافلہ تہتر مرد اور دو عورتوں پر مشتمل تھا۔

اوس بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر (بنو اشہل بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس) میں سے حضرت اسید بن حضیر بن سماک بن عتیک بن رافع بن امرئ القیس بن زید بن عبد الاشہل نے یہ سعادت حاصل کی۔ یہ نقیب تھے لیکن غزوۂ بدر میں شرکت نہ کر سکے۔

ممکن ہے دین سے مراد ادیان ہو یعنی وہ اھل ادیان کو جزا دینے والا ہے لیکن شاعر نے اس کی جمع دین بنائی ہو کیونکہ یہ کئی اقوام اور مذاہب پر صادق آتا ہے جس طرح کہ حُرّۃ کی جمع حرائر بنائی جاتی ہے کیونکہ وہ کرائم اور عقائل کے معنی میں ہوتی ہیں۔ اسی طرح مَرَائِرُ الشَّجَرِ بھی کہا جاتا ہے۔

بعض نسبوں کی تشریح

ابن اسحاق نے ان بلند بخت حضرات کا ذکر کیا ہے جو عقبہ اخیرہ میں حضور ﷺ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ انہوں نے حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کے نسب کو ذکر نہیں کیا ہم نے ان کا اور ان کے والد کا نام پہلے ذکر کر دیا ہے اور نسب ذکر نہ کرنے کی وجہ بھی بیان کی ہے۔

حضرت ابوالہیثم بن التیہان۔ ان کا نام "مالک" تھا۔ یہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ حضرت سلمہ بن سلامہ بن وقش بن زغبہ بن زعوراء بن عبدالاشہل بھی اس سعادت میں شامل تھے۔ یہ بھی غزوۂ بدر میں معرکہ آزما ہوئے تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں، بنو حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس میں سے حضرت ظہیر بن رافع بن عدی بن زید بن جشم بن حارثہ اور حضرت ابو بردہ بن نیار، ھانی بن نیار بن عمرو بن عبید بن کلاب بن دھمان بن غنم بن ذبیان بن ھیم بن کاھل بن ذھل بن دھنی بن بلی بن عمرو بن الحاف بن قضاعہ نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔ یہ بنو حارثہ کے حلیف تھے۔ یہ بھی غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ حضرت نہیر بن الہیثم جن کا تعلق بنو نابی بن مجدعہ بن حارثہ سے تھا۔ اس سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ بنو عمرو بن عوف بن مالک بن اوس میں سے حضرت سعد بن خیثمہ بن حارث بن مالک بن کعب بن نحاط بن کعب بن حارثہ بن غنم بن سلم بن امرئ القیس بن مالک بن اوس کو بھی یہ توفیق ارزانی ہوئی۔ یہ بھی نقیب تھے غزوۂ بدر میں شامل ہوئے اور جامِ شہادت نوش کیا۔ ابن ہشام کہتے ہیں ابن اسحاق نے حضرت سعد کا نسب بنو عمرو بن عوف میں بیان کیا ہے جبکہ ان کا تعلق بنو غنم بن سلم سے تھا کیونکہ بعض اوقات کوئی شخص کسی قوم میں پرورش پاتا ہے پھر ان کی طرف منسوب ہونے لگتا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت رفاعہ بن عبدالمنذر بن زنبر بن زید بن امیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بھی اس سعادت سے بہرہ مند ہوئے۔ انہوں نے بھی غزوۂ بدر میں شرکت کی۔ حضرت عبداللہ بن جبیر بن نعمان بن امیہ بن برک (امرئ القیس) بن ثعلبہ بن عمرو نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔ انہوں نے بھی غزوۂ بدر میں شرکت کی غزوۂ احد میں شہید ہوئے یہ تیر اندازوں کے امیر تھے۔ ابن ہشام نے امیہ بن البرک کہا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت معن بن عدی بن جد بن عجلان بن حارثہ بن ضبیعۃ بن حرام نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔ یہ بنو

قطبہ بن عامر

ابو حنیفہ فرماتے ہیں قُطبہ، قُطب کی واحد ہے۔ اس بڑے کانٹے کو جس میں تین چھوٹے کانٹے ہوتے ہیں قطبہ کہتے ہیں۔ یہ سعدان کے کانٹے کے ساتھ تشبیہ ہے ہم اپنے شہروں میں اس بوٹی کو "حِمّص الامیر" کہتے ہیں۔ قطبہ، پیکان کے سرے کو بھی کہتے ہیں۔ ابن اسحاق نے ذکوان بن عبد قیس کا ذکر کیا ہے اور ان کا نسب اس طرح بیان کیا ہے۔ عامر بن زریق بن عامر بن زریق بن رواحہ

حارثہ کے حلیف تھے ان کا تعلق بنو بلی سے تھا، یہ غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق میں شریک ہوئے اور جنگ یمامہ میں شہادت سے سرخرو ہوئے اور حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ نے بھی یہ سعادت حاصل کی یہ بھی غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ خندق میں شریک ہوئے۔ یہ گیارہ حضرات وہ تھے جن کا تعلق اوس سے تھا۔ بنوخزرج بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر، بنونجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج میں سے حضرت ابوایوب خالد بن زید بن کلیب بن ثعلبہ بن عبد بن عوف بن غنم بن مالک بن نجار نے یہ سعادت حاصل کی۔ انہوں نے غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ خندق میں شرکت کی حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں ''روح'' کے مقام پر ایک غازی کی حیثیت سے وصال فرمایا۔ حضرت معاذ بن حارث بن رفاعہ بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار بھی اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ یہ غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ خندق میں شریک ہوئے۔ یہی ابن عفراء ہیں ان کے بھائی حضرت عوف بن حارث غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور شہادت سے سرخرو ہوئے۔ انہوں نے ابوجہل بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا تھا۔ ابن ہشام کہتے ہیں رفاعہ بن حارث بن سواد۔ حضرت عمارۃ بن حزم بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبدعوف بن غنم بن مالک بن نجار بھی اس سعادت میں شامل تھے۔ وہ غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ خندق میں شریک ہوئے۔ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ حضرت اسعد بن زرارہ بن عدس بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔ یہ بھی نقیب تھے۔ یہ غزوۂ بدر سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔ اس وقت مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی۔ ان کی کنیت ابوامامہ تھی۔ بنوعمرو بن مبذول (عامر بن مالک بن نجار) میں سے حضرت سہل بن عتیک بن نعمان بن عمرو بن عتیک بن عمرو۔ انہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی۔ بنوعمرو بن مالک بن نجار (یہ بنوحدیلہ تھے ابن ہشام کہتے ہیں حدیلہ بنت مالک بن زید مناۃ بن حبیب بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب بن جشم بن خزرج) میں سے حضرت اوس بن ثابت بن منذر بن حرام بن عمرو بن زید مناۃ بن

بن غضب بن جشم۔ لغت میں غضب شدید سرخی کو کہتے ہیں، جشم جاشم سے معدول ہے، یہ جَشِمْتُ الْاَمْرَ۔ (میں نے بمشکل کام کیا) سے مشتق ہے اسی طرح عمر، عامر سے معدول ہے۔ ہم نے اپنی کتاب میں منصرف اور غیر منصرف کے اسرار بیان کر دیئے ہیں۔ ہم نے وہاں فاعل سے فعل کی طرف معدول کا فائدہ بھی ذکر کر دیا ہے۔ ہم نے وضاحت کی ہے کہ عدل کی حقیقت کیا ہے اس کا مقصد کیا ہے اور اسمائے اجناس میں عدل کیوں نہیں ہوتا۔ عدل صفات میں ہی کیوں ہوتا ہے اور صفات میں بھی

عدی بن عمرو بن مالک بھی اس سعادت سے بہرہ مند ہوئے، انہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی۔ ابوطلحہ زید بن سہل بن اسود بن حرام بن عمرو بن زید مناۃ بن عدی بن مالک بھی اس سعادت میں شامل تھے۔ یہ بھی غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔

بنو مازن بن نجار میں سے حضرت قیس بن ابی صعصعہ عمرو بن زید بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔ یہ بھی غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ حضرت عمرو بن غزیہ بن عمرو بن ثعلبہ بن خنساء بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن بھی اس مبارک موقع پر حاضر تھے۔ بنو نجار میں سے گیارہ حضرات نے یہ بیعت کی۔ ابن ہشام کہتے ہیں عمرو بن غزیہ بن عمرو بن ثعلبہ بن خنساء ہے جس کا ذکر ابن اسحاق نے کیا ہے وہ غزیہ بن عطیہ بن خنساء ہے۔

بلحارث بن خزرج کے بلند اقبال لوگ

ابن اسحاق کہتے ہیں، بنو بلحارث بن خزرج میں سے حضرت سعد بن ربیع بن عمرو بن ابی زھیر بن مالک بن امرئ القیس بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔ یہ بھی نقیب تھے انہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی غزوۂ احد میں جامِ شہادت نوش کیا۔ حضرت خارجہ بن زید بن ابی زھیر بن مالک بن امری القیس بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بھی اس سعادت سے لطف اندوز ہوئے۔ انہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی اور غزوۂ احد میں شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے، حضرت عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ بن امرئ القیس بن عمرو بن امری القیس بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بھی اس سعادت میں شامل تھے۔ یہ بھی نقیب تھے۔ یہ غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ خندق میں شامل ہوئے۔ جنگ موتہ میں حضور ﷺ کی طرف سے امیر لشکر مقرر ہوئے اور شہادت کی رنگین قبا پہنی۔ حضرت بشیر بن سعد بن ثعلبہ بن جلاس بن زید بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بھی وہاں تھے۔ حضرت ابو نعمان بن بشیر بھی غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔

عامر، زافر اور قاثم وغیرہ میں ہی کیوں عدل ہوتا ہے جبکہ مالک، صالح اور سالم میں عدل نہیں ہوتا۔ معدول کے لئے اسی بناء کو مخصوص کیوں کیا گیا ہے کیا اس کے علاوہ کسی اور بناء میں بھی معدول ہے یا نہیں؟ اس بناء پر ہونے کی وجہ سے اسم پر تنوین اور کسرہ کیونکہ نہیں آ سکتا۔ جو ان تمام امور کو جاننے کا مشتاق ہو وہ وہاں سے مطالعہ کرے ابن جنی نے اپنی کتاب ''الخصائص'' میں ان میں سے بعض کا ذکر کیا ہے اور کچھ کا ذکر نہیں کیا۔

حضرت عبداللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبدربہ بن زید مناۃ بن حارث بن خزرج بن حارثہ بھی اس سعادت میں شامل تھے۔ انہوں نے غزوۂ بدر میں شمولیت کی۔ انہیں ہی خواب میں اذان سکھائی گئی تھی اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر عرض کیا اور حضور ﷺ نے اسی کا حکم دیا۔ حضرت فلاد بن سوید بن ثعلبہ بن عمرو بن حارثہ بن امرئ القیس بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بھی اس سعادت کبریٰ میں شامل تھے۔ انہوں نے غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ خندق میں شرکت کی اور بنو قریظہ کے دن شہادت سے سرخرو ہوئے۔ ان پر ایک ٹیلے پر سے چکی پھینکی گئی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا ان کے لئے دو شہیدوں کا اجر ہے۔ حضرت عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ بن اسیرہ بن عسیرہ بن جدارہ بن عوف بن حارث نے بھی اس سعادت میں شرکت کی۔ یہ عقبہ میں شرکت کرنے والوں میں سے سب سے کم عمر تھے۔ یہ غزوۂ بدر میں شریک نہ تھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں انتقال کیا۔

بنو بیاضہ بن عامر بن زریق بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب بن جشم بن خزرج میں سے حضرت زیاد بن لبید بن ثعلبہ بن سنان بن عامر بن عدی بن امیہ بن بیاضہ بھی اس سعادت میں شامل تھے۔ یہ غزوۂ بدر میں بھی شامل تھے۔ حضرت فروہ بن عمرو بن وذفۃ بن عبید بن عامر بن بیاضہ بھی اس عظیم سعادت سے بہرہ مند ہوئے۔ ابن ہشام نے وَذْفَة کو وَدْفَة کہا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضرت خالد بن قیس بن مالک بن عجلان بن عامر بن بیاضہ نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔ بنو زریق بن عامر بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب بن جشم بن خزرج میں سے حضرت رافع بن مالک بن عجلان بن عمرو بن عامر بن زریق نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔ یہ بھی نقیب تھے۔ حضرت ذکوان بن عبد قیس بن خلدہ بن مخلد بن عامر بن زریق بن عامر بن زریق بن عبد حارثہ بھی سعادت اندوز ہوئے۔ یہ حضور ﷺ کی محبت میں مدینہ طیبہ چھوڑ کر

وذقہ

ابن اسحاق نے بنو بیاضہ میں عمرو بن وذقہ کا ذکر کیا ہے ابن ہشام نے اسے ودقہ کہا ہے۔ ابن ہشام کا قول درست ہے، دلکش باغ کو "وَدْفَة" کہا جاتا ہے کیونکہ اسے دیکھ کر منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ "ذکر" کو وداف کہتے ہیں۔ یہ دراصل وادف ہے کیونکہ پانی اور منی کے قطرات اس سے گرتے ہیں اس لئے اسے وداف کہا جاتا ہے۔ دلکش باغ کو "الدقری" بھی کہا جاتا ہے۔ عمرو بن ودقہ وہی بیاضی ہیں جن سے امام مالک نے "کتاب الصلوٰۃ" میں روایت کیا ہے لیکن ان کا نام نہیں لیا۔

مکہ معظمہ چلے گئے اور وہیں حضور ﷺ کے پاس رہے۔ انہوں نے حضور ﷺ کے عشق میں مدینہ طیبہ سے ہجرت کی انہیں مہاجری اور انصاری کہا جاتا تھا۔ یہ غزوۂ احد میں شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔ حضرت عباد بن قیس بن عامر بن خلدہ بن مخلد بن عامر بن زریق بھی اس سعادت عظمیٰ سے بہرہ ور ہوئے۔ انہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی۔ حضرت حارث بن قیس بن خالد بن مخلد بن عامر بن زریق نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔ یہ ابو خالد کے نام سے مشہور تھے، بنو سلمہ بن سعد بن علی بن اسد بن سارده بن تزید بن جشم بن خزرج (بنو عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ) میں سے حضرت براء بن معرور بن صخر بن خنساء بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم نے یہ سعادت کبریٰ حاصل کی۔ یہ بھی نقیب تھے۔ انہی کے متعلق بنو سلمہ گمان کرتے تھے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے حضور ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کی اور حضور ﷺ کی شرائط کو تسلیم کیا۔ وہ حضور ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے پہلے ہی وصال فرما گئے ان کے فرزند دلبند حضرت بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہما نے غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ خندق میں شرکت کی۔ انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ اس بکری کا گوشت کھایا تھا جس میں زہر کی ملاوٹ تھی اور خیبر میں ہی وصال فرما گئے۔ حضور ﷺ کی مراد یہی تھے جب آپ ﷺ نے بنو سلمہ سے استفسار فرمایا۔ مَنْ سَیِّدُکُمْ یَا بَنِی سَلِمَةَ۔ فَقَالُوْا الْجَدُّ بْنُ قَیْسٍ عَلٰی بُخْلَةٍ فَقَالَ وَاَیُّ دَاءٍ اَکْبَرُ مِنَ الْبُخْلِ سَیِّدُ بَنِی سَلِمَةَ الْاَبْیَضُ الْجَعْدُ بِشْرُ بْنِ الْبَرَاءِ بْنِ

بنو نجار سے مراد بنو تیم اللہ بن ثعلبہ ہیں اسے نجار اس لئے کہا جاتا تھا، لِاَنَّہٗ نَجَرَ وَجْهَ رَجُلٍ بِقَدُوْمٍ، کیونکہ اس نے کلہاڑے سے ایک شخص کا چہرہ چیر دیا تھا۔ عرب میں بہت سے ایسے افراد ہیں جن کا نام ثعلبہ ہے لیکن ثعلب نام بہت کم رکھا جاتا ہے اگرچہ قیاس اس نام کے رکھنے کو ترجیح دیتا ہے جس طرح وہ نمر، سبع اور ذئب وغیرہ نام رکھتے تھے مگر ثعلب کا لفظ مشترک ہے تَعْلَبُ الرُّمْحِ (نیزے کا کنارہ) اور ثَعْلَبُ الْحَوْضِ (حوض کا کنارہ) کہا جاتا ہے، حدیث شریف میں ہے۔
حَتّٰی اَقَامَ اَبُوْ لُبَابَةَ یَسُدُّ ثَعْلَبَ مِرْبَدِهٖ بِرِدَائِهٖ۔ اسی لئے اہل عرب نے ثعلب سے ثعلبہ کی طرف توجہ دی ہے کیونکہ لومڑی اپنی اولاد کی زیادہ حفاظت کرتی ہے اور (ثعلب) لومڑ سے زیادہ غیرت مند ہوتی ہے۔

مَنْ سَیِّدُکُمْ یَا بَنِی سَلِمَةَ

امام زہری اور عامر الشعبی نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تمہارا سردار تو عمرو بن جموح

مغرور ہے۔ اے بنو سلمہ! تمہارا سردار کون ہے؟ انہوں نے عرض کی ہمارا سردار جد بن قیس ہے اگرچہ وہ بخیل ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا" بخل سے بڑی بیماری اور کیا ہو سکتی ہے؟ بنو سلمہ کا سردار سفید اور گھنگریالے بالوں والا بشر بن براء بن معرور ہے"۔ حضرت سنان بن صیفی بن صخر بن خنساء بن سنان بن عبید بھی اس سعادت میں شریک تھے۔ انہوں نے بھی غزوہ بدر میں شرکت کی۔ حضرت طفیل بن نعمان بن خنساء بن سنان بن عبید بھی وہاں حاضر تھے۔ یہ غزوہ خندق میں شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔ حضرت معقل بن منذر بن سرح بن خناس بن سنان بن عبید رضی اللہ عنہ نے بھی یہ سعادت حاصل کی یہ بھی غزوہ بدر میں شامل ہوئے۔ حضرت مسعود بن یزید بن سبیع بن خنساء بن سنان بن عبید اور حضرت ضحاک بن حارثہ بن زید بن ثعلبہ بن عبید اور حضرت یزید بن خدام بن سبیع بن خنساء بن سنان بن عبید حضرت جبار بن صخر بن امیہ بن خنساء بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ رضی اللہ عنہم بھی اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے اور غزوہ بدر میں شرکت کی۔ ابن ہشام کہتے ہیں جبار بن صخر بن امیہ بن خناس بھی کہا جاتا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت طفیل بن مالک بن خنساء بن سنان بن عبید نے بھی یہ سعادت حاصل کی اور غزوہ بدر میں شرکت کی۔ یہ طفیل بن نعمان بن خنساء بن سنان کے چچازاد تھے۔ بنو سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ میں سے حضرت کعب بن مالک بن ابی کعب بن القین بن کعب نے یہ سعادت حاصل کی۔ بنو غنم بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ میں سے حضرت سلیم بن عمرو بن حدیدہ بن عمرو بن غنم، حضرت قطبہ بن عامر بن حدیدہ بن عمرو بن غنم اور حضرت یزید بن عامر بن حدیدۃ بن عمرو بن غنم رضی اللہ عنہم بھی ان پر کیف لحات میں حاضر تھے۔ انہوں نے غزوہ بدر میں بھی شرکت کی سعادت حاصل کی۔ حضرت ابوالیسر کعب بن عمرو بن عباد بن عمرو بن غنم بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ بھی عقبہ میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت صیفی بن سواد بن عباد بن عمرو بن غنم رضی اللہ عنہ نے بھی ان بابرکت لحات میں شرکت کی۔ ابن

رضی اللہ عنہ ہے۔ انصار کا ایک شاعر اسی واقعہ کے متعلق کہتا ہے۔

وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَالْحَقُّ قَوْلُهٗ   لِمَنْ قَالَ مِنَّا مَنْ تَعُدُّوْنَ سَيِّدًا

فَقَالُوْا لَهٗ جَدُّ بْنُ قَيْسٍ عَلَى الَّتِي   نُبَخِّلُهٗ فِيْهَا، وَ مَا كَانَ اَسْوَدَا

فَسُوِّدَ عَمْرُوبْنَ الْجَمُوْحِ لِجُوْدِهٖ   وَ حَقٌّ لِعَمْرٍو وَ عِنْدَنَا اَنْ يُسَوَّدَا

حضور ﷺ نے فرمایا اور آپ ﷺ کا فرمان حق ہے۔" تم اپنا سردار کسے سمجھتے ہو؟" لوگوں

ہشام کہتے ہیں صیفی بن اسود بن عباد بن عمرو بن غنم بن سواد ہیں، سواد کا غنم نامی بیٹا کوئی نہ تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں بنو نابی بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ میں سے حضرت ثعلبہ بن غنمہ بن عدی بن نابی نے یہ عظیم سعادت حاصل کی، غزوۂ بدر میں بھی شرکت کی اور غزوۂ خندق میں شہادت سے سرخرو ہوئے۔ حضرت عمرو بن غنمہ بن عدی بن نابی اور حضرت عبس بن عامر بن عدی بن نابی رضی اللہ عنہما بھی ان عظیم لحات میں شریک تھے، موخر الذکر نے غزوۂ بدر میں بھی شرکت کی۔ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے بھی حضور ﷺ کے دست شفا بخش پر بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ یہ بنو قضاعہ میں سے ان کے حلیف تھے۔ اسی طرح حضرت خالد بن عمرو بن عدی بن نابی رضی اللہ عنہ بھی اس سعادت میں شریک تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں، بنو حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ میں سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام بن ثعلبہ بن حرام رضی اللہ عنہ بھی اس سعادتِ عظمیٰ سے بہرہ مند ہوئے۔ یہ نقیب تھے غزوۂ بدر میں شریک ہوئے، غزوۂ احد میں شہادت سے سرخرو ہوئے۔ ان کے نورِ نظر کا نام حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما تھا۔ حضرت معاذ بن عمرو بن جموح بن زید بن حرام رضی اللہ عنہ بھی ان سعادت اندوز لحات میں شامل تھے۔ انہوں نے غزوۂ بدر میں بھی شرکت کی۔ حضرت ثابت بن الجذع (ثعلبہ) بن زید بن حارث بن حرام رضی اللہ عنہ بھی اس وقت حاضر تھے انہوں نے بھی غزوۂ بدر میں معرکہ آزما ہونے کی سعادت حاصل کی اور طائف میں شہادت کا جام نوش کیا۔ حضرت عمیر بن حارث بن ثعلبہ بن زید بن حارث بن حرام رضی اللہ عنہ بھی ان پر لطف لحات میں حاضر خدمت ہوئے۔ انہوں نے غزوۂ بدر میں بھی شرکت کی۔ ابن ہشام کہتے ہیں عمیر بن حارث بن لبدہ بن ثعلبہ۔

ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت خدیج بن سلامہ بن اوس بن عمرو بن الفرافر نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔ یہ بنو بلی سے ان کے حلیف تھے۔ حضرت معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس بن عائذ بن

نے عرض کی "ہم اپنا سردار جد بن قیس کو سمجھتے ہیں اگر چہ وہ بخیل ہے حالانکہ وہ سردار ہونے کے قابل نہ تھا"۔ آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن جموع کو ان کی سخاوت کی وجہ سے سردار بنا دیا۔ ہمارے نزدیک بھی وہ اس قابل تھے کہ انہیں سردار بنایا جاتا۔

ابن اسحاق نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اذی بن سعد بن علی کی طرف منسوب کیا ہے۔ ادی کی نسل ختم ہوگئی تھی۔ سب سے آخر میں حضرت عبدالرحمٰن بن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما نے

عدی بن کعب بن عمرو بن ادی بن سعد بن علی بن اسد بھی اس شرف میں شامل ہوئے۔ انہیں اسد بن ساردۃ بن تزید بن جشم بن خزرج کہا جاتا ہے۔ یہ بنوسلمہ میں سے تھے، یہ غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے بلکہ تمام غزوات میں شرکت کی۔ انہوں نے ''عمواس'' کے مقام پر طاعون سے انتقال کیا۔ بنوسلمہ کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ سہل بن محمد بن جد بن قیس بن صخر بن خنساء بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ کے ماں کے جانب سے بھائی تھے۔ ابن ہشام کہتے ہیں اوس سے مراد ابن عباد بن عدی بن کعب بن عمرو بن ادی بن سعد ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں بنوعوف بن خزرج (بنوسالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج) میں سے حضرت عبادۃ بن صامت بن قیس بن اصرم بن فہر بن ثعلبہ بن غنم بن سالم بن عوف رضی اللہ عنہ بھی ان سعادت افزا لحات میں موجود تھے۔ انہوں نے غزوۂ بدر اور دیگر غزوات میں شرکت کی۔ ابن ہشام کہتے ہیں غنم بن عوف، سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج کے بھائی تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ بن مالک بن العجلان بن زید بن غنم بن سالم بن عوف رضی اللہ عنہ سے بھی اس شرف میں شرکت کی۔ انہوں نے بھی محبت رسول ﷺ میں مکہ معظمہ کی طرف ہجرت کی اور وہیں مقیم رہے۔ انہیں مہاجری انصاری کہتے تھے۔ یہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ حضرت ابوعبدالرحمٰن یزید بن ثعلبہ بن خزمہ بن اصرم بن عمرو بن عمارہ رضی اللہ عنہ بھی اس سعادت میں شامل ہوئے۔ یہ بنوغصینہ سے ان کے حلیف تھے۔ حضرت عمرو بن حارث بن لبدہ بن عمرو بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ بھی اس سعادت بھرے وقت میں شریک تھے۔ انہیں قواقل کہا جاتا تھا۔

بنوسالم بن غنم بن عوف بن خزرج بنوحبلی (سالم بن غنم بن عوف کو پیٹ کے بڑے ہونے کی وجہ سے حبلی کہا جاتا تھا) میں سے حضرت رفاعہ بن عمرو بن زید بن عمرو بن ثعلبہ بن مالک بن سالم بن غنم رضی اللہ عنہ نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔

انتقال کیا۔ ادی کو اذن بھی کہا جاتا ہے۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے طاعون عمواس میں وصال فرمایا۔ نسخہ میں عمواس ہی ہے علامہ البکری نے اسے کتاب المعجم میں عَمواس لکھا ہے۔ یہ شام کا ایک قصبہ تھا۔ طاعون کو یہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ اسی شہر سے اس کا آغاز ہوا تھا۔ دوسرے قول کے مطابق اس طاعون کو عمواس اس لئے کہا جاتا تھا لِاَنَّهٗ عَمَّ وَآسٰی۔ کیونکہ یہ مرض بہت عام ہوگئی تھی اور لوگوں کو ایک دوسرے کا نمونہ بنادیا تھا۔

ابن ہشام کہتے ہیں حضرت رفاعہ کو ابن مالک اور مالک سے مراد ابن الولید بن عبداللہ بن مالک بن جشم بن مالک بن سالم ہے۔ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت عقبہ بن وھب بن کلدہ بن جعد بن ہلال بن حارث بن عمرو بن عدی بن جشم بن عوف بن جھشہ بن عبداللہ بن غطفان بن سعد بن قیس بن عیلان رضی اللہ عنہ بھی اس سعادت میں شریک ہوئے۔ یہ بنو سالم کے حلیف تھے،غزوۂ بدر میں شرکت کی انہوں نے بھی حضور ﷺ کی محبت میں مکہ معظمہ کو اپنا مسکن بنالیا انہیں مہاجری انصاری کہا جاتا تھا۔ابن اسحاق کہتے ہیں بنو ساعدہ بن کعب بن خزرج میں سے حضرت سعد بن عبادہ بن ولیم بن حارثہ بن ابی خزیمہ بن ثعلبہ بن طریف بن خزرج بن ساعدہ نے بھی اس موقع پر حاضری دی۔ یہ بھی نقیب تھے۔حضرت منذر بن عمرو بن خنیس بن حارثہ بن لوذان بن عبدود بن زید بن ثعلبہ بن جشم بن خزرج بن ساعدہ نے بھی دست مصطفیٰ ﷺ پر بیعت عقبہ کرنے کی سعادت حاصل کی۔ یہ بھی نقیب تھے یہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں شریک ہوئے۔بئر معونہ کے واقعہ میں شہادت سے سرخرو ہوئے۔انہیں ''اَعْنَقَ لِیَمُوْت'' کہا جاتا تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں بنو اوس اور بنو خزرج میں سے تہتر مردوں اور دو عورتوں نے عقبہ میں حضور ﷺ کی بیعت کی۔حضور ﷺ بیعت کرتے وقت عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتے تھے بلکہ آپ ﷺ صرف ان سے عہد لیتے تھے اگر وہ اقرار کرلیتیں تو فرماتے جاؤ'' میں نے تمہیں بیعت کرلیا ہے''۔

بنو مازن بن نجار میں سے حضرت نسیبہ بنت کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن نجار اس سعادت سے بہرہ مند ہوئیں۔ ان کی کنیت ام عمارہ تھی۔ یہ غزوات میں حضور ﷺ کے ساتھ ہوتی تھیں ان کے ہمراہ ان کی ہمشیرہ ہوتی تھیں ان کے خاوند کا نام حضرت زید بن عاصم بن کعب رضی اللہ عنہ تھا۔حضرت حبیب بن زید اور حضرت عبداللہ بن زید ان کے نور نظر تھے۔ان کے فرزند دلبند حضرت حبیب رضی اللہ عنہ وہی خوش نصیب شخص ہیں

خزمہ

ابن اسحاق اور ابن کلبی نے اسے خَزْمہ لکھا ہے امام الطبری نے اس کو خَزَمہ لکھا ہے یہ بنو عمارۃ میں سے بلوی تھے عرب میں عِمارۃ صرف یہی ہے اور عمارۃ بھی ایک ہی ہے یعنی ابی بن عمارہ موزوں پر مسح والی حدیث ان ہی سے مروی ہے انہیں عمارہ بھی کہا جاتا ہے ان کے علاوہ باقی '' عمارۃ'' ہیں مگر دارقطنی نے محمد بن حبیب سے اور وہ ابن الکلبی سے قضاعہ کے نسب میں

ہیں مسیلمہ کذاب نے پکڑ لیا۔ وہ ان سے پوچھنے لگا۔ "کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؟" انہوں نے فرمایا "ہاں"! پھر مسیلمہ نے پوچھا "کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟" انہوں نے فرمایا "میں نے نہیں سنا"۔ اس ستم زر نے ان کا ایک ایک عضو کاٹا، وہ جامِ شہادت نوش کر گئے لیکن اپنی زبان سے اس سے زیادہ کچھ نہ نکالا جب ان کے سامنے حضور تاجدارِ مدینہ ﷺ کا ذکر خیر کیا جاتا وہ آپ ﷺ پر ایمان لاتے اور آپ ﷺ پر درود وسلام پیش کرتے جب مسیلمہ الکذاب کا ذکر کیا جاتا تو وہ کہتے لَا اَسْمَعُ میں نے نہیں سنا۔ حضرت نسیبہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ہمراہ یمامہ کی طرف گئیں۔ بنفس نفیس جنگ میں شرکت کی حتیٰ کہ مسیلمہ کذاب جہنم داصل ہو گیا۔ جب یہ واپس تشریف لائیں تو ان کے جسم اطہر پر تیر و تلوار کے بارہ زخم تھے۔

بنو سلمہ میں سے حضرت ام منیع اسماء بنت عمرو بن عدی بن نابی بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ رضی اللہ عنہما نے اس سعادت میں شرکت کی۔

حضور ﷺ کو جہاد کی اجازت

محمد بن اسحاق مطلبی روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کو بیعتِ عقبہ سے پہلے جہاد کا اذن نہیں ملا تھا۔ خون ریزی حلال نہ ہوئی تھی اس وقت صرف بارگاہ ربوبیت میں التجاء کرنے، اذیتوں اور مصائب پر صبر کرنے، جاہل سے درگزر کرنے کی اجازت تھی۔ قریش آپ ﷺ کے صحابہ کو جور و ستم کا نشانہ بناتے تھے۔ وہ انہیں دین متین سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے تھے، ان میں کچھ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے، کچھ قریش کے ہاتھوں مشقِ ستم بنتے رہے، کچھ حبشہ چلے گئے اور بعض مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ جب قریش مکہ نے اللہ تعالیٰ کے خلاف بغاوت و سرکشی کا مظاہرہ کیا اور اس عزت و کرامت کو ٹھکرا دیا جس کا اللہ تعالیٰ نے ان کے

لکھتے ہیں۔ مدرک بن عبداللہ القمقام بن عمارہ بن ذوید بن مالک۔ خواتین میں سے عمارہ بن نافع ہیں یہ محمد بن عبداللہ بن عبدالرزاق کی والدہ تھیں۔ انصار میں اس خَزمہ کے علاوہ باقی تمام خَزَمة ہیں۔

ابن اسحاق نے حضرت خدیج رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے۔ دارقطنی اور الطبری نے انہیں "خدیج" لکھا ہے انہوں نے لکھا ہے یہ عقبہ میں تو حاضر ہوئے تھے لیکن غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ ان کی کنیت ابو رشید تھی۔

ساتھ ارادہ کیا تھا۔ نبی محترم ﷺ کو جھٹلایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اذیتیں دیں، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنے والوں، اس کی عبادت کرنے والوں اور اس کے نبی معظم ﷺ کی تصدیق کرنے والوں کو مکہ معظمہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو جنگ کی اجازت دے دی، ظلم کرنے والوں اور علم بغاوت بلند کرنے والوں سے بدلہ لینے کا حکم دے دیا۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سب سے پہلی وہ آیت جس میں جہاد کا اذن تھا، خونریزی کو حلال کیا گیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول کے باغیوں کی سرکوبی کا حکم ہے وہ یہ تھی۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٤٠﴾ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٤١﴾ (الحج)

"اذن دے دیا گیا ہے (جہاد کا) ان (مظلوموں) کو جن سے جنگ کی جاتی ہے اس بناء پر کہ ان پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی نصرت پر پوری طرح قادر ہے۔ وہ (مظلوم) جن کو نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے ناحق صرف اتنی بات پر کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ بچاؤ نہ کرتا لوگوں کا انہیں ایک دوسرے سے ٹکرا کر تو (طاقتور کی غارت گری سے) منہدم ہو جاتیں خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ قوت والا (اور) سب پر غالب ہے۔ وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں اقتدار بخشیں زمین میں تو وہ صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو اور دیتے زکوٰۃ اور حکم کرتے ہیں نیکی کا اور روکتے ہیں برائی سے اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہے سارے کاموں کا انجام"۔

حبلی سے نسبت "حُبلیٌّ" ہے۔ یہ خلاف قیاس ہے یہ سیبویہ کا قول ہے۔ اس سے بعض علماء کو گمان ہوا ہے کہ سیبویہ نے اس میں حُبَلی کہا ہے جس طرح حَذِیمۃ سے نسبت حَذامیٌ بنائی جاتی ہے لیکن سیبویہ نے اسے حُبْلی کے ساتھ ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ شاذ ہے مگر سیبویہ نے اسے ضمہ کے ساتھ ہی روایت کیا ہے۔ اس قول کو ابوعلی القالی نے "البارع" میں لکھا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے سیبویہ

یعنی میں نے ان کے لئے جہاد اس لئے جائز قرار دیا کیونکہ ان پر ستم ڈھایا گیا حالانکہ لوگوں کے درمیان ان کا کوئی گناہ نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ لوگ جب غالب آجائیں گے تو نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ ادا کریں گے نیکی کا حکم دیں گے برائی سے منع کریں گے۔ جنہیں اذن جہاد دیا گیا تھا ان سے مراد نبی محترم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ پھر اس آیت کا نزول ہوا۔ وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ (بقرہ: ۱۹۳) "اور (اے مسلمانو!) لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ باقی نہ رہے کوئی فساد اور ہو جائے دین پورے کا پورا اللہ کے لئے"۔

سے صحیح نسخہ میں اسی طرح تحریر ہے۔ اس کی دلیل یہی کافی ہے کہ تمام محدثین نے ابوعبدالرحمٰن کو حُبُلیٰ ہی کہا ہے۔ کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ اس سے اس شخص کی خطاء واضح ہوتی ہے جس نے اسے سیبویہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

مسلمانوں کو مکہ معظّمہ سے ہجرت کرنے کا اذن

ابن اسحاق کہتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ نے نبی محترم ﷺ کو جہاد کا اذن دے دیا، خوش قسمت انصار نے اسلام اور نصرت پر بیعت کر لی۔ مظلوم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی انصار کے ہاں پناہ لینی چاہی تو حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی اور انہیں اپنے انصاری بھائیوں کے پاس جانے کا اذن دے دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھائی اور ایک بستی عطا فرما دی ہے جہاں تم امن و سلامتی سے رہ سکتے ہو۔ حضور ﷺ خود مکہ معظّمہ میں ہی اقامت گزیں رہے اور ہجرت میں اذنِ الٰہی کے منتظر رہے۔

حضرت ابوسلمہ اور ان کی زوجہ محترمہ رضی اللہ عنہا کی ہجرت

بنومخزوم میں سب سے پہلے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی ان کا نام عبداللہ تھا، انہوں نے بیعت عقبہ سے ایک سال قبل ہجرت کی۔ یہ سرزمین حبشہ سے مکہ معظّمہ واپس آ گئے۔ جب قریش نے انہیں ظلم و تعدی کا نشانہ بنایا اور انہیں انصار کے اسلام لانے کی خبر ملی تو یہ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ام المومنین ام سلمۃ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے ''وہ فرماتی ہیں جب حضرت ابوسلمۃ نے مدینہ طیبہ جانے کا عزمِ مصمم کر لیا تو وہ اپنا اونٹ میرے پاس لے کر آئے مجھے اس پر سوار کیا میری آغوش میں اپنے لختِ جگر سلمۃ کو رکھا پھر ہمیں لے کر عازمِ سفر ہوئے۔ جب بنومغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کو خبر ملی تو وہ حضرت ابوسلمہ کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے۔ ایک تو تمہارا اپنا نفس ہے جس کی وجہ سے تم ہم پر غالب آ گئے ہو لیکن تمہارا اپنی اس زوجہ کے متعلق کیا خیال ہے؟ کیا ہم اسے تمہارے ساتھ چھوڑ دیں گے کہ یہ

حضرت عثمان بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ

جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان بن ابی طلحہ کی رفاقت میں ہجرت کی اس وقت وہ دائرہ اسلام سے وابستہ نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے صلح حدیبیہ کے سال اسلام قبول کیا اور مکہ فتح ہونے سے پہلے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ غزوہ احد میں

مختلف شہروں میں تمہارے ساتھ چلتی رہے''۔ انہوں نے حضرت ابوسلمہ کے ہاتھ سے اونٹ کی نکیل چھین لی اور مجھے پکڑ لیا۔ یہ دیکھ کر بنوعبد الاسد بھی غصے میں ہو گئے۔ یہ حضرت ابوسلمہ کا قبیلہ تھا۔ انہوں نے کہا'' بخدا! انہیں جب تم نے ہمارے ساتھی سے اس کی زوجہ چھین لی ہے تو پھر ہم اس کا بچہ بھی اس عورت کے پاس نہیں رہنے دیں گے''۔ وہ میرے نورِ نظر کو کھینچنے لگے۔ اسی کشمکش میں اس کا ہاتھ بھی اتر گیا مگر پھر بھی بنوعبد الاسد اسے لے گئے۔ مجھے بنومغیرہ نے اسیر کر دیا میرے خاوند محترم مدینہ طیبہ چلے گئے۔ اس طرح میرے، میرے خاوند اور میرے فرزند دلبند کے مابین جدائی ڈال دی گئی۔ میں ہر روز باہر نکل جاتی اور ٹیلوں پر بیٹھ کر روتی رہتی۔ اس گریہ زاری میں ایک سال گزر گیا ایک روز میں اسی کیفیت میں تھی کہ میرے پاس سے میرا چچازاد گزرا اس نے میری قابل ترس حالت دیکھ کر رحم کیا اس نے بنومغیرہ سے کہا'' تم اس مسکینہ کو جانے کیوں نہیں دیتے، تم نے اس کے خاوند اور اس کے بیٹے کے مابین جدائی ڈال دی ہے''۔ بنومغیرہ نے مجھے کہا'' اگر تم اپنے خاوند کے پاس جانا چاہتی ہو تو جاؤ'' اس وقت بنوعبد الاسد نے بھی مجھے میرا بیٹا لوٹا دیا۔ میں نے اپنا اونٹ تیار کیا اپنے بیٹے کو اپنی گود میں لے کر سوار ہوئی اور مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ اللہ کی مخلوق میں سے میرے ساتھ اور کوئی نہ تھا۔ میں نے سوچا مجھے جو بھی ملے گا میں اسی پر کفایت کر لوں گی، حتیٰ کہ میں اپنے خاوند تک پہنچ جاؤں۔ جب میں مقام تنعیم پر پہنچی تو مجھے عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ ملے۔ ان کا تعلق بنوعبد الدار سے تھا، انہوں نے مجھ سے پوچھا '' اے ابوامیہ کی بیٹی! کہاں کا ارادہ ہے'' میں نے کہا'' میں اپنے خاوند محترم کے پاس مدینہ طیبہ جانا چاہتی ہوں''۔ انہوں نے پوچھا'' کیا تمہارے ساتھ کوئی ہے؟'' میں نے کہا'' نہیں بخدا! میرے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس ننھے بیٹے کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے''۔ انہوں نے کہا'' قسم بخدا! تمہیں اکیلے نہیں چھوڑا جا سکتا۔ انہوں نے اونٹ کی نکیل کو پکڑ لیا اور میرے آگے آگے چلنے لگے۔ میں نے اس سے زیادہ شریف رفیق رہ اہل عرب میں سے کسی کو نہیں دیکھا۔ جب وہ کسی مقام پر پہنچتے تو اونٹ کو بٹھاتے پھر ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو جاتے۔ جب میں اونٹ سے اتر

اپنے بھائیوں کو ہی قتل کیا۔ خانہ کعبہ کی چابیاں انہی کے پاس ہوتی تھیں فتح مکہ کے دن حضور ﷺ نے یہ چابیاں حضرت عثمان بن ابی طلحہ اور ان کے چچازاد بھائی شیبہ بن ابی عثمان بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ کو دیں۔ بنوشیبہ کے جدامجد یہی ہیں، ابوطلحہ کا نام عبداللہ بن عبدالعزیٰ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اجنادین کے میدان میں شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔

جاتی تو وہ اونٹ کو لے جاتے اور کسی درخت سے باندھ دیتے پھر کسی دوسرے درخت کی نیچے جا کر لیٹ جاتے جب روانگی کا وقت قریب آتا تو اونٹ کے پاس جاتے اس پر کجاوہ رکھتے پھر اسے میرے پاس لے آتے اور مجھے کہتے "سوار ہو جاؤ"۔ جب میں سوار ہو جاتی اور اپنے اونٹ پر اچھی طرح بیٹھ جاتی تو وہ قریب آتے اونٹ کی نکیل پکڑتے اور چلنے لگتے۔ وہ اسی طرح عازم سفر رہے حتیٰ کہ ہم مدینہ طیبہ پہنچ گئے جب انہیں قباء میں بنو عمرو بن عوف کی بستی نظر آئی تو انہوں نے کہا تمہارے محترم خاوند اس بستی میں ہیں۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ وہیں تھے، اللہ کا نام لے کر اس میں داخل ہو جاؤ پھر حضرت عثمان مکہ معظمہ واپس آ گئے"۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں "قسم بخدا! میں کسی ایسے گھرانہ کو نہیں جانتی جسے اتنی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا ہو، جتنی تکالیف ابو سلمہ کے گھرانہ کو سہنا پڑیں، میں نے کسی ساتھی کو حضرت عثمان بن ابی طلحہ سے شریف نہیں دیکھا"۔

حضرت عامر، ان کی اہلیہ محترمہ اور بنو جحش کی ہجرت

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی ہجرت کے بعد حضرت عامر بن ربیعہ "بنو عدی بن کعب کے حلیف" اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت لیلیٰ بنت ابی خثمہ بن غانم بن عبداللہ بن عوف بن عبید بن عدی بن کعب رضی اللہ عنہما نے ہجرت کی پھر حضرت عبداللہ بن جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرہ بن مرۃ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی۔ یہ بنو امیہ بن عبد شمس کے حلیف تھے ان کے ہمراہ حضرت ابو احمد عبد بن جحش رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت ابو احمد نابینا تھے، یہ بیت اللہ کا طواف کرتے تھے اور بغیر کسی راہ نما کے مکہ معظمہ کے بالائی نشیبی علاقے میں آیا جایا کرتے تھے۔ یہ شاعر تھے الفرعہ بنت ابی سفیان بن حرب ان کی زوجیت میں تھیں ان

بنو جحش کی ہجرت

بنو جحش سے مراد عبداللہ اور ابو احمد عبد ہیں۔ ان کا بھائی عبیداللہ تھا جس نے پہلے اسلام قبول کیا پھر نصرانیت اختیار کر لی، حضرت ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو حرم رسول میں داخل ہونے کی سعادت ملی۔ انہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا (الاحزاب: ۳۷) "پھر جب پوری کر لی زید نے اسے طلاق دینے کی خواہش کی تو ہم نے اس کا آپ سے نکاح کر دیا"۔

کی والدہ کا نام امیمہ بنت عبد المطلب بن ہاشم تھا۔ بنو جحش کا گھر ہجرت کی وجہ سے بند پڑا تھا ان کے گھر کے پاس سے عتبہ بن ربیعہ، عباس بن عبد المطلب اور ابو جہل بن ہشام گزرے۔ یہ گھر ان کھنڈرات پر تھا جہاں ابان بن عثمان کا گھر تھا۔ یہ مکہ معظمہ کے بالائی علاقہ کی طرف جا رہے تھے، عتبہ بن ربیعہ نے ان کے گھر کا جائزہ لیا اس کے دروازوں سے آواز آ رہی تھی اس میں کوئی ساکن نہ تھا۔ عتبہ بن ربیعہ نے اسے دیکھ کر ٹھنڈی آہ لی پھر فرمایا۔

وَ كُلُّ دَارٍ وَ اِنْ طَالَتْ سَلَامَتُهَا يَوْمًا سَتُدْرِكُهَا النَّكْبَاءُ وَالْحُوْبُ

"تمام گھر، اگرچہ ان کی سلامتی کتنی بھی طویل ہو جائے، ایک نہ ایک دن مخالف ہوا اور وحشت کا سامنا کریں گے"۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ یہ شعر ابوداؤد الایادی کا ہے۔ حوب کا معنی تکلیف اور وحشت ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ بنو جحش کے گھر خالی ہو گئے۔ ابو جہل نے کہا وَ مَا تَبْكِي عَلَيْهِ مِنْ قُلِّ بْنِ قُلِّ۔ تو ایک کے بیٹے ایک پر کیا روتا ہے۔ ابن ہشام کہتے ہیں قُلّ کا معنی واحد ہے لبید بن ربیعہ کہتا ہے۔

كُلُّ بَنِي حُرَّةٍ مَصِيْرُهُمْ قُلٌّ وَاِنْ اَكْثَرَتْ مِنَ الْعَدَدِ

تمام بنو حرۃ کا انجام واحد (ایک) ہے اگرچہ وہ تعداد میں کثیر بھی ہوں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر ابو جہل نے کہا "یہ سب کام تمہارے بھتیجے کا ہی ہے جس نے ہماری جماعت کے شیرازہ کو بکھیر دیا، ہمارے معاملات کو متفرق کر دیا اور ہمارے مابین قطع تعلقی کرا دی"۔ حضرت ابوسلمہ بن عبد الاسد، حضرت عامر بن ربیعہ، حضرت عبد اللہ بن جحش، حضرت ابو احمد بن جحش قباء میں بشر بن عبد المنذر بن نبر کے پاس مقیم تھے پھر دیگر صحابہ کرام بھی جوق در جوق

حضرت ام حبیب بنت جحش رضی اللہ عنہا حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کی زوجیت میں تھیں۔ "موطا" میں ہے کہ حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں لیکن حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا کسی دور میں بھی حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں نہیں رہیں۔ یہ کسی کا قول نہیں اور نہ ہی کوئی اسے تسلیم کرتا ہے، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں حضرت ام حبیب رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کا نام بھی زینب ہی تھا اور کنیت سے ان میں فرق ہوتا تھا۔ اس لئے "موطا" کی حدیث میں کوئی وہم یا غلطی کا شائبہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا کا نام برۃ تھا۔ حضور نے ان کا نام زینب رکھا۔ اسی طرح آپ ﷺ کی نشوونما میں مدد

ادھر کا رخ کرنے لگے۔ بنو غنم بن دودان جو دولت اسلام سے مالا مال ہو چکے تھے وہ بھی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ درج ذیل حضرات نے سب سے پہلے ہجرت کی سعادت حاصل کی۔

حضرت عبداللہ بن جحش، حضرت ابو احمد بن جحش، حضرت عکاشہ بن محصن، حضرت شجاع، حضرت عقبہ، حضرت اربد بن جمیرہ (ابن ہشام نے حمیرہ کہا ہے) حضرت منقذ بن نباتہ، حضرت سعید بن رقیش، حضرت محرز بن نضلہ، حضرت یزید بن رقیش، حضرت قیس بن جابر، حضرت عمرو بن محصن، حضرت مالک بن عمرو، حضرت صفوان بن عمرو، حضرت ثقف بن عمرو، حضرت ربیعہ بن اکثم، حضرت زبیر بن عبید، حضرت تمام بن عبیدہ، حضرت سخبرہ بن عبیدۃ اور حضرت محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہم۔

فرخندہ فال خواتین میں سے یہ سعادت حضرت زینب بنت جحش، حضرت ام حبیب بنت جحش، حضرت جذامہ بنت جندل، حضرت ام قیس بنت محصن، حضرت ام حبیب بنت ثمامہ، حضرت آمنہ بنت رقیش، حضرت سخبرہ بنت تمیم اور حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہن نے حاصل کی۔

جب بنو اسد بن خزیمہ کو اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کی رضا کے لئے ہجرت کی دعوت دی گئی تو ان تمام نے اس دعوت پر لبیک کہا، حضرت ابو احمد بن جحش بن رئاب اسی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

وَ لَوْ حَلَفَتْ بَيْنَ الصَّفَا أُمُّ اَحْمَدَ ... وَ مَرْوَتِهَا بِاللّٰهِ بَرَّتْ يَمِيْنُهَا

لَنَحْنُ الْاُوْلٰى كُنَّا بِهَا ثُمَّ لَمْ نَزَلْ ... بِمَكَّةَ حَتّٰى عَادَ غَثًّا سَمِيْنُهَا

بِهَا خَيَّمَتْ غَنْمُ بْنُ دُوْدَانَ وَ ابْتَنَتْ ... وَ مَا اِنْ غَدَتْ غَنْمٌ وَ خَفَّ قَطِيْنُهَا

اِلَى اللّٰهِ تَغْدُوْ بَيْنَ مَثْنٰى وَ وَاحِدٍ ... وَ دِيْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ بِالْحَقِّ دِيْنُهَا

کرنے والی دایا کا نام بھی برہ تھا، آپ ﷺ نے ان کا نام بھی زینب رکھا۔ گویا کہ آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا کہ کوئی عورت اس نام سے اپنے آپ کو پاکباز بنانے کی کوشش کرے۔ جحش بن رئاب کا نام برۃ تھا حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ کاش آپ میرے باپ کا نام بھی تبدیل کر دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تمہارا باپ مسلمان ہوتا تو میں اپنے اہل بیت کے ناموں میں سے اس کا نام رکھتا لیکن میں نے اس کا نام جحش رکھا ہے اور جحش کا معنیٰ ''برہ'' سے زیادہ ہے۔ (المؤتلف والمختلف)۔ وَ كُلُّ بَيْتٍ...... ابوداؤد کے اس شعر کے بعد دوسرا شعر یہ ہے۔

اگر ام احمد کوہ صفا اور کوہ مروہ کے درمیان کھڑی ہو کر قسم اٹھائے تو اس کی قسم سچی ہوگی کہ ہم مکہ معظمہ میں ہی اقامت گزیں تھے پھر وہیں مقیم رہے حتیٰ کہ اس کے موٹے آدمی کمزور ہو گئے۔ بنو غنم بن دودان بھی وہیں خیمہ زن تھے۔ ان کے گھر بھی وہیں تھے پھر وہاں سے بنو غنم صبح سویرے عازم سفر ہو گئے اور یہ سفر ان کے مقیم کے لئے آسان ہو گیا۔ وہ ایک ایک، دو دو ہو کر اللہ کی طرف ہجرت کرتے جارہے ہیں اور حضور ﷺ کا سچا دین، ان کا دین بن گیا۔

یہ قصیدہ بھی حضرت ابو احمد بن جحش رضی اللہ عنہ کا ہی ہے۔

لَمَّا رَأَتْنِي أُمُّ أَحْمَدَ غَادِيًا بِذِمَّةِ مَنْ أَخْشٰى بِغَيْبٍ وَ أَرْهَبُ

تَقُوْلُ فَإِمَّا كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَيَمِّمْ بِنَا الْبُلْدَانَ وَلْتَنْأَ يَثْرِبُ

فَقُلْتُ لَهَا بَلْ يَثْرِبُ الْيَوْمَ وَجْهُنَا وَ مَا يَشَاءِ الرَّحْمٰنُ فَالْعَبْدُ يَرْكَبُ

إِلَى اللّٰهِ وَجْهِي وَالرَّسُوْلِ وَ مَنْ يُقِمْ إِلَى اللّٰهِ يَوْمًا وَجْهَهُ لَا يُخَيَّبُ

فَكَمْ قَدْ تَرَكْنَا مِنْ حَمِيْمٍ مُنَاصِحٍ وَ نَاصِحَةٍ تَبْكِيْ بِدَمْعٍ وَ تَنْدُبُ

جب ام احمد نے مجھے دیکھا کہ میں اس ذات والا کے بھروسے پر عازم سفر ہو رہا ہوں جس سے میں بن دیکھے ڈرتا ہوں اور لرزہ براندام رہتا ہوں۔ اس نے کہا اگر تو نے سفر پر روانہ ہونا ہی ہے تو ہمیں یثرب کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں لے چلو میں نے اس سے کہا نہیں آج ہمارا رخ

كُلُّ امْرِئٍ بِلِقَاءِ الْمَوْتِ مُرْتَهِنٌ كَأَنَّهُ غَرَضٌ لِلْمَوْتِ مَنْصُوْبُ

ہر شخص کے مقدر میں موت سے ملاقات ضروری ہے گویا کہ وہ موت کیلئے ایک مقرر کردہ نشانہ ہے۔

ابوداؤد الایادی کا نام حنظلہ بن شرقی تھا، دوسری روایت کے مطابق اس کا نام جاریہ بن حجاج تھا۔

الرَّدْمُ

زمانۂ جاہلیت میں مقتولوں کو دفنانے کے لئے کو جو گڑھا کھودا جاتا تھا اسے ردم کہا جاتا تھا بنو جمح اور بنو حارث بن فہر کے مابین جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں بنو حارث کو شکست ہوئی اسی وجہ سے ان کی تعداد کم تھی قریش میں سب سے کم تعداد انہی کی تھی۔

إِلَى اللّٰهِ يَوْمًا وَجْهَهُ لَا يُخَيَّبُ

اسے "باء" کے کسرہ کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔ اسے ضرورت کے لئے مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے۔ اس وقت اس سے پہلے "فاء" مضمر ہوگا، یہ فَلَا يُخَيَّبُ ہوگا۔ یہ ابوعباس کا مذہب ہے لیکن

یثرب کی طرف ہی ہوگا۔ درحقیقت بندہ وہی فعل سرانجام دیتا ہے جو رحمٰن رب چاہتا ہے، آج میرے سفر کا مقصد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ کی ذات ہے جو کسی دن اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کر لیتا ہے وہ کبھی خسارہ میں نہیں ہوتا۔ ہم نے کتنے ہی ایسے مرد و خواتین کو چھوڑا ہے جو نصیحت کرنے میں انتہائی مخلص تھے ان کے آنسو رواں ہوئے تھے اور وہ آہ و فغاں کر رہے تھے۔

تَرٰی اَنَّ وِتْرًا نَاْیُنَا عَنْ بِلَادِنَا وَ نَحْنُ نَرٰی اَنَّ الرَّغَائِبَ نَطْلُبُ
دَعَوْتُ بَنِیْ غَنْمٍ لِحَقْنِ دِمَائِهِمْ وَ لِلْحَقِّ لَمَّا لَاحَ لِلنَّاسِ مَلْحَبُ
اَجَابُوْا بِحَمْدِ اللّٰهِ لَمَّا دَعَاهُمْ اِلَی الْحَقِّ دَاعٍ وَالنَّجَاحِ فَاَوْعَبُوْا
وَ كُنَّا وَ اَصْحَابًا لَنَا فَارَقُوا الْهُدٰی اَعَانُوْا عَلَيْنَا بِالسِّلَاحِ وَ اَجْلَبُوْا
كَفَوْجَيْنِ اَمَّا مِنْهُمَا فَمُوَفَّقٌ عَلَی الْحَقِّ مَهْدِیٌّ وَ فَوْجٌ مُعَذَّبُ

وہ خیال کرتی ہے کہ ہمارا اپنے شہروں سے جدا ہونا ہمیں اکیلا کر دے گا مگر ہم خیال کرتے ہیں کہ ہم پسندیدہ چیزوں کو طلب کر رہے ہیں، میں نے بنوغنم کو ان کی جانوں کے تحفظ اور حق کی طرف دعوت دی جب لوگوں کے لئے شاہراہ ہدایت روشن ہو گئی۔ اللہ کا شکر ہے کہ جب داعی نے انہیں حق اور نجات کی طرف دعوت دی تو انہوں نے اس دعوت پر لبیک کہا۔ ہمارے کچھ ایسے دوست بھی تھے جو ہدایت سے جدا ہو گئے۔ ہمارے خلاف دشمنوں کی ہتھیاروں کے ساتھ مدد کی۔ جیسا کہ دو گروہ ہوں جن سے ایک گروہ توفیق الٰہی سے ہدایت یافتہ ہو، راہِ حق پر ہو جبکہ دوسرا گروہ عنقریب عذاب میں مبتلا ہونے والا ہو۔

طَغَوْا وَتَمَنَّوْا كِذْبَةً وَاَزَلَّهُمْ عَنِ الْحَقِّ اِبْلِيْسٌ فَخَابُوْا وَ خُيِّبُوْا
وَ رُعْنَا اِلٰی قَوْلِ النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ فَطَابَ وُلَاةُ الْحَقِّ مِنَّا وَ طُيِّبُوْا
نَمُتُّ بِاَرْحَامٍ اِلَيْهِمْ قَرِيْبَةٍ وَ لَا قُرْبَ بِالْاَرْحَامِ اِذْ لَا تُقَرَّبُ
فَاَیُّ ابْنِ اُخْتٍ بَعْدَنَا يَاْمَنَنَّكُمْ وَ اَيَّةُ صِهْرٍ بَعْدَ صِهْرِیَ تُرْقَبُ

سیبویہ کے نزدیک فاء کے اضمار کے بغیر بھی رفع جائز ہے لیکن اس سے پہلے اس فعل کو مقدم کرنے کا ارادہ کرنا ہوگا جو شرط پر دلالت کرے مثلاً اِنَّكَ اِنْ يُصْرَعْ اَخُوْكَ تُصْرَعُ۔ یہ اصل عبارت یوں ہو گی۔ اِنَّكَ تُصْرَعُ اِنْ يُصْرَعْ اَخُوْكَ۔ اسی طرح مَنْ يَفْعَلِ الْحَسَنَاتِ اللّٰهُ يَشْكُرُهٗ ہے۔

وَلَا قُرْبَ بِالْاَرْحَامِ اِذْ لَا تُقَرَّبُ

ابن ہشام نے تاویل کی ہے کہ یہاں اِذْ، اِذَا کے معنی میں ہے لیکن یہ ان کا تسامح ہے۔ اس کی دو

سَتَعْلَمُ يَوْمًا اَيُّنَا اِذْ تَزَايَلُوْا وَ زُيِّلَ اَمْرُ النَّاسِ لِلْحَقِّ اَصْوَبُ

"انہوں نے سرکشی کی جھوٹی آرزوئیں کیں۔ ابلیس نے انہیں راہِ ہدایت سے پھسلا دیا۔ وہ محروم ہو گئے اور انہیں نقصان اٹھانا پڑا۔ ہم نے محمد عربی ﷺ کی بات کی طرف رجوع کیا۔ حق کے نمائندے پاک ہو گئے اور انہیں پاکیزہ بنا دیا گیا۔ ہم ان لوگوں سے ہی قریبی رشتہ داری کر لیتے ہیں اور رشتہ دار قریب کرنے والے نہ ہوں تو ان کے قرب میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ہمارے بعد کون سا بھانجا تم پر اعتماد کرے گا اور میرے سسرال کے بعد کس کے سسرال سے امید کی جا سکتی ہے جب لوگ متفرق ہو جائیں گے ان کے معاملات بکھر جائیں گے تو تجھے اس دن معلوم ہو جائے گا کہ راہِ حق پر کون تھا؟"

ابن ہشام کہتے ہیں جن اشعار میں "وَلْتَنَاءَ يَثْرَبُ" اور "اِذْ لَا نُقَرِّبُ" ہے وہ ابن اسحاق سے مروی نہیں ہیں اور اس میں اِذْ، اِذَا کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ (سبا: ۳۱) ابوالنجم العجلی کا شعر ہے۔

ثُمَّ جَزَاهُ اللّٰهُ عَنَّا اِذْ جَزٰى جَنّٰتِ عَدْنٍ فِي الْعَلَالِيِّ وَالْعُلَا

پھر انہیں اللہ تعالیٰ جب ہماری طرف جزا دے تو انہیں رفعتوں اور بلندیوں میں سدا بہار باغات میں رہنے کی توفیق دے۔

وجہیں ہیں۔ ا۔ فعل مضارع اذا کے بعد صحیح نہیں سمجھا جاتا جبکہ اس کے ساتھ حرف نفی ہو مگر اذ کے بعد اسے عمدہ سمجھا جاتا ہے مثلاً اِذْ يَقُوْلُ الْمُنَافِقُوْنَ۔ لیکن تیرا یہ قول سَاٰتِيْكَ اِذَا تَقُوْلُ كَذَا قبیح ہے، خواہ اس میں فعل مضارع اذا سے مؤخر ہو یا مقدم کیونکہ اذا میں شرط کے معنی پائے جاتے ہیں۔ جب حروف شرط کے بعد فعل ماضی ہو تو اس طرح کہنا بہت بہتر ہوتا ہے مثلاً سَاٰتِيْكَ اِنْ قَامَ زَيْدٌ وَ اِذَا قَامَ زَيْدٌ۔ لیکن یہ کہنا درست نہیں سَاٰتِيْكَ اِنْ يَقُمْ زَيْدٌ۔ کیونکہ جب حرف شرط مؤخر ہو جاتا ہے تو وہ لغو ہو جاتا ہے جب وہ لغو ہو جاتا ہے تو اس کے بعد فعل معرب واقع نہیں ہو سکتا مگر "کیف" میں یہ استعمال بہت بہتر ہے مثلاً يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ اور يَبْسُطُهٗ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ۔ اس میں ایک عجیب راز ہے ہم اسے تفصیل سے لکھیں گے جب ہمیں موقع ملے گا۔ قسم کے بعد اذا اور فعل مستقبل ذکر کرنا بہتر ہے مثلاً وَاللَّيْلِ اِذَا يَسْرِ۔ کیونکہ اس وقت اس میں شرط کا معنی معدوم ہو جاتا ہے۔ ۲۔ اِذْ کا اِذَا کے معنی میں استعمال معروف نہیں ہے اور نہ ہی اسے کسی کی تائید حاصل ہے۔ رؤبۃ کے قول سے بھی دلیل نہیں پکڑی جا سکتی کیونکہ اس کا معنی ہے ثُمَّ جَزَاهُ اللّٰهُ اِنْ جَزٰى۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان

کی طرح ہے۔ یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا (البقرہ:۴۸) ڈرو اس دن سے جب نہ بدلہ دے سکے گا کوئی شخص کسی کا کچھ بھی''۔

اِذْ، اَنْ مفتوحہ کے معنی میں ہے جزی مضمر ہے جو ممدوح کی طرف راجع ہے سیبویہ نے سواد الکتاب میں اسی طرح لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴿۸۰﴾ (آل عمران) وَلَنْ یَّنْفَعَكُمُ الْیَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ (زخرف:۳۹) سیبویہ نے اپنی کتاب میں جو کچھ لکھا ہے النسوی نے اس طرف توجہ نہ دی۔ انہوں نے حرف ''لن'' کے بعد فعل مضارع کو ماضی کی ظرف میں عامل بنایا ہے۔ ان کا یہ قول اس طرح ہوگا۔ سَاٰتِیْكَ الْیَوْمَ اَمْسِ۔ لیکن اس قول میں تسامح ہے کاش انہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق ہی معلوم ہوتا۔ وَ اِذْ لَمْ یَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَیَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِیْمٌ﴿۱۱﴾ (الاحقاف) ''اور کیونکہ انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوئی، قرآن سے تو یہ اب ضرور کہیں گے کہ یہ تو وہی پرانا جھوٹ ہے''۔ اگر ماضی کی ظرف میں فعل مستقبل کے وقوع کو جائز قرار دیا جائے جس کی بنیاد درست نہیں تو فاء کا مابعد اس کے ماقبل میں عمل کیسے کر سکتا ہے؟ بالخصوص جبکہ اس کے ساتھ سین بھی متصل ہو۔ اس طرح یہ کہنا غدًا ساٰتِیْكَ بھی درست نہیں اسی طرح غدًا فساٰتِیْكَ بھی درست نہیں تو اَمْسِ فساٰتِیْكَ کیسے درست ہو سکتا ہے؟ اذ بھی امس کے قائم مقام ہوتا ہے۔ یہ تمام امور وہ ہیں جن میں کوئی خفاء نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ وُقِفُوْا اور وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ میں اِذْ، اِذَا کے معنی میں ہے۔ ابن ہشام کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے کہ اِذْ، اس اِذَا کے معنی میں ہے جو مستقبل کا معنی دیتا ہے تو اس کو یہ جواب دیا جائے گا کہ یہ اِذْ اِذَا کے معنی میں کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اذا کے بعد مبتداء اور خبر واقع نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ کا معنی یہ ہوگا کہ کاش تو ان کی ندامت اور حزن اس دن دیکھ سکتا جب وہ آگ پر کھڑے ہوں گے۔ اِذْ، دراصل ظرف ماضی ہے حزن اور ندامت کا وقوع معاینہ اور توقیف کے بعد ہے اس طرح توقیف کا وقت اپنے مابعد کی اضافت سے ماضی ہو گیا اس کے بعد جو کچھ ہے وہ تریٰ کا مفعول ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بھی اسی طرح گمان کیا جاتا ہے۔ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا (کہف:۷۱) یہاں یہ زعم کیا گیا ہے کہ اِذَا، اِذْ کے معنی میں ہے کیونکہ یہ ماضی کی داستان ہے لیکن یہ گمان درست نہیں کیونکہ اذ کے بعد فعل مستقبل ہے جب اسے انطلاق کی نسبت سے دیکھا جائے کیونکہ یہ اس کے بعد ہے اور انطلاق اس سے پہلے ہے۔ اگر حتیٰ نہ ہوتا تو پھر صرف یہی کہا جا سکتا۔ اِنْطَلَقَا اِذْ رَكِبَا۔ لیکن حتیٰ میں غایت کا معنی اس امر پر دلالت

کرتا ہے کہ رکوب، انطلاق کے بعد تھا۔ اس لئے یہ اس کی نسبت سے مستقبل ہے سابقہ ''حزن'' اور سوء حال کا مسئلہ بھی یہی ہے جو تریٰ کا مفعول ہے اگرچہ وہ لفظاً مذکور نہیں ہے اور یہ وقوف کے وقت کے بعد ہے۔ اس طرح یہ وقوف اس حزن کے اعتبار سے وقوف بھی ماضی ہے۔ اس میں کسی نہ کسی حذف کا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح اللہ کے اس فرمان ''وَ اِذْ لَمْ یَهْتَدُوْا بِهٖ'' میں بھی کوئی عبارت مقدر ہوگی اور یہ اِذْ اَنْ کے معنی میں ہوتا تو پھر اس کے لئے کسی تعلق کا ہونا ضروری ہوتا گویا کہ یہ عبارت اس طرح ہوتی۔ جُزِیْتُمْ بِهٰذَا مِنْ اَجَلِ اَنْ ظَلَمْتُمْ۔ یا مِنْ اَجَلِ اَنْ یَهْتَدُوْا بِهٖ ضَلُّوْا۔

ابن اسحاق نے بنو جحش کی خواتین میں حضرت جذامہ بنت جندل کا ذکر کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان کا ارادہ جذامہ بنت وھب بن محصن کا نام ذکر کرنے کا تھا۔ مؤطا کی حدیث رضاعت میں ان کا ذکر ہے۔ امام بزار نے انہیں جذامہ لکھا ہے۔ امام مسلم نے ان سے اسی طرح روایت کیا ہے جبکہ معروف جدامہ ہے۔ انہیں ''جُدَّامة'' بھی کہا گیا ہے جدامہ کا معنی کھیتی کو کاٹنا ہے۔ حافظ ابوبکر نے ہمیں اسی طرح املاء کرایا تھا اور میں نے ان سے اپنے ہاتھ سے اسی طرح لکھا تھا۔ مالک بن عبدالجبار نے، ابو اسحاق برمکی سے، انہوں نے محمد بن زکریا بن حبویہ سے، انہوں نے ابوعمر زاہد مطرز سے جُدَّامة روایت کیا ہے۔ کھجور کی شاخ کے کنارے کو جدامہ کہتے ہیں، اسی سے عورت کا نام جدامة رکھا جاتا ہے۔ حضرت جدامة بنت وھب، حضرت انیس بن قتادہ انصاری رضی اللہ عنہما کی زوجیت میں تھیں۔ جدامہ بنت جندل نامی کوئی خاتون آل جحش میں نہ تھی شاید کتاب میں یہ وہم ہے اور شاید یہ بنت وھب بن محصن ہو جو حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہما کی بھتیجی تھی۔

ابن اسحاق نے بنو اسد میں ثقف بن عمرو کا ذکر کیا ہے، ان کو ثقاف بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے بھائی حضرت مدلاج رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور غزوۂ احد میں شہید ہو گئے۔ موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں یہ جنگ خیبر میں شہید ہوئے انہیں ''اسیر'' یہودی نے شہید کیا تھا۔

ابن اسحاق نے ام حبیب بن ثمامہ کا ذکر کیا ہے۔ ابوعمرو نے ان کا ذکر بھی اپنی کتاب میں نہیں کیا انہوں نے ثمام بن عبیدہ کا ذکر نہیں کیا جبکہ ابن اسحاق نے ان تمام کا ذکر کیا ہے۔

ابن اسحاق نے حضرت اربد بن جمیرہ کا ذکر کیا ہے۔ ابن ہشام نے انہیں حمیرہ کہا ہے، ابراہیم بن سعد نے ابن اسحاق سے حمیر روایت کیا ہے گویا کہ یہ ''حمار'' کی تصغیر ہے۔ ابن اسحاق نے محرز بن نضلہ کا ذکر کیا ہے لیکن ان کا نسب ذکر نہیں کیا۔ یہ ابن نضلہ بن عبداللہ بن مرہ بن غنم بن دودان بن اسد ہیں، یہ غزوۂ ذی قرد میں شہید ہوئے، یہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ یہ ''اخرم'' کے نام سے مشہور

حضرت عمر اور حضرت عیاش رضی اللہ عنہما کی ہجرت

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر حضرت عمر اور حضرت عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی ہجرت کے لئے عازم سفر ہوئے، حتیٰ کہ وہ مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ مجھے حضرت عبداللہ بن عمر کے غلام حضرت نافع رضی اللہ عنہم نے حضرت عبداللہ بن عمر سے اور وہ اپنے والد محترم حضرت عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں، ''وہ فرماتے ہیں جب ہم نے ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو ہم نے ایک دوسرے سے ''سرف'' کے اوپر بنوغفار کے اضاۃ کے قریب کانٹے والے درختوں کے پاس ملنے کا وعدہ کیا۔ ہم نے کہا'' ہم میں سے جو اس مقام کے پاس صبح تک نہ پہنچ سکے گا تو اس کے متعلق یہی سمجھا جائے گا کہ اسے روک دیا گیا ہے۔ باقی دونوں ساتھیوں کو سفر پر روانہ ہو جانا چاہئے''۔ میں عیاش بن ربیعہ ''تَنَاضُب'' کے پاس پہنچ گئے لیکن حضرت ہشام کو روک دیا۔ انہیں فتنہ و آزمائش میں مبتلاء کیا گیا۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر ہم قباء میں بنوعمرو بن عوف کے ہاں فروکش ہوئے۔ ابوجہل بن ہشام اور حارث بن ہشام حضرت عیاش بن ربیعہ کے پاس گئے۔ یہ ان کا چچازاد اور ماں کی طرف سے بھائی تھا۔ اس وقت حضور ﷺ مکہ معظمہ میں ہی جلوہ افروز تھے۔ انہوں نے

تھے۔ ان کا لقب فُہیرہ تھا، موسیٰ بن عقبہ نے انہیں محرز بن وہب کہا ہے انہوں نے ابن نضلہ نہیں کہا۔

ابن اسحاق نے حضرت یزید بن رقیش کا ذکر کیا ہے بعض نے انہیں اربد کہا ہے لیکن یہ درست نہیں ہے۔ یہ ابن رقیش بن رئاب بن یعمر بن کبیر بن غنم بن دودان ہیں انہوں نے حضرت ربیعہ بن اکثم کا ذکر کیا ہے لیکن ان کا نسب بیان نہیں کیا۔ یہ ابن اکثم بن سخبرہ بن عمرو بن نفیر بن عامر بن غنم بن دودان بن اسد ہیں ان کی کنیت ابو یزید تھی ان کا قد چھوٹا تھا، یہ غزوۂ خیبر میں مقام ''النطاۃ'' میں شہید ہوئے انہیں حارث یہودی نے شہید کیا تھا۔

التَنَاضُبُ

یہ ''ضاء'' کے کسرہ کے ساتھ ہے اور یہ تَنضُبُ کی جمع ہے یہ درختوں کی ایک قسم ہے، گرگٹ اس سے محبت کرتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے۔

إِنّی أُتِیحُ لَهٗ حِرْبَاءَ تَنضُبَةٍ　لَا یُرْسِلُ السَّاقَ إِلَّا مُمْسِکًا سَاقًا

میں نے اس کے مقدر میں ''تنضب'' کی گرگٹ کو کر دیا ہے جو ایک شاخ کو نہیں چھوڑتا مگر دوسری شاخ کو پکڑ کر۔

ابن ربیعہ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری ماں نے یہ نذر مانی ہے کہ وہ اپنے سر کو کنگھی بھی نہ کرے گی حتیٰ کہ تجھے دیکھ لے۔ وہ سورج کی دھوپ میں ہی بیٹھی رہے گی حتیٰ کہ تجھے دیکھ لے۔ تم اس کے لیے ہی دل میں نرمی پیدا کرو''۔ حضرت عمر فرماتے ہیں ''میں نے حضرت عیاش رضی اللہ عنہ سے کہا، اے عیاش! قسم بخدا! یہ قوم تجھے دین متین سے برگشتہ کرنے کے لئے اس منصوبہ پر عمل پیرا ہے۔ ان کی بات نہ مانیں۔ تمہاری والدہ کے سر میں جوئیں پڑیں تو خود بخود کنگھی کرنے لگے گی، اگر مکہ معظمہ کی گرمی شدت اختیار کرگئی تو خود بخود سایہ میں بیٹھ جائے گی'' لیکن انہوں نے کہا ''میں اپنی ماں کی قسم پوری کروں گا۔ وہاں میرا مال بھی ہے میں وہ بھی لے کر آؤں گا''۔ میں نے کہا ''اے عیاش! تمہیں معلوم ہے کہ میں تمام قریش سے زیادہ مالدار ہوں تم ان کے ساتھ نہ جاؤ۔ میرا نصف مال لے لینا'' لیکن انہوں نے انکار کردیا۔ انہوں نے ان کے ہمراہ جانے کا اصرار کیا۔ جب میں نے ان کی یہی ضد دیکھی تو میں نے کہا ''اگر تمہارا یہی عزم ہے تو میری یہ اونٹنی لے لو۔ یہ فرمانبردار اور تیز رفتار ہے۔ اس کی پیٹھ پر ہی بیٹھے رہنا۔ اگر تمہیں اس قوم کی طرف سے کوئی شک ہوا تو اس اونٹنی پر بیٹھ کر بچ جانا''۔ حضرت عیاش اس اونٹنی پر سوار ہو کر ان کے ہمراہ قباء سے نکل آئے۔ جب انہوں نے کچھ فاصلہ طے کیا تو ابو جہل نے ان سے کہا ''اے میرے بھتیجے! میں نے اونٹ پر بہت سامان لادھا ہے کیا تم مجھے اس اونٹنی پر بیٹھنے کی اجازت دو گے''۔ حضرت عیاش رضی اللہ عنہ نے کہا ''ضرور! وہ اونٹنی سے اترے، وہ دونوں بھی

اس درخت کے پھل کو ''المُبتَعِر'' کہا جاتا ہے یہ فُنْعَلِلٌ کے وزن پر ہے نون کو میم میں ادغام کیا گیا ہے۔ سیبویہ کا قول ہے کہ ''فُعْلَل'' کے وزن پر ہے یہ ان اسماء میں سے ہے جنہیں حرف زائد کے ساتھ مضاعف بنا دیا جاتا ہے لیکن اس کی مثال ''هُنْدَلِع'' پہلے قول کی تائید کرتی ہے۔ اس درخت سے کمان بنائے جاتے ہیں جس طرح نبع، شوحط، شریان، سراء اور اشکل سے کمان بنائے جاتے ہیں۔ اس کے دھویں کا تذکرہ ابو حنیفہ نے ''نباتات'' میں کیا ہے، جعدی کہتا ہے۔

كَاَنَّ الْغُبَارَ الَّذِي غَادَرَتْ ضُحَيًّا دَوَاخِنُ مِنْ تَنْضُبِ

وہ گرد و غبار وقت چاشت گھوڑوں نے بلند کیا تھا ''تنضب'' کا دھواں محسوس ہوتا تھا۔ اس کے دھویں کی سفیدی کی وجہ سے گرد و غبار کو اس سے تشبیہ دی گئی۔ عقیل بن علقہ کہتا ہے۔

وَ هَلْ اَشْهَدَنْ خَيْلًا كَاَنَّ غُبَارَهَا بِاَسْفَلِ عَلْكَدٍ دَوَاخِنُ تَنْضُبِ

کیا انہوں نے گھوڑوں کو دیکھا تھا جن کا گرد و غبار ''علکد'' کے نیچے تنضب کے دھویں کی طرح تھا،

اپنے اپنے اونٹوں سے اترے۔ زمین پر اتر کر انہوں نے حضرت عیاش پر حملہ کر دیا۔ پکڑ کر باندھ لیا اور مکہ معظمہ میں آ گئے۔ انہیں وہاں مختلف آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عیاش کی اولاد میں سے ایک شخص نے بتایا کہ جب وہ دونوں حضرت عیاش کو لے کر مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے ان کو باندھ رکھا تھا، انہوں نے اعلان کیا" اے اہل مکہ! جس طرح ہم نے اپنے احمق کے ساتھ سلوک کیا ہے تم بھی اپنے بے وقوفوں کے ساتھ اسی طرح کرو"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ہشام بن عاصی کی طرف مکتوب

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے حضرت نافع نے حضرت عبداللہ سے اور وہ اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں" ہم کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے کوئی فرض، نفل یا

اضاۃ بن غفار

یہ مقام مکہ معظمہ سے دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ اَضاۃ، تالاب کو کہا جاتا ہے۔ گویا کہ یہ وَضاۃ سے مقلوب ہے۔ اس کا وزن فَعَلَةٌ ہے یہ وَضاءۃ سے مشتق ہے اس کا معنی نظافت ہے کیونکہ پانی صفائی کرتا ہے۔ اَضاۃ کی جمع اِضاءٌ ہے نابغہ کہتا ہے۔

غُلِقْنَ بِكَدْيَوْنَ وَأُبْطِنَّ كُرَّةً وَهُنَّ إِضَاءٌ صَافِيَاتُ الْغَلَائِلِ

وہ زرہیں سخت چٹانوں پر لے جاتی ہیں۔ دامن کوہ میں انہیں اتارا جاتا ہے وہ خوب روشن ہیں اور ان کی میخیں بھی صاف ہیں۔

یہ جمع اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ یہ مقلوب نہ ہو۔ وِضاءہ میں واؤ مکسورہ ہمزہ کا بدل ہے واؤ مکسورہ کا تقاضا ہے کہ مادہ اشتقاق میں ہمزہ ہے اس طرح واحد مقلوب ہو گا کیونکہ واؤ مفتوحہ ہمزہ میں تبدیل نہیں ہوتی۔ پھر فعل کا لام کلمہ بھی ہمزہ نہیں کبھی کبھی جمع کو بھی واحد پر محمول کیا جاتا ہے۔ اس وقت جمع بھی مقلوب ہو گی۔ اضاۃ بھی کہا جاتا ہے کبھی کبھی اضاۃ کی جمع اِضون بھی آتی ہے۔ مثلاً مَحَالِيْۢ كَشَرِيَةِ الاَضِيْنَا۔ اَشرِيَةٌ۔ شَرِيٌ کی جمع ہے چھوٹی ندی کو شری کہا جاتا ہے۔

حضرت ہشام بن عاص

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت قُلْ يٰعِبَادِيَ...... مکہ معظمہ کے کمزور لوگوں کے بارے نازل ہوئی۔" ذی طوی طویٰ الف مقصورہ کے ساتھ ہے۔ یہ مکہ معظمہ کی ایک نشیبی جگہ ہے۔ بیان کیا جاتا

ان کی توبہ قبول نہیں کرے گا جو فتنہ میں مبتلاء ہو گئے یعنی وہ لوگ جنہوں نے حق تعالیٰ کو پہچانا پھر وہ کسی اذیت یا تکلیف کی وجہ سے کفر کی طرف لوٹ گئے۔ وہ لوگ بھی اپنے متعلق اسی طرح کہتے تھے۔ جب تاجدار مدینہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل کی۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۳﴾ وَ اَنِیْبُوْۤا اِلٰی رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَ اتَّبِعُوْۤا اَحْسَنَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ (زمر)

"آپ فرمایئے اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر، مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو۔ بلاشبہ وہی بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے اور (سچے دل سے) لوٹ آؤ اپنے رب کی طرف اور سرخم کر دو اس کے سامنے اس سے پہلے کہ آ جائے تم پر عذاب پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی اور پیروی کرو عمدہ کلام کی جو اتارا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اس سے بیشتر کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمہیں خبر تک نہ ہونے پائے"۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں نے اپنے ہاتھ سے اس آیت کو خط میں لکھا پھر اسے ہشام بن عاصی کے پاس بھیج دیا، حضرت ہشام فرماتے ہیں "جب مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مکتوب ملا تو میں مکہ معظمہ کے نشیب و فراز میں پڑھنے لگا۔ میں مقام "ذی طویٰ" میں دہرا رہا تھا لیکن مجھے اس کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ میں نے دعا مانگی مولا! مجھے یہ آیت سمجھا دے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ یہ آیت ہمارے

ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو ہندوستان میں اتارا گیا اور وہ مکہ معظمہ کی طرف گئے۔ ملائکہ نے ذی طویٰ سے انہیں دیکھ لیا۔ انہوں نے حضرت آدم سے کہا "اے آدم! ہم دو ہزار سال سے یہاں آپ کا انتظار کر رہے ہیں"۔ روایت ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام مکہ معظمہ جاتے تو مقام "ذی طویٰ" سے اپنے نعلین مبارک اتار لیتے۔ ایک دوسرے مقام کا نام "ذوطواء" بھی ہے یہ مقام مکہ اور طائف کے مابین ہے، "طویٰ" جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے وہ شام کی مقدس وادی کا نام ہے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ طوی اس وادی کا نام نہیں بلکہ یہ تقدیس کی صفت ہے یعنی وہ وادی مقدس ہے۔

متعلق ہی نازل ہوئی ہے اور اس میں اس چیز کا بیان ہے جو ہم اپنے نفسوں کے متعلق کہا کرتے تھے"۔ حضرت ہشام فرماتے ہیں، "میں اپنے اونٹ کے پاس آیا اور اس پر بیٹھ کر مدینہ طیبہ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گیا"۔

حضرت ولید بن ولید کا کارنامہ

ابن ہشام کہتے ہیں مجھے ایک قابل اعتماد شخص نے بتایا ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک دن سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا۔ "کون ہے جو حضرت عیاش بن ربیعہ اور حضرت ہشام بن عاصی رضی اللہ عنہما کو ہمارے پاس لائے"۔ حضرت ولید بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، "یا رسول اللہ! ﷺ یہ سعادت میں حاصل کروں گا"۔ پھر وہ مکہ مکرمہ کی طرف عازمِ سفر ہوئے وہ پوشیدہ و پنہاں مکہ معظمہ پہنچے۔ ایک عورت سے ملے جو کھانا اٹھائے جا رہی تھی۔ انہوں نے اس سے پوچھا "اے اللہ کی بندی! کہاں کا ارادہ ہے"۔ اس نے کہا "میں ان دونوں قیدیوں (حضرت عیاش اور حضرت ہشام) کے پاس جا رہی ہوں"۔ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے اور اس جگہ کو پہچان لیا جہاں وہ اسیر تھے وہ ایسے کمرہ میں پابند سلاسل تھے جس پر چھت نہ تھی۔ رات کے وقت وہ دیوار پھلانگ کر اندر گئے ایک پتھر (مروہ) لیا اور اسے ان کی زنجیروں کے نیچے رکھا اور اپنی تلوار سے انہیں کاٹ دیا۔ اسی وجہ سے ان کی تلوار کو "ذو مَرْوۃ" کہا جاتا تھا پھر حضرت ولید نے انہیں اپنے اونٹ پر سوار کیا اور اونٹ ہانک کر چلنے لگے۔ راستہ میں ٹھوکر لگی جس سے ان کی انگلی زخمی ہو گئی۔ انہوں نے کہا۔

هَلْ اَنْتِ اِلَّا اَصْبَعٌ دَمِيْتِ وَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ

تو صرف ایک انگلی ہے جو خون ریز ہے، راہِ خدا میں یہ تکلیف کچھ بھی نہیں جو تجھے پہنچی ہے۔

مدینہ طیبہ میں مہاجرین کی اقامت گاہیں

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ "حضرت عمر بن خطاب، ان کے بھائی حضرت زید بن خطاب، حضرت عمرو بن سراقہ، حضرت عبداللہ بن سراقہ، حضرت خنیس بن خذافۃ سہمی (یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے داماد تھے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ان کی زوجیت میں تھیں ان کی وفات کے بعد حضرت حفصہ حضور ﷺ کے حبالۂ عقد میں آ گئیں) حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل، حضرت واقد بن عبداللہ التمیمی (حلیف) حضرت خولی بن ابی خولی، حضرت مالک بن ابی خولی

(حلیف ابن ہشام کہتے ہیں، ابوخولی کا تعلق بنو عجل بن لجیم بن صعب بن علی بن بکر بن وائل سے تھا) حضرت ایاس بن بکیر، حضرت عاقل بن بکیر، حضرت عامر بن بکیر، حضرت خالد بن بکیر، بنو سعد بن لیث میں سے ان کے حلیف رضی اللہ عنہم حضرت رفاعہ بن عبد المنذر بن زنبر کے پاس مقام قباء میں ٹھہرے۔ حضرت عیاش بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بھی یہیں مقیم ہوئے۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لگاتار مدینہ طیبہ کا رخ کرنے لگے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان اور حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہما حضرت خبیب بن اساف کے پاس مقام ''سنح'' میں اقامت گزین ہو گئے۔ ابن ہشام کہتے ہیں انہیں یساف بھی کہا جاتا تھا ایک قول کے مطابق حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت اسعد بن زرارہ کے ہاں فروکش ہوئے۔ ابن ہشام کہتے ہیں مجھے بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو کفارِ قریش نے ان سے کہا ''اے صہیب! جب تم ہمارے پاس آئے تھے تم مفلس و کنگال تھے، تمہارے مال کی یہ فراوانی ہمارے پاس ہی ہوئی۔ یہ کمائی ہمارے ہاں ہی ہوئی ہے، پھر تم اپنے نفس اور مال سمیت یہاں سے جانا چاہتے ہو، قسم بخدا! یہ تو نہیں ہو سکتا''۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا ''کیا جب میں تمہیں اپنا مال دے دوں تو تم میرا راستہ چھوڑ دو گے؟'' انہوں نے کہا ''ہاں''۔ انہوں نے کہا ''میں اپنا تمام مال تمہارے سپرد کرتا ہوں'' جب یہ خبر حضور ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ رَبِحَ صُهَيْبٌ رَبِحَ صُهَيْبٌ۔ حضرت صہیب نفع میں رہے۔ حضرت صہیب نفع میں رہے۔

حضرت خبیب بن اساف

اَسَاف کو یَسَاف بھی کہا جاتا ہے یہ اساف بن عنبۃ ہیں جب ان کے ہاں مسلمان بطور مہمان ٹھہرے اس وقت یہ مسلمان نہ ہوئے تھے بلکہ یہ بعد میں دامن اسلام سے وابستہ ہوئے (واقدی) جب حضور ﷺ غزوۂ بدر کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، خبیب کہتے ہیں ''میں نے اور میری قوم کے ایک شخص نے کہا ''یہ کتنی بری بات ہے کہ ہماری قوم تو جنگ کیلئے جائے اور ہم یہیں بیٹھے رہیں ہم بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا ''کیا تم نے اسلام قبول کیا ہے؟'' ہم نے عرض کی ''نہیں'' آپ ﷺ نے فرمایا ''واپس چلے جاؤ، ہم کسی مشرک سے مدد نہیں لیں گے''۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ وہی ہیں جنہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد حضرت حبیبہ بنت خارجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا۔ یہ وہی خوش نصیب خاتون ہیں جن کے متعلق وقت وصال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔ ''ان کے بطن اقدس میں بچی ہے''۔ یہ خارجہ بن

حضرات حمزہ، زید، ابو مرثد، ابن مرثد، انسہ اور ابو کبشہ کی اقامت گاہ

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت زید بن حارثہ، حضرت ابو مرثد کناز بن حصن (ابن ہشام کہتے ہیں انہیں ابن حصین کہا جاتا تھا) ان کے نورِ نظر حضرت مرثد الغنویان (حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے حلیف) حضرت انسہ، حضرت ابو کبشہ (حضور ﷺ کے خادم) رضی اللہ عنہم نے حضرت کلثوم بن ھدم رضی اللہ عنہ کے گھر کو اپنا مسکن بنا۔ ان کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا اور ان کا گھر قباء میں تھا۔ ایک روایت کے مطابق یہ تمام حضرت سعد بن خیثمہ کے ہاں ٹھہرے۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے حضرت اسعد بن زرارۃ رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام کیا۔

حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلب، حضرت سویط بن سعد بن حریملہ، حضرت طلیب بن عمیر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور کچھ مہاجرینٰ نے حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے گھر کو اپنا مسکن بنایا ان کا تعلق بلحارث بن خزرج سے تھا۔

حضرت زبیر بن عوام اور حضرت ابو سبرۃ بن ابی رھم بن عبد العزیٰ، حضرت منذر بن محمد بن عقبہ بن احیحہ بن جلاح کے گھر بطورِ مہمان ٹھہرے ان کا گھر عصبہ میں تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر

ابی زھیر کی نورِ نظر تھیں اور وہ بچی حضرت ام کلثوم بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما تھیں، حضرت خبیب نے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں انتقال فرمایا۔ یہ خبیب بن عبدالرحمٰن کے دادا تھے ان سے امام مالک نے مؤطا میں روایت کیا ہے۔

حضرت ابو کبشہ رضی اللہ عنہ

حضور ﷺ کے غلام حضرت انسۃ رضی اللہ عنہ کی والدہ لونڈی تھیں، ان کی کنیت ابو مسروح تھی۔ کہا جاتا ہے ابو مشرح کنیت تھی۔ انہوں نے تمام غزوات میں شرکت کی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وصال فرمایا۔ حضرت ابو کبشہ کا نام سلیم تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا تعلق ایران سے تھا۔ ایک روایت کے مطابق سرزمین دوس میں ان کی ولادت ہوئی انہوں نے بھی تمام غزوات میں شرکت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اس دن وصال کیا جس دن حضرت عروہ بن زبیر کی ولادت ہوئی۔ وہ ابو کبشہ جس کا ذکر قریش مکہ کیا کرتے تھے اور حضور ﷺ کو اس کی طرف منسوب کرتے تھے اور کہا کرتے تھے۔ قَالَ ابْنُ اَبِی کَبْشَۃَ وَ فَعَلَ ابْنُ اَبِی کَبْشَۃَ۔ اس کے متعلق کئی اقوال ہیں۔

بن ہاشم جن کا تعلق بنو عبدالدار سے تھا، حضرت سعد بن معاذ بن نعمام کے ہاں ٹھہرے۔ حضرت سعد کا تعلق بنو عبدالاشہل سے تھا اور ان کا قیام دار بنو عبدالاشہل میں تھا۔ حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ اور آپ کے غلام حضرت سالم نے بھی یہیں قیام کیا۔ (ابن ہشام کہتے ہیں کہ حضرت سالم، ثبیتہ بنت یعار بن زید بن عبید بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس کے آزاد کردہ غلام تھے، آزادی کے بعد یہ حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ کے پاس چلے گئے۔ انہوں نے ان کو اپنا بیٹا بنالیا اور یہ سالم مولیٰ ابی حذیفہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ثبیتہ بنت یعار، حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ کی زوجہ تھیں۔ انہوں نے حضرت سالم کو آزاد کر دیا پھر وہ سالم مولیٰ ابی خذیفہ سے مشہور ہو گئے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت عتبہ

بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ آپ ﷺ کے نانا وھب بن عبد مناف کی کنیت تھی۔ بعض کہتے ہیں یہ آپ ﷺ کے رضاعی باپ حارث بن عبدالعزیٰ کی کنیت تھی۔ بعض کے نزدیک حضرت عبدالمطلب کی بہن سلمیٰ کے باپ کی کنیت ابوکبشہ تھی لوگوں کے نزدیک مشہور ترین قول یہ ہے کہ قریش مکہ آپ ﷺ کو اس شخص سے تشبیہ دیتے تھے جو اکیلا شعریٰ ستارہ کی پوجا کرتا تھا۔ وہ آپ ﷺ کو اس لئے یہ کہتے تھے کیونکہ آپ ﷺ نے اپنی قوم کے دین کو ترک کر دیا تھا۔ دارقطنی نے ابوکبشہ کا نام وجز بن غالب لکھا ہے یہ خزاعی تھے اور بنو غبشان سے تھے۔

قباء

بنو عمرو بن عوف کا مسکن قباء تھا۔ یہ بستی مدینہ طیبہ سے ایک فرسخ پر تھی یہ الف ممدودہ اور مقصورہ دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، یہ مؤنث و مذکر اور منصرف وغیر منصرف ہے۔ ابوحاتم نے اسے منصرف ثابت کرنے کے لئے یہ شعر پڑھا ہے۔

وَ لَاَبْغِیَنَّکُمْ قُبًا وَ عُوَارِضًا ۔۔۔ وَ لَاَقْبِلَنَّ الْخَیْلَ لَابَۃَ ضَرْغَدِ

''میں تمہیں قبا اور عوارض میں ضرور طلب کروں گا اور ضَرْغَدْ کی سنگلاخ چٹان میں گھوڑے ضرور لاؤں گا''۔ قاسم بن ثابت نے ''دلائل'' میں ''قبا'' ہی لکھا ہے لیکن اہل عرب کے نزدیک یہ درست نہیں ہے۔ سیبویہ نے اسے ''قَنًا وَ عُوَارِضًا'' کہا ہے کیونکہ قنا، عوارض کے نزدیک ایک پہاڑ ہے اس کے نزدیک ایک اور پہاڑ ہے جس کا نام قنوان ہے۔ ان دونوں کے اور قباء کے مابین بہت بڑی مسافت اور کئی شہر ہیں اس طرح قباء کو عوارض اور قنوین سے ملانا درست نہیں۔ علامہ البکری نے ''معجم'' میں اسی طرح لکھا ہے پھر انہوں نے معقل بن ضرار کا یہ شعر لکھا ہے۔

بن غزوان بن جابر رضی اللہ عنہ حضرت عباد بن وقش رضی اللہ عنہ کے گھر اقامت گزیں ہوئے۔ ان کا تعلق بھی بنو عبد الاشہل سے تھا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کے گھر مقیم ہوئے۔ حضرت اوس، حضرت حسان رضی اللہ عنہما کے بھائی تھے اسی وجہ سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ حضرت عثمان سے بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ جب حضرت عثمان

كَاَنَّهَا لَمَّا بَدَا عَوَارِضُ وَاللَّيْلُ بَيْنَ قَنَوَيْنِ رَابِضُ

گویا کہ وہ جب عوارض ظاہر ہوا اور رات قنوین کے درمیان ٹھہری ہوئی تھی۔

قباء، القبو سے مشتق ہے اس کا معنی جمع کرنا اور ملانا ہے ابو حنیفہ فرماتے ہیں "قوابی ان عورتوں کو کہا جاتا ہے جو زرد رنگ جمع کرتی ہیں"۔ اس کا واحد "قابیۃ" ہے۔ اہل عرب ضمہ کو قبو کہتے ہیں، اہل عرب کے اس قول "لَا وَالَّذِیْ اَخْرَجَ قُوْبًا مِنْ قَابِيَةٍ کا معنی ہے "اس ذات کی قسم جو انڈے سے چوزے نکالتی ہے۔ بعض نے اس میں قابیہ کہا ہے یہ اسی "قبو" سے مشتق ہے جو پہلے گزر چکا ہے لیکن بعض نے اسے "قوب" مشتق مانا ہے کیونکہ اس سے انڈہ پھٹ جاتا ہے کمیت عورتوں کی تعریف میں کہتا ہے۔

لَهُنَّ وَلِلْمَشِيْبِ وَ مَنْ عَلَاهُ مِنَ الْاَمْثَالِ قَابِيَةٌ وَقُوْبٌ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ فَكَانَتْ قَابِيَةُ قُوْبٍ عَامُهَا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قباء ایک کنویں کا نام تھا۔ پھر یہ بستی اسی نام سے شہرت پا گئی۔

حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہما

حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اس طرح بیٹا بنالیا تھا جس طرح حضور ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا۔ حضرت سالم آزاد کردہ غلام تھے یعنی آپ پر کسی کی کوئی ملکیت نہ تھی۔ آپ کو آزاد کرنے والی صحابیہ کا نام حضرت ثبیۃ بنت یعار تھا۔ ابو عمرو نے ان کا نام "بثینہ" لکھا ہے۔ امام زھری انہیں بنت تعار کہتے تھے ابن شیبہ نے "معارف" میں ان کا نام سلمیٰ لکھا ہے۔ ابن حبان نے لکھا ہے کہ انہیں لیلمہ کہا جاتا تھا۔ ان کا نام عمرہ بھی بتایا گیا ہے۔ بہت سے علماء نے عتق میں "تسبیب" کو باطل قرار دیا ہے، انہوں نے ایسے غلام کی وراثت ہر اس شخص کے ساتھ مختص کی ہے جس نے اسے آزاد کیا ہو۔ ان کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: لَا سَائِبَةَ فِی الْاِسْلَامِ اسلام میں سائبۃ نہیں ہے"۔ امام مالک کہتے ہیں، سائبہ کی میراث کو مسلمانوں کی ایک جماعت کو دی جائے گی۔ وہ آزاد کرنے والے کے ساتھ مختص نہیں کرتے ان کے نزدیک عتق اور تسبیب کا حکم جدا جدا ہے، یہ حضرت سالم وہی ہیں جن کے متعلق حضور ﷺ نے حضرت سہلہ بنت سہیل کو حکم

کوشہید کر دیا گیا تو انہوں نے بہت گریہ زاری کی کہا جاتا ہے کہ کنوارے مہاجرین، حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے گھر ٹھہرے کیونکہ وہ بھی کنوارے تھے۔

فرمایا کہ وہ انہیں اپنا دودھ پلادیں تا کہ وہ ان پر حرام ہو جائے۔ انہوں نے انہیں اپنا دودھ پلا دیا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت سالم کے لئے یہ کس طرح جائز تھا کہ وہ ان کے پستان کی طرف دیکھتے؟ اس کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے اپنا دودھ ایک ڈبیا میں ڈال دیا تھا اور حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے پی لیا تھا۔

دارندوہ میں مشاورت اور ہجرتِ مصطفیٰ ﷺ

تقریباً تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے گئے لیکن حضور ﷺ مکہ معظمہ میں تشریف فرما رہے۔ آپ ﷺ ہجرت کے اذن کے منتظر تھے۔ مکہ معظمہ میں صرف وہی صحابہ موجود تھے جو یا تو محبوس تھے یا کسی فتنے میں مبتلا ہو گئے تھے، ان کے علاوہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ابھی تک وہیں تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کتنی ہی دفعہ نبی محترم ﷺ سے ہجرت کی اجازت مانگی۔ حضور نبی اکرم ﷺ انہیں ارشاد فرماتے۔ لَا تَعْجَلْ لَعَلَّ اللّٰهَ يَجْعَلُ لَكَ صَاحِبًا۔ جلدی نہ کریں شاید اللہ تعالیٰ کسی کو تمہارا رفیق راہ بنا دے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی یقین ہو چکا تھا کہ وہ ہستی جس کی رفاقت کی انہیں ابدی سعادت ملنے والی تھی وہ نبی اکرم ﷺ کی تھی۔

قریش کی مشاورت

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب قریش نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ کی انتھک کوششوں سے ایک گروہ پیدا ہو چکا ہے۔ ان کے علاوہ کچھ صحابہ کرام وہ بھی تھے جو دیگر شہروں میں مقیم تھے۔ انہوں نے یہ بھی مشاہدہ کر لیا کہ صحابہ کرام مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ کو اپنا مسکن بنا چکے تھے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اب انہیں امن و سلامتی کی جگہ مل چکی ہے اور انہیں وہاں مکمل تحفظ

شیخ نجدی۔ شَيْخٌ جَلِيْلٌ

جب عورت یا مرد بوڑھا ہو جائے تو کہا جاتا ہے جَلَّ الرَّجُلُ وَجَلَّتِ الْمَرْأَةُ۔ شاعر نے کہا ہے۔ "وَ مَا حَظُّهَا اِنْ قِيْلَ عَزَّتْ وَجَلَّتْ" اسی سے کہا جاتا ہے جَلَلْتَ يَا رَجُلُ۔ اے شخص! تو بوڑھا ہو گیا ہے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ جَلُلْتُ کہا جاتا ہے کیونکہ اس سے اسم فاعل "جلیل" آتا ہے لیکن اہل عرب مضاعف میں ضمہ کو ثقیل ہونے کی وجہ سے ترک کر دیتے ہیں لیکن لَبُبْتُ اس سے مستثنیٰ ہے حالانکہ اسم فاعل اس سے بھی لَبِيْبٌ آتا ہے۔

سیرت نگار رقم طراز ہیں کہ ابلیس نے کہا میرا تعلق اہل نجد سے ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قریش نے یہ طے کیا تھا کہ اس مشورت میں اہل تھامہ کا کوئی شخص شریک نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ان کی ہمدردیاں حضور ﷺ کے ساتھ تھیں۔ اسی لئے ابلیس نے ان کے لئے شیخ نجدی کا ڈھونگ رچایا۔ پہلے تعمیر کعبہ

حاصل ہے، انہیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں حضور ﷺ ہجرت فرما کر وہیں نہ چلے جائیں اور حتی یہ کو جمع کر کے ان پر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ وہ ''دارندوہ'' میں جمع ہوئے یہ قصی بن کلاب کی حویلی تھی، قریش ہر مسئلہ کے لئے مشاورت وہیں کرتے تھے جب انہیں حضور سے خطرہ محسوس ہوا تو آپ ﷺ کے لئے مشورہ کرنے کے لئے وہیں جمع ہوئے۔

حضرت ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں۔ ''قریش نے اس بات پر اتفاق کر لیا اور انہوں نے وعدہ کر لیا کہ وہ مشاورت کے لئے ''دارندوہ'' میں جمع ہوں گے''۔ وہ دن بھی آ گیا جس کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس دن کو ''یوم الرحمۃ'' کہا جاتا ہے۔ فَاعْتَرَضَهُمْ اِبْلِيسُ فِي هَيْئَةِ شَيْخٍ جَلِيلٍ۔ ابلیس ایک خوبصورت بزرگ کی شکل میں ان کے پاس آیا۔ وہ ''دار'' کے دروازے پر کھڑا ہو گیا اس نے ایک موٹی سی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ جب قریش مکہ نے اسے دروازہ میں دیکھا تو پوچھا ''بوڑھے تو کہاں سے ہے؟'' اس نے کہا'' میں شیخ نجدی ہوں۔ میں نے تمہارے اس مشورہ کے بارے سنا تو یہاں آ گیا تاکہ تمہاری مشاورت سن سکوں۔ ممکن ہے کہ میری کسی رائے یا خلوص کو تم ٹھکرا نہ سکو''۔ قریش مکہ نے کہا'' بہت اچھا اندر آ جا''۔ ابلیس ان کے ساتھ بیٹھ گیا، وہاں قریش کے سردار جمع تھے۔ بنو عبد شمس میں سے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ابوسفیان بن حرب تھے۔ بنو نوفل بن عبد مناف میں سے طعیمہ بن عدی، جبیر بن مطعم اور حارث بن عازم بن نوفل تھے۔ بنو عبد الدار بن قصی میں

کے ضمن میں ذکر ہو چکا ہے کہ ابلیس نے وہاں بھی شیخ نجدی کا روپ دھارا تھا۔ جب قریش مکہ نے حجر اسود کے متعلق حضور ﷺ کا فیصلہ قبول کیا تھا۔ اس وقت یہ ملعون چیخا'' اے گروہ قریش! کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تمہارے بزرگوں اور سرداروں کو چھوڑ کر یہ جوان یہ سعادت حاصل کرے''۔ اب اس موقع پر اس نے اور شکل اپنائی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نجد سے قَرْنُ الشَّيْطَانِ'' شیطان کا سینگ'' طلوع ہوگا۔ جب حضور ﷺ سے عرض کی گئی۔ فِي نَجْدِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ۔ اے حضور ﷺ ہمارے نجد کے لئے بھی دعا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا'' وہاں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور یہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا''۔ آپ ﷺ نے نجد کے لئے برکت کی دعا نہ کی جس طرح یمن اور شام وغیرہ کے لئے دعا کی۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مشرق کی طرف دیکھا اور فرمایا۔'' فتنہ یہاں ہے جہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا''۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ باب عائشہ رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑے تھے مشرق کی

سے نضر بن حارث بن کلدہ تھا۔ بنو اسد بن عبد العزیٰ میں سے ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود بن مطلب اور حکیم بن حزام تھے۔ بنو مخزوم میں سے ابوجہل تھا۔ بنو سہم میں سے حجاج کے دو بیٹے نبیہ اور منبہ تھے۔ بنو جمح میں سے امیہ بن خلف تھا ان کے علاوہ کچھ وہ سردار بھی تھے جن کا شمار قریش میں نہیں ہوتا۔

انہوں نے ایک دوسرے سے کہا اس شخص (حضور ﷺ) کے امر کا تم مشاہدہ کر ہی چکے ہو۔ بخدا اب ہمیں یہ خطرہ ہے کہ وہ ہم پر حملہ آور ہو جائے گا اور ہمارے علاوہ دیگر لوگ اس کے معاون و مددگار ہوں گے۔ اس کے متعلق ایک رائے قائم کرلو۔ ان میں سے ایک شخص نے تجویز دی اس کو لوہے کی زنجیروں میں قید کرلو پھر دروازہ بند کر دو اور اس کے انجام کا انتظار کرو۔ جس طرح کہ اس سے پہلے زھیر اور نابغہ کے ساتھ کیا گیا تھا، حتیٰ کہ موت اس کا خاتمہ کر دے۔ شیخ نجدی بولا، ''نہیں بخدا! یہ رائے درست نہیں ہے''۔

اگر تم نے اسے محبوس کر دیا تو یہ خبر اس بند کمرے سے بھی اس کے ساتھیوں تک پہنچ جائے گی۔ وہ تم پر حملہ آور ہو جائیں گے اور اسے تمہارے ہاتھوں سے چھین کرلے جائیں گے پھر ان کی تعداد زیادہ ہو جائے گی اور وہ تم پر غالب آ جائیں گے۔ یہ رائے صحیح نہیں ہے کوئی اور رائے قائم کرو' پھر ایک شخص نے کہا'' ہم اسے جلاوطن کر دیتے ہیں۔ جب وہ ہمارا ملک چھوڑ دے گا تو ہمیں کوئی پرواہ نہ ہوگی کہ وہ کہاں کا رخ کرتا ہے اور کہاں ڈیرہ لگاتا ہے۔ جب وہ ہم سے دور چلا جائے گا تو ہم اس سے فارغ ہو جائیں گے تو ہم اپنے معاملہ کی اصلاح کرلیں گے''۔ یہ رائے

طرف دیکھا اور یہ فرمایا۔'' باب عائشہ رضی اللہ عنہا'' میں آپ کا قیام فرمانا اور مشرق کی طرف رخِ انور کرنا ان فتنوں سے ڈرانے کے لئے تھا آپ نے مشرق کی جانب سے ان فتنوں کے خروج کے متعلق سوچا اور فتنہ کے ظہور کے وقت آپ کے اشارہ سے ہی وہ مقام متعین ہوگا اس قول پاک کو آپ کے اس فرمان کے ساتھ ملالو۔ ''اَیقِظُوا صَوَاحِبَ الْحُجَرِ''۔

ابن اسحاق نے حضور ﷺ کے متعلق قریش کی باہمی مشاورت کا تذکرہ کیا ان میں سے ایک نے کہا کہ انہیں کسی کمرہ میں پابند سلاسل کر دیا جائے۔ دوسرے نے کہا انہیں جلاوطن کر دیا جائے لیکن کس کس نے کون کون سا قول کیا اس کے متعلق انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قید کرنے کا مشورہ ابوالبختری ابن ہشام نے دیا تھا۔ جلاوطن کرنے کا مشورہ ابوالاسود ربیعہ بن عمرو نے دیا تھا، اس کا تعلق بنو عامر بن لوی سے تھا۔

سن کر شیخ نجدی نے کہا ''نہیں یہ مشورہ بھی عمدہ نہیں ہے کیا تم اس کی گفتگو کی شیرینی، بات کی مٹھاس اور لوگوں کے دلوں پر اس کا غلبہ نہیں دیکھتے؟ بخدا! اگر تم نے ایسا کر دیا تو پھر تم اس سے محفوظ نہیں ہوں گے، وہ عرب کے کسی قبیلے کے پاس جائے گا اور وہ اپنی گفتگو اور اپنی بات چیت سے ان پر غلبہ پالے گا جب لوگ اس کی اتباع کرنے لگیں گے تو وہ ان کے ساتھ تمہارے شہروں پر حملہ کر کے تمہیں روند ڈالے گا پھر وہ زمام اقتدار تمہارے ہاتھوں سے چھین لے گا اور اپنی منشاء کے مطابق تم سے سلوک کرے گا اور کوئی رائے قائم کرلو'' ابوجہل نے کہا ''میرا بھی ایک مشورہ ہے بخدا! اس کے بعد تمہیں کسی اور مشورہ کی کوئی ضرورت نہ رہے گی'' تمام اہل محفل نے کہا ''ابو الحکم! وہ رائے کیا ہے؟'' اس نے کہا۔ ''اَرٰی اَنْ نَاْخُذَ مِنْ کُلِّ قَبِیْلَۃٍ فَتًی شَابًا جَلِیْدًا نَسِیْبًا وَسِیْطًا فِیْنَا۔ میری رائے یہ ہے کہ ہم ہر قبیلے سے ایک ایک نوعمر، مضبوط اور حسب و نسب والا جوان لیں گے۔ ہم ہر جوان کو شمشیر براں پکڑا دیں گے پھر وہ اس شخص کی طرف جائیں گے اور اس پر یکبار حملہ کر کے اسے قتل (شہید) کر دیں گے۔ اس طرح ہم اس سے نجات پالیں گے اس طرح اس کا خون بھی مختلف قبائل میں منقسم ہو جائے گا۔ بنوعبد مناف اپنی ساری قوم سے جنگ نہیں لڑ سکیں گے اور وہ ہم سے خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم آسانی سے اس کا خون بہا دے دیں گے''۔ یہ رائے سن کر شیخ نجدی نے کہا ''یہ بات بالکل درست ہے، اس کے علاوہ دوسری رائے اور کوئی نہیں ہے'' اسی پر اتفاق کر کے انہوں نے اپنی محفل کو برخاست کر دیا۔

شب ہجرت

حضرت جبرائیل علیہ السلام بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ''یا رسول اللہ ﷺ آج رات اس بستر پر نہ گزاریں جہاں پہلے آپ محو استراحت ہوتے ہیں''۔ جب تہائی رات گزر

نَسِیْبًا وَسِیْطًا

وَسِیْطٌ، سِطَۃٌ فِی الْعَشِیْرِ سے مشتق ہے اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ قریشی جوان کاشانۂ اقدس کے دروازے میں جھانکنے لگے۔ انہوں نے وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ دیکھے جو حضور ﷺ کی چادر مبارک اوڑھے سو رہے تھے۔ انہوں نے گمان کیا کہ یہ حضور ﷺ ہیں۔ بعض اہل تفسیر نے وہ سبب ذکر کیا ہے جس کی وجہ سے وہ نبی اکرم ﷺ کے گھر نہ گھسے حالانکہ دیواریں بھی چھوٹی چھوٹی تھیں۔ وہ حضور ﷺ کو شہید کرنے کے

گئی تو قریشی جوان کا شانۂ اقدس کے دروازے پر جمع ہو گئے وہ منتظر تھے کہ حضور ﷺ کب آرام فرما ہوتے ہیں اور وہ مل کر آپ ﷺ پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ جب حضور ﷺ نے ان کا محاصرہ دیکھا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''اے علی! میرے بستر پر سو جاؤ میری یہ سبز حضرمی چادر اوڑھ لو اسی میں سو جاؤ، تمہیں کسی ناپسندیدہ بات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا''۔ حضور ﷺ جب بھی استراحت فرما ہوتے تھے اسی چادر مبارک میں ہی سوتے تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں محمد بن کعب القرظی سے روایت ہے کہ جب قریشی جوانوں نے کاشانۂ اقدس کا محاصرہ کر لیا تو ابوجہل جو وہاں موجود تھا نے کہا ''محمد (ﷺ) یہ گمان کرتے ہیں کہ جب تم ان کے امر کی اتباع کرو گے تو تم عرب وعجم کے بادشاہ بن جاؤ گے اور جب مرنے کے بعد تمہیں اٹھایا جائے گا تو تمہیں اردن کے باغات کی طرح سرسبز و شاداب باغات ملیں گے اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر تمہیں ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر تمہیں موت کے بعد اٹھایا جائے گا اور تمہیں آتش جہنم کے حوالے کر دیا جائے گا''۔

حضور ﷺ کاشانۂ اقدس سے باہر تشریف لے آئے۔ دست اقدس سے مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور فرمایا ''ہاں میں یہ کہتا ہوں۔ اے ابوجہل! تم ان بدبختوں میں سے ایک ہو''۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بصارت کو چھین لیا وہ نبی محترم ﷺ کو نہ دیکھ سکے حضور ﷺ ان کے سروں پر خاک پھینکنے لگے اور آپ ﷺ ساتھ ساتھ ان آیات کی تلاوت بھی فرما رہے تھے۔

يٰسٓ ۝ وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝ وَ جَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ (یٰسین)

اے سید (عرب وعجم) قسم ہے قرآن حکیم کی۔ بیشک آپ رسولوں میں سے ہیں (یقیناً)

لئے آنے کا سبب یہ تھا کہ جب انہوں نے نبی اکرم ﷺ پر اس طرح حملہ آور ہونا چاہا تو گھر سے ایک خاتون چلائی تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا'' واللہ سارا عرب ہمیں گالیاں دے گا کہ ہم نے چچازاد بہنوں کے لئے دیواروں سے چھلانگیں لگائی ہیں اور ہم نے اپنی ردائے حرمت کو چاک چاک کیا ہے'' اسی چیز نے انہیں مجبور کیا کہ وہ صبح تک دروازے پر ہی انتظار کریں پھر ان کی بصارت چھین لی گئی حتی کہ حضور ﷺ بخیر و عافیت تشریف لے گئے۔ اس موقع پر حضور ﷺ نے سورۃ یٰسین کی تلاوت

آپ راہِ راست پر ہیں نازل فرمایا ہے عزیز اور رحیم نے تا کہ آپ ڈرا سکیں اس قوم کو جن کے باپ دادا کو نہیں ڈرایا گیا، اس لئے وہ غافل ہیں بے شک یہ بات لازم ہو چکی ہے ان میں سے اکثر پر کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے ہم نے ڈال دیئے ہیں ان کی گردنوں میں طوق پس وہ ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں اس لئے ان کے سر اوپر کو اٹھے ہوئے ہیں اور ہم نے بنا دی ان کے سامنے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے پس وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے''۔

حضور ﷺ ان آیات کی تلاوت سے فارغ ہوئے تو ان میں سے ہر ایک شخص کے سر پر خاک پڑ چکی تھی۔ پھر آپ ﷺ جہاں جانا چاہتے تھے تشریف لے گئے۔ نوجوانانِ قریش کے پاس ایک شخص آیا وہ ان میں سے نہ تھا اس نے پوچھا ''تم یہاں کس کا انتظار کر رہے ہو''۔ انہوں نے جواب دیا ''محمد (فداہ روحی وابی وامی) ﷺ کا''۔ اس آدمی نے کہا ''اللہ تم سب کو رسواء کرے بخدا وہ تو یہاں سے تشریف لے جا چکے ہیں انہوں نے تم میں سے ہر ایک آدمی کے سر پر خاک پھینک دی ہے ذرا اپنے سر کو تو دیکھو''۔ ہر شخص نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر پھیرا وہاں مٹی ہی مٹی تھی۔ وہ جھانک کر دیکھنے لگے انہیں وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نظر آئے جو ردائے مصطفیٰ ﷺ اوڑھے بڑے سکون سے محو استراحت تھے انہوں نے کہا بخدا! محمد ﷺ تو یہ سوئے ہیں۔ ان پر ان کی چادر بھی ہے پھر وہ صبح تک اسی طرح دروازے پر کھڑے رہے، صبح کے وقت حضور ﷺ کے بستر مبارک سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھے پھر انہیں ہوش آئی کہ اس شخص نے تو سچ ہی کہا تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں اس دن قریش مکہ نے جو اتفاق کیا تھا اس کے متعلق قرآن پاک کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ ؕ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ ؕ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ ۝ (انفال)

فرمائی۔ اسی لئے خوفزدہ انسان کو سورۂ یٰسین پڑھنے کا کہا جاتا ہے۔ حارث بن ابی اسامہ نے اپنی مسند میں حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ اگر خوفزدہ انسان اسے پڑھے گا وہ امن میں ہو جائے گا۔ اگر مفلس پڑھے گا تو وہ مالدار ہو جائے گا۔ ننگے کو یہ مبارک سورت پڑھنے سے لباس نصیب ہو گا اور پیاسے کو پانی ملے گا الغرض اس کے بہت سے فوائد ہیں۔

"اور یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے تھے آپ کے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا تاکہ وہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو شہید کر دیں یا آپ کو جلاوطن کر دیں وہ بھی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر فرمانے والا ہے"۔

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَیۡبَ الۡمَنُوۡنِ ۝ قُلۡ تَرَبَّصُوۡا فَاِنِّیۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُتَرَبِّصِیۡنَ ۝ (طور)

"کیا یہ کہتے ہیں کہ آپ شاعر ہیں اور ہم انتظار کر رہے ہیں ان کے متعلق گردشِ زمانہ کا فرمائیے انتظار کرو پس میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں"۔

ابن ہشام کہتے ہیں۔ "المنون" کا معنی موت ہے، رَیۡبُ الۡمَنُوۡنِ حوادثاتِ زمانہ کو کہتے ہیں، ابوذئب کہتا ہے۔

اَمِنَ الْمَنُوْنِ وَ رَیْبِهَا تَتَوَجَّعُ وَالدَّهْرُ لَیْسَ بِمُعْتِبٍ مَنْ یَجْزَعُ

کیا تو موت اور اس کے ڈر سے خوفزدہ ہے زمانہ جزع فزع کرنے والوں سے اپنا عتاب دور نہیں کرتا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محترم ﷺ کو ہجرت کی اجازت دے دی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ ایک ثروت مند شخص تھے جب انہوں نے حضور ﷺ سے ہجرت کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ جلدی نہ کرو شاید اللہ تعالیٰ کوئی رفیقِ راہ بنا دے۔ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ اس سے مراد حضور ﷺ کی اپنی ذات ہے۔ انہوں نے اس مقصد کے لئے دو اونٹنیاں خرید لیں تھیں اور انہیں اپنے گھر میں خود چارہ ڈالا کرتے تھے۔

رَیۡبُ الۡمَنُوۡنِ

"المنون" مذکر و مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ جس شخص نے اس سے موت یا حوادثات دھر مراد لیے ہیں اس نے اسے مونث استعمال کیا ہے اور جس نے اس سے مراد دھر لیا ہے اس نے اسے مذکر استعمال کیا ہے۔ "رَیۡبُ الۡمَنُوۡنِ" سے مراد حالات کی وہ تبدیلی ہے جو تجھے قلق میں ڈال دے۔ اشیاء کی قوت سلب کر لینے کی وجہ سے اسے "منون" کہا جاتا ہے ایک اور قول کے مطابق اسے منون اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ امیدوں کو منقطع کر دیتا ہے۔ یہ "حَبْلٌ مَنِیْنٌ" سے مشتق ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ (تین۔ ٦) "تو ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے"۔

ہجرت مدینہ

ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ صبح کے وقت یا شام کے وقت ہمارے ہاں تشریف لایا کرتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی تو حضور ﷺ دوپہر کے وقت ہمارے ہاں تشریف لائے۔ آپ ﷺ عموماً اس وقت ہمارے ہاں تشریف نہیں لاتے تھے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو دیکھا تو کہا ''اس وقت حضور ﷺ کا تشریف لانا اس بات کا غماز ہے کہ کوئی واقعہ رونما ہوا ہے'' جب حضور ﷺ گھر میں داخل ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چارپائی سے اٹھے، نبی اکرم ﷺ وہاں تشریف فرما ہو گئے اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس صرف میں اور میری بہن حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا ہی تھیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔'' جو شخص تمہارے

حضور ﷺ کو اذنِ ہجرت

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا اگر گھر میں کوئی اجنبی ہو تو اسے باہر نکال دو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی'' یا رسول اللہ! ﷺ صرف میری دو بیٹیاں ہی گھر میں ہیں''۔

جامع بخاری میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی'' یا رسول اللہ ﷺ! وہ آپ ﷺ کے اہل خانہ ہی ہیں'' اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے پہلے اپنی نورِ نظر کا نکاح حضور ﷺ سے کر دیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ محترمہ حضرت ام رومان بنت عامر بن عویمر سے اسی طرح روایت ہے، ان کے والد کے نام میں دوسری روایت'' رومان'' بھی ہے۔ ابن اسحاق سے ایک اور روایت بھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی معیت میں ہجرت کی سعادت حاصل کی تو آپ رضی اللہ عنہ اپنی بیٹیوں کو مکہ معظمہ میں ہی چھوڑ آئے تھے، مدینہ طیبہ میں جلوہ نما ہو کر حضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہما کو مکہ معظمہ بھیجا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن اریقط کو بھیجا۔ انہوں نے ان کے ساتھ پانچ درہم بھی بھیجے، وہ مکہ معظمہ میں آئے اور حضرت سودہ بنت زمعہ،

پاس ہے اسے مجھ سے پرے لے جاؤ''۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی''یارسول اللہ ﷺ! میرے پاس میری دو بیٹیاں ہی ہیں میرے ماں باپ آپ ﷺ پر نثار! کیا ان

حضرت فاطمۃ الزہراء اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن کو لے کر مدینہ طیبہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔''میری والدہ ماجدہ بھی ان کے اور طلحہ بن عبید اللہ کے ہمراہ سفر پر روانہ ہوئیں۔ جب ہم قدیر کے مقام پر پہنچے تو وہ اونٹ بھاگ گیا جس پر میں اور میری والدہ محترمہ سوار تھیں۔ ہم ایک پالکی پر سوار تھیں، میری امی جان یوں آواز دینے لگیں۔ وَابْنَيْتَاهُ۔ وَ عَرُوْسَاهُ۔ ہائے میرے نورِ نظر! ہائے میری دلہن!

یونس نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا''اسی اثناء میں میں نے ایک صدا دینے والے کو سنا وہ مجھے نظر نہیں آرہا تھا، اس نے کہا اس اونٹ کی مہار نیچے پھینک دو۔ میں نے اپنے ہاتھ سے مہار پھینک دی۔ اونٹ کھڑا ہو گیا پھر وہ اسی جگہ چکر کھانے لگا گویا کہ وہ اپنے نیچے کسی انسان کو دبا رہا تھا۔ وہ اونٹ گھاٹی سے خیر و عافیت سے اتر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بچا لیا، ہم بارگاہ رسالت ﷺ میں پہنچ گئے اس وقت آپ ﷺ مسجد نبوی اور حجرات تعمیر فرما رہے تھے۔ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اپنے کاشانہ میں چلی گئیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی''یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ عائشہ کو کاشانہ اقدس میں نہیں لے جائیں گے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا اگر حق مہر نہ بھی ہو؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں بارہ اوقیہ چاندی اور بیس درہم پیش کیے۔

مکمل ہجرت

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دو اونٹنیاں خریدیں۔ ان میں سے ایک بارگاہ رسالت ﷺ میں پیش کر دی۔ وہ اونٹنی دوسری سے بہتر تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا''میں اس اونٹنی پر سوار نہیں ہوں گا جو میری نہیں''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی''یارسول اللہ ﷺ! میں نے آپ کو بطور نذرانہ پیش کی ہے''۔ حضور ﷺ نے فرمایا''میں قیمت ادا کروں گا''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی''یارسول اللہ ﷺ! قیمت ہی ادا فرما دیں'' پھر حضور ﷺ اس اونٹنی پر سوار ہوئے۔ بعض اہل علم نے یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ آپ ﷺ نے اونٹنی کی قیمت ادا کر کے اسے قبول کیوں فرمایا حالانکہ اس سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت سا

کے یہاں رہنے میں کچھ حرج ہے" آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے ہجرت اور خروج کا حکم دے دیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ الصُحبَۃ

مال خرچ کرتے تھے اور اسے قبول فرمالیتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔" مال اور اہل کے اعتبار سے مجھ پر اتنا احسان کسی نے نہیں کیا جتنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا ہے، ابھی او پر ذکر ہوا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق مہر کے لئے انہوں نے بارہ اوقیہ چاندی اور بیس درہم پیش کیے۔ آپ ﷺ نے اس کو بھی قبول کر لیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف آپ ﷺ کی ہجرت نفس اور مال دونوں کے ساتھ ہو اور ہجرت اور جہاد ہر اعتبار سے مکمل ہو جائے۔ یہ جواب سب سے عمدہ ہے اسے علامہ حسن بن لوان نے ذکر کیا ہے۔

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ وہ اونٹنی جسے حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خریدا تھا وہ "جدعاء" کے نام سے معروف ہوئی۔ یہ اس عضباء نامی اونٹنی کے علاوہ ہے جس کا ذکر آپ ﷺ نے اس وقت کیا جب حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا ذکر کیا۔ یہ وہ سعادت مند اونٹنی ہے جو قیامت کے روز آپ ﷺ کے ساتھ ہی اٹھے گی۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ اس روز "عضباء" پر سوار ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں میری لخت جگر حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا "عضباء" پر سوار ہوں گی۔ میں اس روز براق پر سوار ہوں گا اور یہ (حضرت بلال رضی اللہ عنہ) جنت کی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی پر سوار ہوں گے"۔

مسند البزار میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔" حضور ﷺ نے "عضباء" پر تشریف فرما ہو کر ہمیں خطبہ دیا تھا۔" وہ "جدعاء" نہ تھی حضرت انس فرماتے ہیں کہ عضباء ایک اور اونٹنی تھی۔ صحیح قول بھی یہی ہے۔ یہ مالِ غنیمت میں حاصل ہوئی تھی اس کے مالک عقیل نے اسے مدینہ طیبہ میں پکڑ لیا اور عرض کی "یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے کس کے عوض اسے حاصل کیا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "میں نے اسے تیرے حلیفوں کے وعدہ خلافی کے عوض حاصل کیا ہے"۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شدتِ مسرت سے گریہ باری

ابن اسحاق نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ وہ اس سے پہلے نہیں جانتی تھیں کہ شدتِ خوشی سے بھی رویا جاتا ہے انہوں نے یہ قول اس لئے کہا تھا کیونکہ ان کی عمر بہت کم تھی۔ اس سے پہلے وہ اس سے آگاہ نہ تھیں۔ حالانکہ شعراء نے اس منظر کو اپنے اشعار میں بیان کیا ہے طائی بادلوں کی تعریف میں کہتا ہے۔

اے رسول معظم ﷺ رفاقت کی سعادت مجھے نصیب ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "الصُّحْبَةُ
ہاں! رفاقت کی سعادت تمہاری ہی قسمت میں مرقوم ہے"۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

دُهْمٌ إِذَا وَكَفَتْ فِي رَوْضِهِ طَفِقَتْ   عُيُوْنُ أَزْهَارِهَا تَبْكِي مِنَ الْفَرَحِ

وہ سیاہ بادل جب اس کے باغ میں برسا تو اس کے پھولوں کی آنکھوں نے شدتِ فرح سے گریہ زاری کی۔ ابوطیب کہتا ہے۔

لَا تُنْكِرَنَّ لَهَا صَرْعَةً   فَمِنْ فَرَحِ النَّفْسِ مَا يَقْتُلُ

اس کی اس حالت کا انکار نہ کر کبھی کبھی نفس شدتِ مسرت سے بھی ہلاک ہو جاتا ہے۔

ایک شاعر کہتا ہے۔

وَرَدَ الْكِتَابُ مِنَ الْحَبِيْبِ بِأَنَّهُ   سَيَزُوْرُنِي فَاسْتَعْبَرَتْ أَجْفَانِي
غَلَبَ السُّرُوْرُ عَلَيَّ حَتّٰى إِنَّهُ   مِنْ فَرْطِ مَا قَدْ سَرَّنِي أَبْكَانِي
يَا عَيْنُ صَارَ الدَّمْعُ عِنْدَكِ عَادَةً   تَبْكِيْنَ فِي فَرَحٍ وَّ فِي أَحْزَانِ

میرے محبوب کی طرف سے مجھے نامہ ملا ہے کہ وہ عنقریب مجھ سے ملاقات کرنے کے لئے آئے گا یہ پڑھ کر میری آنکھوں میں آنسو رواں ہو گئے۔ مجھ پر سرور کا غلبہ ہو گیا حتیٰ کہ اس فرطِ مسرت نے مجھے رولا دیا۔ اے میری آنکھ! آنسو بہانا تیری عادت بن گئی ہے تو خوشی اور غم ہر دو حالت میں رونے لگتی ہے۔

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ

جب تاجدارِ عرب و عجم ﷺ مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لے گئے تو آپ ﷺ حزورہ کے مقام پر کھڑے ہوئے گئے، آپ ﷺ نے بیت اللہ کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ وَاللّٰهِ إِنَّكَ لَاَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَيَّ وَإِنَّكَ لَاَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ وَ لَوْ لَا أَنَّ أَهْلَكَ أَخْرَجُوْنِيْ مِنْكَ مَا خَرَجْتُ اللہ کی قسم! تو مجھے اللہ تعالیٰ کی تمام زمین سے زیادہ محبوب ہے اور اللہ کے نزدیک بھی تو تمام روئے زمین سے پسندیدہ ہے اگر تیرے مکین مجھے نہ نکالتے تو میں خود کبھی نہ نکلتا۔ اس حدیث کو امام زہری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث مکہ مکرمہ کی مدینہ طیبہ پر فضیلت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ إِنَّ صَلٰوةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ خَيْرٌ مِنْ مِائَةِ أَلْفِ صَلٰوةٍ فِيْمَا سِوَاهُ۔ مسجد حرام میں ایک نماز، اس کے علاوہ دیگر مساجد میں ادا کی گئی ایک لاکھ نمازوں سے بہتر ہے کیونکہ دیگر اعمال نماز کے تابع ہوتے ہیں اس لئے مسجد حرام میں ہر نیکی دوسرے مقام کی ایک لاکھ نیکیوں سے بہتر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت

فرماتی ہیں ''قسم بخدا! اس سے قبل مجھے معلوم نہ تھا کہ کوئی فرح وشادمانی سے بھی گریہ بار ہوسکتا ہے۔ حتیٰ کہ اس دن میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مسرت وخوشی سے روتے ہوئے دیکھا''۔ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے یہ دو اونٹنیاں اسی مقصد کے لئے خریدی تھیں پھر میں نے انہیں عبداللہ بن ارقط کو اجرت پر دی ہیں۔ عبداللہ بن ارقط کا تعلق بنوالدیل بن بکر سے تھا وہ ایک ماہر راہ نما تھا۔ یہ آل عاص بن وائل سہمی کا حلیف تھا۔ اس کی ماں کا تعلق بنوسہم بن عمرو سے تھا یہ مشرک تھا اور حضور ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو راہ بتاتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وہ اونٹنیاں اسی کے حوالے کر دی تھیں تا کہ وہ مقررہ مدت تک ان کی حفاظت کرے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں جب حضور ﷺ ہجرت فرما ہوئے تو ہجرت کا علم حضرت علی، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت ابوبکر صدیق کے اہل وعیال کے علاوہ اور کسی کو نہ ہوا، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خود حضور ﷺ نے بتایا تھا اور انہیں مکہ معظمہ میں ہی ٹھہرنے کا حکم دیا تا کہ وہ لوگوں کی امانتیں واپس کر دیں، مکہ معظمہ کے لوگ آپ ﷺ کی صداقت وامانت سے اتنے متاثر تھے کہ وہ آپ ﷺ کے پاس اپنی امانتیں رکھتے تھے۔

حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار ثور میں

ابن اسحاق کہتے ہیں جب حضور ﷺ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے پھر دونوں حضرات اس کھڑکی سے باہر نکل گئے جو

ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''جو شخص پیدل چل کر حج کرتا ہے اس کے ہر قدم پر حرم کی نیکیوں میں سے سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں عرض کی گئی حرم کی نیکیاں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا'' اس میں ایک نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے''۔ حضرت عطا فرماتے ہیں میرے گمان میں یہاں برائی کرنا بھی اسی طرح ہے۔

غارِ ثور

یہ ایک غار کا نام ہے جو جبل ثور میں ہے۔ تحریم مدینہ والی حدیث میں اسی پہاڑ کا نام ہے۔ اَنّھَا حَرَامٌ مَا بَیْنَ عَیْرٍ اِلٰی ثَوْرٍ۔ مدینہ طیبہ عیر اور ثور کے درمیان حرم ہے لیکن یہ وہم ہے کیونکہ ثور مکہ معظمہ کے پہاڑوں میں ہے۔ اکثر محدثین کے نزدیک یہ حدیث اس طرح ہے۔ مَا بَیْنَ عَیْرٍ اِلٰی

مکہ کی پچھلی جانب تھی اور غارِ ثور کا قصد فرمایا۔ یہ غار مکہ معظمہ کے نشیبی علاقہ میں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ سنیں کہ لوگ دن کے وقت ان سے متعلق کیا کہتے ہیں اور رات کے وقت وہ خبریں غار میں آ کر بتا دیں۔ انہوں نے اپنے غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ دن کے وقت بکریاں چراتے رہیں اور وقت شام وہ بکریاں غار کے دھانے کے پاس لے جائیں۔ حضرت اسماء بنت

کذا۔ گویا کہ محدث مقام کا نام بھول گئے اور اس کی جگہ لفظ "بکذا" استعمال کیا۔

قاسم بن ثابت نے دلائل میں ذکر کیا ہے کہ جب حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غارِ ثور میں تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس غار کے دہانے پر "راءۃ" کا پودا اگا دیا۔ یہ ایک معروف درخت ہے اس نے غار کو کفار کی آنکھوں سے محجوب بنا دیا۔ ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ "راءۃ" ایک سخت درخت ہے اس کا قد قامت انسان جتنا ہوتا ہے اس پر کانٹے لگتے ہیں اس کے پھول سفید رنگ کے ہوتے ہیں جن سے تکیے بھرے جاتے ہیں۔ یہ اپنی نرمی اور نزاکت میں پروں کی طرح ہوتے ہیں گویا کہ وہ روئی ہے پھر انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

تری وَدَکَ الشَّرِیْفِ عَلٰی لَحَا هُمْ   کَمِثْلِ الرَّاءِ لَبَّدَهُ الصَّقِیْعُ

کاش تو اونٹ کی چربی کو ان کے گالوں پر دیکھ لیتا وہ اس "راء" کی طرح تھے جسے بھڑنے جمع کر رکھا ہو۔

المسز ار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکڑی کو حکم دیا اس نے غار کے دہانے پر جالا تن دیا، دو جنگلی کبوتر بھی آ گئے انہوں نے غار کے دہانے پر انڈے دے دیئے۔ یہ تمام وہ اشیاء تھیں جنہوں نے مشرکین کو آپ ﷺ تک نہ جانے دیا۔ حرم شریف کے کبوتر انہی کبوتروں کی نسل سے ہیں۔ روایت ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غارِ ثور میں حضور ﷺ سے پہلے گئے تا کہ اپنی ذات قربان کر کے نبی محترم ﷺ کا تحفظ کریں تو وہاں آپ رضی اللہ عنہ نے ایک بل دیکھا آپ رضی اللہ عنہ نے وہاں اپنی ایڑی رکھ دی تا کہ وہاں سے کوئی موذی جانور نکل کر حضور ﷺ کو اذیت نہ دے۔ "صحیح" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب حضور ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غار میں تھے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کی۔ "اگر ان میں سے کوئی ایک اپنے قدموں کی طرف دیکھتا تو وہ ہمیں دیکھ لیتا، حضور ﷺ نے ان سے فرمایا۔ مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اَللّٰهُ ثَالِثُهُمَا۔ ان دو کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہو۔

ابی بکر رضی اللہ عنہا شام کے وقت کھانا لے کر آتی تھیں۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ مجھے بعض اہل علم نے بتایا ہے کہ حضرت حسن بن ابی الحسن البصری نے فرمایا۔ "حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رات کے وقت غار تک پہنچے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے غار کے اندر گئے تا کہ دیکھیں کہ اس میں کوئی درندہ یا سانپ تو نہیں ہے گویا کہ انہوں نے اپنے نفس سے حضور ﷺ کا تحفظ کیا"۔

ابن اسحاق کہتے ہیں حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غارِ ثور میں تین دن

روایت ہے کہ جب قریش مکہ حضور ﷺ کے نقش پا کو نہ دیکھ سکے تو انہوں نے قیافہ شناسوں کو بلایا۔ وہ حضور ﷺ کے نقش قدم کی جستجو کرتے کرتے غار کے دہانے تک پہنچ گئے۔ اس سے قبل غار کے دہانے پر درخت اگ چکا تھا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قیافہ شناس دیکھا تو حضور ﷺ کی وجہ سے انہیں شدید حزن ہوا۔ انہوں نے کہا "اگر میں قتل ہو جاؤں تو میں صرف ایک شخص ہوں اور اگر آپ ﷺ شہید ہو گئے تو ایک امت ہلاک ہو جائے گی"۔ اس وقت حضور ﷺ نے ان سے فرمایا، لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ "غم نہ کرو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے"۔ ذرا غور تو کرو کہ حضور ﷺ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ، لَا تَخَفْ نہ فرمایا کیونکہ حضور ﷺ کی ذات کے متعلق غم نے آپ رضی اللہ عنہ کو اپنی ذات کے غم کو بھلا دیا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان تکالیف کا بھی مشاہدہ کیا جن کا سامنا حضور ﷺ کو کرنا پڑ رہا تھا۔ آپ ﷺ غار کی تنگی میں تھے۔ اپنے اہل خانہ سے جدا تھے اور سفر کا غم تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے لئے شفقت و نرمی کے جذبات سب سے زیادہ رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے حزین ہو گئے۔ روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "میں نے حضور ﷺ کے قدمین شریفین کی طرف دیکھا وہ خون ریز تھے میں رو پڑا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ بدسلوکی یا بداخلاقی آپ ﷺ کی عادت نہیں ہے"۔ آپ رضی اللہ عنہ کا خوف تو نصرتِ الٰہی کے وعدہ کی وجہ سے ختم ہو چکا تھا۔ ارشاد ربانی ہے۔ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ۔ "پھر نازل کی اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین ان پر"۔ اکثر اہل تفسیر کے نزدیک "ہٗ" کی ضمیر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہے کیونکہ حضور ﷺ پر تو سکینہ پہلے ہی موجود تھا۔ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا۔ "او... ...ی ان کی ایسے لشکروں سے جنہیں تم نے نہ دیکھا"۔ اس آیت میں "ہٗ" کی ضمیر حضور ﷺ ...ف راجع ہے۔ "جنود" سے مراد وہ ملائکہ ہیں جو غارِ ثور میں حاضر خدمت ہو... اور آپ ﷺ ...ن پر فتح یابی کی بشارت دی اسی بشارت سے آپ ﷺ کی

خلوت گزیں رہے۔قریش نے اعلان کیا کہ جو شخص حضور ﷺ کو پکڑ کر ان کے حوالے کرے گا اسے سو اونٹ انعام دیا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما دن کے وقت قریش کے پاس رہتے جو وہ مشاورت کرتے وہ پوری توجہ سے سنتے۔ جو وہ حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتے اسے دھیان سے سنتے اور شام کے وقت تمام باتیں غار ثور

تائید ہوتی ہے اور صبر واستقامت میں اضافہ ہوا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ ملائکہ ہیں جو غزوۂ بدر اور غزوۂ حنین وغیرہ میں نازل ہوئے۔ بعض علماء کے نزدیک ''ہٗ'' کی دونوں ضمائر حضور ﷺ کی طرف ہی راجع ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی تبع میں ہیں وہ سکینہ کے حکم میں بالمعنی داخل ہیں، مصحف حفصہ میں یہ آیت اس طرح مکتوب ہے۔ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِمَا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حزین ہونے کا سبب یہ تھا کہ آپ ﷺ نے بعض کافروں کو غار کے پاس پیشاب کرتے دیکھا، انہیں خدشہ تھا کہ کہیں کفار نے انہیں دیکھ نہ لیا ہو، حضور ﷺ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ ''حزن نہ کرو''۔ اگر کفار ہمیں دیکھ لیتے تو اپنی شرمگاہیں ہماری طرف کر کے پیشاب نہ کرتے اور ہمیں پکڑنے میں دیر نہ کرتے۔

رافضہ کے بہتان کا رد

رافضہ کا گمان ہے کہ حضور ﷺ کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمانا ''لَا تَحْزَنْ'' ان کی غفلت اور مذمت کے لئے تھا۔ اگر یہ ''اطاعت'' کے لئے ہوتا تو حضور ﷺ انہیں منع نہ کرتے۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ معصیت تھی۔ رافضہ کو دلیل دیتے ہوئے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے فرمایا۔ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ (یونس:۶۵) ''پس نہ رنجیدہ کرے آپ کو (اے حبیب) ان کا قول''۔ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ (العمران:۱۷۶) ''اور (اے جانِ عالم) نہ غمزدہ کریں آپ کو جو جلدی سے کفر میں داخل ہوئے ہیں''۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ (طٰہٰ:۲۱) ''اسے پکڑ لو اور مت ڈرو''۔ ملائکہ نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا۔ لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ۔ (العنکبوت:۳۳) ''نہ خوفزدہ ہو اور نہ رنجیدہ خاطر''۔

اگر تمہارا یہ گمان ہو کہ انبیاء علیہم السلام کو جب یہ کہا جا رہا تھا وہ حالت معصیت میں تھے تو یہ تمہارا کفر ہے اور تم نے اپنے ہی اصل عقیدہ سے روگردانی کر دی کہ امام معصوم ہوتا ہے۔ بلاشبہ بالاجماع انبیاء کرام معصوم آئمہ ہیں۔ حضور ﷺ کا فرمان لَا تَحْزَنْ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا اپنے محبوب مکرم ﷺ سے فرمانا لَا يَحْزُنْكَ اور دیگر انبیاء سے اسی طرح فرمانا ان کے دل کی تشفی، بشارت اور موانست تھی۔

میں جا کر انہیں عرض کر دیتے۔ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ دن بھر اہل مکہ کے چرواہوں کے ساتھ بکریاں چراتے رات کے وقت وہ انہیں غار کے دہانے پر لے جاتے۔ ان کا دودھ دوہتے اور انہیں ذبح کر کے حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کرتے۔ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ کی طرف چلے جاتے تو حضرت عامر رضی اللہ عنہ بھی ریوڑ لے کر ان کے پیچھے پیچھے چل پڑتے تا کہ ان کے قدموں کے نشانات مٹ جائیں۔ جب تین راتیں گزر گئیں اور لوگ کچھ پر سکون ہو گئے تو وہ شخص آ گیا جنہیں راستہ دکھانے کے لئے اجرت پر لیا گیا تھا۔ وہ اونٹنیاں بھی لے آیا۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا توشہ دان لے آئیں۔ وہ توشہ دان کو باندھنے کے لئے رسی لانا بھول گئیں۔ انہوں نے اپنا کمر بند کھولا اور اس سے توشہ دان باندھ دیا اسی لئے ان کا نام ''ذات النطاق'' پڑ گیا۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ جب حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے توشہ دان باندھنا چاہا تو اپنے کمر بند کو دو

یہ نہی اسی جہت سے تھی جس طرح سے انہیں گمان تھا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (فصلت: ۳۰) ''اترتے ہیں ان پر فرشتے (اور انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو''۔ ملائکہ انہیں یہ قول معاینہ کے وقت کہیں گے اس وقت نہ تو کسی اطاعت کا حکم ہے اور نہ ہی کسی معصیت سے نہی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ فعل سے نہی اس بات کا تقاضا نہیں کرتی کہ انسان اس وقت منھی عنہ فعل میں مشغول ہو۔ اللہ تعالیٰ ن اپنے نبی محترم علیہ السلام کو بہت سی اشیاء سے منع فرمایا اسی طرح مومن بندوں کو بھی بہت سے کاموں سے روکا۔ یہ نہی اس امر کا تقاضا نہیں کرتی کہ حضور علیہ السلام اور وہ مومن لوگ نہی کی حالت میں ان اشیاء کا ارتکاب کر رہے تھے کیونکہ نہی، فعل مستقبل ہے اسی طرح حضور علیہ السلام کا فرمان ''لَا تَحْزَنْ'' بھی نہی ہے۔ اس لئے ممکن ہے اس حزن کا تعلق بھی مستقبل سے ہو اور اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حزین نہ ہوں اس لئے اسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی غفلت یا مذمت پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ ہم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نبی اکرم علیہ السلام پر یہ حزن سراپا اطاعت تھا۔ حضور علیہ السلام نے ان پر نرمی کرتے ہوئے اور درخشاں مستقبل کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا، ''لَا تَحْزَنْ''۔ یہ کسی عمل کی ناپسندگی کی وجہ سے نہ تھا۔

اگر مذکورہ بالا بحث پر ہوس اور تعصب کو چھوڑ کر نگاہِ انصاف ڈالی جائے تو حقائق روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتے ہیں اور شاہراہِ ہدایت ضوفشانی کرنے لگتی ہے۔

حصوں میں منقسم کیا۔ ایک کے ساتھ توشہ دان باندھ دیا اور دوسرا حصہ کمر کے ساتھ باندھا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی سواری

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دو اونٹنیاں قریب کیں ان میں سے عمدہ حضور ﷺ کو پیش کی اور عرض کی ''فَدَاكَ اَبِی وَ اُمِّی اِرْکَبْ۔ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا! سوار ہو جائیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ''میں اس اونٹنی پر سوار نہیں ہوں گا جو میری نہیں''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یارسول اللہ ﷺ! یہ آپ ﷺ ہی کی ہے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''نہیں اس وقت تک نہیں جب تک تم وہ قیمت نہ بتادو جس میں تم نے اسے فروخت کرنا ہے''۔ انہوں نے عرض کی ''اتنی رقم'' حضور ﷺ نے فرمایا ''میں نے اتنی قیمت میں یہ اونٹنی خرید لی ہے''۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''آپ ﷺ کی ہوگی''۔ حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ کی طرف عازمِ سفر ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے پیچھے حضرت عامر بن فہیرہ کو بٹھا لیا تاکہ راستہ میں وہ حضور ﷺ کی خدمت کی سعادت حاصل کر سکیں۔

ابوجہل کی گھناؤنی حرکت

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے بیان کیا گیا ہے وہ فرماتی ہیں ''جب حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سفر ہجرت پر روانہ ہو گئے تو ہمارے پاس قریش کے چند لوگ آئے ان میں ابوجہل بھی تھا وہ ہمارے دروازے میں کھڑے ہو گئے۔ میں باہر نکلی تو انہوں نے مجھے کہا اے بنت ابی بکر! رضی اللہ عنہما! تیرا باپ کہاں ہے؟ میں نے کہا بخدا! میں نہیں جانتی کہ میرے والد محترم کہاں ہیں۔ ابوجہل بڑا فحش گو اور خبیث انسان تھا اس نے ہاتھ اٹھا کر میرے منہ پر ایک طمانچہ مارا جس سے میری بالی نیچے گر پڑی''۔

اللہ تعالیٰ کی معیت

اے عبد مامور! ذرا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں تو غور کرو۔ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (توبہ:۴۰) ''جب کہا انہوں نے اپنے رفیق کو کہ مت غمگین ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے''۔ میں لفظاً اور معنیً کس طرح اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے۔ معنی کے اعتبار سے نصرت، معاونت،

جن کا ہدیہ عقیدت

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں تین راتیں گزر گئیں، ہمیں معلوم نہ تھا کہ حضور ﷺ کس سمت تشریف لے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک دن ایک جن مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقہ میں آیا اس نے کچھ اشعار اہل عرب کے لہجے میں گنگنائے لوگ اس کے پیچھے چل دیئے، وہ اس کی آواز سن رہے تھے لیکن اسے دیکھ نہیں رہے تھے۔ وہ مکہ معظمہ کے بلند علاقے میں پہنچ گیا وہ یوں گنگنا رہا تھا۔

جَزَى اللّٰهُ رَبُّ النَّاسِ خَيْرَ جَزَائِهِ رَفِيْقَيْنِ حَلَّا خَيْمَتِي أُمِّ مَعْبَدِ
هُمَا نَزَلَا بِالْبِرِّ ثُمَّ تَرَوَّحَا فَأَفْلَحَ مَنْ أَمْسَى رَفِيْقَ مُحَمَّدِ
لِيَهْنِ بَنِي كَعْبٍ مَكَانُ فَتَاتِهِمْ وَ مَقْعَدُهَا لِلْمُؤْمِنِيْنَ بِمَرْصَدِ

"اللہ تعالیٰ جو لوگوں کا پروردگار ہے وہ ان دو ساتھیوں کو بہترین جزاء دے جنہوں نے ام معبد کے خیمہ میں نزولِ اجلال فرمایا ہے انہوں نے وہاں ہدایت کے ساتھ قیام فرمایا ہے پھر وہ روانہ ہو گئے جو بھی محمد ﷺ کا ساتھی بن گیا وہ کامیاب ہو گا۔ بنو کعب کو مبارک ہو کہ ان کی خواتین کی نشست و برخاست کے مؤمنین پناہ گاہ ہیں۔

حضرت ام معبد کا نسب

ابن ہشام کہتے ہیں ام معبد بنت کعب ہے، یہ بنو کعب سے تھیں جو بنو خزاعہ کی ایک شاخ ہے۔ "حَلَّا خَيْمَتِي" اور "هُمَا نَزَلَا بِالْبِرِّ ثُمَّ تَرَوَّحَا"۔ ابن اسحاق سے روایت نہیں ہیں۔
ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب ہم نے اس جن کے اشعار سنے تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ مدینہ طیبہ کی طرف عازمِ سفر ہیں۔ یہ قافلہ چار افراد پر مشتمل تھا۔ ۱۔ حضور ﷺ، ۲۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ۳۔ حضرت عامر بن

ہدایت اور ارشاد میں معیت ہے۔ لفظ کے اعتبار سے معیت یہ ہے کہ جب حضور ﷺ کا ذکر کیا جائے گا وہاں اللہ تعالیٰ کا بھی ذکر ہو گا جب آپ ﷺ سے التجاء کی جاتی ہے تو یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کہا جاتا ہے یا "فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ" کہا جاتا ہے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی اسی طرح پکارا جانے لگا: یا خَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ فَعَلَ خَلِيْفَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ رسالت مصطفویہ اور خلافت صدیقہ کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا نام مبارک بھی ذکر ہوتا ہے۔ اس بعد کے کسی خلیفہ کے لئے یہ الفاظ استعمال نہ ہوئے۔

فہیرہ رضی اللہ عنہ، ۴۔ عبداللہ بن ارقط۔ ابن ہشام نے اسے عبداللہ بن اریقط کہا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہجرت کے بعد آپ کے اہل خانہ

ابن اسحاق نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں جب حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا تمام مال ساتھ لے گئے۔ ان کے پاس چھ یا سات ہزار درہم تھے۔ وہ تمام رقم اپنے ہمراہ لے گئے۔ میرے پاس میرے دادا حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ آئے وہ اس وقت نابینا ہو چکے تھے۔ انہوں نے کہا ''اللہ کی قسم! میرا خیال ہے کہ تمہارے باپ نے اپنی ذات کے ساتھ اپنا مال لے جا کر بھی تمہیں تکلیف دی ہے''۔ میں نے کہا ''نہیں دادا جان! ہر گز نہیں، انہوں نے ہمارے لئے بہت سا مال چھوڑا ہے'' میں نے چھوٹے چھوٹے سنگریزے لیے انہیں اس روشن دان میں رکھ دیا جہاں والد محترم اپنا مال رکھتے تھے پھر ان سنگریزوں پر کپڑا ڈال دیا۔ اپنے دادا جان کا ہاتھ پکڑ کر کہا '' دادا جان! ذرا اپنا ہاتھ تو اس مال و زر پر رکھیں''۔ انہوں نے وہاں اپنا ہاتھ رکھا اور کہا ''کوئی حرج نہیں۔ انہوں نے تمہارے لئے یہ مال چھوڑ کر اچھا کیا ہے یہ رقم تمہارے لئے کافی ہے''۔ قسم بخدا! انہوں نے ہمارے لئے کوئی مال نہ چھوڑا تھا لیکن میں نے دادا جان کو اس طرح خاموش کرا دیا۔

سراقہ بن مالک

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن مالک بن حارث بن جعشم اپنے چچا سراقہ بن مالک بن جعشم سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں۔ ''جب حضور ﷺ ہجرت کے لئے مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف گئے تو قریش نے اعلان کیا کہ جو آپ ﷺ کو پکڑ کر لائے گا اسے ایک سو

حضرت سراقہ بن مالک الکنانی

یہ مدلجی تھے۔ ان کا تعلق بنو مدلج بن مرہ بن تمیم بن عبد مناۃ بن کنانہ سے تھا۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے، قریش مکہ نے حضور ﷺ کو پکڑنے والے کے لئے ایک سو اونٹ انعام مقرر کیا۔ سراقہ نے اپنے تیروں سے فال گیری کی بالآخر وہ حضور ﷺ کو پکڑنے میں ناکام رہے۔ ابن اسحاق کے علاوہ دیگر سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جب سراقہ بے نیل مراد واپس آئے تو ابوجہل نے انہیں ملامت کی وہ بھی شاعر تھے انہوں نے کہا۔

اونٹنیاں انعام دیا جائے گا۔ اسی اثناء میں کہ میں اپنی قوم کی محفل میں بیٹھا ہوا تھا اچانک ایک شخص آیا۔ وہ ہمارے پاس کھڑا ہو کر کہنے لگا "قسم بخدا! میں نے تین افراد پر مشتمل ایک قافلہ دیکھا ہے وہ ابھی ابھی میرے پاس سے گزرا ہے میں نے غور سے دیکھا ہے وہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی تھے" میں نے آنکھوں سے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور کہا "نہیں! وہ تو بنو فلاں تھے جو اپنی گمشدہ اونٹنی کو تلاش کر رہے تھے"۔ انہوں نے کہا شاید پھر وہ خاموش ہو گیا۔ میں تھوڑی دیر وہیں بیٹھنے کے بعد اٹھا گھر گیا اور اپنا گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیا وہ گھوڑا وادی کے وسط میں پہنچا دیا گیا میں نے ہتھیار لانے کا حکم دیا ہتھیار گھر کے پچھلے سوراخ سے باہر پھینکے گئے۔ میں نے وہ تیر بھی لئے جن سے فال پکڑتا تھا اور اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے روانہ ہو گیا۔ میں نے زرہ پہن لی اور تیر نکال کر فال نکالی، وہ تیر نکلا جسے میں ناپسند کرتا تھا اس پر "لَا یَضُرُّ" مکتوب تھا لیکن میری خواہش یہی تھی کہ میں حضور ﷺ کو پکڑ کر قریش کے حوالے کروں اور ایک اونٹ سو انعام حاصل کروں۔ میں آپ ﷺ کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ دورانِ سفر گھوڑے نے ٹھوکر کھائی، میں نیچے گر پڑا میں نے کہا یہ کیا ہے؟ میں نے فال کے تیر نکال کر فال لی فال میں پھر وہی تیر نکلا جسے میں ناپسند کرتا تھا اور جس پر "لَا یَضُرُّہٗ" مرقوم تھا لیکن میں نے آپ ﷺ کے تعاقب کے متعلق ہی سوچا۔ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ گھوڑے کو شدید ٹھوکر لگی میں نیچے گر پڑا۔ میں نے کہا یہ کیا ہے؟ میں نے تیر نکال کر فال گیری کی تو تیسری مرتبہ بھی وہی تیر نکلا لیکن میں نے واپس نہ آنا چاہا تعاقب میں آگے ہی بڑھتا رہا جب وہ مختصر سا قافلہ مجھے نظر آیا تو میرے گھوڑے کو

أَبَا الْحَكَمْ وَاللهِ لَوْ كُنْتَ شَاهِدًا ... لِأَمْرِ جَوَادِي إِذْ تَسُوخُ قَوَائِمُهْ

عَلِمْتَ وَلَمْ تَشْكُكْ بِأَنَّ مُحَمَّدًا ... رَسُوْلٌ بِبُرْهَانٍ فَمَنْ ذَا يُقَاوِمُهْ

عَلَيْكَ بِكَفِّ الْقَوْمِ عَنْهُ فَإِنَّنِي ... أَرَى أَمْرَهُ يَوْمًا سَتَبْدُوْ مَعَالِمُهْ

بِأَمْرٍ يَوَدُّ النَّاسُ فِيهِ بِأَسْرِهِمْ ... بِأَنَّ جَمِيعَ النَّاسِ طُرًّا يُسَالِمُهْ

اے ابوجہل! کاش تو اس حیرت افزا منظر کو دیکھ لیتا جب میرے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے تھے، تو تو جان لیتا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں جو واضح برہان کے ساتھ تشریف لائے ہیں، آپ ﷺ کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟ تجھ پر لازم ہے کہ تو اپنی قوم کو ان سے روک لے میں دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب ایک دن آپ ﷺ کی علامات کا اظہار ہو جائے گا۔ اس دن تمام لوگ یہ خواہش کریں گے کہ وہ آپ ﷺ سے صلح کر لیں۔

ٹھوکر لگی۔ اس کے پاؤں زمین میں دھنس گئے میں نیچے گر پڑا۔ گھوڑے نے پاؤں زمین سے باہر نکال لیے اس کے ساتھ ہی زمین سے بگولے کی طرح دھواں بھی نکلا۔ اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ میں حضور ﷺ کو نہیں پکڑ سکتا۔ آپ ﷺ مجھ سے محفوظ ہیں، آپ ﷺ غالب ہیں میں نے اہل قافلہ کو بلند آواز دی۔ ''میں سراقہ بن مالک ہوں۔ مجھے مہلت دو میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ قسم بخدا! میں تمہیں کوئی تکلیف نہ دوں گا۔ میری طرف سے کسی ایسے رویے کا اظہار نہ ہوگا جسے تم ناپسند کرتے ہو''۔ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا'' اس سے پوچھو کہ وہ ہم سے کیا چاہتا ہے''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہی بات مجھ سے پوچھی۔ میں نے کہا'' مجھے ایک ایسی تحریر لکھ کر دیں جو میرے اور آپ کے درمیان نشانی ہو''۔ آپ ﷺ نے فرمایا'' ابوبکر! اسے تحریر لکھ دو''۔ انہوں نے کسی ہڈی یا کاغذ یا کسی ٹھیکری پر تحریر لکھی اور اسے میری طرف پھینک دیا، میں نے اسے اپنے ترکش میں رکھ لیا اور واپسی کی راہ لی۔ میرے ساتھ کیا کچھ ہوا میں نے کسی سے تذکرہ نہ کیا، جب مکہ معظمہ بھی فتح ہو گیا اور حضور ﷺ

پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کو کسریٰ کے کنگن، تاج اور چادر پہنائی۔ حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کے بازو طویل تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تمام زیورات سراقہ کو پہنائے پھر فرمایا اپنے ہاتھ اٹھاؤ اور یوں کہو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سَلَبَ هٰذَا كِسْرٰی الْمَلِكِ الَّذِی كَانَ يَزْعَمُ اَنَّهٗ رَبُّ النَّاسِ وَ كَسَاهَا اَعْرَابِيًّا مِنْ بَنِي مُدْلِجٍ۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اس کسریٰ سے یہ سب کچھ چھینا جو یہ گمان کرتا تھا کہ وہ لوگوں کا رب ہے اور اسے بنو مدلج کے ایک اعرابی کو پہنا دیا۔ حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات کہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سب کچھ حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کو اس لئے پہنایا تھا کیونکہ حضور ﷺ نے انہیں اس وقت بشارت دی تھی جب انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا،'' عنقریب ایران کے شہر فتح ہو جائیں گے اور کسریٰ کا ملک مسلمانوں کے زیر نگین ہوگا''۔ لیکن حضرت سراقہ نے دل میں اسے ناممکن سمجھا اور کہا کیا وہ کسریٰ جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے؟ حضور ﷺ نے اس وقت فرمایا'' عنقریب اس کے زیورات اسے پہنائے جائیں گے''۔ آپ ﷺ نے یہ اس لئے فرمایا تھا تا کہ آپ ﷺ کی خبر کی تحقیق ہو جائے۔ حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ اگر چہ ایک بدو تھے لیکن اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اسلام کے ساتھ اعزاز بخشتا ہے اور حضور ﷺ اور آپ ﷺ کی امت مرحومہ پر فضل و کرم کا ابر رحمت برساتا ہے۔

غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف سے فارغ ہو گئے تو میں آپ ﷺ سے ملاقات کرنے کے لئے عازمِ سفر ہوا۔ میں جعرانہ کے مقام پر آپ ﷺ سے جا ملا۔ آپ ﷺ انصار کے لشکر میں تشریف فرما تھے۔ وہ مجھے اپنے نیزوں سے پیچھے ہٹانے لگے۔ انہوں نے پوچھا ''سراقہ! کس ارادے سے آئے ہو؟'' لیکن میں حضور ﷺ کے قریب تر ہوتا گیا آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ اللہ کی قسم! گویا کہ میں اب بھی آپ ﷺ کی مبارک پنڈلی کو دیکھ رہا ہوں وہ رکاب میں تھی اور درخت خرما کی گوند کی طرح سفید تھی۔ میں نے اپنا وہ ہاتھ بلند کر دیا جس میں تحریر تھی۔ میں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم، یہ آپ ﷺ کا تحریر نامہ ہے اور میں سراقہ بن جعشم ہوں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''آج وفا اور نیکی کا دن ہے میرے قریب ہو جاؤ''۔ میں حضور ﷺ کے قریب ہو گیا اور اسلام کی لازوال دولت سمیٹ لی۔ میں نے وہ سوال یاد کرنے کی کوشش کی جو میں حضور ﷺ سے عرض کرنا چاہتا تھا لیکن وہ سوال مجھے یاد نہ آیا۔ میں صرف یہی عرض کر سکا ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم لوگوں کے گمشدہ اونٹ میرے حوض پر آتے ہیں۔ میں نے وہ حوض اپنے اونٹوں کے لئے پانی سے بھرا ہوتا ہے اگر میں ان اونٹوں کو بھی پانی پلا دوں تو کیا مجھے اجر ملے گا''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہر جگر والی چیز کو پانی پلانے سے اجر ملتا ہے۔ پھر میں اپنی قوم کے پاس گیا اور بارگاہِ رسالت میں زکوٰۃ کے اونٹ بھیجے''۔

ابن ہشام کہتے ہیں، عبدالرحمٰن ابن حارث بن مالک بن جعشم تھے۔

سیرت کی کتب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وہ اشعار بھی مرقوم ہیں جو انہوں نے غار کی ایمان افروز داستان کے متعلق کہے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بعض اشعار یہ ہیں۔

قَالَ النَّبِيُّ وَ لَمْ يَزَلْ يُوَقِّرُنِيْ وَ نَحْنُ فِي سَدَفٍ مِنْ ظُلْمَةِ الْغَارِ

حضور ﷺ نے مجھے فرمایا۔ جب تک ہم غار کے اندھیرے کی ظلمت میں رہے آپ ﷺ مسلسل محبت الٰہی میں اضافہ فرماتے رہے۔

لَا تَخْشَ شَيْئًا فَإِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُنَا وَ قَدْ تَوَكَّلَ لِي مِنْهُ بِإِظْهَارِ

کسی چیز سے خوف نہ کرو ہمارے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہے اس نے میرے ساتھ غلبہ کا وعدہ کیا ہے

وَ إِنَّمَا كَيْدُ مَنْ تَخْشَى بَوَادِرَهُ كَيْدُ الشَّيَاطِيْنِ كَادَتْهُ لِكُفَّارِ

جس چال کے حالات سے تم خوفزدہ ہو وہ شیطانی چال ہے اور وہ کفار کے لئے ہی ہوگی۔

وَاللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ طُرًّا بِمَا كَسَبُوْا وَ جَاعِلُ الْمُنْتَهٰى مِنْهُمْ إِلَى النَّارِ

اللہ تعالیٰ نے ان تمام کوان کے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کردے گا اوران کا ٹھکانہ جہنم بنادے گا۔

وَ اَنۡتَ مُرۡتَحِلٌ عَنۡهُمۡ وَ تَارِكُهُمۡ اِمَّا غُدُوًّا وَاِمَّا مُدۡلِجٌ سَارِي

تم عازمِ سفر ہو جاؤ گے اور انہیں چھوڑ دو گے۔ صبح یا شام کسی وقت بھی تم اپنے سفر پر روانہ ہو جاؤ گے۔

وَ هَاجِرٌ اَرۡضَهُمۡ حَتّٰى يَكُوۡنَ لَنَا قَوۡمٌ عَلَيۡهِمۡ ذَوُوۡ عِزٍّ وَ اَنۡصَارِ

تم ان کی زمین سے ہجرت کر جاؤ گے حتیٰ کہ ہمیں ایسی قوم ملے گی جو معزز اور ہماری مددگار ہوگی۔

حَتّٰى اِذَا اللَّيۡلُ وَارَتۡنَا جَوَانِبُهٗ وَ سَدَّ مِنۡ دُوۡنِ مَنۡ تَخۡشٰى بِاَسۡتَارِ

جب رات کی تاریکیوں نے ہمارا احاطہ کر لیا اور اس نے ہر اس چیز کو پردوں سے روک دیا جس سے تو ڈرتا ہے۔

سَارَ الاُرَيۡقِطُ يَهۡدِيۡنَا وَ اَيۡنُقُهٗ يَنۡعَبۡنَ بِالۡقَرۡمِ نَعۡبًا تَحۡتَ اَكۡوَارِ

اریقط ہماری راہ نمائی کرنے لگا اور اس کی اونٹنیاں کجاووں کے نیچے تیزی سے چلنے لگیں۔

يَعۡسِفۡنَ عَرۡضَ الثَّنَا يَا بَعۡدَ اَطۡوَلِهَا وَ كُلَّ سَهۡبٍ رَقَاقِ التُّرَابِ مَوَّارِ

وہ اونٹنیاں گھاٹی کے طول وعرض میں چلیں اور ہر ہموار اور نرم زمین کو انہوں نے عبور کیا۔

حَتّٰى اِذَا قُلۡتُ قَدۡ اَنۡجَدۡنَ عَارِضُهَا مِنۡ مُدۡلِجٍ فَارِسٌ فِيۡ مَنۡصَبٍ وَارِ

حتیٰ کہ جب میں نے کہا کہ یہ اونٹنیاں بلند ہو گئیں ہیں تو بنو مدلج کے ایک تیز رفتار شہسوار نے انہیں آلیا۔

يُرۡدِيۡ بِهٖ مُشۡرِفُ الاَقۡطَارِ مُعۡتَزِمٌ كَالسَّيِّدِ ذِى اللِّبۡدَةِ الۡمُسۡتَاۡسِدِ اَنۡصَارِي

اسے تیز رفتار اور ہر جہت دوڑنے والا گھوڑا اڑائے جارہا تھا۔ وہ سردار کی طرح، زیادہ بالوں والا، شیر نما اور ضرر رساں تھا۔

فَقَالَ كُرُّوۡا فَقُلۡتُ اِنَّ كَرَّتَنَا مِنۡ دُوۡنِهَا نَصۡرُ الۡخَالِقِ الۡبَارِي

اس سوار نے کہا لوٹو۔ میں نے کہا ہمارا لوٹنا ایک اور انداز کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد ہے۔

اَنۡ يَخۡسِفَ الۡاَرۡضَ بِالۡاَحۡوٰى وَ فَارِسِهٖ فَانۡظُرۡ اِلٰى اَرۡبَعٍ فِي الۡاَرۡضِ غُوَّارِ

کہ وہ تیز رفتار گھوڑے اور اس کے شہسوار کو زمین دھنسا دے ذرا نشیبی موسم بہار والی زمین کو دیکھو

فِهِلَّ لَمَّا رَاٰى اَرۡسَاغَ مُقۡرَبِهٖ قَدۡ سُخۡنَ فِي الۡاَرۡضِ لَمۡ يُحۡفَرۡ بِيحۡفَارِ

جب اس نے اپنے گھوڑے کے سم دیکھے کہ وہ زمین میں دھنس چکے تھے اور زمین کو کسی آلے کے

ساتھ کھودا بھی نہیں گیا تو وہ خوفزدہ ہو گیا۔

فَقَالَ هَلْ لَكُمْ اَنْ تُطْلِقُوْا فَرَسِي وَ تَاخُذُوْا مَوْثِقِي فِي نُصْحِ اَسْرَارِ

اس نے کہا کیا تم میرے گھوڑے کو آزاد کر سکتے ہو اور پر خلوص اسرار میں سے مجھے ایک عہد نامہ دے سکتے ہو۔

وَاَصْرِفُ الْحَيَّ عَنْكُمْ اِنْ لَقِيْتُهُمْ وَ اَنْ اُعَوِّرَ مِنْهُمْ عَيْنَ عُوَّارِ

اگر میں قبیلہ کے لوگوں سے ملا تو میں انہیں تم سے دور لے جاؤں گا اور ان بند آنکھوں کو بند ہی رہنے دوں گا۔

فَادْعُوْا الَّذِيْ هُوَ عَنْكُمْ كَفَّ عَوْرَتَنَا يُطْلِقُ جَوَادِيْ وَ اَنْتُمْ خَيْرُ اَبْرَارِ

اس اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو جس نے ہماری تکلیف کو تم سے روکا کہ وہ میرے گھوڑے کو چھوڑ دے تم تمام انسانوں سے بہترین ہو۔

فَقَالَ قَوْلًا رَسُوْلُ اللّٰهِ مُبْتَهِلًا يَا رَبِّ اِنْ كَانَ مِنْهُ غَيْرُ اِخْفَارِ

حضور ﷺ نے گڑگڑا کر دعا کی مولا! اگر چہ اس کی یہ برکت امن و سلامتی کے منافی ہے۔

فَنَجِّهِ سَالِمًا مِنْ شَرِّ دَعْوَتِنَا وَ مُهْرَهُ مُطْلِقًا مِنْ كَلْمِ آثَارِ

مولا! اسے ہماری بد دعا کے اثر سے نجات دے اور اس کے گھوڑے کو بھی زخموں کی تکلیف سے خلاصی بخش۔

فَاَظْهَرَ اللّٰهُ اِذْ يَدْعُوْ حَوَافِرَهُ وَ فَازَ فَارِسُهُ مِنْ هَوْلِ اَخْطَارِ

جب آپ ﷺ نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے سموں کو آزاد کر دیا اور اس کا سوار ہلاکت سے نجا پا گیا۔

ام معبد کی داستان

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمیں اس وقت تک معلوم نہ ہو سکا کہ حضور ﷺ کس سمت عازمِ سفر ہیں جب تک ایک جن نے یہ اشعار نہ کہے۔ (ان میں سے تین اشعار متن میں ذکر ہو چکے ہیں باقی چار اشعار درج ذیل ہیں)۔

لِيَهْنِ بَنِيْ كَعْبٍ مَقَامُ فَتَاتِهِمْ وَ مَقْعَدُهَا لِلْمُؤْمِنِيْنَ بِمَرْصَدِ

بنو کعب کو مبارک ہو کہ ان کی خواتین کی نشست و برخاست کے مومنین پناہ گاہ ہیں۔

سَلُوْا اُخْتَكُمْ عَنْ شَاتِهَا وَ اِنَائِهَا   فَاِنَّكُمْ اِنْ تَسْئَالُوْا الشَّاةَ تَشْهَدِ

اپنی بہن سے اس کے برتن اور بکری کے متعلق سوال کرو اگر اس کی بکری سے بھی سوال کرو گے تو وہ بھی گواہی دے گی۔

دَعَاهَا بِشَاةٍ حَائِلٍ فَتَحَلَّبَتْ   لَهٗ بِصَرِيْحٍ ضَرَّةُ الشَّاةِ مُزْبِدِ

آپ ﷺ نے اس کی بکری بلائی پھر آپ ﷺ کے لئے اس کی کھیری سے مکھن آمیز دودھ نکالا گیا۔

فَغَادَرَهَا رَهْنًا لَدَيْهَا بِحَالِبٍ   يُرَدِّدُهَا فِي مَصْدَرٍ ثُمَّ مَوْرِدِ

آپ ﷺ نے اس بکری کو اس مالک کے لئے باقی رکھا وہ شخص بکریوں کو کبھی چراگاہ پر اور کبھی گھر سے لے کر جاتا تھا۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قصیدہ

روایت کیا جاتا ہے کہ جب حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جن کے یہ اشعار معلوم ہوئے تو انہوں نے اس کے جواب میں یہ قصیدہ لکھا۔

لَقَدْ خَابَ قَوْمٌ عَنْهُمْ نَبِيُّهُمْ   وَ قَدْ سُرَّ مَنْ يَسْرِي اِلَيْهِمْ وَ يَغْتَدِي

تَرَحَّلَ عَنْ قَوْمٍ فَضَلَّتْ عُقُوْلُهُمْ   وَ حَلَّ عَلٰى قَوْمٍ بِنُوْرٍ مُجَدَّدِ

هَدَاهُمْ بِهٖ بَعْدَ الضَّلَالَةِ رَبُّهُمْ   وَ اَرْشَدَهُمْ مَنْ يَتْبَعِ الْحَقَّ يَرْشُدِ

وَ هَلْ يَسْتَوِي ضُلَّالُ قَوْمٍ تَسَفَّهُوْا   عَمًا يَتِّهِمُ هَادٍ بِهَا كُلَّ مُهْتَدِ

وہ قوم خسارے میں ہوگئی جس کے شہر سے نبی مکرم ﷺ تشریف لے گئے اور جس قوم کی طرف آپ ﷺ تشریف فرما ہوئے وہ تمام سعادتوں کی امین بن گئی۔ آپ ﷺ ایسی قوم سے سفر فرما ہوئے جن کی عقلیں گمراہ ہو چکی تھیں اور ایک تاباں نور کے ساتھ دوسری قوم میں جلوہ نما ہو گئے۔ آپ ﷺ کے طفیل اللہ تعالیٰ نے انہیں راہِ رشد و ہدایت دکھلائی جو حق کی اتباع کرتا ہے وہ کامران ہو جاتا ہے۔ کیا اس قوم کے گمراہ برابر ہو سکتے ہیں جو جان بوجھ کر بے وقوف بنے رہے اور اپنے ہادی الحق ﷺ پر ہر قسم کی تہمت لگاتے رہے۔

لَقَدْ نَزَلَتْ مِنْهُ اِلٰى اَهْلِ يَثْرِبَ   رِكَابُ هُدًى حَلَّتْ عَلَيْهِمْ بِاَسْعُدِ

نَبِيٌّ يَرٰى مَا لَا يَرَى النَّاسُ حَوْلَهٗ   وَ يَتْلُوْ كِتَابَ اللّٰهِ فِي كُلِّ مَشْهَدِ

وَ اِنْ قَالَ فِی یَوْمٍ مَقَالَۃَ غَائِبٍ فَتَصْدِیْقُہٗ فِی الْیَوْمِ اَوْ فِیْ ضُحَی الْغَدِ
لِیَھْنِ اَبَابَکْرٍ سَعَادَۃُ جَدِّہٖ بِصُحْبَتِہٖ مَنْ یُسْعِدُ اللّٰہُ یَسْعَدِ

آپ ﷺ کے طفیل اہل یثرب کو ہدایت نصیب ہوئی اور تمام سعادتیں ان کا مقدر ہو گئیں۔ وہ ایسے نبی محترم ﷺ ہیں جو ان چیزوں کا مشاہدہ فرماتے جنہیں لوگ نہیں دیکھ سکتے وہ ہر مقام پر اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اگر آج وہ کوئی غیب کی بات کہہ دیتے ہیں تو وہ یا تو آج ہی یا کل وقت چاشت ضرور رونما ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کی رفاقت کی سعادت مبارک ہو۔ درحقیقت جسے اللہ تعالیٰ سعادت مند کرتا ہے وہی سعید ہوتا ہے۔

علامہ یونس نے اضافہ کیا ہے کہ جب قریش نے جن کی آواز سنی تو انہوں نے ام معبد کی طرف پیغام بھیجا۔ وہ اپنی خیمہ میں ہی تھیں کہ قریش کے قاصدوں نے پوچھا "کیا تمہارے پاس سے محمد (ﷺ) گزرے ہیں۔ یہ ان کا حلیہ ہے؟" ام معبد نے کہا "میں نہیں جانتی کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ میرے مہمان تو وہ عظیم شخصیت تھی جس نے میری اس بکری کا دودھ بھی دوھ دیا جو حاملہ نہ ہوئی تھی"۔ وہ مختصر قافلہ چار افراد پر مشتمل تھا۔ ۱۔ حضور ﷺ، ۲۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ۳۔ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ، ۴۔ عبداللہ بن اریقط یہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے، صحیح سند سے یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے بعد میں اسلام قبول کیا تھا۔ یہ ایک ماہر راہ نما تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں اجرت دے کر یہ خدمت حاصل کی تھی۔ "خِرِیْتٌ" اس راہبر کو کہتے ہیں جو سوئی کے سوراخ کی طرح صحیح راہ نمائی کرتا ہے۔ اسے خوتع بھی کہا جاتا ہے۔ زاجر کہتا ہے یَضِلُّ فِیْھَا الْخَوْتَعُ الْمُشَھَّرُ۔

ام معبد اور ان کے خاوند کا نسب

ام معبد کا نام عاتکہ بنت خالد تھا۔ ان کا تعلق بنو خزاعہ کی شاخ بنو کعب سے تھا۔ یہ حضرت حبیش بن خالد کی ہمشیرہ تھیں، انہیں صحابی ہونے کا اور روایت کرنے کا شرف نصیب ہوا ہے۔ ان کا کچھ تذکرہ بعد میں آئے گا انہیں خالد الاشعر بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا نسب یہ ہے خالد بن حنیف بن منقذ بن ربیعہ بن اصرم بن ضبیس بن حرام بن حبشیۃ بن کعب بن عمرو، یہ ابو خزاعہ تھا۔ ام معبد کے خاوند ابو معبد تھے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بھی حضور ﷺ سے روایت کی ہے انہوں نے حضور کی حیات مطہرہ میں وصال کیا۔ ان کا نام کیا تھا معلوم نہیں ہو سکا۔ ام معبد کا خیمہ مقام قدید میں تھا۔ ان کی داستان مختلف الفاظ سے روایت ہے لیکن وہ تقریباً قریب المعنی ہی ہیں۔ ابن قتیبہ نے اسے غریب الحدیث میں بیان کیا ہے

اور مشکل الفاظ کی شرح لکھی ہے۔ اس روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ام معبد سے کہا (ام معبد کی قوم کا سامانِ نوش وخورد ختم ہو چکا تھا، قحط سالی کا شکار تھی۔ حضور ﷺ اور دیگر اہل کارواں نے ان سے دودھ یا گوشت کے متعلق پوچھا تا کہ خرید لیں لیکن وہاں کوئی چیز نہ تھی۔ حضور ﷺ نے خیمہ کے ایک کونے میں ایک بکری دیکھی کمزوری کی وجہ سے وہ ریوڑ کے ساتھ باہر بھی نہ جا سکی تھی) کیا یہ بکری دودھ دیتی ہے؟ انہوں نے عرض کی "یہ ضعیف ونزار ہے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا "تم مجھے اسے دوہنے کی اجازت دیتی ہو؟"۔ انہوں نے عرض کی "میرے والدین آپ ﷺ پر فدا! اگر آپ ﷺ اس میں کچھ دودھ دیکھتے ہیں تو اس سے بصد مسرت نکال لیجئے"۔ آپ ﷺ نے بکری کو پاس بلوایا، اسے باندھا، اس کی کھیری کو مس کیا تو اس نے اپنی ٹانگوں کو کشادہ کر لیا۔ کھیری دودھ سے بھر گئی اور دودھ تھنوں سے رواں ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ایک برتن لیا اور بھر بھر کر اہل قافلہ کو پلانے لگے جب وہ سب خوب سیراب ہو گئے تو سب سے آخر میں خود دودھ نوش فرمایا پھر اور دودھ نکال کر تمام برتن بھر دیئے۔ بکری کو ام معبد کے پاس چھوڑ کر اہل کارواں آگے سفر پر روانہ ہو گئے۔ ابو معبد گھر آئے جب انہوں نے ہر طرف دودھ دیکھا تو پوچھنے لگے۔ "اے ام معبد! یہ کیا ہے یہ بکری تو کمزوری کی وجہ سے چراگاہ تک بھی نہ جا سکتی تھی اور پھر اسے حمل بھی نہ ہوا تھا۔ گھر میں اور کوئی دودھ دینے والی بکری بھی نہ تھی"۔ ام معبد نے کہا "نہیں! اللہ کی قسم! ہمارے پاس سے ایک مبارک آدمی گزرے ہیں"۔ ابو معبد نے کہا "ذرا ان کا حلیہ تو بیان کرو"، پھر ام معبد نے آپ ﷺ کا وہ حلیہ بیان کیا جسے امام قتبی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ امام قتبی نے ذکر کیا ہے فَشَرِبُوْا حَتّٰی اَرَاضُوْا۔ اَرَاضَ کو انہوں نے استراض الوادی سے کہا ہے اس کا معنی ہے۔ "وادی کا کشادہ ہونا" الروضہ سے بھی مشتق ہے۔ الروضیہ حوض میں بقیہ پانی کو کہتے ہیں۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔ "وَرَوْضَةٍ سَقَیْتُ فِیْهِ نِضْوِیْ"۔ وہ حوض کا بقیہ پانی تھا جس سے میں نے اپنے دبلے جانور کو پانی پلایا۔

علامہ ہروی نے اسے "آرَاضُوْا" لکھا ہے یہ آمنوا کے وزن پر ہے یعنی وہ زیادہ دودھ پینے کی وجہ سے زمین پر لگنے لگی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آل ابی معبد اس دن (جب حضور ﷺ نے وہاں قدم رنجہ فرمایا تھا) کو ایک تاریخی دن شمار کرتے تھے۔ وہ اسے "یَوْمَ الرَّجُلِ الْمُبَارَكِ" کہتے تھے۔ وہ کہتے میں نے یہ کام مبارک شخص کے یہاں تشریف لانے کے دن سے پہلے یا اس کے بعد کیا ہے۔ ایک دفعہ حضرت ام معبد مدینہ طیبہ آئیں ان کے ساتھ ایک چھوٹا سا بچہ بھی تھا۔ وہ بچہ دوڑ بھاگ سکتا تھا، وہ مسجد نبوی کے پاس سے گزرا اس وقت حضور ﷺ منبر پر جلوہ نما ہو کر لوگوں سے محو گفتگو تھے۔ بچے

ہجرت کا راستہ

ابن اسحاق کہتے ہیں، جب عبداللہ بن ارقط، حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لے کر عازم سفر ہوا۔ پہلے وہ مکہ معظمہ کے نشیبی علاقے میں چلا پھر وہ ساحل سمندر کی طرف گیا، حتیٰ کہ بنو عسفان کے نشیبی علاقے میں راہ لی پھر امج کے نشیبی علاقہ میں راستہ لیا۔ اسی راستہ پر سے ہوتا ہوا قدید پہنچا پھر خرار کے علاقہ میں پہنچا پھر انہیں لے کر "ثنیۃ المرۃ" کے علاقہ میں پہنچا پھر "لقف" میں سے گزرا۔ ابن ہشام نے اسے "لفت" کہا ہے معقل بن خویلد الھذلی کہتا ہے۔

نَزِيْعًا مُحْلِبًا مِنْ اَهْلِ لَفْتٍ　لِحَيٍّ بَيْنَ اَثْلَةَ وَالنِّجَامِ

وہ وطن کا مشتاق ہے اور اجنبی مددگار ہے جس کا تعلق اہل لفت سے ہے وہ قبیلہ جو اثلۃ اور

نے آپ ﷺ کی زیارت کی اور دوڑتا دوڑتا اپنی والدہ کے پاس گیا اور کہنے لگا "امی! امی! میں نے آج اسی مبارک شخص کی زیارت کی ہے"۔ حضرت ام معبد نے کہا بیٹا "وہی رسول اللہ ﷺ ہیں"۔

کیا حضرت ام معبد کی بکری میں یہ برکت ہمیشہ رہی یا پھر وہ اپنی حالت پر دوبارہ آ گئی؟ حضرت ہشام بن حبیش الکعبی فرماتے ہیں، میں نے وہ بابرکت بکری دیکھی ہے اس کا دودھ ام معبد اور اس کے پورے خاندان کے لئے کافی ہو جاتا تھا۔ غریب حدیث میں ہے۔ قَالَ مَا كَانَ فِيهَا بُصْرَةٌ۔ "اس بکری کے دودھ میں موٹائی نہ تھی"۔

راہِ ہجرت۔ عسفان

حضرت امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ عسفان اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ وہاں سے سیلاب ہٹ کر گزرتا ہے۔ مقام "ابواء" جہاں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہ کی مرقد انور ہے کے متعلق پوچھا گیا اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے انہوں نے کہا اس کی وجہ یہ ہے کیونکہ سیلاب وہاں بکثرت آتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ "جذماء" کوڑھوں کا مسکن تھا۔ ایک مسند میں، میں نے پڑھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ مقام عسفان سے گزرے، آپ ﷺ نے وہاں کوڑھے دیکھے آپ ﷺ وہاں سے جلدی سے گزر گئے اور ان کی طرف نہ دیکھا اور فرمایا "اگر کوئی مرض متعدی ہوتا ہے تو وہ یہی ہے"۔

یہ حدیث مبارک میری روایت کردہ ہے کیونکہ یہ سند حارث بن ابی اسامہ میں ہے۔ اس کی سند متصل ہے میں نے اسے "وکیع بن جراح" کی مسند میں دیکھا ہے لیکن وہاں اس کی سند نہ تھی۔ "المرۃ" یہ راہ کی تخفیف کے ساتھ ہے گویا کہ یہ اصل میں مَرْأۃ تھا اس کے ہمزہ میں تسہیل کی گئی ہے۔ "لقف" ابن

نجام کے درمیان ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر عبداللہ انہیں لے کر مدلجہ لقف سے پھر مدلجہ محاج سے گزر ہوا۔ اسے مجاج بھی کہا جاتا ہے۔ (ابن ہشام) پھر وہ مرجع مجاج پھر مرجع ذوالعضوین سے گزرا۔ ابن ہشام نے اسے ''غضوین'' کہا ہے پھر وہ ذو کشر کی وادی سے گزرتا ہوا ''جداجد'' کے مقام سے گزرا پھر وہاں سے اجرذ اور ذوسلم کے علاقہ سے گزرا، پھر عبداللہ ''اعداء'' کی وادی میں سے ہوتا ہوا مقام مدلجہ تعھن سے گزرا پھر اس کا گزر عبابید سے ہوا، اسے ''عبابیب'' بھی کہا جاتا ہے۔ اسے ''عیثانیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔

اسحاق نے اسے لقف اور ابن ہشام نے اسے لفت کہا ہے، انہوں نے بطورِ دلیل معقل کا شعر بھی لکھا ہے۔ شیخ کے نسخہ میں میں نے اسے لفتٌ پڑھا ہے۔ میں نے ھذیل کے اشعار میں معقل کا یہ شعر پڑھا ہے۔ میرے پاس ایک انتہائی صحیح نسخہ ہے اس میں بھی یہ لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اسی طرح ابوعلی قالی کے اس نسخہ میں بھی ہے جسے زیادی پر پڑھا گیا پھر اسے احول اور ابن درید کے سامنے پڑھا گیا لیکن قاضی سے یہ لام کے فتح سے پڑھا ہے۔ ابوعبید البکری نے اسے لِفت پڑھا ہے ابوبحر نے بھی اسی طرح پڑھا ہے۔ ابوبحر نے اس سے پہلے یہ شعر پڑھا ہے۔

لَعَمْرُكَ مَا خَشِيتُ وَ قَدْ بَلَغْنَا　جِبَالَ الْجَوْزِ مِنْ بَلَدٍ تِهَامِ

تیری زندگی کی قسم! میں ڈرا نہیں، اور ہم سرزمین تہامہ کے جوز کے پہاڑوں پر پہنچ چکے ہیں۔

مجاج

ابن ہشام نے اسے مجاج پڑھا ہے لیکن محمد بن عروہ بن زبیر کے ان اشعار سے ابن اسحاق کی تائید ہوتی ہے۔

لَعَنَ اللّٰهُ بَطْنَ لَقْفٍ مَسِيلًا　وَ مَجَاجًا وَ مَا أُحِبُّ مَجَاجًا

لَقِيَتْ نَاقَتِي بِهِ وَ بِلَقْفٍ　بَلَدًا مُجْدِبًا وَ أَرْضًا شَحَاحًا

اللہ تعالیٰ لقف کی وادی پر لعنت برسائے، وہاں ایک تکلیف دہ گزرگاہ ہے اور میں ''مجاج'' کو بھی ناپسند کرتا ہوں۔ میری اونٹنی نے وہاں اور لقف کے پاس ایک قحط زدہ شہر اور بنجر زمین دیکھی۔

زبیر ابن ابی بکر نے اسی طرح لکھا ہے۔ علامہ بکری فرماتے ہیں لقف اور لفت دو علیحدہ علیحدہ جگہ کے نام ہیں۔ مَدْلِجَة تِعْهِنَ۔ تِعْهِنَ میں تاء اصلیہ ہے اور یہ فِعْلِلٌ کے وزن پر ہے۔ اگر ''تاء'' کے زائد ہونے پر کوئی دلیل مل جائے تو یہ زائد تصور ہوگی۔ بعض علماء نے ''تُعْهِنُ'' پڑھا ہے۔ اس

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر وہ ''الفاجہ'' کے مقام سے گزرا۔ ابن ہشام نے اسے ''القاحہ'' کہا ہے۔ ابن ہشام نے کہا ہے پھر عبداللہ مقامِ العرج سے گزرا۔ وہاں ایک سواری ست ہوگئی۔ بنو اسلم کے ایک شخص نے آپ ﷺ کو سواری پیش کی اس شخص کا نام اوس بن حجر تھا۔ اسے ابن الرداء بھی کہا جاتا تھا، اس نے خدمت کے لئے ایک لڑکا بھی ساتھ بھیجا جس کا نام مسعود بن ھنیدہ تھا، پھر راہبر حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لے کر عرج سے نکلا اور ثنیۃ العائر سے گزرا۔ اس کے دائیں طرف رکوبۃ ہے اسے ثنیۃ الغائر بھی کہتے ہیں پھر وہ وادی رئم میں پہنچا پھر قباء میں بنوعمرو بن عوف کے ہاں پہنچا۔ وہ بابرکت دن پیر تھا جب حضور ﷺ نے قبا میں نزول اجلال فرمایا۔ ربیع الاول کی بارہ تاریخ تھی دھوپ کی گرمی شدید ہو چکی تھی۔ سورج آسمان کے وسط میں پہنچنے کے قریب تھا۔

قباء میں تشریف آوری

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عویمر بن ساعدۃ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے میری قوم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا ہے وہ فرماتے ہیں ''جب ہم نے سنا کہ

صورت میں تاء زائدہ ہوگی۔ تِعْھِنَ کے مقام پر ایک چٹان ہے جو ''ام عِقِی'' کے نام سے مشہور ہے۔ ام عِقِی ایک عورت تھی جو وہاں مقیم تھی۔ حضور ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا، آپ ﷺ نے اس سے پانی طلب فرمایا لیکن اس عورت نے پانی نہ پلایا۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے بددعا کی وہ فوراً چٹان میں مسخ ہوگئی۔

عبابید

یہ عباد کی جمع ہے۔ ابن ہشام نے اسے ''عبابیب'' کہا ہے۔ یہ عباب کی ہے کہا عَبَبْتُ الْمَاءَ عَبًّا۔ اس کا مصدر عَبًّا یا عُبَابًا آتا ہے۔

اوس بن حجر کا قصہ

ان کا نام اوس بن عبداللہ بن حجر اسلمی تھا۔ بعض علماء نے انہیں ابن حجر کہا ہے۔ (دار قطنی) لیکن ابن حُجر معروف ہے۔ پہلی جلد میں گزر چکا ہے کہ قریش کے انساب میں سے کون کون سے اشخاص کا نام حُجر، کون سے حُجر اور کون سے حجر تھے۔ اوس بن حجر میں اختلاف نہیں کہ اس میں دونوں فتح ہیں۔ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ اوس بن حجر نے حضور ﷺ کو سواری کے لئے اونٹ پیش کیا۔ انہیں ابن رداء کہا

حضور ﷺ مکہ معظمہ سے عازم سفر ہو چکے ہیں تو ہم آپ ﷺ کی تشریف آوری کے منتظر رہنے لگے۔ ہم صبح کی نماز پڑھتے اور ٹیلوں پر حضور ﷺ کا انتظار کرنے کے لئے چلے جاتے۔ اللہ کی قسم! ہم وہیں ٹھہرے منتظر رہتے، حتیٰ کہ ٹیلوں پر دھوپ آ جاتی اور ہم کو کہیں سایہ نہ ملتا وہ شدید گرمی کے دن تھے جب وہ دن آیا جس دن حضور ﷺ نے خاکِ مدینہ کو قابل رشک بنانا تھا تو ہم حسب معمول ان ٹیلوں پر بیٹھ گئے جب وہاں سایہ نہ رہا تو ہم گھر واپس آ گئے۔ جب ہم گھر پہنچ گئے تو ادھر سے حضور ﷺ بھی تشریف لے آئے۔ سب سے قبل ایک یہودی نے آپ ﷺ کی زیارت کی وہ ہمارے اس معمول سے بھی آگاہ تھا کہ ہم کس قدر مشتاق نگاہوں سے حضور ﷺ کی آمد کا انتظار کرتے تھے، وہ بلند آواز سے چلایا اے بنو قیلہ! وہ عظیم و برتر ہستی تشریف لے آئی ہے جس کے تم منتظر تھے۔ ہم حضور ﷺ کی جانب دوڑ کر گئے۔ آپ ﷺ کھجور کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ کے پاس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی

جاتا تھا۔ یونس بن بکیر کی روایت کے مطابق انہیں الرَّدَاح کہا جاتا تھا۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ اوس نے اپنے غلام مسعود بن ھنیدہ سے کہا۔ اُسْلُكْ بِهِمِ الْمَخَارِقَ۔ ''انہیں پوشیدہ رستوں سے لے کر جاؤ''۔ بعض علماء نے ''مخارم'' کہا ہے یعنی پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے لے کر جاؤ۔ السنوی میں ہے کہ یہی مسعود کہتے ہیں۔ كُنْتُ آخُذُ بِهِمْ إِخْفَاءَ الطَّرِيْقِ۔ ''میں انہیں پوشیدہ راہوں پر لے کر چلا''۔ یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قریش سے خطرہ تھا اسی لئے مسعود انہیں ''مَخَارِقَ'' پوشیدہ رستوں پر لے کر چلے۔ علامہ السنوی انہی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''ابو تمیم کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ وہ مجھے سواری کے لئے اونٹ اور زادراہ دے''۔ اس فرمان میں ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اوس کی کنیت ابو تمیم تھی۔ اس مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کی ہے۔ ایک حدیث مبارک نماز کے متعلق اور دوسری ایک اور دو شخصوں کے ہوتے ہوئے امامت کے متعلق ہے۔ علامہ السنوی نے انہیں فروۃ اسلمی کا غلام بتایا ہے۔ ابوعمر کہتے ہیں کہ اوس کا نام تمیم اور کنیت ابواوس تھی۔ روایت ہے کہ جب حضرت مسعود رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کو مدینہ طیبہ چھوڑ کر واپس جانے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''اپنے مالک سے کہنا کہ وہ اپنے اونٹوں کی گردنوں پر گھوڑوں کی طرح نشان لگا لے''۔ پھر یہ نشانات اس کے اونٹوں پر برقرار رہے، ہم نے پہلے ایسے نشانات کا تذکرہ کر دیا ہے مثلاً عراض، خباط اور ہلال وغیرہ۔ وہاں ہم نے قید الفرس کا بھی ذکر کیا تھا۔ ہم نے کہا تھا کہ یہ نشان گھوڑوں کی گردنوں پر ہوتا ہے، زاجر کہتا ہے۔

تھے۔ وہ آپ ﷺ کے ہم عمر ہی تھے۔ ہم میں سے اکثر نے اس سے پہلے حضور ﷺ کی زیارت نہ کی تھی۔ آپ ﷺ کے پاس لوگوں کا اژدہام ہوگیا اکثر لوگ آپ ﷺ کو پہچانتے نہ تھے جب کھجور کا سایہ آپ ﷺ کے سر اقدس پر نہ رہا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھ کر اپنی چادر سے حضور ﷺ پر سایہ کرنے لگے، پھر لوگوں نے آپ کو پہچان لیا''۔

قباء میں حضور ﷺ کا مسکن

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت کلثوم بن ھدم رضی اللہ عنہ کے گھر قدم رنجہ فرمایا۔ ان کا تعلق بنو عمرو بن عوف کی شاخ بنو عبید سے تھا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ نے حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا۔ جن علماء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت کلثوم بن ھدم رضی اللہ عنہ کو یہ شرف بخشا تھا وہ کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ لوگوں سے ملاقات کرنے کے لئے باہر تشریف لاتے تو حضرت سعد بن خیثمہ کے گھر تشریف رکھتے تھے وہ کنوارے تھے اور کنوارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مسکن ان کا ہی گھر

كُوْمٌ عَلَى اَعْنَاقِهَا قَيْدُ الْفَرَسِ　تَنْجُوْ اِذَا اللَّيْلُ تَدَانِي وَالْتَبَسَ

وہ اونٹوں کا ایسا گلہ ہے جن کی گردنوں پر گھوڑوں کی طرح داغ ہیں۔ جب رات قریب اور ملتبس ہوتی ہے تو وہ نجات پا جاتے ہیں۔

حضور ﷺ کی مدینہ طیبہ تشریف آوری کی تاریخ

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ آپ ۱۲ ربیع الاول بروز سوموار مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوئے۔ عجمی مہینہ ستمبر تھا۔ ابن اسحاق کے علاوہ دیگر مورخین کہتے ہیں کہ آپ ﷺ ۸ ربیع الاول کو مدینہ طیبہ میں تشریف لائے۔ ابن الکلبی کہتے ہیں آپ ﷺ یکم ربیع الاول بروز سوموار غارِ ثور سے باہر تشریف لائے اور ۱۸ ربیع الاول بروز جمعۃ المبارک مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ بیعت عقبہ ایام تشریق کے وسط میں ہوئی۔

حضرت کلثوم بن ھدم رضی اللہ عنہ

ان کی کنیت ابوقیس تھی۔ یہ کلثوم بن الھدم بن امرئ القیس بن حارث بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس تھے۔ یہ بہت عمر رسیدہ تھے۔ یہ حضور ﷺ کی مدینہ طیبہ میں تشریف آوری کے کچھ عرصہ بعد انتقال کر گئے۔ انہوں نے حضور ﷺ کے جلوہ نما ہونے کے بعد سب سے

تھا۔ اسی لئے بعض علماء کو یہ گمان ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت سعد بن خیثمہ کے گھر قیام فرمایا ان کے گھر کو "بیت العزاب" کہا جاتا تھا۔ ہم نے دونوں روایات سنیں ہیں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ان میں سے کون سی روایت درست ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت خبیب بن اساف رضی اللہ عنہ کے گھر بطور مہمان ٹھہرے، ان کا تعلق بنو حارث بن خزرج سے تھا۔ بعض علماء کے نزدیک ان کا مسکن حضرت خارجہ بن زید بن ابی زہیر رضی اللہ عنہ کے ہاں تھا، ان کا تعلق بھی بنو حارث بن خزرج سے تھا۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تین روز مکہ مکرمہ میں ٹھہرے۔ لوگوں کی امانتیں ان کے حوالے کیں اور فراغت کے بعد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے اس وقت آپ ﷺ حضرت کلثوم بن ھدم کے گھر جلوہ افروز تھے۔

حضرت سہیل بن حنیف اور مسلمان خاتون

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قباء میں ایک یا دو راتیں قیام کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "قباء میں ایک مسلمان خاتون تھی۔ میں نے دیکھا کہ نصف شب کے بعد ایک انسان اس کے پاس آتا اس کے دروازے پر دستک دیتا، وہ باہر آتی، یہ اسے کوئی چیز دیتا وہ لے لیتی۔ مجھے یہ معاملہ بڑا عجیب لگا میں نے اس سے کہا" اے اللہ کی بندی! یہ شخص کون ہے جو ہر رات تیرا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو تو اس کی طرف جاتی ہے تو وہ تجھے کوئی شئی پکڑا دیتا ہے تو ایک مسلمان خاتون ہے اور تیرا خاوند کہاں ہے؟" اس خاتون نے کہا" یہ حضرت سہل بن حنیف بن واھب رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ میں ایک بے سہارا عورت ہوں جب رات ہوتی ہے تو وہ قوم کے بتوں کے پاس جاتے ہیں انہیں توڑ کر لکڑیاں میرے پاس لے آتے ہیں جنہیں میں بطورِ ایندھن استعمال کرتی ہوں" حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں بڑا مقام رکھتے تھے انہوں نے عراق میں وصال فرمایا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے یہ واقعہ حضرت ھند بن سہل بن حنیف نے سنایا ہے۔

پہلے انتقال کیا پھر چند دنوں بعد حضرت اسعد بن زرارہ انتقال کر گئے پھر حضرت سعد بن خیثمہ کا وصال ہوا۔ ان کے گھر کو "بیت العزاب" کہا جاتا تھا۔ عزّاب ہی روایت کیا گیا ہے مگر درست "اَعْزَبُ" ہے کیونکہ یہ عزبٌ کی جمع ہے کہا جاتا ہے رَجُلٌ عَزَبٌ وَامْرَأَۃٌ عَزَبٌ، امْرَأَۃٌ عَزَبَۃٌ بھی کہا جاتا ہے۔

مسجد قباء کی تعمیر

ابن اسحاق کہتے ہیں حضور ﷺ نے سوموار، منگل، بدھ اور جمعرات چار ایام بنو عمرو بن عوف میں قیام کیا اور مسجد قباء کی بنیاد رکھی۔ پھر جمعۃ المبارک کے روز آپ ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے مگر بنو عمرو بن عوف کا گمان ہے کہ حضور ﷺ نے اس سے زیادہ مدت وہاں قیام کرنے کا شرف بخشا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون سی روایت درست ہے۔ حضور ﷺ کو جمعہ کا وقت بنو سالم بن عوف کے محلہ میں ہوا۔ آپ ﷺ نے نمازِ جمعہ اس مسجد میں ادا کی جو بطن وادی ''رانونا'' میں ہے۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ میں ادا فرمایا۔

مسجد قبا کی تاسیس

ابن ابی خیثمہ نے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ نے بنیاد رکھی تو سب سے پہلے آپ ﷺ نے قبلہ کی سمت ایک پتھر رکھا پھر ایک پتھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اور اس کے بعد ایک پتھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رکھا پھر تمام لوگ اس کی تعمیر میں مصروف ہو گئے۔

خطابی میں حضرت شموس بنت نعمان رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب نبی محترم ﷺ نے مسجد قباء کی بنیاد رکھی۔ یَاتِی بِالحَجَرِ قَدْ صَهَرَهُ اِلَى بَطْنِهِ۔ آپ ﷺ کے پاس یک پتھر تھا جسے آپ ﷺ نے اپنے بطن اطہر کے ساتھ لگا رکھا تھا۔ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن وہ اس پتھر کو نہ اٹھا سکا۔ آپ ﷺ نے اسے چھوڑنے کا حکم دیا اور کسی اور کو حکم دیا کہ وہ اس پتھر کو اٹھائے۔ صَهَرَ اور اَصْهَرَ کا معنی کسی چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا ہے اس سے صَهَرٌ مشتق ہے۔ مسجد قبا، وہ پہلی مسجد ہے جو سب سے پہلے تعمیر کی گئی۔ یہ آیت اسی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا (توبہ: ۱۰۸)

''اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ صاف ستھرا رہنے کو''۔

اسی مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے اگرچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے عرض کی گئی کہ وہ مسجد کون سی ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی، آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''اس سے مراد مسجد نبوی ہے''۔ دوسری روایت میں ہے دوسری مسجد میں بھی بہت بھلائی ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بنو عوف بن عمرو سے پوچھا گیا۔ ''وہ کون سی پاکیزگی ہے جس کی وجہ سے تمہاری تعریف کی گئی؟'' انہوں نے کہا'' ہم پتھر سے استنجا کرنے کے بعد پانی استعمال کرتے ہیں''۔ سوال

کرنے والے نے کہا ''تمہیں یہ سعادت میسر آ گئی ہے اب اسے لازم پکڑے رکھو''۔ ان دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے دونوں مساجد کی بنیاد تقویٰ پر ہی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے فرمان مِنْ اَوَّلَ یَوْمٍ۔ کا تقاضا ہے کہ اس سے مراد مسجد قباء ہو کیونکہ اس کی بنیاد ان ابتدائی ایام میں رکھی گئی جب سرورِ کائنات ﷺ مدینہ طیبہ میں جلوہ افروز ہوئے۔

تاریخ عربی

''اَوَّلَ الْیَوْمِ'' سے مراد تمام ایام سے پہلا دن نہیں ہے۔ اسی لئے ''یوم'' کو کسی لفظ ظاہر کی طرف مضمر بھی نہیں کیا گیا۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تاریخ کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت کی تو انہوں نے بھی اتفاق کیا کہ تاریخ کا آغاز ہجرت کے سال سے کیا جائے کیونکہ اسی وقت اسلام کو عزت نصیب ہوئی۔ اسی میں حضور ﷺ ایک حکمران کی حیثیت سے عیاں ہوئے۔ اسی وقت مساجد کی بنیاد رکھی گئی۔ اسی وقت آپ نے امن وامان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ تمام صحابہ کرام کی رائے قرآن پاک کی اس آیت سے متفق ہو گئی۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ''اَوَّلَ یَوْمٍ'' سے مراد وہی دن ہے جو اس تاریخ کا پہلا دن ہے جس سے آج ہم سن ہجری کا آغاز کرتے ہیں۔ ممکن ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی آیت سے ہی دلیل لی ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کی تاویل کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ وہ قرآن پاک کے اشارات اور فصاحت و بلاغت کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ اگر صحابہ کرام کا یہ اتفاق رائے اور اجتہاد کی وجہ سے تھا تو پھر اللہ تعالیٰ کو تو اس کا پہلے ہی علم تھا اور ان سے پہلے ہی اس کی طرف اشارہ کر دیا کیونکہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ فَعَلْتُہٗ اَوَّلَ یَوْمٍ۔ تو اس کی بات پوری سمجھ میں نہیں آ سکتی جب تک وہ یوم کو کسی مشہور سال یا کسی مشہور مہینہ یا کسی مشہور تاریخ سے نہ ملائے مگر ''اول یوم'' میں کوئی اضافت نہیں اس لئے اس سے مراد یہی تاریخ ہو گی کیونکہ حال یا لفظ کا کوئی ایسا قرینہ نہیں جو اس کے علاوہ کسی اور تاریخ پر دلالت کرتا ہو۔ اس میں اہل علم کے لئے عبرت ہے۔

مِن اور ظرف زمان پر اس کا دخول

''مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ'' میں اول سے پہلے کسی کو مضمر ماننے کی کوئی احتیاج نہیں جس طرح بعض علمائے نحو نے اس سے پہلے ''تاسیس'' مضمر مانا ہے کیونکہ وہ ظرف زماں پر مِن کے دخول کو درست نہیں سمجھتے۔ اگر ''تاسیس'' کو مضمر مانا جائے تو پھر اس کا معنی ''مِنْ تَاسِیْسِ اَوَّلِ یَوْمٍ'' ہوتا مگر اس اضمار کا کوئی

مختلف قبائل ابدی سعادت کے حصول کے لئے کوشاں

بنو سالم بن عوف میں سے حضرت عتبان بن مالک اور حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہما بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ''یا رسول اللہ! ﷺ ہمارے ہاں قیام فرمائیں۔ ہمارے پاس لوگوں کی بہتات، اسلحہ کی کثرت اور تحفظ ہے''۔آپ ﷺ نے فرمایا ''اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو اسے حکم دے دیا گیا ہے''۔وہ اونٹنی آگے رواں رہی جب وہ بنو بیاضہ کے محلہ میں پہنچی تو حضرت زیاد بن لبید اور حضرت فروہ بن عمر نے بنو فروہ کے چند افراد کے ساتھ حضور ﷺ سے ملاقات کی اور عرض کی ''یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے ہاں تشریف رکھیں،

فائدہ نہیں کیونکہ ''من'' ظرف زمان پر داخل ہوسکتا ہے۔ارشاد ربانی ہے، مَنْ قَبْلُ وَ مِنْ بَعْدُ۔قبل اور بعد ظرف زماں ہیں۔حدیث شریف میں ہے۔مَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا وَ هِيَ مُصِيْخَةٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ اِلٰى اَنْ تَغْرُبَ۔اس حدیث شریف میں بھی من ''حین'' پر داخل ہوا ہے حالانکہ وہ ظرف زمان ہے۔

نابغہ کہتا ہے۔

تُوْرِثْنَ مِنْ اَزْمَانِ يَوْمِ حَلِيْمَةَ اِلَى الْيَوْمِ قَدْ جُرِّبْنَ كُلَّ التَّجَارِبِ

تَقُدُّ السَّلُوْقِيَّ الْمُضَاعَفَ نَسْجُهُ وَ يُوْقِدْنَ بِالصُّفَّاحِ نَارَ الْحُبَاحِبِ

ان تلواروں نے حلیمہ کے دن کے اوقات سے لے کر آج تک ہم کو وارث بنا دیا ہے۔ان پر ہر طرح کے تجربات کئے گئے ہیں۔یہ موٹی سلوقی زرہوں کو چیر دیتی ہے اور پتھروں پر آگ بھڑکا دیتی ہیں، ان اشعار سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ ''من'' زماں پر داخل ہوسکتا ہے۔

تَحَلْحَلَتْ وَ رَزَمَتْ

ابن قتیبہ نے اسے تَلَحْلَحَ کے معنی میں کیا ہے یعنی اپنی جگہ کو لازم پکڑ لینا اور وہاں سے حرکت نہ کرنا۔انہوں نے بطور دلیل یہ شعر لکھا ہے۔

اُنَاسٌ اِذَا قِيْلَ انْفِرُوْا قَدْ اُوْتِيْتُمْ اَقَامُوْا عَلٰى اَثْقَالِهِمْ وَ تَلَحْلَحُوْا

وہ ایسے لوگ ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے متفرق ہو جاؤ تمہارا حق تمہیں مل چکا ہے وہ اپنے سامان کے پاس ہی ٹھہر جاتے ہیں اور پھر اسی جگہ کو لازم پکڑ لیتے ہیں۔

تَحَلْحَلَ کا معنی اپنی جگہ سے حرکت کرنا ہے۔تَلَحْلَحَ کا معنی آنکھ کا کیچڑ وغیرہ سے چپک جانا

ہمارے ہاں افراد کی کثرت، اسلحہ کی فراوانی اور تحفظ کا تمام سامان ہے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اس کا راستہ خالی کر دو یہ مامورہ ہے۔ بنو بیاضہ نے اونٹنی کا راستہ خالی کر دیا"۔ وہ آگے بڑھنے لگی جب وہ بنو ساعدہ کے محلّہ میں پہنچی تو حضرت سعد بن عبادہ، حضرت منذر بن عمرو اور بنو ساعدہ کے کچھ افراد بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کی "یارسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائیں ہمارے پاس زیادہ لوگ، اسلحہ کی کثرت اور حفاظت کا سامان ہے" آپ ﷺ نے فرمایا اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو اسے حکم دیا جا چکا ہے۔ انہوں نے اونٹنی کا راستہ چھوڑ دیا۔ جب وہ بنو حارث بن خزرج کے علاقے سے گزری تو حضرت سعد بن ربیع، حضرت خارجہ بن زید اور حضرت عبداللہ بن رواحہ اپنے قبیلے کے افراد کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے وہ عرض کناں ہوئے "یارسول اللہ! ﷺ ہمارے پاس افراد کی کثرت، اسلحہ کی فراوانی اور حفاظت کے تمام سامان موجود ہیں، ہمارے پاس تشریف لے آئیں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "اس کا راستہ چھوڑ دو اسے حکم دیا جا چکا ہے۔ انہوں نے بھی اونٹنی کا رستہ خالی کر دیا ہے۔ جب وہ بنو عدی بن نجار کے علاقے سے گزرنے لگی تو حضرت سلیط بن قیس، ابو سلیط اسیرہ بن ابی خارجہ اپنے قبیلے کے افراد کے ہمراہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! ﷺ اپنے ماموؤں کے ہاں تشریف لائیں۔ یہاں افراد کی کثرت، اسلحہ کی بہتات اور تحفظ کے ساماں ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا اس کا راستہ چھوڑ دو اسے حکم دے دیا گیا ہے۔

ہے اور کہا جاتا ہے هُوَ ابْنُ عَمِّي لَحًا۔ وہ میرا قریبی چچا زاد بھائی ہے جبکہ تَحَلْحَلَ یہ الحَلُّ یا الِانْحِلَالُ سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ایک چیز کا دوسری چیز سے جدا ہونا ہے مگر سیرت ابن ہشام میں یہ تَحَلْحَلَتْ ہے یہ خلافِ معنی ہے ممکن ہے یہ تَلَحْلَحَتْ سے مقلوب ہو اور اس کا معنی اپنی جگہ کو لازم پکڑنا ہے اور یہ اس معنی میں ہوگا جس کا ذکر ابن قتیبہ نے کیا ہے۔ "رَزَمَتْ" کہا جاتا ہے، رَزَمَتِ النَّاقَةُ۔ اونٹنی تھک کر بیٹھ گئی۔ نُوقٌ رَزْمَى اسی سے ہے۔ اَرْزَمَتْ کا معنی بہت زیادہ چیخنا ہے۔ أَرْزَمَ الرَّعْدُ اسی سے مشتق ہے اور اَرْزَمَتِ الرِّيحُ بھی اسی سے ہے۔ سیرت کی دوسری کتابوں میں ہے کہ جب حضور ﷺ کی اونٹنی نے بنو نجار کے محلّہ میں گردن رکھ دی تو بنو سلمہ کے ایک شخص (جبار بن صخر) نے اسے لکڑی چبھو کر اٹھانے کی کوشش کی تا کہ وہ بنو سلمہ کے محلّہ میں بیٹھے مگر اونٹنی نے وہاں سے حرکت نہ کی۔

بنو مالک بن نجار کی سعادت

جب اونٹنی بنو مالک بن نجار کے محلّہ میں پہنچی تو اس جگہ بیٹھ گئی جہاں مسجد نبوی کا دروازہ ہے۔ یہ جگہ بنو نجار کے دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی۔ وہ بچے حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کی کفالت میں تھے۔ ان بچوں کے نام سہل اور سہیل تھے ان کے والد کا نام عمرو تھا۔ اونٹنی اسی جگہ بیٹھ گئی۔ حضور ﷺ اس پر ہی تشریف فرما رہے، نیچے تشریف نہ لائے، اونٹنی اٹھی، تھوڑی سی آگے بڑھی۔ آپ ﷺ نے اس کی مہار کو چھوڑ رکھا تھا کچھ دور جا کر اونٹنی واپس مڑی اور اسی جگہ پر آ کر بیٹھ گئی جہاں پہلے بیٹھی تھی۔ ثُمَّ تَحَلْحَلَتْ وَ رَزَمَتْ۔ پھر وہ اسی جگہ پر بیٹھ گئی اور اسے لازم پکڑ لیا اور اپنی گردن زمین پر رکھ لی۔ حضور ﷺ نیچے تشریف لائے حضرت ابوایوب خاور رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا سامان اٹھا کر اپنے گھر میں رکھ لیا اور حضور ﷺ بھی وہیں تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے مربد (کھجوریں خشک کرنے کی جگہ) کے متعلق پوچھا۔ حضرت معاذ بن عفراء نے عرض کی یارسول اللہ! ﷺ یہ سہل اور سہیل کی زمین ہے وہ دونوں یتیم ہیں جو میری کفالت میں ہیں۔ یہ عمرو کے بیٹے ہیں میں انہیں راضی کر لوں گا۔ آپ ﷺ یہاں مسجد بنالیں۔

مربد اور اس کے مالک

مربد، جرین، مسطح، مشطاح، جوخار، بیدر اور اندر کا معنی ایک ہے ان سے مراد وہ جگہ ہے جہاں کھیتی اور کھجور کو خشک کیا جاتا ہے۔ ابوحنیفہ نے مسطح کے متعلق یہ شعر پڑھا ہے۔

تَرَىٰ الْاَمْعَزَ الْمَحْزُ وَ فِيْهِ كَاَنَّهُ　　مِنَ الْحَرِّ فِيْ نَحْرِ الظَّهِيْرَةِ مِسْطَحُ

دوپہر کے آغاز میں تو اس بلند و بالا کنکر والی زمین کو دیکھے گا وہ مسطح کی مانند نظر آئے گی۔

''مسطح'' فارسی کا لفظ ہے۔ عربی میں مسطح خیمہ کی لکڑی کو کہتے ہیں۔

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ وہ جگہ حضرت سہیل اور حضرت سہل کی ملکیت میں تھی وہ دونوں عمرو کے نورِ نظر اور یتیم تھے اور حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کی زیر کفالت تھے۔ ان کے متعلق اس سے زیادہ معلوم نہیں ہو سکا۔ موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں یہ دونوں یتیم تھے اور حضرت اسعد بن زرارہ کی نگہداشت میں تھے۔ یہ رافع بن عمرو بن ابی عمرو بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار کے لختِ جگر تھے، حضرت سہیل نے غزوۂ بدر اور دیگر تمام جنگوں میں شرکت کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں انتقال کیا۔ حضرت سہل نے بھی غزوۂ بدر میں شرکت کی اور اپنے بھائی حضرت سہیل سے پہلے وصال فرمایا۔

مسجد اور مسکن

حضور ﷺ نے اسی جگہ مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا اور خود حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر کو قدوم میمنت لزوم سے نوازا حتیٰ کہ مسجد نبوی اور حجرات مقدسہ کی تعمیر کا مرحلہ مکمل ہو گیا ان کی تعمیر میں حضور ﷺ نے بنفس نفیس کام کیا تا کہ مسلمانوں میں عمل کرنے کی رغبت پیدا ہو۔ مہاجرین وانصار نے دل لگا کر کام کیا اور خوب محنت کی صحابہ کرام میں سے ایک صحابی نے یہ شعر پڑھا۔

لَئِنْ قَعَدْنَا وَالنَّبِیُّ یَعْمَلُ لَذَاكَ مِنَّا الْعَمَلُ الْمُضَلِّلُ

اگر ہم بیٹھے رہیں اور نبی محترم ﷺ کام میں مصروف رہیں تو یہ ہمارا ایک ناشائستہ فعل ہو گا، مسلمان مسجد نبوی تعمیر کرتے ہوئے یہ رجز سے گنگناتے رہے۔

لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَةِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

زندگی کوئی نہیں مگر آخرت کی زندگی ہے مولا! انصار اور مہاجرین کو معاف فرما دے۔

ابن ہشام کہتے ہیں یہ کلام ہے رجز نہیں ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں حضور ﷺ اس طرح

تعمیر مسجد

صحیح روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اے بنونجار! مجھ سے اپنے اس احاطہ کی رقم لے لو۔ انہوں نے عرض کی نہیں ہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے اس کی قیمت طلب نہیں کریں گے پھر حضور ﷺ نے ان دونوں یتیم بچوں کو بلایا اور مربد کے متعلق سودا کرنا چاہا تا کہ وہاں مسجد تعمیر ہو سکے انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! ﷺ ہم آپ ﷺ کی خدمت میں بطور ہبہ پیش کرتے ہیں'' پھر آپ ﷺ نے وہاں مسجد تعمیر فرمائی۔

امام بخاری نے اس روایت سے ایک مسئلہ مستنبط کیا ہے وہ یہ کہ بیچنے والے کو اس رقم کا مطالبہ کرنا چاہئے جس میں وہ اپنی چیز فروخت کرنا چاہتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مسجد نبوی کی جگہ میں کھجوریں، کھنڈرات اور مشرکین کی قبریں تھیں۔ قبروں کو اکھیڑ دیا گیا۔ کھنڈرات کو برابر کر دیا گیا اور کھجوروں کو کاٹ دیا گیا۔ حضرت شفاء بنت عبدالرحمٰن انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر شروع کی تو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے آپ ﷺ کو کعبہ کی سمت اشارہ کیا آپ ﷺ نے اسی سمت قبلہ کی بنیاد رکھی۔

فرماتے تھے۔لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الآخِرَةِ، اَللّٰهُمَّ ارحَمِ الْمُهَاجِرِيْنَ وَ الاَنْصَارِ۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور باغی گروہ

حضرت عمار رضی اللہ عنہ مسجد کی جگہ میں داخل ہوئے صحابہ کرام نے ان پر بہت زیادہ اینٹیں رکھی تھیں، انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! ﷺ انہوں نے مجھے ہلاک کر دیا ہے اور مجھ پر اتنا بوجھ ڈالا ہے جسے میں اٹھا نہیں سکتا"۔ حضرت ام المومنین ام سلمۃ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ اپنی زلف معنبر کو دست اقدس سے صاف فرما رہے تھے، آپ ﷺ کے بال گھنگھریالے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا "اے سمیہ کے نورِ نظر! یہ لوگ

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ

حضرت سمیہ کا ذکر پہلے گزر چکا ہے ہم نے وہاں ابن قتیبہ کے تسامح کو بھی بیان کیا ہے انہوں نے ام زیاد کو سمیہ کہا ہے لیکن ام زیاد حارث بن کلدۃ کی لونڈی تھی جبکہ ام عمار بنی مخزوم کی خادمہ تھیں۔ یہ سمیہ بنت خباط تھیں۔ حارث کو سمیہ یمن کے ایک بادشاہ نے بطورِ تحفہ دیا تھا۔ اس بادشاہ کا نام ابوجبر تھا۔ حارث نے اس کی ایک مرض کا علاج کیا جس سے وہ شفایاب ہو گیا پھر اس نے سمیہ کو حارث کے سپرد کر دیا۔ ابوجبر سے پہلے یہ ایران کے ایک بادشاہ کے پاس تھی، ابوجبر اس بادشاہ کے پاس گیا اس نے تحفۃً سمیہ اس کو دے دی۔ جامع معمر بن راشد میں ہے کہ تعمیر مسجد نبوی کے وقت حضرت عمار رضی اللہ عنہ بیک وقت دو دو اینٹیں اٹھا کر لا رہے تھے۔ ایک اینٹ اپنی طرف سے اور دوسری اینٹ حضور ﷺ کی طرف سے جبکہ باقی لوگ ایک ایک اینٹ اٹھا کر لا رہے تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ "لوگوں کے لئے ایک گنا جبکہ تمہارے لئے دوگنا اجر ہے اور دنیا سے تمہاری آخری خوراک دودھ ہوگا اور تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا"۔ جب جنگ صفین میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو حضرت عمرو، حضرت معاویہ کے پاس آئے وہ گھبرائے ہوئے تھے انہوں نے کہا "حضرت عمار شہید ہو گئے"۔ حضرت معاویہ نے کہا پھر کیا ہوا؟ حضرت عمرو نے کہا "میں نے حضور ﷺ کو سنا آپ ﷺ حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرما رہے تھے۔ "تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا"۔ حضرت معاویہ نے کہا، وَحَضَتَ فِي بَوْلِكَ۔ تم اپنے ہی پیشاب میں پھسلنے لگے ہو کیا انہیں ہم نے قتل کیا ہے انہیں تو ان لوگوں نے قتل کیا ہے جو انہیں نکال کر لے آئے تھے"۔

ابن اسحاق نے اس شخص کا نام نہیں لکھا جس نے حضرت عمار کے اشعار کو اپنے اوپر طنز سمجھا تھا۔

تمہیں قتل نہیں کریں گے تمہیں تو ایک باغی گروہ شہید کرے گا"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا رجز

اس مبارک دن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

لَا یَسْتَوِی مَنْ یَعْمُرُ الْمَسَاجِدَا یَدْأَبُ فِیهِ قَائِمًا وَ قَاعِدًا
وَ مَنْ یُرٰی عَنِ الْغُبَارِ حَائِدًا

وہ شخص جو مساجد کو آباد کرتا ہے اس میں قیام وقعود کرتا ہے اور وہ شخص جو گرد وغبار سے بچتا ہوا نظر آتا ہے وہ کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔

ابن ہشام کہتے ہیں میں نے بہت سے اہل علم سے ان اشعار کے متعلق پوچھا ہے انہوں نے یہی کہا ہے کہ ہمیں بھی معلوم ہوا ہے کہ اس دن حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ شعر پڑھتے رہے لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں کہ یہ اشعار آپ ہی کے لئے ہیں یا کسی اور کے ہیں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ یہی شعر پڑھنے لگے۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ کثرت سے گنگنانے لگے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص نے سمجھا کہ شاید وہ یہ اشعار بطور طنز پڑھ رہے ہیں۔ زیاد بن عبداللہ البکائی نے ابن اسحاق سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن اسحاق نے اس شخص کا نام بھی لیا تھا۔

ابن ہشام نے کہا ہے کہ حضرت ابن اسحاق نے اس شخص کا نام بتایا تھا لیکن ابن ہشام نے بھی اس کا نام ذکر نہیں کیا تاکہ صحابہ کرام میں سے کسی صحابی کا نام ناپسندیدہ مقام پر نہ لیا جائے اور کسی انسان کو بھی نازیبا مقام پر کسی صحابی کا نام نہیں لینا چاہئے۔

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مسجد تعمیر کی حالانکہ مسجد کی تعمیر کی نسبت حضرت عمار کی طرف کیسے ہو سکتی ہے دیگر لوگ بھی اس سعادت میں شریک تھے۔ اس مسجد سے مراد مسجد قباء ہے کیونکہ اس مسجد کی تعمیر کا مشورہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ہی دیا تھا اور اس کے لئے پتھر بھی انہوں نے ہی جمع کئے تھے جب حضور ﷺ نے اس کی بنیاد رکھ دی تو پھر اس کی تکمیل بھی حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ہی کی تھی۔

حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور ﷺ کی وصیت

ابن اسحاق کہتے ہیں اس شخص نے کہا'' اے ابن سمیہ! [illegible] جو تم آج صبح سے کہہ رہے ہو، میں عنقریب اپنی اس لاٹھی سے تمہارے ناک کی خبر لوں گا۔ اور شخص کے ہاتھ میں لاٹھی تھی''۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا، آپ ﷺ نے فرمایا۔'' عمار اور ان کا معاملہ کتنا عجیب ہے''۔ عمار انہیں جنت کی طرف اور وہ اسے آگ کی طرف بلا رہے ہیں، بلاشبہ عمار میری دونوں آنکھوں اور ناک کے درمیان کی جلد ہیں''۔ جب لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ حضرت

مسجد نبوی کی تعمیر کتنی بار ہوئی؟

یونس بن بکیر نے حضرت ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ پہلے مسجد نبوی کا چھت کھجور کی شاخوں کا تھا اور اس کا محراب اینٹوں کا تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق محراب میں پتھر لگائے گئے تھے جنہیں ایک دوسرے سے گارے سے جوڑا گیا تھا اور اس کے ستون کھجور کے تنوں کے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد زریں میں یہ بوسیدہ ہو گئے تو انہیں نکال لیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں مسجد نبوی کو ایسے پتھروں سے تعمیر کیا جن پر چونے سے نقش و نگار ہوا تھا اور اس کی چھت ساج (ساکھ) کی تھی۔ محراب بھی پتھروں سے بنایا گیا تھا پھر ۱۹۶ میں محمد بن ابی جعفر مہدی نے اس کو تعمیر کیا، اس کو وسیع کیا پھر مامون الرشید نے ۲۰۲ میں اس کو وسیع کیا اس کی بنیادوں کو پختہ کیا اور اس میں نقش و نگار کیا۔ عبداللہ المامون کو تعمیر مسجد کا حکم دیا گیا پھر کسی نے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

حجرات النبی ﷺ

حجرات مقدسہ کی تعداد نو تھی۔ بعض کھجور کی شاخوں سے بنائے گئے تھے جن پر مٹی سے لیپ کیا گیا تھا اور ان کی چھت بھی کھجور کی تھی، کچھ حجرات پتھروں سے بنائے گئے تھے جن کی چھت کھجور کی شاخوں کی تھی۔ حضرت حسن بن ابی الحسن رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں،'' میں بلوغت کے قریب تھا میں حجرات مقدسہ میں داخل ہوتا تو اپنے ہاتھوں سے ان کی چھتوں کو چھو سکتا تھا''۔

تاریخ بخاری میں ہے کہ آپ ﷺ کا دروازہ ناخنوں سے کھٹکھٹایا جاتا تھا (یعنی دروازہ کا حلقہ نہ تھا) جب ازواج مطہرات کا وصال ہو گیا تو حجرات مقدسہ کی زمین کو مسجد نبوی میں ملا دیا گیا یہ دور عبد الملک کا تھا جب اہل مدینہ کو عبد الملک کا حکم نامہ ملا تو وہ آہ و فغاں کرنے لگے اور لوگ اتنا ہی روئے جتنا وہ حضور کے وصال کے دن روئے تھے۔ آپ ﷺ کی چارپائی کھجور کے درخت کی چھال سے بنائی

عمار سے سبقت نہیں لی جاسکتی تو وہ خود ہی کنارہ کشی کرنے لگے۔

ابن ہشام کہتے ہیں حضرت سفیان بن عینیہ نے امام شعبی سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے مسجد نبوی کی بنیاد حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے رکھی۔

گئی تھی۔ بنو امیہ کے دور میں اسے فروخت کر دیا گیا ایک شخص نے چار ہزار درہم کے عوض اسے خرید لیا۔ اس میں ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب حجرات مقدسہ کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو یہ ملکیت کی اضافت ہوتی ہے مثلاً ارشاد ربانی ہے۔ لَا تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتَ النَّبِيِّ۔ ''تم نہ داخل ہوا کرو نبی کریم ﷺ کے گھروں میں''۔ مگر جب حجرات مقدسہ کی نسبت ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف ہو تو یہ اضافت ملکیت کی اضافت نہ ہوگی مثلاً ارشاد ربانی ہے۔ وَقَرۡنَ فِيۡ بُيُوۡتِكُنَّ۔ ''اور ٹھہری رہو گھروں میں''۔ کیونکہ ہر وہ چیز جو آپ ﷺ کی ملکیت تھی اس میں وراثت نہ تھی۔

اِنۡكَسَرَ حُبٌّ لَنَا

ہمارا گھڑا ٹوٹ گیا۔ الحُبُّ بہت بڑے گھڑے کو کہتے ہیں اس کی جمع ''حِبَبَہ'' آتی ہے مثلاً جُحۡرٌ اور جِحَرَةٌ گویا کہ یہ حَبَابُ الۡمَاءِ سے مشتق ہے یا کہ حَبَبَه سے ہے شاعر کہتا ہے۔

كَاَنَّ صَلَا جَهِيۡزَةَ حِيۡنَ تَمۡشِيۡ　حَبَابُ الۡمَاءِ يَتۡبَعُ الۡحَبَابَا

جہیزہ جب چلتی ہے تو اس کی پشت پانی کے بلبلہ کی مانند ہوتی ہے جس کے پیچھے پانی کے کئی بلبلے ہوں، اَلۡحَبَبُ ان چھوٹے چھوٹے سفید بلبلوں کو کہا جاتا ہے جو شراب کی سطح پر ہوتے ہیں۔

الثوم

جب لہسن کی وجہ سے کھانا واپس کر دیا گیا تو حضور ﷺ نے ام ایوب رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔ اَنَا رَجُلٌ اُنَاجِیۡ۔ میں وہ شخص ہوں جس سے سرگوشی کی جاتی ہے۔ ایک اور حدیث مبارک میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اِنَّ الۡمَلَائِكَةَ تَتَاَذّٰى بِمَا يَتَاَذّٰى بِهِ الۡاِنۡسُ۔ ملائکہ کو بھی ان اشیاء سے اذیت ہوتی ہے جن سے انسان تکلیف محسوس کرتے ہیں۔

حضرت حصیف بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں نے خواب میں تاجدار عرب وعجم ﷺ کی زیارت کی میں نے عرض کی ''اے رسولِ مکرم ﷺ! کیا وہ حدیث (اِنَّ الۡمَلَائِكَةَ تَتَاَذّٰى بِمَا يَتَاَذّٰى بِهِ الۡاِنۡسُ) جسے ام ایوب رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے روایت کیا ہے درست ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں''۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا گھرانہ

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مسجد نبوی اور حجرات مقدسہ کی تکمیل تک حضور ﷺ حضرت ابو ایوب انصاری کے گھر ہی تشریف فرما رہے۔ جب حجرات کی تعمیر مکمل ہوگئی تو آپ ﷺ ان میں منتقل ہو گئے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں "جب حضور ﷺ نے میرے غریب خانہ میں قیام فرمایا تو آپ ﷺ نے گھر کی پہلی منزل میں اقامت گزیں ہونا پسند فرمایا میں اور ام ایوب رضی اللہ عنہا گھر کی دوسری منزل میں تھے، میں نے عرض کی یارسول اللہ! ﷺ میرے والدین آپ ﷺ پر نثار! میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ میں آپ ﷺ کے اوپر ہوں اور آپ ﷺ میرے نیچے تشریف فرما ہوں۔ آپ ﷺ اوپر والی منزل میں تشریف رکھیں اور ہم آپ ﷺ کے نیچے رہیں گے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوایوب! میرے لئے اور مجھ سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے والوں کے لئے بہتر یہی ہے کہ ہم نچلی منزل میں رہیں"۔

"حضور ﷺ نچلی منزل میں تشریف فرما تھے، ہمارا مسکن اوپر تھا۔ ایک دفعہ ہمارا گھڑا ٹوٹ گیا میں اور میری بیوی نے لحاف اٹھایا ہمارا صرف ایک ہی لحاف تھا اور اس سے پانی جذب کرنے لگے۔ ہمیں خوف تھا کہ پانی کہیں حضور ﷺ پر گر نہ جائے اور اس طرح آپ ﷺ کو اذیت ہو۔ ہم حضور ﷺ کے لئے کھانا تیار کرنے کی سعادت حاصل کرتے تھے، ہم آپ ﷺ کی بارگاہ میں کھانا پیش کرتے، کھانا بچ جاتا ہم اس جگہ کو تلاش کرتے جہاں سرورِ

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا مقدس گھر

وہ مقدس گھر جس میں حضور ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل کیا گیا تھا، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے غلام حضرت افلح رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا۔ جب یہ گھر خراب ہوگیا اور اس کی دیواروں میں رخنے پڑ گئے تو ایک حیلہ سے مغیرہ بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام نے ان سے ایک ہزار دینار کا خرید لیا۔ پھر انہوں نے اسے درست کرایا اور مدینہ طیبہ کے غریبوں میں اسے صدقہ کر دیا، اس کے بعد ابن افلح نے مغیرہ سے کہا تم نے مجھے دھوکا دیا ہے انہوں نے کہا نادم ہونے والا کامیاب نہیں ہوتا۔

کائنات ﷺ کا دست شفا بخش لگا ہوتا تھا ہم اسی جگہ سے کھاتے جہاں پیارے مصطفیٰ ﷺ کے ہاتھ مبارک کے نشانات ہوتے تھے تا کہ ہم کو برکت حاصل ہو۔ایک دفعہ ہم نے کھانا بھیجا ہم نے اس میں پیاز یا لہسن ڈالا تھا۔حضور ﷺ نے اسے واپس لوٹا دیا، ہم نے حضور ﷺ کے دست اقدس کے نشانات نہ دیکھے میں گھبرا کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ میرے والدین آپ ﷺ پر فدا! آج آپ ﷺ نے کھانا واپس بھیجا تو اس پر آپ ﷺ کے دست اقدس کے نشانات نہ تھے۔ جب آپ ﷺ کا باقی کھانا ہمارے پاس جاتا ہے تو میں اور ام ایوب اس جگہ کو تلاش کرتے ہیں جہاں آپ ﷺ کے دست اقدس کے نشانات ہوتے ہیں ہم حصول برکت کے لئے وہاں سے ہی کھاتے ہیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا'' میں نے اس میں اس درخت کی بو پائی ہے مجھ سے سرگوشی کی جاتی ہے تم اسے کھالو۔ہم نے وہ کھانا کھالیا اور اس کے بعد کھانے میں پیاز یا لہسن نہ ڈالا''۔

مہاجرین مکہ

ابن اسحاق کہتے ہیں تمام مہاجرین مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے حضور ﷺ کے ساتھ آملے، مکہ معظمہ میں وہی تھے جو یا محبوس تھے یا مفتون۔جن خوش نصیبوں نے اپنے اموال اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور رسول مکرم ﷺ کے لئے ہجرت کی وہ درج ذیل تھے۔ ۱۔ بنو مظعون بن جمح، ۲۔ بنو جحش بن رناب، ۳۔ بنو بکیر (بنو سعد بن لیث میں سے تھے اور بنو عدی کے حلیف تھے) مکہ مکرمہ میں ان کے گھر بالکل بند تھے ان میں کوئی بھی ساکن نہ تھا۔

ابوسفیان اور بنو جحش

جب بنو جحش بن رناب اپنے گھر سے ہجرت کر گئے تو ابوسفیان نے ان کے گھر پر قبضہ کر لیا اور اسے عمرو بن علقمہ (اس کا تعلق بنو عامر بن لوئ سے تھا) کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ جب بنو جحش

حضرت ابو احمد رضی اللہ عنہ

حضرت ابو احمد رضی اللہ عنہ کا نام'' عبد'' تھا ثمامہ بھی نام بتایا گیا ہے لیکن پہلا قول درست ہے فارعہ بنت ابوسفیان ان کی زوجیت میں تھیں اسی لئے ابوسفیان نے ان کے گھر کو فروخت کرنے کی راہ تلاش کر لی کیونکہ ان کی نورِ نظر ان کے گھر میں تھیں۔حضرت ابو احمد رضی اللہ عنہ نے اپنی محترمہ بہن حضرت ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وفات پائی۔

کو ابوسفیان کی اس کارستانی کا علم ہوا تو حضرت عبداللہ بن جحش نے یہ بات بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''اے عبداللہ! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس گھر کے بدلے جنت میں اس سے بہتر گھر عطا فرمائے''۔ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! ﷺ راضی ہوں'' آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''اس کے بدلے تجھے جنت میں گھر ملے گا''۔ جب حضور ﷺ نے مکہ معظمہ کو فتح کیا تو ابواحمد رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے اس گھر کے متعلق پوچھا حضور ﷺ نے جواب ارشاد فرمانے میں تاخیر کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ابواحمد رضی اللہ عنہ سے کہا ''اے ابواحمد! حضور ﷺ ناپسند فرما رہے ہیں کہ تم ان اشیاء کو واپس لو جنہیں تم اللہ کی رضا کے لئے چھوڑ چکے ہو'' یہ سن کر حضرت ابواحمد سے حضور ﷺ نے مزید بات نہ کی اور ابوسفیان سے کہا۔

أَبْلِغْ اَبَا سُفْيَانَ عَنْ اَمْرٍ عَوَاقِبُهُ نَدَامَهْ
دَارَ ابْنِ عَمِّكَ بِعْتَهَا تَقْضِي بِهَا عَنْكَ الْغَرَامَةْ
وَ حَلِيفُكُمْ بِاللّٰهِ رَبُّ النَّاسِ مُجْتَهِدُ الْقَسَامَهْ
اِذْهَبْ بِهَا اِذْهَبْ بِهَا طُوِّقْتَهَا طَوْقَ الْحَمَامَهْ

ابوسفیان کو اس معاملہ کے متعلق پیغام پہنچا دو جس کا انجام ندامت ہے۔ اس سے کہو تو نے اپنے چچا زاد کا گھر بیچ دیا ہے اور اس سے اپنا قرضہ اتار لیا ہے اور تمہارا حلیف لوگوں کے پروردگار اللہ تعالیٰ کی قسم صلح کی کوشش کرتا ہے تو اسے لے جا تو اسے لے جا۔ اسے تیرے گلے میں کبوتر

طُوِّقْتَهَا طَوْقَ الْحَمَامَةْ

یہ مصرعہ حضور ﷺ کے اس فرمان سے اخذ کردہ ہے۔ مَنْ غَصَبَ شِبْرًا مِنْ اَرْضٍ طُوِّقَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ الْاَرْضِيْنَ۔ جس شخص نے کسی کی ایک بالشت زمین پر قبضہ کیا روزِ حشر اس کے گلے میں سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔ ابواحمد رضی اللہ عنہ نے ''طوق الحمامہ'' کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ کیونکہ وہ طوق اس کی گردن سے کبھی جدا نہیں ہوتا اور نہ ہی اسے اتار کر پھینک سکتی ہے، جس طرح کہ انسان طوق اتار کر پھینک سکتا ہے۔ اس مصرعہ میں انتہائی سمانت، اشارہ کی حلاوت اور استعارہ کی ملاحت ہے۔ ''طوق الحمامہ'' میں اس شخص کا بھی رد ہے جو یہ کہتا ہے کہ ''طُوِّقَ مِنْ سَبْعِ اَرْضِيْنَ۔ میں ''طوق'' ''الطاقۃ'' سے مشتق ہے۔ ''طوق'' سے مشتق نہیں ہے، یہ علامہ خطابی کا ایک قول ہے۔ اس روایت کو امام بخاری نے نقل کیا ہے ایک دوسری روایت ہے۔

کے حلقۂ گردن کی طرح طوق بنایا جائے گا۔

مدینہ طیبہ میں اشاعت اسلام

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضور ﷺ ربیع الاول سے لے کر ماہ صفر تک حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر ہی تشریف فرما رہے حتیٰ کہ مسجد نبوی اور حجرات مقدسہ تعمیر ہو گئے۔ تمام انصار نے اسلام قبول کر لیا انصار کے تمام گھروں میں اسلام کا اجالا پھیل گیا مگر بنو حطمہ، بنو واقف، بنو وائل، بنو امیہ اپنے شرک پر ہی رہے انہوں نے اسلام قبول نہ کیا۔

ہادیٔ حق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پہلا خطبہ

مجھے ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے بیان کیا ہے۔ (ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کی طرف وہ بات منسوب کریں جو آپ ﷺ نے نہ کہی ہو) کہ حضور ﷺ صحابہ کرام میں کھڑے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی پھر فرمایا۔

اَمَّا بَعْدُ! اَیُّهَا النَّاسُ فَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ تَعلَمُنَّ وَاللّٰهِ لَیُصْعَقَنَّ اَحَدُكُمْ ثُمَّ لَیَدَعَنَّ غَنَمَهٗ لَیْسَ لَهَا رَاعٍ ثُمَّ لَیَقُوْلَنَّ لَهٗ رَبُّهٗ وَ لَیْسَ لَهٗ تَرْجُمَانٌ وَ لَا حَاجِبٌ یَحْجُبُهٗ دُوْنَهٗ: اَلَمْ یَاْتِكَ رَسُوْلِیْ فَبَلَّغَكَ وَاٰتَیْتُكَ مَالًا وَ اَفْضَلْ عَلَیْكَ؟ فَمَا قَدَّمْتَ لِنَفْسِكَ فَلَیَنْظُرَنَّ یَمِیْنًا وَ شِمَالًا فَلَا یَرٰی شَیْئًا ثُمَّ لَیَنْظُرَنَّ قُدَّامَهٗ فَلَا یَرٰی غَیْرَ جَهَنَّمَ فَمَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَقِیَ وَجْهَهٗ مِنَ النَّارِ وَ لَوْ بِشِقٍّ مِنْ تَمْرَةٍ فَلْیَفْعَلْ وَ مَنْ لَمْ یَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَیِّبَةٍ فَاِنَّ بِهَا تُجْزَی الْحَسَنَةُ عَشْرَ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ وَالسَّلَامُ

خُسِفَ بِهٖ اِلٰی سَبْعِ اَرْضِیْنَ۔ ساتویں زمین تک اسے اس کے ساتھ دھنسا دیا جائے گا۔ مسند ابن ابی شیبہ میں ہے۔ مَنْ غَصَبَ شِبْرًا مِنْ اَرْضٍ جَاءَ بِهٖ اِشْطَامًا فِیْ عُنُقِهٖ۔ جس نے کسی کی بالشت بھر زمین پر قبضہ کیا وہ روزِ حشر اس طرح آئے گا کہ وہ اس کی گردن کا حلقہ بنی ہو گی۔

داعیٔ حق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پہلا خطبہ

ابن اسحاق نے حضور ﷺ کا پہلا خطبہ لکھا ہے، بعض کتب میں یہ اضافہ ہے۔ اَلَمْ اُوْتِكَ مَالًا وَ جَعَلْتُكَ تَرْبَعُ وَ تَدْسَعُ۔ ابن الانباری اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔ ''یہ ضرب المثل ہے اس کی اصل یہ ہے کہ جب کوئی عربی سردار جنگ لڑتا تو وہ مالِ غنیمت کا چوتھا حصہ لیتا تھا پھر وہ جسے چاہتا عطا کرتا تھا اسی سے اہل عرب کا قول ہے۔ فَلَانٌ ضَخْمُ الدَّسِیْعَةِ۔ فلاں عظیم عطا والا ہے۔

عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ۔

اے لوگو! اپنے آپ کے لئے عمدہ افعال سرانجام دے لو۔ تم سب کو خوب جان لینا چاہئے کہ قسم بخدا! تم میں سے ہر ایک نے "صاعقہ" کا سامنا کرنا ہے پھر وہ اپنی بھیڑوں کو اس حالت میں چھوڑے گا کہ ان کو چروانے والا کوئی نہ ہوگا۔ پھر اس کا رب اس سے ضرور پوچھے گا اس وقت نہ تو کوئی اس کا ترجمان ہوگا اور نہ ہی کوئی پردہ ان کے درمیان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا" (اے بندے!) کیا تیرے پاس میرے رسول مکرم ﷺ تشریف نہیں لائے اور تجھے تبلیغ نہیں کی۔ کیا میں نے تجھے مال عطا نہیں فرمایا، تجھ پر اپنا فضل و کرم نہیں کیا تو نے اپنے نفس کے لئے آگے کیا بھیجا ہے؟" وہ شخص دائیں بائیں دیکھے گا لیکن وہ کوئی چیز نہیں دیکھے گا پھر وہ سامنے دیکھے گا تو اسے جہنم کے علاوہ اور کوئی چیز نظر نہیں آئے گی جو طاقت رکھتا ہے کہ اپنے آپ کو آگ سے بچائے، اگرچہ کھجور کے ایک حصہ کے ساتھ ہی تو اسے ضرور ایسا کرنا چاہیے اور جو کھجور کا ٹکڑا نہ پائے اسے عمدہ گفتگو سے ہی جہنم سے چھٹکارا حاصل کر لینا چاہئے۔ بلاشبہ عمدہ گفتگو کا بھی اجر دیا جائے گا نیکی کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔

دوسرا خطبہ

ابن اسحاق کہتے ہیں، پھر حضور ﷺ نے دوسرا خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ اَحْمَدُهٗ وَاَسْتَعِيْنُهٗ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اِنَّ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَيَّنَهُ اللّٰهُ فِيْ قَلْبِهٖ وَ اَدْخَلَهٗ فِي الْاِسْلَامِ بَعْدَ الْكُفْرِ وَاخْتَارَهٗ عَلٰى مَا سِوَاهُ مِنْ اَحَادِيْثِ النَّاسِ اِنَّهٗ اَحْسَنُ الْحَدِيْثِ وَاَبْلَغُهٗ، اَحِبُّوْا مَا اَحَبَّ اللّٰهُ اَحِبُّوا اللّٰهَ مِنْ كُلِّ قُلُوْبِكُمْ وَ لَا تَمَلُّوْا كَلَامَ اللّٰهِ وَ ذِكْرَهٗ وَ لَا تَقْسُ عَنْهُ قُلُوْبُكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْ كُلِّ مَا يَخْلُقُ اللّٰهُ وَ يَخْتَارُ وَ يَصْطَفِيْ قَدْ سَمَّاهُ اللّٰهُ خِيَرَتَهٗ مِنَ الْاَعْمَالِ وَ مُصْطَفَاهُ مِنَ الْعِبَادِ الصَّالِحِ

اَحِبُّوا اللّٰهَ مِنْ كُلِّ قُلُوْبِكُمْ

یعنی دل کے تمام اجزاء محبت الٰہیہ میں مستغرق ہوں دل سے نکلنے والا ہر عمل اور ذکر اللہ تعالیٰ کیلئے خالص ہو۔ بندہ کی جانب سے اللہ تعالیٰ کی طرف محبت کی اضافت مجاز حسن ہے کیونکہ محبت کی حقیقت وہ ارادہ ہے جس کے ساتھ محبوب کے لئے استدعا متصل ہو۔ خواہ یہ بالطبع ہو یا بالشرع۔ ہم نے اس کی

الْحَدِیْث وَ مِنْ کُلِّ مَا اُوْتِیَ النَّاسُ مِنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ فَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئاً وَاتَّقُوْاهُ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَاصْدُقُوا اللّٰهَ صَالِحَ مَا تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰهِ بَیْنَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ یَغْضِبُ اَنْ یُنْكَثَ عَهْدَهٗ وَالسَّلَامُ عَلَیْكُمْ۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں میں اس کی ستائش کرتا ہوں اسی سے مدد طلب کرتا ہوں ہم اپنے نفسوں کی برائیوں سے اسی سے پناہ مانگتے ہیں اپنے اعمال کی برائیوں سے صرف اسی کی پناہ حاصل کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب بہترین کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کے دل کو اس سے مزین کردیا وہ کامیاب ہوگیا۔ جسے کفر کے بعد اسلام میں داخل کردیا وہ کامیاب ہوگیا۔ وہ شخص جس نے اس کتاب حکیم کو دوسروں کی باتوں پر ترجیح دی وہ کامران ہوگیا۔ یہ کتاب تمام کلام سے عمدہ اور بلیغ ہے۔ جس سے اللہ پیار کرتا ہے تم بھی اس سے پیار کرو۔ اللہ تعالیٰ سے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے محبت کرو۔ اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے ذکر سے اکتا نہ جاؤ۔ تمہارے دل اس

تفصیل اِنَّ اللّٰهَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ۔'' کی تشریح میں لکھ دی ہے۔ ہم نے وہاں ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تقصیر پر بھی گرفت کی جو انہوں نے محبت کی شرح میں کی ہے۔

لَا تَمَلُّوْا كَلَامَ اللّٰهِ وَ ذِكْرَهٗ فَاِنَّهٗ مِنْ كُلِّ مَا یَخْلُقُ اللّٰهُ یَخْتَارُ وَ یَصْطَفِی

''فَاِنَّهٗ''۔ میں ہٗ ضمیر کلامِ الٰہی کی طرف راجع نہیں بلکہ یہ ضمیر امر اور حدیث کی طرف راجع ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی۔ اِنَّ الْحَدِیْثَ مِنْ كُلِّ مَا...... تمام اعمال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے جسے چاہتا ہے پسند کرتا ہے۔ وَرَبُّكَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَخْتَارُ۔ (قصص:۶۸)'' اور آپ کا رب پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے (جسے چاہتا ہے) خِیَرَتَهٗ مِنَ الْاَعْمَالِ سے مراد ذکر اور قرآنِ پاک کی تلاوت ہے۔ مُصْطَفٰی مِنْ عِبَادِهٖ۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے۔ اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (حج:۷۵)'' اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے فرشتوں سے بعض پیغام پہنچانے والے اور انسانوں سے بعض کو رسول''۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد وہ عمل ہو جس کو لوگوں کی طرف سے قبول کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں ''مِنْ'' تبعیض کے لئے نہیں ہوگا، یہ ابتدائے غایت کے لئے ہوگا کیونکہ وہ ایسا عمل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انہیں توفیق دے کر ان سے سر انجام کرایا ہے۔

سے بیزاری کا اظہار نہ کریں کیونکہ یہ کلام ان اشیاء میں سے ہے انہیں اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے اور انہیں برگزیدہ اور منتخب کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اعمال میں سے بہترین، بندوں میں سے مصطفیٰ اور گفتگو میں سے صالح کا نام دیا ہے۔ جو کچھ لوگوں کو عطا کیا گیا ہے ان میں سے کچھ حلال اور کچھ حرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق سچ کہو، یہ بہترین بات ہے جو تم کہتے ہو، اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے باہمی محبت کرو، اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے کہ اس سے کیا ہوا وعدہ توڑا جائے۔

اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰہِ اَحْمَدُہٗ

الحمدللہ کا اعراب اسی طرح (دال کے رفع) کے ساتھ ہی میں نے دیکھا ہے یہ اعراب حکایۃً نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے ''الامر'' مضمر ہوگا۔ اصل عبارت یوں ہوگی۔ اِنَّ الْاَمْرَ الَّذِیْ اَذْکُرُہٗ۔ ''ہٗ'' کی ضمیر جو ''امر'' کی طرف راجع تھی اسے حذف کر دیا تاکہ اسماء میں سے کوئی اسم 'الحمدللہ' سے متقدم نہ ہو۔ ''اِنَّ'' کا مقدم ہونا یہ تقدیم اسماء میں سے نہیں ہے یہ حرف ہے جو اپنے مابعد کو مؤکد کرتا ہے۔ قرآنِ پاک کا آغاز بھی ''الحمدللہ'' سے ہی ہوتا ہے، حضور ﷺ نے حصولِ برکت کے لئے اپنے خطبہ کا آغاز بھی اسی سے کیا۔

حضور ﷺ نے یہ خطبہ کھجور کے تنے کے ساتھ کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا تھا۔ جب طرفاء (جھاؤ، درخت کا نام) کا آپ ﷺ کے لئے منبر بنا دیا گیا تو یہ تنا اس اونٹنی کی طرح بلکنے لگا جس کا بچہ اس سے جدا کر دیا گیا ہو۔ آپ ﷺ کے لئے یہ منبر ایک انصاریہ خاتون کے غلام ''باقوم'' نے بنایا تھا۔ حضور ﷺ اپنے منبر سے نیچے تشریف لائے اور تنے کو اپنے ساتھ چمٹا لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں اسے سینے سے نہ لگاتا تو یہ قیامت تک اسی طرح گریہ بار رہتا۔ پھر آپ ﷺ نے اس تنے کو دفن فرما دیا، آپ ﷺ نے اسے اس لئے دفن فرمایا تھا تاکہ حضور ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کے لئے رونے کی وجہ سے اس کا حکم بھی مومن کے حکم کی طرح ہو جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے۔ کَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ۔ ''ایک پاکیزہ درخت کی مانند ہے''۔ حضور ﷺ نے کھجور کے متعلق فرمایا۔ ''اس کی مثال مومن کی طرح ہے''۔ کھجور کے اس تنے کا بلکنا تواتر سے ثابت ہے۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا گریہ سنا اور پھر روایت فرمایا اور جنہوں نے روایت سنی انہوں نے بھی انکار نہ کیا۔

یہودیوں کے ساتھ تاریخی معاہدہ

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضور نبی اکرم ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان ایک معاہدہ تحریر فرمایا، آپ ﷺ نے اس معاہدہ میں یہودیوں کو بھی شامل فرمایا اور ان سے بھی معاہدہ کیا اور ان کے دین اور ان کے اموال کے تحفظ کا انہیں یقین دلایا ان پر کچھ شرائط عائد کیں اور کچھ حقوق دیئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ یہ عہد نامہ حضور نبی اکرم ﷺ کی جانب سے ہے، یہ قریش میں سے مسلمانوں اور یثرب کے مؤمنین، ان کی اتباع کرنے والوں، ان کے ساتھ ملحق ہونے والوں اور ان کے ہمراہ جہاد کرنے والوں کے مابین ہے۔ وہ لوگوں کے علاوہ ایک امت ہیں۔ قریش مکہ کے مہاجر اسی دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے جس طرح وہ اسلام سے قبل ادا کرتے تھے۔ وہ اپنے قیدیوں کا فدیہ ادا کریں گے تاکہ مؤمنین کے مابین عدل وانصاف اور نیکی اور احسان برقرار رہے۔ بنوعوف بھی اپنے سابقہ دستور کے مطابق ہی خون بہا ادا کریں گے۔ ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ دے کر آزاد کرائے گا تاکہ مؤمنین کے مابین عدل وانصاف قائم

حضور ﷺ کا یہودیوں سے معاہدہ

انصار کے مدینہ طیبہ آنے سے پہلے یہودی ہی یہاں مقیم تھے۔ جب عرم کا سیلاب آیا اور اہل سباء منتشر ہوئے تو اوس اور خزرج نے ایک کاہنہ کے حکم سے اس بستی کو اپنا مسکن بنالیا۔ عمران بن عامر بھی کاہن تھا اس نے بھی انہیں یہی مشورہ دیا۔ اس کاہنہ نے ہر قبیلہ کو ایک علاقہ کی طرف جانے کا حکم دیا تھا اس نے بنوحارثہ بن ثعلبہ (اوس اور خزرج) کو کھجوروں والی سرزمین یثرب کی طرف جانے کا حکم دیا۔ اوس اور خزرج یثرب آگئے یہودی یہاں پہلے ہی مقیم تھے انہوں نے ان کے ساتھ معاہدے کر لئے اور مل جل کر رہنے لگے۔

یہودی یثرب میں کب آئے؟

یہودیوں کا مسکن سرزمین کنعان تھا اور مدینہ طیبہ عرب کے وسط میں ہے پھر وہ یہاں کیسے مقیم ہوئے؟ سرزمین حجاز کے عمالقہ بنواسرائیل پر غارت گری کرتے رہتے تھے۔ عمالقہ کا مسکن یثرب اور جحفہ تھا۔ بنواسرائیل نے ان حملوں کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی انہوں نے عمالقہ کی طرف ایک لشکر بھیجا اور انہیں نیست و نابود کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم پر

رہے۔ بنو ساعدہ اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے ان میں سے ہر گروہ اپنے اسیروں کا فدیہ دے کر آزاد کرائے گا تاکہ مؤمنین کے مابین عدل وانصاف قائم ہو۔ بنو حارث اپنے سابقہ دستور کے مطابق ہی خون بہا ادا کریں گے ان کا ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ دے کر آزاد کرائے گا۔ بنو جشم اپنے سابقہ دستور کے مطابق ہی خون بہا ادا کریں گے اور ان کا ہر قبیلہ فدیہ دے کر اپنے قیدیوں کو آزاد کرائے گا تاکہ مؤمنین کے مابین عدل وانصاف قائم رہے۔ بنو عمرو

پوری طرح عمل کیا اور ان میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ رہنے دیا، صرف بادشاہ کے ایک بچے کو بچایا وہ بڑا حسین وجمیل تھا۔ انہوں نے اس پر ترس کھایا اور اسے موت کے گھاٹ نہ اتارا ان کے بادشاہ کا نام ارقم بن ابی ارقم تھا۔ اس قتل عام کے بعد یہودی شام کی طرف چلے گئے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام وصال فرما چکے تھے۔ بنو اسرائیل نے ان سے کہا ''تم نے مخالفت اور نافرمانی کی ہے ہم تمہیں پناہ نہیں دیں گے''۔ یہودیوں نے کہا ''ہم انہی شہروں کی طرف لوٹ جاتے ہیں جنہیں ہم نے مغلوب کیا ہے ہم وہیں مقیم ہو جائیں گے''۔ پھر وہ یثرب لوٹ آئے۔ انہوں نے اسی جگہ کو اپنا وطن بنا لیا اور وہیں ان کی نسل بڑھی پھر سیل عرم کے بعد اوس اور خزرج بھی وہیں آ گئے۔ اس تفصیل کو ابو الفرج الاصبہانی نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''کتاب الاغانی'' میں لکھا ہے۔ علامہ زبیر نے اسے اخبارِ مدینہ میں لکھا ہے مگر میرے نزدیک یہ درست نہیں کیونکہ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تشریف لائے مدت مدید گزر چکی تھی۔

امام الطبری وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ جب بخت نصر نے اسرائیل کے شہروں کو مغلوب کیا اور ان کے شہروں میں غارت مچائی تو بنو اسرائیل کا ایک گروہ سرزمین حجاز میں آ گیا۔ ان میں سے کچھ قبائل مثلاً قریظہ اور نضیر، خیبر مدینہ طیبہ میں آ گئے۔

یثرب کا نام

عمالقہ میں سے جو شخص سب سے پہلے یہاں مقیم ہوا اس کا نام یثرب تھا پھر یہ بستی اسی نام سے معروف ہو گئی۔ وہ یثرب بن قاین بن عبیل بن مھلایل بن عوص بن عملاق بن لاوذ بن ارم تھا۔ ان نسب کے بعض اسماء میں اختلاف بھی ہے۔ بنو عبیل نے ''جحفہ'' کو اپنا مسکن بنا لیا۔ وہاں انہیں سیلابوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی سے اس مقام کا نام ''جحفہ'' پڑا۔ جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اس کے نام ''یثرب'' کو ناپسند فرمایا کیونکہ اس میں ''تثریب'' کے معنی پائے جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس کا نام طیبہ اور مدینہ رکھا۔

بن عوف اپنے سابقہ دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ان کا ہر گروہ اپنے اسیروں کا فدیہ دے کر آزاد کرائے تا کہ مؤمنین کے مابین عدل و انصاف قائم رہے۔ بنو اوس بھی اپنے سابقہ دستور کے مطابق خون بہا دیں گے۔ ان کا ہر گروہ اپنے اسیروں کا فدیہ دے کر آزاد کرائے گا تا کہ مؤمنین کے مابین عدل و انصاف قائم ہو سکے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ ﷺ نے ''یثرب'' نام کیوں ناپسند فرمایا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ نام قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے۔ آپ ﷺ قرآن پاک کی اتباع کرتے تھے۔ چاہیے تھا کہ آپ ﷺ اس نام کو تبدیل نہ فرماتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نام منافقین کی طرف سے حکایۃً بیان کیا ہے جب منافقین کے ایک گروہ نے کہا۔ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ (احزاب: ۱۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ منافقین نے کس طرح اس نام سے روگردانی کی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ نے رکھا تھا۔ انہوں نے اس مبارک شہر کو اسی نام سے پکارنا چاہا جس نام سے زمانہ جاہلیت میں پکارا جاتا تھا۔ دوسری آیت جس میں کسی کا قول نقل نہیں کیا میں فرمایا۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ (توبہ: ۱۲۰)

''نہیں مناسب تھا مدینہ والوں کے لئے اور جو ان کے اردگرد دیہاتی لوگ ہیں کہ پیچھے بیٹھے رہتے اللہ کے رسول پاک ﷺ سے۔''

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں ہم نے توراۃ میں پڑھا ہے اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ سے فرمایا۔ یا طابۃ، یا طیبۃ، یا مسکینہ، خزانوں کو ہرگز قبول نہ کرنا۔ میں تیرے اجر کو تمام شہروں کے اجر سے زیادہ کروں گا۔ روایت ہے کہ تورات میں اس کے گیارہ نام تھے۔ المدینۃ، طابۃ، طیبہ، المسکینہ، الجابرۃ، المحبۃ، القاصمۃ، المجبورۃ، العذراء، المرحومہ۔

روایت ہے کہ اللہ کے اس فرمان۔ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴿۸۰﴾ (بنی اسرائیل) ''اور دعا مانگا کیجئے کہ اے میرے رب! جہاں کہیں تو مجھے لے جائے سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں کہیں سے مجھے لے آئے سچائی کے ساتھ لے آ اور عطا فرما مجھے اپنی جناب سے وہ قوت جو مدد کرنے والی ہو۔''

میں مُدْخَلَ صِدْقٍ سے مراد مدینہ طیبہ اور مُدْخَلَ صِدْقٍ سے مراد مکہ معظمہ اور سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا سے مراد انصار ہیں۔

وَاِنَّ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا يَتْرُكُوْنَ مُفْرَحًا بَيْنَهُمْ اَنْ يُعْطُوْهُ بِالْمَعْرُوْفِ فِيْ فِدَاءٍ اَوْ عَقْلٍ۔ اور مؤمنین کسی مؤمن کو مقروض یا زیر بار دیکھ کر ویسے ہی نہیں چھوڑ دیں گے بلکہ وہ اس کے لئے خون بہا یا فدیہ کی ادائیگی کے لئے اس کی مدد کریں گے۔ ابن ہشام کہتے ہیں "اَلْمُفْرَحُ" اس شخص کو کہتے ہیں جو مقروض اور کثیر العیال ہو۔ شاعر کہتا ہے۔

اِذَا اَنْتَ لَمْ تَبْرَحْ تُؤَدِّيْ اَمَانَةً وَ تَحْمِلُ اُخْرٰى اَفْرَحَتْكَ الْوَدَائِعُ

"جب تو امانیں ادا کرتا رہے گا اور دوسروں کا بوجھ برداشت کرتا رہے گا تو یہ امانتیں تجھے زیر بار کر دیں گی" اور کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے حلیف سے اس کی اجازت کے بغیر کوئی معاہدہ نہیں کرے گا۔ مسلمانوں میں سے جس نے بغاوت کی یا ظلم، گناہ، مسلمانوں کے مابین فساد یا عداوت کا مرتکب ہوا تو تمام مسلمان اس کے خلاف متحد ہو جائیں گے اور تمام مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔ خواہ وہ باغی یا سرکش ان میں سے کسی کا فرزند ہی کیوں نہ ہو۔ کوئی مسلمان کسی کافر کے بدلے کسی مسلمان کو قتل نہیں کرے گا اور نہ ہی وہ مؤمن کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے

رِبْعَاتِهِمْ

ابوعبید نے ابن بکیر سے وہ عقیل بن خالد سے اور انہوں نے امام زہری سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ عبداللہ بن صالح سے بھی اسی طرح روایت کیا گیا ہے یعنی "رِبَاعَتِهِمْ" باء کے بعد الف ہے ابو عبید کہتے ہیں، کہا جاتا ہے فَلَانٌ عَلٰى رِبَاعَةِ قَوْمِهٖ۔ فلاں اپنی قوم کا راہ نما اور نقیب ہے۔
امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، قیاس کا تقاضا ہے کہ "رِبْعَاتِهِمْ" کی راء کے نیچے کسرہ ہی ہو کیونکہ یہ "وِلَايَةٌ" کے معنی میں ہے اگر "رِبَاعَةٌ" کو مصدر بنایا جائے تو "راء" پر فتح کا تقاضا ہوتا ہے یعنی ان سرداروں پر لازم ہے کہ وہ سابقہ دستور کے مطابق خون بہا لیں۔ مَعَاقِلَ مُعْقَلَة کی جمع ہے یہ عَقْل سے ہے اس کا معنی دیت ہے۔

اَلَّا يُتْرَكَ مُفْرَحٌ

ابن ہشام نے اس کی وہی شرح کی ہے جو ابوعبید نے کی ہے وہ شخص جس کو قرض نے زیر بار کر دیا ہو۔ ابوعبید نے بھی اسی شعر سے دلیل لی ہے جس سے ابن ہشام نے لی ہے، ممکن ہے اس شعر میں اَفْرَحَتْكَ، اَثْقَلَتْكَ کے معنی میں افعال سلب سے ہو یعنی سَلَبَتْكَ الْفَرَحَ کہا جاتا ہے۔ اَقْسَطَ الرَّجُلُ یعنی اس نے عدل و انصاف نہ کیا یہ بھی ممکن ہے کہ فاء، باء سے تبدیل شدہ ہو اور یہ اَلْبَرْحُ سے

گا۔ اللہ تعالیٰ کا ذمہ ایک ہے مسلمانوں کا ادنیٰ فرد بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے۔ دوسرے لوگوں کے خلاف مسلمان باہم معاون و مددگار ہیں، یہودیوں میں سے جس نے ہماری اتباع کی اس کے لئے بھی نصرت و مساوات ہوگی نہ ان پر ظلم ہوگا نہ ہی ان کے خلاف کسی کی مدد کی جائے گی۔ مسلمانوں کی صلح ایک ہوگی۔ مسلمان راہِ خدا میں جہاد میں کسی مؤمن کو چھوڑ کر کسی دوسرے شخص سے صلح نہیں کرے گا۔ مگر جب کہ تمام مسلمان اس صلح میں شریک ہوں وہ گروہ جو ہمارے ساتھ مل کر نبرد آزما ہوں گے وہ ایک دوسرے کے پیچھے ہوں گے۔ مسلمان اس اذیت میں برابر ہوں گے جو راہِ خدا میں ان کے خون کو پہنچے گی۔ متقی مؤمن شاہراہِ ہدایت اور صراطِ مستقیم پر ہیں۔ کوئی مشرک قریش کے مال اور جان کو پناہ نہ دے گا اور مؤمن کے لئے اس کو قتل کرنے میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کو ناحق قتل کرے گا اور اس کے قتل کے گواہ بھی مل جائیں گے تو اس سے قصاص لیا جائے گا، الا یہ کہ مقتول کا ولی خون بہا پر رضامند ہو جائے۔ تمام مسلمان مل کر اس کے خلاف ہوں گے اور اس کے خلاف اٹھنے کے علاوہ مسلمانوں کے پاس اور کوئی چارۂ کار نہیں۔ جن مسلمانوں نے اس صحیفہ میں مکتوب دستور کا اقرار کر لیا، اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لے آیا اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی فتنہ باز کی مدد کرے اور نہ ہی اسے پناہ دے جس نے کسی فتنہ گر کو پناہ دی یا اس کی مدد کی تو روزِ حشر اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور غضب ہوگا۔ اس سے کوئی عوض یا فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اگر تمہارا کسی چیز میں اختلاف ہو گیا تو رجوع اللہ تعالیٰ اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف ہوگا، یہودی جب تک مسلمانوں کے ساتھ مل کر معرکہ آزما ہوں گے وہ خرچہ بھی کریں گے۔ بنو عوف کے یہودی مسلمانوں کے خلاف ایک سیاسی وحدت ہوں گے۔ یہودی اپنے دین پر اور مسلمان اپنے دین پر رہیں گے۔ ان کے حلیف اور ان کی جانیں محفوظ ہوں گی۔ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ وَ اَثِمَ فَاِنَّهٗ لَا یُوْتِغُ اِلَّا نَفْسَهٗ وَاَهْلَ بَیْتِهٖ۔ مگر جس نے ظلم کیا اور گناہ کا مرتکب ہوا تو وہ اپنے نفس اور اپنے اہل خانہ کو ہی ہلاکت میں ڈالے گا۔ بنو نجار کے

مشتق ہو، برح کا معنی شدت ہے مثلاً کہا جاتا ہے، لَقِیْتُ مِنْ فُلَانٍ بَرْحًا۔ فلاں سے مجھے شدت کا سامنا کرنا پڑا۔ ابو عبید نے ایک روایت بھی لکھی ہے کہ یہ مُفْرَجْ ہو۔ اس کے کئی معنی ہیں۔ ا۔ وہ شخص جس کا دیوان نہ ہو۔ ۲۔ وہ شخص جو دو شہروں کے مابین قتل ہوا اور یہ فیصلہ نہ ہو سکے کہ اس کا قاتل کون ہے ۳۔ یہ مُفْرَح کے معنی میں ہے یعنی وہ شخص جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو اور قرض نے اس کی کمر توڑ دی ہو پھر بیت المال سے اس کا قرض ادا کیا جائے۔

یہودیوں کو وہی حقوق ملیں گے جو بنو عوف کے یہودیوں کو حاصل ہوں گے۔ بنو ساعدہ کے یہودیوں کو وہی حقوق ملیں گے جو بنو عوف کے یہودیوں کو حاصل ہوں گے۔ بنو جشم کے یہودی بھی وہی حقوق حاصل کریں گے جو حقوق بنی عوف کے یہودی لیں گے۔ بنو اوس کے یہودی بھی وہی حقوق لیں گے جو بنی عوف کے یہودی لیں گے۔ بنو ثعلبہ کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنو عوف کے یہودیوں کو حاصل ہوں گے مگر جو ظلم کرے گا یا ارتکابِ گناہ کرے گا اس کا وبال اس کی ذات پر اور اس کے اہل خانہ پر ہی ہوگا۔ بنو ثعلبہ کی شاخ جفنہ کو وہی حقوق ملیں گے جو بنو ثعلبہ کو حاصل ہوں گے۔ بنو شطیبہ کو بھی وہی حقوق ملیں گے جو بنو عوف کے یہودیوں کو حاصل ہوں گے بشرطیکہ گناہ کا ارتکاب نہ ہو عمدہ اعمال سرانجام ہوں۔ ثعلبہ کے حلیفوں کو بھی بنو ثعلبہ جیسے حقوق ملیں گے اور تمام یہود کی شاخوں کو بھی یہودیوں جیسے ہی حقوق حاصل ہوں گے۔ حضور اکرم ﷺ کی اجازت کے بغیر ان میں سے کوئی بھی جنگ کے لئے نہیں نکلے گا۔ زخم کا بدلہ لینے سے نہیں روکا جائے گا۔ جس نے خونریزی کی اس کی جوابدہی اس پر اور اس کے اہل خانہ پر ہوگی مگر جس پر ظلم کیا گیا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے۔ یہودیوں کے ذمہ ان کا نفقہ اور مسلمانوں کے ذمہ ان کا نفقہ ہے، جو یہ معاہدہ کرنے والوں کے خلاف جنگ کرے گا تو اس معاہدہ کو قبول کرنے والے ایک دوسرے کی مدد کریں گے ان کے مابین خلوص اور خیر خواہی کے جذبات ہوں گے، حسن سلوک ہوگا برا ردیہ نہ ہوگا۔ کسی شخص کو اس کے حلیف کے گناہ کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا اور مظلوم کی دادرسی کی جائے گی۔ یہودی مسلمانوں کے ساتھ مل کر اس وقت تک خرچہ برداشت کریں گے جب تک وہ ان کے ساتھ مل کر جنگ کریں گے۔ یہ معاہدہ کرنے والوں کے لئے مدینہ طیبہ کا میدان قابل احترام ہوگا۔ پناہ دینے والا پناہ لینے والے کی مانند ہوگا نہ اسے کوئی نقصان پہنچایا جائے گا اور نہ ہی وہ گناہ کرے گا۔ کسی عورت کو اس کے گھر والوں کی اجازت کے بغیر پناہ نہیں دی جائے گی، اس معاہدہ کو قبول کرنے والوں کے مابین اگر

وَلَا یُوْتِغُ اِلَّا نَفْسَهٗ

وہ اپنے ہی نفس کو ہلاک کرے گا۔ کہا جاتا ہے۔ وَتَغَ الرَّجُلُ وَ اَوْتَغَهٗ غَیْرُہٗ۔ انسان ہلاک ہوگیا اور دوسرے نے اسے ہلاک کر دیا۔ یُبِیْئُ بواء سے مشتق ہے اس کا معنی مساوات ہے جب حارث بن عباد کا بیٹا قتل ہوا تو مھلھل نے کہا بُؤْ بِشِسْعِ نَعْلِ کُلَیْبٍ۔ اِنَّ الْبِرَّ دُوْنَ الْاِثْمِ۔ یعنی نیکی اور وفاء کو چاہیے کہ وہ گناہ کے لئے رکاوٹ بنیں۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی اَتْقٰی مَا فِیْ هٰذِهٖ

کوئی جھگڑا یا فتنہ رونما ہو جس سے فساد بھڑکنے کا اندیشہ ہو تو رجوع اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کی طرف ہوگا۔ اللہ رب العزت کو اس معاہدہ سے زیادہ احتیاط اور وفاء پسند ہے۔ نہ تو قریش کو پناہ دی جائے گی اور نہ ہی ان کے معاون و مددگار کو۔ جو شخص مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوگا تمام اہل معاہدہ اس کا دفاع کریں گے۔ جب انہیں صلح کرنے اور مصاحبت کرنے کی دعوت دی جائے تو وہ صلح اور مصاحبت اختیار کریں گے۔ مسلمانوں کے لئے بھی ایسی دعوت کو قبول کرنا لازم ہوگا مگر اگر جنگ دین کے متعلق ہو تو پھر ان پر یہ شرط لازم نہ ہوگی۔ ہر فریق کے ذمہ اسی حصہ کا دفاع ہوگا جو اس کے سامنے ہوگا۔ اوس اور خزرج کے یہودیوں کو اور ان کے حلیفوں کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس معاہدہ کو کرنے والوں کو حاصل ہوں گے مگر خلوص اور وفاداری شرط ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں نیکی اور وفا گناہ کرنے سے آڑ ہوگی۔ گناہ کرنے والے کا وبال اس کے نفس پر ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کی سچائی اور وفاداری پر گواہ ہے جو کچھ اس صحیفہ میں مرقوم ہے۔ یہ تحریر نامہ کسی ظالم یا گناہ گار کے لئے کوئی پناہ پیدا نہیں کرتا۔ جو شخص باہر نکلے گا وہ بھی امن میں اور جو مدینہ طیبہ میں بیٹھے گا وہ بھی امن میں ہوگا، مگر ظالم اور گناہ گار اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ جو شخص وفا کرتا ہے تقویٰ شعار بنتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا حامی ہے، محمد عربی ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں''۔

مہاجرین وانصار کے مابین مؤاخات

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضور ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتہ اخوت قائم فرمایا، آپ ﷺ نے فرمایا۔'' اللہ کی محبت میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ

الصَحِیْفَۃِ وَاَبَرَّہٗ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کا مؤمن گروہ اس معاہدہ پر راضی ہیں۔ ابوعبیدہ کتاب الاموال میں رقم طراز ہیں۔ حضور ﷺ نے یہ عہد نامہ جزیہ کے فرض ہونے سے قبل تحریر فرمایا تھا اس وقت اسلام کمزور تھا اس وقت اگر یہودی مسلمانوں کے ساتھ جنگ لڑتے تو انہیں مال غنیمت میں سے حصہ ملتا جس طرح اس معاہدہ میں طے پایا گیا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے مابین مواخات

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو حضور ﷺ نے ان کے مابین رشتۂ اخوت قائم فرمایا تا کہ ان کا خوف اجنبیت ختم ہو جائے۔ اہل وعیال اور قبیلہ

آپ ﷺ کی طرف سے وہ بات کہیں جو آپ ﷺ نے نہ کی ہو، آپ ﷺ نے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول معظم، سید المرسلین، امام المتقین رسول رب العالمین ﷺ جن کی عالمین میں کوئی نظیر یا مثال نہیں، حضرت علی المرتضٰی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے بھائی بن گئے۔ شیر خدا، اسد رسول اللہ حضرت حمزہ بن عبد المطلب اور غلام مصطفٰی ﷺ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھائی بھائی بن گئے۔ غزوۂ احد کے دن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ہی وصیت کی تھی۔ حضرت جعفر طیار، ذوالجناحین رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (بنو سلمہ سے) بھائی بھائی بن گئے۔ ابن ہشام کہتے ہیں ان ایام میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سرزمین حبشہ میں تشریف فرما تھے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہما اور حضرت خارجہ بن زہیر رضی اللہ عنہ (ان کا تعلق بنو بلحارث بن الخزرج سے تھا) رشتہ اخوت میں پروئے گئے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ (ان کا تعلق بنو سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج سے تھا) بھائی بھائی تھے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن عبداللہ بن جراح (عامر بن عبداللہ) حضرت سعد بن معاذ بن نعمان رضی اللہ عنہ (ان کا تعلق بنو عبدالاشہل سے تھا) بھائی بھائی بن گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ربیع (ان کا تعلق بنو بلحارث بن خزرج سے تھا) رضی اللہ عنہ اخوت کی لڑی میں پروئے گئے۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور حضرت سلامہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہ (بنو عبدالاشہل سے تھے) بھائی بھائی بن گئے۔ دوسرے قول کے مطابق حضرت زبیر رضی اللہ عنہ

سے جدائی کا زخم مندمل ہو سکے اور وہ ایک دوسرے کے معاون و مددگار ثابت ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت و توقیر سے نوازا۔ متفرق امور ایک جگہ جمع ہو گئے اور پردیس کی وحشت ختم ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ (انفال: ۷۵)
''اور قریبی رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں کتاب اللہ کی رو سے''۔

یہ آیت میراث کے بارے میں نازل ہوئی پھر اللہ تعالیٰ نے تمام مؤمنین کو بھائی بھائی بنا دیا، ارشاد فرمایا: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات: ۱۰) ''بے شک اہل ایمان بھائی بھائی ہیں''۔ ابن اسحاق نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، اور حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کے مابین مؤاخات کا ذکر کیا ہے مگر امام واقدی نے اس کا انکار کیا ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود (بنو زہرہ کے حلیف) رضی اللہ عنہ بھائی بھائی بنے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت اوس بن ثابت بن منذر (ان کا تعلق بنونجار سے تھا) رضی اللہ عنہ بھائی بھائی بن گئے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ (ان کا تعلق بنوسلمہ سے تھا) بھائی بھائی بن گئے۔ حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (بنونجار سے تھے) بھائی بھائی بن گئے۔ حضرت مصعب بن عمیر بن ہاشم رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہ (بنونجار سے تھے) بھائی بھائی بن گئے۔ حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عباد بن بشر بن وقش بن (بنوعبدالاشہل سے تھے) رضی اللہ عنہ بھائی بھائی بن گئے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما (بنو مخزوم کے حلیف) اور حضرت حذیفہ بن یمان (بنوعبدعبس سے تعلق تھا) رضی اللہ عنہ بھائی بھائی بن گئے۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ (حضور ﷺ کے خطیب) اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھائی بھائی بن گئے۔ حضرت ابوذر بریر بن جنادہ غفاری رضی اللہ عنہ اور حضرت منذر بن عمرو (بنوساعدہ بن کعب خزرج سے تعلق تھا) بھائی بھائی بن گئے۔

ابن ہشام کہتے ہیں میں نے کئی علماء سے سنا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا نام جندب بن جنادۃ تھا۔ حضرت خاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ (بنواسد بن عبدالعزیٰ کے حلیف) اور حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ (ان کا تعلق بنوعمرو بن عوف سے تھا) بھائی بھائی بن گئے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابودرداء عویمر بن ثعلبہ (ان کا تعلق بنوبلحارث سے تھا) بھائی بھائی بن گئے۔ ابن ہشام نے انہیں عویمر بن عامر اور انہیں عویمر بن زید بھی کہا ہے۔ مؤذنِ رسول (ﷺ) حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت ابورویحہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن خثعمی

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا نسب

حضرت ابودرداء کا نام عویمر بن عامر تھا۔ دوسرے قول کے مطابق وہ عویمر بن زید بن ثعلبہ تھے۔ عویمر بن مالک بن ثعلبہ بن عمرو بن قیس بن امیہ بھی نام بتایا جاتا ہے۔ ان کا تعلق بنوبلحارث سے تھا۔ ان کی والدہ کا نام تحبۃ بنت وقد بن عمرو بن اطنابہ تھا۔ ان کی زوجہ محترمہ کا نام خیرہ بنت ابی حدرد تھا۔ ایک ام درداء صغریٰ بھی تھیں ان کا نام "جمانہ" تھا۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے ۳۲ھ میں وفات پائی۔ دوسرے قول کے مطابق وفات ۳۴ھ میں ہوئی۔

(ان کا تعلق فزع سے تھا) رضی اللہ عنہ بھائی بھائی بن گئے۔ ہمیں انہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام معلوم ہوئے ہیں جن کے درمیان حضور ﷺ نے رشتۂ اخوت قائم فرمایا تھا

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وظائف مقرر کئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ شام کی طرف تشریف لے جا چکے تھے اور وہاں جہاد میں مصروف تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا "آپ کا وظیفہ کس کے ساتھ ملایا جائے؟" انہوں نے جواب دیا "حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔ وہ اخوت جو نبی محترم ﷺ نے ہمارے مابین فرمائی تھی اس کی پاسداری کرتے ہوئے میں ان سے کبھی بھی جدا نہ ہوں گا"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملا دیا۔ اہل حبشہ کا وظیفہ بنو خثعم کے ساتھ ملایا گیا کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مکان وہیں تھا اور وہ آج تک سرزمین شام میں بنو خثعم میں ہی ہے۔

حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ کا وصال

جب مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی تو حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا وہ ذبحہ (خناق) یا شھقہ (کالی کھانسی) میں مبتلا تھے۔ ابن اسحاق نے یحیٰ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا (حضرت اسعد رضی اللہ عنہ کا وصال یہودیوں اور منافقین کے لئے بہت برا تھا انہوں نے کہا "اگر یہ نبی ہوتے تو ان کا یہ صحابی انتقال نہ کرتا"۔ حالانکہ میں اللہ تعالیٰ کے منشاء کے خلاف اپنی ذات کے

فزع کا نسب

ابن اسحاق نے حضرت ابورویحہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو بنو فزع سے بتایا ہے اور فزع کا نسب بیان نہیں کیا۔ اہل نسب کے نزدیک فزع سے ابن شہران بن عفرس بن حلف بن افتل مراد ہے۔ افتل ہی خثعم ہے۔ اس کتاب کے آغاز میں گزر چکا ہے کہ اس کا نام خثعم کیوں پڑا۔ یہ انمار کا بیٹا تھا۔ انمار کے بعد ان کے نسب میں جو اختلاف ہے وہ گزر چکا ہے۔ یہ فزع، زاء کے فتح سے ہے، فزع "زاء" کے سکون کے ساتھ فزع بن عبداللہ بن ربیعہ بن جندل ہے اسی طرح بنو خزاعہ میں بھی فزع تھا اسی طرح بنو کلب میں بھی ایک فزع تھا، (ابن حبیب) دارقطنی کہتے ہیں۔ الفزع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے راویوں کے آخر میں لکھا ہے کہ یہ زاء کے فتح کے ساتھ ہے

لئے اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے کوئی قدرت نہیں رکھتا۔

بنونجار کا شرف

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت اسعد بن زرارہ کا وصال ہو گیا تو بنونجار بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے حضرت اسعد رضی اللہ عنہ ان کے نقیب تھے انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! ﷺ آپ ﷺ جانتے ہیں کہ حضرت اسعد رضی اللہ عنہ ہم میں بڑی حیثیت کے مالک تھے۔ آپ ﷺ ہم میں سے ایک ایسے شخص کا تقرر فرما دیں جو ان کی طرح امور کو سرانجام دیا کرے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تم میرے ماموں ہو، میں تمہارے امور کی نگرانی کروں گا اور میں ہی تمہارا نقیب ہوں گا"۔ حضور ﷺ نے ناپسند فرمایا کہ وہ کسی ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو مخصوص فرمائیں یہ وہ شرف تھا جسے بنونجار اپنی قوم کے سامنے فخر سے بیان کرتے تھے کہ حضور ﷺ ان کے نقیب تھے۔

انہوں نے وہ حدیث روایت کی ہے جس میں حضور ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے کی سزا کا ذکر ہے۔ روایت ہے کہ فتح مکہ کے سال حضور ﷺ نے حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ کو جھنڈا باندھ کر دیا اور حکم دیا کہ وہ اعلان کریں جو شخص حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے آجائے گا وہ محفوظ ہوگا۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ

ابن اسحاق نے حضرت حاطب اور حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہما کی مواخات کا ذکر کیا ہے انہوں نے حضرت حاطب کو بنواسد کا حلیف کہا ہے۔ ایک اور سیرت نگار لکھتے ہیں کہ وہ عبید اللہ بن حمید بن زہیر بن اسد بن عبدالعزیٰ کے غلام تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا تعلق بنومذحج سے تھا مگر مشہور یہ ہے کہ ان کا تعلق بنولخم بن عدی سے تھا۔ ابوبلتعہ کا نام عمرو بن اشد بن معاذ تھا۔ بلتعہ اہل عرب کے اس قول سے مشتق ہے۔ تَبَلْتَعَ الرَّجُلُ (آدمی نے مذاق کیا)۔

اذان کا آغاز

ابن اسحاق کہتے ہیں جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ میں مطمئن ہو گئے آپ ﷺ کے مہاجر بھائی بھی وہاں جمع ہو گئے، انصار بھی شیرازہ بند ہو گئے۔ اسلام کی بنیادیں بھی مستحکم ہو گئیں تو نماز کی ادائیگی پر سکون انداز سے ہونے لگی۔ زکوٰۃ اور روزے فرض ہوئے۔ حدود قائم ہوئیں حرام و حلال کے احکامات نازل ہوئے۔ اسلام کا اجالا پھیلنے لگا۔ انصار کے شہر کو دارِ ہجرت بننے کا شرف مل گیا اور ایمان ان کے دلوں میں جاگزیں ہو گیا۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلائے بغیر ہی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو جاتے۔ حضور ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ نماز کے وقت اس طرح بگل بجایا جائے جس طرح یہود نماز کے وقت کے لئے بگل بجاتے ہیں، پھر

اذان کی ابتداء

ابن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبدربہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے مگر اکثر اہل نسب نے زید بن عبدربہ کہا ہے، ثعلبہ زید کا بھائی تھا۔

جب حضور نبی محترم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو بعض نے کہا ''نصاریٰ کی طرح ناقوس بجایا جائے'' بعض نے کہا ''یہودیوں کی طرح بگل بجایا جائے''۔ دیگر سیرت نگاروں نے ''شبور'' کا ذکر بھی کیا ہے، اصمعی نے مفضل سے ایک شعر کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہا۔ لَوْ نَضَحْتَ فِي الشَّبُّوْرِ مَا نَفَعَكَ تَكَلَّمْ كَلَا مَ النَّبْلِ وَ اَصَبَ۔ بعض نے ''قنع'' کا ذکر بھی کیا ہے بعض نے اسے ''قبع'' کہا ہے مگر ''قنع'' زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ اَقْنَعَ صَوْتَهٗ سے مشتق ہے یعنی اس نے آواز بلند کی۔ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا ''ہم آگ جلا کر بلند کریں گے جب لوگ اسے دیکھیں گے تو وہ نماز کے لئے آجائیں گے''۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا ہم ایک شخص کو بھیجیں گے جو نماز کا اعلان کرے گا۔ ابھی مشاورت جاری تھی کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے وہ خواب دیکھا جس کا ذکر ابن اسحاق نے کیا ہے جب انہوں نے حضور ﷺ کو یہ خواب بتایا اور آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ یہ کلمات حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سکھا دو تو انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! ﷺ میں نے یہ کلمات خواب میں سنے ہیں میں پسند کرتا ہوں کہ میں ہی اذان کہوں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''حضرت بلال اذان دیں گے اور تم اقامت کہو گے''۔

آپ ﷺ نے یہ ناپسند فرمایا اور ناقوس کا حکم دیا تا کہ مسلمانوں کو نماز کے لئے بلایا جائے۔ ناقوس تیار کرنے کا اہتمام ہونے لگا۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا خواب

حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ابھی مشاورت ہی کر رہے تھے کہ حضرت عبداللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبد ربہ رضی اللہ عنہ (بلحارث بن خزرج سے) نے خواب میں اذان سنی۔ وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ! ﷺ آج رات خواب میں ایک شخص میرے پاس سے گزرا اس نے دو سبز کپڑے زیب تن کر رکھے تھے اس کے ہاتھ میں ناقوس تھا

اس حدیث مبارک میں ایک مسئلہ یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ اگر ایک شخص اذان دے تو دوسرا اقامت کہہ سکتا ہے۔ یہ حدیث حضرت زیاد بن عبداللہ صدائی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے معارض ہے جس میں حضور ﷺ نے ان سے فرمایا۔ مَنْ اَذَّنَ فَهُوَ اَحَقُّ اَنْ يُّقِيْمَ جو اذان دے وہ ہی اقامت کہنے کا زیادہ مستحق ہے۔ اس حدیث کی سند میں عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم افریقی ہے یہ ضعیف ہے۔ پہلا نقطہ نظر درست ہے۔

انصار کا خیال ہے کہ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ خواب دیکھا تو وہ بیمار تھے۔ اگر وہ مریض نہ ہوتے تو حضور ﷺ ضرور انہیں اذان کا حکم دیتے۔ اذان مسلمانوں میں سے ایک شخص کو نیند میں کیوں سکھائی گئی'' ۔ دیگر عبادات اور احکام شرعیہ کی طرح اس کی وحی نبی اکرم ﷺ پر کیوں نہ ہوئی؟ حضور ﷺ نے فرمایا ''اِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ۔ یہ سچا خواب ہے''۔ پھر اذان کی بنیاد اسی خواب پر رکھی گئی۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی تھی یا نہیں؟ اس حدیث میں تو کوئی نہیں دلیل ہے کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان وحی کی وجہ سے تھا۔ حضور ﷺ نے اذان کیوں نہ دی۔ کیا ساری زندگی میں ایک مرتبہ بھی آپ ﷺ نے اذان دی یا نہیں؟

علماء نے اس میں بہت سی حکمتیں بیان کی ہیں، اذان کو ایک مؤمن کے خواب کے ساتھ مختص کرنے میں وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے شب معراج ساتوں آسمانوں کے اوپر اذان سنی تھی، یہ وحی سے قوی تر ہے۔ جب مدینہ طیبہ آمد تک اذان کی فرضیت متاخر ہوئی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے لوگوں کو نماز کے اوقات کے متعلق بتانے کا ارادہ کیا تو وحی میں توقف رہا حتیٰ کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھ لیا۔ وہ خواب اس اذان سے بالکل موافقت رکھتا تھا جسے حضور ﷺ نے آسمانوں کے اوپر سنا تھا اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا، ان شاء اللہ یہ سچا خواب ہے۔ اس وقت آپ ﷺ کو

میں نے اس سے کہا "اے اللہ کے بندے! کیا تو یہ ناقوس بیچے گا؟" اس نے پوچھا "تم یہ لے کر کیا کرو گے" میں نے کہا۔ ہم اس سے نماز کے لئے بلایا کریں گے، اس نے کہا تمہاری راہ

اللہ تعالیٰ کی منشاء معلوم ہوئی کہ اس نے آسمانوں کے اوپر اذان کیوں سنائی تھی تا کہ وہ زمین میں سنت ہو جائے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی خواب میں اذان سن لی جس سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے خواب کو تقویت ملی کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر حق جاری تھا۔

حکمت الٰہیہ کا تقاضا بھی یہی تھا کہ اذان حضور ﷺ کے علاوہ کسی اور مؤمن کی زبان سے جاری ہو کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے عبد کامل کی تعظیم تھی اور اس کے ذکر کی رفعت تھی اور عظمت و رفعت کا اعلان اگر دوسرے لوگ کریں تو اس سے شان کا اظہار زیادہ ہوتا ہے ارشاد ربانی ہے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (انشراح) "اور ہم نے بلند کر دیا آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو"۔ یہ بھی رفعت ذکر کی ایک عظیم صورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے کی زبان پر آپ ﷺ کی تعریف جاری کی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس حدیث مبارک کو کس نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ اذان کا مشاہدہ ساتویں آسمان کے اوپر کرایا گیا ہم اسے جواب دیں گے کہ یہ حدیث مسند ابی بکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار میں ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ کو اذان کی تعلیم دینے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ کی بارگاہ میں حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے۔ ان کے ہمراہ براق تھا جب حضور ﷺ اس براق پر سوار ہونے لگے تو وہ مچلنے لگا۔ حضرت جبرائیل نے اس سے کہا پرسکون ہو جا اللہ کی قسم! آج تک تجھ پر کوئی ایسا شخص سوار نہیں ہوا جو بارگاہ ربوبیت میں محمد عربی ﷺ سے زیادہ معزز و محترم ہو۔ حضور ﷺ براق پر سوار ہو گئے وہ حضور ﷺ کو لے کر وہاں پہنچا جہاں صرف ایک حجاب تھا۔ حضور ﷺ وہاں تشریف فرما تھے کہ حجاب سے ایک فرشتہ نکلا حضور ﷺ نے پوچھا اے جبرائیل! یہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ تمام مخلوق سے زیادہ قرب خداوندی مجھے حاصل ہے میں نے آج پہلی مرتبہ اس فرشتے کو دیکھا ہے اس فرشتے نے کہا، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، پردے کے پیچھے سے اسے جواب دیا گیا "میرے بندے نے سچ کہا ہے میں ہی سب سے بڑا ہوں میں ہی سب سے بڑا ہوں" پھر فرشتے نے کہا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ پردے کے پیچھے سے آواز آئی "میرے بندے نے سچ کہا ہے میں ہی معبود ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں"۔ فرشتے نے کہا اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ پردے کے پیچھے سے کہا گیا "میرے بندے نے سچ کہا ہے میں نے ہی محمد عربی ﷺ کو مبعوث کیا ہے" فرشتے نے کہا

نمائی اس سے بہتر چیز کی طرف نہ کروں میں نے کہا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا "کہو اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ۔ حَيَّ

حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ۔ پھر اس نے کہا اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ پردے کے پیچھے سے آواز آئی "اَنَا اَكْبَرُ، اَنَا اَكْبَرُ میں ہی بڑا ہوں، میں ہی بڑا ہوں" پھر فرشتے نے کہا "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" پردے کے پیچھے سے کہا گیا "میرے بندے نے سچ کہا ہے میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر فرشتے نے حضور ﷺ کے دست اقدس کو پکڑا اور آپ ﷺ کو مصلی امامت پر کھڑا کر دیا، آپ ﷺ نے تمام اہل آسمان کو امامت کرائی ان میں حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما بھی موجود تھے۔ ابو جعفر محمد بن علی کہتے ہیں "اس روز اللہ تعالیٰ نے تمام اہل آسمان اور اہل زمین پر حضور ﷺ کی فضیلت کو مکمل کر دیا"۔

حضرت امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہ حدیث مبارک صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ شب معراج کی دیگر احادیث اس کی تائید بھی کرتی ہیں اور اس کے ساتھ مشابہت بھی رکھتی ہیں اور اسراء کی حدیث نماز کے تمام اسرار نہاں کو عیاں کرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز کو جو بندے کی رب کے ساتھ مناجات ہے زمین پر فرض نہ کیا بلکہ حضرۃ الٰہیۃ میں اسے فرض کیا گیا۔ بیت المعمور کے پاس یہ فرض ہوئی ہم نے اس کی کچھ وضاحت پہلے کر دی ہے۔ اگر اس کے ساتھ وہ حدیث بھی ملا لی جائے جسے امام بزار نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے اور جس کا تذکرہ ابھی ہوا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ روایت ہے کہ شب معراج حضور ﷺ ایسے ملائکہ کے پاس سے گزرے جو قیام میں تھے۔ کچھ ملائکہ کے پاس سے گزرے وہ رکوع میں تھے اور بعض سجدہ اور بعض قعدہ میں تھے، تمام اللہ تعالیٰ کیلئے نماز ادا کر رہے تھے۔ حضور ﷺ پر فرض کردہ نماز میں تمام احوال کو جمع کر دیا گیا، جب آپ ﷺ مقام "دَنَا فَتَدَلّٰی" پر پہنچے تو الہام ہوا کہ یوں عرض کریں۔ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ۔ ملائکہ نے کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔ حضور ﷺ نے فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔ ملائکہ نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ تشہد میں یہ تمام کلمات جمع کر دیئے گئے۔ ذرا غور و فکر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح حضور ﷺ اور امت محمدیہ پر مشروع فرمایا کہ وہ شب و روز میں نو مرتبہ پانچوں نماز میں نو قعدوں میں "التحیات" کے بعد یہ کہیں۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔ وہ بارگاہِ ربوبیت سے خود بھی مبارک اور پاکیزہ سلام لیتے ہیں اور دوسرے لوگوں پر بھی سلام بھیجتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے۔

عَلَى الْفَلَاحِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو یہ خواب سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا

''ان شاءاللہ! یہ ایک سچا خواب ہے بلال کو اذان کے کلمات سکھا دو وہ تم سے زیادہ بلند آواز ہیں''

جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اسے سن لیا وہ اپنے گھر میں تشریف فرما تھے۔ وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے کے لئے تیزی سے گھر سے

فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ ''تو سلامتی کی دعا دو اپنوں کو وہ دعا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے''۔ اسی لئے شاید حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے۔ ''اَلطَّيِّبَاتُ الْمُبَارَكَاتُ''۔ ذرا غور کرو کہ کس طرح نو مرتبہ سلام کیا اور لیا جاتا ہے۔ ساتوں آسمانوں کے ملائکہ کو یہ سلام کرتے ہیں وہ بھی سلام کا جواب دیتے ہیں، اسی طرح کرسی اور عرش کے ملائکہ بھی انہیں سلام کا جواب دیتے ہیں یہ بھی تعداد نو ہو گئی اس طرح تشہد کو نماز میں اتنی ہی مرتبہ رکھا گیا جتنی مرتبہ ایک بندہ سلام کرتا ہے اور اسے سلام کا جواب دیا جاتا ہے، یہ تمام بارگاہِ ربوبیت کی طرف سے مبارک ''تحیات'' ہیں، ہم نے یہ تمام نکات سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ کی شرح میں رقم کر دیئے ہیں، جن کا ہم نے تذکرہ کیا ہے اگر انہیں دوسرے نکات سے ملایا جائے تو نماز کے اسرار پنہاں اور فوائد جلیلہ عیاں ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح شب معراج کی احادیث میں بہت سے اسرار ہیں۔ اسی طرح اذان میں بھی بہت سے لطیف معانی اور حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ تکبیر سے اذان کا آغاز اور اسی سے اس کا اختتام کرنے میں حکمت اور اس کے تکرار میں بھی حکمت ہے۔ اذان کے آغاز میں اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اختتام میں صرف لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ذکر کرنے میں حکمت ہے۔ ان تمام میں اللہ تعالیٰ کی ایسی ایسی حکمتیں پوشیدہ ہیں جو سینوں کو ہیبت اور دلوں کو نورِ محبت سے بھر دیتی ہیں، اسی طرح نماز کے شفع اور وتر میں اس کے ارکان میں تکبیر، آغاز میں رفع یدین، بیت اللہ کی طرف منہ کرنے اور اس کے لئے وضوء کرنے میں ایسی حکمتیں اور لطیف معانی ہیں جو سینے کی ٹھنڈک میں اضافہ کرتے ہیں، وہ چشم بصیرت کو ضیاء اور نور کا سرمہ لگاتے ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں کہ ہم اس میں فلسفیوں کی طرح یا بدعتیوں کی طرح کوئی رائے قائم کریں۔ یا ایسی رائے قائم کریں جو دلیل شرعی کے بغیر ہو بلکہ یہ تو ایسے اسرار ہیں جن کے متعلق کتاب و سنت اور شریعت میں اشارات ملتے ہیں وہ ایک دوسرے کی تائید و تصدیق کرتے ہیں۔ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (النساء) ''اور (اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ) اگر وہ غیر اللہ کی

نکلے ان کی چادر نیچے گھسٹتی جارہی تھی۔ وہ عرض کناں تھے، ''یا رسول اللہ! ﷺ مجھے اس ذات کی قسم! جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، میں نے بھی اسی قسم کا خواب دیکھا ہے حضور ﷺ نے فرمایا، ''لِلّٰهِ الْحَمْدُ عَلٰی ذَالِكَ''۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ ابن جریج نے کہا ہے کہ مجھے حضرت عطاء نے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں ''میں نے حضرت عبید بن عمیر سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نماز کے لئے جمع ہونے کے لئے ''ناقوس'' کے متعلق مشورہ کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ناقوس کے لئے لکڑیاں خریدنا ہی چاہتے تھے کہ انہوں نے خواب دیکھا کسی کہنے والے نے ان سے کہا۔'' ناقوس بجانے کا مشورہ نہ کرو بلکہ نماز کے لئے اذان دیا کرو''۔ حضور ﷺ کو اپنا خواب بیان کرنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے لیکن اس وقت اذان کے متعلق وحی نازل ہو چکی تھی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دے رہے تھے۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے اپنا خواب عرض کیا تو آپ ﷺ نے

طرف سے (بھیجا گیا) ہوتا تو ضرور پاتے اس میں اختلاف کثیر''۔ لیکن ہم نے ایسے اسرار کو بیان کرنے سے خود ہی اعراض کیا ہے کیونکہ ہمارا ایک اور مقصود ہے جسے ہم نے کتاب کے آغاز میں ذکر کر دیا ہے، ہم نے وہاں قاری سے وعدہ کیا تھا کہ ہم مشکل الفاظ کی شرح، نسبوں کی تفصیل اور آداب کے متعلق لکھیں گے۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ (یوسف:۱۸) ''اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگوں گا''۔

ابن اسحاق کی روایت سے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا خواب اور اس کی کیفیت معلوم ہو گئی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کس طرح اذان سنی اس کی کیفیت معلوم نہ ہو سکی۔ صرف اسی قدر تذکرہ ملتا ہے کہ میں نے بھی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی طرح خواب دیکھا لیکن مسند حارث میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ حارث بن ابی اسامہ نے اپنی سند میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''سب سے پہلے آسمان دنیا پر حضرت جبرائیل نے اذان دی، حضرت عمر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما نے اسے سنا'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پہلے بارگاہِ رسالت میں پہنچ گئے اور اس کے متعلق عرض کی حضور ﷺ نے حضرت بلال سے کہا ''تم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سبقت لے گئے ہیں''۔

اس حدیث مبارک کا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اذان عالم بیداری میں سنی اس طرح حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی نینداور بیداری کے مابین تھے وہ کہتے تھے اگر میں چاہوں تو میں کہہ سکتا ہوں کہ میں بیداری کے عالم میں تھا۔

ان سے فرمایا اس مسئلہ میں وحی تم سے سبقت لے گئی ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے حضرت عروہ بن زبیر سے اور وہ بنونجار کی ایک عورت سے روایت کرتے ہیں، وہ خاتون کہتی ہیں "میرا گھر ان تمام گھروں سے بلند تھا جو مسجد نبوی کے گردونواح میں تھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہر صبح اذان اسی کی چھت پر کھڑے ہو کر دیتے تھے۔ وہ سحری کے وقت آتے چھت پر بیٹھ کر فجر کا انتظار کرتے۔ جب فجر کو پھیلتے ہوئے دیکھتے تو کہتے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَحۡمَدُكَ وَاسۡتَعِيۡنُكَ عَلٰی قُرَيۡشٍ اَنۡ يُقِيۡمُوۡا عَلٰی دِيۡنِكَ۔ مولا! میں تیری حمد وثنا کرتا ہوں قریش کے خلاف تجھ سے مدد کا طلب گار ہوں مگر یہ کہ وہ تیرے دین پر کھڑے ہو جائیں"۔ وہ خاتون فرماتی ہیں، "مجھے یاد نہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگنا ایک رات بھی ترک کیا ہو"۔

حضرت ابوقیس بن ابی انس رضی اللہ عنہ

جب نبی محترم ﷺ کو مدینہ طیبہ میں قدرے اطمینان وسکون ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں اپنے دین متین کو غلبہ عطا فرمایا۔ مہاجرین وانصار (رضی اللہ عنہم) کو وہاں جمع فرما کر حضور ﷺ کو قلبی سکون عطا فرمایا تو ابوقیس صرمہ بن ابی انس (ان کا تعلق بنوعدی بن نجار سے تھا) نے کہا۔

کیا حضور اکرم ﷺ نے کبھی خود اذان دی۔ امام ترمذی نے عمر بن رماح کی سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے سفر میں اذان دی اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو امامت کرائی وہ اپنی اپنی سواریوں پر ہی رہے آسمان ان کے اوپر اور زمین ان کے نیچے تھی۔

بعض لوگوں نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ نے خود اذان دی، دار قطنی نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے مگر انہوں نے عمر بن رماح کا ذکر نہیں کیا، باقی سند اور متن میں موافقت کی ہے، انہوں نے لکھا ہے، فَقَامَ الْمُؤَذِّنُ فَاَذَّنَ۔ موذن اٹھا اور اذان دی انہوں نے یہ نہیں لکھا کہ موذن حضور ﷺ تھے۔ متصل حدیث مجمل اور محتمل کے خلاف فیصلہ دے رہی ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابوقیس صرمہ بن ابی انس رضی اللہ عنہ

ابوانس کا نام قیس بن صرمہ بن مالک بن عدی بن عمرو بن غنم بن عدی بن نجار تھا ان کے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق ہی یہ آیت نازل ہوئی۔ اُحِلَّ لَكُمۡ لَيۡلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِكُمۡ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ تَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ فَتَابَ عَلَيۡكُمۡ وَ

ابن ہشام کہتے ہیں، ابوقیس کا نسب یہ ہے صرمہ بن ابی انس بن صرمہ بن مالک بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار۔

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضرت ابوقیس رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت میں رہبانیت اختیار کر لی تھی۔ انہوں نے موٹے کپڑے پہن لئے اور بتوں سے کنارہ کش ہو گئے۔ جنابت سے غسل کرنے لگے اور حیض والی عورتوں سے دور رہنے لگے۔ پہلے نصرانی ہو جانے کا سوچا لیکن پھر یہ ارادہ ترک کر دیا۔ اپنے ایک کمرہ میں داخل ہو گئے اسے ہی اپنی مسجد بنا لیا، حائضہ اور جنبی کو وہاں جانے کی کوئی اجازت نہ تھی، وہ کہتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے رب کی عبادت کرتا ہوں۔ انہوں نے بت پرستی کو چھوڑ دیا اور اس سے سخت نفرت کرنے لگے۔ جب تاجدارِ

عَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا (بقرہ:۱۸۷)

آیت کا پہلا حصہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دوسرا حصہ حضرت ابوقیس رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آغازِ اسلام میں رمضان المبارک میں سونے کے بعد عورتوں سے جماع کرنا حرام تھا۔ اسی طرح سونے کے بعد کھانا، پینا بھی حرام تھا۔ ایک رات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ سے وظیفۂ زوجیت ادا کرنا چاہا، انہوں نے کہا میں سو چکی ہوں" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا" تو جھوٹ بول رہی ہے"، پھر وظیفۂ زوجیت ادا کر دیا۔ حضرت ابوقیس رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں کام کر رہے تھے، روزہ رکھا ہوا تھا، تھکاوٹ نے نڈھال کر دیا۔ افطاری سے پہلے ہی سو گئے۔ آپ کی زوجہ کھانا لے کر آئیں تو دیکھا کہ حضرت ابوقیس رضی اللہ عنہ سو چکے تھے ان کی بیوی نے کہا اب آپ کیلئے کھانا پینا حرام ہو چکا ہے۔ انہوں نے اسی طرح رات گزار دی اور صبح پھر اپنے باغ میں کام کرنے چلے گئے۔ وہاں سے حضور ﷺ کا گزر ہوا۔ حضرت ابوقیس پر لاغری اور ناتوانی کے اثرات نمایاں تھے۔ بھوک، پیاس اور تھکاوٹ نے نڈھال کر دیا تھا۔ حضور ﷺ کے استفسار پر انہوں نے ساری داستان بیان کر دی جسے سن کر نبی رحمت ﷺ کی چشمانِ مقدس سے آنسو رواں ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے رات کو کھانے پینے اور جماع کی رخصت دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی وجہ سے آیت کا آغاز ان کی حکایت سے ہوا اور فرمایا فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ (آیت:۱۸۷) پھر حضرت ابوقیس رضی اللہ عنہ کی داستان کے متعلق فرمایا وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا۔ صوفیاء کے بعض سرخیل فرماتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے خطاء ہوئی اور اس کے سبب تمام امت پر رحم ہو گیا۔

مدینہ ﷺ مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے تو اسلام قبول کرلیا اور اپنے اسلام کو عمدہ کیا۔ ابوقیس بہت عمر رسیدہ تھے، وہ زمانہ جاہلیت میں اللہ تعالیٰ کے بارے اشعار کہتے تھے۔ وہ اپنے اشعار میں کہتے ہیں:

يَقُوْلُ اَبُوْ قَيْسٍ وَاَصْبَحَ غَادِيًا ... أَلَا مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ وَصَاتِيَ فَافْعَلُوْا

فَاُوْصِيكُمْ بِاللّٰهِ وَالْبِرِّ وَالتُّقٰى ... وَاَعْرَاضِكُمْ وَالْبِرُّ بِاللّٰهِ اَوَّلُ

وَ اِنْ قَوْمُكُمْ سَادُوْا فَلَا تَحْسُدُوْنَهُمْ ... وَ اِنْ كُنْتُمْ اَهْلَ الرِّيَاسَةِ فَاعْدِلُوْا

صبح کے وقت ابوقیس نے کہا "ارے! تم میں جتنی قدرت ہے اتنا ہی میری نصیحتوں پر عمل کر لو۔ میں تمہیں اللہ کے احکام پر عمل پیرا ہونے، نیکی اور تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں نیز اپنی عزتوں کی پاسداری کرو۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نیکی کرنا سب سے مقدم ہے۔ تمہاری قوم کے کچھ لوگ سردار بن گئے ہیں ان سے حسد نہ کرو اور اگر تمہیں اقتدار مل جائے تو عدل کرو"۔

وَاِنْ نَزَلَتْ اِحْدَى الدَّوَاهِي بِقَوْمِكُمْ ... فَاَنْفُسَكُمْ دُوْنَ الْعَشِيْرَةِ فَاجْعَلُوْا

وَ اِنْ تَابَ غُرْمٌ فَادِحٌ فَارْفُقُوْهُمْ ... وَ مَا حَمَّلُوْكُمْ فِي الْمُلِمَّاتِ فَاحْمِلُوْا

وَ اِنْ اَنْتُمْ اَمْعَرْتُمْ فَتَعَفَّفُوْا ... وَ اِنْ كَانَ فَضْلُ الْخَيْرِ فِيْكُمْ فَافْضِلُوْا

اگر تمہاری قوم پر ناگہانی آفت آجائے تو اپنی جانوں کو اپنے قبیلہ پر نثار کر دو۔ اگر بہت

وَالْبِرُّ بِاللّٰهِ اَوَّلُ

اَلْبِرُّ مبتداء ہے اور اَوَّلُ اس کی خبر ہے، ظاہراً احتمال تو یہ ہے کہ اول ظرف ہو اور اَلْبِرُّ کی خبر ہو مگر وہ ظروف جو مبنی برضمہ ہوں ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ مبتداء کی خبر ہوں تو اس طرح نہیں کہہ سکتا، اَلصَّلٰوةُ قَبْلُ۔ مگر اَلصَّلٰوةُ قَبْلُ كَذَا کہنا درست ہے، اسی طرح وَالْخُرُوْجُ بَعْدُ کہنا بھی درست نہیں مگر اَلْخُرُوْجُ بَعْدُ كَذَا کہنا درست ہے۔ اس میں ایک دقیق راز ہے۔ ابن جنی نے جس کا سرسری تذکرہ کیا ہے تفصیل نہیں لکھی۔ جو بات ان ظروف کو اس طرح استعمال کرنے سے روکتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ غایات ہیں ان کے عامل افعال وہی ہوتے ہیں جو ان سے پہلے ذکر ہوتے ہیں کیونکہ یہ پہلے افعال کے لئے غایات ہوتے ہیں اگر ان کے ساتھ ایسا فعل نہ ہو جو ان میں عمل کر رہا ہو تو یہ ذکر کردہ شئی کے لئے غایت نہ ہوگا اس میں عامل معنوی ہوگا اور وہ عامل "استقرار" ہے یہ معنوی طور پر کسی دوسری چیز کی طرف مضاف ہے اس کا مضاف الیہ معنوی ہے لفظی نہیں ہے ایک معنوی عامل دوسرے معنوی عامل پر دلالت نہیں کرتا۔ اس پر ظاہری لفظی عامل ہی دلالت کرتا ہے۔ اَوَّلُ پر ضمہ اعراب کی

بھاری تاوان آ پڑے پھر بھی، ان سے نرمی کرو اور آفات میں وہ جو بھی بوجھ تم پر ڈالیں اسے اٹھا لو۔ اگر تم مفلس ہو جاؤ تو ان سے سوال نہ کرو اور اگر تمہارے پاس مال و دولت ضرورت سے زیادہ ہو تو اسے اپنی قوم پر خرچ کرو۔

ابن ہشام کہتے ہیں، ایک روایت کے مطابق وَاِنْ نَابَ اَمْرٌ فَادِحٌ فَارْفِدُوْهُمْ ہے۔

حضرت ابوقیس کا دوسرا قصیدہ

سَبِّحُوا اللّٰهَ شَرْقَ كُلِّ صَبَاحٍ طَلَعَتْ شَمْسُهٗ وَ كُلَّ هِلَالٍ
عَالِمُ السِّرِّ وَالْبَيَانِ لَدَيْنَا لَيْسَ مَا قَالَ رَبُّنَا بِضَلَالٍ
وَ لَهُ الطَّيْرُ تَسْتَرِيْدُ وَ تَاْوِيْ فِي وُكُوْرٍ مِنْ آمِنَاتِ الْجِبَالِ

ہر روز فجر کے ظہور کے وقت، طلوع آفتاب کے وقت اور چاند کے نکلنے کے وقت اس کی تسبیح بیان کرو، ہمارے نزدیک وہ ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے، ہمارے رب کا فرمان کبھی گمراہی و ضلالت نہیں ہو سکتا، پرندے اسی کے لئے جھکتے ہیں اور وہ پر امن پہاڑوں میں اپنے گھونسلوں میں رہتے ہیں۔

وَلَهُ الْوَحْشُ بِالْفَلَاةِ تَرَاهَا فِي حِقَافٍ وَ فِي ظِلَالِ الرِّمَالِ

حرکت ہے، بناء کی حرکت نہیں اگر کہا جاتا اِبْدَاْ بِالْبِرِّ اَوَّلُ اول پر ضمہ مبنی ہونے کی وجہ سے ہوتا مگر جس نے اس طرح روایت کیا ہے وَالْبِرِّ بِاللّٰهِ اَوَّلُ (بر کی راء پر کسرہ ہے) تو اس صورت میں اول مبنی برضمہ ظرف ہے جس میں اُوْصِيْكُمْ عمل کر رہا ہے۔ اَمْعَرْتُمْ کا معنی ہے جب تمہیں فقر و فاقہ کا سامنا کرنا پڑے

سَبِّحُوا اللّٰهَ شَرْقَ كُلِّ صَبَاحٍ

الشرق سے مراد طلوع آفتاب ہے سورج کا ایک نام شرق بھی ہے۔ اسے شَرَقَ بھی پڑھا گیا ہے۔ كُلَّ هِلَالٍ ظرف کی وجہ سے منصوب ہے یعنی وَقْتَ كُلِّ هِلَالٍ۔ لیکن كُلَّ قَمَرٍ میں اس طرح جائز نہیں کیونکہ اہل عرب "الْهِلَالُ" کو کبھی کبھی مصدر کی جگہ پر بھی استعمال کر لیتے ہیں مثلاً "اللَّيْلَةَ الْهِلَالُ" اس لئے اس کا ظرف بننا صحیح ہے کیونکہ مصادر کبھی کبھی ظرف بھی بنتے ہیں۔ اس میں کئی راز ہیں جن کو بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ اگر صباح پر عطف کر کے "كُلِّ هِلَالٍ" پڑھا جاتا تو یہ درست نہ ہوتا کیونکہ "الشَّرْقُ" جس طرح الصَّبَاح کی طرف مضاف ہوتا ہے اس طرح "الْهِلَال" کی طرف مضاف نہیں ہو سکتا۔

وَلَهٗ هَوَّدَتْ يَهُوْدُ وَدَانَتْ كُلَّ دِيْنٍ اِذَا ذَكَرْتَ عُضَالِ
وَلَهٗ شَمَّسَ النَّصَارٰى وَ قَامُوْا كُلَّ عِيْدٍ لِرَبِّهِمْ وَاحْتِفَالِ

وہ جانور جنہیں تو جنگلات، ریت کے تودوں اور ٹیلوں کے سایوں میں دیکھتا ہے وہ سب اسی کی ملکیت ہیں۔ یہودیوں نے اسی کی طرف ہی رجوع کیا ہے اور پوری طرح اس کی اطاعت کی ہے اس کے علاوہ تو جس دین کا بھی ذکر کرے گا وہ مرض لا علاج ہوگا۔ اسی ذات کے لئے عیسائیوں نے دھوپ تاپی اور عید اور ہر محفل میں اپنے رب کے حضور ایستادہ رہے۔

وَلَهٗ الرَّاهِبُ الْحَبِيْسُ تَرَاهُ رَهْنَ بُؤْسٍ وَ كَانَ نَاعِمَ بَالِ
يَا بَنِيَّ الْاَرْحَامِ لَا تَقْطَعُوْهَا وَصِلُوْهَا قَصِيْرَةً مِنْ طِوَالِ
وَاتَّقُوْا اللّٰهَ فِي ضِعَافِ الْيَتَامٰى رُبَّمَا يُسْتَحَلُّ غَيْرُ الْحَلَالِ

اسی کے لئے تو تارک الدنیا راہب کو دیکھے گا کہ وہ بھوک اور محتاجی میں مبتلا ہے حالانکہ وہ آرام وسکون سے تھا۔ اے میرے بچو! قطع تعلق نہ کرو، صلہ رحمی کرو تمہارے لوگ عظیم خاندان

شَمَّسَ النَّصَارٰى

اس سے شماستہ کا دین مراد ہے یہ وہ راہب تھے جو اپنے آپ کو دھوپ میں کھڑا رکھتے تھے وہ اپنے گمان کے مطابق اس طرح اپنے نفوس کو عذاب دیتے تھے۔

اَلْاَرْحَامَ کو منصوب پڑھنا بہتر ہے کیونکہ یہ نہی کا مقام ہے۔ ہم نے اپنی دوسری تصنیف میں لکھا ہے کہ رحم الارحام کا مادۂ اشتقاق کیا ہے اور رحم مادر کو رحم اسی لئے کہا جاتا ہے کیونکہ ماں اپنے بچے پر انتہائی شفیق ہوتی ہے۔ حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام کی تخلیق کے وقت سے ہی ''ماں'' میں رحم و شفقت کے جذبات رکھے گئے ہیں۔ ہم نے وہاں لکھا ہے کہ حسن سلوک میں تو والدہ کا حصہ زیادہ ہے لیکن میراث میں والد کا حصہ زیادہ ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ اس میں کئی اسرارِ بدیعہ اور لطیف معانی پوشیدہ ہیں، ہم نے ''کتاب الفرائض'' میں ان کا تذکرہ کر دیا ہے۔

قَصِيْرَةً مِنْ طِوَالِ

اس مختصر سی عبارت کے دو مفہوم ہوسکتے ہیں۔ ا۔ رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرو ان سے حسن سلوک کرو اگرچہ وہ اس سے قاصر بھی ہوں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی ازواجِ مطہرات سے کہا۔ ''تم میں سے سب سے پہلے مجھے وہ ملے گی جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے''۔ ازواج مطہرات

سے ہیں۔ کمزور یتیموں کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ بعض اوقات اس چیز کو حلال سمجھ لیا جاتا ہے جو حلال نہیں ہوتی۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّ لِلْيَتِيْمِ وَلِيًّا عَالِمًا يَهْتَدِيْ بِغَيْرِ السُّؤَالِ
ثُمَّ مَالَ الْيَتِيْمِ لَا تَاكُلُوْهُ اِنَّ مَالَ الْيَتِيْمِ يَرْعَاهُ وَالِيْ
يَا بَنِيَّ التُّخُوْمَ لَا تَخْزِلُوْهَا اِنَّ خَزْلَ التُّخُوْمِ ذُوْ عُقَّالٍ

خوب جان لو کہ یتیم کا بھی ایک ولی ہے۔ وہ ہر چیز سے آگاہ ہے اور بغیر پوچھے ہر چیز سے آشنا ہوتا ہے۔ یتیم کا مال ہرگز نہ کھاؤ کیونکہ اس کے مال کی نگرانی ایک حاکم کرتا ہے۔ اے

رضی اللہ عنہن ایک جگہ جمع ہو کر اپنے ہاتھوں کی پیمائش کرنے لگیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ طویل تھے مگر ان میں سے سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے وصال فرمایا۔ حضور ﷺ نے ہاتھ کی طوالت سے صدقہ اور نیکی میں زیادتی مراد لی تھی اور یہ خوبی حضرت زینب بنت جحش میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ ۲۔ شاعر نے یہ مصرعہ اپنی قوم کی مدح میں کہا ہو کہ وہ قوم اتنی مشہور ہے کہ تھوڑا سا نسب بیان کرنے سے ان کا تعارف ہو جاتا ہے۔ جس طرح کسی شاعر نے کہا ہے۔

اُحِبُّ مِنَ النِّسْوَانِ كُلَّ طَوِيْلَةٍ لَهَا نَسَبٌ فِي الصَّالِحِيْنَ قَصِيْرٌ

میں طویل عورتوں میں سے اس عورت کو پسند کرتا ہوں جس کا نسب پاکیزہ لوگوں میں بہت مختصر ہے۔ الطائی کہتا ہے۔

اَنْتُمْ بَنُو النَّسَبِ الْقَصِيْرِ وَ طُوْلُكُمْ بَادٍ عَلَى الْكُبَرَاءِ وَالْاَشْرَافِ

تم بہت مختصر نسب والے ہو حالانکہ تمہاری طوالت عظیم اور بڑے سرداروں پر عیاں ہے۔

نسب قصیر سے مراد یہ ہے کہ انسان کہے "اَنَا ابْنُ فُلَانٍ" اس کی فوراً پہچان ہو جائے۔ یہ سرداروں کی صفت ہوتی ہے جو سردار نہیں ہوتا اس کی پہچان اس طرح نہیں ہوتی۔ اس کے نسب کی فہرست طویل ہوتی ہے حتیٰ کہ اس شخص تک پہنچ کر اس کی پہچان ہوتی ہے جس کے نام پر قبیلے کا نام رکھا جاتا ہے، رؤبۃ کہتا ہے مجھ سے اہل نسب نے پوچھا تو کون ہے اپنا نسب بیان کر میں نے کہا رؤبۃ بن عجاج انہوں نے کہا قَصَّرْتَ وَعُرِفْتَ۔ تو نے انتہائی مختصر نسب بیان کیا مگر تیری پہچان ہو گئی۔

اَلتُّخُوْمُ

یہ تخومۃ کی جمع ہے بعض نے واحد تُخم اور جمع تُخُوْم بتائی ہے۔ اس سے مراد حدود ہیں۔ ابو حنیفہ کہتے ہیں، اَلتُّخُوْمُ کا معنی شہروں اور بستیوں کی حدود ہیں۔ یہ کھیتیوں کی حدود کے لئے استعمال

میرے بچو! زمین کی حدود میں خیانت نہ کرو کیونکہ حدود میں خیانت خائن کو پیچھے لے جاتی ہے۔

يَا بَنِيَّ الْاَيَّامَ لَا تَأْمَنُوْهَا وَاحْذَرُوْا مَكْرَهَا وَمَرَّ اللَّيَالِي

وَاعْلَمُوْا اَنَّ مَرَّهَا لِنَفَادُ الْخَلْقِ مَا كَانَ مِنْ جَدِيْدٍ وَ بَالِي

وَاجْمَعُوْا اَمْرَكُمْ عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ تَرْكِ الْخَنَا وَ اَخْذِ الْحَلَالِ

اے میرے فرزندو! زمانہ سے امن میں نہ ہو جاؤ۔ شب و روز کے مکر سے بچو۔ جان لو کہ زمانہ کی رو مخلوق کو ختم کر دیتی ہے خواہ وہ پرانی ہو یا نئی۔ نیکی، تقویٰ، فحش گوئی نہ کرنے اور حلال روزی کمانے پر اتفاق کرلو۔

اللہ نے اسلام کی وجہ سے ان پر جو بے حد نوازشات کیں اور حضور ﷺ کے وجودِ مسعود سے انہیں جو برکات ملیں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت ابوقیس کہتے ہیں۔

ثَوٰى فِي قُرَيْشٍ بِضْعَ عَشْرَةَ حِجَّةً يُذَكِّرُ لَوْ يَلْقٰى صَدِيْقًا مُوَاتِيًا

وَ يَعْرِضُ فِيْ اَهْلِ الْمَوَاسِمِ نَفْسَهٗ فَلَمْ يَرَ مَنْ يُّؤْوِي وَ لَمْ يَرَ دَاعِيًا

فَلَمَّا اَتَانَا اَظْهَرَ اللّٰهُ دِيْنَهٗ فَاَصْبَحَ مَسْرُوْرًا بِطِيْبَةَ رَاضِيًا

حضور ﷺ تقریباً دس سال قریش میں وعظ و نصیحت فرماتے رہے اس امید پر کہ شاید انہیں کوئی مخلص دوست مل جائے۔ آپ ﷺ ایامِ حج میں اپنی ذات مطہرہ لوگوں پر پیش کرتے

نہیں ہوتا۔ العِقَالُ۔ ہر وہ چیز جو انسان کو چلنے سے روک دے عقال کہلاتی ہے۔ شاعر کا مطلب یہ ہے کہ ظلم، انسان کو آگے ترقی کرنے سے روک دیتا ہے اور دوڑ میں پیچھے کر دیتا ہے اور استحقاق کے میدان اس پر تنگ کر دیتا ہے۔

افنون تغلبی

اس کا نام صریم بن معشر بن ذھل بن تیم بن عمرو بن عمرو بن مالک بن حبیب بن عمرو بن غنم بن تغلب تھا۔ امام سہیلی فرماتے ہیں کہ ابن درید کے اس مصرعے کی وجہ سے اس کا نام افنون پڑا۔ مَنَّيْتَنَا الْوُدَّ يَا اَفْنُوْنُ مَظْنُوْنٌ۔ اَفْنُوْن نرم شاخ کو کہا جاتا ہے، بڑھیا کو بھی افنون کہتے ہیں۔ یہی افنون کہتا ہے۔

لَوْ اَنَّنِيْ كُنْتُ مِنْ عَادٍ وَ مِنْ اِرَمٍ غَذِيَّ بَهْمٍ وَ لُقْمَانٍ وَ ذِي جَدَنٍ

لَمَّا وَقَوْا بِاَخِيْهِمْ مِنْ مُهَوِّلَةٍ اَخَا السُّكُوْنِ وَ لَا جَارُوْا عَنِ السَّنَنِ

اَنّٰى جَزَوْا عَامِرًا سُوْءً ى بِفِعْلِهِمْ اَمْ كَيْفَ يَجْزُوْنَنِيْ السُّوْءَ ى مِنَ الْحَسَنِ

اَمْ كَيْفَ يَنْفَعُ مَا تُعْطِي الْعَلُوْقُ بِهٖ رِئْمَانَ اَنْفٍ اِذَا مَاضُنَّ بِاللَّبَنِ

رہے لیکن آپ ﷺ نے کسی کو نہ دیکھا جو آپ ﷺ کو پناہ دیتا یا ایسا شخص نہ دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا ہوتا۔ جب آپ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دین کو غالب کر دیا۔ آپ ﷺ مدینہ طیبہ میں مسرور اور خوش ہو گئے۔

وَاَلْفٰی صَدِیْقًا اطْمَانَّتْ بِهِ النَّوٰی ۔۔۔ وَ كَانَ لَهٗ عَوْنًا مِنَ اللّٰهِ بَادِیًا

یَقُصُّ لَنَا مَا قَالَ نُوْحٌ لِقَوْمِهٖ ۔۔۔ وَ مَا قَالَ مُوْسٰی اِذْ اَجَابَ الْمُنَادِیَا

فَاَصْبَحَ لَا یَخْشٰی مِنَ النَّاسِ وَاحِدًا ۔۔۔ قَرِیْبًا وَ لَا یَخْشٰی مِنَ النَّاسِ نَائِیًا

آپ نے دوست قبیلہ پا لیا جس سے آپ ﷺ کی غریب الوطنی مطمئن ہو گئی۔ آپ ﷺ ہمارے لئے ایک عیاں معاون ثابت ہوئے۔ آپ ﷺ نے ہمیں وہی کچھ فرمایا جو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے منادی کو جواب دیا وہ بھی بیان فرماتے ہیں۔ اب آپ ﷺ لوگوں میں سے کسی ایک سے بھی نہیں ڈرتے خواہ وہ قریب ہو یا دور۔

بَذَلْنَا لَهُ الْاَمْوَالَ مِنْ حَلِّ مَالِنَا ۔۔۔ وَ اَنْفُسَنَا عِنْدَ الْوَغٰی وَالتَّاسِیَا

وَ نَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ لَا شَیْءَ غَیْرُهٗ ۔۔۔ وَ نَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ اَفْضَلُ هَادِیًا

نُعَادِی الَّذِیْ عَادٰی مِنَ النَّاسِ كُلِّهِمْ ۔۔۔ جَمِیْعًا وَ اِنْ كَانَ الْحَبِیْبُ الْمُصَافِیَا

ہم نے جنگ اور ہمدردی کے وقت آپ ﷺ پر اپنے حلال مال اور جانیں نثار کیں ہم نے جان لیا کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے اور ہم نے یہ بھی جان لیا کہ اللہ تعالیٰ سب سے

اگر میں بنو عاد یا بنو ارم، بنو بہم ولقمان اور ذی جدن میں سے ہوتا تو وہ اپنے بھائی کے عوض سکون والے کو خوفناک چیز سے نہ بچاتے اور نہ ہی وہ رستوں پر رواں ہوتے۔ انہوں نے بنو عامر کو ان کے برے فعل کی جزا کیسے دی یا انہوں نے میرے حسن سلوک کی جزا برائی سے کیسے دی وہ شخص جس کے ساتھ موت آ گئی ہو اس کو ناک کا پانی کیسے فائدہ دے سکتا ہے جبکہ دودھ دینے پر لوگ کنجوسی کا اظہار کریں۔

ابن ہشام کا یہ قول کہ مذکورہ دونوں اشعار افنون تغلبی کے ہیں مورخین نے بھی ذکر کیا ہے انہوں نے ان کے پس منظر ایک واقعہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ افنون قافلہ کے ساتھ سفر پر روانہ ہوا کارواں ایک ٹیلے کے پاس سے گزرا جس کا نام ''الھۃ'' تھا۔ اس سے قبل ایک کاہن نے افنوں کو بتایا تھا کہ وہ اسی جگہ مرے گا جب وہ قافلہ ٹیلے کے پاس پہنچا اور افنون کو اس کے متعلق علم ہوا تو اس نے وہاں سے گزرنے سے انکار کر دیا۔ مگر اہل کارواں وہاں سے گزرنے پر ہی مصر تھے۔ انہوں نے افنوں سے کہا۔ تم یہاں اپنی سواری سے نہ اترنا ہم یہاں سے بھاگ کر گزریں گے''۔ جب افنون اس ٹیلے کے قریب

افضل راہ نما ہے تمام لوگوں میں سے جس سے حضور ﷺ نے دشمنی کی ہم بھی اس کے دشمن ہیں، اگر چہ وہ دشمن جگری دوست ہی کیوں نہ ہوں۔

اَقُوْلُ اِذَا اَدْعُوْكَ فِي كُلِّ بَيْعَةٍ   تَبَارَكْتَ قَدْ اَكْثَرْتُ لِاِسْمِكَ دَاعِيًا

اَقُوْلُ اِذَا جَاوَزْتُ اَرْضًا مَخُوْفَةً   حَنَانَيْكَ لَا تُظْهِرُ عَلَيَّ الْاَعَادِيَا

فَطَأْ مُعْرِضًا اِنَّ الْحُتُوْفَ كَثِيْرَةٌ   وَ اِنَّكَ لَا تُبْقِيْ لِنَفْسِكَ بَاقِيًا

مولا! جب بھی میں مسجد میں جا کر دست سوال دراز کرتا ہوں تو میں کہتا ہوں تیری ذات کتنی بابرکت ہے اور میں نے تیرا نام کتنا پکارا ہے، جب میں کسی خوفناک جگہ سے گزرتا ہوں تو میں کہتا ہوں مولا! میں تجھ سے رحم کی التجاء کرتا ہوں مجھ پر کسی دشمن کو غالب نہ کرنا، روگرداں ہو کر یہاں سے چلا جا بلاشبہ موت کے بہت سے اسباب ہیں اور تو اپنے نفس کو ہمیشہ کیلئے باقی نہیں رکھ سکتا۔

فَوَ اللّٰهِ مَا يَدْرِي الْفَتٰى كَيْفَ يَتَّقِي   اِذَا هُوَ لَمْ يَجْعَلْ لَهُ اللّٰهُ وَاقِيًا

وَ لَا تَحْفِلُ النَّخْلُ الْمُقِيْمَةُ رَبَّهَا   اِذَا اَصْحَبَتْ رَيًّا وَ اَصْبَحَ ثَاوِيًا

اللہ کی قسم! کوئی جوان نہیں جانتا کہ وہ کیسے بچاؤ کرے؟ جب اللہ تعالیٰ اس کے لئے بچنے کا سبب نہ فرمائے ایک ایستادہ کھجور اپنے مالک کو کیسے سیراب کر سکتی ہے جب کہ وہ خود تشنہ ہو اور اس کا مالک بھی ہلاک ہو رہا ہو۔

ابن ہشام کہتے ہیں دو اشعار (۱) فَطَأْ مُعْرِضًا...... (۲) فَوَاللّٰهِ مَا يَدْرِي...... اُفْنُوْن تغلبی کے ہیں۔ اس کا نام صریم بن معشر تھا۔ یہ اشعار اس کے قصیدہ میں موجود ہیں۔

ہوا تو اس کی اونٹنی ایک سانپ پر بیٹھ گئی۔ اپنی اونٹنی کو اٹھانے کے لئے افنون نیچے اترا تو سانپ نے اسے ڈس لیا اور وہیں مر گیا۔ اس کی قبر بھی وہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ رات کے وقت وہاں سے گزرا۔ اسے اس ٹیلے کے متعلق معلوم نہ ہو سکا۔ اس پر اس کا اونٹ بیٹھ گیا جب اسے معلوم ہوا اس ٹیلے کا نام "الهة" ہے تو وہ گھبرا گیا۔ اس سے کہا گیا کہ کوئی حرج نہیں اس نے کہا۔ فَلِمَ رَبَضَ الْبَعِيْرُ، پھر اونٹ کیوں بیٹھ گیا ہے۔ اسی سے ہی یہ ضرب المثل مشہور ہوگئی۔ جب اسے موت کا یقین ہو گیا تو اس نے مذکورہ بالا شعر کہے۔ ان کے بعد یہ شعر ہے۔

كَفٰى حَزَنًا اَنْ يَرْحَلَ الرَّكْبُ غُدْوَةً   وَ اُتْرَكُ فِي جَنْبِ الْاِلٰهَةِ ثَاوِيًا

غمگین ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ صبح کارواں تو عازمِ سفر ہو جائے گا لیکن میں "الهة" کے پہلو میں مردہ پڑا ہوں گا۔

یہودیوں کا بغض وعناد

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسالت ونبوت کا تاج سجانے کے لئے نبی اکرم ﷺ کو منتخب فرمالیا تو یہودی نے آپ ﷺ سے حسد، کینہ، عدوت اور بغاوت کا اظہار کیا۔ ان کے ساتھ اوس اور خزرج کے وہ آدمی بھی مل گئے جو شرک اور تکذیب میں اپنے آباء کے دین پر ہی کاربند تھے۔ جب ان کے سامنے اسلام کا مہر عالمتاب درخشاں ہوگیا ان کی قوم نے بھی اس دعوت پر لبیک کہا تو انہوں نے نفاق کا اظہار کرتے ہوئے اسلام کا اظہار کیا، اسلام کو اپنے لئے ایک ڈھال بنالیا تاکہ قتل ہونے سے بچ سکیں۔ چونکہ یہودی حضور ﷺ کی تکذیب میں اور اسلام کے انکار میں پیش پیش تھے اس لئے منافقین کی تمام ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں۔ علمائے یہود حضور ﷺ سے مختلف سوالات پوچھتے رہتے۔ سرورِ کائنات ﷺ کو تکالیف دیتے، مختلف شبہات کا اظہار کرتے۔ حق کو باطل کے ساتھ ملتبس کرنے کی کوشش کرتے۔ حلال اور حرام کے متعلق جو وہ سوالات کرتے ان کے متعلق قرآن پاک بھی نازل ہوتا رہتا۔ کچھ آیات ان مسائل کے متعلق بھی ہیں جن کے متعلق مسلمانوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا تھا۔

بنونضیر کے یہودی

بنونضیر کے یہودیوں میں سے بغض وعناد کا اظہار کرنے والے افراد یہ تھے۔ ا۔ حیی بن اخطب، ۲۔ ابویاسر بن اخطب، ۳۔ جدی بن اخطب، یہ دونوں حیی بن اخطب کے بھائی تھے۔ ۴۔ سلام بن مشکم، ۵۔ کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق، ۶۔ سلام بن ابی الحقیق، ۷۔ ابورافع الاعور (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے مقامِ خیبر میں واصل جہنم کیا تھا) ربیع بن ربیع بن ابی الحقیق، ۸۔ عمرو بن جحاش، ۹۔ کعب بن اشرف (اس کا تعلق قبیلہ طیئ کی شاخ بنونبھان سے تھا۔ اس کی ماں بنونضیر سے تھی) ۱۰۔ حجاج بن عمرو (یہ کعب بن اشرف کا حلیف تھا) ۱۱۔ کردم بن قیس (یہ بھی کعب بن اشرف کا حلیف تھا)

ابن اسحاق نے جدی بن اخطب کا ذکر کیا ہے یہ حیی بن اخطب کا بھائی تھا۔ یہاں تک حدی کا تعلق ہے تو اس کا ذکر دار قطنی نے عتیبہ بن حارث بن شہاب بن حدی کے نسب میں کیا ہے جو عرب کا سوار تھا۔

بنو ثعلبہ کے یہودی

بنو ثعلبہ بن فطیون میں سے عبداللہ بن صوریا الاعور بھی حضور ﷺ سے مختلف سوالات کرتا تھا۔ یہ حجاز کا سب سے بڑا تورات کا عالم تھا۔ ابن صلوبا بھی حضور ﷺ کو تنگ کرتا تھا۔ مخیریق بھی یہود کا ایک بلند پایہ عالم تھا اسے دولت اسلام نصیب ہوئی۔

بنو قینقاع کے یہودی

بنو قینقاع کے سرکش یہودیوں میں سے زید بن اللصیت (ابن ہشام نے اسے ابن لصیت کہا ہے)، سعد بن حنیف، محمود بن سیحان، عزیز بن ابی عزیر، عبداللہ بن صیف (ابن ہشام نے اسے ابن ضیف کہا ہے)، سوید بن حارث، رفاعہ بن قیس، فنحاص اشیع، نعمان بن اضا، بحری بن عمرو، شاس بن عدی، شاس بن قیس، زید بن حارث، نعمان بن عمرو، سکین بن ابی سکین، عدی بن زید، نعمان بن ابی اوفی، ابوانس، محمود بن دحیہ، مالک بن صیف، (ابن ہشام نے اسے ابن ضیف کہا ہے) کعب بن راشد، عازر، رافع بن ابی رافع، خالد، آزار بن ابی آزار (ابن ہشام نے اسے آزر بن آزر کہا ہے) رافع بن حریملہ، رافع بن خارجہ، مالک بن عوف، رفاعہ بن زید بن تابوت اور عبداللہ بن سلام تھے، حضرت عبداللہ بن سلام یہود کے ایک زیرک اور دانا عالم تھے، ان کا نام حصین تھا جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو حضور ﷺ نے ان کا نام ''عبداللہ'' رکھا۔

بنو قریظہ کے یہودی

بنو قریظہ میں سے زبیر بن باطا بن وھب، عزال بن شمویل، کعب بن اسد (اسی نے ہی بنو قریظہ کی جانب سے معاہدہ کیا تھا جسے غزوۂ احزاب میں توڑ دیا گیا) شمویل بن زید، جبل بن عمرو بن سکینہ، نحام بن زید، قردم بن کعب، وھب بن زید، نافع بن ابی نافع، عدی بن زید، حارث بن عوف، کردم بن زید، اسامہ بن حبیب، رافع بن رمیلہ، جبل بن ابی قشیر اور وھب بن یھوذا نبی محترم ﷺ کو اذیت دینے کی کوشش کرتے تھے۔

الفِطْیُوْن۔ یہ لفظ عبرانی زبان کا ہے۔ ہر شخص جو یہودی کی مملکت کا والی بنتا اسے ''الفِطیون'' کہتے تھے جس طرح حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی اور ترک کے بادشاہ کو خاقان کہتے تھے۔

عبداللہ بن صوریا

علامہ نقاش نے لکھا ہے جب اسے یقین ہوگیا کہ حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات وہی ہے جس کا تذکرہ اور صفات تورات میں موجود ہیں تو اس نے اسلام قبول کر لیا۔

بنوزریق کے یہودی

بنوزریق کے سرکش یہودیوں میں سے لبید بن اعصم تھا۔ اسی نے ہی حضور ﷺ پر جادو

بنوزریق اور بنوحارثہ کے یہودی

ابن اسحاق نے انصار کے قبائل میں سے یہودیوں کا ذکر کیا ہے حالانکہ یہودی تو بنو اسرائیل تھے۔ بنوقریظہ، بنونضیر اور بنوقینقاع مدینہ طیبہ اور خیبر میں مقیم تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اوس اور خزرج کے کچھ افراد نے بھی یہودیت اختیار کر لی تھی۔ ان کی بعض عورتیں یہ نذر مانتی تھیں کہ اگر ان کا بیٹا خیر و عافیت سے نشو ونما پا گیا تو وہ اسے یہودی بنا دیں گی کیونکہ ان کے نزدیک یہودی اہل علم و کتاب تھے۔ یہ آیات ایسے ہی افراد کے متعلق اس وقت نازل ہوئیں جب ان کے آباء نے انہیں مجبوراً مسلمان کرنا چاہا۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (بقرہ:۲۵۶) ''کوئی زبردستی نہیں ہے دین میں''۔

لبید بن اعصم کا جادو

لبید بن اعصم نے نبی اکرم ﷺ پر جادو کیا تھا تا کہ آپ ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے حقوقِ زوجیت نہ ادا کر سکیں۔ روایت ہے کہ قاسم بن محمد ابن حنیفہ پر بھی جادو کیا گیا تھا، انہیں مسجد نبوی میں داخل ہونے سے روک دیا گیا تھا۔ وہ مسجد نبوی میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ لبید نے یہ جادو کنگھی، بالوں اور نر کھجور کے گابھا سے کیا تھا۔ اس نے یہ تمام اشیاء ذروان (کنویں) میں دفن کی تھیں۔ اکثر محدثین نے ''ذروان'' لکھا ہے اور اس سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑا ہو کر پانی نکالنے والا پانی نکالتا ہے۔ یہ حدیث مشہور ہے اور محدثین کے نزدیک ثابت ہے مگر میں نے کسی مشہور کتاب میں یہ نہیں پڑھا کہ حضور ﷺ کتنا عرصہ تک اس جادو کے زیر اثر رہے پھر شفاء یاب ہو گئے۔ معمر بن راشد نے امام زہری سے روایت کیا ہے کہ جادو کا اثر ایک سال تک رہا، آپ ﷺ کو یوں گمان ہوتا کہ آپ نے فلاں کام سرانجام دے دیا ہے۔ حالانکہ وہ کام ابھی تک آپ ﷺ نے سرانجام نہیں دیا ہوتا تھا۔

معتزلہ اور اہل بدع نے اس حدیث پر طعن کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام پر جادو نہیں ہو سکتا، اگر ان کے لئے یہ جائز ہو جائے کہ ان پر جادو ہو سکتا ہے تو پھر ان کا مجنون ہونا بھی ثابت ہو جائے گا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی استدلال کیا ہے۔ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ:۶۷) ''اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں (کے شر) سے''۔ مذکورہ بالا حدیث شریف ثابت ہے، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں منقول ہے اور اس میں عقل و نقل کے اعتبار سے کوئی طعن نہیں ہے

کیا تھا تا کہ آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے وظیفہ زوجیت ادا نہ کر سکیں۔ بنو حارثہ میں سے کنانہ بن صوریا، بنو عمرو میں سے قردم بن عمرو اور بنو نجار میں سے سلسلہ بن برھام

کیونکہ عصمت انبیاء علیہم السلام کا تعلق ان کے عقول اور ادیان سے ہوتا ہے، وہ اجسام کی آزمائش میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں اور انہیں زخم، ضرب، زہر اور قتل جیسی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حضور ﷺ پر ہونے والا جادو بھی اسی طرح تھا۔ اس کا اثر آپ ﷺ کے بعض اعضاء مبارکہ میں تھا اور بعض میں نہ تھا۔ جہاں تک مذکورہ بالا آیت کا تعلق ہے تو اس کے متعلق روایت ہے کہ پہلے حضور ﷺ کی حفاظت کی جاتی تھی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے محافظین کو چلے جانے کا حکم دے دیا اور فرمایا مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے لوگوں سے محفوظ رکھنے کا وعدہ کیا ہے۔

فقہی مسئلہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے عرض کی ''یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ ﷺ نے تعویذ استعمال نہیں فرمایا؟''، آپ ﷺ نے فرمایا ''مجھے تو اللہ تعالیٰ نے شفاء دی ہے اور مجھے یہ بھی ناپسند ہے کہ میں لوگوں میں شر پھیلاؤں''۔ اس حدیث شریف کے ظاہر میں اشکال ہے اس میں مشکل راویوں کی طرف سے ہے، انہوں نے دو مختلف سوالوں کے جوابات کو کلامِ واحد بنا دیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عرض گزار ہوئیں ''یا رسول اللہ ﷺ هَلَّا اسْتَخْرَجْتَهٗ۔ کیا آپ ﷺ نے کھجور گابھے اور کنگھی میں سے جادو کو نہیں نکالا تا کہ اسے دیکھ لیا جاتا'' آپ ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا۔ ''میں ناپسند کرتا ہوں کہ یہ شر لوگوں میں پھیلے۔ ابن بطال اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے وہ اشیاء وہاں سے نکالنا ناپسند فرمائیں تا کہ دیگر لوگ بھی اسی طرح جادو سیکھ کر لوگوں میں فساد کا سبب نہ بنیں اور اسی فساد کو آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں'' ممکن ہے کہ شر سے مراد کچھ اور ہو جادوگر کا تعلق بنو زریق سے تھا۔ اگر لوگوں کے لئے ان کے جادو کو عیاں کیا جاتا اور انہیں دکھایا جاتا تو ممکن تھا کہ مسلمان اسے قتل کر دیتے اور دیگر لوگ اس کے قبیلے سے ہی متنفر ہو جاتے اور اس طرح فساد کی آگ پھیلتی چلی جاتی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ گزارش هَلَّا اسْتَخْرَجْتَهٗ۔ دونوں احادیث میں موجود ہے اور ان کو امام بخاری نے روایت کیا ہے مگر هَلَّا تَنَشَّرْتَ کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا۔ اَمَّا اَنَا فَقَدْ شَفَانِي اللّٰهُ۔ اور هَلَّا اسْتَخْرَجْتَهٗ کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا۔ اُكْرِهُ اَنْ اُثِيْرَ عَلَى النَّاسِ شَرًّا فرمایا۔ مشکل اس وقت بنی جب راوی نے دونوں جوابات کو ایک ہی حدیث میں جمع فرما

بھی حضور اکرم ﷺ کو اذیت دینے کی کوشش کرتے تھے۔ یہی وہ علمائے یہود تھے جو حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عداوت وبغض میں پیش پیش تھے۔ یہی حضور ﷺ سے مختلف سوالات کرتے رہتے تھے ان کا نصب العین یہی تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح چراغِ اسلام گل کر دیں مگر حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت مخیریق رضی اللہ عنہما اس سے مستثنیٰ ہیں۔

دیا۔ جب احادیث کو متفرق دیکھا جائے تو یہ عقدہ حل ہو جاتا ہے، ابن بطال نے اس کی شرح میں یہی لکھا ہے''۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تعویذ کا استعمال جائز ہے جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے عرض کی ''هَلَّا تَنَشَّرْتَ آپ ﷺ نے تعویذ استعمال نہیں فرمایا'' تو آپ ﷺ نے ان کی بات کا رد نہیں فرمایا۔

امام بخاری نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ سے عرض کی گئی کہ کیا وہ شخص جسے جادو سے حقوقِ زوجین ادا کرنے سے روک دیا گیا ہو کیا وہ تعویذ استعمال کر سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''کوئی حرج نہیں''۔ آپ ﷺ نے ایسے تعویذات سے منع نہیں فرمایا جن میں اصلاح ہو، آپ ﷺ نے ایسے تعویذات سے منع فرمایا ہے جن میں فساد ہو۔ جو کوئی اپنے بھائی کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہو اسے ضرور پہنچانا چاہئے۔ کچھ لوگوں نے تعویذ کے استعمال کو ناپسند کیا ہے، انہوں نے اپنا استدلال اس حدیث سے کیا ہے جسے ابو داؤد نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اَنَّ النُّشْرَةَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ تعویذ شیطانی اعمال میں سے ہیں۔ ان سے مراد وہ تعویذات ہیں جن میں جادو اور منتر ہو اور جن میں ایسے عجمی اسماء ہوں جنہیں سمجھا نہ جا سکے۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو مسئلہ پر کھل کر بحث کی جاتی یہی مقدار کافی ہے۔ واللہ المستعان۔

لبید بن اعصم کے جادو کی گرہیں گیارہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے المعوذتین (سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) کو نازل فرمایا، ان کی آیات کی تعداد بھی گیارہ ہے ایک آیت سے ایک گرہ کھلتی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ (الفلق)

جادو کرنے والا مرد تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مؤنث کا صیغہ ذکر فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ ایک یہودیہ عورت زینب نے اس جادو میں لبید کی مدد کی تھی اور پھر جادو اکثر عورتوں کے فریب اور ان کے عمل سے ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام کا اسلام لانا

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضرت عبداللہ بن سلام کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ ان کے گھر کے ایک فرد نے مجھے اس طرح بیان کیا ہے۔'' حضرت عبداللہ بن سلام یہودیت کے ایک جید عالم تھے، وہ فرماتے ہیں'' جب میں نے سرورِ عالم ﷺ کے متعلق سنا تو میں نے آپ ﷺ کے اوصافِ حمیدہ، نام مبارک اور اس مبارک زمانہ کو پہچان لیا جس کے ہم منتظر تھے۔ میں نے اس راز کو پوشیدہ رکھا۔ خاموشی اختیار کی، حتیٰ کہ حضور ﷺ مدینہ طیبہ میں جلوہ افروز ہو گئے، جب آپ ﷺ نے قباء میں نزولِ اجلال فرمایا تو ہمارے پاس ایک شخص آیا اس نے ہمیں آپ ﷺ کی تشریف آوری کے متعلق بتایا میں کھجور کے درخت پر کام کر رہا تھا۔ میری پھوپھی خالدہ بنت حارث بھی میرے نیچے تھیں، جب مجھے حضور ﷺ کے جلوہ نما ہونے کی خبر ملی تو میں

حضرت عبداللہ بن سلام کا اسلام

سَلَام ''لام'' کی تخفیف کے ساتھ ہے۔ مسلمانوں میں یہ نام (سَلَام) نہیں رکھا جاتا کیونکہ ''اَلسَّلَام'' اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے مگر سَلّام (تشدید کے ساتھ) نام رکھا جاتا ہے سَلَامَ یہودیوں میں عام نام رکھا جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ کے والد کا نام بھی سَلَام تھا۔

اَنَّهٗ يُبْعَثُ مَعَ نَفَسِ السَّاعَةِ

اسی طرح حضور ﷺ کا ایک اور فرمان بھی ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔ اِنِّیْ لَاَجِدُ نَفَسَ السَّاعَةِ بَيْنَ كَتِفِي میں قیامت کی سانس اپنے کندھوں کے مابین محسوس کرتا ہوں۔ ارشاد ربانی ہے۔ نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ۝ (سباء:٤٦)

''اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے سامنے کھڑا ہو تو اس کا سانس اس کے کندھے پر ہی ہوتا ہے۔ نفس سے مراد وہ فتنے ہیں جو قیامت کے قائم ہونے سے پہلے سر اٹھائیں گے۔ حضور ﷺ کے وصال کے ساتھ ہی ان فتنوں کا آغاز ہو گیا۔ دوسری حدیث مبارک میں آپ ﷺ نے فرمایا اَنَا اَمَانٌ لِاُمَّتِیْ۔ فَاِذَا ذَهَبْتُ اَتٰى اُمَّتِیْ مَا يُوْعَدُوْنَ۔'' میں امت کیلئے ایک پناہ گاہ ہوں جب میں وصال کر جاؤں گا تو میری امت کو ان فتنوں کا سامنا کرنا پڑے گا جن کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے''۔ آپ ﷺ کے وصال کے ساتھ ہی امت کو آزمائش کا سامنا کرنا پڑا، پھر تا قائم قیامت یہ فتنے رونما ہوتے رہیں گے۔ حضور ﷺ نے اپنے اس فرمان سے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ۔

نے تکبیر کہی، میری پھوپھی نے میری تکبیر سنی تو انہوں نے کہا "اللہ تجھے خائب و خاسر کرے اگر تجھے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کی تشریف آوری کی اطلاع ملی تو اس سے بلند تکبیر نہ کہتا"۔ میں نے کہا "اے محترمہ پھوپھی! وہ بھی موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ وہ ان کے ہی دین پر ہیں اور اس حیات آفریں پیغام کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر تشریف لائے تھے"۔ میری پھوپھی نے کہا "اے میرے بھتیجے! کیا یہ وہی نبی ہیں جن کے متعلق ہم سنا کرتے تھے کہ اَنَّهٗ يُبْعَثُ مَعَ نَفَسِ السَّاعَةِ کہ وہ قیامت کے قریب تشریف لائیں گے"۔ میں نے کہا "ہاں" پھوپھی جان نے کہا "پھر تو وہ وہی نبی ﷺ ہیں"۔ میں بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا اور اسلام کی لازوال نعمت سے سعادت اندوز ہوا پھر میں اپنے اہل خانہ کے پاس گیا اور انہیں اسلام لانے کا حکم دیا، انہوں نے بھی اسلام کی دولت کو سمیٹ لیا"۔

میں نے یہودیوں سے اپنا اسلام پوشیدہ رکھا، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی "یا رسول اللہ ﷺ یہودی ایک دروغ گو قوم ہے، میری خواہش ہے کہ آپ ﷺ مجھے کسی کمرہ میں بند فرما دیں، پھر آپ ﷺ ان سے میرے متعلق پوچھیں وہ آپ ﷺ کو

میں اور قیامت اس طرح ہیں، آپ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت اور وسطی سے اشارہ فرمایا۔ اس حدیث کو حضرت انس، حضرت ابن بریدہ، حضرت جبیر بن مطعم، حضرت جابر بن سمرہ، حضرت ابوھریرہ اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا سَبَقْتُهَا بِمَا سَبَقَتْ هٰذِهٖ هٰذِهٖ۔ میں قیامت سے اسی طرح سبقت لے گیا ہوں جس طرح وسطی، انگشت شہادت سے سبقت لے گئی ہے۔ بعض احادیث میں ہے کہ ممکن ہے کہ قیامت مجھ سے سبقت لے جائے۔ حضرت ابوجبیرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول محترم ﷺ نے فرمایا۔ جِئْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَا تَيْنِ سَبَقْتُهَا كَمَا سَبَقَتْ هٰذِهٖ هٰذِهٖ فِي نَفَسٍ مِنَ السَّاعَةِ اَوْ فِيْ نَفَسِ السَّاعَةِ "میں اور قیامت اس طرح ہیں جس طرح یہ دو انگلیاں ہیں مگر یہ انگلی دوسری سے کچھ سبقت لے گئی ہے۔ اسی طرح میں قیامت سے کچھ دیر پہلے مبعوث ہوا ہوں" ان روایات کو امام الطبری نے تمام اسناد سمیت روایت کیا ہے، ان میں سے کچھ روایات صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں اور بعض میں کچھ اضافہ بھی ہے۔ ابن اسحاق نے حضرت خالدہ بنت حارث کا ذکر کیا ہے، ابوعمر نے اپنی تصنیف "کتاب الصحابہ" میں ان کا ذکر نہیں کیا۔ ہم نے ان کی کتاب کے ضمیمہ میں دوسرے صحابہ کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔

بتائیں گے کہ ان میں میری حیثیت کیا ہے؟ مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ انہیں میرے اسلام لانے کا علم نہ ہو۔ اگر انہیں میرا مسلمان ہونا معلوم ہو گیا تو پھر میرے عیوب نکالیں گے اور مجھ پر بہتان لگائیں گے''۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ''حضور اکرم ﷺ نے مجھے ایک کمرہ میں بند کر دیا۔ یہودی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے گفتگو کی اور مختلف سوالات کئے۔ آپ ﷺ نے ان سے استفسار فرمایا کہ حصین بن سلام تم میں کس حیثیت کا مالک ہے، انہوں نے کہا'' وہ ہمارا سردار اور ہمارے سردار کا نور نظر ہے۔ ہمارا جید عالم اور راہ نما ہے''۔ جب وہ یہودی اپنی بات سے فارغ ہوئے تو میں کمرہ سے باہر نکل کر ان کے پاس آیا میں نے ان سے کہا'' اے گروہِ یہود! اللہ سے ڈرو اور وہ پیغام قبول کر لو جو نبی محترم ﷺ لے کر تمہارے پاس آئے ہیں، اللہ کی قسم! تم خوب جانتے ہو کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ تمہارے پاس تورات میں ان کا اسم مبارک اور خصائل حمیدہ مکتوب ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ میں نے آپ ﷺ کی معرفت حاصل کر لی ہے۔ آپ ﷺ پر ایمان لے آیا ہوں اور آپ ﷺ کی تصدیق کی ہے''۔ یہ سن کر معشر یہود نے کہا'' اے ابن سلام! تم جھوٹ بول رہے ہو''۔ وہ مجھ پر جھپٹ پڑے، میں نے عرض کی'' یا رسول اللہ! ﷺ کیا میں نے آپ ﷺ سے عرض نہیں کی تھی کہ یہودی ایک دروغ گو قوم ہے۔ فریب، سرکشی اور فسق و فجور اس کی سرشت میں ہے''۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں'' میں نے اپنے اور اپنے اہل خانہ کے اسلام کا اظہار کر دیا، میری پھوپھی حضرت خالدہ بنت حارث رضی اللہ عنہا نے بھی اسلام قبول کر لیا اور سختی سے احکامِ اسلامیہ پر کاربند رہیں''۔

حضرت مخیریق رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضرت مخیریق بھی ایک جید عالم، غنی، ثروت مند اور مالدار یہودی تھے۔ انہوں نے حضور ﷺ کو آپ کے اوصافِ حمیدہ سے پہچان لیا کہ آپ ﷺ رسولِ برحق

حضرت مخیریق کا اسلام لانا

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا مُخَیْرِیْقُ خَیْرُ یَهُوْدَ۔ مخیریق یہودیوں میں سے بہترین تھے۔ حالانکہ حضرت مخیریق نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ کسی مسلمان کو هُوَ خَیْرُ النَّصَارٰی یا هُوَ خَیْرُ الْیَهُوْدِ

ہیں مگر ان پر دین کی محبت کا غلبہ رہا۔ جب غزوۂ احد رونما ہوا تو اس روز ہفتہ تھا۔ انہوں نے یہودیوں سے کہا "اے گروہِ یہود! قسم بخدا! تم خوب آگاہ ہو کہ محمد عربی ﷺ کی مدد کرنا تم پر لازم ہے" انہوں نے کہا "آج تو ہفتہ ہے"۔ حضرت مخیریق نے کہا "اب تمہارے لئے ہفتہ کی حیثیت وہ نہیں رہی جو پہلے تھی"۔ پھر انہوں نے اپنے ہتھیار سجائے اور میدانِ احد میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے اپنی قوم کو وصیت کی کہ اگر آج میں شہید ہو جاؤں تو میرا تمام مال محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیں وہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق تصرف فرمائیں۔ جب میدانِ احد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معرکہ آزما ہوئے تو حضرت مخیریق رضی اللہ عنہ نے بھی جہاد میں بھرپور حصہ لیا۔ حتیٰ کہ وہ شہادت کی رنگین قبا زیب تن کر گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا مخیریق خَيْرُ يَهُوْدَ مخیریق یہودیوں میں سے بہترین تھے۔ حضور

کہنا درست نہیں کیونکہ جب افعل (اسم تفضیل کے صیغہ) کو کسی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو جس کی طرف اسے منسوب کیا جاتا ہے اس میں سے کچھ اس میں ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اگر پوچھا جائے کہ پھر حضور ﷺ نے حضرت مخیریق کے متعلق ایسے کیوں فرمایا تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ آپ ﷺ نے خَيْرُ يَهُوْدَ فرمایا ہے۔ خَيْرُ الْيَهُوْدِ نہیں فرمایا، یہود، ثمود کی طرح اسم علم ہے کہا جاتا ہے کہ یہودی یہوذ بن یعقوب کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ پھر اس کی ذال کو دال میں تبدیل کر دیا گیا۔ اگر اسے الیہود کہا جائے تو اس میں دو احتمال ہو سکتے ہیں۔ ۱۔ نسب، ۲۔ دین (یہودیت) نسب کے اعتبار سے یہ اسی طرح ہے جس طرح بنو تمیم کے کسی فرد کو تمیم کہا جائے اور دین کے اعتبار سے یہ النصاریٰ اور المجوس کی مانند ہے یعنی یہ صفت ہے نسب نہیں ہے۔ قرآنِ پاک میں ایک تیسرا لفظ بھی استعمال ہوا ہے جس سے صرف ایک معنی ہی مراد لیا جا سکتا ہے، یعنی اس سے نسب نہیں دین مراد ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى (البقرۃ{۱۳۵}" (یہودی کہتے ہیں) یہودی بن جاؤ (عیسائی کہتے ہیں) عیسائی بن جاؤ"۔ یاء کو حذف کر دیا گیا ہے اور كُوْنُوْا يَهُوْدَ نہیں فرمایا کیونکہ اس سے مراد ان کے دین یہودیت کو اختیار کرنا ہے اگر اس طرح فرمان ہوتا كُوْنُوْ يَهُوْدًا تو پھر بھی درست ہوتا۔ اس کی بنیاد ان دونوں وجوہات میں سے ایک ہے جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ اگر اہل عرب سے کہا جاتا كُوْنُوْا يَهُوْدَ۔ تو یہ محال ہوتا کیونکہ نسب کی تبدیلی حقیقۃً محال ہے۔ ھود کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ ھائد کی جمع ہے اسی سے ھوذا، یہوذا اور یہود کے مابین فرق واضح ہوتا ہے۔ یہ ایک عمدہ اور بہتر فرق ہے۔

اکرم ﷺ نے ان کے تمام مال پر قبضہ فرمالیا، مدینہ طیبہ میں آپ ﷺ کے عام صدقات اسی مال سے ہوتے تھے۔

حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کی شہادت

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا سے بیان کیا گیا ہے وہ فرماتی ہیں "میں اپنے باپ اور اپنے چچا ابو یاسر کو تمام اولاد سے پیاری تھی۔ میں جب بھی ان کی دوسری اولاد کے ساتھ ان کے پاس جاتی تو وہ دوسری اولاد کو چھوڑ کر مجھے اٹھا لیتے۔ جب سرورِ کائنات ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے اور بنو عمرو بن عوف کے ہاں قباء میں قیام فرمایا تو میرا والد اور چچا صبح سویرے ہی آپ ﷺ کے پاس چلے گئے اور غروبِ آفتاب کے وقت واپس آئے۔ وہ اس وقت انتہائی تھکے ماندے اور سست تھے۔ وہ گرتے گرتے چل رہے تھے۔ میں حسب معمول دوڑ کر ان کے پاس گئی مگر اللہ کی قسم ان دونوں میں سے کسی ایک نے بھی میری طرف توجہ نہ کی وہ انتہائی مغموم اور حزین تھے۔ میں نے اپنے چچا ابو یاسر کو سنا وہ میرے باپ سے کہہ رہا تھا کہ وہ وہی ہے۔ میرے والد نے کہا ہاں وہی ہے، چچا نے سوال کیا۔ کیا تو نے اسے اچھی طرح پہچان لیا ہے؟ والد نے کہا ہاں میں نے خوب تحقیق کر لی ہے، چچا نے پوچھا اب تیرے دل میں اس کے متعلق کیا ارادہ ہے؟ باپ نے کہا جب تک میں زندہ رہوں گا اس سے

حضور ﷺ کے عہد ہمایوں میں صرف ان دو علمائے یہود کو ہی ایمان لانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حدیث شریف میں ہے۔ لَوِ اتَّبَعَنِي عَشَرَةٌ مِنَ الْيَهُوْدِ لَمْ يَبْقَ فِي الْاَرْضِ يَهُوْدِيٌّ اِلَّا اتَّبَعَنِيْ اگر یہودیوں کے دس افراد بھی میری اتباع کر لیتے تو روئے زمین کا ہر یہودی میرے پیروکار ہوتا۔ یہ روایت حضرت ابو ہریرہ نے بیان کی ہے جب حضرت کعب الاحبار نے انہیں یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا تو انہوں نے کہا حدیث شریف میں اِثْنَا عَشَرَ مِنَ الْيَهُوْدِ (یہودیوں کے بارہ افراد اسلام قبول کر لیتے) کے الفاظ ہیں اور قرآن پاک کی یہ آیت اسی کی شاہد ہے۔

وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا۔ "اور ہم نے مقرر کئے ان میں سے بارہ سردار"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ ابن سیرین فرماتے تھے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے زیادہ صادق تھے۔ حضرت یحییٰ بن سلام کہتے تھے کہ دونوں نے سچ ہی کہا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے ارادہ فرمایا تھا کہ اگر مذکورہ بالا علماء یہود کے علاوہ دس اور یہودی میری اتباع کر لیں تو روئے زمین کا ہر یہودی میری اتباع کرے گا۔

عداوت ہی رکھوں گا''۔

وہ منافقین جو یہودیوں کے ساتھ تھے

بنوعمرو کے منافقین

ابن اسحاق کہتے ہیں، وہ منافقین جنہوں نے یہود سے میل ملاپ رکھا تھا اور ان کا تعلق بنو اوس اور خزرج سے تھا ان میں سے بنو اوس (اس کی شاخ) بنوعمرو بن عوف بن مالک بن اوس (بنولوذان بن عمرو بن عوف) میں سے زوی بن حارث تھا۔

بنوحبیب کے منافقین

بنوحبیب بن عمرو بن عوف میں سے جلاس بن سوید بن صامت اور اس کا بھائی حارث بن سوید تھے۔

جلاس کی منافقت

جلاس ان افراد میں سے تھا جو غزوۂ تبوک میں حضور ﷺ کے ہمراہ نہ گئے تھے۔ اس نے اس موقع پر کہا تھا۔ ''اگر یہ شخص سچا ہے تو پھر ہم گدھوں سے بھی زیادہ برے ہیں''۔ حضرت عمیر

منافقین کا ذکر

مجذر کا نام عبداللہ تھا اور مجذر کا معنی تخلیق کے اعتبار سے مضبوط ہونا ہے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حارث بن سوید کے متعلق یہ آیت نازل کی۔ كَيْفَ يَهْدِي اللهُ...... کہا جاتا ہے کہ یہ آیت اپنے سبب پر محدود ہے اور اس شخص کے لئے مخصوص ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے کفر کی وجہ سے نہ تو اسے ہدایت دے گا اور نہ ہی اس کے ظلم کی وجہ سے اس کی توبہ قبول فرمائے گا ورنہ توبہ کرنا ضروری ہے۔ کئی افراد نے اپنے ارتداد کے بعد توبہ کی اور ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس آیت میں توبہ کی قبولیت کی نفی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا كَيْفَ يَهْدِي اللهُ یہ نہیں فرمایا لَا يَهْدِي اللهُ۔ اس آیت میں آخر میں فرمایا وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ اس کا اطلاق مخصوص افراد پر ہوگا یا اس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ روزِ حشر ایسے شخص کو پل صراط کے پاس موجود ظلمت میں نور تام سے راہ نمائی نہیں فرمائے گا۔ یہ اس شخص کے لئے ہے جو اپنے کفر یا ظلم سے توبہ کئے بغیر مر گیا۔ واللہ اعلم

بن سعد رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ بات بارگاہِ رسالت میں عرض کی۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔ یہ جلاس کی آغوش کے پروردہ تھے۔ ان کے والد کی وفات کے بعد جلاس نے ان کی والدہ سے نکاح کر لیا تھا۔ انہوں نے کہا "اے جلاس! اللہ کی قسم! تم مجھے تمام لوگوں سے زیادہ پیارے ہو۔ مجھ پر تمہارے احسانات سب سے زیادہ ہیں مجھ پر یہ بات انتہائی گراں ہے کہ ایسے شخص پر کوئی ایسی مصیبت آئے جسے وہ ناپسند کرتا ہو تو نے ایسی بات کی ہے کہ اگر میں اسے بارگاہِ رسالت میں عرض کرتا ہوں تو تیری حد درجہ رسوائی ہو گی۔ اور اگر میں اس پر خاموش رہتا ہوں تو میرا دین تباہ ہو جائے گا۔ ان میں سے پہلی بات دوسری سے آسان تر ہے"۔ پھر حضرت عمیر رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور جلاس کی نازیبا گفتگو عرض کی مگر جلاس نے قسم کھالی کہ حضرت عمیر نے غلط بات اس کی طرف منسوب کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اسی موقع پر نازل کیں۔

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا ۭ وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ۚ وَمَا نَقَمُوا اِلَّا اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ (التوبہ:۷۴)

"قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ انہوں نے یہ نہیں کہا حالانکہ یقیناً کہی تھی کفر کی بات اور انہوں نے کفر اختیار کیا اسلام لانے کے بعد اور انہوں نے ارادہ بھی کیا ایسی چیز کا جسے وہ نہ پا سکے اور ان پر خشمناک ہوئے وہ مگر اس پر کہ غنی کر دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل و کرم سے سو اگر وہ توبہ کر لیں تو یہ بہتر ہو گا ان کے لئے اور اگر وہ روگردانی کریں تو عذاب دے گا انہیں اللہ تعالیٰ عذاب الیم۔ دنیا اور آخرت میں اور نہیں ہو گا ان کا روئے زمین میں کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار"۔

ابن ہشام کہتے ہیں، الیم کا معنی موجع دردناک ہے۔ ذوالرمہ اونٹ کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے۔

وَ تَرْفَعُ مِنْ صُدُوْرِ شَمَرْ دَلَاتَ　يَصُكُّ وُجُوْهَهَا وَهْجٌ اَلِيْمٌ

وہ مضبوط اونٹنیاں اپنے سینوں سے آواز بلند کرتی ہیں اور ان کے چہروں پر دردناک بھڑک آلگتی ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ جلاس تائب ہو گیا تھا ساری زندگی اپنی توبہ پر ہی رہا

اور وہ اسلام اور خیر و برکت میں مصروف ہو گیا۔

حارث بن سوید کا ارتداد اور فریب

جلاس کے بھائی حارث بن سوید نے غزوۂ احد کے دن حضرت مجذر بن زیاد البلوی اور حضرت قیس بن زید (ان کا تعلق بنوضبیعہ سے تھا) کو قتل کر دیا پھر وہ قریش کے ساتھ جاملا۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ حضرت مجذر بن زیاد نے کسی جنگ میں سوید بن صامت کو ہلاک کر دیا تھا یہ معرکہ اوس اور خزرج کے مابین ہوا تھا، غزوۂ احد کے روز حارث بن سوید نے مجذر بن زیاد کو تلاش کرنا شروع کیا تا کہ انہیں اپنے باپ کے بدلے قتل کر دے، بالآخر اس نے انہیں تلاش کر لیا اور صرف انہیں ہی شہید کیا۔ میں نے کئی اہل علم سے سنا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس میں یہ دلیل ہے کہ حارث نے حضرت قیس بن زید کو شہید نہیں کیا تھا اور حضرت ابن اسحاق نے شہدائے احد میں ان کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ معاذ بن عفراء نے جنگ بعاث سے پہلے ایک تیر پھینک کر دھوکے سے سوید بن صامت کو قتل کر دیا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ اگر وہ حارث کو گرفتار کر لیں تو اسے قتل کر دیں مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کو گرفتار نہ کر سکے۔ حارث مکہ معظمہ میں چلا گیا پھر اس نے اپنے بھائی کو پیغام بھیجا کہ وہ توبہ کرنے کا خواہاں ہے تا کہ وہ اپنی قوم کے پاس واپس آ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ (آل عمران)

”کیسے ہو سکتا ہے کہ ہدایت دے اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو جنہوں نے کفر اختیار کر لیا۔ ایمان لے آنے کے بعد اور وہ پہلے خود گواہی دے چکے تھے کہ رسول سچا ہے اور آ چکی تھیں ان کے پاس کھلی نشانیاں اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو“۔

بنوضبیعہ کے منافق

بنوضبیعہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف سے بجاد بن عثمان بن عامر منافقانہ روش پر تھا۔

بنولوذان کے منافق

بنولوذان بن عمرو بن عوف میں سے نبتل بن حارث منافق تھا اسی کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا تھا جو شیطان کی صورت دیکھنا چاہتا ہے وہ نبتل بن حارث کو دیکھ لے۔ كَانَ رَجُلًا جَسِيمًا اَدْلَمَ ثَائِرَ شَعْرِ الرَّأْسِ اَحْمَرَ الْعَيْنَيْنِ، اَسْفَعَ الْخَدَّيْنِ۔ نبتل ایک طویل القامت، سیاہ شکل، پراگندہ بالوں والا، سرخ آنکھوں والا اور پچکے گالوں والا شخص تھا۔ یہ تیرہ بخت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتا، آپ ﷺ کی گفتگو سنتا پھر اسے منافقین تک پہنچا دیتا۔ اسی نے ہی کہا تھا" محمد عربی ﷺ کانوں کے کچے ہیں، وہ جو سنتے ہیں اس کی تصدیق کر دیتے ہیں"۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق یہ آیت نازل کی۔

وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ يُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾ (توبہ)

"اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں جو (اپنی بدزبانی سے) اذیت دیتے ہیں نبی کریم کو اور کہتے ہیں یہ کانوں کا کچا ہے۔ فرمایئے وہ سنتا ہے جس میں بھلا ہے تمہارا، یقین رکھتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے مؤمنوں (کی بات) پر اور سراپا رحمت ہے ان کے لئے جو ایمان لائے تم میں سے اور جو لوگ دکھ پہنچاتے ہیں اللہ کے رسول کو ان کے لئے دردناک عذاب ہے"۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ بعض افراد نے انہیں بیان کیا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کی" آپ ﷺ کے پاس ایک سیاہ، پراگندہ بال، پچکے گالوں والا اور سرخ آنکھوں والا شخص آتا ہے۔ اس کی آنکھیں پیتل کی دو ہنڈیوں کی طرح ہیں اس کا جگر گدھے کے جگر سے بھی خبیث ہے"۔ وہ آپ ﷺ کی باتیں منافقوں تک پہنچاتا ہے آپ ﷺ اس سے احتیاط فرمائیں۔ یہ تمام اوصاف نبتل بن حارث ہی کے تھے۔

بنوضبیعہ کے منافق

بنوضبیعہ کے منافقین میں سے ابوحبیبہ بن الازعر (یہ ان افراد میں سے تھا جنہوں نے مسجد ضرار بنائی تھی) ثعلبہ بن حاطب اور معتب بن قشیر تھے۔ ان دونوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر اس نے ہمیں اپنے فضل و کرم سے نواز دیا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور ضرور پاک باز لوگوں میں سے ہو جائیں گے۔ معتب نے غزوۂ احد کے دن کہا تھا" اگر ہمارا اس کام میں سے

کچھ حصہ ہوتا تو ہم کو اس طرح قتل نہ کیا جاتا۔ اسی کے متعلق ہی یہ آیت نازل ہوئی۔

وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ یَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِیَّةِ ؕ یَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ یُخْفُوْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا یُبْدُوْنَ لَكَ ؕ یَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا (آل عمران: ۱۵۴)

"کہتے ہیں (اپنے دلوں میں) اگر ہوتا ہمارا اس کام میں کچھ دخل تو نہ مارے جاتے ہم یہاں ایک جماعت ایسی تھی جسے فکر پڑا ہوا تھا (صرف) اپنی جانوں کا بدگمانی کر رہے تھے اللہ کے ساتھ بلاوجہ عہد جاہلیت کی بدگمانی کہتے کیا ہمارا بھی اس کام میں کچھ دخل ہے، آپ فرمائیے اختیار تو سارا اللہ کا ہے چھپائے ہوئے ہیں اپنے دلوں میں جو ظاہر نہیں کرتے آپ پر کہتے ہیں (اپنے دلوں میں) اگر ہوتا ہمارا اس کام میں کچھ دخل تو نہ مارے جاتے ہم یہاں (اس بے دردی سے)"۔

اسی نے ہی غزوۂ احزاب کے روز کہا تھا کہ محمد ﷺ ہمیں تو یہ مژدہ سناتے ہیں کہ ہم قیصرو کسریٰ کے خزانے کھائیں گے لیکن ہماری کیفیت تو یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی پرسکون انداز میں قضائے حاجت بھی نہیں کر سکتا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾ (احزاب)

"اور اس وقت کہنے لگے تھے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا کہ نہیں وعدہ کیا تھا ہم سے (فتح) کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے مگر صرف دھوکہ دینے کے لئے"۔

منافق، حارث بن حاطب کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔

مگر ابن ہشام کہتے ہیں کہ مجھے قابل اعتماد اہل علم نے بیان کیا ہے کہ حاطب کے فرزند ثعلبہ اور حارث کا شمار بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے وہ منافق نہ تھے۔ ابن اسحاق نے بھی بدری صحابہ کرام میں انہیں شمار کیا ہے، ان کا تعلق بنوامیہ بن زید سے تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں عباد بن حنیف (یہ حضرت سہل بن حنیف کا بھائی تھا اور مسجد ضرار کے بانیوں میں شامل تھا) عمرو بن خذام اور عبداللہ نبتل کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔

بنوثعلبہ کے منافقین

بنوثعلبہ بن عمرو بن عوف میں سے جاریہ بن عامر بن عطاف، اس کے دونوں بیٹوں زید اور مجمع کا شمار بھی منافقین میں ہوتا تھا۔ مجمع میں ایک نوخیز لڑکا تھا اسے قرآن کا اکثر حصہ یاد تھا اور مسجد ضرار میں منافقین کا امام تھا۔ جب مسجد کو گرا دیا گیا اور بنوعمرو بن عوف اپنی مسجد میں نماز

پڑھنے لگے تو انہوں نے چاہا کہ مجمع انہیں امامت کرائے۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے، آپ نے فرمایا "کیا وہ مسجد ضرار میں منافقین کا امام نہیں تھا؟" مجمع نے عرض کی۔ "اے امیر المومنین! مجھے اس ذات کی قسم! جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، مجھے منافقین کے کسی معاملہ کا کوئی علم نہیں تھا۔ میں ایک نوخیز قاریٔ قرآن تھا، منافقین کو قرآن نہیں آتا تھا اس لئے وہ مجھے مصلّٰی امامت پر کھڑا کر دیتے تھے، میں ان کے ذکر کردہ تمام معاملات کو عمدہ ہی سمجھتا تھا"۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجمع کو چھوڑ دیا اور بنو عمرو بن عوف کو وہی امامت کروایا کرتا تھا۔

بنو امیہ کے منافق

بنو امیہ بن زید بن مالک میں سے ودیعہ بن ثابت کا شمار منافقین میں سے ہوتا تھا۔ یہ بھی مسجد ضرار کے بانیوں میں سے تھا۔ اسی نے ہی کہا تھا کہ ہم تو صرف کھیل وکود اور تماشا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ۝۶۵ (مائدہ:۶۵)

"اور اگر آپ دریافت فرمائیں ان سے تو کہیں گے پس ہم تو صرف دل لگی اور خوش طبعی کر رہے تھے آپ فرمائیے (گستاخو) کیا اللہ سے اور اس کی آیتوں سے اور اس کے رسول سے تم مذاق کیا کرتے تھے"۔

بنو عبید کے منافق

خذام بن خالد کا تعلق اسی قبیلہ سے تھا۔ مسجد ضرار اسی کے گھر میں بنائی گئی۔ بشر اور رافع جو زید کے لڑکے تھے ان کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔

بنو نبیت کے منافق

ابن ہشام کہتے ہیں، نبیت سے مراد عمرو بن مالک بن اوس ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ بنو نبیت کی شاخ بنو حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس میں مربع بن قیظی منافق تھا۔ جب حضور ﷺ میدانِ احد کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو آپ ﷺ نے اس کے باغ سے گزرنا چاہا، اس سیاہ بخت نے کہا "اے محمد (مصطفیٰ ﷺ) اگر آپ (ﷺ) نبی ہیں تو میں آپ کو اس باغ میں سے گزرنے کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا"۔ اس نے اپنی مٹھی مٹی

سے بھری اور کہا ''اگر مجھے اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ مٹی آپ کے علاوہ دوسروں پر بھی پڑے گی تو میں اسے آپ پر ضرور پھینک دیتا''۔ صحابہ کرام سرعت سے اس کی طرف بڑھے تا کہ اسے واصل جہنم کریں مگر رحمت عالم ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دو یہ قلب کا بھی اندھا ہے اور بصیرت کا بھی۔ حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ نے اسے کمان سے زخمی کر دیا۔ اس کا بھائی اوس بن قیظی بھی منافق تھا۔ اس نے ہی غزوۂ خندق کے دن حضور ﷺ سے کہا تھا ''اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں ہمیں اذن دیں تا کہ ہم واپس چلے جائیں'' اس کے متعلق اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ؕ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝ (احزاب)

''ایک گروہ نبی کریم سے یہ کہہ کر (حضور) ہمارے گھر بالکل محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے (اس بہانہ سازی سے) ان کا ارادہ محض (میدانِ جنگ) سے فرار تھا''۔

ابن ہشام کہتے ہیں ''عورۃ'' سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جو دشمن کے لئے غیر محفوظ اور تباہ ہونے والی ہو، اس کی جمع عورات آتی ہے، نابغہ ذبیانی کہتا ہے۔

مَتٰى تَلْقَهُمْ لَا تَلْقَ لِلْبَيْتِ عَوْرَةً وَ لَا الْجَارِ مَحْرُوْمًا وَ لَا الْاَمْرِ ضَائِعًا

جب تو ان سے برسرپیکار ہو تو اس حالت میں نہ ہو کہ گھر غیر محفوظ، پڑوسی محروم اور معاملہ ہلاکت کے قریب ہو۔

انسان کی بیوی کو بھی عورۃ کہتے ہیں کیونکہ یہ اس کی حرمت ہوتی ہے اور شرم گاہ کو بھی عورت کہا جاتا ہے۔

بنوظفر کے منافقین

ابن اسحاق کہتے ہیں بنوظفر کے منافقین میں سے حاطب بن امیہ بن رافع تھا۔ یہ بھاری بھرکم بوڑھا تھا، ساری زندگی جاہلیت میں بسر کر دی۔ اس کا ایک نورِ نظر تھا جو بہترین مسلمانوں میں سے تھا۔ اس کا نام یزید بن اطب تھا۔ غزوۂ احد میں شدید زخمی ہو گیا جب زخموں کے مندمل ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو اسے اٹھا کر بنوظفر کے گھر پہنچا دیا گیا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب یہ عالم بالا کو سدھارنے والا تھا تو مسلمان مرد اور عورتیں اس کے پاس جمع ہوئے، انہوں نے کہا ''اے ابن حاطب! تمہیں جنت کی بشارت ہو''۔ اسی روز حاطب کا نفاق آشکارا ہوا۔ اس نے کہا'' ہاں اسے جنت کی بشارت ہو مگر وہ جنت (باغ) حرمل کی ہی ہوگی۔ قسم بخدا! تم نے اس

مسکین کو دھوکا دیا ہے"۔

منافق، بشیر بن ابیرق کا تعلق بھی بنوظفر سے ہی تھا یہ وہی ابوطعمہ تھا جس نے زرہیں چرائی تھیں اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾ (النساء)

"اور مت جھگڑیں آپ ان کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنے آپ سے بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا اسے جو بڑا بددیانت (اور) بدکار ہے"۔

قزمان کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ یہ اہل آتش سے ہے۔ غزوۂ احد کے دن اس نے بہادری کے جوہر دکھائے۔ مشرکین کے کئی افراد کو موت کے گھاٹ اتارا۔ خود بھی شدید زخمی ہو گیا اسے اٹھا کر بنوظفر کی حویلی میں لے جایا گیا ایک صحابی نے اس سے کہا "اے قزمان! تجھے بشارت ہو، تو نے آج خوب بہادری دکھائی ہے اور تو دیکھ رہا ہے کہ تجھے راہِ خدا میں کیسی اذیت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے"۔ اس نے کہا "مجھے کس چیز کی خوشخبری ہو،

زرہوں کی چوری

زرہوں کی چوری کا قصہ یہ ہے کہ ابیرق کے تین بیٹوں بشیر، مبشر اور بشر نے پانی پلانے والے کمرہ میں نقب لگائی۔ یا صرف بشر نے ہی اس کمرہ میں نقب لگائی جس طرح کہ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ وہ کمرہ حضرت رفاعہ بن زید کی ملکیت تھا۔ انہوں نے وہاں سے زرہیں اور کچھ کھانا چرا لیا۔ کچھ دیر بعد راز افشا ہو گیا، حضرت رفاعہ کے چچازاد حضرت قتادہ بن نعمان نے بارگاہِ رسالت میں ان کی شکایت کر دی۔ اسید بن عروہ بن ابیرق حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی "یا رسول اللہ! ﷺ یہ لوگ انتہائی دیندار اور مصلح ہیں یہ اپنے گھر آ رہے تھے کہ ان لوگوں نے ان پر چوری کی تہمت لگا دی اور ان کے پاس گواہ بھی نہیں ہیں"۔ اسید نے ابیرق کے بیٹوں کی طرف سے اتنے دلائل دیئے کہ حضور ﷺ حضرت قتادہ اور حضرت رفاعہ پر ناراض ہو گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ

میں نے تو یہ دادِ شجاعت اپنی قوم کی حمیت میں آ کر دی ہے' جب اس کے زخموں نے شدت اختیار کر لی اور ان کی اذیت نا قابل برداشت ہوگئی تو اس نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور اس سے اپنی ہتھیلی کی رگوں کو کاٹ لیا اور خودکشی کر لی۔

بنو عبد الاشہل کے منافق

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ بنو عبد الاشہل میں ضحاک بن ثابت کے علاوہ کوئی مرد یا عورت منافق نہ تھا۔ اس پر نفاق اور یہودیت سے محبت کی تہمت لگائی جاتی تھی اس کا تعلق بنو کعب سے تھا جو حضرت سعد بن زید کا قبیلہ تھا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

مَنْ مُبَلِّغُ الضَّحَّاكِ اَنَّ عُرُوْقَهٗ اَعْيَتْ عَلَى الْاِسْلَامِ اَنْ تَتَمَجَّدَا

أَتُحِبُّ يُهْدَانَ الْحِجَازِ وَ دِيْنَهُمْ كَبِدَ الْحِمَارِ لَا تُحِبُّ مُحَمَّدًا

دِيْنًا لَعَمْرِي لَا يُوَافِقُ دِيْنَنَا مَا اسْتَنَّ آلٌ فِي الْفَضَاءِ وَ خَوَّدَا

کون ہے جو ضحاک تک میرا یہ سندیسہ پہنچا دے کہ اس کی رگیں اسلام کی مخالفت کر کے عزت حاصل کرنے سے عاجز ہیں۔ اے گدھے کے جگر والے تو یہودیوں اور ان کے دین سے محبت کرتا ہے اور حضور اکرم ﷺ سے محبت نہیں رکھتا۔ مجھے اپنی حیاتی کی قسم! یہودیوں کا دین ہمارے دین سے کوئی موافقت نہیں رکھتا۔ جب تک سراب فضا میں منڈلاتا اور حرکت کرتا ہے۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ جلاس بن سوید بن صامت (توبہ سے قبل)، معتب بن قشیر، رافع بن

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١١٠﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْۗئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗـــًٔا (نساء)

''اور مت جھگڑا کریں آپ ان کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنے آپ سے بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا اسے جو بڑا بددیانت اور بدکاری ہے وہ چھپا سکتے ہیں اپنے ارادے لوگوں سے لیکن نہیں چھپا سکتے اللہ تعالیٰ سے اور وہ تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب راتوں کو مشورہ کرتے ہیں ایسی باتوں کا جو پسند نہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے گھیرے ہوئے ہے سنتے ہو تم وہ لوگ ہو کہ جھگڑا کرتے ہو ان کی طرف سے دنیا کی زندگی میں پس کون جھگڑا کرے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی طرف سے قیامت کے دن یا کون ہوگا اس روز ان کا وکیل اور جو شخص کر بیٹھے برا کام یا ظلم کرے اپنے آپ پر پھر مغفرت مانگے اللہ تعالیٰ سے تو پائے گا اللہ تعالیٰ کو بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا اور جو کمائے گناہ کو تو وہ کماتا ہے اسے اپنے لئے اور اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے اور جو شخص کمائے

زید اور بشر اسلام کا دعویٰ کرتے تھے، مسلمانوں کے ساتھ ان کا کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ مسلمانوں نے کہا "ہم فیصلہ حضور ﷺ سے کرواتے ہیں" ان منافقین نے کہا نہیں ہم فیصلہ کاہنوں سے کروائیں گے"۔ اس وقت اللہ رب العزت نے یہ آیہ مبارکہ نازل کی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۶۰ (نساء)

"کیا نہیں دیکھا آپ نے ان کی طرف جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اس (کتاب) کے ساتھ جو اتاری گئی آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے (اس کے باوجود) چاہتے ہیں کہ فیصلہ کرانے کیلئے (اپنے مقدمات) طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ انکار کریں طاغوت کا اور چاہتا ہے شیطان کہ بہکا دے انہیں بہت دور تک"۔

بنو جشم کے منافقین

بنو جشم بن خزرج (بنو سلمہ) میں سے الجد بن قیس بھی منافق تھا اسی نے ہی حضور ﷺ سے کہا تھا "اے محمد (عربی ﷺ)! مجھے اجازت دے دیں اور مجھے فتنے میں نہ ڈالیں" پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَ لَا تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝۴۹ (توبہ)

"اور ان میں سے بعض کہتے ہیں اجازت دیجئے مجھے کہ (گھر ٹھہرا رہوں) اور مجھے فتنے میں نہ ڈالیے خبردار فتنے میں تو وہ گر چکے اور بے شک جہنم گھیرے ہوئے ہے کافروں کو"۔

کوئی خطا یا گناہ پھر تہمت لگائے اس سے کسی بے گناہ کو تو اس نے اٹھا لیا (بوجھ) اور کھلے گناہ کا"۔

اس آیت میں بری سے مراد حضرت لبید بن سہل ہیں، بنو ابیرق کہتے تھے یہ چوری ہم نے نہیں کی بلکہ لبید بن سہل نے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس الزام سے بری فرما دیا۔ اس آیت کے نزول کے بعد ابن ابیرق مکہ معظمہ کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں سلافہ بنت سعد بن شہید کے ہاں ٹھہرا حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک شعر لکھا جس میں اس عورت کے متعلق تعریض کیا۔ سلافہ نے ابن ابیرق سے کہا تو نے مجھے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا یہ تحفہ دیا ہے۔ اس نے اس کا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیا اور کہا اگر آج رات تو نے میرے گھر میں بسر کی تو تجھے چیر پھاڑ کر رکھ دوں گی۔ پھر وہ خیبر کی طرف بھاگ گیا۔ ایک رات وہاں کسی گھر میں نقب لگا رہا تھا کہ دیوار اس پر آ گری اور مر گیا۔ اس قصہ کو امام

بنوعوف کے منافقین

عبداللہ بن ابی بن سلول کا تعلق اسی قبیلہ سے تھا، یہ منافقین کا سردار تھا۔ منافقین اسی کے پاس ہی جمع ہوتے تھے۔ غزوۂ بنی مصطلق کے وقت اسی نے ہی کہا تھا۔ ''ہم اگر مدینہ واپس چلے گئے تو ہم میں سے معزز، ذلیل کو باہر نکال دے گا۔ اس کا یہ قول سورۃ المنافقین میں اسی طرح نازل ہوا۔ یہ آیت عبداللہ بن ابی، ودیعہ (بنوعوف کا ایک شخص) مالک بن ابی نوفل، سوید اور داعس کے متعلق نازل ہوئی۔ ان کا تعلق عبداللہ بن ابی کے قبیلہ سے ہی تھا۔ یہی وہ بدبخت تھے کہ جب حضور ﷺ نے بنونضیر کا محاصرہ فرمایا تو انہوں نے انہیں یہ پیغام بھیجا۔ ''ثابت قدم رہو، بخدا اگر تمہیں جلاوطن کیا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے۔ ہم تمہارے متعلق کسی کی بات نہیں مانیں گے اور اگر تم نے جنگ کی تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے''۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیات نازل کیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَ لَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّ اِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۱ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۟ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝۱۲ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝۱۳ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝ۚ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۵ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ

ترمذی، کشی اور الطبری نے لکھا ہے اس کے مرنے کے واقعہ کو یحییٰ بن سلام نے لکھا ہے اکثر تفاسیر میں اس کا نام طعمہ بن ابیرق لکھا ہے۔ حدیث کی کتاب میں اس کا نام بشیر بن ابیر لکھا ہے۔ ابن اسحاق نے اسے بشیر ابوطعمہ لکھا ہے۔ اس صورت میں طعمہ اس کا نام نہیں ہوگا اور یہ ابوطعمہ ہوگا۔ ابن اسحاق سے روایت ہے کہ وہ دیوار جو اس پر گری تھی وہ طائف میں تھی خیبر میں نہ تھی۔ ابن سلام کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے۔ اس وقت اہل طائف نے کہا۔ ''وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن میں بھلائی ہے وہ محمد عربی ﷺ کو کبھی نہیں چھوڑ سکتے''۔ سلافہ کا تعلق بنوعمرو بن عوف سے تھا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اس کے

بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۝ (حشر)

"کیا آپ نے منافقوں کی طرف نہیں دیکھا جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں سے جنہوں نے کفر کیا اہل کتاب میں سے کہ اگر تمہیں (یہاں سے) نکالا گیا تو ہم بھی ضرور تمہارے ساتھ یہاں سے نکل جائیں گے اور تمہارے بارے میں کسی کی بات ہرگز نہیں مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ بالکل جھوٹ بول رہے ہیں (سن لو) اگر یہودیوں کو نکالا گیا تو یہ نہیں نکلیں گے ان کے ساتھ اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر (جی کڑا کر کے) انہوں نے ان کی مدد کی تو یقیناً پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی (اے فرزندان اسلام) ان (یہودیوں) کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ تمہارا ڈر ہے یہ اس لئے کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں (یہ بڑے بزدل ہیں) کبھی اکٹھے ہو کر (کھلے میدان میں) تم سے جنگ نہیں کریں گے جنگ کریں گے تو قلعہ بند بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ لے کر ان کا اختلاف آپس میں بہت سخت ہے تم انہیں متحد خیال کرتے ہو حالانکہ ان کے دل متفرق ہیں یہ اس لئے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں یہ ان لوگوں کی مانند ہیں جو ان سے پہلے ابھی ابھی اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھ چکے ہیں اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے منافقین اور یہود کی مثال شیطان کی سی ہے جو (پہلے) انسان کو کہتا ہے کہ انکار کر دے اور جب وہ انکار کر دیتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب العالمین ہے"۔

علمائے یہود کی منافقت

ابن اسحاق فرماتے ہیں جس شخص نے اسلام کو آڑ بنایا مسلمانوں کے ساتھ اسلام میں داخل

متعلق کہا۔

وَ مَا سَارِقُ الدِّرْعَیْنِ اِذْ کُنْتَ ذَاکِرًا ۔۔۔ بِذِیْ کَرَمٍ مِنَ الرِّجَالِ اَوَادِعُهٗ

وَ قَدْ اَنْزَلَتْهُ بِنْتُ سَعْدٍ فَاَصْبَحَتْ ۔۔۔ تُنَازِعُهَا جَارَاسْتِهَا وَ تُنَازِعُهٗ

ظَنَنْتُمْ بِاَنْ یَخْفَی الَّذِیْ صَنَعْتُمْ ۔۔۔ وَ فِیْکُمْ نَبِیٌّ عِنْدَهُ الْوَحْیُ وَاضِحُهٗ

زرہوں کو چرانے والا اتنا بھی معزز نہیں کہ تو اس کا تذکرہ کرتا جائے۔ میں اسے درخور اعتنا نہیں سمجھتا۔ بنت سعد نے اسے اپنا مہمان بنا لیا پھر وہ اس سے جھگڑنے لگا اور وہ اس سے جھگڑنے لگی۔ کیا

ہوا اور اسلام کا اظہار کیا وہ منافق ہے۔ اسی طرح علمائے یہود نے بھی نفاق کا اظہار کیا۔ بنو قینقاع میں سے سعد بن حنیف، زید بن لصیت، نعمان بن اوفی بن عمرو اور عثمان بن اوفی منافق تھے۔ زید بن لصیت ہی وہ شخص تھا جس نے بنوقینقاع کے بازار میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تھی۔ جب حضور ﷺ کی اونٹنی گم ہوگئی تو اسی شخص نے کہا تھا۔ ''محمد (عربی ﷺ) یہ گمان کرتے ہیں کہ آسمان سے ان پر وحی آتی ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟'' جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس اونٹنی کے متعلق بتادیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

''اِنَّ قَائِلًا قَالَ یَزْعَمُ مُحَمَّدٌ اَنَّهٗ یَاْتِیْهِ خَبَرُ السَّمَاءِ وَ لَا یَدْرِیْ اَیْنَ نَاقَتُهٗ وَاللّٰهِ مَا اَعْلَمُ اِلَّا مَا عَلَّمَنِیَ اللّٰهُ وَ قَدْ دَلَّنِیَ اللّٰهُ عَلَیْهَافَهِیَ فِیْ هٰذَا الشِّعْبِ قَدْ حَبَسَتْهَا شَجَرَةٌ بِزِمَامِهَا''۔

ایک کہنے والا کہتا ہے کہ محمد (مصطفیٰ ﷺ) یہ گمان کرتے ہیں کہ آسمان سے ان کے پاس وحی آتی ہے مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے قسم بخدا! میں وہی علم جانتا ہوں جو اللہ تعالیٰ مجھے سکھاتا ہے۔ اب اس نے مجھے اس اونٹنی کے متعلق بتادیا ہے وہ اس گھاٹی میں ہے اس کی نکیل ایک درخت کے ساتھ الجھی ہوئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس گھاٹی میں گئے انہوں نے وہاں ہی اونٹنی کو پایا جہاں حضور ﷺ نے فرمایا اور بالکل اسی حالت میں پایا جس طرح حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا۔ رافع بن حریملہ کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔ اسی کی موت کے وقت حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔ ''منافقین کے سرداروں میں سے ایک سردار آج مر گیا ہے''۔ رفاعہ بن زید بن تابوت کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا۔ جب حضور ﷺ غزوۂ بنی مصطلق سے واپس تشریف لارہے تھے تو راستہ میں شدید آندھی کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلمان اسے دیکھ کر گھبرا گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں یہ آندھی کفار کے عظیم سرداروں میں سے ایک سردار کی موت کے لئے آئی ہے''۔ جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوگئے تو معلوم ہوا کہ رفاعہ بن زید اسی دن مرا تھا جب شدید آندھی آئی تھی۔ سلسلہ بن برہام اور کنانہ بن صوریا کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔

تمہارا گمان ہے کہ تم جو کچھ کر رہے وہ مخفی رہے گا۔ حالانکہ تمہارے پاس وہ نبی محترم ﷺ ہیں جن پر وحی آتی ہے اور وہ آپ ﷺ کے لئے ہر چیز کو عیاں کر دیتی ہے۔

سیبویہ کی کتاب میں یہ اشعار موجود ہیں۔

منافقین کا مسجد نبوی سے اخراج

یہ تمام منافقین مسجد نبوی میں آتے مسلمانوں کی باتیں سنتے اور ان کا تمسخر اڑاتے، ان کے دین کا مذاق اڑاتے۔ ایک دن ان کے کچھ افراد مسجد نبوی میں جمع ہوئے حضور ﷺ نے انہیں ملاحظہ فرمایا۔ وہ باہم سرگوشی کر رہے تھے، وہ مل کر بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کے فرمان پر انہیں سختی سے باہر نکال دیا گیا۔ حضرت ابوایوب خالد بن زید کلیب رضی اللہ عنہ عمرو بن قیس کے پاس گئے۔ یہ زمانۂ جاہلیت میں مشترکہ معبودان کی عبادت کرتے تھے۔ انہوں نے اس کی ٹانگ پکڑی اور گھسیٹتے ہوئے اسے مسجد سے باہر لے آئے، وہ چلا رہا تھا ''ابوایوب! تم مجھے بنوثعلبہ کی کھجوریں خشک کرنے کی جگہ سے باہر نکال رہے ہو'' پھر حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ رافع بن ودیعہ (بنونجار سے تعلق تھا) کے پاس آئے۔ اسے چادر سے پکڑ لیا اور سختی سے کھینچا اس کے منہ پر تھپڑ رسید کیا اور یہ کہتے ہوئے اسے مسجد نبوی سے باہر نکال دیا۔ ''اے خبیث منافق تجھ پر افسوس ہے۔ اَدْرَاجَكَ يَا مُنَافِقُ مِنْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ ''اے منافق جس راستہ سے آیا تھا اسی راستہ سے مسجد رسول اللہ ﷺ سے نکل جا''۔ شاعر کہتا ہے۔

فَوَلّٰى وَ اَدْبَرَ اَدْرَاجَهٗ وَ قَدْ بَاءَ بِالظُّلْمِ مَنْ كَانَ ثَمَّ

وہ روگرداں ہوا اور اس راستہ سے چلا گیا جس راہ سے آیا تھا جو بھی وہاں موجود تھا اس نے ظلم کا اقرار کر لیا۔

حضرت عمارۃ بن حزم رضی اللہ عنہ زید بن عمرو کے پاس گئے۔ زید کی داڑھی بہت لمبی تھی انہوں نے اسے داڑھی سے پکڑ لیا اور شدت سے کھینچ کر مسجد سے باہر نکال دیا پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر اسے ایسا تھپڑ مارا کہ وہ زمین پر گر پڑا۔ زید نے کہا ''اے عمارۃ تو نے میری اچھی درگت بنائی ہے۔ حضرت عمارۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اے منافق! اللہ تعالیٰ کا تیرے لئے تیار کردہ عذاب اس سے کہیں شدید ہے۔ آج کے بعد مسجد نبوی کے قریب مت آنا''۔ ابن ہشام کہتے ہیں ہتھیلی سے مارنے کو لَدَم کہتے ہیں، تمیم بن ابی بن مقبل کہتا ہے۔

وَ لِلْفُؤَادِ وَجِيْبٌ تَحْتَ اَبْهَرِهٖ لَدْمَ الْوَلِيْدِ وَرَاءَ الْغَيْبِ بِالْحَجَرِ

دل کے دھڑکنے کی آواز اس کی رگ کے نیچے سے اس طرح آ رہی ہے جس طرح حجر میں نشیبی زمین کے پیچھے ولید تھپڑ مار رہا تھا۔

اَلْغَيْب۔ نشیبی زمین کو اور اَبْهَر دل کی رگ کو کہتے ہیں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضرت ابومحمد مسعود بن اوس بن زید بن اصرم بن زید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار (ان کا تعلق بنونجار سے تھا اور بدری صحابہ میں شمار ہوتے تھے) قیس بن عمرو بن سہل کی طرف گئے۔ قیس جوان تھا، منافقین میں اس کے علاوہ اور کوئی جوان شامل نہ تھا۔ انہوں نے اسے گدی سے پکڑا اور دھکے دے کر مسجد نبوی سے باہر نکال دیا۔

جب حضور ﷺ نے منافقین کو مسجد سے باہر نکالنے کا حکم دیا تو بنوبلحدرہ بن خزرج (حضرت ابوسعید خدری کا یہی قبیلہ تھا) کا ایک شخص اٹھا ان کا نام حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ تھا اور حارث بن عمرو کی طرف گئے۔ حارث کے بال لمبے تھے انہوں نے اسے بالوں سے پکڑا اور سختی سے باہر نکال دیا۔ منافق چلا رہا تھا ''اے ابن حارث! تم نے بہت سختی سے کام لیا ہے'' انہوں نے فرمایا ''اللہ کے دشمن! تو اسی قابل تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیرے متعلق حکم نازل کر دیا ہے، آج کے بعد مسجد رسول ﷺ کے قریب بھی نہیں آنا تو ناپاک ہے''۔ بنوعمرو بن عوف کا ایک شخص زوی بن حارث کے پاس گیا اور اسے گھسیٹتے ہوئے مسجد نبوی سے باہر لے گئے اور اس سے بےزاری کا اظہار کیا اور کہا ''تجھ پر شیطان اور اس کا حکم غالب آچکا ہے''۔ اس روز مسجد نبوی میں یہی منافق تھے جنہیں حضور ﷺ نے باہر نکال دینے کا حکم دیا۔

سورۂ بقرہ کی آیات جو منافقین کے بارے نازل ہوئیں

اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں۔

الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ''الف، لام، میم۔ یہ ذیشان کتاب ذرا شک نہیں اس میں''۔ اس کتابِ حکیم میں کوئی شک نہیں۔ ابن ہشام کہتے ہیں ساعدۃ بن جویۃ الہذلی کا شعر ہے۔

فَقَالُوْا عَهِدْنَا الْقَوْمَ قَدْ حَصَرُوْا بِهٖ ۔۔۔ فَلَا رَيْبَ اَنْ كَانَ ثَمَّ لَحِيْمُ

ابومحمد رضی اللہ عنہ

ابن اسحاق نے ابومحمد رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کا تعلق بنونجار سے تھا۔ اس سے زیادہ انہوں نے کچھ نہیں لکھا۔ یہ ابومحمد مسعود بن اوس بن زید بن اصرم بن زید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار تھے۔ ان کا شمار شامیین میں ہوتا ہے ان کا موقف تھا کہ وتر واجب ہیں حضرت عبادۃ فرماتے تھے کہ یہ ان کی لغزش تھی۔ امام واقدی اور مؤرخین کے ایک گروہ کے نزدیک یہ بدری صحابہ میں سے تھے مگر ابن اسحاق نے ان کا ذکر نہیں کیا۔

انہوں نے کہا ہم نے اس قوم سے معاہدہ کیا جس کا انہوں نے محاصرہ کر رکھا تھا اس میں شک نہیں کہ وہاں ایک مقتول بھی تھا۔ الرَیْبُ اور الرِیْبَۃُ کا معنی ایک ہی ہے۔ خالد بن زھیر الھذلی کہتا ہے۔ "کَاَنَّہٗ اُرِیْبُہٗ بِرَیْبٍ" ابن ہشام کہتے ہیں بعض لوگوں نے یہ مصرعہ اس طرح روایت کیا ہے۔ "کَاَنَّنِیْ اَرَبْتُہٗ بِرَیْبٍ"۔ یہ خالد ابوذویب کا بھتیجا تھا۔ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ یہ ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لئے۔

یعنی وہ لوگ جو اس چیز کو ترک کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں جس میں ہدایت ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے پیامِ حق کی تصدیق کر کے اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔

الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ (بقرہ)

"وہ جو ایمان لائے ہیں غیب پر اور صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز اور اس سے جو ہم نے انہیں روزی دی خرچ کرتے ہیں"۔

منافقین کے متعلق نازل کردہ آیات

ابن ہشام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ رَیْبٌ اور رِیْبَہ کا معنی ایک ہے۔ اس کے لئے انہوں نے خالد بن زہیر، ابی ذویب کے بھتیجے کے شعر سے استدلال کیا ہے۔ ابوذویب کا نام خویلد بن خالد تھا اور یہ مصرعہ اس کے اس قصیدہ سے ہے۔

یَا قَوْمِ مَالِی وَ اَبَا ذُوَیْبٍ کُنْتُ اِذَا اَتَیْتُہٗ مِنْ غَیْبٍ
یَشُمُّ عَطْفِی وَ یَمَسُّ ثَوْبِیْ کَاَنَّنِیْ اَرَبْتُہٗ بِرَیْبٍ

اے میری قوم! میرا اور ابوذویب کا معاملہ بھی بڑا عجیب ہے میں جب بھی باہر سے اس کے پاس آتا ہوں تو وہ میرے پہلو سونگھتا ہے، میرے کپڑوں کو چھوتا ہے گویا کہ میں نے اسے کسی شک میں مبتلاء کر رکھا ہے۔ ابوذویب خالد کو کسی عورت سے متہم کرتا تھا اسی لئے خالد نے یہ اشعار کہے۔

ایمان بالغیب

ایمان بالغیب کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ۱۔ اس سے مراد موت کے بعد امورِ آخرت پر ایمان لانا ہے، ۲۔ غیب سے مراد تقدیر ہے، ۳۔ غیب سے مراد دل ہے یعنی وہ دل سے ایمان لاتے ہیں، ۴۔ غیب سے مراد ذاتِ خداوندی ہے، ۵۔ مگر بہترین قول حضرت ربیع بن انس کا ہے، وہ کہتے

وہ لوگ فرض نماز ادا کرتے ہیں اور اپنے نفس کا احتساب کرتے ہوئے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ

''اور وہ جو ایمان لائے ہیں اس پر (اے حبیب) جو اتارا گیا ہے آپ پر اور جو اتارا گیا ہے آپ سے پہلے''۔

جو حیات آفرین اور روح پرور پیامِ آخرین آپ ﷺ بارگاہِ صمدیت سے لے کر آئے ہیں یہ اس کی بھی تصدیق کرتے ہیں اور وہ پیام جو سابقہ انبیاء علیہم السلام بارگاہِ لم یزل سے لے کر آئے ہیں وہ اس کی بھی تصدیق کرتے ہیں۔ وہ انبیاء کرام میں تفریق نہیں کرتے اور جو کچھ وہ اپنے رب کی بارگاہ سے لے کر آئے ہیں وہ اس کا بھی انکار نہیں کرتے۔

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ

''اور آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں''۔

وہ موت کے بعد زندگی، قیامت، جنت، آگ، حساب اور میزان پر یقین رکھتے ہیں، یعنی یہ لوگ آپ ﷺ پر اترنے والے صحیفۂ رشد و ہدایت اور سابقہ الہامی کتب پر ایمان رکھتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ۔

''وہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب (کی توفیق) سے''۔

بارگاہِ ربوبیت سے ایک خاص نور کی عطا کی وجہ سے وہ راہِ ہدایت و استقامت پر گامزن

ہیں۔ يُؤْمِنُوْنَ بِظَهْرِ الْغَيْبِ۔ وہ پوشیدہ امور کے ظہور کے ساتھ ایمان لاتے ہیں۔ وہ منافقین کی طرح نہیں ہیں جن کا وطیرہ یہ ہے کہ وہ جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور جب ان سے علیحدہ ہوتے ہیں تو کفر کرتے ہیں۔ سیاق کلام بھی اسی تاویل کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ (الملک: ۱۲) بھی اسی کی تائید کرتا ہے اور اس میں صرف ایک ہی تاویل ہوسکتی ہے اور اسی سے اختلاف میں فیصلہ ہوسکتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے، لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ حالانکہ بہت سے لوگوں نے اس کتابِ حکیم میں شک کیا ہے۔ اس اعتراض کے کئی جواب دیئے گئے ہیں۔ ایک قول کے مطابق یہ مومنین کے ساتھ خاص ہے یعنی کسی بھی مومن کے نزدیک اس میں شک نہیں ہوسکتا۔ حضرت امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ قول ضعیف ہے کیونکہ اس آیت میں عموم پایا جاتا ہے۔ اس اعتراض کا صحیح جواب یہ ہے کہ اگرچہ کلام کا انداز خبریہ ہے مگر یہ نہی کے معنی میں ہے یعنی لَا تَرْتَابُوْا۔ اس میں شک نہ کرو، یہ نہی عام ہے اس میں کوئی

ہیں۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

''اور وہی دونوں جہان میں کامیاب ہیں''۔

وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہر اس چیز کا ادراک کر لیا جس کی انہیں جستجو تھی اور جس سے وہ راہِ فرار اختیار کرتے تھے اس کے شر سے وہ نجات پا گئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔

''بے شک جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے''۔

جنہوں نے اس دلنشیں پیغام کا انکار کیا جو آپ ﷺ پر نازل کیا گیا اگر چہ وہ آپ ﷺ سے پہلے انبیاء پر نازل کردہ کتب اور صحائف پر ایمان بھی رکھتے ہوں۔

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔

''یکساں ہے ان کے لئے چاہے آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے''

انہوں نے آپ ﷺ کے اس ذکر خیر کا انکار کر دیا جو ان کے پاس مرقوم تھا اور آپ ﷺ کے لئے جو ان سے عہد و میثاق لیا گیا تھا اس سے بھی وہ انکار کر گئے گویا کہ انہوں نے آپ ﷺ اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کے پیغام کا انکار کر دیا۔ اب آپ ﷺ کی طرف

اختصاص نہیں ہے اور اس سے بھی درست قول یہ ہے کہ یہ خبر قرآنِ پاک کی طرف سے ہو یعنی اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جو شک کا باعث ہو کیونکہ جب کسی سے کوئی ناپسندیدہ امر دیکھا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے۔ رَابَنِي مِنْكَ كَذَا وَ كَذَا۔ قرآن میں کوئی ایسی شئی نہیں جس کا عقل انکار کرے۔ رَيْبٌ اگر مصدر ہو تو اس سے اس چیز سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جو شک میں ڈالتی ہو۔ جس طرح ضیف کو ضائف سے اور طیف کو طائف سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اللہ رب العزت کا یہ ارشاد بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ کیونکہ یہ خبر ہے اور نہ ہی صفت کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ یوم کی صفت کے قائم مقام ہے۔ موت کے بعد حیات میں کوئی ایسا امر نہیں جو تجھے شک میں مبتلاء کر دے کیونکہ جو ذات بے ہمتا آغاز سے تخلیق کر سکتی ہے وہ اس چیز کو دوبارہ تخلیق کرنے پر زیادہ قادر ہے۔ ریب مطلق شک کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ تم یہ تو کہہ سکتے ہو۔ رَابَنِيْ مِنْكَ رَائِبٌ مگر تم شَكَّنِيْ نہیں کہہ سکتے مگر اِرْتَبْتُ اسی طرح کہا جا سکتا ہے جس طرح شَكَكْتُ کہا جا سکتا ہے کیونکہ اِرْتِيَاب، شک کے معنی کے قریب تر ہے۔

سے ڈر یا خوف کی باتیں وہ کیسے سن سکتے ہیں اور آپ ﷺ کے متعلق ان کے ہاں جو تذکرے تھے انہوں نے اس کا بھی انکار کر دیا۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ۔

''مہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے''۔

حق تک رسائی کے لئے ان کے سامنے حجابات ہیں وہ رشد و ہدایت کو کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔ انہوں نے اس حق کی تکذیب کی ہے جسے لے کر آپ ﷺ تشریف لائے ہیں۔ جب تک وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ وہ سابقہ تمام کتب پر ایمان لے بھی آئیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

یہ تمام آیات علماءِ یہود کے متعلق نازل ہوئیں کیونکہ انہوں نے حق کے عرفان کے بعد اس کی تکذیب کی۔

اوس اور خزرج کے منافقین کے متعلق آیات

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۸

''اور کچھ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور روزِ قیامت پر حالانکہ وہ مؤمن نہیں''۔

اس آیت میں اوس و خزرج کے منافقین کا ذکر ہے اور ان لوگوں کا ذکر ہے جو ان کی روش پر تھے۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝۱۰ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ ۙ قَالُوْۤا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝۱۱

''فریب دینا چاہتے ہیں اللہ کو اور ایمان والوں کو اور (حقیقت میں) نہیں فریب دے رہے مگر اپنے آپ کو (اور اس حقیقت کو) نہیں سمجھتے ان کے دلوں میں بیماری ہے پھر بڑھا دی اللہ نے

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

مرض کا اصل ضعف اور اعضاء کا فتور ہے، یہاں اس سے ضعف یقین اور دل کا فتور مراد ہے۔ اس

ان کی بیماری اوران کے لئے دردناک عذاب ہے بوجہ اس کے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے اور جب کہا جائے انہیں کہ مت فساد پھیلاؤ زمین میں تو کہتے ہیں کہ ہم ہی تو سنوارنے والے ہیں''۔

یعنی ہم مومنین اور اہل کتاب کے مابین اصلاح چاہتے ہیں۔ارشاد ربانی ہے۔

اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَ لٰكِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَ لٰكِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَیٰطِیْنِهِمْ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ یَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾

''ہوشیار وہی فسادی ہیں لیکن سمجھتے نہیں اور جب کہا جائے انہیں ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے (اور) لوگ تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بے وقوف خبردار وہ احمق ہیں مگر وہ جانتے نہیں اور جب ملتے ہیں ایمان والوں سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف (ان کا) مذاق اڑا رہے تھے اللہ سزا دے رہا ہے انہیں اس مذاق کی اور ڈھیل دیتا ہے انہیں تا کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں''۔

''شیاطین'' سے مراد یہودی ہیں جو بنو اوس اور بنو خزرج کے منافقین کو حق کی تکذیب کا حکم دیتے تھے اور حضور اکرم ﷺ کے فرمان کے خلاف کام کرنے کے لئے کہتے ہیں۔وہ کہتے تھے ہم بھی اسی عقیدہ پر ہیں جس پر تم ہو ہم تو اس قوم سے مذاق کرتے ہیں۔

یَعْمَهُوْنَ

ابن ہشام کہتے ہیں اس کا معنی ہے کہ وہ حیران و سرگرداں ہیں اہل عرب کہتے ہیں۔رَجُلٌ عَمِهٌ وَ عَامِهٌ۔حیران مرد۔رؤبۃ بن عجاج شہر کی تعریف میں کہتا ہے۔

اَعْمَى الْهُدٰى بِالْجَاهِلِيْنَ الْعُمَّهِ۔ العُمّہ، عامہ کی جمع ہے عَمِہ کی جمع عَمِهُوْن آتی ہے،عورت کے لئے عَمِهَةٌ اور عَمْهَاء استعمال ہوتا ہے۔

اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۪ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ﴿۱۶﴾

''(یہ) وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید لی گمراہی ہدایت کے بدلے میں مگر نفع بخش نہ ہوئی ان کی (یہ) تجارت اور وہ صحیح راہ نہ جانتے تھے''۔

کا عطف فَزَادَهُمُ اللّٰهُ پر ہے حالانکہ فعل کا اسم پر عطف نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس جیسے جملہ پر اس کا

یعنی انہوں نے ایمان کے بدلے کفر خرید لیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ضرب المثل بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾

''ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی پھر جب جگمگا اٹھا اس کا آس پاس تو لے گیا اللہ ان کا نور اور چھوڑ دیا انہیں گھپ اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے''۔

یعنی وہ حق کو دیکھ ہی نہیں سکتے اور وہ اس کے متعلق گفتگو کرتے ہیں جب وہ کفر کی ظلمت سے نکلے تو انہوں نے نور ایمان کو اپنے کفر اور نفاق کی وجہ سے بجھا دیا، اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں کفر کی ظلمات میں چھوڑ دیا وہ نہ تو ہدایت کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی حق پر استقامت اختیار کر سکتے ہیں۔

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ

''یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں سو وہ نہیں پھریں گے''۔

وہ ہدایت کی طرف نہیں لوٹ سکتے وہ بھلائی سے بہرے، گونگے اور اندھے ہیں وہ نہ تو خیر و برکت کی طرف پلٹ سکتے ہیں نہ ہی اپنے کافرانہ رویہ کی وجہ سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿١٩﴾

''یا پھر ایسے زور کا مینہ برس رہا ہو، بادل سے جس میں اندھیرے ہوں اور گرج اور چمک ہو ٹھونستے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں کڑک کے باعث، موت کے ڈر سے اور اللہ گھیرے ہوئے ہے کافروں کو''۔

ابن ہشام کہتے ہیں، اَلصَّیِّبُ بارش کو کہتے ہیں، یہ صَابَ یَصُوْبُ سے مشتق ہے جس طرح السَّیِّدُ سَادَ یَسُوْدُ سے مشتق ہے اور مَیِّتٌ مَاتَ یَمُوْتُ سے مشتق ہے۔ اس کی جمع صیائب آتی ہے۔ عقلمہ بن عبد جس کا تعلق بنو ربیعہ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم سے تھا کا شعر ہے۔

كَأَنَّهُمْ صَابَتْ عَلَيْهِمْ سَحَابَةٌ صَوَاعِقُهَا لِطَيْرِهِنَّ دَبِيبُ

گویا کہ ان پر بادل سایہ فگن ہو چکا ہے جس کی بجلیاں ان کے پرندے کے لئے ہیں۔

عطف ہو سکتا ہے مثلاً یہ کہنا، فِي الدَّارِ زَيْدٌ فَاَعْطَيْتُهٗ دِرْهَمًا درست نہیں مگر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان

فَلَا تَعْدِلِی بَیْنِی وَ بَیْنَ مُغَمَّرٍ سَقَتْكِ رَوَایَا الْمُزْنِ حَیْثُ تَصُوبُ

میرے اور مغمر کے مابین موازنہ نہ کر۔ تجھے بادل کا پانی سیراب کرے وہ جہاں بھی چلے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں وہ منافقین کفر اور قتل ہو جانے کے خوف کی وجہ سے ظلمت میں ہیں کیونکہ ان پر (اے مومنین) تمہارا خوف سوار ہے یہ اسی طرح ہے کہ جس طرح کوئی شخص بارش کی تاریکی میں ہو وہ بجلیوں کی وجہ سے موت کے ڈر سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لے۔ ان پر یہ عذاب اللہ تعالیٰ نے ہی اتارا ہے اور وہ کافروں کا احاطہ کرنے والا ہے۔

یَكَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ

''قریب ہے کہ بجلی اچک لے جائے ان کی بینائی''۔

یعنی حق کی ضیاء کی شدت کی وجہ سے۔

كُلَّمَا اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِیْهِ ۙ وَ اِذَاۤ اَظْلَمَ عَلَیْهِمْ قَامُوْا

''جب چمکتی ہے ان کے لئے تو چلنے لگتے ہیں اس (کی روشنی) میں اور جب اندھیر چھا جاتا ہے ان پر تو کھڑے رہ جاتے ہیں''۔

یعنی وہ حق کو پہچان لیتے ہیں اور اسی کے متعلق بات چیت کرتے ہیں مگر جب وہ لوٹ کر دوبارہ کفر میں جاتے ہیں تو وہ حیران و سرگرداں کھڑے ہو جاتے ہیں۔

وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۠ ﴿۲۰﴾

''اور اگر چاہے اللہ تو لے جائے ان کے سننے کی قوت اور ان کی بینائی بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''۔

انہوں نے حق کے عرفان کے بعد اسے ترک کر دیا۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ

''اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی''۔

اب کفار اور منافقین دونوں فریقوں سے خطاب ہے۔ اپنے رب کو یکتا تسلیم کر لو۔

الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

فِیْ قُلُوْبِهِمْ ''مَرِضَتْ قُلُوْبُهُمْ'' کے معنی میں ہے اس لئے فعل پر فعل کا عطف کرنا درست ہے۔

"جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ وہ جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو عمارت اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے کچھ پھل تمہارے کھانے کے لئے پس نہ ٹھہراؤ اللہ کے لئے مدمقابل اور تم جانتے ہو"۔

ابن ہشام کہتے ہیں اَنْدَاد کا معنی اَمْثَالٌ ہے، اس کا واحد "نِدٌ" ہے۔ عبید بن ربیعہ کا شعر ہے۔

اَحْمَدُ اللّٰہَ وَ لَا نِدَّلَہٗ بِیَدَیْہِ الْخَیْرُ مَا شَاءَ فَعَلْ

میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں، اس کے دست قدرت میں بھلائی ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں، یعنی ان معبودان باطلہ میں سے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ جو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان۔ تم خود جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں جو تمہارا روزی رساں ہو تم یہ بھی جانتے ہو کہ رسول محترم ﷺ اللہ کی وحدانیت کی طرف جو تمہیں بلا رہے ہیں وہ حق ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (بقرہ: ۲۳)

"اور اگر تمہیں شک ہو اس میں جو ہم نے نازل کیا اپنے (برگزیدہ) بندے پر تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور بلا لاؤ اپنے حمایتیوں کو اللہ کے سوا"۔

یعنی جو سراپا حق پیغام تمہارے پاس پہنچا ہے اگر تمہیں اس میں شک ہو تو پھر ان معاونین و مددگاروں کو بلا لو جنہیں بلانے کی تم استطاعت رکھتے ہو۔

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا

"اگر تم سچے ہو پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے"۔

تمہارے لئے حق آشکار ہو چکا ہے۔

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ (بقرہ: ۲۴)

"تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جو تیار کی گئی ہے کافروں کیلئے"۔

جہنم ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اس کافرانہ روش پر ہوں جس پر تم ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ترغیب دلائی اور اس میثاق کو توڑنے سے ڈرایا جو ان سے نبی محترم ﷺ کے لئے کیا گیا تھا کہ جب آپ ﷺ ان میں جلوہ نما ہوں تو انہیں کیسا حسن

سلوک کرنا چاہئے۔ انہیں ان کی تخلیق کے آغاز کے متعلق بتایا نیز بتایا کہ ان کی آفرینش کیسے ہوئی؟ حضرت آدم علیہ السلام کی شان عیاں کی۔ ان کے معاملہ کو بیان کیا، جب شیطان نے ان سے لغزش کرائی تو ان کے ساتھ کیسا رویہ اپنایا گیا؟ پھر فرمایا۔

یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ (بقرہ:۴۰)

"اے اولاد یعقوب یاد کرو میرا وہ احسان جو کیا میں نے تم پر"۔

اب روئے خطاب علماء یہود کی طرف ہے، یعنی اس وقت کو یاد کرو جب میں نے تمہیں اور تمہارے آباء کو آزمائش میں ڈالا پھر تمہیں فرعون اور اس کی قوم سے نجات دی۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْۤ۔ "اور پورا کرو تم میرے (ساتھ کئے ہوئے) وعدہ کو"۔

اس عہد کو پورا کرو جو میں نے تم سے احمد مجتبیٰ ﷺ کے متعلق لیا تھا۔

اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ۔ "میں پورا کروں گا تمہارے (ساتھ کئے ہوئے) وعدہ کو"۔

جب تم میرے مصطفیٰ ﷺ کی تصدیق اور اتباع کرو گے تو میں اپنا وعدہ پورا کروں گا تم پر جو بارِ گراں تمہارے گناہوں کی وجہ سے ہے اسے اٹھالوں گا۔

وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ۔ "اور صرف مجھی سے ڈرا کرو"۔

یعنی میں تم پر بھی ایسا عذاب نازل کروں جو میں نے پہلے تمہارے آباء پر نازل کیا تھا، وہ ایسا عذاب ہے جسے تم خوب جانتے ہو۔

وَاٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْۤا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ

"اور ایمان لاؤ اس (کتاب) پر جو نازل کی ہے میں نے یہ سچا ثابت کرنے والی ہے اس کو جو تمہارے پاس ہے اور نہ بن جاؤ تم سب سے پہلے انکار کرنے والے اس کے"۔

تمہارے پاس وہ علمی خزانہ ہے جو دوسروں کے نصیب میں کہاں۔

وَاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ۝ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝۴۲ (بقرہ)

"اور صرف مجھی سے ڈرا کرو اور مت ملایا کرو حق کو باطل کے ساتھ اور مت چھپاؤ حق کو

بنو اسرائیل

بنو اسرائیل سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام کو اسرائیل کہا جاتا تھا۔ اس کا معنی سَرِیُّ اللہ ہے مگر قرآن پاک میں یہودیوں کو بنو اسرائیل سے ہی خطاب کیا گیا ہے، انہیں بنو یعقوب سے خطاب نہیں کیا گیا جب حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور

حالانکہ تم (اسے) جانتے ہو"۔

نبی اکرم ﷺ کا عرفان اور معرفت جو تمہارے پاس ہے اسے نہ چھپاؤ، تم اپنے صحف میں آپ ﷺ کے مبارک ذکر کو بھی پاتے ہو۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (بقرہ)

"کیا تم حکم کرتے ہو (دوسرے) لوگوں کو نیکی کا اور بھلا دیتے ہو اپنے آپ کو حالانکہ تم پڑھتے ہو کتاب کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے"۔

تم نبوت کے فیضان اور تورات کی وجہ سے لوگوں کو تو کفر سے منع کرتے ہو مگر خود اسی مرض میں مبتلا ہو تم اس عہد کو فراموش کر رہے ہو جو میرے رسولِ محترم ﷺ کی تصدیق کے لئے تم سے لیا گیا تھا تم اس عہد کو توڑتے ہو اور میری کتاب میں سے جو کچھ تم جانتے ہو اس کا انکار کرتے ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے واقعات کا تذکرہ کیا یہ بیان کیا کہ انہوں نے بچھڑے کے ساتھ کیا کیا، اپنی ناراضگی اور ان کی توبہ کا ذکر کرنے کے بعد ان کا قول ذکر کیا۔

نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً (بقرہ:۵۵) "ہم نے دیکھ لیا اللہ کو ظاہر"۔

ابن ہشام کہتے ہیں "جَهْرَةً" ایسا ظاہر کر کے کہ کوئی اسے ہم سے مستور نہ کر سکے۔ ابو اخزر قتیبہ الحمانی کہتا ہے۔ يَجْهَرُ اَجْوَافَ الْمِيَاهِ السُّدَمُ۔ پانی تا دیر ٹھہرنے کی وجہ سے اس قدر صاف ہو گیا ہے کہ اس کے پیندے سے ریت وغیرہ ظاہر ہو گئی ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر ان کی گستاخی کی وجہ سے انہیں صاعقہ کا سامنا کرنا پڑا پھر اللہ رب العزت نے انہیں حیاتِ نو عطا کی بادل سایہ کناں ہوا اور من وسلویٰ کی نعمت سے بہرہ ور ہوئے۔

ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ (بقرہ:۵۸)

"اور داخل ہونا دروازہ سے سر جھکائے ہوئے اور کہتے جانا بخش دے (ہمیں)"۔

جو میں تمہیں حکم دیتا ہوں اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ میں تمہارے گناہوں کو مٹا دوں گا مگر انہوں نے فرمانِ الٰہی کا پاس نہ کیا اس کا مذاق اڑایا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا آغاز ہوا۔

ابن ہشام کہتے ہیں۔ "الْمَنّ" وہ چیز تھی جو وقت سحر ان کے درختوں پر گرتی تھی وہ اسے جمع

حضرت یعقوب علیہم السلام کا ذکر خیر ہوتا ہے تو پھر اسرائیل کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ اس میں ایک حکمت پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ جب کسی قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے خطاب کیا جاتا ہے تو ان کو ان

کر لیتے تھے وہ شہد کی طرح شیریں تھی وہ اسے پیتے بھی تھے اور کھاتے بھی تھے۔ اعشیٰ بن قیس بن ثعلبہ کہتا ہے۔

لَوْ اُطْعِمُوْا الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی مَکَانَهُمْ　　مَا اَبْصَرَ النَّاسُ طُعْمًا فِیهِمْ نَجْعًا

اگر لوگوں کو اس کی جگہ من وسلویٰ بھی کھلایا جاتا تو لوگ اسے فائدہ مند کھانا نہ سمجھتے۔

سلویٰ ایک پرندہ تھا اس کا واحد سلوٰۃ ہے بعض اسے سمانی (بٹیر کی طرح کا ایک پرندہ) کہتے ہیں شہد کو بھی سلویٰ کہتے ہیں خالد بن زہیر الھذلی کہتا ہے۔

وَ قَاسَمَهَا بِاللّٰهِ حَقًّا لَاَنْتُمْ　　اَلَذُّ مِنَ السَّلْوٰی اِذَا مَا نَشُوْرُهَا

اس نے انہیں اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہا حقیقت یہ ہے کہ تم شہد سے زیادہ میٹھے ہو جب ہم اسے چھتے سے نکالتے ہیں۔

حِطَّةٌ کا معنی ہے کہ مولا! ہمارے گناہوں پر قلم عفو فرما۔

ابن اسحاق کہتے ہیں بنو اسرائیل نے جس فرمانِ خداوندی کو تبدیل کیا تھا اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''جس دروازے سے انہیں سجدہ کرتے ہوئے گزرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ وہاں سے پشت گھسیٹ کر گزرے اور ان کے لبوں پر تھا۔ ''جو میں گندم'' ابن اسحاق کہتے ہیں، حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں بارانِ رحمت کی التجاء کی انہیں حکم ملا کہ وہ اپنا مبارک عصا پتھر پر ماریں جس سے ان کے لئے بارہ چشمے رواں ہو گئے۔ ہر قبیلہ کے لئے ایک چشمہ مخصوص تھا جس سے وہ پانی پیتے تھے پھر انہوں نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے کہا۔

لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآىِٕهَا وَ فُوْمِهَا

''ہم صبر نہیں کر سکتے ایک ہی طرح کے کھانے پر سو آپ دعا کیجئے ہمارے لئے اپنے پروردگار سے کہ نکالے ہمارے لئے وہ جن کو زمین اگاتی ہے (مثلاً) ساگ اور ککڑی اور گیہوں''

ابن ہشام کہتے ہیں فُوْمٌ کا معنی گندم ہے۔ امیہ بن الصلت الثقفی کہتا ہے۔

فَوْقَ شِیْزٰی مِثْلِ الْجَوَابِی عَلَیْهَا　　قِطَعٌ کَالْوَذِیْلِ فِی نَقِیِ فُوْم

آبنوس کی لکڑی کے اوپر میرے جواب کی مثال اس طرح ہے کہ گویا صاف گندم میں صیقل

کے اسلاف کے دین کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے تا کہ ان کے لئے نصیحت پذیری کا ساماں پیدا ہو جائے اور انہیں غفلت پر تنبیہ ہو جائے۔ انہیں اس نام سے پکارا گیا جس میں اللہ تعالیٰ کا بھی ذکر تھا اسرائیل

شدہ چاندی کا ٹکڑا ہے۔

وَذِیل چاندی کے ٹکڑے کو اور فُوم گندم کو کہتے ہیں اس کا واحد فُومۃ ہے۔

وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ

''اور مسور اور پیاز، موسیٰ نے کہا کیا تم لینا چاہتے ہو وہ چیز جو ادنیٰ ہے اس کے بدلے میں جو عمدہ ہے (اچھا) جا رہو کسی شہر میں تو مل جائے گا جو تم نے مانگا''۔

ابن اسحاق کہتے ہیں وہ احکامِ خداوندی پر عمل پیرا نہ ہوئے کوہِ طور کو ان کے سروں پر کھڑا کر دیا گیا تا کہ وہ اس چیز کو پکڑ لیں جو انہیں عطا کی گئی، پھر ان میں مسخ بھی ہوا۔ ان میں سے کچھ افراد کو ان کی لغزشوں کی وجہ سے بندر بنا دیا گیا۔ اللہ رب العزت نے اس گائے کا تذکرہ فرمایا جسے ان کے لئے بطورِ عبرت ظاہر کیا گیا اسے اس قتیل کے لئے ظاہر کیا گیا جس میں ان کا اختلاف ہو گیا تھا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے معاملہ کو عیاں فرما دیا۔ انہوں نے گائے کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت سے سوالات کئے پھر ان کے دل پتھر کی طرح یا اس سے بھی سخت ہو گئے، ارشاد ربانی ہے۔

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (بقرہ)

''(کیونکہ) کئی پتھر ایسے بھی ہیں جن سے بہہ نکلتی ہیں نہریں اور کئی ایسے بھی ہیں کہ جو پھٹتے ہیں تو ان سے پانی نکلنے لگتا ہے اور کئی ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں خوفِ الٰہی سے اور اللہ بے خبر نہیں ہے ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو''۔

تمہارے دل تو پتھروں سے زیادہ سخت ہیں، انہیں اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے مگر ان پر کچھ اثر ہی نہیں ہوتا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝ (بقرہ)

''(اے مسلمانو) کیا تم یہ امید رکھتے ہو کہ (یہ یہودی) ایمان لائیں گے تمہارے کہنے سے حالانکہ ایک گروہ ان میں ایسا تھا جو سنتا تھا کلامِ الٰہی کو پھر بدل دیتے تھے اسے خوب سمجھ لینے کے

میں اسم اللہ تعالیٰ کے نام کی طرف مضاف ہے۔ ایک دفعہ حضور ﷺ نے ایک قوم کو توحید کی دعوت دی وہ بنو عبداللہ تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا اے بنو عبداللہ! اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کا نام کتنا

بعد جان بوجھ کر''۔

تمام یہودی تورات کو نہیں سنتے تھے بلکہ ان میں سے ایک مخصوص گروہ تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے بعض اہل علم سے معلوم ہوا ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا ''اے کلیم اللہ! ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے مابین حجابات حائل ہیں۔ جب وہ آپ سے محو گفتگو ہو تو ہمیں اس کا کلام ہی سنا دیں''۔ حضرت موسیٰ نے ان کی یہ التجاء بارگاہِ صمدیت میں پیش کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ''انہیں حکم دیں کہ وہ پاک صاف ہو جائیں۔ پاکیزہ لباس پہن لیں اور روزے رکھیں''۔ جب بنو اسرائیل ان احکام پر عمل پیرا ہو چکے تو حضرت موسیٰ انہیں لے کوہِ طور پر آ گئے۔ ان پر بادل سایہ فگن ہو گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا وہ تمام سجدہ ریز ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرفِ ہمکلامی بخشا۔ بنو اسرائیل نے بھی کلامِ الٰہی کو سنا اللہ تعالیٰ نے انہیں بعض امور کا حکم دیا اور بعض سے منع فرمایا۔ تمام احکامات کو سمجھ کر وہ اپنی قوم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر ان میں سے ایک گروہ نے اللہ تعالیٰ کے حکم میں تحریف کر دی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ یہ احکام دیئے ہیں تو انہوں نے کہا نہیں! اللہ تعالیٰ نے تو یہ حکم دیا ہے۔ انہوں نے ان احکامات کے الٹ کہا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی گروہ کے متعلق ہی نبی محترم ﷺ کو آگاہ کیا ہے۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا

''اور جب ملتے ہیں ایمان والوں سے تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے ہیں، ہم نبی مکرم ﷺ پر ایمان لائے ہیں مگر وہ تمہاری طرف ہی مبعوث ہوئے ہیں''۔

وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا

''اور جب تنہا ملتے ہیں ایک دوسرے سے تو کہتے ہیں''۔

اہل عرب سے اس طرح کی گفتگو نہ کرنا تم تو حضور ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے ان کے خلاف مدد مانگا کرتے تھے۔

قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ (بقرہ)

حسین رکھا ہے؟ آپ ﷺ نے یہ اس لئے فرمایا تھا تا کہ ان کے باپ کے نام کو ذکر کر کے انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف ترغیب دلائی جا سکے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان ''یابنی اسرائیل'' کا مقصد

"(ارے) کیا بیان کرتے ہو ان سے جو کھولا ہے اللہ نے تم پر یوں تو وہ دلیل قائم کریں گے تم پر ان باتوں سے تمہارے رب کے سامنے کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے"۔

تم اقرار کرتے ہو کہ وہ اللہ کے نبی ﷺ ہیں تم خوب جانتے ہو کہ تم سے ان کے متعلق عہد لیا گیا تھا کہ تم آپ ﷺ کی اتباع کرو گے۔ نبی محترم ﷺ بتائیں گے کہ وہ وہی نبی مکرم ﷺ ہیں جن کے ہم منتظر تھے اور جن کا ذکر خیر ہم اپنی کتابوں میں پاتے ہیں۔ اب اس کا انکار کر دو اور اقرار نہ کرو۔ ارشاد ربانی ہے۔

اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ○ وَمِنْھُمْ اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِیَّ (بقرہ)

"کیا وہ (یہ) نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں اور ان میں کچھ ان پڑھ ہیں جو نہیں جانتے کتاب کو بجز جھوٹی امیدوں کے"۔

ابن ہشام ابوعبیدہ سے روایت کرتے ہیں۔ "اَمَانِیُّ" کا معنی ہے وہ صرف پڑھتے ہیں کیونکہ اُمِّیُّ وہ شخص ہوتا ہے جو پڑھ لیتا ہے مگر لکھ نہیں سکتا یعنی وہ کتاب کو جانتے نہیں صرف پڑھتے ہیں۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ ابوعبیدہ اور یونس اہل عرب کے اس فرمان کی تاویل کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں "تمنّی"، "قرءَ" کے معنی میں ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِہٖ (الحج)

"اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب اس نے کچھ پڑھا تو ڈال دیئے شیطان نے اس کے پڑھنے میں (شکوک)"۔

ابوعبیدہ نحوی نے مجھے یہ شعر پڑھ کر سنایا۔

تَمَنّٰی کِتَابَ اللّٰہِ اَوَّلَ لَیْلِہٖ ‏ وَآخِرَہٗ وَافٰی حِمَامُ الْمَقَادِرِ

اپنی رات کے آغاز میں اس نے کتابِ الٰہی کی تلاوت کی اور رات کے آخری حصہ میں تقادیر کی موت نے حق پورا پورا کر دیا۔

تَمَنّٰی کِتَابَ اللّٰہِ فِی اللَّیْلِ خَالِیًا ‏ تَمَنِّیَ دَاوٗدَ الزَّبُوْرَ عَلٰی رِسْلٍ

اس نے رات کی تنہائی میں کتاب الٰہی کی یوں تلاوت کی جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام

بھی انہیں ان کے اسلاف کے دین کی یاددہانی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تحریص ہے اور یہ لفظ بنی یعقوب کے لفظ کے استعمال سے زیادہ بہتر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو

زبور کی ٹھہر ٹھہر کر تلاوت فرماتے تھے۔

اَمَانِیُّ کا واحد "اُمْنِیَّۃٌ" ہے، انسان کی مال وغیرہ کی خواہشات کو الامانی کہا جاتا ہے۔

وَ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ "اور وہ تو محض وہم وگمان ہی کرتے رہتے ہیں"۔

وہ نہ تو کتاب کو جانتے ہیں اور نہ ہی ادراک رکھتے ہیں کہ اس میں کیا ہے وہ وہم وگمان کی بنا پر آپ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔

وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةًؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (بقرہ)

"اور انہوں نے کہا ہرگز نہ چھوئے گی ہمیں (دوزخ کی) آگ بجز گنتی کے چند دن آپ فرمائیے کیا لے رکھا ہے تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی وعدہ تب تو خلاف ورزی نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی یا (یوں ہی) بہتان باندھتے ہو اللہ پر جو تم جانتے ہی نہیں"۔

یہودیوں کا بے بنیاد دعویٰ

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے تو یہودیوں نے کہا "دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ہزار سال کے بدلے لوگوں کو آخرت میں ایک دن عذاب دے گا۔ اس طرح لوگ سات دن عذاب میں مبتلا رہیں گے پھر عذاب منقطع ہو جائے گا"۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةًؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَیِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓـٴَـتُهٗ

"ہاں (ہمارا قانون یہ ہے) جس نے جان بوجھ کر برائی کی اور گھیر لیا اس کو اس کی خطا نے"۔

یعنی جس نے تمہاری طرح برے اعمال سرانجام دیئے اور تمہاری طرح کفر کیا اس کا کفر اسے گھیر لے گا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لئے کوئی بھلائی نہیں ہے۔

فَاُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ

حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کا مژدہ جانفزا سنایا تو وہاں "یعقوب" کا لفظ استعمال فرمایا کیونکہ یہ یکے بعد دیگرے عطائے خداوندی اور بشارت کے بعد

الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾

"تو وہی دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہی جنتی ہیں وہ اس جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہیں"۔

جو اس پر ایمان لایا جس سے تم نے انکار کیا اور ان احکام پر عمل کیا جنہیں تم نے ترک کر دیا ان کے لئے جنت ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کر دیا کہ خیر اور شر کی سزا اور جزا ان کے اہل پر ہمیشہ رہے گی۔ اس میں کوئی انقطاع نہ ہوگا۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۗ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ

"اور یاد کرو جب لیا تھا پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے (اس بات کا) نہ عبادت کرنا بجز اللہ کے اور ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا۔ نیز رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں سے بھی (مہربانی کرنا) اور کہنا لوگوں سے اچھی باتیں اور صحیح ادا کرنا نماز اور دیتے رہنا زکوٰۃ اور پھر منہ پھیر لیا مگر چند آدمی تم سے (ثابت قدم رہے) اور تم روگردانی کرنے والے ہو اور یاد کرو جب لیا تم سے پختہ وعدہ کہ تم اپنوں کا خون نہیں بہاؤ گے"۔

ابن ہشام کہتے ہیں تَسْفِكُوْنَ کا معنی تَصُبُّوْنَ (بہانا) ہے، اہل عرب کہتے ہیں سَفَكَ دَمَهُ، اس نے اس کا خون بہایا وَسَفَكَ الزِّقَّ، اس نے مشک کا پانی بہایا، شاعر کہتا ہے۔

وَ كُنَّا إِذَا مَا الضَّيْفُ حَلَّ بِأَرْضِنَا سَفَكْنَا دِمَاءَ الْبُدْنِ فِي تُرْبَةِ الْحَالِ

ہماری کیفیت یہ ہے کہ جب کوئی مہمان ہماری سرزمین پر آتا ہے تو ہم اپنے اونٹوں کے خون نرم زمین میں بہا دیتے ہیں۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ "اَلْحَالُ" سے مراد وہ زمین ہے جس میں ریت ملی ہوئی ہو۔ اہل عرب اسے "السَّهْلَة" بھی کہتے ہیں۔ حدیث مبارک میں ہے کہ جب فرعون نے کہا۔ "آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ۔ میں ایمان لاتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں سوائے

بشارت تھی۔ اگرچہ نام یعقوب عبرانی زبان کا ہے مگر عربی میں یہ عقب اور تعقیب کے موافق ہے۔ ان دونوں اسماء کا دو مقامات کے اعتبار سے استعمال کتنا عمدہ ہے۔ قرآن پاک کا یہی اعجاز ہے اور اس کے الفاظ کی یہی بلاغت ہے اور الفاظ کا برمحل استعمال اس سے عمدہ نہیں ہوسکتا۔

اس ذات کے جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے۔ اَخَذَ جِبْرِیْلُ مِنْ حَالِ الْبَحْرِ وَ ضَرَبَ بِهٖ وَجْهَ فِرْعَوْنَ۔ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سمندری کیچڑ لیا اور اسے فرعون کے منہ پر پھینک دیا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۡ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (بقرہ)

''پھر تم وہی ہونا (جنہوں نے یہ وعدے کئے) کہ اب قتل کر رہے ہو اپنوں کو اور نکال باہر کرتے ہو اپنے گروہ کو ان کے وطن سے (نیز) مدد دیتے ہو ان کے خلاف (دشمنوں کو) گناہ اور ظلم سے''۔

یعنی وہ مشرکین کی مدد کرتے ہیں وہ ان کے ساتھ مل کر ان کی خونریزی کرتے ہیں اور انہیں اپنے شہروں سے جلاوطن کرتے ہیں۔

وَ اِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ (بقرہ)

''اور اگر آئیں تمہارے پاس قیدی بن کر (تو بڑے پاکباز بن کر) ان کا فدیہ ادا کرتے ہو حالانکہ حرام کیا گیا تھا تم پر ان کا گھروں سے نکالنا تو کیا تم ایمان لائے ہو کتاب کے کچھ حصہ پر اور انکار کرتے ہو کچھ حصہ کا (تم خود ہی کہو) کیا سزا ہے ایسے نابکار کی تم سے سوائے اس کے رسوا رہے دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن تو انہیں پھینک دیا جائے گا سخت ترین عذاب میں اور اللہ بے خبر نہیں (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے مول لے لی ہے دنیا کی زندگی آخرت کے عوض تو نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی''۔

اللہ رب العزت نے انہیں ان کے فعل کے متعلق بتا دیا۔ تورات میں ان پر ان کی خونریزی حرام تھی وہاں ان کے قیدیوں سے فدیہ لینا فرض تھا۔

اس وقت اوس، خزرج اور یہودی دو گروہوں میں منقسم تھے۔ ایک طرف بنو قینقاع، ان کی جماعت اور ان کے حلیف بنو خزرج تھے۔ دوسری طرف بنو نضیر، بنو قریظہ، ان کی جماعت اور ان

کے حلیف بنو اوس تھے۔ جب بھی بنو اوس اور بنو خزرج کے مابین معرکہ ہوتا تو بنو قینقاع خزرج کے ساتھ ہوتے، بنو نضیر اور بنو قریظہ اوس کے ساتھ ہوتے، ان قبائل میں سے ہر قبیلہ اپنے بھائیوں کے خلاف اپنے حلیفوں کی مدد کرتا۔ اپنے ہاتھوں سے ان کا لہو بہاتے حالانکہ ان کے ہاتھوں میں تورات ہوتی تھی جس میں ان کے حقوق و فرائض مرقوم تھے۔ اوس اور خزرج مشرک تھے، وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے، وہ جنت و دوزخ، قیامت اور مرکر جی اٹھنے سے آگاہ نہ تھے، وہ کتاب، حلال اور حرام سے بھی ناآشنا تھے۔ جب جنگ اختتام پذیر ہوتی تو وہ اپنے قیدیوں کا فدیہ ادا کرتے اس طرح تورات کی تصدیق کرتے۔ بنو قینقاع ان قیدیوں کا فدیہ ادا کرتے جو اوس کے ہاں پابند سلاسل ہوتے اور بنو نضیر اور بنو قریظہ ان اسیروں کا فدیہ ادا کرتے جو بنو خزرج کے ہاں مقید ہوتے وہ اپنے مقتولوں کا خون بہا معاف کر دیتے اس طرح وہ مشرکین کی معاونت کرتے، اللہ تعالیٰ نے انہیں متنبہ کرتے ہوئے فرمایا۔ "اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ"، یعنی تو تورات کے حکم کے مطابق فدیہ بھی دیتا ہے اور اسے قتل بھی کرتا ہے حالانکہ تورات میں تجھے ایسا نہ کرنے کا حکم ہے تو اسے قتل بھی کرتا ہے اور اسے اپنے شہر سے جلاوطن بھی کرتا ہے اور ان لوگوں کی مدد کرتا ہے جو شرک کرتے ہیں اور بتوں کے پجاری ہیں اور اس قبیح فعل سے تیرا مقصد دنیا کمانا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۫ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ (بقرہ)

"اور بے شک ہم نے عطا فرمائی موسیٰ کو کتاب اور ہم نے پے در پے ان کے پیچھے پیغمبر بھیجے، اور دیں ہم نے عیسیٰ بن مریم کو روشن نشانیاں"۔

آیات سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دست اقدس سے ظہور پذیر ہوتے تھے۔ آپ علیہ السلام مردوں کو زندہ کر دیتے تھے، وہ مٹی سے پرندے کی شکل بناتے پھر اس پر پھونک مارتے تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا، مریض کو شفایاب فرما دیتے، وہ لوگ جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے تھے آپ اس کے متعلق انہیں بتا دیتے بہت سے علوم غیبیہ کا اظہار فرماتے۔ انجیل کے ساتھ تورات بھی انہیں لوٹائی پھر ان کی کفران نعمت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا

كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ (بقرہ)

"تو کیا جب کبھی لے آیا ایسا حکم جسے تمہارے نفس پسند نہ کرتے تو تم اکڑ گئے، بعض کو تم نے جھٹلایا اور بعض کو قتل کرنے لگے اور یہودی بولے ہمارے دلوں پر تو غلاف چڑھے ہیں نہیں بلکہ پھٹکار دیا ہے انہیں اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے وہ بہت ہی کم ایمان رکھتے ہیں اور جب آئی ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب (قرآن) جو تصدیق کرتی تھی اس (کتاب) کی جو ان کے پاس تھی اور وہ اس سے پہلے فتح مانگتے تھے کافروں پر (اس نبی کے وسیلہ سے) تو جب تشریف فرما ہوا ان کے پاس وہ نبی جسے وہ جانتے تھے تو انکار کر دیا ان کے ماننے سے سو پھٹکار ہو اللہ کی (دانستہ) کفر کرنے والوں پر"۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ نے اپنی قوم کے بزرگوں سے روایت کیا ہے وہ کہا کرتے تھے "بخدا! یہ قصہ ہمارے متعلق ہی نازل ہوا ہے، زمانہ جاہلیت میں ہم کبھی یہودیوں پر غالب آجاتے تھے۔ ہم مشرک تھے وہ اہل کتاب تھے، وہ ہم سے کہتے تھے عنقریب ایک نبی محترم ﷺ مبعوث ہوں گے ہم ان کی پیروی کریں گے اور ان کے ساتھ مل کر تمہیں عاد وارم کی طرح قتل کریں گے۔ جب اللہ رب العزت نے قریش میں سے اپنے رسول مکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا تو انہوں نے آپ ﷺ کا انکار کیا اور ہم نے آپ ﷺ کی پیروی کی" اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ (بقرہ)

"بہت بری چیز ہے جس کے بدلے سودا چکایا انہوں نے اپنی جانوں کا وہ یہ کہ کفر کرتے ہیں اس (کتاب) کے ساتھ جو اللہ نے نازل کی حسد کے مارے کہ نازل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنا فضل جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے سو حق دار ہو گئے مسلسل ناراضگی کے اور کافروں کے لئے ذلیل ورسوا کرنے والا عذاب ہے"۔

ابن ہشام کہتے ہیں۔ "بَاءُوْا" کا معنی ہے انہوں نے غضب کا اقرار کیا اور اس کو برداشت کیا اعشیٰ بن قیس کہتا ہے۔

أُصَالِحُكُمْ حَتّٰى تَبُوْءُوْا بِمِثْلِهَا　　كَصَرْخَةِ حُبْلٰى يَسَّرَتْهَا قَبِيْلُهَا

میں تم سے صلح کرتا ہوں حتیٰ کہ تم بھی اس جیسی صلح کا اقرار کرلو جس طرح کہ وہ حاملہ چیختی ہے جسے اس کے قبیلے نے بچے کی ولادت کے لئے بٹھا رکھا ہو۔

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ ''غَضَبٌ عَلٰى غَضَبٍ'' اس امر کی غمازی کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر شدید ناراض ہے کیونکہ انہوں نے تورات جیسی عظیم الہامی کتاب کو بھی ضائع کر دیا اور نبی اکرم ﷺ کا بھی انکار کیا۔

پھر اللہ رب العزت نے ان کے سروں پر کوہِ طور بلند کیا پھر بیان فرمایا کہ انہوں نے کس طرح اپنے حقیقی پروردگار کو چھوڑ کر بچھڑے کو اپنا معبود بنالیا۔ ارشادِ ربانی ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (بقرہ)

''آپ فرمایئے اگر تمہارے لئے ہی دارِ آخرت (کی راحتیں) اللہ کے ہاں مخصوص ہیں تمام لوگوں کو چھوڑ کر تو بھلا آرزو تو کرو موت کی اگر تم سچ کہتے ہو''۔

یہ معلوم کرنے کے لئے کہ بارگاہِ ربوبیت میں فریقین میں سے جھوٹا کون ہے تم ذرا موت کی تمنا تو کرو، مگر انہوں نے یہ خواہش کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ رب العزت نے حضور ﷺ سے فرمایا۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ (بقرہ۔ ۹۵)

''اور وہ ہرگز کبھی بھی اس کی تمنا نہیں کریں گے اپنی کارستانیوں کے خوف سے''۔

کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نبی حق ہیں مگر انہوں نے کفر کیا کہا جاتا ہے اگر وہ موت کی تمنا کرتے تو پھر اس دن ایک یہودی بھی روئے زمین پر زندہ نہ رہتا پھر اللہ رب العزت نے اس کی دنیاوی زندگی میں رغبت اور درازیٔ عمر کی خواہش بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ (بقرہ:۹۶)

''اور آپ یقیناً پائیں گے انہیں سب لوگوں سے زیادہ ہوس رکھنے والے زندگی کی حتیٰ کہ مشرکوں سے بھی (زیادہ جینے پر حریص ہیں) چاہتا ہے ہر ایک ان میں سے کہ زندہ رہنے دیا جائے ہزار سال اور نہیں بچا سکتا اس کو عذاب سے (اتنی مدت) جیتے رہنا''۔

یہ عمر کی طوالت انہیں عذاب سے نہیں بچائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرک مرنے کے بعد

جی اٹھنے پر یقین نہیں رکھتا اسی لئے وہ عمر کی طوالت کا خواہاں ہوتا ہے۔ یہودی کو بھی اس رسوائی و ذلت کا یقین ہوتا ہے جو آخرت میں اس کے نصیب میں آئے گی پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ

"آپ فرمایئے جو دشمن ہو جبرائیل کا (اسے معلوم ہونا چاہئے) کہ اس نے اتارا قرآن آپ کے قلب انور پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے"۔

یہودیوں کے بارگاہِ رسالت میں سوالات

ابن اسحاق نے شہر بن حوشب الاشعری سے روایت کیا ہے کہ علمائے یہود میں سے چند افراد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "اے محمد مصطفیٰ ﷺ! ہمیں چار سوالات کے جوابات مرحمت فرمائیں، اگر آپ ﷺ نے ان کے جوابات ارشاد فرما دیئے تو ہم آپ ﷺ کی اتباع بھی کریں گے اور تصدیق بھی۔ آپ ﷺ کی ذات پر ایمان بھی لے آئیں گے"۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ سے تمہارا یہ عہد و میثاق ہے کہ اگر میں نے تمہیں ان سوالات کے جوابات دے دیئے تو تم میری تصدیق کرو گے"۔ انہوں نے کہا "بالکل"۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "پھر سوالات کا آغاز کرو"۔

انہوں نے پہلا سوال کرتے ہوئے عرض کی "یارسول اللہ! ﷺ ہمیں آگاہ فرمائیں کہ بچہ اپنی والدہ کے مشابہ کیسے ہوتا ہے؟ حالانکہ نطفہ باپ کا ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا "میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں اور ان نعمتوں کو یاد دلاتا ہوں جو اس نے بنی اسرائیل پر کیں تم جانتے ہو کہ مرد کا نطفہ گاڑھا اور سفید ہوتا ہے جبکہ عورت کا پانی رقیق اور زرد ہوتا ہے جس کا پانی دوسرے کے پانی پر غالب آجاتا ہے بچہ اسی کے مشابہ ہوتا ہے" انہوں نے عرض کی "قسم بخدا! آپ کا جواب بالکل درست ہے"۔

دوسرا سوال کرتے ہوئے انہوں نے عرض کی "ہمیں اپنی نیند کی کیفیت کے متعلق آگاہ کریں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "میں تمہیں اللہ رب العزت کا واسطہ دیتا ہوں اور ان نعمتوں کی یاد دلاتا ہوں جو اس نے بنی اسرائیل پر فرمائیں کیا تم اس شخص کی نیند کی کیفیت سے آشنا ہو جس کے متعلق تمہارا گمان ہے کہ میں وہ نہیں ہوں کہ اس کی آنکھیں محو استراحت ہوتی ہیں مگر قلب انور بدستور بیدار رہتا ہے"۔ انہوں نے کہا "اللہ کی قسم! ہاں" آپ ﷺ نے فرمایا "میری نیند کی کیفیت بھی یہی ہے، میری آنکھیں تو سو جاتی ہیں مگر دل مبارک بیدار رہتا ہے"۔

تیسرا سوال کرتے ہوئے انہوں نے عرض کی ''ہمیں اس چیز کے متعلق بتائیں جسے اسرائیل نے اپنے اوپر حرام قرار دیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا'' میں تمہیں اللہ رب العزت کا واسطہ دیتا ہوں اور ان نعمتوں کو یاد دلاتا ہوں جو اس نے بنی اسرائیل پر کیں کیا تم جانتے ہو کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اونٹوں کا دودھ اور ان کا گوشت تمام اشیاء سے پسندیدہ تھا۔ ایک دفعہ وہ کسی مرض میں مبتلا ہو گئے اللہ تعالیٰ نے انہیں شفایاب فرمایا تو انہوں نے اس ذات کا شکر ادا کرنے کے لئے اپنے اوپر مرغوب ترین کھانے کو حرام فرمادیا، اس طرح انہوں نے اونٹوں کے دودھ اور ان کے گوشت کو اپنی ذات پر حرام قرار دے دیا''۔ علمائے یہود نے عرض کی آپ ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔

انہوں نے چوتھا سوال عرض کیا ''ہمیں روح کے متعلق بتائیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''میں تمہیں اللہ رب العزت کا واسطہ دیتا ہوں اور ان نعمتوں کو یاد دلاتا ہوں جو اس نے بنی اسرائیل پر کی تھیں۔ کیا تم جبرائیل علیہ السلام کو جانتے ہو، وہی میرے پاس حق کا پیامبر بن کر آتا ہے۔ انہوں نے عرض کی'' ہاں! ہم انہیں جانتے ہیں لیکن وہ ہمارے دشمن ہیں، وہ شدت وسختی اور خونریزی لے کر آتے تھے اگر وہ نہ ہوتے تو ہم ضرور آپ ﷺ کی اتباع کرتے''۔ اس وقت اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل کی۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ (بقرہ)

''آپ فرمائیے جو دشمن ہو جبرائیل کا (اسے معلوم ہونا چاہیے) کہ اس نے اتارا قرآن آپ کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے (یہ) تصدیق کرنے والا ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے اتریں اور سراپا ہدایت اور خوشخبری ہے ایمان والوں کے لئے جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرئیل ومیکائیل کا تو اللہ بھی دشمن ہے ان کافروں کا اور یقیناً ہم نے اتارے ہیں آپ پر روشن نشان اور کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا ان کا بجز نافرمانوں کے کیا (یوں

نہیں) کہ جب کبھی انہوں نے وعدہ کیا تو پھر توڑ پھینکا اسے انہی میں سے ایک گروہ نے بلکہ ان کی اکثریت تو (سرے سے) ایمان ہی نہیں لائی اور جب آیا ان کے پاس رسول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والا اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے تو پھینک دیا ایک جماعت نے اہل کتاب سے اللہ کی کتاب کو اپنی پشتوں کے پیچھے جیسے وہ کچھ جانتے ہی نہیں اور پیروی کرنے لگے اس کی جو پڑھا کرتے تھے شیطان سلیمان کے عہد حکومت میں حالانکہ سلیمان نے کوئی کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے ہی کفر کیا سکھایا کرتے تھے لوگوں کو جادو"۔

یہود کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت سے انکار

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نے حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا مرسلین میں تذکرہ کیا تو ان کے ایک عالم نے کہا " کیا تم محمد عربی ﷺ پر تعجب نہیں کرتے، یہ گمان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نبی تھے، حالانکہ وہ تو صرف ایک جادوگر تھے"۔ اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل کی۔

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ (بقرہ)

"اور سلیمان نے کوئی کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے ہی کفر کیا۔ نیز وہ بھی جو اتارا گیا دو فرشتوں پر (شہر) بابل میں (جن کے نام) ہاروت اور ماروت تھے (اور کچھ) نہ سکھاتے تھے وہ دونوں کسی کو"۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جگر کے دونوں ٹکڑے، گردے اور چربی کو اپنے اوپر حرام قرار دیا تھا مگر پشت کی چربی حرام قرار نہ دی تھی کیونکہ قربانی کی یہ چیز باقی رکھی جاتی تھی اور آگ اسے جلا کر خاکستر کر دیتی تھی۔

خیبر کے یہودیوں کی طرف حضور ﷺ کا گرامی نامہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے خیبر کے یہودیوں کی طرف یہ مکتوب مبارک ارسال فرمایا۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

صَاحِبِ مُوْسٰی وَ اَخِیْہِ، وَالْمُصَدِّقِ لِمَا جَاءَ بِہٖ مُوْسٰی: اَلَا اِنَّ اللّٰہَ قَدْ قَالَ لَکُمْ یَا مَعْشَرَ اَھْلِ التَّوْرَاۃِ، وَاِنَّکُمْ لَتَجِدُوْنَ ذٰلِکَ فِیْ کِتَابِکُمْ: مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ تَرَاھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرَاۃِ وَ مَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْھُمْ مَغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا۔

وَاِنِّیْ اَنْشُدُکُمْ بِاللّٰہِ، وَاَنْشُدُکُمْ بِمَا اُنْزِلَ عَلَیْکُمْ، وَاَنْشُدُکُمْ بِالَّذِیْ اَطْعَمَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ مِنْ اَسْبَاطِکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی، وَاَنْشُدُکُمْ بِالَّذِیْ اَیْبَسَ الْبَحْرَ لِاٰبَائِکُمْ حَتّٰی اَنْجَاھُمْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِہٖ اِلَّا اَخْبَرْتُمُوْنِیْ: ھَلْ تَجِدُوْنَ فِیْمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِمُحَمَّدٍ؟ فَاِنْ کُنْتُمْ لَا تَجِدُوْنَ ذٰلِکَ فِیْ کِتَابِکُمْ فَلَا کُرْہَ عَلَیْکُمْ۔ قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ۔ فَاَدْعُوْکُمْ اِلَی اللّٰہِ وَاِلٰی نَبِیِّہٖ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی اور ان کے بھائی ہیں اور اس پیغام کی تصدیق کرنے والے ہیں جسے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔اے حاملین تورات! اللہ رب العزت نے تم سے فرمایا ہے اور تم اپنی کتاب میں بھی پاؤ گے۔

(جانِ عالم) محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہ (سعادتمند) جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقت ور ہیں۔آپس میں بڑے رحمدل ہیں تو دیکھتا ہے انہیں کبھی رکوع کرتے ہوئے اور کبھی سجدہ کرتے ہوئے۔طلبگار ہیں اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے ان (کے ایمان وعبادت) کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے نمایاں ہے، یہ ان کے اوصاف تورات میں (مذکور) ہیں نیز ان کی صفات انجیل میں بھی (مرقوم) ہیں۔یہ (صحابہ) ایک کھیت کی مانند ہیں جس نے نکالا اپنا پٹھا پھر تقویت اس کو پھر وہ مضبوط ہو گیا پھر سیدھا کھڑا ہو گیا اپنے تنے پر (اس کا جوبن) خوش کر رہا ہے بونے والے کو تا کہ (آتش) غیظ میں جلتے رہیں انہیں دیکھ کر کفار اللہ نے وعدہ فرمایا ہے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے مغفرت کا اور اجر عظیم کا۔

میں تمہیں اللہ رب العزت کی قسم دے کر کہتا ہوں۔ اس کا واسطہ دیتا ہوں جو اس نے تم پر اتارا اور اس ذات والا کی قسم دیتا ہوں جس نے تمہارے آباء کے لئے سمندر کو چیر دیا تھا اور انہیں فرعون اور اس کے قبیح عمل سے نجات دی تھی کہ ذرا مجھے بتاؤ کیا تم اس کتاب میں یہ حکم پاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر نازل کی کہ تم محمد ﷺ پر ایمان لاؤ۔ اگر تم اپنی کتاب میں یہ حکم نہیں پاتے تو پھر تمہیں کوئی مجبوری نہیں۔ ہدایت، گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی محترم ﷺ کی طرف دعوت دیتا ہوں''۔

ابن ہشام کہتے ہیں، ''شَطْئُہٗ'' کا معنی وہ چھوٹی چھوٹی کونپلیں ہوتی ہیں جو کسی درخت کی جڑ سے نکلتی ہیں۔ اہل عرب کہتے ہیں اَشْطَأَ الزَّرْعُ۔ کھیتی کی کونپلیں نکل آئیں۔ آزَرَہٗ کا معنی معاونت کرنا ہے گویا کہ پہلے موجود درخت ان کے لئے ماں کی مانند ہو جاتا ہے۔ امرءالقیس بن حجر الکندی کہتا ہے۔

بِمَحْنِيَةٍ قَدْ آزَرَ الضَّالَ نَبْتُهَا مَجَرَّ جُيُوْشٍ غَانِمِيْنَ وَ خُيَّبِ

وادی کے اس موڑ میں جہاں اس کا سبزہ گمراہ کی مدد لشکروں کی گذرگاہ کی طرف کرتا ہے خواہ وہ لشکر مالِ غنیمت لے کر آئے ہوں یا خائب و خاسر لوٹے ہوں۔

حمید بن مالک الارقط کہتا ہے۔ ''زَرْعًا وَ قَضْبًا مُؤْزَرَ النَّبَاتِ'' سوقٌ ''ساق'' کی جمع ہے اور درخت کے تنے کو ساق کہتے ہیں۔

ابویاسر اور اس کے بھائی کی خباثت

ابن اسحاق کہتے ہیں علمائے یہود اور ان کے کافروں کے متعلق قرآن پاک نازل ہوتا رہا وہ حضور ﷺ سے مختلف سوالات کرتے رہتے اور آپ ﷺ کو ستاتے تاکہ حق کو باطل کے ساتھ ملتبس کر دیں۔ حضرت ابن عباس اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے

ابویاسر کا واقعہ

ابن اسحاق نے ابویاسر اور اس کے بھائی حیی بن اخطب کا قصہ رقم کیا ہے۔ انہوں نے حروفِ مقطعات سے مختلف تاویلیں کر کے بتایا تھا کہ شاید محمد عربی ﷺ اور ان کی امت کا خورشید اقتدار اتنی مدت ہی ضوفشاں رہے گا۔ حضرت امام سہیلی فرماتے ہیں کہ یہ علمائے یہود کی تاویلیں ہیں۔ انہوں نے جو ان حروف کے معانی کی تاویلیں کی ہیں، احتمال ہے کہ درست ہوں اور حروفِ مقطعات اب بھی ان پر

کہ ایک دفعہ ابو یاسر بن اخطب حضور اکرم ﷺ کے پاس سے گزرا اس وقت آپ ﷺ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے۔

الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ

''یہ ذیشان کتاب ذرا شک نہیں اس میں''۔

ابو یاسر اپنے بھائی حیی بن اخطب کے پاس گیا وہ اس وقت یہودیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ابو یاسر نے کہا ''قسم بخدا! آگاہ رہو میں نے ابھی محمد عربی ﷺ کو سنا۔ وہ الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ کی تلاوت فرما رہے تھے''۔ انہوں نے ابو یاسر سے پوچھا ''کیا تو نے واقعی یہ آیت سنی ہے؟ اس نے کہا ''ہاں!'' حیی بن اخطب یہودیوں کے اس گروہ کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے عرض کی ''اے محمد مصطفیٰ ﷺ! ہمیں خبر ملی ہے کہ آپ ﷺ نے ایسی آیت تلاوت کی ہے جس میں آلم ہے''۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''ہاں''۔ انہوں نے پوچھا کیا یہ کلام جبرائیل دربارِ خداوندی سے لے کر آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں''۔ انہوں نے کہا ''اللہ تعالیٰ نے آپ سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام بھیجے ہیں ہم نہیں جانتے کہ ان میں سے کسی نے یہ بتایا ہو کہ اس کی سلطنت کی مدت کیا ہے اور اس کی امت کا دنیاوی حصہ کتنا ہے؟ یہ صرف آپ ﷺ نے ہی بتایا ہے۔ حیی بن اخطب نے روئے خطاب اپنے ساتھیوں کی طرف کیا اور ان سے کہا الف ''ایک'' لام ''تیس'' اور میم ''چالیس''۔ یہ کل اکہتر سال بنتے ہیں۔ تم اس امت میں داخل ہو رہے ہو جس کے اقتدار اور سلطنت کی مدت اکہتر سال ہے'' پھر اس نے حضور اکرم ﷺ کی طرف توجہ کی اور کہا ''کیا آپ ﷺ پر اس کے علاوہ اور حروف مقطعات

دلالت کرتے ہوں۔ حضور ﷺ نے نہ تو ان کی باتوں کی تکذیب کی اور نہ ہی تصدیق کی۔ آپ ﷺ نے ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا۔ اہل کتاب کی نہ تو تصدیق کیا کرو اور نہ ہی تکذیب بلکہ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ کہا کرو۔ جب ان میں صحت کا احتمال پایا جاتا ہے تو ضروری ہے کہ ہم شریعت میں جستجو کریں کہ کیا کتاب و سنت ان کی صحت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے، وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ ''اور بے شک ایک دن تیرے رب کے ہاں ایک ہزار سال کی طرح ہوتا ہے جس حساب سے تم گنتی کرتے ہو''۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت زمل خزاعی رضی اللہ عنہ نے حضور سے عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپ ﷺ ایک منبر پر جلوہ افروز ہیں، اس کے سات درجات ہیں، اس کے پہلو میں ایک لاغر اونٹنی ہے جو اس منبر کو اٹھا رہی

کا بھی نزول ہوا ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ "المص" کا نزول ہوا ہے۔ اس نے کہا بخدا! یہ مدت پہلی مدت سے زیادہ اور طویل ہے الف "ایک" لام "تیس" اور میم "چالیس" اور صاد "نوے" یہ عمر ایک سو اکسٹھ سال بنتی ہے۔ کیا آپ ﷺ پر اس کے علاوہ اور حروفِ مقطعات نازل ہوئے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں "الر" کا نزول ہوا ہے، اس نے کہا یہ مدت پہلی دونوں مدتوں سے طویل اور دراز ہے۔ الف "ایک" لام "تیس" اور را "دوسو" یہ مدت دوسو اکتیس سال بنتی ہے۔ پھر اس نے کہا کیا اور حروفِ مقطعات کا نزول ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں "المر" کا نزول ہوا ہے اس نے کہا قسم بخدا! یہ مدت پہلی تمام مدتوں سے طویل ترین ہے۔ الف "ایک" لام "تیس" میم "چالیس" اور راء "دوسو" ہے یہ مدت دوسو اکہتر سال بنتی ہے، پھر اس نے کہا "اے محمد مصطفیٰ ﷺ! آپ ﷺ کا معاملہ ہم پر ملتبس ہو گیا ہے ہمیں معلوم نہیں کہ آپ ﷺ کو قلیل یا کثیر مدت عطا کی گئی ہے" پھر وہ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے ابو یاسر نے اپنے بھائی حیی اور دیگر یہودی علماء سے کہا شاید تمہیں معلوم نہ ہو کہ ان کے لئے یہ تمام مدتیں جمع کر دی گئی ہوں۔ یہ مدتیں اکہتر سال، ایک سو اکسٹھ سال، دوسو اکتیس سال اور دوسو اکہتر سال بنتی ہیں۔ یہ تمام مدت سات سو چونتیس سال بنتی ہے پھر انہوں نے کہا ان کا معاملہ ہم پر مشتبہ ہو چکا ہے۔ گمان کیا جاتا ہے کہ یہ آیت انہی کے متعلق نازل ہوئی۔

ہے۔ حضور ﷺ نے اس اونٹنی کی تعبیر قیامِ قیامت سے فرمائی اور فرمایا منبر کے درجات سے مراد دنیا کی عمر ہے، اس کی عمر سات ہزار سال ہے میں اس کے آخری ہزار میں گلزارِ ہست و بود میں آیا ہوں۔ یہ حدیث مبارک اگرچہ ضعیف الاسناد ہے مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً بھی روایت ہے اور صحیح اسناد سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ "دنیا کی عمر سات دن ہے اور ہر دن ایک ہزار سال کا ہے"۔ حضور ﷺ آخری یوم میں اس کائنات میں جلوہ گر ہوئے ہیں اس کے بھی کئی سال یا کئی صدیاں گزر چکی ہیں۔ ابو جعفر الطبری نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور آثار بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں۔ یہ اس سے سبقت لے گئی ہے" آپ ﷺ نے درمیانی اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا یہ حدیث مبارک بھی کئی اسناد سے مروی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "کوئی اللہ تعالیٰ کو اس سے عاجز نہیں کر سکتا کہ وہ اس امت کی عمر میں آدھے دن کا اضافہ فرما دے" آدھے دن سے مراد پانچ سو سال ہیں ابو داؤد نے اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ امام الطبری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سابقہ حدیث کی تائید کرتی ہے۔ انگشت

مِنۡهُ اٰيٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ (آل عمران: ۷)

''اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں وہی کتاب کی اصل ہیں''۔

ابن اسحاق کہتے ہیں میں نے بعض ان اہل علم سے سنا ہے جنہیں میں جھوٹا نہیں کہہ سکتا کہ یہ آیت اہل نجران کے متعلق نازل ہوئی ہے جب وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے بارے مختلف سوالات کئے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن ابی امامہ بن سہل بن حنیف نے بیان کیا ہے کہ یہ آیات یہودیوں کے ایک وفد کے متعلق اتریں مگر انہوں نے کوئی تفصیل بیان نہیں کی۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان کا شانِ نزول کیا ہے؟

حضور ﷺ کی ذات کا وسیلہ پکڑنے کے بعد یہود کا کفر

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے یہود اوس اور خزرج کے خلاف آپ ﷺ کے وسیلہ سے فتح کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ جب اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا تو انہوں نے آپ ﷺ کا انکار کر دیا۔ ان سے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہما نے کہا ''اے

وسطی، شہادت کی انگلی سے انگلی کے ساتویں حصہ کا نصف زائد ہے جس طرح کہ ایک دن کا نصف سات دنوں کے نصف کا ساتواں حصہ ہے۔ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اب تاجدارِ حرم ﷺ کے وصال مبارک کو پانچ سو سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔ نصف یوم والی حدیث میں نصف سے زیادہ کی کوئی نفی نہیں اور نہ ہی ''بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَا تَيْنِ'' میں نفی ہے جو اس تاویل کی صحت کو رد کر دے۔ آپ ﷺ اور قیامت کے درمیان نہ تو کوئی نبی ہے اور نہ ہی تو کوئی شریعت ہے کیونکہ قیامت کا دن قریب ہے ارشاد ربانی ہے۔

اَتٰۤى اَمۡرُ اللّٰهِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡهُ (النحل: ۱)

''قریب آ گیا ہے حکم الٰہی پس اس کے لئے عجلت نہ کرو''۔

اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ ①

''قیامت قریب آ گئی ہے اور چاند شق ہو گیا''۔

جب ہم نے یہ کہا ہے کہ حضور ﷺ دنیا میں اس وقت تشریف لائے جب آخری ہزار سال کے بھی کئی سال گزر چکے تھے تو پھر جب ہم نے سورتوں کے اوائل میں حروف مقطعات کو دیکھا۔ ہم نے دیکھا کہ وہ چودہ حروف ہیں جنہیں یہ قول جمع کرتا ہے۔ ''الم یسطع نص ۔ ۔ کرہ''

معشر یہود! اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرلو۔ جب ہم مشرک تھے تو تم حضور ﷺ کے وسیلہ سے ہمارے خلاف فتح کی دعائیں مانگتے تھے، ہمیں بتاتے تھے کہ آپ ﷺ عنقریب مبعوث ہوں گے اور تم ہمارے لئے آپ ﷺ کے اوصافِ جلیلہ بیان کرتے تھے"۔ سلام بن مشکم نے کہا "وہ کوئی ایسی چیز لے کر نہیں آئے جسے ہم جانتے ہوں اور نہ ہی وہ وہی ذات ہیں جن کا تذکرہ ہم تمہارے پاس کرتے تھے" اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ (بقرہ)

"اور جب آئی ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب (قرآن) جو تصدیق کرتی تھی اس (کتاب) کی جو ان کے پاس تھی اور وہ اس سے پہلے فتح مانگتے تھے کافروں پر (اس نبی کے وسیلہ سے) جب تشریف فرما ہوا، ان کے پاس وہ نبی جسے وہ جانتے تھے تو انکار کر دیا اس کے ماننے سے سو پھٹکار ہو اللہ کی (دانستہ) کفر کرنے والوں پر"۔

مالک بن صیف کا میثاق سے انکار

جب نبی اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ ہوئی اور یہودیوں سے اس معاہدہ اور میثاق کا ذکر کیا گیا جو حضور ﷺ کے متعلق ان سے لیا گیا تھا تو مالک بن صیف نے کہا "بخدا! ہم سے تو محمد عربی ﷺ کے متعلق ایسا کوئی عہد نہیں لیا گیا"۔

ابوصلوبا الفطیونی نے کہا "اے محمد ﷺ! آپ ﷺ ایسی کوئی چیز لے کر نہیں آئے جسے ہم جانتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر کوئی ایسی آیت بھی نازل نہیں کی جس کی وجہ سے ہم آپ ﷺ کی اتباع کریں" اس وقت اللہ رب العزت نے یہ آیات نازل کیں۔

جب ہم ابی جاد کے حساب کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ق "سو" ر "دوسو" س "تین سو" یہ کل چھ سو ہو گئے۔ ع "ستر" ص "ساٹھ" اب یہ کل سات سو تیس ہو گئے۔ ن "پچاس" ک "بیس" اب یہ آٹھ سو ہو گئے۔ م "چالیس" ل "تیس" اب یہ تعداد آٹھ سو ستر ہو گئی۔ ی "دس" ط "نو" اور الف "ایک" اب تعداد آٹھ سو نوے ہو گئی۔ ح "آٹھ" ہ "پانچ" اب یہ تعداد نو سو تیس ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے سورتوں کے آغاز میں انہی حروف کو ذکر فرمایا ہے۔ کوئی بعید نہیں کہ ان حروف کے بعض مقتضات اور بعض فوائد کا اشارہ سالوں کی اس تعداد کے متعلق بھی ہو جس طرح کہ ہم نے پہلے ساتویں ہزار سال کا ذکر کیا ہے جس میں حضور ﷺ جلوہ افروز ہوئے۔ ممکن ہے کہ یہ حساب آپ ﷺ کی بعثت یا وصال

اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (بقرہ)

"کیا (یوں نہیں) کہ جب کبھی انہوں نے وعدہ کیا تو پھر توڑ پھینکا اسے انہیں میں سے ایک گروہ نے"۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝ (بقرہ)

"اور یقیناً ہم نے اتارے ہیں آپ پر روشن نشان اور کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا ان کا بجز نافرمانوں کے۔ ان کی اکثریت ایمان نہیں لائی"۔

ابن حریملہ اور وہب کے بارے نازل ہونے والی آیت

رافع بن حریملہ اور وہب بن زید نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی "اے محمد مصطفیٰ ﷺ! ہمارے پاس ایسی کتاب لے کر آئیں جسے آپ ﷺ نے آسمان سے اتارا ہو تاکہ ہم اسے پڑھیں ہمارے لئے نہریں رواں فرمادیں، ہم آپ ﷺ کی تصدیق کریں گے اور آپ ﷺ کی اتباع کریں گے"۔ اللہ رب العزت نے یہ آیت اتاری۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ (بقرہ)

"کیا تم (یہ) چاہتے ہو کہ پوچھو اپنے رسول سے کہ (ایسے سوال) جیسے پوچھے گئے موسیٰ سے اس سے پہلے اور جو بدل لیتا ہے کفر کو ایمان سے وہ بھٹک گیا سیدھے رستہ سے"۔

ابن ہشام کہتے ہیں سَوَاءَ السَّبِيلِ کا معنی ہے راستہ کے وسط میں۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شعر ہے۔

يَا وَيْحَ اَنْصَارِ النَّبِيِّ وَ رَهْطِهٖ بَعْدَ الْمُغَيَّبِ فِي سَوَاءِ الْمُلْحَدِ

یا ہجرت سے شروع ہو۔ ہر اعتبار سے یہ ایک دوسرے کے قریب تر ہی ہے۔ قیامت کی علامامت کا ظہور ہو چکا ہے، قیامت تو تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی۔ روایت ہے کہ متوکل عباسی نے قاضی جعفر بن عبدالواحد عباسی سے سوال کیا کہ دنیا کی عمر کتنی باقی رہ گئی ہے؟ اس نے حضور اکرم ﷺ سے مرفوع حدیث بیان کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اگر میری امت نے عمدہ افعال سرانجام دیئے تو اس کی بقا کی مدت آخرت کے ایام میں ایک "یوم" ہوگی اور آخرت کا یوم ایک ہزار سال کے برابر ہے اگر اس نے برے اعمال کیے تو پھر اس کی عمر نصف یوم ہے۔ اس حدیث میں سابقہ حدیث کی تتمیم اور بیان ہے، پانچ سو سال تو بیت چکے ہیں مگر امت مرحومہ روئے زمین پر موجود ہے۔ الحمدللہ۔

حضور ﷺ کے انصار اور آپ ﷺ کے قبیلہ کے لوگ قابل رحم ہیں بعد اس کے کہ آپ مرقد انور کے وسط میں تشریف فرما ہو گئے۔

حیی بن احطب اور اس کے بھائی کا کردار

ابن اسحاق کہتے ہیں، حیی بن احطب اور ابو یاسر بن احطب اہل عرب کے سب سے زیادہ حاسد تھے۔ جب اللہ رب العزت نے حضور ﷺ کو نبوت کے تاج زریں کے لئے مخصوص فرمایا تو ان کے حسد و بغض کی آتش مزید بھڑک اٹھی، وہ حتی المقدور لوگوں کو اسلام سے روکنے کی کوشش کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل کی۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (بقرہ)

"دل سے چاہتے ہیں بہت سے اہل کتاب کہ کسی طرح پھر بنا دیں تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر ان کی یہ آرزو بوجہ اس حسد کہ ہے جو ان کے دلوں میں ہے (یہ سب کچھ) اس کے بعد جبکہ خوب واضح ہو چکا ہے ان پر حق پس (اے غلامانِ مصطفیٰ) معاف کرتے رہو اور درگزر کرتے رہو یہاں تک کہ بھیج دے اللہ (ان کے بارے میں) اپنا حکم بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

بارگاہِ رسالت میں یہود و نصاریٰ کا تنازعہ

ابن اسحاق کہتے ہیں جب نجران کے عیسائیوں کا وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو علمائے یہود بھی وہیں آ گئے۔ وہ حضور ﷺ کے پاس ہی جھگڑنے لگے۔ رافع بن حریملہ نے عیسائیوں سے کہا تم کسی چیز پر نہیں ہو اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل مقدس کا انکار کر دیا۔ اہل نجران

سورتوں کے اوائل میں حروف مقطعات ذکر کرنے میں کئی اسرارِ نہاں اور فوائد لطیفہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب حکیم میں وہ چیز کیسے نازل کر سکتا تھا جس کا فائدہ ہی نہ ہو اور اپنے نبی محترم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایسے الفاظ سے کیسے خطاب کر سکتا تھا جنہیں وہ سمجھ ہی نہ سکتے ہوں اس نے تو قرآن کو لوگوں کے لئے واضح بیان بنا کر نازل کیا ہے۔ یہ سینوں کے روگوں کے لئے شفاء ہے ان چودہ حروف کو مختص کرنے میں حکمت پنہاں ہے بلکہ کئی حکمتیں ہیں۔ انہیں حروف تہجی کی ہیئت میں نازل کرنے میں کئی علمی اور فقہی فوائد ہیں۔ انہیں سورتوں کے آغاز میں ذکر کرنے میں اور پھر بعض سورتوں کے ساتھ مختص کرنے میں بھی کئی راز ہیں۔ "ال" کے ملنے اور حروف سے پہلے آنے میں بھی کئی اسرار ہیں۔ "ال"

کے ایک شخص نے کہا اے یہودیو! تم کسی چیز پر نہیں ہو، اس نے بھی حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی نبوت اور تورات مقدس کا انکار کر دیا۔ اللہ رب العزت نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١١٣﴾ (بقرہ)

''اور کہتے ہیں، یہودی کہ نہیں ہیں عیسائی سیدھی راہ پر اور کہتے ہیں عیسائی نہیں ہیں، یہودی سیدھی راہ پر حالانکہ وہ سب پڑھتے ہیں (آسمانی) کتاب اسی طرح کہی ان لوگوں نے جو کچھ نہیں جانتے ان کی سی بات تو (اب) اللہ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن جن باتوں میں وہ جھگڑتے رہتے ہیں''۔

ان میں سے ہر ایک گروہ کتاب میں سے وہ حصہ تلاوت کرتا ہے جو اس کے کفر کی تصدیق کرتا ہے مثلاً یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس تورات موجود ہے جس میں وہ معاہدہ بھی مرقوم ہے جس میں ان کو حضرت موسیٰ نے حکم دیا تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ کی تصدیق کریں اور انجیل میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کے شواہد موجود ہیں اور تورات کی صداقت کے بھی دلائل ہیں ہر گروہ اپنے نبی کی تعلیمات کا انکار کر رہا ہے۔

ابن حریملہ کی تمنا

ابن اسحاق کہتے ہیں حریملہ بن رافع نے حضور اکرم ﷺ سے کہا ''اے محمد مصطفیٰ ﷺ! اگر آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ سے عرض کریں کہ وہ ہم سے کلام کرے اور ہم اس کے کلام کو سنیں''۔ اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل کی۔

کے بعد کبھی میم اور کبھی راء ذکر کرنے کے بھی کئی راز ہیں پھر یہ ال سورتوں کے آغاز میں تیرہ مرتبہ آئے ہیں اس میں بھی راز ہے ہاء سے پہلے کاف، یاء سے پہلے ھاء، پھر عین اور پھر ص کو ذکر کرنے میں بھی کئی معانی مخفی ہیں۔ ان میں سے اکثر پر آیات قرآنیہ آگہی بخشتی ہیں اور غور و تدبر کرنے والوں کو عرفان کی دولت سے نوازتی ہیں۔ اہل دانش اور اصحاب فکر پر ضروری ہے کہ وہ ان معانی میں فکر و خوض کریں اور دریائے فکر سے گوہر ہائے آبدار نکالیں اور کتاب و سنت سے ان کے شواہد کی جستجو کریں۔ اگر ہم نے اس اسرار نہاں اور حکمت پنہاں سے نقاب کشائی شروع کی تو ہم موضوع سے ہٹ جائیں گے اور بحث بحث طویل ہو جائے گی۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَاۤ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

ابن صوریا کے سوال کا جواب

عبداللہ بن صوریا الاعور الفطیونی نے حضور ﷺ سے کہا "ہدایت وہی ہے جس پر ہم گامزن ہیں۔اے محمد مصطفیٰ ﷺ آپ ہماری اتباع کرلیں ہدایت پاجائیں گے"۔عیسائیوں نے بھی اسی طرح کہا، اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں یہ آیات نازل کیں۔

وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَاۤ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَاۤ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ٘ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَ هُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ۚ وَ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾ (بقرہ)

"اور(یہودی) کہتے ہیں یہودی بن جاؤ(عیسائی کہتے ہیں)عیسائی بن جاؤ(تب)ہدایت پالو گے۔آپ فرمایئے میرا دین تو دین ابراہیم ہے جو باطل سے منہ موڑنے والا حق پسند تھا اور وہ نہیں تھا شرک کرنے والوں سے کہہ دو ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس پر جو نازل کیا گیا ہے ہماری طرف اور جو اتارا گیا ابراہیم واسماعیل واسحاق ویعقوب اور ان کی اولاد کی طرف اور جو عطا کیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ کو اور جو عنایت کیا گیا دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے ہم فرق نہیں کرتے ان میں کسی پر ایمان لانے میں اور ہم تو اللہ کے فرمانبردار ہیں تو اگر یہ بھی ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو جب تو وہ ہدایت پاگئے اور اگر وہ منہ پھیریں تو(معلوم ہوگیا کہ) وہی مخالفت پر کمربستہ ہیں تو کافی ہوجائے گا آپ کو ان کے مقابلے میں اللہ اور وہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے(ہم پر)اللہ کا رنگ(چڑھا ہے)اور کس کا رنگ خوبصورت ہے اللہ

کے رنگ سے ہم تو اسی کے عبادت گزار ہیں آپ فرمائیے کیا تم جھگڑتے ہو اللہ تعالیٰ کے بارے حالانکہ وہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک اور ہمیں ہمارے اعمال اور تمہیں تمہارے اعمال فائدہ پہنچائیں گے ہم تو اسی کی اخلاص سے عبادت کرتے ہیں کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب اور ان کے بیٹے یہودی تھے یا عیسائی فرمائیے کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو چھپاتا ہے گواہی جو اللہ کی طرف سے اس کے پاس ہے اور اللہ بے خبر نہیں ہے جو کچھ تم کر رہے ہو وہ ایک امت تھی جو گزر چکی۔ اسے ملے گا جو اس نے کمایا اور تمہیں ملے گا جو تم نے کمایا اور تم سے نہ پوچھا جائے گا اس سے جو وہ کیا کرتے تھے"۔

تحویل قبلہ کے وقت یہودیوں کا واویلا

ابن اسحاق کہتے ہیں جب کعبہ مقدسہ کو قبلہ بنایا گیا تو اس وقت حضور ﷺ کی مدینہ طیبہ تشریف آوری کو سترہ ماہ گزر چکے تھے۔ رفاعہ بن قیس، قردم بن عمرو، کعب بن اشرف، رافع بن ابی رافع حجاج بن عمرو (کعب بن اشرف کا حلیف)، ربیع بن ربیع بن ابی الحقیق اور کنانہ بن ربیع بن ابی حقیق بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے "اے محمد عربی ﷺ! پہلے قبلہ سے آپ ﷺ کو کس نے پھیر دیا ہے؟ حالانکہ آپ ﷺ گمان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ملت ابراہیمی پر ہیں۔ اپنے پہلے قبلہ کی طرف لوٹ آئیں، ہم آپ ﷺ کی اتباع کریں گے، آپ ﷺ کی تصدیق کریں گے" ایسے قول سے وہ حضور ﷺ کو فتنے میں مبتلا کرنا چاہتے تھے۔ اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل کی۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ

تحویل قبلہ

ابن اسحاق نے تحویل قبلہ کا ذکر کیا ہے اور ان بے سروپا باتوں کا بھی ذکر کیا ہے جو اس وقت یہودیوں نے کی تھیں۔ وہ احمق تھے یہ آیت سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ...... انہی کے متعلق نازل ہوئی ہے اللہ تعالیٰ نے فعل مستقبل اس لئے ذکر کیا ہے کیونکہ اس کے علم قدیم میں تھا کہ بے وقوف ایسی باتیں کریں گے میں نے تحویل قبلہ کا حکم صرف اسی لئے دیا ہے کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ احمق کیا کہیں گے

الرَّسُولَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۭ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ (بقرہ:۱۴۳)

"اب کہیں گے بے وقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا ان (مسلمانوں) کو اپنے قبلہ سے جس پر وہ اب تک تھے۔ آپ فرمایئے اللہ ہی کا ہے مشرق بھی اور مغرب بھی ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف اور اسی طرح ہم نے بنا دیا تمہیں (اے مسلمانو) بہترین امت تاکہ تم گواہ بنو لوگوں پر اور (ہمارا) رسول تم پر گواہ ہو، اور نہیں مقرر کیا ہم نے (بیت المقدس کو) قبلہ جس پر آپ اب تک رہے مگر اس لئے کہ ہم دیکھ لیں کہ کون پیروی کرتا ہے ہمارے رسول کی اور کون مڑتا ہے الٹے پاؤں بے شک یہ حکم بہت بھاری ہے مگر ان پر بھاری نہیں جنہیں اللہ نے ہدایت فرمائی اور نہیں اللہ کی یہ شان کہ ضائع کر دے تمہارا ایمان۔

تمہارے پہلے قبلہ پر ایمان ضائع نہیں کرے گا اپنے نبی محترم ﷺ کی تصدیق کو ضائع نہیں کرے گا اور تم نے جو دوسرے قبلہ میں حضور ﷺ کی اتباع کی ہے اسے ضائع نہیں کرے گا اور تمہیں اجر عظیم سے نوازے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (بقرہ)

"بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت ہی مہربان اور رحم فرمانے والا ہے"۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ (بقرہ:۱۴۴)

"ہم دیکھ رہے ہیں آسمان کی طرف بار بار آپ کا منہ کرنا تو ہم ضرور پھیر دیں گے آپ کو اس قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں (تو) اب پھیر لو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف (اے مسلمانو!) جہاں کہیں تم ہو پھیر لیا کرو اپنے منہ اس کی طرف"۔

ابن ہشام کہتے ہیں شَطْرَهٗ کا معنی ہے نحوہٗ وقصدہٗ۔ عمرو بن احمد الباھلی اونٹنی کی تعریف میں کہتا ہے۔

تَعْدُوْ بِنَا شَطْرَ جَمْعٍ وَ هِيَ عَاقِدَةٌ   قَدْ كَارَبَ الْعَقْدُ مِنْ اِيْفَادِهَا الْحَقَبَا

ہم نے حضرت براء بن معرور کے واقعہ میں تحویل قبلہ کے فوائد ذکر کر دیئے ہیں وہاں سے مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ تَعْدُوْ بِنَا شَيْخٌ کی کتاب کے حاشیہ میں مِنْ اِيْفَادِهَا کی جگہ مِنْ اِشْرَافِهَا ہے، محمد بن عبداللہ ابرقی نے بھی اسی طرح لکھا ہے انہوں نے كَارَبَ کی جگہ قَارَبَ لکھا ہے۔ یہ شعر اس طرح بھی روایت ہے۔

اونٹنی ہمیں لے کر مزدلفہ کی طرف بھاگ رہی ہے۔ وہ گردن اٹھائے ہوئے ہے اور برق رفتاری کی وجہ سے اس کی دم اس کے تنگ کو چھونے لگی ہے۔

قیس بن الھذلی اونٹنی کی تعریف میں کہتا ہے۔

اِنَّ النَّعُوْسَ بِھَاذَاءٌ مُخَامِرُھَا مَشْطُرُھَا نَظَرُ الْعَيْنَيْنِ مَحْسُوْرُ

نعوس ایسی بیماری میں مبتلا ہے جو اس کے اندر تک سرایت کئے ہوئے ہے۔ اس کی طرف دیکھنا نگاہوں کو تھکا دیتا ہے۔

ابن ہشام کہتے ہیں، نعوس اس کی اونٹنی کا نام جسے ایک خطرناک بیماری تھی اسے دیکھنا نگاہوں کو تھکا دیتا تھا۔

وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ ۝ وَ لَىِٕنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ بِکُلِّ اٰیَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَ مَاۤ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَ مَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَ لَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۝ (بقرہ)

"اور بے شک وہ جنہیں کتاب دی گئی ضرور جانتے ہیں کہ یہ حکم برحق ہے ان کے رب کی طرف سے اور نہیں اللہ تعالیٰ بے خبر ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں اور اگر آپ لے آئیں اہل کتاب کے پاس ہر ایک دلیل پھر بھی نہیں پیروی کریں گے آپ کے قبلے کی اور نہ آپ پیروی کرنے والے ہیں ان کے قبلہ کی اور نہ وہ ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں اور اگر بفرض محال آپ پیروی کریں ان کی خواہشوں کی اس کے بعد کہ آچکا آپ کے پاس علم تو یقیناً آپ اس وقت ظالموں میں سے ہو جائیں گے جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ پہچانتے ہیں انہیں جیسے وہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور بے شک ایک گروہ ان میں سے چھپاتا ہے حق کو جان بوجھ کر یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے تو ہرگز بن جانا شک کرنے والوں سے"۔

تَعْدُوْ بِنَا عُرْضَ جَمْعٍ وَ ھِیَ مُوْقَدَۃٌ قَدْ کَارَبَ الْعَرْضَ مِنْ اِیْفَادِھَا الْحَقَبَا

تَعْدُوْ، العدو سے مشتق ہے، بِنَا سے مراد ساز و سامان ہے عرض جمع سے مراد مکہ معظمہ ہے میرے نزدیک عرض کہنا زیادہ بہتر ہے، عرض سے مراد لوگوں کا اژدہام ہوتا ہے۔ علامہ اصمعی کہتے ہیں

یہودیوں کا تورات میں سے حق چھپانا

حضرت معاذ بن جبل اور حضرت سعد بن معاذ اور حضرت خارجہ بن زید نے یہودی علماء سے ان اشیاء کے متعلق پوچھا جن کا ذکر تورات میں تھا مگر انہوں نے انہیں پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی اور انہیں بتانے سے انکار کر دیا، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡبَیِّنٰتِ وَالۡهُدٰی مِنۡۢ بَعۡدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الۡکِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَلۡعَنُهُمُ اللّٰهُ وَیَلۡعَنُهُمُ اللّٰعِنُوۡنَ ﴿۱۵۹﴾ (بقرہ)

دعوتِ اسلام پر گستاخانہ جواب

حضور ﷺ نے یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی اور انہیں اس کی ترغیب دی، انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور سزا سے ڈرایا تو رافع بن خارجہ اور مالک بن عوف نے گستاخی سے کہا ''اے محمد مصطفیٰ ﷺ ہم انہی عقائد کی پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے آباء کو پایا ہے وہ ہم سے بہتر اور زیادہ عالم تھے''۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

وَ اِذَا قِیۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلۡفَیۡنَا عَلَیۡهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوۡ کَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ شَیۡئًا وَّلَا یَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۷۰﴾ (بقرہ)

''اور جب کہا جاتا ہے ان سے پیروی کرو اس کی جو نازل فرمایا ہے اللہ نے تو کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو۔ اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھ سکتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں''۔

مُوۡقِدَۃٌ سے مراد بلند ہونے والی ہے۔ وَهِیَ عَاقِدَۃٌ سے مراد ہے کہ وہ اپنی گردن مروڑے ہوئے تھی۔ العرض سے مراد کجاوے کا تنگ ہے۔ اِیۡفَادُهَا سے مراد اس کی رفعت ہے، اِقۡتَادَتۡ سے مراد یہ ہے کہ اس نے اپنی گردن بلند کی دم کو اٹھایا اور انہیں تنگ کے قریب کر دیا۔ اس شعر سے پہلے یہ شعر ہے۔

اَنۡشَاْتُ اَسۡاَلُ عَنۡ حَالِ رُفۡقَتِهٖ فَقَالَ حَیَّ فَاِنَّ الرَّکۡبَ قَدۡ نَصَبَا

میں کارواں کی کیفیت کے متعلق پوچھنے لگا، اس نے کہا آؤ قافلہ تھک چکا ہے۔

بنوقینقاع کے بازار میں یہود کا اجتماع

جب غزوہ بدر میں قریش مکہ کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا، حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے اور یہودیوں کو بنوقینقاع کے بازار میں جمع کیا، آپ ﷺ نے فرمایا ''اے معشر یہود! اسلام قبول کرلو اس سے قبل کہ تمہیں بھی ویسے ہی عذاب کا سامنا کرنا پڑے جیسے عذاب کا سامنا قریش کو کرنا پڑا ہے''۔ یہودیوں نے کہا ''اے محمد عربی! ﷺ آپ ﷺ کا نفس آپ ﷺ کو فریب نہ دے۔ آپ ﷺ قریش کے ان لوگوں سے معرکہ آزما ہوئے ہیں جو جنگی چالوں سے ناآشنا تھے بخدا! اگر آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ جنگ کی تو آپ ﷺ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم کیسے جنگجو افراد ہیں''۔ اس وقت ان آیات کا نزول ہوا۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِىْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْىَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ ۝ (آل عمران)

''اے میرے رسول فرما دو ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا کہ عنقریب مغلوب کئے جاؤ گے اور ہانکے جاؤ گے جہنم کی طرف اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے، بے شک تھا تمہارے لیے عبرت کا نشان ان دو گروہوں میں جو ملے تھے میدانِ بدر میں ایک گروہ لڑتا تھا اللہ کی راہ میں اور دوسرا کافر تھا۔ دیکھ رہے تھے (مسلمان انہیں) اپنے سے دو چند اپنی آنکھوں سے اور اللہ مدد کرتا ہے اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے، یقیناً اس واقعہ (بدر) میں بہت بڑا سبق ہے آنکھ والوں کے لئے''۔

بیت المدارس میں تشریف آوری

داعی حق ﷺ بیت المدارس میں تشریف لے گئے اور یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی۔ نعمان بن عمرو اور حارث بن زید نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی ''اے محمد عربی! ﷺ آپ کس دین پر ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''میں ملت ابراہیمی اور دین ابراہیم پر ہوں'' انہوں نے کہا حضرت

يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ

اس کا معنی یہ ہے کہ کفار مومنین کو دوگنا دیکھ رہے تھے، اگرچہ یہ تعداد میں کم تھے، کیونکہ ملائکہ بھی مسلمانوں کے ہم رکاب تھے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ دوسری آیت میں تو ارشاد ہے۔ يُقَلِّلُكُمْ فِىْٓ اَعْيُنِهِمْ۔ ''قلیل کر دیا تمہیں ان کی نظروں میں''۔ یہ تضاد کیسے دور ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ

ابراہیم علیہ السلام تو یہودی تھے"۔ حضور علیہ نے فرمایا تورات لے کر آؤ وہ ہمارے مابین فیصلہ کرے گی مگرانہوں نے انکار کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیات نازل کیں۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يُدۡعَوۡنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ وَهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ ۖ وَغَرَّهُمۡ فِىۡ دِيۡنِهِمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ۝ (آل عمران)

"کیانہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا کچھ حصہ کتاب کا جب بلائے جاتے ہیں کتاب الٰہی کی طرف تاکہ تصفیہ کردے ان کے باہمی جھگڑوں کا تو پیٹھ پھیر لیتا ہے ان میں سے ایک گروہ درآں حال کہ وہ روگردانی کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس بے باکی کی وجہ یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ بالکل نہ چھوئے گی ہمیں دوزخ کی آگ مگر چند دن گنے ہوئے اور فریب میں مبتلا رکھا انہیں ان کے معاملہ میں ان باتوں نے جو وہ خود گھڑا کرتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے یہود ونصاریٰ کا اختلاف

جب یہودی اور نصاریٰ نجران بارگاہِ رسالت میں جمع ہوئے تو وہ جھگڑنے لگے۔ یہودی علماء نے دعویٰ کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور نصاریٰ نے کہا وہ عیسائی تھے۔ اللہ رب العزت نے یہ آیت اتاری۔

يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِىۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمَاۤ اُنۡزِلَتِ التَّوۡرٰٮةُ وَالۡاِنۡجِيۡلُ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۝ هٰۤاَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَاۤءِ حَاجَجۡتُمۡ فِيۡمَا لَـكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِيۡمَا لَيۡسَ لَـكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ مَا كَانَ اِبۡرٰهِيۡمُ يَهُوۡدِيًّا وَّلَا نَصۡرَانِيًّا وَّلٰكِنۡ كَانَ حَنِيۡفًا مُّسۡلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝ اِنَّ اَوۡلَى النَّاسِ بِاِبۡرٰهِيۡمَ لَـلَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ وَاللّٰهُ وَلِىُّ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝ (آل عمران)

"اے اہل کتاب کیوں جھگڑتے ہو ابراہیم کے بارے میں حالانکہ نہیں اتاری گئی تورات اور انجیل مگر ان کے بعد کیا اتنا بھی تم نہیں سمجھ سکتے۔ سنتے ہو تم وہ لوگ ہو جو جھگڑتے رہے ہو اب تک ان باتوں میں جن کا تمہیں کچھ نہ علم تھا، پس اب کیوں جھگڑنے لگے ہو ان باتوں میں نہیں

کیفیت قتال سے قبل تھی جب کفار، مومنین کے بالمقابل تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو قلیل سمجھا اور اس پر فخر کرنے لگے تو اللہ رب العزت نے مسلمانوں کی مدد ملائکہ سے فرمادی پھر انہیں مسلمان کثیر تعداد میں نظر آئے اور انہیں ہزیمت اٹھانا پڑی۔ کہا جاتا ہے کہ یَرَوْنَھُمْ میں "ھم" ضمیر کفار کی طرف راجع ہے

ہے تمہیں جن کا کچھ علم اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ نہ تھے ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی بلکہ وہ ہر گمراہی سے الگ رہنے والے مسلمان تھے اور نہ ہی وہ شرک کرنے والوں میں سے تھے۔ بے شک نزدیک تر لوگ ابراہیم سے وہ تھے جنہوں نے ان کی پیروی کی نیز یہ نبی کریم اور جو اس نبی پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ مددگار ہے مؤمنوں کا۔"

یہودیوں کی انتہائی گھناؤنی سازش

عبداللہ بن صیف، عدی بن زید اور حارث بن عوف نے باہمی مشاورت کی کہ ہم صبح کے وقت اس پیام پر ایمان لے آتے ہیں جو محمد عربی ﷺ پر نازل ہوا ہے اور وقت شام اس کا انکار کر دیں گے پھر مسلمانوں پر دین حق ملتبس ہو جائے گا اور وہ اپنے دین سے لوٹ آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل کی۔

يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (آل عمران)

"اے اہل کتاب کیوں ملاتے ہو حق کو باطل کے ساتھ اور کیوں چھپاتے ہو حق کو حالانکہ تم جانتے ہو، کہا ایک گروہ نے اہل کتاب سے کہ ایمان لے آؤ اس کتاب پر جو اتاری گئی ایمان والوں پر صبح کے وقت اور انکار کر دو اس کا سر شام شاید اس طرح وہ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں کہ مت مانو کسی کی بات سوائے ان لوگوں کے جو پیروی کرتے

مسلمان انہیں دوگنا دیکھ رہے تھے، وہ مسلمانوں سے تین گنا تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں نگاہِ مؤمنین میں قلیل کر دکھایا۔ بعض علماء نے "تَرَوْنَهُمْ" پڑھا ہے، ممکن ہے یہ خطاب یہودیوں کو ہو۔ "اے یہود! تم غزوۂ بدر کے دن دیکھ رہے تھے کہ مشرکین مسلمانوں سے دوگنا تھے"۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین کی تعداد ایک ہزار تھی۔ اخنس بن شریق بنو زہرہ کے ہمراہ ان سے علیحدہ ہو گیا ان کی تعداد سات سو ہو گئی۔ ممکن ہے کہ خطاب مشرکین سے ہو، یعنی اے مشرکو! تم مسلمانوں کو دوگنا دیکھ رہے تھے جب اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے ان کی نصرت فرمائی تو یہ معنی پہلے معنی کی مانند ہو گیا۔

ہیں تمہارے دین کی۔ فرمایئے ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہو۔ اور یہ بھی نہ ماننا کہ دیا جا سکتا ہے کسی کو جیسے تمہیں دیا گیا یا کوئی حجت لاسکتا ہے تم پر تمہارے رب کے پاس، اے حبیب فرما دیجئے کہ فضل وکرم تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے''۔

ابورافع کی گستاخی

جب علماء یہود اور نصاریٰ نجران حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو ابورافع نے کہا۔ ''اے محمد عربی! ﷺ کیا آپ ﷺ چاہتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کی اس طرح پوجا کریں جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں''۔ ایک نصرانی رئیس نے کہا ''اے محمد عربی ﷺ! کیا آپ ﷺ ہم سے یہی تمنا کرتے ہیں اور اسی کی طرف دعوت دیتے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''معاذ اللہ! اللہ کی پناہ کہ میں اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کروں یا اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرنے کا حکم دوں۔ میری بعثت کا مقصد یہ نہیں ہے اور نہ ہی مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے''۔ اللہ رب العزت نے اس وقت یہ آیت نازل کی''۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ (آل عمران)

''نہیں ہے مناسب کسی انسان کے لئے کہ جب عطا فرمادے اللہ تعالیٰ کتاب اور حکمت اور نبوت تو پھر وہ کہنے لگے لوگوں سے کہ بن جاؤ میرے بندے اللہ کو چھوڑ کر (وہ تو یہ کہے گا کہ) بن جاؤ اللہ والے۔ اس لئے تم دوسروں کو تعلیم دیتے رہتے ہو کتاب کی اور بوجہ اس کے کہ تم خود بھی

رَبَّانِيِّيْنَ

ابن ہشام نے کہا ہے کہ اس سے مراد علماء، فقہاء اور سردار ہیں۔ بخاری شریف میں بعض اہل علم سے روایت ہے کہ رَبَّانِيُّوْنَ سے مراد وہ علماء ہیں جو لوگوں کو علم کی رفعتوں پر آشیاں بند کرتے ہیں۔ اہل علم کے لئے رب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور اسم کی تفخیم کے لئے الف، نون کا اضافہ کیا گیا ہے۔ القوس سے مراد صومعہ ہے ضرب المثل ہے۔ اَنَا بِالْقُوْسِ وَ اَنْتَ بِالْقَرْقُوْسِ فَكَيْفَ نَجْتَمِعُ۔ میں گرجا میں اور تو کشادہ میدان میں ہے ہم کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟

اسے پڑھتے تھے اور وہ (مقبول بندہ) نہیں حکم دے گا تمہیں اس بات کا کہ بنالو فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا (تم خود سوچو) کیا وہ حکم دے سکتا ہے تمہیں کفر کرنے کا بعد اس کے کہ تم مسلمان بن چکے ہو"۔

ابن ہشام کہتے ہیں۔ "الرَّبَّانِيُّوْنَ" سے مراد علماء، فقہاء اور سردار ہیں شاعر کہتا ہے۔

لَوْ كُنْتُ مُرْتَهِنًا فِي الْقَوْسِ اَفْتَنَنِي مِنْهَا الْكَلَامُ وَ رَبَّانِيُّ اَحْبَارِ

اگر میں کسی گرجا میں بھی خلوت گزیں ہوتا تو پھر بھی مجھے اور گرجا کے راہب کو اس کا کلام فتنہ میں مبتلا کر دیتا۔

ابن ہشام کہتے ہیں قوس سے مراد راہب کا گرجا ہے۔ "اَفْتَنَنِي" بنو تمیم کی لغت ہے اور "فَتَنَنِي" بنو قیس کی لغت ہے، جریر کہتا ہے۔

لَا وَصْلَ اِذْ صَرَمَتْ هِنْدٌ وَ لَوْ وَقَفَتْ لَاسْتَنْزَلَتْنِي وَ ذَالْمِسْحَيْنِ فِي الْقَوْسِ

اب وصال کی کوئی امید نہیں جبکہ ہند جدا ہو چکی ہے اگر وہ کھڑی ہو جاتی تو پھر مجھے اور گرجا کے پادری کو مقامِ زہد سے نیچے اتار لیتی۔

رَبَّانِيُّ، رَبٌّ سے مشتق ہے اس کا معنی سردار یا آقا ہے۔ قرآن پاک میں ہے فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں، ارشاد ربانی ہے۔

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝

"اور وہ مقبول بندہ نہیں ہے حکم دے گا تمہیں اس بات کا کہ بنالو فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا تم خود سوچو کیا وہ حکم دے سکتا ہے تمہیں کفر کرنے کا بعد اس کے کہ تم مسلمان بن چکے ہو"۔

فَتَنْتُهٗ اور اَفْتَنْتُهٗ میں فرق

سیبویہ نے ان دونوں کے مابین فرق کیا ہے انہوں نے خلیل کے قول سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اَفْتَنْتُهٗ کا معنی ہے میں نے اسے فتنہ میں مبتلاء کر دیا اور فَتَنْتُهٗ کا معنی ہے میں نے اس میں بگاڑ پیدا کر دیا جس طرح كَحَلْتُهٗ کا معنی ہے میں نے اس کی آنکھوں میں سرمہ ڈال دیا۔ اس فرق کا لب لباب یہ ہے کہ فَتَنْتُهٗ کا معنی ہے صَرَفْتُهٗ میں نے اسے پھیر دیا ہے یہ اسی لئے اس کے وزن پر ہے کیونکہ مفتون کو حق سے پھیر دیا جاتا ہے۔ اَفْتَنْتُهٗ اَضْلَلْتُهٗ اور اَغْوَيْتُهٗ کے معنی میں ہے اسی لئے یہ اس کے وزن پر ہے فَتَنَ کا لفظ لوہے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اس کا معنی لوہے کو پرکھنا ہے"۔

انبیائے کرام سے میثاق لینے کا تذکرہ

پھر اللہ رب العزت نے اس میثاق کا تذکرہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام سے لیا کہ جب آپ ﷺ تشریف لائیں گے تو وہ آپ ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کریں گے اور آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کا اقرار کریں گے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ (آل عمران)

"اور یاد کرو جب لیا اللہ نے انبیاء سے پختہ وعدہ کہ قسم ہے تمہیں اس کی جو دوں میں تم کو کتاب اور حکمت سے پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو ان کتابوں کی جو تمہارے پاس ہیں تو تم ضرور ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور ضرور مدد کرنا اس کی اس کے بعد فرمایا کیا تم نے اقرار کرلیا اور اٹھالیا تم نے اس پر میرا بھاری ذمہ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا (اللہ نے) فرمایا تو گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں"۔

انصار کے مابین فساد کی کوشش

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ شاس بن قیس ایک عمر رسیدہ شخص تھا کفر میں پختہ اور مسلمانوں کے خلاف شدید کینہ وبغض رکھتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اوس اور خزرج کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک محفل میں جمع تھے وہ وہاں محو گفتگو تھے ان کی جمعیت اور الفت کو دیکھ کر اس کی آتش غیض بھڑک اٹھی۔ اسے یہ بات سخت ناگوار گزری کہ اسلام نے ان کے مابین صلح وآشتی کے رشتے قائم کر دیئے ہیں حالانکہ پہلے ان کے مابین عداوت ودشمنی تھی۔ اس نے کہا "بنو قیلہ کے سرداران شہروں میں جمع ہوگئے ہیں قسم بخدا! ان کے اس اجتماع سے ہمارا چین وسکون ختم ہوگیا ہے۔ اس نے ایک یہودی جوان کو حکم دیا کہ ان کی طرف جا۔ اس کے ہمراہ بیٹھ جا۔ یوم بعاث کو یاد کر اور ان اشعار کو پڑھ جو اس موقع پر کہے گئے تھے"۔

یوم بعاث وہ دن تھا جب اوس اور خزرج ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہوئے تھے اوس کو خزرج پر فتح ہوئی۔ اس دن اوس کے سردار حضیر بن سماک الاشہلی اور ابو اسید بن حضیر تھے اور خزرج کا سردار عمرو بن نعمان البیاضی تھا۔ یہ تمام جنگ میں کام آگئے۔ ابن ہشام کہتے ہیں ابو

قیس بن اسلت نے کہا ہے۔

عَلٰی اَنْ قَدْ فُجِعْتُ بِذِیْ حِفَاظٍ فَعَاوَدَنِیْ لَهٗ حُزْنٌ رَصِیْنٌ

فَاِمَّا تَقْتُلُوْاهُ فَاِنَّ عَمْرًا اَعَضَّ بِرَاْسِهٖ عَضْبٌ سَنِیْنٌ

ایک خوددار شخص کی وجہ سے مجھے تکلیف دی گئی اس کی وجہ سے مجھے اندوہناک غم نے آلیا کیا تم اسے قتل کر دو گے۔عمرو نے اپنے سر کے ساتھ ایک شمشیر براں باندھی ہوئی تھی۔

جنگ بعاث کے تذکرہ سے سیرت میں انقطاع آجائے گا اس لئے اسے ترک کیا جاتا ہے۔

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ اس نوجوان نے اسی طرح کیا۔قوم کے مابین گفتگو میں تلخی آنے لگی وہ جھگڑنے لگے باہمی فخر کرنے لگے اوس بن قیظی (بنو حارثہ بن حارث میں سے) اور جبار بن صخر (بنو سلمہ میں سے) ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے۔انہوں نے ایک دوسرے سے کہا اگر تم چاہو تو جنگ کا آغاز دوبارہ ہوسکتا ہے''۔آتش غضب انتہائی عروج پر تھی انہوں نے کہا اب تم سے ملاقات اس سخت میدان میں ہوگی ہر طرف ہتھیار لاؤ! ہتھیار لاؤ! کی صدا آنے لگی۔لوگ ہتھیار لے کر ان کے پاس پہنچ گئے۔یہ خبر حضور اکرم ﷺ تک بھی پہنچ گئی۔آپ ﷺ مہاجرین کو ساتھ لے کر وہاں تشریف لائے۔آپ ﷺ نے فرمایا ''اے مسلمانو! اللہ اللہ! جاہلیت جیسے کام حالانکہ میں تمہارے سامنے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں راہِ ہدایت پر گامزن کر دیا ہے اور اسی دین متین سے تمہیں اعزاز بخشا ہے اس نے جاہلیت کو ختم کر دیا ہے، تمہیں کفر سے بچا لیا ہے اور تمہارے دلوں میں الفت و محبت ڈال دی ہے'' یہ دلنشیں الفاظ سن کر صحابہ کرام سمجھ گئے کہ یہ شیطانی امر تھا اور اس کے دشمنوں کا مکر تھا، وہ اشک فشاں ہو گئے۔بنو خزرج اور بنو اوس ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے، پھر سر جھکائے، دیدہ و دل فرشِ راہ کیے حضور ﷺ کے ہمراہ ہو گئے۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے شاس بن قیس کی لگائی ہوئی آگ کو سرد کر دیا۔اس واقعہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل کیا۔

قُلْ یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ (آل عمران)

''آپ فرمائیے، اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کرتے ہو، آپ فرمائیے، اے اہل کتاب تم کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے اسے جو ایمان لا چکا تم چاہتے ہو کہ اس راہ راست کو ٹیڑھا بنا دو حالانکہ تم خود اس کی راستی کے گواہ ہو اور نہیں ہے

اللہ بے خبر ان کرتوتوں سے جو تم کرتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت اوس بن قیظی، حضرت جبار بن صخر اور ان کے ساتھیوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝١٠٠ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝١٠١ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝١٠٢ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝١٠٣ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝١٠٤ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝١٠٥

''اے ایمان والو! اگر تم کہا مانو گے ایک گروہ کا اہل کتاب سے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ لوٹا کر چھوڑیں گے تمہیں تمہارے ایمان قبول کرنے کے بعد کافروں میں۔ اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم پھر کفر کرنے لگو حالانکہ تم وہ ہو کہ پڑھی جاتی ہیں تم پر اللہ کی آیتیں اور تم میں اللہ کا رسول بھی تشریف فرما ہے اور جو مضبوطی سے پکڑتا ہے اللہ کے دامن کو ضرور پہنچایا جاتا ہے اسے سیدھی راہ تک۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسے حق ہے اس سے ڈرنے کا اور خبردار نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو اور مضبوطی سے پکڑلو اللہ کی رسی سب مل کر اور جدا جدا نہ ہونا اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت (جو اس نے) تم پر فرمائی جب کہ تم تھے (آپس میں) دشمن پس اس نے الفت پیدا کردی تمہارے دلوں میں تو بن گئے تم اس کے احسان سے بھائی بھائی اور تم (کھڑے) تھے دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تو اس نے بچالیا تمہیں اس (میں گرنے) سے یونہی بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیتیں تاکہ تم ہدایت پر ثابت رہو ضرور ہونی چاہئے تم میں ایک جماعت جو بلایا کرے نیکی کی طرف اور حکم دیا کرے بھلائی کا اور روکا کرے بدی سے اور یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں اور نہ ہو جانا ان لوگوں کی طرح جو فرقوں میں بٹ گئے تھے اور اختلاف کرنے لگے تھے اس کے بعد بھی جب آ چکی تھیں ان کے پاس روشن نشانیاں اور ان

لوگوں کے لئے عذاب ہے بہت بڑا''۔

وَ مَا آمَنَ اِلَّا شَرَّارُنَا

ابن اسحاق کہتے ہیں جب حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت ثعلبہ بن سعیہ، حضرت اسید بن سعیہ، حضرت اسد بن عبید اور دیگر یہودی دامن اسلام سے وابستہ ہوئے، ایمان وتصدیق کی لازوال نعمت سے بہرہ ور ہوئے تو علمائے یہود اور کافروں نے کہا۔''ہم میں سے برے لوگوں نے ہی محمد عربی ﷺ کی اتباع کی ہے۔اگر وہ بہتر ہوتے تو پھر اپنے آباء کے دین کو نہ چھوڑتے اور نہ دوسرے کسی مذہب کو اپناتے'' اللہ رب العزت نے اس وقت یہ آیت نازل کی۔

لَيْسُوا سَوَآءً ۗ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ (آل عمران)

''سب یکساں نہیں اہل کتاب سے ایک گروہ حق پر قائم ہے یہ تلاوت کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کی رات کے اوقات میں اور وہ سجدے کرتے ہیں''۔

ابن ہشام کہتے ہیں، اٰنَاءَ اللَّیْلِ سے مراد رات کی گھڑیاں ہیں اس کا واحد اِنْیٌ ہے۔ مالک بن عویمر المتنخل الھذلی اپنے بیٹے کا مرثیہ کہتے ہوئے لکھتا ہے۔

حُلْوٌ وَ مُرٌّ كَعَطْفِ الْقِدْحِ شِيْمَتُهُ ... فِي كُلِّ اِنْيٍ قَضَاهُ اللَّيْلُ يَنْتَعِلُ

تیر کے کنارے کی طرح اس کی طبیعت شیریں و تلخ تھی وہ رات کے ہر لمحہ میں جوتے پہنتا تھا۔

لبید بن ربیعہ وحشی گدھے کی تعریف میں کہتا ہے۔

يُطَرِّبُ آنَاءَ النَّهَارِ كَاَنَّهُ ... غَوِيٌّ سَقَاهُ فِي التِّجَارِ نَدِيْمُ

وہ دن کے اوقات میں خوشی کا اظہار اس طرح کرتا ہے کہ گویا کہ وہ گمراہ ہو گیا ہے اور شراب خانے میں کسی ساتھی نے اسے شراب پلادی ہے۔

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي

آناء اللیل کی تفسیر

علامہ ابن ہشام نے آناء اللیل کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ آناء کا واحد انی ہے اور اس پر ہذلی کے قول سے استشہاد کیا ہے۔ پھر اس سے بھی عجیب یونس کا قول ہے کہ یہ قرآن کریم کی لغت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ (احزاب: ۵۴)۔

الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝ (آل عمران)

''ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور روز قیامت پر اور حکم دیتے ہیں بھلائی کا اور منع کرتے ہیں برائی سے اور جلدی کرتے ہیں نیکیوں میں اور یہ لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں''۔

یہودیوں کو راز دان بنانے کی ممانعت

ابن اسحاق کہتے ہیں، مسلمانوں میں سے کچھ لوگ یہود کے پڑوس اور ان سے عہد و پیمان ہونے کی وجہ سے صلہ رحمی کرتے تھے۔ اللہ رب العزت نے یہ آیات نازل کیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ۝ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ (آل عمران:۱۱۹)

''اے ایمان والو نہ بناؤ اپنا رازدار غیروں کو وہ کسر نہ اٹھا رکھیں گے تمہیں خرابی پہنچانے میں وہ پسند کرتے ہیں جو چیز تمہیں ضرر دے، ظاہر ہو چکا ہے بغض ان کے مونہوں (یعنی زبانوں سے) اور جو چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے وہ اس سے بھی بڑا ہے ہم نے صاف بیان کر دیں ہیں تمہارے لئے اپنی آیتیں اگر تم سمجھدار ہو۔ سنو تم تو وہ پاک دل ہو کہ محبت کرتے ہو ان سے اور وہ ذرا محبت نہیں کرتے تم سے اور مانتے ہو تم سب کتابوں کو''۔

یعنی تم اپنی کتاب پر ایمان لاتے ہو سابقہ کتب پر بھی ایمان رکھتے ہو جبکہ یہودی تمہاری

علمائے یہود کے متعلق نازل کردہ آیات میں سے بعض جملوں کا ذکر

علامہ ابن اسحاق نے علمائے یہود کے متعلق نازل کردہ بعض آیات کا ذکر کیا ہے۔ ان کے تمام سوالات واضح ہیں اور ان پر کلام غرض کتاب کے بجائے تفسیر قرآن کی طرف لے جاتا ہے۔ ان سوالات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَيَّانَ مُرْسٰهَا۔ ایان کے متعلق فراء نے کہا ہے یہ دو کلمے ہیں جنہیں ملا کر ایک کلمہ بنا دیا گیا۔ یہ اصل میں اَیُّ آن تھا اور الآن اور الا وان کا ایک ہی معنی ہے جیسے کہا جاتا ہے: راح اور ریاح۔ شاعر کا قول ہے

نَشَاوٰی تَسَاقَوْا بِالرِّيَاحِ الْمُفَلْفَلِ

ہروی نے ایان کے متعلق ایک اور توجیہہ بھی ذکر کی ہے کہ ممکن ہے اس کی اصل ایوان ہو پس واؤ کو یاء میں مدغم کر دیا گیا جیسے قِیَام میں ہوا۔

کتاب مقدس کا انکار کرتے ہیں تم اس بات کے زیادہ سزاوار ہو کہ تم ان سے بغض رکھو۔

وَاِذَا لَقُوْکُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْکُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِکُمْ (آل عمران:۱۱۹)

"اور جب وہ تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لاتے ہیں اور جب وہ تنہا ہوتے ہیں تو چباتے ہیں تم پر انگلیاں غصے سے، اے حبیب آپ فرمایئے مر جاؤ اپنے غصہ کو آگ میں جل کر"۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی غیرتِ ایمانی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ "بیت المدارس" میں یہودیوں کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے وہاں دیکھا کہ ایک شخص کے پاس لوگوں کا ہجوم تھا اس شخص کا نام "فنحاص" تھا۔ یہ ایک ماہر عالم تھا اس کے اردگرد علماء یہود مجتمع تھے، اسے "اشیع" کے لقب سے ملقب کیا جاتا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فنحاص سے کہا "اے فنحاص! اللہ سے ڈر اور اسلام قبول کر لے۔ اللہ کی قسم! تو خوب آگاہ ہے کہ محمد عربی ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول معظم ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ بارگاہِ ربوبیت سے پیغامِ حق لے کر تشریف لائے ہیں تمہارے پاس تورات وانجیل میں بھی آپ ﷺ کے تذکرے مرقوم ہیں"۔ فنحاص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا "اے ابوبکر! بخدا! ہم اللہ کے محتاج نہیں وہ ہمارا محتاج ہے۔ ہم اس کی طرف اتنی آہ وزاری نہیں کرتے جتنی آہ وزاری وہ ہماری طرف کرتا ہے، ہم اس سے مستغنی ہیں لیکن وہ ہم سے مستغنی نہیں ہے، اگر وہ ہم سے مستغنی ہوتا تو پھر ہمارے اموال بطورِ قرض طلب نہ کرتا جس طرح تمہارے صاحب بھی گمان کرتے ہیں، وہ تمہیں سود سے منع کرتا ہے مگر ہمیں سود دیتا ہے اگر وہ ہم سے مستغنی ہوتا تو ہمیں سود نہ دیتا"۔ (نعوذ باللہ من ھذہ الخرافات) یہ بکواسات سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آتش غضب بھڑک اٹھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے چہرے پر ایک شدید طمانچہ رسید کیا اور کہا "ارے گستاخ! مجھے اس ذات والا کی قسم! اگر ان معاہدوں کا پاس نہ ہوتا جو ہمارے اور تمہارے مابین ہیں تو میں تیرا سرتن سے جدا کر دیتا"۔

فنحاص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی "اے محمد مصطفیٰ ﷺ! ذرا دیکھیں تمہارے اس ساتھی نے میرا کیا حشر کیا ہے؟"۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اے ابوبکر! کس چیز نے تمہیں اس کام پر ابھارا؟" انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! ﷺ اس دشمن خدا نے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی گستاخی کی ہے، اس نے

گمان کیا ہے کہ اللہ رب العزت کی ذات فقیر اور یہ غنی ہیں۔ اس کی اس گستاخی پر مجھے غصہ آیا اور میں نے اس کے چہرے پر تھپڑ رسید کیا''۔ فنحاص نے انکار کر دیا اس نے کہا ''میں نے یہ بات نہیں کی''، اللہ رب العزت نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق میں فرمایا۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ (آل عمران)

''بے شک سنا اللہ نے قول ان گستاخوں کا جنہوں نے کہا کہ اللہ مفلس ہے، ہم غنی ہیں ہم لکھ لیں گے جو انہوں نے کہا نیز قتل کرنا ان کا انبیاء کو ناحق اور ہم کہیں گے کہ اب چکھو آگ کے عذاب کا مزہ''۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غیض و غضب کے متعلق ارشاد ہوا۔

وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ (آل عمران)

''اور یقیناً سنو گے تم ان سے جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا اذیت دینے والی بہت سی باتیں اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے''۔

پھر فنحاص اور دیگر علمائے یہود کے متعلق فرمایا۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۫ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

(آل عمران)

''اور یاد کرو جب لیا اللہ نے پختہ وعدہ ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی کہ تم ضرور کھول کر بیان کرنا اسے لوگوں سے اور نہ چھپانا اس کو تو الٹا انہوں نے پھینک دیا اس وعدہ کو اپنی پشتوں کے پیچھے اور انہوں نے خرید لی اس کے عوض تھوڑی سی قیمت سو بہت بری ہے وہ چیز جو وہ خرید رہے ہیں۔ ہرگز آپ خیال نہ کریں کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں اپنی کارستانیوں پر اور پسند کرتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ایسے کاموں سے جو انہوں نے کیے ہی نہیں تو ان کے متعلق یہ گمان نہ کرو کہ وہ امن میں ہیں عذاب سے ان کے لئے ہی تو دردناک عذاب ہے''۔

وہ علمائے یہود عذاب الیم کے مستحق ہیں جو دنیاوی زیب و آرائش پر فرحاں و شاداں ہیں، ان کا وطیرہ لوگوں کو راہِ ضلالت پر گامزن کرنا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کارناموں پر ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے سرانجام نہیں دیئے، لوگ انہیں ''علماء'' کہیں حالانکہ وہ اہل علم نہیں ہیں۔ وہ لوگوں کو شاہراہ حق و ہدایت پر چلاتے نہیں اور چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی تعریف کریں۔

مومنین کو بخل کا مشورہ

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ کردم بن قیس (کعب بن اشرف کا حلیف) اسامہ بن حبیب، نافع بن ابی نافع، بحری بن عمرو، حیی بن اخطب اور رفاعہ بن زید بن تابوت انصار کے ساتھ ملتے رہتے تھے اور انہیں ناصحانہ مشورے دیتے رہتے تھے، وہ ان سے کہتے ''اپنے اموال خرچ نہ کیا کرو ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں تم افلاس کا شکار نہ ہو جاؤ خرچ کرنے میں سرعت نہ کیا کرو تم نہیں جانتے کہ بالآخر انجام کیا ہو''۔ اللہ رب العزت نے ان آیات کا نزول فرمایا۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًاۚ۝۳۷ وَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا۝۳۸ وَ مَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا۝۳۹ (نساء)

''جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو بھی بخل کرنے کا اور چھپاتے ہیں جو عطا فرمایا ہے اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لئے اور نہیں ایمان رکھتے اللہ پر اور نہ روزِ قیامت پر اور وہ بدقسمت ہو جائے شیطان جس کا ساتھی پس وہ بہت برا ساتھی ہے اور کیا نقصان ہوتا ان کا اگر ایمان لاتے اللہ پر اور روز آخرت پر اور خرچ کرتے اس سے جو دیا ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اور اللہ تعالیٰ ان سے خوب واقف ہے''۔

انکارِ حق

ابن اسحاق کہتے ہیں، رفاعہ بن زید بن تابوت یہودیوں کا سردار تھا جب یہ حضور ﷺ سے گفتگو کرتا تو اپنی زبان مروڑتا اور کہتا۔ اَرْعِنَا سَمْعَكَ يَا مُحَمَّدُ۔ اے محمد مصطفیٰ ﷺ ہماری طرف نظر کرم فرمائیں تا کہ ہم آپ ﷺ کی گفتگو کو سن سکیں (یہ اپنی زبان کو مروڑ کر کہتا جس سے

مذکورہ بالا مفہوم تبدیل ہو جاتا) پھر یہ اسلام پر اعتراض کرتا۔ اللہ رب العزت نے فرمایا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾ (نساء)

”کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے وہ مول لے رہے ہیں گمراہی کو اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ بہک جاؤ تم بھی راہِ راست سے اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور کافی ہے اللہ حمایتی اور اللہ تعالیٰ مددگار۔ کچھ لوگ جو یہودی ہیں پھیر دیتے ہیں اس کی اصلی جگہوں سے اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی اور کہتے ہیں سنو تم نہ سنائے جاؤ اور کہتے ہیں، رَاعِنَا بل دیتے ہوئے اپنی زبانوں کو اور طعنہ زنی کرتے ہوئے دین میں اور اگر وہ یوں کہتے ہم نے آپ کا ارشاد سنا اور اسے مان لیا اور ہماری عرض سنیے اور نگاہ فرمائیے ہم پر تو ہوتا بہت بہتر ان کے لئے اور بہت درست لیکن دور کر دیا انہیں اللہ نے بوجہ ان کے کفر کے پس نہیں ایمان لائیں گے مگر تھوڑے سے“۔

ایک دفعہ حضور ﷺ نے یہودی علماء سے گفتگو فرمائی ان علماء میں عبداللہ بن صوریا الاعور اور کعب بن سعد بھی شامل تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا ”اے معشر یہود! اللہ سے ڈرو اور اسلام لے آؤ، اللہ کی قسم! تم جانتے ہو کہ وہ کتاب حکیم جو میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں وہ حق ہے“ انہوں نے کہا ”اے محمد عربی ﷺ ہم نہیں جانتے“ انہوں نے اس چیز سے انکار کر دیا جس سے وہ واقف تھے کفر پر اصرار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾ (نساء)

”اے وہ لوگو! جنہیں دی گئی کتاب ایمان لاؤ اس کتاب پر جو نازل فرمائی ہے ہم نے تاکہ تصدیق کرے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے اس سے پہلے کہ ہم مسخ کر دیں چہرے پھر پھیر دیں انہیں پشتوں کی طرف یا لعنت کریں ان پر جس طرح ہم نے لعنت کی سبت والوں پر اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے“۔

ابن ہشام کہتے ہیں ''نَطمِسُ'' کا معنی ہے ہم چہرے کو مسخ اور برابر کر دیں گے اس طرح کہ اس میں کوئی آنکھ، ناک اور منہ نظر نہ آسکے گا۔ ''فَطَمَسنَا اَعیُنَھُم'' کا معنی بھی یہی ہے۔ ''مطموس العین'' اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی پلکوں کے مابین شگاف نہ ہو۔ کہا جاتا ہے۔ طَمَستُ الکِتَابَ و الاَثَرَ میں نے کتاب اور تصنیف کے حروف کو مٹا دیا وہاں کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ اخطل، غوث بن ھبیرہ بن صلت تغلبی اونٹوں کی تعریف میں کہتا ہے۔

تَکلِیفُنَا ھَا کُلَّ طَامِسَةِ الصُّوٰی شَطُوْنٍ تَرٰی حِرْبَاءَ ھَا یَتَمَلمَلُ

ہر مٹنے والی جدا جدا نشانیوں پر، ہم نے انہیں تکلیف دی تو دیکھے گا کہ اس کی پشت کا گوشت متحرک ہے۔

ابن ہشام کہتے ہیں، صُوَی کا واحد صُوَّۃٌ ہے اور صَوٰی ان نشانیوں کو کہا جاتا ہے جن سے راستوں اور پانیوں تک راہ نمائی لی جاتی ہے مُسِحَتِ الاَرضُ کا معنی ہے زمین کو برابر کر دینا

ابن اسحاق کہتے ہیں قریش، غطفان اور بنو قریظہ میں سے جن لوگوں نے باہمی گٹھ جوڑ کیا وہ حیی بن اخطب، سلام بن ابی الحقیق، ابو رافع، ربیع بن ربیع بن ابی الحقیق، ابو عمار، وحوح بن عامر، ھوذہ بن قیس (وحوح، ابو عمار اور ھوذہ کا تعلق بنو وائل سے تھا) تھے۔ جب یہ لوگ قریش مکہ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا یہ یہودیوں کے علماء ہیں یہ سابقہ کتاب کے حامل ہیں، ذرا ان سے پوچھو تو سہی کہ تمہارا دین بہتر ہے یا دین محمدی عمدہ ہے۔ انہوں نے ان سے یہ سوال کیا علمائے یہود نے کہا ''تمہارا دین، دین محمدی سے کہیں عمدہ تر ہے۔ تم ان سے اور ان کے ساتھیوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو'' اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ (نساء:۵۱)

''کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے وہ اب اعتقاد رکھنے لگے ہیں جبت اور طاغوت پر''۔

ابن ہشام کہتے ہیں، جِبت سے مراد ہر وہ چیز ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس کی پوجا کی جائے اور ہر وہ چیز جو راہِ حق سے منحرف کر دے اسے طاغوت کہتے ہیں۔ جِبت کی جمع جُبُوت آتی ہے اور طَاغُوت کی جمع طَوَاغِیت آتی ہے۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ ابن ابی نجیح سے روایت ہے کہ جبت کا معنی جادو اور طاغوت کا معنی شیطان ہے۔

وَ يَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ

اللّٰهُ ؕ وَ مَنۡ یَّلۡعَنِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ نَصِیۡرًا ﴿۵۲﴾ اَمۡ لَهُمۡ نَصِیۡبٌ مِّنَ الۡمُلۡكِ فَاِذًا لَّا یُؤۡتُوۡنَ النَّاسَ نَقِیۡرًا ﴿۵۳﴾ اَمۡ یَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ عَلٰی مَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۚ فَقَدۡ اٰتَیۡنَاۤ اٰلَ اِبۡرٰهِیۡمَ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ وَ اٰتَیۡنٰهُمۡ مُّلۡكًا عَظِیۡمًا ﴿۵۴﴾ (نساء)

''اور کہتے ہیں ان کے بارے میں جنہوں نے کفر کیا کہ یہ کافر زیادہ ہدایت یافتہ ہیں ان سے جو ایمان لائے ہیں یہی وہ (بدنصیب) ہیں جن پر لعنت کی ہے اللہ تعالیٰ نے اور جس پر لعنت بھیجے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کا کوئی مددگار کیا ان کے لئے کوئی حصہ ہے حکومت میں اگر ایسا ہوتا تو نہ دیتے یہ لوگوں کو تل برابر کیا حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس نعمت پر جو عطا فرمائی ہے اللہ نے اپنے فضل سے وہ حسد کی آگ میں جلا کریں ہم نے تو مرحمت فرمادی ہے ابراہیم کے گھرانے کو کتاب اور حکمت اور عنایت فرمادی ہے انہیں عظیم الشان سلطنت''۔

نزولِ قرآن کا انکار

ابن اسحاق کہتے ہیں سکین اور عدی بن زید نے کہا'' اے محمد عربی ﷺ! ہم نہیں جانتے کہ اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی بشر پر کوئی کلام نازل کیا ہو' اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیات نازل کیں۔

اِنَّاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ كَمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی نُوۡحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ۚ وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اِبۡرٰهِیۡمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ وَ الۡاَسۡبَاطِ وَ عِیۡسٰی وَ اَیُّوۡبَ وَ یُوۡنُسَ وَ هٰرُوۡنَ وَ سُلَیۡمٰنَ ۚ وَ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿۱۶۳﴾ وَ رُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰهُمۡ عَلَیۡكَ مِنۡ قَبۡلُ وَ رُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَیۡكَ ؕ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوۡسٰی تَكۡلِیۡمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِیۡنَ وَ مُنۡذِرِیۡنَ لِئَلَّا یَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیۡزًا حَكِیۡمًا ﴿۱۶۵﴾ (نساء)

''بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف جیسے وحی بھیجی ہم نے نوح کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو نوح کے بعد آئے اور جیسے وحی بھیجی ہم نے ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کی طرف اور ہم نے عطا فرمائی داؤد کو زبور اور (جیسے وحی بھیجی) دوسرے رسولوں پر جن کا حال بیان کر دیا ہے ہم نے آپ سے اس سے پہلے اور ان رسولوں پر بھی جن کا ذکر ہم نے اب تک آپ سے نہیں کیا اور کلام فرمایا اللہ نے موسیٰ سے خاص کلام (بھیجے ہم نے یہ سارے) رسول خوشخبری دینے کے لئے اور ڈرانے کے لئے تا کہ نہ رہے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر رسولوں کے آنے کے بعد اور اللہ تعالیٰ غالب

ہے حکمت والا ہے (کوئی تسلیم نہ کرے تو اس کی مرضی)"۔

بارگاہِ رسالت میں یہودیوں کی ایک جماعت حاضر ہوئی، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا "قسم بخدا! تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، اس جماعت نے کہا ہم نہیں جانتے اور نہ ہی ہم اس کی گواہی دیتے ہیں"۔ اللہ رب العزت نے آیات نازل کیں۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾ (نساء)

"لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے اس کتاب کے ذریعے جو اس نے آپ کی طرف اتاری کہ اس نے اسے اتارا ہے اپنے علم سے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ تعالیٰ بطور گواہ"۔

حضور ﷺ پر پتھر گرانے کی سازش

حضور ﷺ بنو نضیر کے پاس گئے تا کہ ان دو عامری شخصوں کی دیت میں ان کی مدد کریں جنہیں عمرو بن امیہ الضمری نے قتل کیا تھا۔ یہودیوں نے تنہائی میں مشاورت کی، انہوں نے کہا "محمد عربی ﷺ آج جتنے تمہارے قریب ہیں پھر کبھی اتنے قریب نہ ہو سکیں گے کوئی ایسا شخص ہو جو اس گھر کی چھت پر چڑھے اور ان پر ایک بڑا سا پتھر گرا دے اور ہمیں ان سے نجات دے"۔ عمرو بن جحاش بن کعب نے کہا "میں یہ کام کروں گا"۔ حضور ﷺ کو ان کی گھناؤنی سازش کا علم ہو گیا۔ آپ ﷺ وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔ اللہ رب العزت نے اس واقعہ کے متعلق یہ آیات نازل کیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ (مائدہ)

"اے ایمان والو یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی جب پختہ ارادہ کر لیا تھا ایک قوم نے کہ بڑھائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھ تو اللہ نے روک دیا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے ایمان والوں کو"۔

محبوبِ خداوندی کا دعویٰ

نعمان بن اضاء، بحری بن عمرو اور شاس بن عدی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان سے گفتگو فرمائی، انہیں اسلام کی دعوت دی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے

ڈرایا انہوں نے عیسائیوں کی طرح کہا ''اے محمد عربی ﷺ! آپ ﷺ ہمیں اللہ سے کیا ڈراتے ہیں ہم تو اس کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں''۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیات نازل کیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ⑱ (مائدہ)

''اور کہا یہود اور نصاریٰ نے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے پیارے ہیں، آپ فرمایئے اگر تم سچے ہو تو پھر کیوں عذاب دیتا ہے تمہیں تمہارے گناہوں پر بلکہ تم بشر ہو اس کی مخلوق سے بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ ہی کے لئے ہی بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف سب نے لوٹ کر جانا ہے''۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی انہیں یہ دین متین قبول کرنے کی ترغیب دلائی۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا مگر انہوں نے انکار کر دیا اور کفرانہ روش اختیار کی۔ حضرت معاذ بن جبل، حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت عقبہ بن وھب رضی اللہ عنہم نے ان سے کہا۔ ''اے گروہِ یہود! اللہ سے ڈرو، اللہ کی قسم! تم جانتے ہو کہ حضور ﷺ اللہ کے رسولِ معظم ہیں، آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے تم ہم سے حضور ﷺ کا تذکرہ کرتے تھے، ہمیں آپ ﷺ کے اوصافِ حمیدہ بتاتے تھے''۔ رافع بن حریملہ اور وھب بن یہود نے کہا ''ہم نے تمہیں کب یہ کہا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے کوئی کتاب نازل نہیں کی۔ اس نے ان کے بعد کسی کو بشیر و نذیر بنا کر نہیں بھیجا''۔ اللہ رب العزت نے ان کا جواب اس طرح ارشاد فرمایا۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ؗ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑲ (مائدہ)

''اے اہل کتاب بے شک آ گیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول صاف بیان کرتا ہے تمہارے لئے احکام الٰہی بعد اس کے کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا تھا تا کہ تم یہ نہ کہو کہ نہیں آیا تھا ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور نہ کوئی ڈرانے والا، اب تو آ گیا ہے تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے''۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کا ذکر خیر کیا، ان تکالیف کا تذکرہ کیا جو یہودیوں سے آپ ﷺ کو پہنچیں۔ انہوں نے کس طرح عہد شکنی کی اور اللہ کے امر کا رد کیا پھر وہ کس طرح چالیس سال تک میدانِ تیہہ میں بھٹکتے پھرتے رہے۔

بنواسرائیل میدانِ تیہہ میں

جب بنواسرائیل نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے حکم کی مخالفت کی تو وہ چالیس سال تک میدانِ تیہہ میں سرگرداں رہے۔ جب وہ "جبارین" کے عظیم اجسام دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے تو ان سے یوشع بن نون اور کالب بن یوفیا نے کہا۔

اُدْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُوْنَ۔

"داخل ہو جاؤ ان پر دروازہ سے اور جب تم داخل ہو گئے دروازہ سے تو یقیناً تم غالب آ جاؤ گے"۔

مگر انہوں نے ان کی بات نہ مانی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے یہ بددعا کی یہ چھ فرسخ زمین میں ہی پھرتے رہے۔ سارا دن چلتے رہتے مگر رات کو وہیں ہوتے جہاں سے آغاز کرتے اور صبح وہیں کرتے جہاں رات بسر کی ہوتی۔ اسی صحراء میں اللہ تعالیٰ نے ان پر من وسلویٰ اتارا کیونکہ اس میدان میں سرگرداں ہونے کی وجہ سے انہیں معیشت کی ہوش تک نہ تھی۔ ان کے کپڑے ان کے اجسام پر اسی حالت میں رہے بوسیدہ نہ ہوئے اور نہ پھٹے۔ اگر کسی کا جسم لمبا ہوتا تو کپڑے بھی لمبے ہو جاتے۔ اسی میدان میں ہی حضرت موسیٰ نے ان کے لئے ابر کرم کی دعا مانگی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ کوہِ طور سے ایک پتھر لیں اور اپنا عصا مبارک اس پر ماریں۔ آپ علیہ السلام نے یہ عمل فرمایا تو اس پتھر سے بارہ چشمے رواں ہو گئے۔ اسی میدان میں بنواسرائیل پر بادل سایہ فگن ہوا تھا کیونکہ وہ ایک چٹیل میدان میں تھے۔ بادل نے انہیں دھوپ کی شدت سے بچایا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے میدان تیہہ میں ان کی محنت و حیرت دیکھی تو اپنی بددعا پر نادم ہوئے۔ آپ علیہ السلام نے ان کے لئے مذکورہ بالا انعاموں کی التجاء کی تھی تا کہ وہ اس چٹیل میدان میں بھوکے، پیاسے اور عریاں ہی نہ ہو جائیں۔ جب آپ علیہ السلام نے ان سے ہمدردی فرمائی تو ارشاد ہوا۔

فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ (مائدہ)

"وہ قوم جس نے آپ علیہ السلام کے حکم کی نافرمانی کی ہے انکے لئے اظہارِ ہمدردی نہ فرمائیں"

اسی میدان میں ان کے تمام سن رسیدہ لوگ مر گئے مگر یوشع اور کالب زندہ رہے۔ جبارین کی زمین میں ان کی اگلی نسل ہی گئی کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ کا وصال بھی اسی میدان میں ہوا تھا اور آپ یوشع

رجم کے حکم میں یہودیوں کا رجوع

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ میں رونق افزاء ہوئے تو علماء یہود بیت المدارس میں جمع ہوئے۔ ان میں سے ایک شادی شدہ مرد نے شادی شدہ عورت سے فعل شنیع کیا تھا انہوں نے مشاورت کی کہ اس مرد اور عورت کو محمد عربی ﷺ کے پاس لے جاؤ اور ان سے پوچھو کہ ان کا حکم کیا ہے؟ آپ ﷺ کو دونوں کا حکم بنالو۔ اگر انہوں نے تمہاری طرح ''تجبیہ'' (تجبیہ یہ ہے کہ کھجور کی رسی پر تیل مل کر اسے کوڑا بنالیا جاتا ہے۔ فعل بد کرنے والے مرد وزن کو مارا جاتا ہے پھر دونوں کو پیچھے کی طرف منہ کر کے بٹھایا جاتا ہے ان کا منہ کالا کیا جاتا ہے) کا فیصلہ کیا تو ان کی اتباع کر لینا اور ان کی تصدیق کر لینا کیونکہ وہ بادشاہ ہوں گے اور اگر انہوں نے رجم کا فیصلہ کیا تو پھر وہ نبی محترم ﷺ ہیں پھر ان سے پہلو تہی کر لینا تا کہ وہ نبوت جو تمہارے ہاتھوں میں ہے وہ سلب نہ ہو سکے۔ یہودی ان تیرہ بختوں کو لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی ''اے محمد مصطفیٰ ﷺ! اس شادی شدہ مرد نے شادی شدہ عورت سے بدکاری کی ہے ان کے مابین فیصلہ فرما دیں۔ ہم آپ ﷺ کو ان کا ثالث تسلیم کرتے ہیں''۔ حضور ﷺ وہاں سے بیت المدارس میں علمائے یہود کے پاس تشریف لائے اور فرمایا ''اے گروہِ یہود! اپنے علماء کو میرے پاس بھیجو، عبداللہ بن صوریا حاضر خدمت ہوا''۔

ابن اسحاق کہتے ہیں، بنو قریظہ کے ایک شخص نے مجھے بیان کیا ہے کہ اس دن عبداللہ بن صوریا کے ساتھ ساتھ ابو یاسر بن اخطب اور وھب بن یہوذا بھی تھے۔ یہودیوں نے کہا یہ ہمارے چوٹی کے علماء ہیں پھر آپ ﷺ نے ان سے مختلف سوالات کیے یہاں تک کہ انہوں نے اقرار کر لیا کہ عبداللہ بن صوریا تورات کا سب سے بڑا عالم ہے۔ حضور ﷺ اس کے ساتھ

کے ساتھ فتح میں شرکت نہ کر سکے۔ دوسرا قول اس قول کے برعکس ہے۔

سنگسار ہونے والی عورت

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ جب اس بدکار مرد کو پتھر کی ضرب لگی تو وہ اپنی بدکارہ ساتھی عورت پر جھکا تا کہ اسے آڑ بنا کر پتھروں سے بچ سکے۔ ابوالولید کی روایت کے مطابق یہ لفظ حَنَا ہے۔ مؤطا میں یحییٰ کی بھی یہی روایت ہے۔ وہاں فَجَعَلَ يَحْنِي عَلَيْهَا ہے۔ ابوالولید کی دوسری روایت کے

خلوت میں تشریف لے گئے۔ عبداللہ نوجوان تھا اور علمائے یہود میں سے سب سے کم عمر تھا۔ حضور ﷺ نے اس مسئلہ کی وضاحت فرماتے ہوئے فرمایا ''اے عبداللہ بن صوریا! میں تجھے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں اور ان نعمتوں کو یاد دلاتا ہوں جو اس نے بنی اسرائیل پر کیں، کیا تو جانتا ہے کہ شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت کی بدکاری کا تورات میں حکم کیا ہے؟'' اس نے کہا ''ہاں اللہ کی قسم! اے ابوالقاسم! یہ سب جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نبی مرسل ہیں لیکن یہ آپ ﷺ سے حسد کرتے ہیں'' حضور ﷺ وہاں سے تشریف لائے اور ان دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ کی مسجد کے دروازے کے پاس انہیں سنگسار کر دیا گیا۔ اس کے بعد ابن صوریا نے بھی آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کر دیا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں، اللہ رب العزت نے ان کے متعلق یہ آیات نازل کیں۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ ٱلَّذِينَ يُسَٰرِعُونَ فِى ٱلْكُفْرِ مِنَ ٱلَّذِينَ قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا بِأَفْوَٰهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِن قُلُوبُهُمْ ۛ وَمِنَ ٱلَّذِينَ هَادُوا۟ ۛ سَمَّٰعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّٰعُونَ لِقَوْمٍ ءَاخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ يُحَرِّفُونَ ٱلْكَلِمَ مِنۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهِۦ ۖ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَٱحْذَرُوا۟ (مائدہ: ۴۱)

''اے رسول! نہ غمگین کریں آپ کو وہ جو تیز رفتار ہیں کفر میں ان لوگوں سے جنہوں نے کہا ہم ایمان لائے صرف اپنے (منہ) سے حالانکہ نہیں ایمان لائے تھے ان کے دل اور ان لوگوں سے جو یہودی ہیں، جاسوسی کرنے والے ہیں جھوٹ بولنے والے کے لئے وہ جاسوس ہیں، دوسری قوم کے، جو نہیں آئی آپ کے پاس بدل دیتے ہیں اللہ کی باتوں کو اس کے صحیح موقعوں سے کہتے ہیں اگر تمہیں دیا جائے تو یہ حکم مان لو اسے اور اگر نہ دیا جائے تمہیں یہ حکم تو بچو''۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ انہیں مسجد نبوی ﷺ کے دروازہ پر سنگسار کر دیا گیا جب یہودی کو پتھر پڑا تو وہ اس عورت کی طرف گیا۔ فَجَنَأَ عَلَيْهَا يَقِيهَا مَسَّ الْحِجَارَةِ حَتَّى قُتِلَا

مطابق یہ لفظ ''جَنَا'' ہے ابوعبید نے بھی اسی لفظ کی تشریح کی ہے۔ جَنَاء، انحراف کو کہتے ہیں، عوف بن محلم کہتا ہے۔

وَ بَدَّلَتْنِي بِالشَّطَاطِ الْجَنَا وَ كُنْتُ كَالصَّعْدَةِ تَحْتَ السِّنَانِ

تو نے مجھے سیدھے قد سے ٹیڑھا کر دیا ہے حالانکہ میں پہلے نیزے کے پھل کے نیچے مضبوط تیر کی

بَجْنَأَ۔ اس پر جھکا تا کہ پتھروں سے بچ سکے پھر وہاں دونوں ہلاک ہو گئے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضرت نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ جب نے حضور ﷺ کو ان دونوں کے لئے ثالث بنایا تو آپ ﷺ نے یہودیوں کو تورات لانے کے لئے کہا ان کا ایک عالم تورات پڑھنے لگا۔ جب وہ آیتہ رجم پر پہنچا تو اس نے اس پر ہاتھ رکھ لیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس عالم کے ہاتھ پر مارا پھر عرض کی "یا رسول اللہ! ﷺ یہ رجم کی آیت ہے مگر یہ ظالم آپ ﷺ کو سنانے سے پہلو تہی کر رہا ہے"۔ حضور ﷺ نے فرمایا "اے گروہِ یہود! حکم الٰہی تمہارے ہاتھوں میں ہے اسے ترک کرنے کا حکم تمہیں کس نے دیا؟" انہوں نے عرض کی "قسم بخدا! ہمارے ہاں یہی فیصلہ ہوتا تھا حتیٰ کہ ایک امیر گھرانہ کے شخص نے بدکاری کی، بادشاہ نے اسے رجم کرنے سے روک دیا۔ اس کے بعد ایک اور شخص نے بدکاری کی، بادشاہ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا"۔ علماء نے کہا "اس کو اس وقت تک رجم نہیں کیا جائے گا جب تک اس امیر زادہ کو رجم نہ کیا جائے"۔ پھر علماء اور بادشاہ نے "تجبیہ" پر اتفاق کر لیا رجم کے ذکر اور اس پر عمل کو انہوں نے پس پشت ڈال دیا۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا "میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کے حکم، اس کی کتاب اور اس پر عمل کو حیاتِ نو بخشی"۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، میں ان لوگوں میں موجود تھا جنہوں نے ان کو رجم کیا تھا۔

دیت کی ادائیگی میں یہودیوں کا ظلم

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد مبارک

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا ۖ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (مائدہ)

"تو چاہے فیصلہ فرمایئے ان کے درمیان یا منہ پھیر لیجئے ان سے (آپ کو اختیار ہے) اور اگر آپ منہ پھیر لیں ان سے تو نہ نقصان پہنچا سکیں گے آپ کو کچھ بھی اور اگر آپ فیصلہ کریں تو

طرح تھا۔

اس واقعہ میں ایک فقہی مسئلہ یہ ہے کہ ان فعل شنیع کرنے والوں کو رجم کرنے کے لئے گڑھا نہیں کھودا گیا تھا۔ کثیر فقہاء کا یہی نقطہ نظر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے شراحہ

فیصلہ فرمائیے ان میں انصاف سے بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے"۔

کا شانِ نزول یہ ہے کہ بنونضیر اور بنوقریظہ کے مابین دیت کی عجیب کیفیت تھی کیونکہ بنونضیر قبیلہ کو صاحب شرف سمجھا جاتا تھا اس لئے ان کی مکمل دیت دی جاتی تھی جبکہ بنوقریظہ کے مقتولین کی دیت نصف ادا کی جاتی تھی۔ اللہ رب العزت نے یہ آیت مذکورہ بالا مسئلہ کے متعلق نازل کی۔ حضور ﷺ نے انہیں حق پر اکسایا اور انہیں ایک جیسی دیت ادا کرنے کا حکم دیا۔

حضور ﷺ کو فتنہ میں ڈالنے کی سازش

ابن اسحاق کہتے ہیں، کعب بن اسد، ابن صلویا، عبداللہ بن صوریا اور شاس بن قیس نے ایک دوسرے سے کہا "محمد عربی ﷺ کے پاس جاتے ہیں شاید ہم انہیں دین سے منحرف کرنے میں کامیاب ہو جائیں وہ ایک بشر ہی تو ہیں"۔ وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "اے محمد مصطفیٰ ﷺ! آپ ﷺ جانتے ہیں کہ ہم یہود کے علماء، اشراف اور سردار ہیں۔ اگر ہم نے آپ ﷺ کی اتباع کر لی تو سارے یہودی آپ ﷺ کے پیروکار بن جائیں گے۔ وہ ہماری مخالفت نہیں کریں گے۔ ہمارے اور ہماری قوم کے مابین مخالفت ہو گئی ہے۔ اگر ہم آپ ﷺ کو ثالث مقرر کریں اور آپ ﷺ ہمارے حق میں فیصلہ کر دیں تو ہم آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ ﷺ کی تصدیق کریں گے" مگر حضور ﷺ نے ایسا فیصلہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ رب العزت نے یہ آیات نازل کیں۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۞ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۞ (مائدہ)

"اور یہ کہ فیصلہ فرمائیں آپ ان کے درمیان اس کے مطابق جو نازل فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اور نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی اور آپ ہوشیار رہیں ان سے کہ کہیں برگشتہ نہ کر دیں آپ کو اس کے کچھ حصہ سے جو اتارا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو جان لو کہ بے شک ارادہ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ سزا دے انہیں ان کے بعض گناہوں کی اور بے شک

بنت مالک ہمدانیہ کو رجم کرتے وقت گڑھا کھودا تھا مگر اکثر احادیث میں ہے کہ مرجوم کے لئے گڑھا نہ کھودا جائے، اس مرجومہ عورت کا نام بسرۃ تھا۔ ان کے واقعہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ

بہت سے لوگ نافرمان ہیں۔تو کیا وہ جاہلیت کے زمانہ کے فیصلے چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بہتر کس کا حکم ہوسکتا ہے اس قوم کے نزدیک جو یقین رکھتی ہے"۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار

ابن اسحاق کہتے ہیں، یہودیوں کا ایک گروہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ان میں ابو یاسر بن اخطب، نافع بن ابی نافع، عازر بن ابی عازر، خالد، زید، ازار بن ابی ازار اور اشیع تھے۔ آپ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ﷺ کن کن رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (البقرہ:۱۳۶)

"کہہ دو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو نازل کیا گیا ہماری طرف اور جو اتارا گیا ابراہیم واسماعیل واسحٰق ویعقوب اور ان کی اولاد کی طرف اور جو عطا کیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ کو اور جو عنایت کیا گیا دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے۔ہم فرق نہیں کرتے ان میں کسی پر ایمان لانے میں اور ہم تو اللہ کے فرماں بردار ہیں"۔

جب حضور ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا تو علمائے یہود نے آپ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کردیا۔انہوں نے کہا۔"ہم نہ تو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتے ہیں اور نہ ہی اس ذات پر ایمان لاتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رسول برحق سمجھے" اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل کی۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ (المائدہ)

"آپ فرمایئے اے اہل کتاب! تم کیا ناپسند کرتے ہو ہم سے بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے اللہ کے ساتھ اور جو اتارا گیا ہماری طرف اور جو اتارا گیا اس سے پہلے اور بلاشبہ بہت سے

بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا (مائدہ:۴۳)

"اور کیسے منصف بناتے ہیں آپ کو حالانکہ ان کے پاس تورات ہے (اس میں اللہ کا حکم ہے) پھر وہ منہ پھیرتے ہیں (اس سے) اس کے بعد بھی)"۔

تم میں سے فاسق ہیں''۔

حق کا دعویٰ

رافع بن حارثہ، سلام بن مشکم، مالک بن صیف اور رافع بن حریملہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے کہا ''اے محمد مصطفیٰ ﷺ! کیا آپ ﷺ یہ گمان نہیں کرتے کہ آپ ﷺ ملت ودین ابراہیمی پر ہیں۔ ہماری تورات پر بھی ایمان لاتے ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ یہ اللہ رب العزت کی طرف سے حق ہے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں! مگر تم نے اس کتاب میں تبدیلی کی ہے تم نے اس عہد کا انکار کر دیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم سے لیا تھا اور اس الہامی کتاب میں مذکور تھا۔ تم نے ان امور کو پوشیدہ رکھا جن کو عیاں کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا تھا۔ میں تمہارے اس تغیر وتبدل سے بری ہوں'' علمائے یہود نے کہا ''ہم اسی کو پکڑتے ہیں جو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ ہم راہِ حق وہدایت پر ہیں ہم نہ تو آپ ﷺ پر ایمان لائیں گے اور نہ ہی آپ ﷺ کی اتباع کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انُ کے متعلق یہ آیت نازل کی۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ (مائدہ)

''آپ فرمایئے اے اہل کتاب! نہیں ہو تم کسی چیز پر (ہدایت سے) یہاں تک کہ (عمل سے) قائم کرو تورات اور انجیل کو اور جو اتارا گیا تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اور ضرور بڑھا دے گا اکثر کو ان میں سے جو نازل کیا آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے سرکشی اور انکار میں پس آپ نہ افسوس کریں قوم کفار پر''۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک

ابن اسحاق کہتے ہیں، نجام بن زید، قردم بن کعب اور بحری بن عمرو بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی ''اے محمد عربی! ﷺ کیا آپ ﷺ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے

اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات اور وہ علماء ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے رجم کا حکم کرتے تھے کیونکہ حضور ﷺ نے ان کے لئے رجم کا ہی فیصلہ فرمایا جنہوں نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ثالث بنایا تھا اور ان کے دیگر علماء مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام اور ابن صوری کا بھی یہی فیصلہ تھا کیونکہ انہیں

ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی معبود نہیں اسی پیام حق کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اور اسی کی طرف میں دعوت دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیات نازل فرمائیں۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ۫ وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝۱۹ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۲۰ (انعام)

"آپ پوچھئے کون سی چیز بڑی (معتبر) ہے گواہی کے لحاظ سے، آپ ہی بتائیے اللہ وہی گواہ ہے میرے درمیان اور تمہارے درمیان اور وحی کیا گیا ہے میری طرف یہ قرآن تا کہ میں ڈراؤں تمہیں اس کے ساتھ اور (ڈراؤں) اسے جس تک یہ پہنچے کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خدا اور بھی ہیں"۔ "آپ فرمائیے میں تو (ایسی جھوٹی) گواہی نہیں دیتا۔ آپ فرمائیے وہ تو صرف ایک خدا ہی ہے اور بے شک میں بیزار ہوں ان (بتوں) سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو، جنہیں ہم نے دی ہے کتاب وہ پہچانتے ہیں اس نبی کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو جنہوں نے نقصان میں ڈال دیا ہے اپنے آپ کو تو وہ نہیں ایمان لائیں گے"۔

رفاعہ بن زید بن تابوت اور سوید بن حارث نے منافق تھے، انہوں نے بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا۔ مسلمان ان سے محبت کرنے لگے۔ ارشاد ربانی ہوا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝۵۷ وَ اِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ ۝۵۸ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۵۹ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَیْهِ وَ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِیْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ۝۶۰ وَ اِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَ قَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَ هُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا یَكْتُمُوْنَ ۝۶۱ (مائدہ)

"اے ایمان والو! مت بناؤ ان لوگوں کو جنہوں نے بنا رکھا ہے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل

معلوم تھا کہ تورات میں اس فعل شنیع کی سزا رجم ہے مگر یہودیوں نے اس سزا کو تبدیل کر دیا تھا۔

ان سے جنہیں دی گئی کتاب اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اگر ہو تم ایمان دار اور جب تم بلاتے ہو نماز کی طرف (یعنی اذان دیتے ہو) تو وہ بناتے ہیں اسے مذاق اور تماشہ یہ (حماقت) اس لئے ہے کہ وہ ایسی قوم ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے آپ فرمایئے اے اہل کتاب! تم کیا ناپسند کرتے ہو ہم سے بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے اللہ کے ساتھ اور جو اتارا گیا ہماری طرف اور جو اتارا گیا اس سے پہلے اور بلاشبہ بہت سے تم میں سے فاسق ہیں۔ آپ (انہیں) فرمایئے کیا میں آگاہ کروں تمہیں کہ کون برا ہے اس سے باعتبار جزاء کے اللہ کے نزدیک۔ وہ لوگ (برے ہیں) جن پر لعنت کی اللہ نے اور غضب فرمایا ان پر اور بنایا ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو سؤر اور (وہ برے ہیں) جنہوں نے پوجا کی شیطان کی وہی لوگ بدترین ہیں بلحاظ درجہ کے اور دوسروں سے زیادہ بھٹکنے والے ہیں راہ راست سے اور جب آتے ہیں تمہارے پاس تو کہتے ہیں ہم ایمان لا چکے، حالانکہ وہ (یہاں) داخل بھی ہوئے کفر کے ساتھ اور وہ نکلے بھی کفر کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپا رہے تھے"۔

قیامت کے متعلق سوال

جبل بن ابی قشیر اور شمویل بن زید نے حضور علیہ السلام سے کہا "اے محمد مصطفیٰ علیہ السلام ہمیں قیامت کے متعلق بتائیں کہ کب قائم ہوگی؟" اللہ رب العزت نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ؁ (الاعراف)

"وہ دریافت کرتے ہیں آپ سے قیامت کے متعلق کہ کب ہوگا اس کا وقوع آپ کہیے کہ اس کا علم تو میرے رب ہی کے پاس ہے نہیں ظاہر کرے گا اسے اپنے وقت پر مگر وہی یہ (حادثہ) بہت گراں ہے آسمانوں اور زمین میں، نہ آئے گی تم پر مگر اچانک۔ وہ پوچھتے ہیں آپ سے گویا آپ خوب تحقیق کر چکے ہیں اس کے متعلق۔ آپ فرمایئے اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"۔

ابن ہشام کہتے ہیں۔ اَیَّانَ مُرْسَاھَا کا معنی ہے مَتٰی مُرْسَاھَا قیس بن حدادیہ خزاعی کہتا

حضور علیہ السلام نے بھی رجم کا فیصلہ فرمایا، اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں بھی اس کی سزا رجم ہے۔ امام مالک نے یہی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ آپ علیہ السلام نے دو افراد سے فرمایا" میں

ہے۔

فَجِئْتُ وَ مُخْفِي السِّرِ بَيْنِيْ وَ بَيْنَهَا　　لِاَسْأَلَهَا اَيَّانَ مَنْ سَارَ رَاجِعُ

"میرے اور اس کے مابین سرنہاں تھا میں اس کے پاس آیا تا کہ اس سے پوچھوں کہ جانے والا واپس کب آئے گا"۔

مُرْسَاهَا کا معنی مُنْتَهَاهَا ہے۔ اس کی جمع مَرَاس آتی ہے کمیت بن زید الاسدی کہتا ہے۔

وَالْمُصِيْبِيْنَ بَابَ مَا اَخْطَأَ النَّاسُ　　وَ مُرْسٰى قَوَاعِدِ الْاِسْلَامِ

حَفِيٌّ عَنْهَا میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی يَسْئَلُوْنَكَ عَنْهَا كَاَنَّكَ حَفِيٌّ بِهِمْ۔ وہ آپ ﷺ سے اس طرح پوچھ رہے ہیں گویا کہ آپ ﷺ ان پر بڑے مہربان ہیں اور آپ ﷺ انہیں اس علم سے آگاہ کر دیں گے جس سے آپ ﷺ نے دوسروں کو آگاہ نہیں کیا۔ "حَفِيٌّ" کا معنی پاکباز اور مہربان ہے۔ ارشاد ربانی ہے: اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا (مریم)

اس کی جمع احفیاء آتی ہے۔ اعشی بن قیس بن ثعلبہ کہتا ہے۔

فَاِنْ تَسْأَلِيْ عَنِّيْ فَيَارُبَّ سَائِلٍ　　حَفِيٌّ عَنِ الْاَعْشٰى بِهٖ حَيْثُ اَصْعَدَا

اگر تو میرے متعلق پوچھ رہی ہے (تو اس میں تعجب کیا ہے) اعشی جہاں بھی جاتا ہے وہاں کتنے ہی سائل اس کے متعلق انتہائی دلچسپی سے پوچھتے ہیں۔

حَفِيٌّ علم کی جستجو میں انتہائی کوشش کرنے والے کو بھی کہتے ہیں۔

یہودیوں کا یہ دعویٰ کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ سلام بن مشکم، ابوانس نعمان بن اوفی محمود بن دحیہ، شاس بن قیس اور مالک بن صیف بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور کہا۔ "ہم آپ ﷺ کی اتباع کیسے کر سکتے ہیں حالانکہ آپ ﷺ نے ہمارے قبلہ کو بھی ترک کر دیا ہے اور آپ ﷺ یہ عقیدہ بھی نہیں رکھتے کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں" اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـــــُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (توبہ)

"اور کہا یہود نے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور کہا نصرانیوں نے کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کی (بے سروپا) بات ہے ان کے مونہوں سے نکلی ہوئی نقل اتار رہے ہیں ان لوگوں کے قول کی

تمہارے مابین اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ فیصلہ کروں گا پھر آپ ﷺ نے رجم کا حکم فرمایا۔ تورات

جنہوں نے کفر کیا پہلے ہلاک کرے انہیں اللہ تعالیٰ، کدھر بھٹکے چلے جا رہے ہیں"۔

ابن ہشام کہتے ہیں "یُضَاھُوْنَ" کا معنی ہے کہ ان کے اقوال میں مشابہت ہے مثلاً اگر ایک شخص کوئی بات کرے اور دوسرا بھی اسی کی مثل گفتگو کرے تو کہا جاتا ہے فَھُوَ یُضَاھِیْكَ۔

نزول کتاب کا مطالبہ

ابن اسحاق کہتے ہیں محمود بن سیحان، نعمان بن اضاء، بحری بن عمرو عزیر بن ابی عزیر اور سلام بن مشکم حضور اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی "اے محمد مصطفیٰ! ﷺ کیا آپ ﷺ اللہ کی طرف سے جو پیغام لے کر آئے ہیں وہ حق ہے۔ یہ پیغام اس طرح منظم نہیں جس طرح تورات منظم ہے"۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا "اللہ کی قسم! تم جانتے ہو کہ یہ پیغام اللہ رب العزت کی طرف سے ہے تم اسے اپنے پاس تورات میں بھی مرقوم دیکھتے ہو۔ اگر جن و انس اس جیسا کلام لانے پر اتفاق بھی کر لیں تو پھر بھی وہ ایسا کلام نہ کر سکیں گے"۔ اس وقت ان کے علمائے یہود (فنحاص، عبداللہ بن صوریا، ابن صلوبا، کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق، اشیع، کعب بن اسد، شمویل بن زید اور جبل بن عمرو بن سکینہ نے کہا "اے محمد مصطفیٰ! ﷺ کیا جن و انس میں سے کوئی بھی آپ ﷺ کو یہ تعلیم نہیں دیتا؟" آپ ﷺ نے ان سے فرمایا "قسم اللہ کی! تم جانتے ہو کہ یہ پیغام اللہ کی طرف سے ہے اور میں اللہ تعالیٰ کا سچا رسول ہوں۔ یہ تمام امر تمہارے پاس تورات میں مرقوم ہے"۔ انہوں نے عرض کی "اے محمد مصطفیٰ ﷺ! اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو رسول بنا کر مبعوث کرتا ہے جو وہ ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پورا فرما دیتا ہے۔ آپ ﷺ آسمان سے ہمارے لئے کتاب نازل کریں جسے ہم پڑھیں اور اسے جانیں ورنہ ہم ایسا کلام پیش کر دیں گے جیسا کلام آپ ﷺ لے کر آئے ہیں"۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے یہ آیت نازل کی۔

قُلْ لَّىٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴿۸۸﴾ (الاسراء)

(بطورِ چیلنج) کہہ دو کہ اگر اکٹھے ہو جائیں سارے انسان اور سارے جن اس بات پر کہ لے آئیں اس قرآن کی مثل تو ہرگز نہیں لا سکیں گے اس کی مثل اگرچہ وہ ہو جائیں ایک دوسرے کے مددگار"۔

میں بھی یہی حکم تھا۔ قرآن پاک میں بھی یہی حکم ہے۔ اس حدیث کے متعلق اور بھی بہت سے اقوال

ابن ہشام کہتے ہیں "ظَھِیْر" کا معنی مددگار ہے۔ اسی سے اہل عرب کا یہ قول ہے "تَظَاھَرُوْا عَلَیْہِ" اس کے خلاف مدد کرو۔ شاعر کہتا ہے۔

یَا سَمِیَّ النَّبِیِّ اَصْبَحْتَ لِلَّذِیْنَ قَوَامًا وَ لِلْاِمَامِ ظَھِیْرًا

اے نبی مکرم ﷺ کے ہم نام دین کا نگہبان اور امام کا معاون بن جا۔

ذوالقرنین کے متعلق سوال

جب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ دولت اسلام سے مالا مال ہوئے تو حیی بن اخطب، کعب بن اسد، ابورافع، اشیع اور شمویل بن زید نے ان سے کہا۔ "عرب میں نبوت نہیں ہوتی تمہارے صاحب (ﷺ) تو بادشاہ ہیں" پھر وہ حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے ذوالقرنین کے متعلق پوچھا۔ آپ ﷺ نے انہیں وہ کلام سنایا جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر ذوالقرنین کے متعلق اتارا تھا۔ آپ ﷺ نے یہی آیات قریش مکہ کو بھی اسی سوال کے جواب میں سنائی تھیں۔ جب قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو یہودیوں کے پاس بھیجا تو انہوں نے انہیں نبی محترم ﷺ سے ذوالقرنین کے متعلق پوچھنے کے لئے کہا۔

بارگاہِ ربوبیت میں گستاخی

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہودیوں کا ایک گروہ بارگاہِ رسالت میں آیا انہوں نے عرض کی "اے محمد عربی! ﷺ اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کس نے بنایا ہے؟ (نعوذ باللہ) یہ گستاخی سن کر حضور ﷺ کو شدید غصہ آیا، چہرۂ انور کا رنگ متغیر ہو گیا اسی عالم میں آپ ﷺ ان پر حملہ آور ہوئے حضرت جبرائیل علیہ السلام خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ پیارے مصطفیٰ! ﷺ نرمی اختیار فرمائیں پھر سورۂ اخلاص کا نزول ہوا۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ یَلِدْ ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ ۙ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

"(اے حبیب) فرما دیجئے وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ صمد ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے"۔

کئے گئے ہیں مگر صحیح وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔

جب آپ ﷺ نے یہودیوں کو یہ سورت سنائی تو انہوں نے کہا "اے محمد عربی! ﷺ آپ بیان فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کی خلقت کیسی ہے، اس کے بازو کیسے ہیں اس کے ہاتھ کیسے ہیں؟؟؟ آپ ﷺ یہ گستاخی سن کر پہلے سے زیادہ غصہ میں آگئے اور ان پر حملہ آور ہو گئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی "یارسول اللہ! ﷺ آپ ﷺ نرمی اختیار فرمائیں اور یہ آیت نازل کی۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (الزمر)

"اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ کی، جیسے حق تھا اس کی قدر پہچاننے کا اور (اس کی شان تو یہ ہے) ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور سارے آسمان لپٹے ہوئے اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے پاک ہے وہ ہر عیب سے اور برتر لوگوں کے شرک سے"۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو سنا آپ ﷺ فرما رہے تھے عنقریب لوگ باہمی سوالات کریں گے، حتیٰ کہ ان میں سے ایک سوال کرنے والا پوچھے گا یہ کائنات تو اللہ نے تخلیق کی ہے مگر اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے جب لوگ ایسے سوالات کریں اس وقت یوں کہا کرو۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

"پھر وہ شخص اپنے دائیں طرف تین مرتبہ تھوک دے اور شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے"۔

الصمد

اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی طرف مصائب میں قصد کیا جاتا ہے اور مشکلات میں اس کا دامن پکڑا جاتا ہے۔ ہند بنت معبد بن نضلہ، عمرو بن مسعود اور خالد بن نضلہ کے مرثیہ میں کہتی ہے۔ ان دونوں کو نعمان بن منذر اللخمی نے قتل کیا تھا۔

اَلَا بَكَرَ النَّاعِي بِخَيْرَيْ بَنِي اَسَدٍ بِعَمْرِو بْنِ مَسْعُوْدٍ وَ بِالسَّيِّدِ الصَّمَدِ

صبح کے وقت موت کی خبر دینے والے نے بنو اسد کے دو بہترین شخصوں کی موت کی خبر دی۔ ان میں سے ایک عمرو بن مسعود اور دوسرا سید صمد (وہ سردار مشکل میں جس کی پناہ لی جائے) ہے۔

بروز اتوار مورخہ 2002-09-08 بوقت 11 بجے دن "الروض الانف" کی دوسری جلد کا ترجمہ مکمل کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہوا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَحْمَةٍ لِّلْعَالَمِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِهٖ الطَّیِّبِیْنَ وَعَلٰی اَصْحَابِهٖ الطَّاهِرِیْنَ وَعَلٰی جَمِیْعِ اُمَّتِهٖ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنَ۔

غبارِ راہ حجاز

ذوالفقار علی

مدرس دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف